انوارِ رحمانی

ترجمہ

غایۃ الامانی

تالیف

امام علامہ ابو المعالی محمود شکری آلوسی رحمۃ اللہ علیہ

جلد اول

جامعۃ العلوم الاثریہ
جہلم — پاکستان

وفقہ اللہ تعالیٰ

سلسلۂ اشاعت نمبر ۱۶

انوارِ رحمانی

ترجمہ

غایۃ الأمانی

تالیف

إمام علامہ ابو المعالی، محمود شکری آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۲۷۳ھ — ۱۳۴۲ھ

جلد اوّل

الناشر

محمد مدنی بن حافظ عبد الغفور

رئیس جامعۃ العلوم الاثریہ جہلم پاکستان

اس کتاب کے جملہ حقوق

"جامعۃ العلوم الاثریہ" جہلم (پاکستان) کے نام محفوظ ہیں

سلسلہ اشاعت نمبر ۱۶

انوارِ رحمانی ترجمہ (غایۃ الامانی)

مترجم: حضرت مولانا ابوبکر صدیق سلفی حفظہ اللہ

تسوید و تصحیح: اکرام اللہ ساجد کیلانی

طبع اول: ربیع الاول ۱۴۱۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۰ء

(۲۰۰۰)

مطبع: جاوید ریاض پرنٹرز —— لاہور

باہتمام

حافظ عبدالحمید عامر حافظ عبدالغفور

مدیر

جامعۃ العلوم الاثریہ

جہلم ○ پاکستان

فون: ۰۵۹۴۱ ۲۶۶۰/۲۷۷۱ برائے مفت تقسیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

الحمد للہ رب العٰلمین، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم، وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین۔ امابعد:

حق و باطل کی آویزش ہمیشہ سے جاری ہے۔ ایک طرف اگر ابلیسی لشکر اپنے باطل کی حمایت میں کفر و ضلالت کے لنگر لنگوٹ کس کر حق اور اہلِ حق کے خلاف میدان میں اترتا رہا ہے تو دوسری طرف حق کے پشتیبان بھی غافل نہیں رہے۔ انہوں نے نہ صرف اس شیطانی گروہ کو دعوتِ مبارزت دی، بلکہ روشن دلائل کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اس کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمیشہ اسے شرمناک اور ذلت آمیز پسپائی پر مجبور بھی کیا ہے۔ بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ!

زیرِ نظر کتاب اسی اجمال کی تفصیل ہے۔ نبہانی نام کا ایک بدعتی شخص اٹھا۔ اپنی ایک کتاب "شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق" کے ذریعے حق اور اہلِ حق کے منہ آیا۔ اہلِ حق کو گالیوں سے نوازا، اور حق کو باطل سے ملوث کرتے ہوئے شرک و بدعت کی راہیں ہموار کرنے کی سعی مذموم کی!

عراق کے مشہور عالم، علامہ ابوالمعالی محمود شکری آلوسی نے بروقت اس کا نوٹس لیتے ہوئے اس کے جواب میں "غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی" تالیف کی، اور تعاقب کا حق ادا کر دیا۔ "انوارِ رحمانی" جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی نادر تالیف کا اردو ترجمہ ہے۔ الحمد للہ، اس سے قبل غایۃ الامانی (عربی وانگلش) کی طباعت کا شرف بھی جامعہ علومِ اثریہ کو حاصل ہوا!

اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے فضیلۃ الشیخ محمد عبداللہ سبیل امام الحرم المکی شریف کو، کہ جن کے مخلصانہ تعاون سے ہم یہ کتاب قارئین تک پہنچا سکے ہیں۔ والدِ مرحوم و مغفور کے آپ سے نہ صرف خصوصی و قریبی روابط رہے، بلکہ آپ کو والد مرحوم کا انتہائی محسن دوست کہنا زیادہ مناسب ہو گا حتّٰی کہ جامعہ علومِ اثریہ کا سنگِ بنیاد بھی فضیلۃ الشیخ کے مبارک ہاتھوں ۲۹ ستمبر ۱۹۷۹ء کو رکھا گیا۔ پھر ۱۹۸۶ء میں آپ ہی نے اس کا افتتاح فرمایا ——— اور آج بھی جامعہ کے اکثر امور آپ کی زیرِ نگرانی چل رہے ہیں۔ آپ ہی کے حکم سے والدِ مرحوم اس کتاب کا ترجمہ اپنی زندگی میں کروا چکے تھے، اور آج انہی کے تعاون سے راقم الحروف اس کی طباعت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو رہا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک!

راقم اس سلسلہ میں الشیخ عبدالقادر سندھی (سابق مدرس جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) کا بھی انتہائی شکرگزار ہے، جنہوں نے گاہے بگاہے اس ترجمہ کو دیکھا اور اس کی تصدیق فرماتے رہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرماتے ہوئے اس کے جملہ متعلقین کو اپنے خصوصی اجر و ثواب سے نوازے۔ آمین!

(محمد مدنی بن حافظ عبدالغفور غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ ولاساتذتہ ولجمیع المسلمین)

حافظ عبدالغفور بن محمد اسماعیل رحمہما اللہ مؤسس و بانی جامعۃ العلوم الاثریہ کے مختصر حالاتِ زندگی

۵ شعبان المعظم ۱۳۴۲ھ (۱۰ اپریل ۱۹۲۴ء) بروز جمعرات بمقام اٹھوال جاگیر ضلع اوکاڑہ پیدا ہوئے، اور بروز جمعرات ہی ۱۱ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ (۱۶ اکتوبر ۱۹۸۶ء) تقریباً ۶۲ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

آپ کے آباء و اجداد چھوٹے زمیندار تھے اور معاشی طور پر متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

چھ سال کی عمر میں ناظرہ قرآنِ مجید پڑھ لیا، پھر مقامی سکول میں داخلہ لے کر ۱۹۳۵ء میں پرائمری کا امتحان اس امتیازی حیثیت سے پاس کیا کہ تحصیل بھر میں اول رہے، اور وظیفہ کے حقدار قرار دیے گئے۔

آپ کی دینی تعلیم کا آغاز ۲۹ — ۱۹۳۸ء میں ہوا۔ پہلے ٹھٹھ پینے چک ۱۵-آر ضلع فیصل آباد میں قرآنِ مجید کا ترجمہ پڑھا۔ پھر بالترتیب جھوک دادو، دھیر داڈوگراں، مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ، مدرسہ محمدیہ لکھوکے اور مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ میں تقریباً گیارہ یگانۂ روزگار اساتذہ سے کسبِ فیض کیا —— محدثِ عصر حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کے قابلِ فخر شاگردوں میں تھے، جبکہ میاں باقر رحمہ اللہ سے آپ کے دیرینہ روابط تھے۔

تکمیلِ تعلیم کے بعد ۱۹۵۰ سے ۱۹۵۲ء تک مدرسہ تدریس القرآن والحدیث جھوک دادو، اور پھر ۱۹۵۴ سے ۱۹۵۵ء تک مدرسہ تدریس القرآن والحدیث راولپنڈی میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ اس دوران راولپنڈی ہی کی جامع مسجد اہلحدیث (چک بازار، صدر) میں آپ خطیب بھی تھے۔ ۱۹۵۶ء میں تاندلیانوالہ تشریف لے گئے، لیکن ۱۹۵۸ء میں جہلم آکر جامع مسجد اہلحدیث میں خطابت کی ذمہ داری سنبھالی، جبکہ ۱۹۵۹ سے ۱۹۶۱ء تک کا عرصہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں آپ کی تدریسی خدمات کو محیط ہے۔

۱۹۶۲ء میں جہلم میں مستقل رہائش اختیار کر کے اپنی ان خدمات کا آغاز کیا، جن کے نتیجہ میں "جامعہ علومِ اثریہ" کا قیام عمل میں آیا، اور جس کا سنگِ بنیاد امامِ کعبہ شیخ محمد بن عبداللہ بن سبیل کے ہاتھوں بتاریخ ۲۹ ستمبر ۱۹۷۹ء بروز ہفتہ رکھا گیا —— آج اس جامعہ کے تحت چلنے والے مختلف شعبے آپ کے صاحبزادگان کی نگرانی میں وسیع تر دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

جمعیت اہلِ حدیث صوبہ پنجاب کی امارت، اور جامعہ کی انتظامی و تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ آپ مختلف ملکی اور ملی تحریکات میں بھی حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۵۳ء کی قادیانی تحریک میں حصہ لینے کی بنا پر ساہیوال جیل میں رہے —— اور صرف ۳۹ روز کی قلیل مدت میں یہاں سے حافظِ قرآن بن کر نکلے۔ یہ قرآنِ مجید سے آپ کے انتہائی شغف کا نتیجہ تھا! —— عجیب تر یہ کہ جیل میں، آپ کے شاگرد حافظ سلیم صاحب ہی آپ کے حفظِ قرآن کے استاد بھی تھے!

۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں فعال کردار ادا کیا۔ چنانچہ مجلسِ عمل تحریکِ ختمِ نبوت جہلم کے صدر منتخب ہوئے —— اسی طرح ۱۹۷۷ء کی تحریکِ نفاذِ اسلام میں حصہ لینے کی بنا پر تین ماہ کا عرصہ پسِ دیوارِ زنداں گزارا اور کال کوٹھڑی میں رہے۔

فنِ خطابت کے علاوہ فنِ مناظرہ (تحریری و تقریری) میں بھی قدرت نے آپ کو حظِ وافر عطا فرمایا تھا۔ متعدد کتب کے مصنف بھی تھے، جن میں ادبیت کا رنگ نمایاں ہے۔ آپ کی جماعتی اور مسلکی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے کہ جہلم شہر آپ کی سرگرمیوں کی بنا پر ہی بیرونی دنیا، بالخصوص عرب میں کافی مشہور ہو گیا ہے —— اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ!

(اکرام اللہ ساجد)

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
افتتاحیہ	۱۳
مقدمہ غایۃ الامانی (از غیب بن محمد الغیہب)	۱۹
مؤلف کا ترجمہ و تعارف	۲۳
سلسلۂ نسب اور پیدائش	۲۳
تعلیم	۲۴
کتاب کی تالیف کا سبب اور اس پر اپنے نام کی صراحت نہ کرنے کی وجہ	۲۵
کتاب کا تعارف	۲۷
وفات	۲۷
فضائل اور کارنامے	۲۸
تالیفات	۲۹
آپ کی وفات کا عالم اسلام پر اثر	۳۰
مقدمہ از مؤلف	۳۱
چند مختصر اور ضروری باتیں	۳۵
پہلی بات	۳۵
دوسری بات	۴۱
تیسری بات	۵۵
شیخ الاسلام کے رسالہ "ماردینیہ" کا اقتباس	۶۳
چوتھی بات	۶۹
پانچویں بات	۷۲
چھٹی بات	۷۶
بعض اہل علم کا ابتلاء	۷۷
مالکؒ بن انس	۷۸
ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابت	۷۸
امام احمدؒ بن محمد بن حنبل	۷۸
یوسفؒ بن یحییٰ البویطی	۷۹
الامام ابو عبداللہ محمدؒ بن اسماعیل البخاریؒ	۸۰
احمد بن علی بن شعیب النسائیؒ	۸۱
ابو عمر عیسیٰ الثقفی النحوی	۸۱
مصائب ـــ بلندیٔ درجات کا سبب	۸۲
ساتویں بات	۸۳
آٹھویں بات	۹۲
مسئلہ اجتہاد میں نبھانے کی جہالت متعدد وجوہ سے	۱۰۱
پہلی وجہ	۱۰۱
دوسری وجہ	۱۰۱
تیسری وجہ	۱۰۳
چوتھی وجہ	۱۰۸

مضمون	صفحہ
پانچویں وجہ	۱۱۲
چھٹی وجہ	۱۱۳
ساتویں وجہ	۱۱۳
آٹھویں وجہ	۱۱۵
نویں وجہ	۱۱۶
دسویں وجہ	۱۲۱
نبہانی کی کتاب کے ایک اور باب کے چند مباحث	۱۲۵
—— اس کے کلام کا ماحصل، چار امور	
اور ان کا جائزہ ،	۱۲۷
۱۔ کتبِ تفسیر، اور عصری افکار کے مطابق	
تفسیر کی ضرورت	۱۲۷
تفسیر خازن	۱۲۸
تفسیر جلالین	۱۲۹
تفسیر کشاف اور دیگر تفاسیر	۱۲۹
۲۔ کیا عصری علوم پر مشتمل تفسیرِ قرآن کی	
خواہش الحاد ہے ؟	۱۳۸
۳۔ کیا وہابی بدعتی ہیں ؟	۱۴۶
اسلام کے بنیادی عقائد	۱۵۸
قبر پرستوں کے عقائد	۱۶۵
تنبیہاتِ نبہانی	۱۷۴
نبہانی کی کتاب کے بابِ اول کا جائزہ	۱۷۹
حق کو قبول نہ کرنے کے اسباب	۱۸۲
پہلا سبب	۱۸۲
دوسرا سبب	۱۸۳
تیسرا سبب	۱۸۳
چوتھا سبب	۱۸۴
پانچواں سبب	۱۸۴
چھٹا سبب	۱۸۵
ساتواں سبب	۱۸۵
آٹھواں سبب	۱۸۵
نواں سبب	۱۸۶
دسواں سبب	۱۸۷
زیارتِ قبور پر شیخ الاسلامؒ کا فتوٰی	۱۸۹
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام	
کی شرعی حیثیت	۲۱۳
النّوع الاوّل	۲۱۴
النّوع الثّانی	۲۱۶
(فصل) قبروں کی تعظیم میں غلو	۲۲۳
زیارتِ قبور کا حکم باختلافِ مقاصد	۲۳۲
النّوع الاوّل	۲۳۵
النّوع الثّانی	۲۳۶
النّوع الثّالث	۲۳۷
زیارتِ قبور —— مشروع ، غیر مشروع	۲۳۸
مالکی علماء کے اعتراضات اور شیخ الاسلام کے جوابات	۲۴۱

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
قبرِ نبویؐ پر سلام کا مسئلہ	۲۴۴	احمد الرفاعی کے قصہ پر تبصرہ ،	۳۴۴
معترض مالکی	۲۹۷	مضمونِ اول	۳۴۴
جواب	۲۹۸	وجہِ اول	۳۴۴
کیا قبروں کی زیارت اہلِ قبور کی تعظیم کا باعث ہے؟	۳۳۰	وجہِ ثانی	۳۴۷
جواب	۳۳۰	وجہِ ثالث	۳۴۷
وجہِ اول	۳۳۰	وجہِ رابع	۳۴۸
وجہِ ثانی سے وضاحت	۳۳۱	وجہِ خامس	۳۴۹
وجہِ ثالث سے وضاحت	۳۳۲	مضمونِ ثانی (کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم	
وجہِ رابع	۳۳۲	کی وفات کے بعد زیارت ممکن ہے؟)	۳۴۹
وجہِ خامس	۳۳۴	مدینہ نبویہؐ کی فضیلت کا مسئلہ	۳۵۷
وجہِ سادس	۳۳۵	مذہب اہلِ مدینہ اور امام مالکؒ کا مرتبہ	۳۵۹
وجہِ سابع	۳۳۵	اہلِ مدینہ کے اجماع کی تحقیق ــ اور اس کے	
وجہِ ثامن	۳۳۶	چار مراتب	۳۶۲
وجہِ تاسع	۳۳۶	المرتبۃ الاوّل	۳۶۲
وجہِ عاشر	۳۳۷	المرتبۃ الثانیہ	۳۶۶
وجہِ حادی عشر	۳۳۷	المرتبۃ الثالثہ	۳۶۷
وجہِ ثانی عشر	۳۳۹	المرتبۃ الرابعہ	۳۶۸
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی		فقہ اور رائے	۳۷۴
تصدیق ـــ دو امور سے !	۳۴۰	بعض مسائل میں امام مالکؒ پر انکار ؟	۳۸۰
امرِ اوّل	۳۴۰	امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ	۳۸۵
امرِ ثانی	۳۴۰	ابنِ حجر کا ذہنی انتشار	۳۸۷
نبہانی کے بیان کردہ دو قصے	۳۴۳	استغاثہ کی مشروعیت	۳۸۸

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
اعتراض	۳۹۱	غالیوں کا قول	۴۳۹
جواب	۳۹۲	جواب	۴۳۹
وسیلہ کی بحث	۳۹۴	اعتراض	۴۳۹
عبادت	۳۹۷	جواب	۴۳۹
الوہیت کے خصائص	۴۰۰	اعتراض	۴۳۹
شبہات کا ازالہ کئی وجوہ سے	۴۰۵	جواب	۴۴۰
وجہِ اوّل	۴۰۶	اعتراض	۴۴۱
وجہِ ثانی	۴۰۷	جواب	۴۴۱
وجہِ ثالث	۴۰۸	شبہات اور ان کا ابطال	۴۴۴
وجہِ رابع	۴۱۰	شبہ اوّل	۴۴۴
وجہِ خامس	۴۱۱	جواب	۴۴۵
وجہِ سادس	۴۱۴	شبہ ثانیہ	۴۴۷
وجہِ سابع	۴۱۷	جواب	۴۴۸
وجہِ ثامن	۴۱۹	شبہ ثالثہ	۴۵۰
وجہِ تاسع	۴۲۷	جواب	۴۵۰
استغاثہ کے غلط معانی اور استعمال	۴۳۲	استغاثہ بغیر اللہ کے جواز میں دیگر	
معترض	۴۳۶	شبہات کا ابطال	۴۵۲
جواب	۴۳۶	مجمل جواب	۴۵۴
اعتراض	۴۳۷	مفصّل جواب	۴۵۵
جواب	۴۳۷	مسئلے کا راز	۴۶۰
اعتراض	۴۳۸	وجہِ اول	۴۶۱
جواب	۴۳۸	وجہِ ثانی	۴۶۳

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
جوابِ اوّل	۴۶۳	وجہِ ثالث	۴۸۲
جوابِ ثانی	۴۶۵	شیخ الاسلام کی کتاب "العقیدۃ الواسطیہ"	
جوابِ ثالث	۴۶۵	پر مناظرہ کی روداد	۴۸۹
جوابِ رابع	۴۶۶	معترض	۴۹۲
جوابِ خامس	۴۶۶	مجیب	۴۹۲
جوابِ سادس	۴۶۶	معترض	۴۹۵
جوابِ سابع	۴۶۷	پہلا سوال	۵۰۱
شبہ	۴۶۸	دوسرا سوال	۵۰۲
جواب	۴۶۸	تیسرا سوال	۵۰۳
شبہ	۴۶۹	چوتھا سوال ۔جوابات	۵۰۳
جواب	۴۶۹	شفاء السقام پر تبصرہ	۵۱۸
احادیثِ اسامہؓ	۴۷۰	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط	۵۲۴
ایک اور شبہ	۴۷۱	سبکی کے مقالے پر اعتراضات	۵۲۶
جواب	۴۷۱	وجہ اول	۵۲۷
ایک اور شبہ	۴۷۲	وجہ ثانی	۵۲۸
جواب	۴۷۳	وجہِ ثالث	۵۲۹
زیارتِ قبور الصالحین	۴۷۴	وجہِ رابع	۵۳۰
توسّل بالنبیؐ وغیرہ	۴۷۷	استخارہ کی حدیث	۵۳۱
اعتراض	۴۸۲	نمازِ استخارہ کی کیفیت	۵۳۶
جواب	۴۸۲	وجہِ خامس	۵۳۷
وجہِ اوّل	۴۸۲	وجہ سادس	۵۳۷
وجہِ ثانی	۴۸۲	وجہ سابع	۵۳۸

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
اعتراض	۵۴۷	اعتراض	۵۹۹
الجواب	۵۴۸	جواب	۵۹۹
اعتراض	۵۴۹	اعتراض	۶۰۴
جواب	۵۴۹	جواب	۶۰۴
اعتراض	۵۵۰	اعتراض۔ شیخ الاسلامؒ کی کتابوں سے	
جواب	۵۵۰	قلتِ نفع کا وہم	۶۳۱
اعتراض	۵۵۱	جواب	۶۳۱
مجمل جواب	۵۵۷	"منہاج السنۃ" پر اعتراض اور اس کا	
یہود کا حاسدانہ رویہ	۵۵۸	جواب	۶۳۲
مفصل جواب	۵۶۱	جاہلی اوہام کے انکار پر نبہانی کی	
اعتراض	۵۶۹	شیخ الاسلام پر ناراضگی	۶۳۳
جواب	۵۷۰	وجہِ اول	۶۳۳
بدعت کی تعریف	۵۷۱	وجہِ ثانی	۶۳۵
اوّل	۵۷۲	وجہِ ثالث	۶۳۶
ثانی	۵۷۳	وجہِ رابع	۶۳۷
بدعاتِ سیّئہ	۵۷۶	وجہِ خامس	۶۳۸
اعتراض	۵۸۳	وجہِ سادس	۶۳۹
جواب	۵۸۳	حضرت خضرؑ کی زندگی کے متعلق	
اعتراض	۵۸۹	طرفین کے دلائل کا موازنہ	۶۴۸
جواب	۵۸۹	حضرت خضرؑ کے زندہ نہ ہونے کے	
اعتراض	۵۹۰	ثبوت	۶۵۰
جواب	۵۹۱	ثبوتِ اوّل	۶۵۰

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
ثبوتِ ثانی	۶۵۱	لفظِ "جہت"	۶۹۳
ثبوتِ ثالث	۶۵۱	امام ابوحنیفہؒ کے ارشادات	۶۹۴
ثبوتِ رابع	۶۵۱	امامِ دارالہجرت امام مالکؒ کا مسلک	۶۹۶
ثبوتِ خامس	۶۵۱	اصحاب امام مالکؒ کا مسلک	۶۹۷
ثبوتِ سادس	۶۵۲	ابوعمر طلمنکی کا قول	۶۹۷
ثبوتِ سابع	۶۵۲	امام، حافظ ابوعمر بن عبدالبرؒ کا مسلک	۶۹۷
ثبوتِ ثامن	۶۵۲	اعتراض	۷۰۲
ثبوتِ تاسع	۶۵۲	جواب	۷۰۲
حیاتِ خضرؑ کے قائلین	۶۵۳	اعتراض	۷۰۳
احادیث کا جواب	۶۵۵	جواب	۷۰۳
"منہاج السنّۃ" کے مطالعہ سے پرہیز		امام مالک صغیرؒ کا مسلک	۷۰۵
کی تلقین	۶۶۰	امام ابوالقاسم عبداللہ بن خلف	
جواب	۶۶۲	مقری اندلسیؒ کا مسلک	۷۱۴
اہلِ سنّت والجماعۃ	۶۶۶	اعتراض	۷۱۸
اسلام سے خروج کے اسباب	۶۶۸	جواب	۷۱۸
شیخ الاسلامؒ پر قول بالجہت کا افتراء	۶۷۸	اعتراض	۷۱۸
"جلاء العینین" پر اعتراض اور اس کا		جواب	۷۱۹
جواب	۶۷۹	اعتراض	۷۱۹
تقلید	۶۸۰	جواب	۷۱۹
اعتراض	۶۸۴	اعتراض	۷۲۰
جواب	۶۸۵	جواب	۷۲۰
لفظِ "جہت" سے مراد	۶۹۱	اعتراض	۷۲۰

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
جواب	۷۲۰	جوابِ اوّل	۷۲۵
امام ابو عبداللہ محمدؒ بن ابی نعیمؒ کا مسلک	۷۲۲	جوابِ ثانی	۷۳۷
امام قاضی عبدالوہابؒ کا مسلک	۷۲۳	جوابِ ثالث	۷۴۷
امام محمدؒ بن ادریس شافعیؒ کا مسلک	۷۲۳	تنقید	۷۵۰
تنقید	۷۳۴	جواب	۷۵۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ !

افتتاحیہ

ابتداء آفرینش سے حق و باطل، صدق و کذب، صحیح و غلط اور توحید و شرک میں آویزش چلی آرہی ہے۔ ہمیشہ چراغِ مصطفوی ؐ سے شرارِ بولہبی ٹکراتا چلا آرہا ہے۔ اسی حق و باطل کی کشمکش سے انسانی تاریخ بھری پڑی ہے۔ بلکہ تاریخ کا کوئی دَور اس آویزش سے خالی نہیں ہے خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت سے لیکر تا ایں دم ہر دور میں اصحابِ عزیمت، اربابِ صداقت اور علم بردارانِ توحید و سنّت نے باطل کی قہرمانیوں کے علی الرغم ——— اپنے خونِ جگر سے نہ صرف شجرِ توحید کی آبیاری کی۔ بلکہ جان کی بازی لگا کر وطن، جائیداد، اقتدار یا دولت وحشمت، ہر چیز کو تج کر توحید کی شمع فروزاں رکھی۔ تختہ دار پر لٹک کر اور پھانسیوں کے پھندوں کو چوم کر بھی پرچمِ توحید کو سربلند رکھا۔

توحید اسلام کی اساس، دین کی بُنیاد اور انسان کی اخروی کامرانی کا سب سے کامیاب ذریعہ ہے یہی وہ دین کی بنیادی دعوت اور مشترکہ مشن ہے جس کی تکمیل کے لیے اللہ پاک نے بیشمار و لاتعداد انبیاء علیہم السلام کو معبوث فرمایا - انہوں نے اپنے اپنے دَقتوں میں تلوار کی دھار پر آوازۂ توحید بُلند کیا اور ہر قسم کی مشکلات، تکالیف اور کٹھنائیوں کے باوجود توحید کا مشن جاری رکھا۔ یہی وہ مہتم بالشان مسئلہ ہے جس کی دعوت ہر داعی نے دی، اور قوم کے خورد و کلاں کو اس کی طرف متوجہ کیا۔

یہی توحید اسلام کا ماٹو (نشانِ امتیاز) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا جوہر اور دین کا محور ہے۔ اسی بے لاگ و واشگاف توحید بیان کرنے کی پاداش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے معزز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے تیرہ برس مکہ مکرمہ میں کفار کے ہاتھوں ظلم سہے، سختیاں برداشت کیں اور کئی کٹھن مراحل سے ہو کر گزرے۔ لیکن پرچمِ توحید کی اڑانوں میں سرِ مو فرق نہیں آنے دیا بلکہ مکی دور میں کفار و مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر توحید بیان

کرنے کی پاداش میں جو مظالم ڈھائے، انہیں مصائب و مشکلات کے جن شکنجوں میں کسا، جبر و تشدد کی بھٹی میں ان کو جس بے دریغی سے جھونکا، آج بھی ان کے تصور سے روح لرزتی، دل کانپتا اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تاہم آنحضرت ﷺ کے ان تربیت و صحبت یافتہ انسانوں نے کٹھن سے کٹھن راستوں کو پوری پامردی سے طے کیا۔ مصائب و مشکلات کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ جبر و تشدد کو ہنستے کھیلتے برداشت کیا، اس سلسلہ میں پوری اولوالعزمی سے پھانسیوں کے پھندوں کو چوما لیکن توحید کے مشن میں ذرہ بھر کمی یا فرق کو برداشت نہیں کیا۔ ان کی توحید میں پختگی، راہِ حق میں ان کی استقامت، اسلام کے لئے ان کی تڑپ نے توحید کے فیضان کو عام کیا اور عرب و عجم کی اکثریت نے اسلام کے مشن (توحید) کو قبول کر لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلوص کا یہ عالم تھا کہ کئی صدیوں تک ان کے اثرات باقی رہے، اور مسلمان شرک و بدعت کی آلودگیوں سے محفوظ رہے۔ عہدِ خیر القرون اور مابعد کی قریبی صدیوں میں یہود، ہنود، مجوسی، مسیحی، زرتشتی اور مشرکین عرب مسلمانوں کے عقیدۂ توحید میں شگاف نہ ڈال سکے، اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی آلودگیاں گھسیڑ سکے۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا مسلمانوں کی دین سے وابستگی کمزور ہوتی گئی اور ان کے عقائد و اعمال میں بھی ضعف آتا گیا۔ تاہم اللہ پاک نے ہر دور میں ایسے مردانِ کار پیدا فرمائے جو "ہر فرعونے را موسیٰ" کا کردار ادا کرتے رہے، بدعتی اور گمراہ فرقوں کی زبردست جتھہ بندیوں کے باوجود ان کے مشرکانہ عقائد، کفریہ رسوم اور غیر اسلامی لادینی نظریات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔ یوں خالص توحید و سنّت اور چشمۂ صافی اسلام کی حفاظت و صیانت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

بارہویں صدی ہجری عالمِ اسلام میں دینی اعتبار اور عقیدۂ توحید کے لحاظ سے انتہائی تاریک صدی تھی۔ عالمِ اسلام میں بدعات و منکرات، شرکیہ عقائد، کفریہ رسوم، سنّتِ مطہرہ سے دوری عام تھی، ہندوستان میں اس وقت محبوبِ سبحانی، مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی اور ان کے کچھ عرصہ بعد حجۃ الاسلام حجۃ الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی (رحمۃ اللہ علیہم) نے بروقت ان عقائد و نظریات کا سختی سے نہ صرف نوٹس لیا بلکہ ان کے خلاف لسانی و قلمی جہاد فرمایا تا آنکہ ان شرکیہ عقائد کے علم برداروں کو پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

لیکن جزیرۂ عرب کی حالت دینی و اسلامی لحاظ سے، اور عقیدۂ توحید کے اعتبار سے انتہائی

ناگفتہ بہ تھی۔ بلکہ یہ کہنے دیجئے کہ جزیرۂ عرب مشرکانہ عقائد، کفریہ نظریات اور بدعات و رسوم کے اعتبار سے عہدِ جاہلیت کے عرب سے بھی بدتر ہو چکا تھا۔ قبروں، شجروں، حجروں کی پوجا عام ہوتی تھی۔ اور جگہ جگہ شرک کے مرکز بنے ہوئے تھے۔ ندائے غیر اللہ، استمداد غیر اللہ، استعانت عن الموتیٰ ایسی تمام غیر دینی قباحتیں اور غیر اسلامی حرکات و عقائد پورے عروج پر تھے۔ مسلمان اسلام کے نام پر گویا کلنک کا ٹیکہ بنے ہوئے تھے۔ ایسی سنگلاخ زمین میں اور ایسے سنگین ماحول میں اللہ پاک نے پردۂ غیب سے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کو عرب میں، اور شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو برِصغیر پاک و ہند میں پیدا فرمایا۔ یہ مردانِ کار دینی علوم سے فراغت کے بعد علم و تحقیق کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر میدانِ وغا میں اُترے۔ ان بزرگوں نے اپنی علمی توانائیاں، لسانی صلاحیتیں اور قلمی قوتیں اپنی جوانی اور عمرِ عزیز کا بیشتر حصہ شرک و کفر کی تردید اور توحید و سنّت کے لکھنے اور بیان کرنے کے لئے وقف فرمایا۔ اللہ پاک نے ان مخلصین کی مخلصانہ مساعی کو یہ ثمرہ بخشا کہ دیکھتے ہی دیکھتے توحید کی ضیاء پاشیوں سے کفر و شرک کی تاریکیاں چھٹنا شروع ہو گئیں حتیٰ کہ اللہ پاک نے پورے جزیرۂ عرب کو شرک کی آلودگیوں اور کفریہ عقائد کی غلاظتوں سے پاک کر دیا۔ اس باب میں امام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "التوحید" نے اور شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی "تقویۃ الایمان" نے لاکھوں انسانوں کو عقیدۂ توحید دوبارہ اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔ امام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی خالص توحید و سنّت کی تحریک کے زور سے جزیرۂ عرب میں علم برداران شرک و حامیانِ بدعات و منکرات اپنی اپنی بلوں میں دب گئے لیکن جونہی تحریک محمد بن عبدالوہابؒ ماہ و سال کے حوالے ہو گئی، یہ توحید دشمن، شرک باز حضرات موقعہ کو غنیمت جان کر اپنی اپنی بلوں سے نکلنا شروع ہو گئے، اور یوں خالص توحید کو شرک سے آلودہ کرنے کی مذموم مساعی کا آغاز کر دیا گیا۔ چنانچہ ترکوں کے آخری ایام میں شیخ النبہانی نام کے ایک صاحب نے "شواہد الحق فی الاستغاثہ بسید الخلق" کے نام سے ایک زہریلی کتاب لکھی۔ "شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق" کے مصنف (متوفی ۱۹۳۲ء) نے اپنی اس نام نہاد تحقیقِ انیق میں مشرکانہ عقائد، باطل نظریات اور سنّت کے خلاف خبثِ باطن کا اظہار کیا نیز ان ائمہ ھدیٰ اور ائمہ سنّت کو مغلظات سے نوازا جنہوں نے اپنی تصنیفات میں توحیدِ خالص اور سنّتِ مطہرہ کو پیش فرمایا تھا۔ شیخ النبہانی نے خصوصاً شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ حرانی رحمۃ اللہ علیہ،

امام ابنِ قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کو طعن و تشنیع اور سب و شتم سے نوازا اور ان کے بارے میں انتہائی گھٹیا زبان استعمال کی۔ شیخ النبہانی کی کتاب کو اہلِ بدعت نے پورے شد و مد اور اہتمام و انصرام سے عالمِ عرب میں تقسیم کیا۔ چنانچہ ان کی تردید اور ان کے باطل عقائد پر گرفت کرنے کے لئے عراق کے شافعی عالم علامہ امام ابوالمعالی محمود شکری آلوسیؒ میدان میں آئے اور "غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی" کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں بہترین قیمتی اور محققانہ کتاب لکھی۔ نبہانی کی ایک ایک دلیل کا تجزیہ کیا، اس کے دلائل کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ نبہانی کے دلائل کا بودا پن واضح کیا اور ایسے مربوط و مضبوط دلائل سے لؤلؤ لالہ بکھیرے کہ ہر منصف مزاج قاری اسے پڑھ کر عش عش کر اٹھا جبکہ خالی الذہن قاری اسے پڑھ کر حق قبول کئے بغیر نہ رہ سکا۔ کتاب کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ دیارِ مصر کے مفتی امام سید محمد عبدہٗ کے تلمیذِ رشید اور عالمِ اسلام کی مسلّمہ شخصیت علامہ السید رشید رضا نے مشہور علمی مجلہ "المنار" قاہرہ (مصر) میں اس کتاب کی عظمت بیان کی اور اس کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

"غایۃ الامانی" مصنف مرحوم کی زندگی میں ایک ہی مرتبہ محدود تعداد میں شائع ہوئی تھی۔ اس وقت ترکوں کا دورِ حکومت تھا، حجازِ مقدس پر شریفِ مکہ مسلط تھا۔ سلفی اور توحید و سنت کے شیدائی علماء کرام زیرِ عتاب تھے۔ بدعتی علماء اپنے گمراہ کن خیالات کی تبلیغ و اشاعت میں بالکل آزاد تھے۔ حجاز کے مشہور سلفی عالم فضیلۃ الشیخ محمد نصیف رحمۃ اللہ علیہ آف جدہ نے پہلی مرتبہ اسے بڑی محنت، رازداری اور خفیہ طریق سے شائع کر کے محدود اہلِ علم تک پہنچایا تھا۔ کیونکہ اس وقت کی حکومت ایسی کتابوں کی شدید مخالف تھی۔ ایک عرصہ سے اس کتاب کی ضرورت و اہمیت پوری شدت سے محسوس کی جا رہی تھی اور اکثر علماء کرام اس کی زیارت و مطالعہ کے متمنی تھے کہ اسی اہمیت کے پیشِ نظر سماحۃ الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمید رئیس الاشراف الدینی بالمسجد الحرام نے اسے دوبارہ پوری آب و تاب سے شائع کیا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب پہلی مرتبہ اسے اردو کا جامہ پہنانے کی سعادت ہمیں حاصل ہو رہی ہے۔ کتاب کس قدر علمی تحقیقی اور فاضلانہ ہے، اسے ہم قارئینِ کرام پر اٹھا رکھتے ہیں۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر یہ خوشخبری سنانے میں البتہ روحانی تسکین اور قلبی راحت محسوس کرتے ہیں کہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی پہلی مرتبہ ہم نے ہی شائع کیا ہے۔

سماحۃ الشیخ ناصر بن محمد آلِ راشد الرئیس العام اشراف دینی بالمسجد الحرام بمکۃ المکرمہ:
سماحۃ الشیخ محمد بن عبداللہ بن سبیّل حفظہ اللہ اور فضیلۃ الشیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی الاستاذ بجامعۃ اسلامیۃ مدینہ منورہ سعودی عرب، کے ہم بے حد شکر گزار اور ان کے لئے مجسم تشکر و امتنان ہیں کہ ان کی شفقت و مہربانی اور نوازش سے ہمیں اس کے اردو اور انگریزی ترجمہ کی اجازت مرحمت فرمائی گئی۔ اسی طرح فرماں روا سعودی عرب جلالۃ الملک شاہ خالد متعنا اللہ بطولِ حیاتہ اور ان کے ولیعہد امیر فہد بن شاہ عبدالعزیز اور دیگر ارکانِ مملکہ، عالمِ اسلام اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے شکریہ اور دعاؤں کے حقدار ہیں جو اس مادی دور میں نہ صرف حرمین الشریفین کی خدمت و پاسبانی کے فرائض انجام دے رہے ہیں بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی بڑی فیاضی سے علمی، دینی اور روحانی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں۔ ان کے خزانوں کے منہ مسلمانوں کی امداد اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت تیز سربلندی کے لئے کھلے ہیں۔ یہ ناسپاسی ہوگی کہ عزیزانِ من مولینا محمد مدنی، عبدالرشید، حافظ عبدالحمید عامر، قاری احمد شاکر ناظم مکتبہ سلفیہ لاہور اور محمد اشرف برادرِ مکرم قاضی محمد اسلم سیّف فیروزپوری ناظم جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن ضلع فیصل آباد، اور جناب بشیر انصاری ایم اے مدیر الاسلام گوجرانوالہ، مولانا محمد اسحاق چودھری بشیر احمد حیدر آباد کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا نہ کریں، جن کے مسلسل تعاون سے ہم اسے اردو، انگریزی کا جامہ پہنانے بلکہ شائع کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ آخر میں اللہ پاک کے حضور دست بستہ عرض کناں ہیں کہ مولا عظیم اس کو بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کا باعث بنائے، اور ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنا دے۔ اس کے مؤلف مرحوم کو کروٹ کروٹ اپنی رحمتوں سے نوازے اور اس کے مترجمین اور ناشرین کو اپنی نوازشات سے سرفراز فرمائے۔ آمین! میری دلی خواہش ہے کہ قارئین مجھے اور میرے والدین اور اساتذہ کو ہمیشہ اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔

والسلام!

حافظ عبدالغفور بن محمد اسماعیل

رئیس العام: جامعۃ العلوم الاثریہ، جہلم (پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ غنیۃ الامانی

سب تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا، تاکہ اس کو سب ادیان پر غالب فرمادے، اگرچہ مشرک لوگ ناپسند کریں۔

میں اس پاک خدا کی حمد کرتا ہوں، جو اپنے جلال و کمال میں یکتا و تنہا ہے، اور وہ ہر حال میں حمد کا حق رکھتا ہے۔ وہ ان سب اقوال و افعال سے پاک اور بلند ہے، جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ - الآیۃ!" (البقرۃ: ۲۵۵)

"آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے حضور سفارش کرنے کی جرأت کرسکے، مگر اس کی اجازت سے۔"

وہ بڑا بلند شان ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ کوئی اس سے مشابہت رکھنے والا ہے، نہ کوئی اس کا مقابلہ کرنے والا ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جنابِ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسُول ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپ ﷺ ہی کے ذریعے اپنے دین کو، جو کمزور اور نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا، غالب فرمایا۔

اللہ تعالےٰ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل و اصحاب پر قیامت تک بہت زیادہ درود و سلام بھیجے۔ اور ان پر بھی، جو آپ ﷺ کی ہدایت پر چلے، اور جنہوں نے آپ ﷺ کی سُنّت کی پیروی کی!

اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسُولِ کریم ﷺ پر درود و سلام کے بعد، یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نے فیصلہ کیا کہ حق کا باطل سے کارزار گرم ہو، کچھ لوگ حق کے ساتھی اور مددگار ہوں، اور کچھ باطل کے ساتھی اور مددگار ہوں۔ لیکن قابلِ تعریف انجام حق اور اہلِ حق ہی کے لیے ہے، اگرچہ باطل بظاہر غالب نظر آئے اور اس کی اشاعت زمانے میں زیادہ ہو، یہ ایک لازمی امر ہے کہ باطل حق کے مقابلے میں مغلوب ہو کر راہِ فرار اختیار کرے۔

جب ہم انبیاء و رسل علیہم السلام کی تاریخ کا اوّل سے آخری نبی و رسول جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات واضح ہو کر آجاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی امتوں کے ساتھ سخت مقابلہ کرنا پڑا، ان سے لڑائیاں لڑی گئیں، اذیتوں اور مصائب کا نشانہ بنایا گیا، مگر وہ سب کچھ برداشت کرتے رہے، اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتے رہے، اس کی راہ میں جہاد کرتے رہے تاآنکہ اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی، حق غالب ہو گیا اور باطل بھاگ کھڑا ہوا، چنانچہ ارشاد ہے:

"وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا" (بنی اسرائیل) "حق آگیا، باطل بھاگ گیا، بلاشبہ باطل بھاگ جانے والا ہی ہے۔"

جب ہم امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ کو دیکھتے ہیں، تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ بہت سے ائمہ اسلام جو دین کی طرف سے مدافعت اور اس کی حفاظت کا فرض انجام دیتے رہے، زبان اور ہاتھ کی اذیتوں اور مصائب میں مبتلا رکھے گئے۔ وہ بدعتوں اور گمراہی کی طرف دعوت دینے والوں کے ساتھ معرکہ آرائیاں کرتے رہے، اس سے ان کے عزم میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی، انہوں نے حق کے ساتھ باطل کا پوری قوت سے مقابلہ کیا اور اس کو نہ صرف مار بھگایا بلکہ اس کا سر توڑ کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ باطل باطل ہو کر رہ گیا۔ انہوں نے بدعتیوں اور گمراہوں کی سازشوں کو ان کے منہ پر دے مارا اور ان کے کمزور دلائل کا قرآن و سنت سے مسکت جواب دیا۔

ایسے بدعتیوں میں سے ایک "شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق" کا مصنف نبہانی ہے، اس کتاب میں اس نے بہت سی بدعتوں اور اباطیل کا ذکر کیا ہے، اور مسلمانوں کے بعض ائمہ پر سب و شتم کیا ہے۔ ان کی شان میں گستاخی و بے ادبی کا مرتکب ہوا ہے۔

اس پر حق کے مددگار اس کے مقابلے میں اٹھے اور اس کو جوابات دیئے اور جو کچھ اس نے اپنی کتاب میں بے کار باتوں اور بدعتوں کو بیان کیا ہے، ان کا پورا پورا رد لکھا۔

جن لوگوں نے اس کا رد لکھا، ان میں علامہ ابوالمعالی محمود شکری الآلوسی ہیں، انہوں نے اپنی اس کتاب کا نام "غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی" رکھا، درحقیقت امتِ اسلامیہ میں یہ ایک کامیاب کتاب ہے، جو اس لائق ہے کہ اس کے ساتھ حقیقی اور جذباتی تعلقِ خاطر رکھا جائے۔

یہ ایک اونچے درجے کی کتاب ہے، جو اپنے موضوع اور مقصد میں بہت عمدہ ہے کیونکہ اس

کا مؤلف بدعتوں اور خلافِ شرع باتوں کا، جن کو نبہانی نے اپنی کتاب "شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق" میں بیان کیا ہے، رد کرتا ہے۔ نبہانی نے بعض بڑے بڑے ائمۂ دین کی شان میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف بلاتے رہے اور توحید اور خدائی کمالات کے خلاف ہر بات سے منع کرتے رہے۔ مثلاً شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ وغیرہ۔ فاضل مصنف نے اس کا رد نہایت عمدہ لکھا اور حق ادا کر دیا۔ جزاہ اللہ خیراً!

یہ کتاب مؤلف مرحوم کی زندگی میں صرف ایک بار چھپی تھی، وہ بھی وہاں کے مخصوص حالات کے پیشِ نظر، جن کا مؤلف کے ترجمے میں اشارہ کر دیا گیا ہے، چونکہ گمنام چھپی اس لیے اس کی تقسیم بھی محدود تھی، اور یہ زیادہ ہاتھوں تک نہ پہنچ سکی۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی طباعت کے بعد عرصۂ دراز تک گوشۂ گمنامی میں پڑی رہی اور قریب تھا کہ اس کا نام و نشان مٹ جائے۔

لیکن مخلص علماء کا ضمیر بیدار تھا۔ ان کی دینی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ یہ نایاب کتاب ضائع ہو جائے، چنانچہ صاحبِ فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمیدؒ نے، جو مسجدِ حرام میں دینی امور کے انچارج ہیں، کمرِ ہمت باندھی اور اس کتاب کی دوبارہ طباعت کی فکر میں لگ گئے۔

جب باوقار اور نیک نام دوستوں (محمد بن عبداللہ الجمیع اور ان کے بھتیجوں عبدالعزیز، محمد، عبدالرحمٰن اور حمد) کو اس کی اشاعت کے پروگرام کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً اپنے ذاتی اخراجات پر اس کی دوبارہ طباعت، اور علماء اور طلباء میں اس کی تقسیم کی ذمہ داری محض اجر و ثواب کی خاطر قبول فرما لی۔ تاکہ یہ ان کی طرف سے صدقۂ جاریہ ہو، اور بعد کے لوگ بھی ان کے نقشِ پا کی پیروی کریں۔ اور اس طرح کے کارنامے انجام دیں اور ان کے لیے بخشش اور رحمت کی دعا کرتے رہیں۔

انہوں نے طالب علموں کے سامنے یہ بڑا علمی اور قابلِ قدر تحفہ پیش کر دیا ہے۔ ان کا یہ پہلا کارنامہ نہیں، قبل ازیں وہ اور بہت سی قیمتی کتابیں اور رسائل شائع کر چکے ہیں۔ ان میں سے ایک "الجامع الفرید" ہے جو دعوتِ اسلامی کے ائمہ کی بہت سی کتابوں اور رسائل پر مشتمل ہے۔ انہوں نے اس کو پہلی بار طبع کرایا اور اس کے ختم ہونے پر اس کا دوسرا ایڈیشن طبع کرایا۔ دوسری کتاب "دواء القلوب في الابدان من وساوس الشیطان" ہے جو امام و خطیب مسجدِ حرام جناب شیخ عبداللہ الخلیفی کی تالیف ہے۔ تیسری کتاب "السلف بین القدیم والجدید" ہے، جو ریاض کے کلیہ شرعیہ کے

لیکچرار جناب استاذ فالح المہدی کی تالیف ہے۔ یہ سب کتابیں علماء، طلبہ اور مشائخ میں تقسیم کی گئیں، اسی طرح یہ بزرگ بہت سی مفید دینی کتب خرید کر بھی تقسیم کرتے رہتے ہیں۔

ان کے کارنامے صرف کتب ورسائل کی طباعت اور علم پھیلانے تک ہی محدود نہیں ہیں، بلکہ دوسرے بہت سے نیک کاموں میں بھی حصّہ لیتے رہے ہیں مثلاً مساجد کی تعمیر اور ان کی ضروریات کے ساز و سامان کی فراہمی، محتاجوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنا وغیرہ یہ خوش نصیب ان لوگوں میں سے ہیں، جو نیکی کے مختلف کاموں میں خوب حصّہ لیتے ہیں اور نیک کاموں میں قابلِ تقلید نمونہ ہیں۔

ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو اور زیادہ نیک کاموں میں حصہ لینے کی توفیق دے۔ نیز ہمارے ملک میں ایسے لوگ کثرت سے ہوں جو ان کی راہ چلیں۔ علم کی اشاعت اور دوسرے نیک کاموں میں ان کی طرح حصّہ لے کر کارنامے انجام دیں۔

جب میرے سامنے اس کتاب کی طباعت اور تصحیح کا معاملہ پیش ہوا تو میں نے اپنی دوسری مصروفیتوں کے باوجود اس کو قبول کرنا اپنی ذمّہ داری سمجھا، کیونکہ یہ نیکی میں شراکت تھی اور مجھے امید ہے کہ میں اس طرح نیک لوگوں کے ساتھ اجر و ثواب میں شریک ہوں گا۔ ان شاء اللہ!

جب میں نے کتاب دیکھی تو اس میں طباعت کی بہت سی غلطیاں نظر آئیں، خاص طور پر قرآنی آیات میں! میں نے ان غلطیوں کی، کتاب کے ساتھ مطبوعہ خطا و صواب کی فہرست کے مطابق بڑی محنت سے تصحیح کی ہے۔ قرآنی آیات کی تصحیح قرآنِ مجید سے کی ہے، اور ہر آیت کا نمبر اور سورت کے نام کا حوالہ دے دیا ہے، تاکہ فائدہ عام ہو اور ضرورت کے وقت آیت کی تلاش کرنے میں سہولت رہے۔۔ بعض جگہ جہاں ضروری ہوا، مختصر سا حاشیہ بھی لکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حضور میں دست بدعا ہوں کہ وہ اس کتاب کو نفع مند بنائے، اس کتاب کے ناشر اور محرک کو اپنے عفو اور رحمت سے بہترین جزاء عطا فرمائے اور مجھے بھی ان کے ساتھ اجر سے نوازے اور میرے باقی مسلمان بھائیوں کو بھی۔ اور اللہ تعالیٰ مالدار اور صاحبِ ثروت مسلمانوں اور علماء کو توفیق ارزانی فرمائے کہ وہ سلف کی کتابوں کو جب بھی ختم ہوں، چھاپیں اور پھیلائیں۔ بے شک وہ سننے والا اور قبول فرمانے والا ہے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ!

(غیہب بن محمد الغیہب، جج ہائیکورٹ ریاض)

مؤلف کا ترجمہ و تعارف

سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جو حق کا مددگار اور اس کو اونچا کرنے والا ہے اور جو باطل اور اہلِ باطل کو بھگا دینے والا ہے ۔ اور سلام ہو اس کے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر، جو اس کی مخلوق اور اس کے رسولوں میں سب سے افضل ہیں اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ پر اور ان پر بھی، جو نیکی میں ان کی راہ چلنے والے ہیں ۔

امّا بعد، کتاب "غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی" کے مؤلف الشیخ العالم العلامہ محمود شکری الآلوسی کا یہ مختصر ترجمہ و تعارف ہے، جو کتاب کی دوبارہ طباعت کے موقعہ پر بطور پیشِ لفظ کے لکھا جا رہا ہے۔ یہ کتاب جب پہلی بار طبع ہوئی تھی تو اس پر نہ تو مؤلف کا نام تھا نہ ناشر کا، نہ مطبع کا اور نہ اس پر تاریخِ طباعت درج تھی اس کا سبب ہم اسی ترجمہ میں بیان کریں گے ۔ میں نے اس ترجمہ و تعارف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مواد لیا ہے :

(۱) "اعلام العراق" جو مصنف کے شاگرد محمد بہجت الاثری کی تالیف ہے ۔

(۲) "الاعلام" للزرکلی

(۳) "الموسوعۃ العربیہ المیسرۃ"

(۴) مجلّۃ "المنار"

(۵) "معجم المؤلفین"

(۶) "فہرس الخزانۃ التیموریۃ"

(۷) فضیلۃ الشیخ محمد نصیف، جو جدہ میں ایک سلفی عالم ہیں، سے بالمشافہ گفتگو میں حاصل کردہ معلومات اور وہ خط و کتابت، جو آپ کے اور مؤلفِ کتاب کے درمیان علم اور علماء کی خدمات کے بارے میں ہوتی رہی ۔

سلسلہ نسب اور پیدائش

آپ کا نسب نامہ یہ ہے: ابوالمعالی محمود شکری بن عبداللہ بہاؤ الدین بن محمد ابی الثناء شہاب الدین بن عبداللہ صلاح الدین بن محمود الخطیب الآلوسی۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما

تک پہنچتا ہے - الآلوسی - آلوس نامی بستی کی طرف نسبت ہے' یہ بستی عانات کے قریب دریائے فرات پر واقع ہے - کہتے ہیں کہ اس بستی کو "سابور ذوالاکتاف" نے آباد کیا تھا۔

آپ ۱۹ رمضان ۱۲۷۳ھ میں بغداد کے رصافہ محلے میں پیدا ہوئے' آپ خاندانِ علم وفضل کے چشم و چراغ تھے - آپ کے باپ نے آپ کی پیدائش کے وقت نام محمود' کنیت ابوالمعالی' اور لقب شکری رکھا۔

آپ کے والد ماجد بہت بڑے عالم اور ادیب تھے اور بڑے ماہر خوشنویس تھے' ان کی کئی تصانیف ہیں مثلاً "التعطف علی التعرف فی الاصلین والتصوف" وغیرہ۔

آپ کے جدِ امجد' الامام محمود شہاب الدین ہیں' جو ایک معروف عالم و علامہ ہیں بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔

آپ کی تصانیف میں مشہور ترین کتاب "تفسیر روح المعانی" کے علاوہ مختلف موضوعات پر تقریباً بائیس کتابیں ہیں۔

آپ کی تعلیم

ابوالمعالی شکری نے علومِ عربی و دینی کی ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجدؒ سے پائی' اور اس وقت عراق میں رائج مختلف رسم الخطوں میں مہارت حاصل کرلی۔

آپ علم و ادب کی محبت میں اور بہترین سیرت اور طبیعت کی پاکیزگی میں اپنے والدِ ماجد کے قدم بقدم چلے' آپ کے والدِ ماجد ماہِ شعبان ۱۲۹۱ھ میں وفات پاگئے' اس کے بعد آپ کے چچا محترم نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا - آپ کے عمِ محترم علامہ نعمان خیرالدینؒ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں' جن کی تعداد تقریباً تیرہ ہے' ان میں سے مشہور کتابیں "جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین" اور "غالیۃ المواعظ" وغیرہ ہیں بہجت الاثری اپنی کتاب "اعلام العراق" میں شیخ نعمانؒ کے متعلق فرماتے ہیں: "ان کی عقل ان کے علم سے بڑی تھی' اور ان کا علم ان کی انشاء سے زیادہ تھا' اور ان کی نثر ان کی نظم سے زیادہ پائیدار تھی"۔ رحمہ اللہ!

پھر علامہ محمود شکری نے بغداد کے شیوخ سے علم حاصل کیا' آپ کے اساتذہ میں سے شیخ اسمٰعیل بن مصطفےٰ مدرس جامع الصاغہ اور دوسرے علماء ہیں' آپ نے اپنے اساتذہ سے تحصیلِ علم کو کافی نہیں سمجھا'

بلکہ درس و تدریس، بحث و مذاکرہ میں برابر جد و جہد کرتے رہے آپ نے تاریخ، سیرت اور لغت میں خوب محنت کی، کتابت میں دسترس حاصل کی۔ آپ کی معلومات کا دائرہ خاصا وسیع ہے، آپ کے ہاں علمی مواد کی کثرت ہے آپ کی تحقیق نادر اور رائے صائب ہے آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ اپنے گھر میں اور جامع عادل خاتون میں شروع کیا پھر آپ کو جامع حیدریہ میں سرکاری طور پر مدرس مقرر کیا گیا، پھر جامع سید سلطان علی میں، پھر مدرسہ مرجان میں رئیس المدرسین بنا دیے گئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے بڑا نفع دیا، اور بہت سی مخلوق نے آپ سے سندِ فراغت حاصل کی۔

کتاب کی تالیف کا سبب اور اس پر اپنے نام کی صراحت نہ کرنے کی وجہ

جب میں نے مؤلف کا ترجمہ لکھنے کا عزم کیا تو میں جدہ شہر میں ایک سلفی عالم جناب شیخ محمد نصیف سے ملا شیخ موصوف کا اس کتاب کی تالیف اور اس کی پہلی طباعت میں خاصا حصہ ہے۔ شیخ موصوف سے میری ملاقات بڑی سودمند ثابت ہوئی انہوں نے اس موقعہ پر جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے: جب نبہانی کی کتاب "شواہد الحق" شائع ہوئی، تو شیخ محمد نصیف کو اس کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں لغو باتیں اور جھوٹ کی لیپا پوتی کے سوا کچھ نہیں استدلال بودا ہے جھوٹی اور من گھڑت اور رکیک و بے کار احادیث کو بیان کیا گیا ہے اور اس میں علماء سلف میں سے محقق علماء پر ظالمانہ حملے کیے گئے ہیں، اور مُردوں کو پکارنے اور ان کے حضور استغاثہ وغیرہ کو جائز قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ باتیں قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ کے سراسر خلاف ہیں۔ مطالعے کے بعد شیخ موصوف نے علامہ شیخ محمود شکری الآلوسی کو لکھ کر استدعاء کی کہ وہ نبہانی کی کتاب کا رد لکھیں اور اس کی لغو باتوں کو نکما اور بے کار ثابت کریں، حق اور اہلِ حق کی نصرت فرمائیں اس فرمائش کو ایک سال نہ گزرا تھا کہ نبہانی کا رد "غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی" کے نام سے علامہ شیخ محمود الآلوسی نے لکھ دیا پھر شیخ محمد نصیف اور شیخ عبدالقادر التلمسانی، جو علماء سلف اور جدہ کے نیک تاجروں میں سے ہیں، نے اس کی طباعت کا متفقہ فیصلہ کیا اور طے ہوا کہ اس کی طباعت کا بار دونوں آدھا آدھا اٹھائیں گے شیخ التلمسانی اس وقت مصر میں تھے لہٰذا طے پایا کہ اس کی طباعت فرج زکی کردی کے ذمّے ہوگی، جو مصر میں اپنے مطبع میں چھاپیں گے چنانچہ اس کی پہلی طباعت انہی کے اہتمام سے ہوئی کتاب کی پیشانی پر مؤلف کا نام یوں لکھا تھا: "تالیف

ابی المعالی الحسینی" اس سے مراد ان کی کنیت اور نسبت حسینی تھی آس پر ان الفاظ کا اضافہ بھی کیا گیا : "السلامی الشافعی"۔ تاکہ اصل مؤلف کے نام کا پتہ نہ چل سکے یہ سب اس لیے کیا گیا کہ شدید خطرہ تھا کہ مؤلف کا علم ہو جانے پر اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

سلطان عبدالحمید، جو دولتِ عثمانیہ کا تاجدار تھا، کا قرب بدعتی مشائخ اور صوفیوں کو حاصل تھا۔ اس زمانے میں سلفی علماء نبہانی جیسے بدعتیوں اور خرافیوں کے مقابلے میں آنے سے اپنی جانوں کے لیے خطرہ محسوس کرتے تھے۔ اسی لیے سید محمود شکری الآلوسی نے کتاب کی پیشانی پر اپنا نام ظاہر نہ کیا، اور اسی وجہ سے فرج اللہ زکی نے بھی اپنی جان کے خوف سے اپنا اور اپنے مطبع کا نام ظاہر نہ کیا، صرف اتنا لکھا (ف، ج، ز) اسی طرح شہر کا نام بھی ظاہر نہ کیا۔ شیخ تلمسانی اور شیخ محمد نصیف کو بھی اپنی جانوں کا ڈر تھا اس زمانے میں سلطان عبدالحمید کا اثر و نفوذ بغداد، مصر اور حجاز میں تھا، یہ وہ علاقے ہیں جن کے ساتھ مؤلف، طابع اور مطبعہ کا تعلق تھا، اسی خوف دہر اس کی وجہ سے کتاب چھپ جانے کے باوجود پڑی رہی اور تقسیم نہ ہو سکی۔

جب استنبول میں یورپی قوانین نافذ ہوئے اور دستور کو نافذ کیا گیا تو اس دستور میں مذہب اور عقیدے کی آزادی کو تسلیم کیا گیا تھا، اسی زمانے میں شیخ محمد نصیف کی کتابوں کا حصّہ حجاز بھیجا گیا، انہوں نے وہ نسخے تقسیم کر دیے اور اپنے ہاتھ سے کتاب کے ہر نسخے پر مؤلف کا نام لکھا۔ اسی طرح شیخ تلمسانی نے بھی اپنے نسخے مصر میں تقسیم کر دیے۔ شیخ محمد نصیف نے ہمت کر کے بیروت کے اخبارات میں یہ اعلان کرایا کہ ان کے پاس نبہانی کے رد پر علامہ محمود آلوسی کی کتاب "غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی" موجود ہے۔ اس اعلان کے بعد نبہانی کے ایک شاگرد نے مقابلے کی ٹھانی اور اس کا جواب دینے کا اعلان کیا، کتاب کی قدر گھٹانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے، مگر بے کار، اس شعر کے مطابق اس سے کچھ بن نہ آئی ؂

وقل للعیون الرّمد للشمس اعین
سواک تراھا فی مغیب و مطلع

ترجمہ: اندھی آنکھوں کو سنا دو کہ سورج کو دیکھنے والی بہت سی آنکھیں تیرے سوا بھی موجود ہیں، جو اس کو نکلتے اور غروب ہوتے دیکھتی ہیں۔

کتاب کا تعارف

کتاب اب آپ کے ہاتھ میں ہے، مطالعے کے بعد اس کی قدر و منزلت خود ہی ظاہر ہو جائے گی۔ ہم یہاں ایک مصلح اور عالم سید محمد رشید رضا کی تقریظ نقل کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی" دو بڑی جلدوں میں عراق کے ایک اونچے درجے کے عالم، جن کی کنیت "ابو المعالی الحسینی السلامی الشافعی" ہے، کی تالیف ہے۔ نبہانی نے اپنی کتاب "شواہد الحق" میں استغاثہ بغیر اللہ کو جائز ٹھہرانے میں جو چہالیس جھوٹے اقتباسات، سیاہ دلائل بیان کیے ہیں اور اس میں حضرت امام ابن تیمیہؒ جیسے علماء حق جو علم اور سنت کے انصار میں، کے خلاف جو ظالمانہ بدزبانی کی ہے اس کتاب میں اس کا بھی رد ہے۔" آگے چل کر فرماتے ہیں: "اس کتاب میں توحید، حدیث، تفسیر، فقہ تاریخ، ادب سے متعلق اور ان مسائل کے سلسلے میں، جن میں امام غزالی اور ابن عربی الحاتمی وغیرہ جیسے بعض مشہور علماء تنہا ہیں اور علماء نے ان پر انکار کیا ہے، بے شمار علمی فوائد موجود ہیں۔" —— پھر لکھا کہ:

"ہم مشرق و مغرب کے ان سب دوستوں سے جنہوں نے ہمیں نبہانی کا رد لکھنے کی فرمائش کی تھی نیز جو لوگ نبہانی کی جھوٹی باتوں اور جھوٹے حوالہ جات سے دھوکہ کھا چکے ہیں، یا جنہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم نے نبہانی کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا اور اس پر رد لکھ دیا، لہٰذا یہ قابلِ اعتماد نہیں۔ یا جن فریب خوردہ لوگوں نے ہماری اس بات کو کہ نبہانی کی کتاب انتہائی غیر معتبر ہے گالی سمجھا —— یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ گواہ ہے، اس کی کتابوں کو دیکھنے اور ان میں جھوٹی اور من گھڑت احادیث اور نقل کی ہوئی جھوٹی باتوں اور بے کار استنباط کے بعد ہی ہمیں اس کے غیر معتبر ہونے کا یقین ہوا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ خود استنباط کر کے مجتہد بنتا بھی ہے اور خود کو اجتہاد کا نااہل لکھ کر اس کا انکار بھی کرتا ہے۔"

وفات

سنہ ۱۳۳۷ھ میں آپ کو مثانے میں پتھری کی تکلیف ہو گئی۔ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ عارضی تکلیف ہے، خاص توجہ نہ دی، چنانچہ آپ کا خیال درست نکلا اور درد موقوف ہو گیا۔ مگر اندرونی طور پر مرض بڑھتا رہا، تا آنکہ دو سال کے بعد پیشاب بند ہو گیا اور تکلیف شدت اختیار کر

گئی ڈاکٹری علاج کیا جس سے کوئی خاص افاقہ نہ ہوا البتہ درد میں کچھ کمی آگئی۔

ڈاکٹروں نے کثرتِ مطالعہ پڑھانے اور دماغی کام کرنے سے پرہیز کا مشورہ دیا جب ۱۳۴۲ھ کے رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہوا آپ کو پھیپھڑے کی تکلیف ہوگئی اب آپ کو یقین ہوگیا کہ آپ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں اس لیے آپ نے اپنے گھر والوں اور احباب کو ڈاکٹری علاج اور آپریشن وغیرہ سے منع فرما دیا۔ تیرہ دن تک آپ امراض کا مقابلہ کرتے رہے تا آنکہ ۹ شوال ۱۳۴۲ھ کو ظہر کی اذان کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔

آپ کے جنازے میں لوگوں کا جمِ غفیر شامل ہوا جب آپ کا جنازہ کرخ میں معروف الکرخی کے قبرستان پہنچا تو وہاں آپ کا جنازہ پڑھا گیا۔ جنازے میں لوگ اس کثرت سے شریک ہوئے کہ امام کی تکبیر پہنچانے کے لیے بہت سے مکبّر مقرر کرنے پڑے پھر آپ کا جنازہ آپ کی وصیّت کے مطابق جنید البغدادی کے قبرستان لے جایا گیا آپ کا جنازہ کئی بار پڑھا گیا اور سورج کے غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے آپ کو دفن کر دیا گیا۔ طیّب اللہ ثراہ واحسن مثواہ ورحمہ رحمۃ واسعۃ :

فضائل اور کارنامے

آپ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپؒ نے دینی کتب اور سلف کے مذہب کی بڑی مہارت سے نشر و اشاعت کی آپ سمجھتے تھے کہ تعصب، دلائل سے بے نیازی اور ذہنی غلامی سے آزادی کا صرف ایک ذریعہ ہے، اور وہ ہے مذہبِ سلفؒ۔

عام علماء کے برعکس آپ فخر اور نام و نمود کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے آپ کو بس اپنے مقصد سے غرض تھی وہ جس طرح بھی حاصل ہو چاہے براہِ راست یا دوسروں کے ذریعے سے۔

مرحوم اپنے گھر اور مسجد میں بدعتیوں کی خوب خبر لیتے تھے یہی وجہ تھی کہ بہت سے لوگ آپ کے دشمن ہوگئے اور انہوں نے بغداد کے حاکم عبدالوہاب پاشا سے آپ کی شکایت کی چنانچہ اس نے سلطان عبدالحمید الثانی العثمانی کے پاس جانے کا حکم دیا اور آپ کو ترکی میں بحیرۂ اسود کے پاس پہاڑی علاقے میں جلا وطن کرنے کا حکم جاری ہوا جب آپ ۱۳۲۰ھ میں موصل میں پہنچے تو وہاں کے بڑے بڑے لوگوں نے آپ کو آگے جانے سے روک دیا اور سلطان سے اپنا احتجاج لکھا چنانچہ

سلطان نے دوبارہ آپ کو بغداد جانے کی اجازت دیدی اور آپ بغداد تشریف لائے۔

پھر آپؒ شاہ عبدالعزیزؒ جو مملکتِ سعودیہ عربیہ کے بادشاہ تھے، کے پاس پہنچے اور بعض مسائل پر ان سے بحث کی وہاں سے نہایت عزّت وتکریم کے ساتھ واپس تشریف لائے۔

"موسوعۃ العربیۃ المیسرہ" کے مؤلفین نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ "آپ سمجھتے تھے کہ اسلامی اصلاحی تحریک امام احمد بنؒ حنبل کے مذہب پر ہوسکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب "غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی" میں بعض اسلامی مذاہب پر گفتگو کرتے ہوئے کئی مقالے سپردِ قلم کیے ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ آپ سلفی تحریک کے ممتاز قائد ہیں، جو بدعتیوں کے ساتھ قول وعمل کے ذریعے معرکہ آرا ہیں۔"

تالیفات

مؤلف مرحوم نے مختلف موضوعات پر پچاس سے زائد کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے اہم کتابیں یہ ہیں:

(۱) "غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی": جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

(۲) جب نبہانی شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ، سید رشید رضا اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ پر سبّ وشتم کے ساتھ حملہ آور ہوا تو جس طرح شیخ سلیمان بن سحمان، شیخ محمد بن حسن مرزوقی القطری، شیخ علی بن سلیمان الیوسف التمیمی اور شیخ محمد بہجت البیطار دمشقی وغیرہ نے نبہانی کا رد لکھا، مؤلف مرحوم نے بھی "الآیۃ ادالرآیۃ الکبریٰ عن ضلال النبہانی" کے نام سے اس کا رد لکھا ہے۔

(۳) "فتح المنان" شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن کی کتاب "منہاج التاسیس" کا تتمہ ہے۔

(۴) "بلوغ الارب عن احوال العرب"۔یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔

(۵) شرح منظومہ عمود النسب۔

(۶) تجرید السنان عن الذب عن ابی حنیفۃ النعمان۔

(۷) تاریخِ نجد۔

(۸) فصل الخطاب فی شرح مسائل الجاہلیۃ للشیخ محمد بن عبدالوہاب۔

ان کے علاوہ کئی مفید کتب ہیں، ان میں سے اکثر طبع ہو کر متداول ہیں۔

آپ کی وفات کا عالمِ اسلام پر اثر

عالمِ اسلام نے آپ کی وفات کو شدّت سے محسوس کیا‘ دینی رسائل واخبارات نے نظموں اور نثروں میں آپ کے مرثیے لکھے۔ بڑے بڑے سلفی علماء اور دوسرے لوگ‘ جو آپ کی تالیفات سے متاثر تھے اور ان کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے‘ کے تعزیتی تاثرات اور تعریفی کلمات کو دینی رسائل اور اسلامی اخبارات نے شائع کیا۔ ان میں سے سلفی عالم شیخ بہجت البیطار نے ان کی بڑی خوشبودار تعریف لکھی‘ اور ان کی موت کی خبر ملنے پر جو شدید رنج وغم ہوا‘ اس کو بیان کیا!

جب یہ خبر دمشق کی علمی مجلس کو پہنچی تو وہ غم اور پریشانی سے نڈھال ہوگئے‘ اور عرصے تک رنج وغم محسوس کرتے رہے — مجلسِ علمی کے ایک رکن عیسیٰ اسکندر نے ان کی تعزیت لکھی اور انہوں نے لکھا کہ ”وہ ایک عظیم محقق اور مشہور دقیقہ رس تھے‘ عربوں کو آپ کی شہرت بس کرتی ہے“ دمشق کے شیخ‘ عالم فاضل استاذ ابوہشام محمد سعدی یاسین نے آپ کی تعزیت لکھی‘ اور آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحم کی دعاء کی۔ اسی طرح کویت، مصر، حجاز، حلب، دمشق وغیرہ اسلامی ملکوں میں سے بہت سے خطوط لکھے گئے۔ اور شعروں میں آپ کے مرثیے لکھے گئے‘ جن کی تعداد بائیس سے زیادہ ہے ان کا ذکر ”اعلام العراق“ میں موجود ہے۔

مقدمہ از مؤلف :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اپنی ذاتِ پاک کی معرفت عطا فرمائی شکر کی توفیق بخشی اور اپنی ربوبیت کے ذریعے ہمارے لیے علم کے دروازے کھول دیے - وہ رب العالمین ہے، آسمانوں اور زمینوں کو قائم رکھنے والا ہے۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں ایسی تعریف، جس سے عالمِ برزخ کے سب اندھیرے چھٹ جائیں، اور وہ ہمارے لیے روشن ہو جائے۔ جس سے ہمارے لیے دوبارہ زندہ اٹھنا آسان ہو جائے۔ اور جس سے قیامت کے دن، جب گواہ گواہی کے لیے کھڑے ہوں گے، ہماری قیام گاہیں عزت والی ہوں۔ یہ وہ دن ہوگا، جب ہر جان کو، جو اس نے کمایا ہوگا، پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔ یہ وہ دن ہوگا، جب کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کے کام نہ آئے گا، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی -

ہم گواہی دیتے ہیں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ بزرگ غلبے والے کے، جو بادشاہ ہے، پورا پورا بدلہ دینے والا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں — نہ اس جیسا کوئی ہے، نہ اس کا کوئی وزیر اور مددگار ہے - وہ سب کو پالنے والا ہے۔ وہی ہے جس سے مدد طلب کی جائے۔ وہ پاک معبود ہے۔ اس کی عظمت و بزرگی کے بارے میں بڑی بڑی عقلیں حیران و پریشان ہیں، اور نئے نئے فکروں کے ستارے اس کی قدرت کے جنگلوں میں سرگرداں ہیں - اس نے اپنی وحدانیت کے دلائل حسین و جمیل کائنات میں قائم کر دیے ہیں - اور اپنی یکتائی کے براہین، موجودات کے تسلسل کے ناممکن ہونے، کی لڑی میں پرو دیے ہیں -

ہم اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں نہایت عاجزی و انکساری سے ہاتھ اٹھاتے ہیں اے اللہ! ہم تیرے حضور فروتنی اور عاجزی کے ساتھ سوال کرتے ہیں کہ تُو اس ذات پر ہمیشہ ہمیشہ درود و سلام کی موسلا دھار بارش برساتا رہے، جو توحید کے علم برداروں میں سب سے اونچی شان والی ہے — جس نے اپنا دل اے اللہ! تیری تقدیس پر مضبوط کر لیا اور ایسی کتاب کے ساتھ تمسک کیا، جس کے آگے سے باطل آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، اتارنا ہے دانا تعریف کیے ہوئے رب کی طرف سے" وہ ہیں ہمارے سردار، ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ، جو تیری وحی کے امین، تیری مخلوق میں سے چنے ہوئے، تیرے بندوں میں سے سب سے پسندیدہ، امام الرحمۃ، نیکیوں

اور بھلائیوں کے راہنما برکت کا باعث جنہوں نے تیرے حکم کی وجہ سے اپنی جان جوکھوں میں ڈالی، جنہوں نے تیری خاطر اپنے بدن کو آزمائش میں ڈالا جو اپنے گھر سے دوستوں کو دعا میں تیری طرف کھینچنے والے ہیں جو تیری خوشنودی کی خاطر اپنے خاندان کے ساتھ برسرِ پیکار رہے، جو تیرے دین کی نشر واشاعت کے لیے اپنے رشتہ داروں سے کٹ گئے، جنہوں نے ہمیشہ اپنے جسم وجان کو تیری رسالت میں کھپا دیا۔ اور اپنے آپ کو تیری ذات کی طرف دعوت دے کر مشقت میں ڈالا اور اس کو تیرے اہلِ دعوت کی خیر خواہی میں مصروف رکھا۔ اس سے مقصد محض یہ تھا کہ اے اللہ تیرا دین، دنیا میں عزت وغلبہ حاصل کرلے اور اہلِ کفر پر تیری مدد حاصل کرے حتیٰ کہ تیرے دشمنوں کے متعلق آپ ﷺ کی خواہشات مکمل ہوگئیں، اور تیرے دوستوں کے بارے میں آپ ﷺ کا پروگرام مکمل ہوا پس آپ ﷺ نے تیری مدد سے، فتح حاصل کرنے کے لیے ان کا مقابلہ کیا اور تیری نصرت سے اپنی کمزوری کو طاقت دی۔

اللہ تعالیٰ سلام بھیجے آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کے آل پر اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر، جو اپنے اعمال میں مخلص تھے، اور وہ ہر نقص سے محفوظ تھے۔ یہاں تک کہ کسی کو ان پر انگلی اٹھانے کی گنجائش نہ رہی، اور انہوں نے اپنی بہترین عمر کو غفلت سے بچا لیا۔ اس طرح برائی اور ملامت کی کوئی چیز بھی ان میں نہ تھی۔ انہوں نے اپنے عزائم کے ایسے دھاوے بولے، حتیٰ کہ الحاد اور گمراہی کے لشکروں کو تتر بتر کر دیا۔ اپنے دلائل کے نیزوں کے ساتھ اہلِ شرک و جہالت کے سروں کو توڑ دیا۔ یہ وہ قابلِ تکریم لوگ ہیں، جو آپ ﷺ کے دین میں تیزی سے داخل ہوئے، اور آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے میں سبقت دکھائی جس جگہ آپ ﷺ نے ان کو اپنی رسالت کی حجت سنائی، انہوں نے اس کو فوراً قبول کر لیا! اور ان لوگوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں، جو نیکی میں ان کی راہ چلے، اور ان کے لیے اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی پناہ اور مدد حاصل کرنے کا ذریعہ نہ تھا۔

اَمّا بَعْد، مجھے ۱۳۲۵ھ، رجب کے اواخر میں ایک کتاب ملی، جس میں بہتانِ عظیم اور صراطِ مستقیم سے انحراف کی راہ اختیار کی گئی تھی یہ ایک جاہل کی تالیف ہے، جس میں اس نے حق سے ٹکرانے، غلط کے ساتھ صحیح کا مقابلہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور آسمانی کتابوں

کے قطعی دلائل سے ثابت شدہ حقیقت کی مخالفت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید ہے ، اس کی خصوصیاتِ ربوبیّت میں یکتائی ہے ، اس کے حضور التجاء ––– اسی پر توکل، اور ہر کلی اور جزئی معاملے میں اسی سے استعانت کی خصوصیّت ہے ۔

یہ بڑائی کے پندار میں مبتلا، جاہل، موٹی عقل والا اُٹھا اس نے صریح حق سے منہ پھیر کر ایک کتاب "شواھد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق" کے نام سے مرتب کی جو کذب و افتراء ، ظلم و زیادتی، اہلِ حق اور توحید کے علم برداروں پر دشنام طرازی اور جھوٹی حکایتوں سے پُر ہے۔ اس کتاب کا نام "باطل اور گمراہی" رکھا جائے تو بجا ہے۔ اس کی ورق گردانی کرنے سے پتہ چلا کہ اس میں جو کچھ ہے، وہ تو کم عقل لوگوں میں بھی رواج نہیں پا سکتا، چہ جائیکہ معقول و منقول فنون کے ماہروں میں کوئی مقام پاسکے۔ کیونکہ اس میں بیان شدہ سب سندیں بے کار، اس کے حوالے اور اقتباسات جھوٹے، اسکے مباحث متناقض، اور اس کے مطالب متعارض ہیں جس سے اس کتاب کے مؤلف و مصنّف کی بے علمی اور جہالت کا ثبوت ملتا ہے ۔

میں اس کتاب کا جواب لکھ کر اس کے جھوٹ اور کھوٹی باتوں کو ظاہر کرنے میں متأمل تھا۔ کیونکہ اس میں مؤلف نے اٹکل پچّو اور قیاسی باتوں کو بیان کرکے اپنی بے بصیرتی ، کم علمی اور بے انصافی ہی کو دانشگاف کیا تھا۔ میری رائے یہ تھی کہ اسکی جہالت کی طرف دھیان نہ دیا جائے اور اسکی گھٹیا اور بے کار باتوں سے تعرض نہ کیا جائے، اس کی ذلیل گفتگو اور بکواس کی طرف التفات نہ کی جائے ۔

لیکن بعض بھائیوں نے، جو میرے مقصد سے آگاہ تھے، انہوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ اس کتاب کا ابطال ضروری ہے، اور مجھے اس دلیل سے قائل کیا کہ غزوۂ اُحد میں جب کفار کے سردار ابو سفیان نے (ایک پہاڑی پر سے) آواز دے کر پوچھا "کیا تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"؟ کیا ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں؟ "کیا عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب ہیں"؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بے وقعت کرنے اور اس سے بے نیازی ظاہر کرنے کے لیے فرمایا، "اس کی بات کا مت جواب دو"۔ مگر جب اس نے نعرہ لگایا۔ "اُعْلُ ہبل" (ہبل بلند ہو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم جواب دو: "اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ" (اللہ تعالیٰ سب سے بلند اور سب سے بڑی شان والا ہے) جب ابو سفیان نے کہا، "لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ" (ہمارا مددگار عزّٰی ہے اور تمہارا کوئی عزّٰی نہیں ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا "تم جواب میں کہو اللّٰہُ مَولَانَا وَلَا مَولیٰ لَکُم" (اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے' اور تمہارا کوئی مددگار نہیں) اس پر میں نے اللہ واحد کی توفیق سے اس کارد لکھنے کا عزم بالجزم کرلیا۔ کاش! ان بہکی بہکی باتوں کا مصنف شہسواروں کے میدان سے دور رہتا تاکہ اس کی عزت ان کی زبانوں کے نیزوں سے محفوظ رہتی' اور جھگڑے کی بساط پوری طرح لپیٹ دی جاتی۔ اور ایسی بات سننے میں نہ آتی جس سے دل تنگ ہوتا' امت کے اہلِ علم وفضل کے سامنے اس کا پول نہ کھلتا۔ مگر جب اس نے جھگڑے اور دنگے فساد' بدتہذیبی اور فحش گوئی کے سوا کسی چیز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اب اس کو گلا کاٹنے' اور زہریلے سانپوں کے ڈسنے' شیروں کے حملوں' تہ بہ تہ طوفانی بلاؤں اور مضبوط کاٹنے والی تلواروں کے وار سہنے ہی پڑیں گے۔

مجھے اسی پاک ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' جب بھی کوئی سینگ اہلِ حق کے مقابلے میں آیا اس کو توڑ دیا گیا' اور جب کوئی مخالف ان سے دست و گریبان ہوا' اس کو برے نتیجے کی خوشخبری سنائی گئی' اور اس کے بھاگ جانے کے سب راستے بند کر دیے گئے' اور جب فصاحت کے میدان میں عرب کے مشہور و معروف فصیح قبیلے کے خطباء کا کسی پرستارِ حق سے آمنا سامنا ہوا' تو اس نے ان کو رسواکن شکست دی جب کوئی لڑنے کے لیے اہلِ حق کے دوبدو آیا چاہے وہ قومِ عاد ہی کا پہلوان کیوں نہ ہو' انہوں نے اس کو منہ کے بل ایسی پٹخنی دی کہ وہ سنبھل نہ سکا باطل کا مقابلہ ان پچھے رستموں کے ساتھ ہے' جو موت کے گھاٹ پر خوشی سے پہنچے ــــ جنہوں نے موت کے پیالے رضاکارانہ طور پر پی لیے ــــ جو اچانک موت کی طرف دوڑے اور جنہوں نے موت کے مزے کو شہد سمجھا۔ اہلِ باطل کا سابقہ ان بہادروں کے ساتھ ہے' جنہوں نے اپنے ہم سروں کو بے قدر جانا۔ وہ کسی خوفناک بات سے نہ ڈرے' اور جو لڑائی کے میدانوں میں گھومے پھرے ــــــ تو صفوں کی صفیں چیر ڈالیں' انہوں نے مجادلے کے موقع پر اڑتی پھرنے والی تلواروں کے ساتھ بہادری کے جوہر دکھائے۔

اب ہم اپنے مقصد کی طرف آتے ہیں یعنی صاحبِ مقامِ محمود' حوضِ کوثر کے والی کی شریعت کا دفاع کرتے ہیں۔ اے اللہ! مجھے توفیق دے کہ میں عند الضرورۃ تیری مدد سے حملہ کروں' اور حاجتمندی میں تجھ ہی سے سوال کروں بے چارگی کے وقت تیرے حضور عاجزی کروں'

اے اللہ! جب میں مجبور و پریشان ہوں تو غیر اللہ کی استعانت کے ساتھ مجھے فتنے میں نہ ڈالنا، اور جب میں محتاج ہوں تو تیرے سوا کسی اور کے سامنے انکساری نہ کروں، جب مجھے خوف لاحق ہو تو تیرے سوا کسی کے سامنے فروتنی اختیار نہ کروں، اس طرح تیری مدد سے محرومی، تیری ناراضگی اور غصہ و اعراض کا حق دار نہ بن جاؤں۔ اے اللہ، جو کچھ میرے دل میں شیطان فسق و فجور کی آرزو اور حسد پیدا کرے اس کو اپنی عظمت کی یاد، اپنی قدرت میں غور و فکر، اور اپنے دشمن کے خلاف تدبیر میں بدل دے اور میری زبان پر شیطان کی طرف سے فحش گوئی، یا کسی کی بے عزتی، یا باطل شہادت، یا غیر موجود مومن کی غیبت، یا موجود مومن کو گالی دینے، وغیرہ کو اپنی حمد و ثنا کرنے، اپنی بزرگی بیان کرنے اور اپنی نعمت کا شکر ادا کرنے، اپنے احسان اور حسنِ سلوک کے اعتراف میں تبدیل فرمادے، یقیناً تو دُعا کو قبول فرمانے والا ہے!

جھوٹے کے جھوٹ کو ظاہر کرنے اور بے کار کلام کا ردّ شروع کرنے سے قبل کچھ تمہیدی باتوں کا جان لینا ضروری ہے، جن کو جان لینے سے غلط اور صحیح میں تمیز کرنے کے لیے بصیرت زیادہ ہوجاتی ہے، اور حق کی معرفت میں مدد ملتی ہے، ہم اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق کی بھیک مانگتے ہیں، اسی کے ہاتھ میں تدقیق و تحقیق کی باگ ڈور ہے!

چند مختصر اور ضروری باتیں جن پر تنبیہ ضروری ہے

۱- پہلی بات یہ ہے کہ بے شمار کتابیں دین اور شریعت رسول اکرم ﷺ کے موضوع پر ہر زمانے میں لکھی گئی ہیں خاص طور پر موجودہ زمانے میں طباعت کی سہولتوں کی وجہ سے اسلامی کتابیں اس قدر شائع کی گئی ہیں، جن کی نظیر گزشتہ زمانے میں نہیں ملتی، اس کے باوجود سخت دل اس سے کچھ متاثر نہیں ہوتے۔ نبہانی کی قسم کے کرخت لوگ، جو اپنی خواہشات کے پیروکار اور حق سے اعراض کرنے والے ہیں، دنیا کے مختلف علاقوں اور ملکوں میں موجود ہیں حالانکہ حق کے دلائل واضح طور پر موجود ہیں، مگر بدقسمتی سے انہوں نے اس طرف توجہ اور دھیان ہی نہ دیا۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے اگرچہ کم پڑھے لکھے سادہ عوام دھوکا کھا جاتے ہیں، مگر حق کو اس سے کوئی ضرر لاحق نہیں ہو سکتا، جیسا کہ علامہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ہدایہ میں بیان فرمایا ہے، حق کو قبول کرنے سے باز رہنے کے بہت سے اسباب ہیں:

ان میں سے ایک جہالت ہے[1] اسی سبب کا اکثر لوگوں پر غلبہ ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی کسی چیز سے جاہل ہو تو وہ اس کا اور اس کو کرنے والوں کا دشمن بن جاتا ہے اگر اس سبب کے ساتھ ساتھ حق بیان کرنے والے شخص سے بغض، دشمنی اور حسد بھی شامل ہو تو پھر یہ حق کو قبول کرنے میں مضبوط رکاوٹ بن جاتی ہے اور اگر خلافِ حق بات اس کی عادت ہو اور اس کو اس سے محبّت بھی ہو اور اسی پر اس کے باپ دادا اس کے دوست اور اس کے قابلِ تعظیم بزرگ عمل پیرا ہوں اور اسی پر اس کی تربیّت بھی ہوئی ہو، تو قبولِ حق کا مانع اور مضبوط ہوتا ہے۔ اگر اس کو یہ وہم بھی ہو کہ اگر اس نے حق قبول کر لیا تو اس کے جاہ وحشم اس کی خواہشات اور اس کے اغراض و مفادات بھی متاثر ہوں گے، تو قبولِ حق کی رکاوٹ بہت زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے اور اس پر اگر وہ اپنے ساتھیوں، دوستوں، رشتہ داروں اور قوم اور ماحول سے خوف زدہ بھی ہو کہ حق کو قبول کر لینے سے ان کی طرف سے اس کی عزّت اور اس کی جان و مال کو نقصان پہنچے گا تو پھر قبولِ حق کا مانع قوی سے قوی تر ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے رسولِ کریم ﷺ کے زمانے میں شام کا عیسائی بادشاہ ہرقل اسی وجہ سے حق قبول نہ کر سکا۔ اور اسی طرح بہت سے وہ لوگ جو عہدوں اور مناصب پر فائز ہیں، علم کے ساتھ اپنی نسبت بھی قائم کرتے ہیں اور ساتھ ہی وہ بدعتیوں کے فرقوں کے ساتھ اپنی نسبت جوڑتے ہیں۔ نیز حکومت جن عقائد کی ترویج پسند کرتی ہے، اسی سے اپنا ناطہ ظاہر کرتے ہیں جبکہ رسولِ اکرم ﷺ اور صحابہؓ و تابعینؒ کے عقائد کو حق سمجھنے کے بعد بھی ان سے پہلو بچاتے اور سننِ نبویّہ کو ترک کر دیتے ہیں، ان کے پیشِ نظر صرف دنیا کی ظاہری چمک دمک اور حقیر مفادات ہوتے ہیں، ایسے بکثرت لوگ میری نظر میں ہیں۔ انہی کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ[1]	"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی خریدی، نہ تو ان کی تجارت ہی نے کچھ نفع دیا اور نہ وہ ہدایت یاب ہوئے۔"

ہرقل شاہِ روم کا واقعہ مشہور ہے، اس نے حق کو پہچانا اور اسلام کو قبول کرنے کا ارادہ بھی کر لیا، مگر قوم اس کے ساتھ متفق نہ ہوئی اس کو اپنی جان اور دوسرے دنیاوی مفادات خطرے میں

---

[1] سورۃ البقرۃ آیت ۱۶

نظر آئے چنانچہ اس نے ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی اسلام قبول نہ کیا اور کفر پر قائم رہا۔

ان اسباب میں سب سے بڑا سبب حسد ہے، یہ ایک قلبی روگ ہے حاسد دیکھتا ہے کہ فلاں کو مجھ پر فضیلت مل گئی ہے اسے وہ عزت مل گئی ہے جو اس کو نہیں ملی اب حسد اس کو اجازت نہیں دے گا کہ وہ اس کی بات مانے اور اس کے پیروکاروں میں شامل ہو۔ کیا شیطان لعین کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے حسد ہی نے نہیں روکا اس نے سمجھا میں آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں اور بڑا ہوں تو وہ پریشان ہو گیا اس نے ایمان کے بعد کفر کو اختیار کیا حالانکہ اس کو فرشتوں کی مصاحبت کا شرف حاصل تھا۔

یہی وہ روگ ہے جس نے یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے روکا حالانکہ ان کو بغیر کسی شک کے علم تھا کہ وہ رسول اللہ ہیں جو کھلے دلائل اور ہدایت لے کر تشریف لائے ہیں۔ پس حسد نے ان کو اکسایا اور انہوں نے ایمان پر کفر کو پسند کیا اور اس پر اتفاق کر لیا حالانکہ ان میں احبار و علماء، عبّاد و زہّاد، امراء و بادشاہ اور قضاۃ موجود تھے پھر لطف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کسی نئی اور الگ شریعت کی بجائے تورات ہی کے احکام بتاتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کوئی جنگ و قتال نہیں کیا بلکہ یہودیوں کے لیے مہربانی اور آسانی کے لیے بعض حرام اشیاء کو حلال کیا اور تورات کی مکمل شریعت کو پیش کیا باوجود اس کے انہوں نے ایمان پر کفر کو پسند کیا۔

اسی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کا سلوک اس نبیؐ کے ساتھ کیا ہو گا جو ایک مستقل شریعت لے کر آیا ہے، جو پہلی شریعتوں کی ناسخ ہے اور وہ ان کی بداعمالیوں پر سرزنش کرتا ہو ان کی کمینی عادتوں سے علی الاعلان ٹوکتا ہو اور ان کو ان کے گھروں سے نکالا ہو اور وہ اس سے لڑے ہوں۔ اور وہ ان سب معرکہ آرائیوں میں ان پر مظفر و منصور ہو۔ وہ اور اس کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کامیابیوں کی بلندیوں تک پہنچ گئے ہوں اور انہوں نے اس سے ہمیشہ شکست کھائی ہو تو ایسے لوگوں کے دلوں پر حسد اور ظلم کا قبضہ کیوں نہ ہو گا جب کہ وہ ہدایت ظاہر ہو جانے کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے پر متفق ہو گئے تھے؟ ایسے لوگوں کا نئے اور مستقل شریعت والے نبیؐ کے ساتھ کیا برتاؤ ہو گا؟ صرف یہی ایک سبب حق کو رد کرنے کے لیے کافی ہے جب اس کے

ساتھ دوسرے اسبابِ حکومت (چوہدراہٹ) اور حلوہ مانڈا بھی جمع ہو جائے تو وہ کیسے حق قبول کر سکیں گے؟ حضرت حافظ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اپنی کتاب "مفتاح دارالسعادۃ" میں مفصل اور شاندار کلام کیا ہے۔ ممکن ہے ہم بھی آگے چل کر اس میں سے کچھ بیان کریں۔

مقصد یہ ہے کہ حق کو قبول نہ کرنے کے متعدد وجوہ و اسباب ہیں، وہ سب کے سب غُلو (حد سے بڑھ جانے) میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں غالب سبب سنگدلی ہے، جیسے کہ باری تعالیٰ نے یہودیوں کے بارے میں خود خبر دی ہے:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ [1]	"پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے، گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت، اور پتھر تو بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو خوفِ خدا سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سے بے خبر نہیں۔"

اور صحیح بخاری کے "بَابُ فَضْلِ مَنْ عَلِمَ وَعَلَّمَ" میں ہے:

"حدثنا محمد بن العلاء قال: حدثنا حماد ابن اسامة عن بريد بن عبد الله عن ابى بردة عن ابى موسىٰ عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيْرِ اَصَابَ اَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاۗءَ فَاَنْبَتَتِ الْكَلَاَ وَالْعُشْبَ	"ہمیں حدیث بیان کی محمد بن العلاء نے، انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی حماد بن اسامہ نے، انہوں نے روایت کی برید بن عبداللہ سے، انہوں نے ابی بردہ سے، انہوں نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا "جس علم و ہدایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس کی مثال بکثرت بارانِ رحمت کی ہے جس نے زمین کو سیراب کیا، زمین کے ایک زرخیز حصے نے پانی کو قبول

---

[1] سورۃ البقرۃ آیت ۷۴

الْكَثِيْرَ وَكَانَتْ مِنْهَا اَجَادِبُ اَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةٌ اُخْرٰى اِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً فَذَالِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهٗ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذَالِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِيْ اُرْسِلْتُ بِهٖ"

کر کے سبزہ اور گھاس اگائی اور زمین کا ایک بنجر حصّہ ہے جس نے پانی کو روک رکھا اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا انہوں نے خود پیا اور جانوروں کو پلایا اور کھیتوں کو سیراب کیا اور زمین کا ایک میدانی (کلر زدہ) حصّہ ایسا ہے جو نہ تو پانی کو روکتا ہے اور نہ ہی گھاس اُگاتا ہے یہ مثال اس کی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ عطا فرمائی اور اس کو اس دین نے نفع دیا جو اللہ تعالیٰ نے میری معرفت بھیجا اس نے خود سیکھا اور دوسرں کو سکھایا اور جس نے اس سے آسودگی حاصل نہ کی اس نے وہ ہدایت قبول نہ کی جس کو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے"!

بخاری شریف کے عظیم شارح' امام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے اس حدیث پر گفتگو فرماتے ہوئے امام قرطبیؒ وغیرہ سے نقل فرمایا ہے کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ اسلام کی مثال اس بارانِ رحمت کے ساتھ بیان فرمائی' جس کی لوگوں کو خشک سالی کی وجہ سے سخت ضرورت ہو' آپؐ کی بعثت سے قبل لوگوں کا حال بالکل اسی طرح کا تھا۔ جس طرح بارانِ رحمت سے خشک اور مُردہ علاقے لہلہا اٹھتے ہیں' اسی طرح علومِ دینی سے مُردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں پھر آپؐ نے دین کی دعوت پہنچنے والوں کو زمین کی مختلف قسموں سے تشبیہ دی' جہاں بارش برستی ہے۔ بعض ان میں سے عالم باعمل اور دوسروں کو سکھانے والے ہوتے ہیں' وہ اس زرخیز زمین کی مانند ہیں' جو خود سیراب ہوئی اور فائدہ اٹھایا اور گھاس اُگا کر دوسروں کو فائدہ دیا۔ بعض لوگ علم کے جامع تو ہوتے ہیں مگر باعمل نہیں ہوتے' یعنی ایسے سنن و نوافل پر عمل پیرا نہیں ہوتے' اور خود سمجھ نہیں رکھتے مگر دوسروں کو علمِ دین پہنچاتے ہیں۔ یہ لوگ اس زمین کی طرح ہوتے جو بارش کے پانی کو روکے رکھتی ہے' جس سے لوگ نفع پاتے ہیں آپؐ نے اسی بات کی طرف اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے :

"نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ

"اللہ تعالیٰ خوشحال اور آسودہ کرے اس شخص کو جس نے

مَقَالَتِیْ فَاَدَّاھَا کَمَا سَمِعَھَا" میرا ارشاد سنا اور اس کو ویسا ہی آگے پہنچا دیا جس طرح سنا تھا۔"

اور کچھ لوگ کلر اور شور زدہ زمین کی طرح ہوتے ہیں جو نہ تو پانی کو خود قبول کرتی ہے اور نہ اوروں کو پہنچاتی ہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں دو پہلی قسموں کو محمود قرار دیا اس لیے کہ وہ دین سے نفع اٹھاتے ہیں اور تیسری قسم کو مذموم قرار دیا اس لیے کہ وہ بے نفع لوگ ہیں واللہ اعلم!

پھر مجھ پر یہ راز منکشف ہوا کہ یہاں ہر مثال میں دو قسم کے گروہ ہیں پہلی مثال کی وضاحت تو ہم کر چکے ہیں، دوسری مثال میں سے پہلا گروہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو دین میں داخل تو بس ہو گئے لیکن علم نہ سُنا یا سُنا مگر اس پر عمل پیرا نہ ہوئے اور نہ آگے سکھایا ایسے لوگوں کو کلر اور شور والی زمین کے ساتھ مثال دی ہے اسی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے: "مَنْ لَمْ یَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَاْسًا" یعنی اس سے اعراض کیا خود نفع اٹھایا اور نہ دوسروں کو نفع پہنچایا۔ دوسری مثال کا دوسرا گروہ وہ ہے جو دین میں داخل ہی نہیں ہوا بلکہ جب اس کو دین کی دعوت ملی تو اس کا انکار کیا اس کی مثال ایسی سخت، چکنی اور ہموار زمین کی ہے جس پر پانی گزرتا ہے مگر وہ خود اس سے فائدہ نہیں اٹھاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اسی طرف اشارہ ہے: " وَلَمْ یَقْبَلْ ھُدَی اللہِ الَّذِیْ جِئْتُ بِہٖ" یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی اُس ہدایت کو قبول نہ کیا جس کو میں لایا ہوں"۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے فرمایا، لوگوں کی مختلف اقسام میں سے دو قسمیں باقی رہ گئی ہیں :

① جس نے خود دین کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا۔

② جس نے خود تو علم پر عمل نہ کیا مگر دوسروں کو سکھایا۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "میں کہتا ہوں، پہلی قسم تو پہلی مثال میں شامل ہے اس لیے کہ فی الجملہ اس سے نفع حاصل ہوا اگرچہ اس کے مدارج مختلف ہیں جس طرح زمین سبزہ اور گھاس اگاتی ہے، اس میں سے کچھ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور کچھ یونہی بے کار چلا جاتا ہے۔ دوسری قسم نے اگر صرف فرائض پر عمل کیا اور نوافل کی طرف توجہ نہ دی، تو یہ ہمارے بیان کے مطابق دوسری مثال میں داخل ہو گئے۔ اگر وہ فرائض کا تارک ہو تو پھر وہ فاسق ہے، اس سے علم حاصل کرنا جائز نہیں، شاید وہ ان لوگوں میں شامل ہو سکے جنھوں نے دین

سے اعراض کیا، نہ خود مستفید ہوئے نہ دوسروں کے لیے مفید بنے۔ واللہ اعلم۔ امام عسقلانیؒ کی گفتگو ختم ہوئی۔

مقصد یہ ہے کہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دل عمدہ اور زرخیز زمین کے مانند ہوتے ہیں، جو پانی کو قبول کر کے سبزہ اور بہت سی گھاس اگاتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے قدم بقدم چلنے والوں کے دل اسی طرح کے تھے۔

بعض دل بنجر اور عیب دار زمین کی مانند ہوتے ہیں جس نے پانی کو روکے رکھا، لوگ اس سے خود پیتے اور اپنے جانوروں کو پلاتے، اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے یہی معنیٰ مترشح ہوتا ہے: "رُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ"! یعنی "بسا اوقات، جن کو بات پہنچائی گئی ہے، وہ سننے والے سے اس کو زیادہ محفوظ کرنے والے (عمل پیرا) ہوتے ہیں"۔

بعض دل ان میدانوں کی مانند ہوتے ہیں جو نہ تو پانی کو روکتے ہیں اور نہ ہی گھاس اگاتے ہیں جس طرح بہت سے غالیوں اور بدعتیوں اور گمراہوں کے دل ہوتے ہیں۔ ان پر ہدایت اور علم کا کوئی اثر نہیں ہوتا، جس طرح کلر اور شور والی زمین پانی کو روک کر اور گھاس اُگا کر بارش سے فائدہ نہیں اٹھاتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک حدیث، جس کی صحت پر اتفاق ہے، میں آیا ہے:

"اِنَّكُمْ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوْهُ"	"تم اپنے سے پہلی امتوں کے برابر برابر چلو گے حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے کسی بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی اس میں داخل ہو جاؤ گے"۔

یہ حدیث شریف ہمیں بتاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو امم سابقہ (یہود و نصاریٰ وغیرہ) کی جاہلیت پر اُن کی طرح چلیں گے۔ حدیث میں اسی طرح وضاحت کی گئی ہے اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی فرمائی ہے، وہ لامحالہ ہو کر رہے گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم صادق و مصدوق ہیں، اپنی خواہش سے نہیں بلکہ وحیِ الٰہی سے کلام فرماتے ہیں۔

یہ یقینی بات ہے کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو مضبوطی سے تھام لیا، سنّتِ ثابتہ کی اتباع کی، وہ تو اس حدیث کا مصداق نہیں اس لیے کہ جس حدیث میں امّت کے ۷۳ فرقوں

میں بٹ جانے کا ذکر ہے، اس میں ایسے لوگوں کو جو رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر عمل پیرا ہوں، فرقہ ناجیہ قرار دیا گیا ہے۔

اب لازمی ہوا کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ پہلی اُمتوں کے قدم بقدم چلنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں، جنھوں نے دین میں تغیّر و تبدّل کیا، بدعات جاری کر کے تحریفِ دین کے مرتکب ہوئے یہی لوگ ہیں جو قبروں پر مساجد و مزار بنا کر اور مشکلات و مصائب میں مُردوں کو پکار کر پہلی اُمتوں کے گمراہوں، یہود و نصاریٰ اور مشرکین وغیرہ کے افعال و اعمال کی نقل اتارنے والے ہیں جس طرح کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔

ہمارے زمانے کے قبر پرست غالیوں اور بدعتیوں میں، تورات و انجیل پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والے جاہلوں اور مشرکوں کی عادتیں اور طریقے موجود ہیں، لہٰذا پہلی گمراہ امتوں کے قدم بقدم چلنے والوں سے یہی لوگ مراد ہیں ہم اپنے اس بیان کے ثبوت میں ان کی کچھ باتیں بطورِ مثال بیان کریں گے تاکہ بات پُوری طرح نکھر کر سامنے آجائے۔

(۱) اِن کی ایک خصلت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بزرگوں کو شریک کر کے عبادت کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ بزرگوں کی تعظیم ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے نیز اس طرح کی عبادت سے ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کا تقرّب اور نزدیکی اور بزرگوں کی شفاعت حاصل کرنے میں کامیابی ہوتا ہے۔ ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ بزرگ ان کی طرف سے اس عمل کو پسند کرتے ہیں قرآنِ مجید نے اس خصلت کے بارے میں یُوں خبر دی ہے :

" اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ؕ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ فِیۡ مَا ہُمۡ فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ "[۱]

"اے پیغمبر! ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف سچائی کے ساتھ نازل کی ہے پس آپ ایک خدا کی عبادت کریں، یعنی دین کو اسی کے لیے خالص کر کے۔ دیکھو، خالص عبادت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے زیبا ہے، جن لوگوں نے اس کے سوا اور دوست و مددگار بنائے ہیں (وہ یہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کو اسلئے پُوجتے ہیں تاکہ وہ ہم کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا دیں۔ اللہ ان کے

---

[۱] سورۃ الزمر آیت نمبر ۲ - ۳

درمیان اس چیز کا فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔"

مشرکوں کی ان کے لیے عبادت یہ تھی کہ وہ اُن کو پکارتے تھے، اُن سے حاجتیں مانگتے تھے، ان کے لیے جانور ذبح کرتے اور نذر مانتے تھے، اور ان کی قسمیں کھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ"[1]

"اور وہ (مشرکین) اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں، جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلا ہی کر سکتی ہیں، اور کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔"

یہ سب سے بڑا مسئلہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ نے ان کی مخالفت کی! — ان کے سامنے اخلاص کو پیش کیا، اور ان کو بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے، اللہ تعالیٰ کسی سے اس (توحید و اخلاص) کے سوا کوئی چیز قبول نہیں فرمائے گا۔ اگر کسی شخص نے اپنے من پسند عمل کیے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام فرما دیا، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہی مسئلہ پورا دین ہے۔ اسی وجہ سے لوگ کافر اور مومن، دو جماعتوں میں تقسیم ہوئے — عداوت پیدا ہوئی اور جہاد مشروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ"[2]

"اور ان سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ (کفر و شرک کا فساد) باقی نہ رہے اور دین سب اللہ تعالیٰ کا ہو جائے!"

یہ بات مشاہدے سے صاف معلوم ہوتی ہے کہ آج کل کے غالی اپنے پیشرو مشرکوں کی اس خصلت میں حصّہ وافر رکھتے ہیں۔

(۲) ان کی ایک بد خصلت یہ ہے کہ ان کے دین کی بنیاد تقلید آباء پر ہے۔ ظہور اسلام سے قبل کی سب امتوں کا یہی بڑا قاعدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ

"اور اسی طرح ہم نے تم سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر اس کے خوشحال لوگوں نے کہا، ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا

---

[1] سورۃ یونس آیت ۱۸ [2] سورۃ الانفال آیت ۳۹

أُمَّةٍ وَّإِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ○ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ [1]

ہے' اور ہم انہی کے قدم بقدم چلتے ہیں پیغمبر نے کہا اگرچہ میں تمہارے پاس ایسا دین لاؤں جو تمہارے باپ دادوں کی راہ سے بہر لحاظ سے' بالکل سیدھا راستہ ہو' انہوں نے کہا ہم اس دین کا انکار کرتے ہیں جو تم دے کر بھیجے گئے ہو"

اللہ تعالٰے نے ان کو حکم دیا کہ وہ حق ہی کی اتباع کریں چنانچہ فرمایا :

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ [2]

"(لوگو)، جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور رفیقوں (مددگاروں) کی پیروی نہ کرو' تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو"

اور فرمایا :

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ○ [3]

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے' اس کی پیروی کرو جو اللہ نے اتاری' تو کہتے ہیں' ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا' کیا بھلا اگرچہ انکے باپ دادا کچھ عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں"

ان کے علاوہ بھی آیات ہیں' جو بتاتی ہیں کہ اہل جاہلیت تقلید کے پٹے کے ساتھ بندھے تھے. جو اپنی بصیرت سے فیصلہ نہیں کرتے تھے اور نہ غور و فکر سے ہی کام لیتے تھے' اور نہ سوچتے تھے' اسی وجہ سے وہ جہالت کی وادیوں میں سرگرداں رہے' اور اپنی پوری عمریں گمراہی میں گزار دیں یہی حالت غالیوں اور مُردہ پرستوں کی ہے' انہوں نے اِن عادات کے سلسلے میں تقلیدِ آباء اختیار کر رکھی ہے اُن کا اِن سے ہٹنا ممکن نہیں رہا اگرچہ ان کے سامنے قرآن مجید کی واضح اور صریح آیات پیش کی جائیں میں نے غالیوں کے کتنے ہی عقلاء سے آیات کے ذریعے بحث کی مگر وہ بدکتے رہے۔ وہ حق کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور دھوکے میں پڑے رہے ہر صاحبِ بصیرت کو موجودہ غالیوں

---

[1] سورۃ الزخرف آیت ۲۳، ۲۴ [2] الاعراف آیت ۳ [3] البقرۃ آیت ۱۷۰

اور ان کے پیشرو مشرکوں کے درمیان پوری پوری موافقت نظر آئے گی۔

(۳) ان کی ایک اور بدخصلت یہ ہے کہ وہ خیر و صلاح سے ہٹے ہوئے نافرمان، نادان اور ترش رُو اہلِ علم اور ان کے خدام کی اقتداء اور پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کی نقل اور مشابہت سے بچنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فرمایا:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔"[1]

"اے ایمان والو! (اہلِ کتاب کے) بہت سے علماء و مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں، اور ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں۔"

یہ اور اس مفہوم کی دوسری آیات پکار پکار کر اعلان کر رہی ہیں کہ غالیوں، فاسقوں، گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں کی اقتدا مت کرو۔ اب جو شخص نبہائی اور اس جیسے دوسروں کو غور سے دیکھے گا تو صاف محسوس کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے والے ہیں اور پہلے زمانوں کے جاہلوں اور نادانوں کی راہ پر چلنے والے ہیں۔

(۴) ان کی ایک اور بدخصلت یہ ہے کہ وہ گزشتہ زمانوں کے لوگوں کی باتوں اور انٹ شنٹ واقعات کو حجت اور دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، اس سلسلے میں اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ وہ بات عقل اور صحیح دلیل کے مطابق ہے یا نہیں؟ ان کی اس غلط روش کی وضاحت میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

"قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی○ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی○ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی○ قَالَ عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی○ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ

"(فرعون نے) کہا: "اے موسیٰ! تمہارا پروردگار کون ہے؟" کہا موسیٰ علیہ السلام نے "ہمارا پروردگار وہ ہے کہ جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت عطا کی پھر راہ دکھائی" اس (فرعون) نے پھر کہا "پہلی جماعتوں (زمانوں) کا کیا حال ہے؟" موسیٰ علیہ السلام نے کہا "ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں لکھا

---

[1] التوبۃ آیت ۳۴

مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ[1]

ہوا ہے میرا رب نہ چوکتا ہے، نہ بھولتا ہے وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے لیے راستے جاری کیے اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس نے انواع واقسام کی مختلف روئیدگیاں پیدا کیں، خود کھاؤ اور اپنے چارپاؤں کو چراؤ!

اور فرمایا:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝[2]

"جب موسیٰ علیہ السلام انکے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے "یہ تو جادو ہے جو اس نے گھڑ لیا ہے، یہ باتیں ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں سے تو کبھی سنی نہیں"۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا "میرا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے حق لے کر آیا ہے اور جس کے لیے عاقبت کا گھر (بہشت) ہے بیشک ظالم نجات نہیں پائیں گے"!

اور فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا

"اور ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا "اے میری قوم! اس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ اس کی قوم کے سرداروں نے جو کافر تھے کہا "یہ تو تمہی جیسا آدمی ہے تم پر بڑائی حاصل کرنی چاہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرشتے اتار دیتا ہم نے اگلے باپ دادوں سے تو یہ بات کبھی سنی نہیں اس آدمی کو تو دیوانگی

---

[1] سورۂ طٰہٰ آیت ۴۹-۵۴ [2] القصص: ۳۶، ۳۷

رَجُلٌ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ○ [1]

"کا عارضہ ہے تم اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو۔"

اور فرمایا:

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ○ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ○ [2]

"اور ان میں جو معزز تھے چل کھڑے ہوئے کہنے لگے، "تم بھی جاؤ اور اپنے معبودوں کی پوجا میں لگے رہو۔ بے شک یہ (محمد ﷺ کی) بات ایسی ہے جس سے تم پر فضیلت مقصود ہے یہ پچھلے مذہب میں ہم نے کبھی سنی ہی نہیں، یہ من گھڑت بات ہے!"

ان سب گزشتہ امتوں نے نبیوں اور رسولوں کی دعوت کو قبول نہ کرنے کی ایک دلیل یہ دی کہ ہمارے پہلے بزرگ اِس طریقے پر نہیں تھے۔ اور انہیں اِس کا پہلے بزرگوں سے کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اسی سے آپ ان کی کج فہمی اور عقلی جمود کا اندازہ لگا لیجئے۔ اگر ان کے دل سوچنے سمجھنے کے لائق ہوتے اور ان کے کان سننے، ان کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوتیں، تو حق کو اس کی دلیل سے پہچانتے۔ اور بغیر کسی کھوٹ اور بہانہ سازی کے یقینی بات کو قبول کر لیتے یہی حال ان کے اخلاف در پیروکاروں کا ہے نبہانی ہی کو دیکھئے کہ اس نے لمبی لمبی تالیفات کی ہیں اس سے حق کو ثابت کرنے اور باطل کو باطل کرنے کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس نے اسکی طرف کوئی توجہ دی ہے چونکہ سبکی اور ابنِ حجر مکی نے مخالفت کی ہے، اس لیے یہ بھی مخالفت کر رہا ہے۔

⑤ اور ان کی ایک بدخصلت یہ ہے کہ یہ اپنی کثرت اور "سوادِ اعظم" کو اپنی سچائی کی دلیل بناتے ہیں اور کسی چیز کو ماننے والوں کی کمی کو اُس کے غلط ہونے کی وجہ قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی اِس خصلت کا ابطال فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا

"اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں گمراہ ہیں اگر تم ان کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے وہ محض خیال کے پیچھے چلتے ہیں اور نرے اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔

[1] المؤمنون: ۲۳، ۲۵ [2] ص: ۶ و ۷

يَخۡرُصُونَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ يَّضِلُّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ۝ [1]

تمہارا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں اور ان سے خوب واقف ہے جو ہدایت یافتہ ہیں"

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اہلِ حق کم ہوتے ہیں اور یہ قلت انکو کوئی نقصان نہیں دیتی، شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

تُعَيِّرُنَا اَنَّا قَلِيۡلٌ عَدِيۡدُنَا ...... فَقُلۡتُ لَهَا اِنَّ الۡكِرَامَ قَلِيۡلٌ

"وہ ہمیں عار دلاتی ہے کہ ہم گنتی میں کم ہیں میں نے کہا باعزت لوگ کم ہی ہوا کرتے ہیں"

مقصد یہ ہے کہ صاحب بصیرت شخص دلیل کو دیکھتا ہے اور مدلل بات کو قبول کرتا ہے، اگرچہ اس کو جاننے اور ماننے والے کم ہوں جس شخص نے کثرت اور قبولِ عوام کی وجہ سے بغیر کسی دلیل کے بات کو قبول کرلیا، وہ خطا کار اور مومنوں کے سوا اور راہ پر چلنے والا ہے جاہلیت کے طریقوں کا پیروکار ہے۔ یہ اہلِ بصیرت کے نزدیک مطعون ہے "کثرت" غالیوں کا بہت بڑا فریب ہے ۔چنانچہ آپ نبھانی کو دیکھیں گے کہ اپنے عقائد کی صحت کو ثابت کرنے کے لیے بار بار یہ بات دہراتا ہے: "جو ہمارا طریقہ ہے وہی جمہور کا مذہب ہے" جمہور سے اس کی مراد عوام کالانعام ہیں۔

(٦) ان کی ایک خصلت یہ بھی ہے کہ کسی چیز کو باطل کرنے کے لیے وہ اس کے "غیر مانوس" ہونے کو دلیل بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا چنانچہ ارشاد ہے:

فَلَوۡلَا كَانَ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ اُولُوۡا بَقِيَّةٍ يَّنۡهَوۡنَ عَنِ الۡفَسَادِ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّمَّنۡ اَنۡجَيۡنَا مِنۡهُمۡ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مَاۤ اُتۡرِفُوۡا فِيۡهِ وَكَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ۝ [2]

"جو امتیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں، ان میں ایسے ہوش مند کیوں نہ ہوئے جو زمین پر فساد کرنے سے روکتے ہاں مگر تھوڑے سے ان میں تھے جن کو ہم نے نجات دی اور جو ظالم تھے، وہ انہی باتوں کے پیچھے پڑے رہے جن میں عیش و آرام تھا، اور وہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے"

آیت کے معنی یہ ہیں کہ: (فَلَوۡلَا كَانَ) سے ان کو دردمندی کا احساس دلایا گیا ہے یعنی

---

[1] الانعام: ۱۱۷، ۱۱۸ [2] ھُود: ۱۱۶

ایسا کیوں نہیں ہوا؟ مِنَ الْقُرُوْنِ یعنی ایک زمانے میں رہنے والی قومیں (مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْ بَقِيَّةٍ) یعنی عقل و رائے سے متصف لوگ یا صاحبِ فضل لوگ اس صورت میں "بقیہ" سے مراد "فضل" اور "ھا" سے مراد "نقل" ہو گی چنانچہ محاورہ ہے: (فُلَانٌ مِنْ بَقِيَّةِ الْقَوْمِ) یعنی فلاں قوم کے بہترین لوگوں میں سے ہے اسی سے ان کا یہ مقولہ ہے: فی الزوایا خبایا و فی الرجال بقایا۔ "زاویوں میں پوشیدہ اشیا ہیں اور مردوں میں بہترین لوگ موجود ہیں" (يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ) خرابی جو ان کے درمیان واقع ہے اور اس کا ذکر ان کے قصے میں موجود ہے ۔ اور "فساد" کی تفسیر کفر اور اس کے ساتھ ملنے والے گناہوں سے کی گئی ہے (اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ) یہ استثنا منقطع ہے یعنی ان میں سے تھوڑوں کو ہم نے نجات دی کیونکہ وہ ان کو روکتے تھے۔

غالی یہ بھی کہتے ہیں کہ بہت سے صلحا اور صاحبِ طریقت لوگ غیر اللہ سے فریادیں کرتے ہیں اور صلحاء اور بزرگوں کو پکارتے ہیں ان بزرگوں کی ارواح دنیا میں تصرف کرتی ہیں اس کا عدمِ جواز ایک بالکل انوکھی بات ہے جو قابلِ توجہ نہیں۔ صلحاء اور بزرگوں کی ارواح اس جہان میں تصرف اور تدبیر کرتی ہیں اس کے خلاف جتنی باتیں ہیں وہ بھی سب عجیب و غریب ہیں لہٰذا قابلِ توجہ نہیں اس بات کی تکرار نبہانی بکثرت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ابن تیمیہ کے اقوال انوکھے ہیں دیکھو ان کے دل کس طرح ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے جبکہ میں دین و دنیا میں سلامتی پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں!

(۷) ان کی ایک اور بد خصلت یہ ہے کہ وہ علما، اولیاء اور صلحاء کو ان کے جائز درجے سے بڑھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـــُٔـوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ

"یہود کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے یہ بھی انہی کی ریس کرنے لگے ہیں خدا ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں انہوں نے اپنے علما و مشائخ اور مسیح ابن مریم (علیہما السلام) کو اللہ تعالیٰ

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝[1]

کے سوا رب بنا لیا حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نُور کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بجھا دیں، مگر اللہ تعالیٰ اپنے نُور کو پورا کیے بغیر نہیں رہے گا۔ اگرچہ کافروں کو بُرا ہی لگے۔"

لوگوں کا احبار (علماء یہود) کو رب بنانا یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ چیزوں کے حلال و حرام کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور وہ کائنات میں تصرف کرتے ہیں، اور ان کو دفعِ ضرر اور جلبِ منفعت کے لیے پکارا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں یہود و نصاریٰ کی جاہلیت میں سے ہیں پھر یہ جاہلیت اوروں کے پاس پہنچی جس کو جاہلیتِ عرب کہا جاتا ہے، اور آج بھی ان میں سے دنیا کے مختلف گوشوں میں پائے جاتے ہیں اور وہ ہیں غالی قبر پرست آج اکثر لوگ، اللہ تعالیٰ اور اس کے پسندیدہ دین (اسلام) سے لاتعلق نظر آتے ہیں اور بدعات میں ہمہ تن مشغول ہیں، اور گمراہی کی بدترین وادیوں میں سرگرداں ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سُنّتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم، اور ان کے متّبعین کے دشمن ہیں دین ان کے سلوک سے بلبلا اُٹھا ہے۔ اور اسلام بڑی آزمائش میں ہے ہمارے بھائی کا ان سب باتوں میں وافر حصّہ ہے، جیسا کہ اس کو سمجھنے اور جاننے والے لوگ بتاتے ہیں اور اس کی کتابیں بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ واللہ المستعان!

(۸) ایک ان کی بدعادت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت اور وحی کے بدلے جھوٹی کرامتوں اور جادو کی کتابوں کو قبول کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ كَاَنَّھُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا

"اور جب ان کے پاس آخر الزمان رسُول صلی اللہ علیہ وسلم آئے جو ان کی آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتے ہیں، تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی، ان میں سے ایک فریق نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا، گویا وہ جانتے ہی نہیں اور وہ ان (ہزلیات)

---

[1] التوبۃ: ۳۰ تا ۳۲

الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا ۔ الآیۃ"!

کے پیچھے لگ گئے۔ سلیمان علیہ السلام کے عہد میں شیاطین پڑھا کرتے تھے سلیمان علیہ السلام نے کفر کی بات نہیں کی، بلکہ شیاطین ہی کفر (جادو) کرتے تھے۔ آخر آیت تک"!

اس پر گفتگو مشہور ہے اور کتبِ تفاسیر میں موجود ہے۔

آج یہ خصلت بہت سے لوگوں میں پائی جاتی ہے خصوصًا ان غالیوں میں جو اپنے آپ کو مشائخ اور اولیاء کی طرف منسوب کرتے ہیں (حالانکہ وہ مشائخ اور اولیاء اس سے بری ہیں) انہوں نے جادو کے بعض عمل کیے ہیں جن کا شریعت نے ابطال فرمایا ہے مثلاً سانپوں کا پکڑنا، ہتھیاروں کی ضرب اور آگ میں داخل ہونا وغیرہ۔ مگر انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی، اور اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا ہے اور شیطانوں کی دی ہوئی باتوں کی پیروی کرنے لگے۔ دعویٰ یہ ہے کہ یہ کرامتیں اور خوارقِ عادات عمل ہیں۔ یہ بات معلوم ہے کہ کرامت کسی فاسق اور شریعت کے مخالف سے ظہور پذیر نہیں ہوتی۔ جن لوگوں سے یہ اعمال ظاہر ہوتے ہیں، ان کا فسق صاف ظاہر ہے انہوں نے دین کو کھیل اور تماشا بنایا ہوا ہے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کرامت کو سانپوں اور بچھوؤں کو پکڑنے اور مخصوص ہتھیاروں سے ضرب لگانے اور اپنے ہاتھوں سے ضرب لگانے سے کیوں خاص کیا گیا ہے؟ وہ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ توپ کے سامنے کھڑے کیے جائیں، پھر اپنی زبان کھول کر سورۃ الدخان پڑھیں، پھر بار بار پڑھ کر توپ پر اور اس کے چلانے والوں پر حملہ کریں تاکہ ہم دیکھیں، ان کی کرامتیں کیا اثر رکھتی ہیں؟ سنیدیہ ہے کہ نبہانی کے مشائخ ان خباثتوں کے ماں باپ اور موجد تھے عنقریب ان شاء اللہ ہم کج راہوں سے مختلف مقامات پر ملاقات کریں گے!

(۹) ان کی ایک بدخصلت دینی کتب میں تحریف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ○ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ

اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں جو اپنے باطل خیالات کے سوا اللہ کی کتاب سے واقف ہی نہیں وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں افسوس ہے ان لوگوں پر جو

لہ البقرۃ: ۱۰۱ و ۱۰۲

اَلْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ لے

اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت (دنیوی منفعت) حاصل کریں، ان پر افسوس ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے (بے اصل باتیں) لکھیں، اور ان پر افسوس ہے اس لیے کہ وہ ایسے کام کرتے ہیں"

جو کوئی ہمارے زمانے کے صُوفیوں اور غالیوں کو، اور جو کچھ انہوں نے بدعات جاری کیں اور اپنی خواہشات کے مطابق دینی نصوص میں تحریف کی ہے، دیکھے گا وہ جان لے گا کہ یہ سب کام اللہ کی مرضی کے خلاف ہیں۔ اسی طرح بہت سے قاضی اور حاکم ہیں، انہوں نے دین کو بازیچۂ اطفال بنا رکھا ہے۔

(۱۰) انکی ایک پہچان یہ ہے کہ دین کی پابندی کرنے والوں سے دشمنی رکھتے ہیں اور حق سے منحرف ہونے والوں سے محبّت کرتے ہیں، جس طرح یہودیوں نے رسُولِ اکرم ﷺ کے ساتھ سلوک کیا حالانکہ آپ ﷺ نے ان کے سامنے وہی دین پیش کیا تھا جو موسٰی علیہ السلام نے پیش کیا تھا مگر انہوں نے اس سے اعراض کیا اور جادو کی کتابوں پر عمل پیرا ہوئے۔ یہی دین فرعون کا تھا، انہیں نے سُنّت کو نہ صرف چھوڑا بلکہ اس سے دُشمنی کی، اور قرامطی اور باطنی، غالی شیعی شیوخ وغیرہ کے اقوال کی حمایت و نصرت کی۔

(۱۱) ان کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے باطل کے لیے بڑے متعصّب اور بے جا حامی ہوتے ہیں، جب وہ مختلف فرقوں میں بٹ جاتے ہیں تو ہر فرقہ دوسرے کو خطا کار سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس بارے ارشاد ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

"اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی صحیح رستے پر نہیں ہیں، اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی درست رستے پر نہیں ہیں، حالانکہ وہ (دونوں فریق) کتابِ الٰہی پڑھتے ہیں یہ ان (مشرک) لوگوں کی سی بات ہے جو کچھ نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بات کا فیصلہ فرمادے گا، جس میں وہ اختلاف

لے البقرۃ : ۷۸، ۷۹

فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ [۱] کرتے ہیں۔"

یہی حال خود ساختہ طریقت والے غالیوں کا ہے "رفاعی کہتا ہے "قادری غلط ہے" اور قادری کہتا ہے "رفاعی کے پاس کچھ نہیں" ایک کہتا ہے "میرے پیر نے حضرت عزرائیل سے ارواح کی زنبیل چھین کر سب ارواح کو ان کے جسموں میں داخل کر دیا" دوسرا کہتا ہے "میرا پیر جہنم کے پاس سے گزرا اور اس نے اپنی تھوک سے اس کو بجھانا چاہا مگر درمیان میں فرشتے حائل ہو گئے" عبد روسی کا ایک مرید کہتا ہے:

"اَلْعَبْدُ رُوسِي كَانَ يُحْيِي مِنَ الْاَمْوَاتِ مَنْ قَدْ مَاتَ دَهْرًا" یعنی "عبد روسی ان مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے، جن کو مرے ہوئے عرصہ گذر گیا ہے"۔

اسی طرح وہ ایک دوسرے کا اقوال میں سخت مقابلہ کرتے ہیں اور لڑائی جھگڑے کی فضا پیدا کیے رکھتے ہیں۔ مگر عقل مند اور دُور اندیش آدمی دلیل کے ذریعے حق کو قبول کرتا ہے، اور بے دلیل سب باتوں کو ترک کر دیتا ہے۔

(۱۲) انکی ایک عادت یہ ہے کہ وہ ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں، جن کی پرستش کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ [۲]

"جب وہ بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اس طرح کرتے دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کام کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیتا۔ بھلا تم اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں؟ کہہ دیجیے "میرے پروردگار نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر نماز کے وقت سیدھا (قبلے کی طرف) رُخ کیا کرو اور خاص اسی کی عبادت کیا کرو۔ اور اسی کو پکارو۔ اس نے جس طرح تم کو ابتداء میں پیدا کیا ہے اسی طرح دوبارہ پیدا ہو گے"۔

---

[۱] البقرۃ: ۱۱۳ [۲] الاعراف: ۲۸، ۲۹

یہاں آیت میں "فاحشہ" سے مراد بتوں کی عبادت اور طواف میں برہنہ ہونا وغیرہ ہے، جو جاہلیت میں عرب کے مشرکین میں رائج تھا آیت میں کچھ عبارت محذوف ہے یعنی "اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً (فَنُهُوْا عَنْهَا) قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا"۔ اس آیت میں مشرکین نے دو باتوں کو دلیل بنایا ہے۔ تقلیدِ آباء اور افتراء علی اللہ!

مشرکینِ قریش میں سے مذہب میں سخت لوگ، جو خود پارسا بنتے تھے، حج کے لیے عرفات میں نہیں جاتے تھے اور مزدلفہ ہی میں قیام کرتے تھے۔ وہ نہ تو گھی اور پنیر تیار کرتے اور نہ ہی بکری اور گائے رکھتے۔ اور نہ اُون اور ریشم کا دھاگہ کاتتے تھے۔ وہ مٹی اور بالوں سے تیار شدہ گھر میں بھی داخل نہ ہوتے۔ وہ حرمت والے مہینوں میں سرخ خیموں میں قیام کرتے تھے۔ پھر انہوں نے اہلِ عرب پر لازم قرار دے دیا کہ وہ جب حرم میں داخل ہوں، تو جو زادِ راہ بچ گیا ہو وہ پھینک دیں۔ اور غیر حرم کے کپڑے اتار کر حرم کے کپڑے پہنیں، چاہے خرید کر یا مانگ کر اور تحفے کے طور پر لے کر۔ اگر انہیں حرم کے کپڑے میسر آ سکیں، تو بہتر ورنہ بیت اللہ شریف کا ننگے ہی طواف کریں۔ یہاں تک کہ یہی پابندی عورتوں پر بھی لگا دی۔ ہاں عورت ایسے راستے سے طواف کرتی تھی، جو فاصلے فاصلے پر کھجوروں اور ستونوں کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ ایک عورت بیت اللہ شریف کا طواف کرتی ہوئی کہتی ہے ؎

اَلْيَوْمَ يَبْدُوْ بَعْضُهُ اَوْ كُلُّهُ
وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا اُحِلُّهُ
اَخْثَمُ مِثْلَ الْقَعْبِ بَادٍ ظِلُّهُ
كَاَنَّ حُمَّى خَيْبَرَ لَا تُمِلُّهُ

یعنی "آج جسم کا کچھ حصہ یا پورے کا پورا ظاہر ہو رہا ہے اور اس میں سے جو حصہ ظاہر ہوا ہے، میں اس کو غیر حرم کے کپڑے نہیں پہناؤں گی۔ عریاں جسم صیقل شدہ اس پیالے کی مانند چمکتا ہے جس کا سایہ گم ہو گیا ہو۔ گویا ننگا جسم خیبر کی چراگاہ کی مانند محفوظ ہے، جو اس کو بے چین نہیں ہونے دیتا۔"

انہوں نے اہلِ عرب کو پابند کیا کہ وہ مزدلفہ سے ہی واپس ہو جایا کریں، عرفات میں جا کر نہ ٹھہریں حالانکہ لوگ قبل ازیں عرفات میں ٹھہر کر واپس ہوتے تھے۔ انہوں نے اسی طرح کے بہت سے مسائل گھڑ لیے اور ایسے امور کو شریعت بنا لیا جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں بخشی کتابوں میں ان کے حالات

تفصیل سے موجود ہیں' ان سب گمراہیوں کے باوجود وہ اس بات کا ادعا رکھتے تھے کہ وہ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر کاربند ہیں۔

اس اُمت کے غالی اور جعلی صوفی بھی ان کے ہو بہو قدم بقدم چلے آپ دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ایک گروہ نے باجوں گاجوں اور میلے ٹھیلے کو عبادت کا نام دے رکھا ہے ستم یہ ہے کہ یہ سب کچھ مساجد میں' جو اللہ کے گھر ہیں' ہو رہا ہے۔ ایک گروہ بزرگوں اور اولیاء کی قبروں کے طواف کو بڑی نیکی اور عبادت گردانتا ہے۔ وہ ان مزاروں پر حاجت روائی کی خاطر جاتا ہے' اور ان کے نام کی نذر و نیاز دیتا ہے۔ ایک گروہ ان میں سے ایسے لوگوں کا ہے' جنہوں نے شیطانی حیلے اختیار کر لیئے نیز رہبانیت کے ایسے مکر و فریب گھڑ لیے ہیں' جن کو انسانی نفوس نے کبھی معیارِ ہدایت نہیں بنایا وہ اپنے زعم باطل میں پارساؤں اور عابدوں کی راہ پر چلتے ہیں' جب کہ ان کا اصل مقصد اس سے حیوانی شہوات کی تسکین اور اس ذلیل دنیا کے ساز و سامان کا حصول ہوتا ہے۔ اور کچھ دوسرے مقاصد ہوتے ہیں' جن کی فہرست کافی طویل ہے' اور انہیں کچھ علم نہیں ہوتا کہ موحد کیا کہتا ہے ؎

الی دیان یوم الدین نمضی
وعند اللہ تجتمع الخصوم

یعنی "ہم فیصلے کے دن حساب لینے والے خدا کے حضور پیش ہوں گے اور اللہ تعالےٰ کے پاس ہی جھگڑے کرنے والے جمع ہوں گے' اور وہی ان کا فیصلہ فرمائے گا"

بعض اکابر اہلِ علم کا ایک رسالہ ہے' جس میں انہوں نے سو۱۰۰ سے زیادہ ایسے مسائل جمع کیے ہیں' جن کی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفت کی ہے' ہم نے اس کی مفصّل شرح لکھی ہے' وہ سب باتیں غالیوں' خصوصاً نبہانی پر' پُوری طرح چسپاں ہوتی ہیں' ہم نے چند باتیں مثال کے طور پر بیان کی ہیں' ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبہانی اپنے جاہلی اسلاف کے نقشِ قدم پر چلا ہے' ہم اللہ تعالیٰ سے دین و دنیا میں عافیت کا سوال کرتے ہیں!

تیسری بات :

یہ ہے کہ وہ اہلِ حق اور عقیدۂ توحید پر ایمان رکھنے والے داعیوں کو بدنام کرتے ہیں' کہ وہ مسلمانوں پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں' اس سے اُن کا مقصد دلوں میں اہلِ حق کی نفرت پیدا کرنا

ہوتا ہے اسی لیے وہ ان کو "مجسمہ" اور "حشویہ" کے ناموں سے یاد کرتے ہیں جن سے مذمت ٹپکتی ہے اور آج کل "وہابی" اور "منکر" کا لقب دے کر لوگوں کو ان سے متنفر کرتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نزدیک ناپسندیدہ بُرائی کے الزام سے ان کو بری اور پاک کر دیا ہے۔ اور معلوم ہے کہ مسلمان وہ ہے جو اسلام کا عقیدہ رکھتا ہے جس کی وضاحت "حدیث جبریل علیہ السلام" کے نام سے مشہور حدیث میں کر دی گئی ہے جو کوئی حدیث جبریل والا عقیدہ رکھتا ہے، وہ مسلمان ہے۔ وہ اسلام سے اس وقت تک خارج نہیں ہوتا جب تک اس عقیدے میں بگاڑ نہ پیدا ہو۔ مثلاً جب وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی معبود ہے جس کی عبادت کی مختلف انواع میں سے کسی نوع کی عبادت کی جا سکتی ہے، تو اسلام سے خارج ہو جائے گا جو کوئی غیر اللہ کی عبادت کرے، اس کو مسلمان نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی ایسے شخص کی تکفیر کسی مسلمان کی تکفیر ہو سکتی ہے۔ اسی سے غالیوں کا معاملہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اہلِ حق بدعتیوں کی تکفیر نہیں کرتے۔

شیخ الاسلام سے سوال کیا گیا کہ کیا وہ مسائل جن میں اہلِ سنت، خوارج اور روافض کا اختلاف ہے تکفیر کا موجب بن سکتے ہیں؟ خارجیوں اور رافضیوں نے اہلِ سنّت کی تکفیر کی ہے کیونکہ انکی بدعتوں، من گھڑت اور گندے مسائل جن کو انہوں نے اختیار کر لیا ہے اور اپنی طرف منسوب کر رکھا ہے، کی اہلِ سنّت نے مخالفت کی ہے۔

جناب شیخ الاسلامؒ نے جواب دیا: خارجی اور رافضی، ائمہ اسلام کی تکفیر اس بنیاد پر کرتے ہیں کہ ان کا اعتقاد ہے کہ انہوں نے دین میں خطا کی ہے۔ اہلِ سنّت والجماعت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ علماء اسلام کی صرف کسی خطاء پر تکفیر جائز نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کی بات قبول بھی کی جا سکتی ہے اور ترک بھی کی جا سکتی ہے، مگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات قبول کی جائے گی۔ جب کہ کسی کی بات اس کی خطاء کی وجہ سے ترک کر دی جائے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی تکفیر کی جائے یا اسے فاسق اور گنہگار ٹھہرایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دعاء بیان فرمائی ہے: "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا"[1] "اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے یا ہم سے خطاء ہو گئی تو ہم سے مواخذہ نہ فرما۔" صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِنَّ اللهَ قَالَ قَدْ فَعَلْتُ"۔ "اللہ تعالیٰ دعاء کرنے والے کو فرماتا ہے: 'میں نے تیری دعاء قبول کی' یعنی تیری بھول چوک پر مواخذہ نہیں کروں گا۔

---

[1] البقرۃ: ۲۸۶

یشیخ الاسلامؒ نے فرقہ واریت، اور اختلاف سے ممانعت، نیز کسی مذہب یا قبیلے یا طریقے کے لیے تعصّب کو ترک کرنے پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: ہر شخص اس لیے کافر یا فاسق اور گنہگار نہیں ہو جاتا کہ اس نے خطا کی ہے بلکہ خطاء و نسیان تو اللہ نے اس امّت کو معاف فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مومنوں کی دعاء یوں بیان کی ہے: "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا"[1] یعنی "اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول گئے یا ہم نے خطاء کی تو ہم پر گرفت نہ فرما" صحیح حدیث سے ثابت ہے: "إِنَّ اللّٰهَ قَالَ قَدْ فَعَلْتُ" کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تیری دعاء قبول کی"۔

خاص طور پر ہر وہ شخص جو تمہارے ساتھ بہت سے مسائل میں موافق ہو، مثلاً وہ تمہاری طرح شافعی مذہب کا ہو یا شیخ عدی کی طرف نسبت رکھتا ہے، پھر کسی مسئلے میں اختلاف کرتا ہے جبکہ کئی دفعہ اس کا مسئلہ درست بھی ہوتا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے مومن و مسلم کے حقوق بیان فرما دیے ہیں اس صورت میں اس کا خون یا عزّت یا مال کس طرح حلال ہوگا۔ اور نئے نئے بدعی ناموں سے جن کی کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ ﷺ میں کوئی بنیاد نہیں، امّت میں گروہ بندی اور تفریق کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟

آج اُمّت کے علماء و مشائخ، امراء و کبراء کے درمیان انتشار اور فرقہ بندی نے ہی دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا ہے۔ یہ صورتِ حال محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے روگردانی کا نتیجہ ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ" الآیۃ[2]

"جو اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے ان سے عہد لیا تھا مگر انہوں نے اس نصیحت سے، جو ان کو کی گئی تھی، ایک حصّہ بھلا دیا تو ہم نے ان کے درمیان قیامت تک دشمنی اور کینہ ڈال دیا"

جب قوم فرقہ بندی کا شکار ہو جائے تو اس میں فساد رونما ہو جاتا ہے اور وہ ہلاک ہو جاتی ہے اور ان میں اتفاق و اتحاد قائم ہو جائے تو ان کے حالات درست ہو جاتے ہیں، اور حکومت تک ان کے ہاتھ آ جاتی ہے۔ اکٹھے ہونا رحمت، اور فرقہ بازی عذاب ہے۔ اس کا جامع سبب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] البقرۃ: ۲۸۶ [2] المائدۃ: ۱۴

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ ...... اِلٰی قَوْلِهٖ : وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ[1] الآیة!"

"مومنو ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے مرنا تو مسلمان ہی مرنا اور سب مل کر اللہ تعالےٰ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑو"...... "اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے"۔

امر بالمعروف میں اتفاق و اتحاد، محبّت و الفت کا حکم کرنا بھی ہے۔ اور نہی عن المنکر سے مراد اختلاف اور فرقہ بندی کو ترک کرنے کا حکم دینا اور جو شخص اللہ تعالےٰ کی شریعت سے خروج کرے اس پر حدوں کو قائم کرنا ہے جو شخص کسی بشر کے الٰہ ہونے کا عقیدہ رکھے یا کسی مُردے کو پکارے یا اس سے رزق - مدد اور ہدایت طلب کرے اور اس پر توکل کرے اور اسے سجدہ کرے تو اس کو توبہ کی تلقین کی جائے۔ اگر توبہ کرے تو بہتر ورنہ اس کی گردن ماردی جائے۔ یہاں شیخ الاسلام کی بات ختم ہوئی۔ ان کے بیان سے بدعتیوں اور غالیوں کے حکم کا فرق واضح ہو گیا جو شخص کسی بشر کو خدائی صفات اور اختیارات کا حامل مانے یا کسی مُردے کو پکارے یا اس سے رزق وغیرہ مانگے اس کا حکم بدعتی کے حکم سے مختلف ہے۔

دین سے خروج کے لیے رسولِ کریم ﷺ کی پیش کردہ ساری شریعت سے (معاذ اللہ) کفر کرنا شرط نہیں بلکہ کُفر کرنے اور مُرتد ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ ایسا کام یا ایسی بات کرے اگرچہ ایک یا چند اصولوں میں ہو جس سے اس کا کُفر اور اس کا مُرتد ہونا ثابت ہو جائے۔ یہی بات ہر اہلِ مذہب کے فقہائے نے بیان کی ہے۔ جو شخص کُفر اور ارتداد کی جزئیات اور فروع سے آگاہ ہونا چاہے وہ "اعلام بقواطع الاسلام"۔ نیز ہر مذہب کے فقہائے نے مرتد کے حکم کے بارے میں جو باب باندھا ہے اور اسی موضوع پر لکھی گئی دوسری کتابوں کا مطالعہ کرے۔ اگر کوئی توحید و رسالت کی شہادت کے بعد پھر اسی شہادت کے خلاف عقیدہ اور عمل بنائے وہ نجات نہیں پائے گا۔

شیخ الاسلام تقی الدّین ابنِ تیمیہؒ اپنی کتاب "الرسالۃ السنیۃ" میں خوارج اور ان کے دین سے نکلنے،

---

[1] آلِ عمران ۱۰۲ تا ۱۰۴

اور رسولِ اکرم ﷺ کے ان سے جنگ کرنے کے حکم پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اور آپ ﷺ کے خلفائے کرامؓ کے زمانے میں ایسے لوگ موجود تھے جو اسلام سے نسبت رکھنے اور بڑی بڑی عبادتوں کے باوجود اس سے نکلنے والے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے قتال کا حکم دیا یہ بات خوب سمجھ لینی چاہیے کہ آج کل بھی اسلام اور سُنّت کی طرف نسبت رکھنے والے ' بہت سے لوگ اسلام سے نکل جاتے ہیں۔ اس کے کئی اسباب ہیں:

ان میں سے ایک "غلو" ہے جس کی مذمّت اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

"يَآ أَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ" ۔ الآیۃ[1]

"اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو"

حضرت علی رضی اللہ عنہ ابنِ ابی طالب نے بابِ کندہ کے پاس کھائیاں کھدوا کر ان میں غالی رافضیوں کو آگ سے جلا دیا تھا۔ سب صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے قتل پر متفق تھے صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مذہب تھا کہ ان کو تلوار سے قتل کیا جائے۔ اہلِ علم میں یہ واقعہ معروف ہے۔ کسی پیر میں غلو بلکہ حضرت علیؓ بن ابی طالب میں غلو بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ میں غلو کا یہی حکم ہے۔ اب جو کوئی کسی نبی یا ولی میں غلو کرے اور ان میں الوہیت کی کوئی بات ثابت کرے، مثلاً یوں کہے "یا حضرت میری مدد کرو" یا "میری فریاد کو پہنچو" یا "مجھے رزق دو" یا "میری بگڑی بنا دو" یا "مجھے تو کافی ہے" وغیرہ اسی طرح کی باتیں کرے، یہ سب باتیں شرک اور گمراہی ہیں ان باتوں کے معتقد اور متکلم سے توبہ کرائی جائے اگر توبہ کرلے تو بہتر ورنہ قتل کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اس لیے بھیجا کتابیں اس لیے اتاریں تاکہ اس اکیلے کی عبادت کی جائے اور اس کے سوا اور کسی کو معبود نہ بنایا جائے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبودوں کو پکارتے ہیں۔ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کو یا فرشتوں کو اور بتوں کو ان کا عقیدہ یہ نہیں ہوتا کہ انہوں نے مخلوق پیدا کی ہے یہ بارش برساتے اور کھیتی اگاتے ہیں وہ ان کی تصویروں کی یا ان کی قبروں کی پرستش کرتے ہیں اور کہتے ہیں "ہم ان کی اس لیے عبادت کرتے ہیں تاکہ دیے میں وہ

---

[1] النساء : ۱۷۱

ہمیں اللہ تعالےٰ کے قریب کر دیں"۔ اور کہتے تھے: "هٰؤُلَاءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ" یعنی "یہ معبود اللہ تعالےٰ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو بھیجا تاکہ وہ ان کو اس سے روکے کہ کسی اور کو پکاریں۔ نہ عبادت کی پکار اور نہ فریاد رسی کی پکار۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ ۔الآیۃ"[1]

"کہو مشرکو! جن کو تم معبود گمان کرتے ہو وہ تم سے تکلیف دُور کرنے یا بدل دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ خود پروردگار کے ہاں تقرب تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون ان میں اللہ کا زیادہ مقرب ہوتا ہے"۔

سلف کی ایک جماعت نے کہا "لوگ حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتوں کو پکارا کرتے تھے، تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اتاری" اُس کے بعد انہوں نے آیت کے معانی بیان فرمائے۔ ان کی بات ختم ہوئی!

مقصد اس سے یہ ہے کہ انہوں نے عُبّادِ قبور کو دین سے نکلنے والے بدترین خارجیوں کی طرح قرار دیا، اور وہ خوارج کی بدترین قسم ہیں بعض سلف خوارج کی تکفیر میں توقف کے قائل تھے۔ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ "وہ کفار ہیں"؟ تو آپؓ نے جواب دیا "وہ کفر سے بھاگے ہیں" کسی اہلِ علم نے جن سے انکے بارے میں پوچھا گیا تھا، توقف نہیں فرمایا نرم سے نرم ان کی بات یہ ہے کہ اس کو توبہ کرائی جائے۔ توبہ کر لے تو بہتر ورنہ قتل کر دیا جائے یا حجت پوری کیے بغیر ان کی تکفیر نہ کی جائے وغیرہ مسلمانوں کی کسی اہلِ علم نے تکفیر نہیں کی۔ شیخ الاسلامؒ نے اس سلسلہ میں اور بھی تصریحات بیان فرمائی ہیں، پورا پورا فائدہ اٹھانے کی غرض سے ہم ان کو نقل کرتے ہیں:

آپؒ نے اپنی کتاب "الاستغاثہ" میں فرمایا، جو آپ نے ابن البکری کے رد میں لکھی "علم و سنت کے حاملین اپنے مخالف کی تکفیر مخالفت کی وجہ سے نہیں کرتے، اگرچہ وہ ان کی تکفیر کرتا ہے۔ اس لیے کہ کفر شرعی فیصلہ ہے انسان کو مناسب نہیں کہ کفر کے ساتھ کسی کو سزا دے۔ اس کی مثال یوں ہے اگر کوئی تیرے

---

[1] بنی اسرائیل: ۵۶-۵۷

سامنے تجھ پر جھوٹ بولے اور تیری بیوی سے زنا کرے تو اب تجھے اس کی اجازت نہیں کہ تو بھی اس پر جھوٹ بولے یا اس کی بیوی سے زنا کرے۔ اسی طرح تکفیر اللہ تعالیٰ کا حق ہے تکفیر اس کی کی جائے جس کو اللہ و رسول ؐ کافر کہیں پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ کسی خاص شخص کا قتل اس بات پر موقوف ہے کہ آیا اس کو حجتِ نبوی پہنچ گئی ہے جس کی خلاف ورزی پر کفر لازم آیا ہو؟ ورنہ ہر شخص کی جو دین کے کسی مسئلے سے ناواقف ہو، تکفیر نہیں کی جائے گی۔

جب صحابہؓ و تابعینؒ کے ایک گروہ نے سورۂ مائدہ کی آیت سے یہ گمان کیا کہ جو شخص نیک عمل کرے اس کے لیے شراب پینا حلال ہے مثلاً قدامہ بن مظعون اور ان کے ساتھی اس موقع پر علماء و صحابہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بالاتفاق فیصلہ دیا کہ ان سے توبہ کرائی جائے اگر پھر بھی اس کی حلت پر اصرار کریں تو ان کی تکفیر کی جائے انہوں نے شروع میں ہی شراب کو حلال جاننے پر کفر کا فتویٰ نہیں دے دیا اس لیے کہ انہیں شبہ ہو گیا تھا حتیٰ کہ حق واضح ہو گیا جب وہ انکار پر اڑے رہتے تو ان کی تکفیر کی جاتی۔

صحیحین کی حدیث میں ایک گنہگار شخص کا واقعہ موجود ہے جس نے مرتے وقت اپنے اہل و عیال کو وصیت کی تھی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے پیس کر ہوا میں اڑا دینا، اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر ہوا اور مجھے پکڑ لیا تو پھر ایسا عذاب دے گا جو سارے جہان میں کسی کو نہ دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے خشکی کو حکم دیا تو اس نے اس شخص کا جو حصّہ اس پر تھا اس کو لوٹا دیا، سمندر کو حکم دیا اس نے بھی جو کچھ اس میں تھا لوٹا دیا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اس سے پوچھا تو نے یہ کیوں کیا تھا؟ اس نے عرض کی "اے میرے پروردگار تیرے ڈر کی وجہ سے میں نے ایسا کیا تھا" تو اللہ تعالےٰ نے اسے بخش دیا۔ اس شخص کا عقیدہ تھا کہ جنگلوں اور سمندروں میں اس کے جسم کو اُڑا دینے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور دوبارہ زندہ نہیں کرے گا، اس نے اس کو جائز قرار دیا حالانکہ یہ دونوں باتیں کفر ہیں چونکہ وہ ناواقف تھا اور اس پر حق نہیں کھلا تھا جس کی مخالفت پر اس کی تکفیر کی جاتی لہٰذا اللہ تعالےٰ نے اس کو بخش دیا۔

اسی لیے جہمیہ کے حلولی فرقے اور اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کے منکر فرقے کو میں کہتا ہوں کہ میں تمہاری موافقت کرنے پر کافر ہو جاؤں گا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تمہارا یہ عقیدہ کفر ہے تاہم میرے نزدیک تمہاری تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ تم جاہل اور بے علم ہو۔ میرا یہ خطاب ان کے علماء و فضلاء ان کے شیوخ و امراء سے

ہوا کرتا تھا اُن کی جہالت کی اصل وجہ ان کے رہنماؤں کے وہ عقلی شبہات تھے جو معقول صریح و منقول صحیح کے عین مطابق ہونے کی معرفت میں کوتاہی کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے ہم نے ان کی جہالت اور جھوٹی تکفیر کا مقابلہ انہی کے الفاظ میں نہیں کیا تھا اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دے، یا اس پر جھوٹی بدکاری کی تہمت دھرے، تو اس کے مقابلے میں اس کے خلاف جھوٹی گواہی اور تہمت طرازی کی اجازت نہیں ہے۔" ان کی بات ختم ہوئی۔

شیخ الاسلامؒ نے اپنی کتاب "الاستغاثة" کے ایک اور مقام پر فرمایا: "جب ابن البکری کسی نئے مسئلے کی بحث میں پڑتا ہے جس کو پہلے کسی عالم نے نہیں چھیڑا ہوتا، اور نہ ہی اس میں کسی سے کوئی بات منقول ہوتی ہے، اور نہ ہی وہ علماء کے درمیان متنازعہ مسئلہ ہوتا ہے کہ جس میں کئی اقوال ہوں اور وہ ایک قول کو اختیار کرے، لیکن وہ اس میں زور و شور سے داخل ہوتا ہے، حالانکہ صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ مسئلہ رسُولِ کریم ﷺ سے بالضرورت دینِ اسلام کے مخالف معلوم ہوتا ہے، مثلاً رسُولِ کریم ﷺ نے جس شریعت کو پیش فرمایا ہے، اس کی معرفت کے بعد ہم بالیقین جانتے ہیں کہ آپؐ نے اپنی اُمت کے لیے ہرگز اس کو مشروع نہیں کیا کہ وہ کسی مُردے کو پکاریں، نہ انبیاء و اولیاء کو، اور نہ کسی اَور کو۔ نہ استغاثے کے لفظ کے ساتھ اور نہ کسی اَور لفظ کے ساتھ، نہ استعاذہ کے لفظ سے، نہ کسی دُوسرے لفظ سے یہ بالکل اسی طرح ہے، جس طرح آپ ﷺ نے اپنی اُمّت کے لیے کسی زندہ یا مُردہ کو سجدہ کرنا مشروع نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ ہم جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو ان سب باتوں سے منع کیا ہے۔ اور یہ شرک ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولِ اکرم ﷺ نے حرام کیا ہے لیکن اکثر متاخرین میں رسُولِ کریم ﷺ کی احادیث کے بارے میں کم علمی اور جہالت کے غلبے کی وجہ سے ہم ان کی تکفیر نہیں کرتے یہاں تک کہ رسُولِ کریم ﷺ کی حدیث اور خلافِ شریعت باتیں ان کے سامنے واضح ہو جائیں۔ اسی لیے میں نے یہ مسئلہ جب کبھی اُس شخص کے سامنے بیان کیا ہے، جو اصل اسلام کی معرفت رکھتا ہے، وہ ضرور سمجھ جاتا ہے کہ یہ دینِ اسلام کی بنیاد ہے۔"

"ہمارے اصحاب میں سے بعض اکابر شیوخ اور عارف فرماتے ہیں، "یہ عظیم بات ہے جو آپؐ نے ہمارے سامنے بیان کی ہے۔" اس لیے کہ وہ جانتے ہیں، یہ دین کی اصل ہے۔ یہ اور اس جیسے اَور لوگ دوسری طرف مُردوں کو پکارتے اور ان سے سوال کرتے ہیں، ان کی پناہ مانگتے ہیں اور ان کے حضور گڑگڑاتے ہیں۔

کئی دفعہ جو وہ اموات کے ساتھ کرتے ہیں بہت بڑا جرم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ میّت کا قصد ضرورت پڑنے پر کرتے ہیں۔ وہ اس کو بے چین ہو کر پکارتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ اس کو پکارنے سے، یا اس کے ذریعے پکارنے سے، یا اس کی قبر کے پاس دعاء کرنے سے ان کی حاجت پوری ہو جائے گی۔ ان کی یہ حالت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور پکار میں نہیں ہوتی۔ بسا اوقات وہ غفلت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور پکار محض عادت اور تکلف کے طور پر کرتے ہیں۔ اس میں روح نہیں ہوتی۔" بات ختم ہوئی!

شیخ الاسلام کے رسالہ "ماردینیہ" کا اقتباس

آپؒ نے ایک فصل میں جس میں خواہش پرست کے پیچھے نماز کا حکم بیان فرمایا ہے مفصل گفتگو کی ہے جو اس مسئلے کی پوری وضاحت کرتی ہے، اور اس پیچیدہ مسئلے کی گتھی کو سلجھاتی ہے۔ میں اس کو یہاں نقل کرنا پسند کرتا ہوں تاکہ اس کے فوائد حاصل کیے جاسکیں، اگرچہ گفتگو لمبی ہو جائے گی۔

آپؒ نے فرمایا "اہلِ ہوا اور اہلِ بدعت اور اہلِ فجور کے پیچھے نماز پڑھنے میں نزاع مشہور ہے، جو تفصیل کو چاہتا ہے۔ تاہم یہ موقعہ اس کی شرح و بسط کا نہیں ہے۔ لیکن ان اقوال میں بہترین بات یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو اپنے اختیار اور قدرت سے امام بنانا جائز نہیں۔ لیکن امام علانیہ بدکاری اور گناہ یا بدعت کا ارتکاب کرے تو اس کا انکار، اور اس کو اس سے روکنا واجب ہے۔ انکار کا کمترین درجہ یہ ہے کہ اس سے قطع تعلق کیا جائے، تاکہ وہ اپنی بدکاری اور بدعت سے باز آجائے۔

اسی وجہ سے جمہور ائمہ نے اسلام کے داعیوں اور غیر داعیوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ اگر داعی گناہ کا علانیہ ارتکاب کرے تو وہ بُرا کہا جانے کا حق دار ہے، بخلاف غیر داعی کے، وہ اس شخص کی طرح ہے جو چھُپ کر گناہ کرتا ہے۔ اس کو بظاہر بُرا نہیں کہا جائے گا۔ بُرائی جب چھُپ کر کی جائے، تو اس کا نقصان اور گناہ اس کے کرنے والے کو ہوتا ہے اور جب بغیر روک ٹوک کے اعلانیہ کی جائے تو اس سے سب کو گناہ اور نقصان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منافق، جو دل میں کفر رکھتا تھا، کے ظاہری اعمال کو قبول کیا جاتا تھا، اور اس کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جاتا تھا۔ مگر جب کوئی اعلانیہ کفر کرے تو اس کا حکم منافق کے حکم کے بالکل الٹ ہوگا۔ جب وہ اس کا داعی بھی ہو تو اس کو حکومت کے منصب اور امامت و شہادت اور روایت سے روک دیا جائے گا۔ تاہم ممانعت کی وجہ نماز کا فساد، یا شہادت و

روایت میں اتہام نہیں ہو گی۔ بلکہ اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے منکر کی روک تھام ہوتی ہے۔

جب کسی کو اختیار ہو کہ ایسے شخص کو امام نہ بنائے جو علانیہ منکر کا مرتکب ہو تو اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ ایسے کو امام نہ بنائے لیکن اگر کوئی اور اسکو امام بنائے اور اس کے لیے اس کو رد کرنا ممکن نہ ہو یا بالفرض وہ رد کرے اور امام کے علانیہ منکر سے بڑا شر پیدا ہونے کا خدشہ ہو تو اب چھوٹے شر کو ختم کرنے کے لیے بڑے شر کو پیدا کرنا جائز نہیں اور نہ کمتر ضرر کی روک بڑے ضرر سے کرنی درست ہے۔ شریعت تو مصالح اور ان کی تکمیل کے لیے ہے، اور خرابیوں کو ختم کرنے یا حسب امکان کم کرنے کے لیے آئی ہے۔ اور اگر دو بھلائیاں اکٹھی نہ ہو سکیں تو بہترین بھلائی، اور اگر دو شروں کو ہٹانا ممکن نہ ہو تو بڑے شر کو ہٹانا دین کا مطلوب ہے جب علانیہ بدعتی اور بدکار امام کو ہٹانے سے، امام کے منکر سے بڑا ضرر ہوتا ہے، تو پھر اس کو امامت سے معزول کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی دوسرا بہتر امام موجود نہ ہو تو اس کی اقتداء میں باجماعت نماز، جمعہ و عیدین ادا کی جائیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حجاج اور مختار بن ابی عبید وغیرہ کے جمعہ و جماعت میں شریک ہوتے رہے ہیں۔ جمعہ اور جماعت کا فوت ہونا، امام فاجر کی اقتداء سے زیادہ بڑی خرابی ہے۔ خاص طور پر جب کہ اس امام کی اقتداء ترک کرنے سے اس کا فجور ختم نہ ہو۔ اس خرابی کو روکے بغیر شرعی مصلحت کو ترک کرنا درست نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ سلف اور ائمہ کرام کے نزدیک، ائمہ جور کے پیچھے جمعہ و جماعت کے تارکین، اہلِ بدعت شمار ہوتے ہیں۔ ہاں جب جمعہ و جماعت کا نیک امام کے پیچھے ادا کرنا ممکن ہو تو یہ بہر حال امامِ فاجر کی اقتداء سے اولیٰ ہے۔

جب کوئی امامِ فاجر کے پیچھے بغیر کسی عذر کے نماز ادا کرے تو اس میں علماء کرام نے اجتہاد کیا ہے۔ بعض نے کہا، وہ نماز کو دہرلے۔ کیونکہ اس نے امامِ فاجر کو فجور سے منع کیے بغیر جو اس پر واجب تھا اس کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے۔ اور یہ ایک غیر مشروع فعل ہے۔ لہٰذا اس کی نماز جائز نہیں۔ اس لیے وہ اس کو دہرائے گا۔
بعض نے کہا: وہ نہیں دہرائے گا اس لیے کہ نفسِ نماز صحیح ہے۔ امام کی برائی پر جو اس نے ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا، وہ نماز سے ایک الگ بات ہے۔ اس کی مثال اذانِ جمعہ کے بعد تجارت کی سمجھ لو۔ اور جب اس کی اقتداء کے بغیر نماز اور جمعہ وغیرہ پڑھنا ممکن ہی نہ ہو تو پھر نماز دہرانے کی ضرورت

نہیں اس صورت میں اس کا نماز کو دہرانا اہلِ بدعت کا فعل شمار ہوگا۔ فقہاء کی ایک جماعت کا گمان ہے جب نماز اس کے پیچھے جائز نہ ہو تو اس کی اقتداء میں پڑھا ہوا جمعہ بھی دہرایا جائے گا۔ اگر درست ہو تو پھر جمعہ کی نماز دہرانے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ بات یوں نہیں بلکہ نزاع اُس دہرانے میں ہے کہ جب اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہو۔ جب اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے تو صحیح بات یہ ہے کہ اس پر اعادہ نہیں اسکی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے کہ نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ ہاں جب نماز ایسے بندۂ خواہش امام کے پیچھے ہو جو اپنی بدعت کی وجہ سے کفر کا مرتکب ہوا ہو تو اس صورت میں علماء صرف نمازِ جمعہ کے بارے میں مختلف ہیں جس نے کہا کفر کرتا ہے اس نے نماز کے اعادے کا حکم دیا کیونکہ وہ نماز کافر کے پیچھے ہوئی۔ لیکن یہ مسئلہ اہلِ ہوا (بندگانِ خواہش) کی تکفیر کا ہے اور لوگ اس میں متردد ہیں امام مالک رحمہ اللہ سے دو روایتیں منقول ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں امام احمد رحمہ اللہ سے بھی دو روایتیں ہیں۔ اہلِ کلام نے امام اشعری سے بھی دو قول ذکر کیے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کبھی بات کفر کی ہوتی ہے اس صورت میں متعلق شخص کی عمومی تکفیر کی جاتی ہے۔ یعنی یوں کہا جائے گا "جس نے یہ بات کہی وہ کافر ہے" لیکن بات کہنے والے خاص شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ اس پر حجت قائم ہو جس کا تارک تکفیر کے لائق ہو اس کی مثال منصوص وعید کی ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا[1]

"یعنی جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور وہ جلد ہی دوزخ میں داخل ہوں گے"۔

یہ اور اس طرح کی دوسری منصوص وعیدیں حق اور بجا ہیں لیکن ہم کسی خاص شخص پر اس کو چسپاں نہیں کر سکتے۔ ہو سکتا ہے وہ وعید کی کسی شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے یا وعید کے کسی مانع کے ثبوت کی بنا پر اس کا مصداق نہ بنتا ہو۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ تحریم کا حکم اس کو نہیں پہنچتا یا وہ حرام کام سے تائب ہو جاتا ہے، یا اس کی بڑی بڑی نیکیاں فعلِ حرام کی عقوبت سے اُسے بچا لیتی ہیں، یا کبھی ایسا سفارشی

---

[1] النساء : ١٠

اس کے حق میں سفارش کر دیتا ہے جس کی سفارش قبول ہوتی ہے یہی حال ان اقوال کا ہے جن کے قائل کی تکفیر کی جاتی ہے کبھی تو اس شخص کو وہ نصوص نہیں پہنچتیں جن سے حق کی معرفت لازماً حاصل ہو جاتی، یا اس کو پہنچی تو ہیں مگر اس کے نزدیک ثابت نہیں ہوتیں، یا وہ اس کو سمجھ نہیں سکتا، یا اس سلسلے میں اس کو ایسے شکوک و شبہات لاحق ہوتے ہیں جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرما لیتا ہے۔ جو مومن طلب حق میں پوری کوشش کرے مگر پھر بھی غلطی کرے، اللہ تعالیٰ اس کی خطا، جیسی بھی ہو، معاف فرما دے گا۔ چاہے وہ نظری اور علمی مسائل میں ہو یا فروعی اور عملی مسائل میں، یہی طریقہ نبی کریم ﷺ کے صحابۂ کرامؓ اور جمہور ائمۂ دینؒ کا ہے۔

اب ایک نوع اور اصولی مسائل کے نام رکھنے میں، اور دوسری نوع اور فروعی مسائل کے نام رکھنے میں فرق کیا جاتا ہے اس کی بنیاد نہ صحابۂ کرامؓ سے ثابت ہے، نہ تابعینؒ سے اور نہ ائمۂ اسلام سے۔ یہ بات معتزلہ اور دوسرے اہل بدعت لوگوں سے لی گئی ہے۔ جن فقہائے اس تفریق کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے، انہی سے لے کر بیان کیا ہے اس تفریق میں تناقض ہے، مثلاً اس شخص سے، جو دونوں قسموں میں فرق کرتا ہے، پوچھا جائے: "اصولی مسائل کی کیا تعریف ہے جس میں خطا کرنے والا کافر ہو جاتا ہے؟ اصولی اور فروعی مسائل میں فیصلہ کن بات کیا ہے؟" اگر وہ یہ جواب دے کہ "اعتقادی مسائل تو اصولی ہیں، اور عملی مسائل فروعی مسائل ہیں" تو اس سے پوچھا جائے گا، "لوگوں میں یہ اختلاف موجود ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں یا حضرت علیؓ افضل ہیں؟ اسی طرح قرآن کے بہت سے معانی ہیں اور بعض احادیث کی تصحیح میں اختلاف ہے۔ یہ اعتقادی مسائل ہیں، عملی نہیں، یہ بالاتفاق کفر نہیں ہیں اور نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج کا وجوب، زنا جیسے قبیح گناہ اور شراب کی تحریم، یہ عملی مسائل ہیں اور ان کے منکر کی بالاتفاق تکفیر کی جاتی ہے گی۔" اگر وہ کہے "اصول قطعی اصول ہیں" تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سے عملی مسائل قطعی ہیں، اور بہت سے نظری مسائل قطعی نہیں ہیں کسی مسئلے کا قطعی یا ظنی ہونا ایک اضافی بات ہے ایک مسئلہ کسی کے نزدیک قطعی ہوتا ہے کیونکہ اس کے پاس اس کی قطعی دلیل موجود ہوتی ہے مثلاً ایک شخص نے خود رسول اللہ ﷺ سے ایک بات سنی، اور آپ ﷺ کی مراد کو یقینی طور پر سمجھ لیا، دوسرے شخص کے نزدیک قطعی ہونا تو درکنار، وہ ظنی بھی نہیں ہے کیونکہ اس کو نص نہیں پہنچی، یا عدم ثبوت کی بنا پر، یا علم سے دلیل حاصل نہ کر سکنے کی وجہ سے"۔ پھر وہ

حدیث بیان کی جس میں مرنے والے نے اپنے لواحقین سے کہا تھا جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا کر ہوا اور دریا میں اُڑا دینا الحدیث۔ یہ مسائل دوسرے مقامات پر تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ ائمہ کے مذاہب کی بنیاد نوع اور ذات کے درمیان اس تفصیل پر ہے۔ اسی لیے ایک گروہ نے ان سے اس سلسلہ میں اختلاف ذکر کیا ہے، وہ ان کے قول کی گہرائی تک نہیں جا سکے۔ ایک گروہ امام احمدؒ سے اہلِ بدعت کے متعلق دو روایتیں بیان کرتا ہے حتیٰ کہ وہ مرجئہ اور حضرت علیؓ کی تفضیل کا عقیدہ رکھنے والوں کی تکفیر میں اختلاف کرتا ہے، اور کئی دفعہ تکفیر اور تخلید کو ترجیح دیتا ہے حالانکہ یہ حضرت امام احمدؒ کا اور دوسرے ائمہ اسلام کا مذہب نہیں ہے، بلکہ ان کو اس بات سے اختلاف نہیں کہ مرجئہ کی تکفیر نہ کی جائے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان "قول بلا عمل" کا نام ہے۔

اور نہ ہی وہ ان کو کافر کہتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں، بلکہ انہوں نے صراحت سے بیان فرمایا ہے کہ خوارج اور قدریہ وغیرہ کی بھی تکفیر نہ کی جائے۔ وہ صرف اللہ تعالےٰ کے اسماء و صفات کے منکر جہمیہ کی تکفیر کرتے ہیں اس لیے کہ ان کے اقوال رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے یکسر خلاف ہیں، ان کے قول کی حقیقت خالق کی تعطیل ہے، آپ کو ان کی وجہ سے مصیبت میں ڈالا گیا، یہاں تک کہ ان کے عقائد و اقوال کی حقیقت پہچان لی گئی کہ ان کا مذہب تعطیل کے گرد گھومتا ہے۔ جہمیہ کی تکفیر سلف اور ائمہ کرامؒ سے منقول و مشہور ہے لیکن اس کے باوجود آپ معین لوگوں کی تکفیر نہیں فرماتے تھے کسی قول کا داعی اس کو ماننے والے سے بڑا ہوتا ہے، اور جو شخص اپنے مخالف کو سزا دیتا ہے وہ داعی سے بڑا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود حکمران لوگ جہمیہ کے اس قول کے قائل تھے کہ قرآنِ مجید مخلوق ہے، اور اللہ تعالیٰ آخرت میں نہیں دیکھے گا، وغیرہ۔ اور لوگوں کو اس کی دعوت دیتے تھے۔ جب لوگ ان کی دعوت قبول نہ کرتے، وہ ان پر ظلم توڑتے اور سزائیں دیتے تھے، اور ان کی تکفیر کرتے تھے یہاں تک کہ وہ کسی قیدی کو اس وقت تک رہا نہ کرتے جب تک وہ جہمیہ کے قول کا اقرار نہ کر لیتا کہ قرآن مخلوق ہے۔ کسی کو سرکاری عہدہ دینا یا بیت المال سے وظیفہ دینا بھی ان کے قول کو تسلیم کرنے پر موقوف تھا۔ پھر بھی امام احمدؒ نے ان کے لیے رحم کی دعائیں اور استغفار کیا اس لیے کہ آپؒ کو علم تھا کہ وہ نہیں سمجھتے کہ وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور آپؐ کی شریعت کا انکار کر رہے ہیں۔ لیکن انہوں

نے تاویل کی اس میں خطا کی۔ اور جس نے ان کے سامنے قرآن کے مخلوق ہونے کی بات پیش کی، اس کی تقلیداً بات مان لی۔

اسی طرح حفص الفرد نے جب کہا کہ قرآن مخلوق ہے تو امام شافعیؒ نے اس کو یہ کہہ کہ "تونے اللہ عظیم کے ساتھ کفر کیا ہے" واضح فرمایا کہ یہ قول کفر ہے آپؒ نے محض اس کے اس قول پر اس کے ارتداد کا فیصلہ نہیں دیا اس لیے کہ اس کے سامنے وہ حجت نہیں کھلی تھی جس پر کفر کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اگر آپؒ کو اس کے مرتد ہونے کا یقین ہو جاتا تو آپؒ اس کے قتل کی کوشش فرماتے۔ امام شافعیؒ نے اپنی کتابوں میں یہ وضاحت کی ہے کہ اہلِ ہوا کی شہادت قبولیت کے لائق ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ کا یہی قول "قدریہ" کے بارے میں ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے علم کو جھٹلاتے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ بعض ائمہ یہ فرماتے ہیں کہ علمِ الٰہی کے مسئلے پر ان سے مناظرہ کرو۔ اگر وہ اس کا اقرار کریں گے تو شکست کھا جائیں گے، اگر انکار کریں تو ان کی تکفیر کی جائے گی۔

امام احمدؒ سے "قدریہ" کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا کہ "کیا وہ کافر ہے؟" آپؒ نے فرمایا "اگر علمِ الٰہی کو جھٹلاتے تو کافر ہوگا" علمِ الٰہی کا انکار کرنے والا جہمیہ کی جنس سے ہے۔ بدعات کے داعی کا قتل کبھی تو لوگوں کو اس کے ضرر سے بچانے کے لیے ہوگا۔ جس طرح جنگ کرنے والے کو قتل کیا جاتا ہے، اگرچہ وہ نفس الامر میں کافر نہیں ہوتا۔ یہ ضروری نہیں کہ جس کے قتل کا حکم دیا جائے، وہ قتل ارتداد کا ہو۔ غیلان القدری وغیرہ اسی لیے قتل ہوتے تھے۔ کبھی قتل ارتداد کی وجہ سے ہوتا ہے، یہ مسائل دوسرے مقامات پر مبسوط بیان ہو چکے ہیں ہم نے یہاں صرف تنبیہ کی ہے۔" شیخ الاسلامؒ کی گفتگو ختم ہوئی۔

جو نصوص ہم نے بیان کی ہیں، ان کا حاصل یہ ہے کہ قبر پرست، غالی اور غیر اللہ کی طرف دعوت دینے والے اگر مسئلے سے ناواقف ہوں، اور کسی اہلِ علم نے ان کو ان کی غلطی پر متنبہ بھی نہیں کیا، تو جائز نہیں کہ کوئی ان کی تکفیر کرے۔

ہاں جس شخص پر حجت قائم ہو گئی ہو، وہ محض ضد اور تکبر کی وجہ سے شرکیہ یا بدعیہ مسئلے پر اڑا رہے، یا جان بوجھ کر نہ سمجھے، اس کا حکم ہم آئندہ بیان کریں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو مسلمان رسول اللہ ﷺ کے عقیدہ اور دین کو مضبوطی سے پکڑ لیں جس میں

اہلِ بدعت کی مخالفت ہو اور وہ ان سے الگ ہو جائیں، وہ جہمیہ معطلہ کا مذہب بھی نہ مانیں، نہ تقدیر کی نفی کرنے والوں اور نہ انسان کو مجبورِ محض سمجھنے والوں کا مذہب قبول کریں — نہ وہ خارجیوں اور معتزلہ کی راہ چلیں — اور نہ رافضہ اور مرجئہ کا طریقہ اختیار کریں — نہ وہ غالی قبر پرستوں وغیرہ کی راہ اختیار کریں کہ جنہوں نے اولیاء اور بزرگوں کے متعلق عجیب وغریب جھوٹ گھڑ رکھے ہیں، تو ان لوگوں کو اہلسنّت والجماعت کے نزدیک "غالی" کا نام نہیں دیا جائے گا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو کرنے والوں کو غالی کا نام دیا گیا جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معبودِ حق سمجھ لیا تھا تو حضرت علیؓ نے ان کو اس بدعقیدگی سے توبہ کی تلقین کی، جب وہ باز نہ آئے تو ان کے لیے گڑھے کھود کر ان میں آگ جلائی — اُن کو اِن میں پھینکوا دیا، اور کہا:

؎ انّی اذا رایت امرا منکرا — اججت ناری ودعوت قنبرا

یعنی "جب میں نے بُرا امر دیکھا تو میں نے آگ جلائی اور اپنے غلام قنبر کو سزا دینے کے لیے بلایا"۔ یہ لوگ ہیں جن کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ غیر اللہ کے پجاری کو مسلمان کہنا اس وجہ سے ہے کہ وہ اس بات کا سخت حاجتمند ہے کہ اس کی عقل کو درست کیا جائے، بنسبت اسکے کہ اس پر فتویٰ لگایا جائے۔

چوتھی بات جس پر تنبیہ لازمی ہے یہ ہے کہ غالیوں نے بچارے عوام کو پھنسانے کے لیے جو جال بچھا رکھا ہے۔ یعنی انکا یہ کہنا: "مُردوں سے استغاثہ اور مشکلات میں ان کو پکارنا، ان کی قبروں کی طرف عمداً سفر کر کے جانا، اُن کے حضور جانوروں کی قربانیاں اور نذریں اور نیازیں پیش کرنا ان سے محبّت کی علامتیں ہیں اور ان کی قربت سے رب کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ جو شخص اس کو معیوب سمجھے، جو کچھ وہاں ہوتا ہے اس کا انکار کرے، مزاروں وغیرہ کی تزئین سے اور وہاں چراغ روشن کرنے اور ان پر عبادت گاہیں تعمیر کرنے سے، اور ان سے حاجت روائی اور مشکل کشائی سے روکے، وہ بزرگوں کا دشمن ہے۔ اولیاء اور صدّیقین کی کرامات کا منکر ہے"۔ اسی طرح اپنی گواہی کے متعلق دوسری باتیں کرتے ہیں: "کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم" یعنی "یہ سخت باتیں ہیں جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہیں"، حالانکہ جو لوگ ان بدعات اور ضلالات کو بُرا جانتے ہیں، وہی ان کے محب ہیں۔ وہی ان کی ہدایت اور طریقے کے محافظ ہیں۔ اور ان غالیوں، اور ہدایت یافتہ لوگوں کے دشمنوں نے، دین کو خراب کیا اور موحدین کا راستہ بند کر دیا۔ جو شخص ان کے حالات سے واقف ہے اور اسلام

میں انکی غلط باتوں سے جو کچھ انہوں نے دین کو بدل دیا ہے اس سے آگاہ ہے۔ اور آج کل مثلاً، خانہ بدوش اور عرب کے دیہاتیوں میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرنے اور قرآنِ مجید کے احکام کو رد کرنے اور ان کا مذاق اڑانے، خانہ بدوش زندگی کی گذشتہ عادات و رسُوم اور جاہلیت کے احکام اور عادات کو قبول کرنے کی طرف رجوع کرنے سے باخبر ہے وہ انہیں خوب پہچانتا ہے اس سے ملتی جلتی حالت اس شخص کی ہے جو پہچانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور احادیثِ رسولؐ شہریوں کے پاس ہیں لیکن اسے اس کی پرواہ نہیں یا شریعتوں سے وہ جاہل ہے اور ان باتوں سے جو رسولوں نے پیش کیں اور جن کو لیکر آسمانی کتابیں نازل ہوئیں اس کو ان میں سے کسی چیز کا نہ تو شعور ہے اور نہ وہ جانتا ہے کہ لوگوں کی دینی حالت کیا ہے؟

شہریوں کی غالب اکثریت لذائذ اور شہوات میں منہمک ہے شریعت اور اس کے اوامر و نواہی سے منہ موڑنے والی ہے فقہ کی کتابوں کے احکام سے بے پرواہ ہے ان کا خیالِ باطل یہ ہے کہ "وہ جو قبروں پر نذریں گذارتے ہیں اور اہلِ قبور کو پکارتے اور ان سے فریاد کرتے ہیں اس کی برکت سے ان کے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے" اور جو انبیاءؑ و اولیاء کو پکارنے، ان سے مدد مانگنے اور مصائب و شدائد میں اُن سے فریاد کرنے سے روکتے ہیں اور ان کو اللہ تعالےٰ کے ساتھ حاجات اور سخت مصائب میں نہیں پکارتے ان کے نام کے جانور ذبح نہیں کرتے ان کی قبروں کے طواف نہیں کرتے اور ان پر بھروسہ نہیں کرتے وہ ان کی بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں ان کی شان کو گھٹاتے ہیں —— ان کا حق مارتے ہیں اس میں بنیادی خرابی یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالےٰ کے حقوق اور اس کے بندوں کے حقوق میں کوئی فرق و تمیز نہیں کرتے جو باتیں صرف اللہ تعالےٰ کے لیے خاص ہیں، وہ ان میں بھی اولیاء اور انبیاءؑ کا حق سمجھتے ہیں یہ غلو اور حد سے تجاوز بالکل نصاریٰ کے غلو سے مشابہ ہے جو انہوں نے جناب مسیح علیہ السلام اور دوسروں کے سلسلے میں اختیار کر رکھا ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت سے انکار کرنے والے کو وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ تُو نے حضرت مسیح علیہ السلام کی شان گھٹا دی اور تُو نے بڑی بے ادبی کی ہے۔ یہی الزام عمرو بن العاصؓ اور ان کے ساتھیوں نے نجاشی کے دربار میں مسلمانوں پر لگایا تھا جب انہوں نے حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی تھی اور قریش کے وفد نے نجاشی شاہِ حبشہ سے درخواست کی تھی کہ وہ مسلمان مہاجرین کو

ہمارے حوالہ کر دے، مگر نجاشی نے انکار کر دیا۔ عمرو نے اس موقعہ پر مسلمانوں پر یہی جھوٹا الزام دھرا کہ یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی شان میں بڑی گستاخی کرتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں، وہ بندہ ہے، معبود نہیں۔ نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور آپؓ کے ساتھیوں کو بلایا اور ان سے اس سلسلہ میں پوچھا، تو انہوں نے جواب دیا: "ہم حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔" چنانچہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں، جن میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی شان کا ذکر ہے۔ نجاشی نے سن کر کہا "اللہ کی قسم، مسیحؑ کی شان اس سے زیادہ نہیں۔"

خلاصہ کلام یہ ہے، جس شخص کو رسولوں کی پیش کردہ 'اللہ تعالیٰ کی توحید' کے وجوب اور اس کی عبادت میں یکتائی کی معرفت حاصل ہو جائے، اس کے سامنے یہ بات واضح ہو کر آ جائے گی کہ انبیاءؑ اور اولیاء وغیرہ کو پکارنے، اور حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا قصد کرنے سے منع کرنا، ہی حقیقت میں ان کی تعظیم و توقیر، ان کا ادب، ان پر ایمان، انکی تصدیق --- اور ان کی پیش کردہ تعلیم کو قبول کرنا ہے۔ یہ ان کے دشمن اور مخالف، سب مشرکوں سے، (ان کی جنسوں اور ملتوں کے اختلاف کے باوجود) اعلانِ جنگ ہے۔ ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان اصل نزاع، اللہ وحدہٗ کی عبادت اور ما سوای اللہ سے برأت ہے۔ ان کے ایمان کا حصول اور تصوّر اس عقیدے کو اختیار اور اس کے ساتھ موافقت کیے بغیر ممکن ہی نہیں!

ہاں اس عقیدہ میں ان کی مخالفت اور نافرمانی ہی دراصل ان کی شان کو گھٹانا اور ان کو حقیر جاننا ہے۔ جو شخص یہ بات سمجھ لے، وہ سمجھ جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر قیامت تک، اہلِ حق اور اہلِ ایمان ہی رسولوں کی تعظیم و توقیر کرنے والے ہیں۔ وہی ان کے حقوق کو پہچانتے ہیں، اور وہی حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا کرنے والے ہیں۔ نہ کہ ان کو شریک بنا کر ان کی نافرمانی کرنے والے، ان کے حکموں کو توڑنے والے اور ان کی پیش کردہ شریعت کو ترک دینے کار کرنے والے! ــــــ جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت کے مسئلے میں یونانی منطق کو اور اور آراء الرجال کو مقدم کرنے والے ہیں، قرآنی نصوص اور احادیثِ صحاح پر اپنے تخمینوں اور اوہام کو ترجیح دینے والے ہیں۔ نصاریٰ کے غلو، اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی کی

شرعی تعلیم کے باوجود، احبار و رہبان کی رائے کو مقدم جانتے ہیں ہر صاحب عقل و فہم کے نزدیک یہی درحقیقت ان کی شان میں گستاخی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ بندگی کرنے میں رسول کریم ﷺ کی اطاعت، اور انبیاءؑ و اولیاء کے پکارنے کو ترک کر دینا ہی انکی عین تعظیم و توقیر ہے۔

اسی لیے اللہ عزشانہٗ نے فرمایا:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۔[1] الاٰية!"

"(اے پیارے پیغمبرؐ) کہہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبّت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو تم سے اللہ تعالیٰ محبّت کریگا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔"

پس ظاہر ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کو ان کے منہ پر دے مارا ہے، اور وہ بے عقل لوگ ہیں۔

اے اللہ! ہم تیرے حضور التجا کرتے ہیں کہ حق کے دشمنوں کے دلوں کو اعتماد سے محروم کر دے، ان کے اور ان کے زادِ راہ میں دُوری ڈال دے، ان کو ان کی راہوں میں حیران کر دے اور ان کے چہروں کو راستوں سے بھٹکا دے، اُن سے اپنی مدد کاٹ دے، ان کی تعداد کو کم کر دے، ان کے دلوں کو رعب سے بھر دے اور ان کے ہاتھوں کو پھیلنے کی بجائے سکیڑ دے، اُن کی زبانوں کو گنگ کر دے اور ان کو ایسی سزا دے جس سے پچھلوں کو عبرت حاصل ہو اور جنگ سے ان کے جانشینوں کو ناامید کر دے! اے اللہ! ان کی عورتوں کو بانجھ کر دے، ان کے مَردوں کی پُشتوں کو خشک کر دے، ان کے جانوروں اور چارپایوں کی نسل قطع کر دے! اے اللہ! ان پر بادل برسنے کی اور ان کی زمین کو کھیتی اگانے کی اجازت نہ دے!

پانچویں بات

بہت سے لوگ جو غالیوں کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کو برسرِ حق سمجھتے ہیں، اولیاء اور صالحین کو پکارنے، ان سے مدد طلب کرنے، انکے حضور التجا کرنے، ان سے فریاد رسی چاہنے — ان کے حضور نذریں گزارنے اور دوسرے شرکیہ کاموں کے لیے ان کی قبروں پر جانے کے جواز میں ان کی رائے کو درست سمجھتے ہیں، اور جو اللہ ذوالجلال اور عظیم الشان بادشاہ کے بھیجے ہوئے دین کے یکسر خلاف اعمال و اقوال کو جائز سمجھتے ہیں،

---

[1] آلِ عمران: ۳۱

وہ بے دین اور زندیق لوگ ہیں جو دنیا کا ایک خالق و معبود نہیں مانتے کہ جو کائنات کے نظامِ علوی و سفلی کا مدبر ہو۔ وہ کتبِ الٰہیہ اور ان کے احکام اور قیامت کے دن کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ کوئی حساب و کتاب ہوگا اور نہ ہی دوزخ اور جنّت کی کوئی حقیقت ہے۔ اخروی زندگی بھی نہیں۔ اِس سے اُن کا مقصد غالیوں اور بدعتیوں کو منکرات اور غیر شرعی عبادتوں میں مدد دینا ہے۔ اور اپنی جھوٹی مدد کے ذریعے ان کی عیب پوشی کرنا، اہلِ حق اور حامیانِ دین کو گالیاں بکنے کا حیلہ تلاش کرنا اور ان موحدین کو مشتعل کرنا ہے جو ان کے باطل پر ان سے جھگڑتے ہیں۔

میں نے سنا ہے کہ بغداد کے کسی کمینے اور بیوقوف گمراہ نے ایک کتاب "الفجر الصادق" کے نام سے تالیف کی ہے جس کا نام دراصل "اقوال المارق" ہونا چاہیے۔ اس میں اس نے بدعتیوں کے اقوال، غالیوں کی ضلالتوں، گمراہوں کی شرمناک آراء کو بیان کیا ہے۔ یہ سب کچھ ان لوگوں سے جذبۂ عداوت کو تسکین دینے کے لیے ہے، جو ان کے غلط اقوال کا رد کرتے ہیں اور جو ان کے حالات کو ظاہر کرتے ہیں، اور ان کی جہالت و ضلالت کے پردوں کو چاک کرتے ہیں۔ وہ اس بہانے سے اہلِ حق کو، جو ان کی غلط روی کو ناپسند کرتے ہیں، گالیاں دیتے ہیں۔ اس طرح وہ ان لوگوں سے دشمنی کرتے ہیں جو ان کے باطل کی تردید کے لیے دلائل و براہین کی تلواریں چلاتے ہیں۔ وہ بغداد (جو فریب اور فساد کا مرکز ہے) کے مشہور زندیقوں میں سے ہیں۔ انہوں نے معبود کا اور قیامت کا انکار کر دیا ہے۔ انہوں نے انبیاء اور ان کی نبوّت و رسالت اور آسمانی کتابوں کے احکام اور خبروں کا انکار کیا ہے۔ اسلام میں ان کا سوائے نام کے کوئی حصّہ نہیں ہے۔ اور دین میں سوائے نسبت اور رسم کے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا فریب ان کو مفید نہیں پڑے گا اور ان کا حال عموماً معلوم ہی ہے۔

مهما تكن عند امرئ من خليقة وان خالها تخفى على الناس تعلم

یعنی "جب کسی جواں مرد میں کوئی فطری عادت موجود ہو اور اگر وہ لوگوں سے اس کو مخفی خیال کرے تو وہ پھر بھی آشکارا ہو جاتی ہے"، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ

"جب منافق لوگ آپ کے پاس آ کر کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ خوب جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں، اور اللہ

الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ [1] ! یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں "

مفسرین نے اس آیت پر گفتگو کرتے ہوئے بیان کیا ہے "منافق" ایک اسلامی اصطلاح ہے جس کو اہلِ عرب نہ جانتے تھے، اگرچہ اس کی اصل لغت میں مشہور تھی۔ یہ وہ شخص ہے، جو کفر کو چھپاتا ہے اور ایمان کو ظاہر کرتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے: "نَافَقَ يُنَافِقُ مُنَافَقَةً وَنِفَاقًا" اس کا ماخذ "النافقاء" ہے۔ اور یہ چوہے کی ایک خاص قسم (جس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی، پچھلی بڑی ہوتی ہیں) کا سوراخ ہوتا ہے جس میں وہ چھپتا ہے منافق بھی اپنے نفاق میں اپنے کفر کو چھپاتا ہے۔ اس کا ماخذ "النفق" نہیں ہے۔

منافق لوگ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتے تو بتاکید شہادت دیتے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف گواہی دی کہ وہ جھوٹے ہیں — "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ○" "اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہے"؟

اب مناسب یہ ہے کہ منافقین کے اقوال سے اس کی تصدیق کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بہت سی قباحتوں کو بیان فرمایا ہے، اور وہ سب بغداد کے منافقوں اور عراق کے زندیقوں میں موجود ہیں۔

ان کی ایک چال یہ ہے کہ جھوٹی قسموں کو بطورِ ڈھال استعمال کرتے ہیں، جسطرح انہوں نے جھوٹی شہادت کو بطورِ ڈھال استعمال کیا، اُن کا قسمیں کھا کر یہ کہنا کہ "ہم تم میں سے ہیں" ان کے لیے قتل و قید وغیرہ کے سلوک سے جو کفار سے کیے جاتے ہیں، ڈھال ہے۔ یہیں سے شاعر نے اپنی بات لی ہے۔

وَمَا انْتَسَبُوْا اِلَى الْاِسْلَامِ اِلَّا — یعنی وہ اسلام سے نسبت صرف اس لیے رکھتے
لِصَوْنِ دِمَائِهِمْ اَنْ لَا تُسَالَا — ہیں تاکہ ان کے خون محفوظ رہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کی صفت اور حالت کی یوں خبر دی ہے:

"وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ [2]" "جب آپ انکو دیکھتے ہیں تو انکے اجسام بہت بھلے لگتے ہیں"

یعنی وہ جسمانی اعضاء کے تناسب اور خوبصورتی کی وجہ سے بہت بھلے لگتے ہیں۔

"وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ [3]" "جب وہ بات کرتے ہیں تو آپ انکی بات کو توجہ سے سنتے ہیں"

یعنی ان کی فصاحت اور چرب زبانی کی وجہ سے اسی طرح یہ منافق لوگ اپنے جسمانی

---

[1] المنافقون ۱ [2] و [3] المنافقون ۴

ڈیل ڈول کی وجہ سے لوگوں کو بھلے لگتے ہیں اور وہ انکی بات دھیان سے سُنتے ہیں۔ درحقیقت وہ ایمان اور خیر سے خالی ہیں، جس طرح لکڑیاں بے فائدہ دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی جائیں اسی طرح دیکھنے میں ان کے چوڑے چکلے جسم بے فائدہ ہیں گویا وہ رندہ لگی ہوئی لکڑیوں کے بنے ہوئے جسم ہیں، جو دیواروں کے ساتھ کھڑے کر دیے گئے ہیں۔ یہاں تشبیہ ظاہری حسن اور بے فائدہ ہونے میں ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں شاعر نے کہا ہے (ترجمہ):

- ان کی داڑھیوں اور شکلوں سے دھوکا نہ کھانا ان میں نوے فیصد گائے بھینسوں کی طرح ہیں
- وہ جھبے بادل کی طرح منتشر نظر آتے ہیں طالب کے لیے ان میں بارش نہیں ہے۔
- وہ سرو کے درخت کی مانند لمبے ہیں جس میں خوش منظری کے باوجود پھل نہیں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مزید وضاحت فرمائی:

"یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ"[1] "(بزدل ایسے) ہر زوردار آواز کو سمجھیں کہ ان پر (بلا آئی)"

یعنی جب کسی طرف سے سخت آواز سنتے ہیں تو حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں مصیبت آئی۔ جس طرح جریرؔ اخطل کو مخاطب کر کے کہتا ہے ؎

مازلت تحسب کل شئ بعدھم خیلا تکر علیھم ورجالا

"تو انکے بعد ہر چیز کو خیال کرتا رہا کہ وہ گھڑسواروں اور پیادوں کی فوج ہے جو ان پر حملہ کرنے کے لیے لوٹ آئی"

متنبی کہتا ہے ؎

وضاقت الارض حتی ظن ھاربھم اذا رای غیر شئ ظنہ رجلا

"اور زمین تنگ ہو گئی اور انکے بھاگنے والے کو جب کوئی چیز نظر نہ بھی آئے، اسے انسان ہی کا وہم ہوتا ہے"

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو چھوڑ کر سلسلۂ کلام نیا شروع فرمایا کہ ان کے ساتھ کس طرح کا سلوک ہونا چاہیے۔ فرمایا: "هُمُ الْعَدُوُّ" "وہ دشمنی اور عداوت میں کامل و راسخ ہیں"۔ سب دشمنوں سے بڑا دشمن وہ ہے جو تیرے سامنے ظاہری روادار بن کر ہنستا ہے اور اس کے دل میں کینہ ہوتا ہے۔ جس طرح آج کل عموماً لوگ ہوتے ہیں۔ (فَاحْذَرْهُمْ) "ان سے بچو" اس لیے کہ وہ سب سے بڑے دشمن ہیں ان کے ظاہر سے دھوکا نہ کھانا۔ شاعر کہتا ہے ؎

---

[1] المنافقون: ۴

فلا تقنع باوّل ما تراه   فاوّل طالع فجر کذوب

"ایک چیز کے ظاہر کو دیکھتے ہی متاثر نہ ہو جا کیونکہ ابتدا میں صبح کاذب طلوع ہوتی ہے۔"

(قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ) "اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے" یعنی ان پر لعنت برسائے اور ان کو دھتکار دے کیونکہ قتل، دنیا کی مصیبتوں اور رسوائیوں کی آخری منزل ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکار اور اس کی بارگاہِ اقدس سے دُوری کا مطلب، اللہ کا سخت ترین عذاب اور انتہا درجے کی سزا ہے۔ سورۂ منافقون میں اوّل سے آخر تک منافقوں کے حالات اور احکام بیان ہوتے ہیں مقصد یہ ہے کہ بہت سے بدعقیدہ اور منافق لوگ، جن میں سے بعض کا ذکر ہو چکا ہے، وہی کچھ ظاہر کرتے ہیں، جو غالی لوگ کرتے ہیں یہی لوگ حبِ دنیا اور اپنے عہدوں اور مناصب کے چھن جانے کے خوف سے ٹیڑھی راہ اختیار کرنے والے اور گمراہ ہیں۔ ایسے لوگوں کا نہ کوئی دین ہے نہ ایمان، نہ ان کی نماز، نہ زکواۃ، نہ حج ہے، نہ روزہ۔ وہ ہر وقت سہمے رہتے ہیں اور ہر سخت آواز کو سمجھتے ہیں، بلا آئی! ایسے لوگوں کی غیر معقول باتوں اور ان کی گمراہی اور بے ہُودگی کی طرف دھیان نہیں دیا جا سکتا۔ ان کی باتوں کی حیثیت مکھیوں کی بھنبھناہٹ، یا جھینگر کی آواز، یا کتّوں کے بھونکنے سے زیادہ نہیں ہے ـــــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ"[۵] "کہہ دو اللہ ہی نے نازل کیا تھا، پھر ان کو چھوڑ دو، وہ اپنی بکواس میں کھیلتے رہیں۔"

؎ قد تسلب الایام حالات اھلھا   تعدو علیٰ اسد الرجال الثعالب

"زمانے کے حالات نے کیسا پلٹا کھایا ہے کہ شیروں پر لُومڑ حملہ کرنے لگے ہیں۔"

چھٹی بات

غالیوں، قبر پرستوں اور بدعتیوں نے جہلاء اور عوام کا شکار کرنے کے لیے جو جال بچھا رکھے ہیں، ان میں سے کچھ کا ذکر تو ہو چکا ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے، انھوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ ہمارے مخالفین دنیا میں بے شمار مصائب و آلام سے دوچار رہتے ہیں مگر جو لوگ ہماری راہ پر چلتے ہیں، دنیا میں بڑے خوش نصیب ہیں اور ان کو دنیا کی نعمتیں اور عہدے اور اونچے مراتب، اور با اختیار حکام کا قرب حاصل ہے پھر وہ مثال کے

---

[۵] الانعام: ۹۲

طور پر کہتے ہیں: "ہمارے فلاں فلاں کو دیکھو" اور پھر بہت سے ذلیل اور دنیا کے کتوں کے نام گناتے ہیں۔ پھر جہلاء اور عوام سے کہتے ہیں "ہمارے مخالفوں ابنِ تیمیہ اور ان کے ساتھیوں کو دیکھو" پھر جو تکالیف ان کے مخالفین نے ان کو پہنچائی ہیں، بیان کرتے ہیں۔ اس طرح کی خباثت کو نبہانی اپنی کتاب "شواہد الحق" میں جس کا ہم رد لکھ رہے ہیں، بار بار بیان کرتا ہے۔ وہ بار بار دہائی دیتا ہے کہ "ابنِ تیمیہ کو دیکھو اس نے کس طرح جماعت کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے عقائد کو بگاڑ دیا۔ اس لیے کہ وہ غیر اللہ کو پکارنے اور ماسوی اللہ سے التجا کرنے وغیرہ کے عدمِ جواز کا قائل ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی ان باتوں کی وجہ سے اس کی کتابوں سے برکت اٹھالی اب کوئی مسلمان اس کی کتابوں سے مستفید نہیں ہوگا اور علماء نے بالاتفاق اس کو طویل مدت تک قید میں رکھنے کا فتویٰ دیا چنانچہ ان دنوں کے حاکمِ مصر نے اس کو قید کر دیا۔ اور تصنیف و تالیف سے روک دیا اور اس کو قلم دوات تک رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ اسی طرح وہ قید میں فوت ہو گیا" وہ اسی طرح کی بے ہودہ باتیں کرتا ہے اور یہی بات ابنِ حجر نے "الجوہر المنظم" میں اور اپنے فتویٰ میں، اور سبکی نے اپنی کتابوں میں لکھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صاحبِ نظر و بصیرت، ایسی بچگانہ بلکہ غیر معقول اور بے ہودہ باتوں کی طرف التفات نہیں کرتا، ہاں وہ دلیل و برہان کو دیکھ کر کسی بات کی حقیقت اور سچائی کا فیصلہ کرتا ہے۔ اب ابنِ تیمیہ اور دوسرے اہلِ حق کو جو تکالیف پہنچیں، ان کے سامنے انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور دوسرے دینی پیشواؤں کی زندگی کا نمونہ تھا، انبیاء و رسل اور دوسرے اہلِ علم و اجتہاد بزرگوں کو جن جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا، اگر ہم ان کو تفصیل سے بیان کریں تو ایک بڑا دفتر بھی اس کا متحمل نہ ہو سکے ؎

انّ الرّیاح اذا اشتدّت عواصفها فلیس ترمی سوی العالی من الشّجر

یعنی "جب تیز ہواؤں اور آندھیوں کے طوفان اٹھتے ہیں، تو جھاڑیوں کے بجائے اونچے اونچے درخت ہی گرتے ہیں"

بعض اہلِ علم کا ابتلاء

علامہ شیخ شہاب الدین احمد بن علی الدلجی جو اپنے زمانے کے حفاظ اور محدثین میں سے تھے، اور جو سلف کے عقائد کو خوب جاننے والے تھے، اپنی کتاب (الفلاکہ والمفلوکین) میں فرماتے ہیں:

"شاید ہی کوئی اہلِ علم و فضل بزرگ ایسا ہو جس کو مصائب سے دوچار نہ ہونا پڑا ہو!" ——

ہم یہاں اس کا وہ حصّہ نقل کرتے ہیں، جو ہمارے موضوع سے متعلق ہے:

مالکؒ بن انسؒ بن ابی عامر بن الحرث ابن غیمان (نقطے والی غین کے ساتھ) ابوعبداللہ، الامام المدنی، جو ائمۂ اسلام میں سے ایک تھے۔ جعفر بن سلیمان بن علی، جو ابوجعفر منصور کا چچا زاد تھا، کے پاس حضرت امام مالکؒ کی چغلی کھائی گئی اور بدگوئی کی گئی۔ اس نے آپؒ کو بلا کر ننگا کیا اور ستر کوڑے برسائے۔ آپ کے بازو کھینچے گئے، یہاں تک کہ وہ اکھڑ گئے۔ اس مصیبت کا باعث آپؒ کا وہ فتویٰ تھا، جس میں آپ سے پوچھا گیا تھا کہ ہم نے ابوجعفر منصور کی بیعت کی ہوئی ہے، تو کیا اس صورت میں ہم محمد بن عبداللہ بن حسن کی بیعت کر سکتے ہیں؟ حضرت الامام نے فرمایا، تم سے ابوجعفر کی بیعت زبردستی لی گئی ہے۔ اور زبردستی جو حلف لیا جائے، وُہ شرعی طور پر حلف نہیں ہے۔ اس فتوے کا یہ اثر ہوا کہ لوگ محمد بن حسن کی طرف بھاگنے لگے۔ چنانچہ شکایت کی گئی، اور آپ کو عذاب میں مبتلا ہونا پڑا۔ اس کے بعد بھی آپ علو و رفعت کے مقام پر فائز رہے۔ گویا وہ کوڑے ایک زیور تھا، جو آپ نے پہنا۔ آپؒ کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔

ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت آپ مشہور کوفی فقیہ ہیں اور ان ائمہ سے ہیں، جن کے بہت سے لوگ پیروکار ہیں۔ یزید بن عمر بن ہبیرہ الفزاری، بنو امیہ کے آخری خلیفے مروان بن محمد کے عہد میں عراقین کا امیر تھا۔ اس نے آپ کے سامنے کوفہ کے عہدۂ قضاء کی پیش کش کی۔ آپؒ نے انکار فرما دیا۔ اس کے نتیجے میں دس کوڑے روزانہ کے حساب سے آپ پر ایک سو دس کوڑے برسائے گئے۔ پھر آپ کو لوگوں سے روک دیا گیا۔ آپ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ ایک قول کے مطابق آپ نے بغداد کی جیل میں ہی ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

امام احمدؒ بن محمد بن حنبل بن ہلال الشیبانی المروزی ثم البغدادی کے زمانے میں مامون رشید پر معتزلہ کی ایک جماعت حاوی ہو گئی اور انہوں نے اس کو خلقِ قرآن کے جھوٹے عقیدے کا قائل کر لیا۔ اب اس نے اس عقیدے کی اشاعت حکومتی ذرائع سے کرنے کے لیے طرسوس سے بغداد کے حاکم اسحٰق بن ابراہیم بن مصعب کو حکم لکھا کہ لوگوں کو خلقِ قرآن کے عقیدے کی دعوت دو۔ یہ پہلا فتنہ تھا، جو ۲۱۸ھ میں مامون کی آخری زندگی میں اس کی موت سے

چند ماہ پیشتر پیش آیا۔ جب یہ خط پہنچا تو اس نے علماء کی ایک جماعت کو اس عقیدے کی دعوت دی۔ انہوں نے نہ مانا اس پر اس نے مار پیٹ اور رزق بند کرنے کی دھمکی دی۔ ان میں سے اکثر نے مجبوراً مان لیا مگر امام احمد بن حنبلؒ، محمد بن نوح الجند سابوریؒ انکار پر ثابت قدم رہے۔ اس کی پاداش میں ان دونوں کو بیڑیاں پہنا کر ایک اونٹ پر سوار کر کے خلیفہ کے حکم کے مطابق اس کے پاس بھیج دیا۔ اسی دوران مامون مرگیا۔ اور معتصم خلیفہ بنا صورتِ حال سخت مخدوش تھی۔ وہ دونوں ایک کشتی میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ سوار کر کے بغداد بھیج دیئے گئے۔ محمد بن نوح تو راستے ہی میں راہیٔ ملکِ بقاء ہوئے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ تقریباً اٹھائیس ماہ بغداد میں قید رہے۔ پھر معتصم نے آپ کو بیڑیاں پہنا کر اپنے سامنے حاضر کیا اور بٹھایا آپ بیٹھ گئے اس نے آپ کو قرآن کے مخلوق ہونے کو مان لینے کی دعوت دی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سختی سے انکار کیا۔ آپؒ نے فرمایا تیرے چچا زاد بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات نہیں کہی۔ آپؐ نے "لا الٰہ الا اللہ" کی دعوت دی، میں بھی "لا الٰہ الا اللہ" کی گواہی دیتا ہوں اور اس بات کی بھی کہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا علم ہے جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کا علم مخلوق ہے، وہ کافر ہے۔ مجھے قائل کرنا چاہتے ہو تو کتاب اللہ یا سنّتِ رسول اللہ میں سے کوئی دلیل پیش کرو۔ آپؒ سے احمد بن ابی دواد وغیرہ نے مناظرہ بھی کیا آپؒ نے جو احادیث و آثار پیش فرماتے، انہوں نے ان کا انکار کیا۔ انہوں نے معتصم کو یہ کہہ کر اشتعال دلایا کہ یہ ہمیں اور آپ کو کافر بناتا ہے۔ اسحٰق بن ابراہیم نائب بغداد نے اس کو یہ کہہ کر بھڑکایا کہ اگر آپ نے اس کو چھوڑ دیا تو یہ سیاسی غلطی ہوگی، اور وہ دونوں خلیفوں پر غالب آ جائیگا۔ یہ سُن کر خلیفہ غضبناک ہوگیا۔ اس نے جلادوں اور کوڑوں کو منگوایا پھر آپ کو اتنا مارا گیا کہ آپؒ سخت زخمی ہونے کے بعد بے ہوش ہو گئے، اور آپ کو کسی بات کی خبر نہ رہی۔ پھر اس نے آپ کو رِہا کر دیا۔ آپ کے زخم اگرچہ ٹھیک ہو گئے، تاہم سردیوں میں آپؒ کے انگوٹھوں میں تکلیف ہو جایا کرتی تھی۔ یہ سزا آپ کو ۲۵ رمضان ۲۲۱ھ میں دی گئی اور آپؒ نے ۲۴۱ھ میں انتقال فرمایا۔

یوسف بن یحییٰ البویطیؒ

آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کسی مسئلے کے متعلق ان سے سوال کرتے تو وہ اس پر غور و فکر میں سال گزار دیتے جب جواب دیتے تو امام صاحب فرماتے، "انہوں نے بالکل درست جواب

دیا ہے" اور فرماتے "وہ میری زبان ہے" ان کو واثق باللہ کے دور میں مصر سے بغداد اس حالت میں لایا گیا کہ ان کے پاؤں میں بیڑیاں، گلے میں طوق۔ طوق اور بیڑیوں کے درمیان لوہے کی زنجیر تھی جس کا وزن اٹھارہ بیس کیلو ہوگا۔

حکومت نے آپ کو خلقِ قرآن کے مسئلہ میں اپنا ہم نوا بنانا چاہا، آپ نہ مانے۔ اسی وجہ سے آپ کو سزائیں دی جاتیں آپ جیل میں اپنی بیڑیوں اور زنجیروں میں ہی ۲۳۱ھ میں فوت ہوگئے۔

الامام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ

خالد بن احمد ذہلی نے آپؒ کی خدمت میں فرمائش کی کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں تاکہ آپ سے میری اولاد حدیث کا سماع کر سکے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انکار فرمایا۔ اتفاق سے انہی دنوں میں محمد بن یحییٰ ذہلی کا ایک خط نیشاپور سے آیا جس میں اس نے لکھا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ قرآنی الفاظ کی تلاوت کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں۔ محمد بن یحییٰ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اس موضوع پر مناظرہ بھی ہو چکا تھا۔ اور اس موضوع پر بخاریؒ نے ایک کتاب "خلق افعال العباد" لکھی ہے۔ امیرِ شہر نے کوشش کی کہ لوگ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں شریک نہ ہوں، مگر لوگ نہ مانے۔ اس نے اپنی ناکامی کے بعد آپ کو علاقہ بدر کرنے کا حکم دیا۔ آپؒ وہاں سے نکلے اور خالد بن احمد کو بد دعا دی، اس پر ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ ابنِ طاہر نے حکم دیا کہ اس کو گدھی پر سوار کر کے پھرایا جائے۔ اس کی حکومت چھن گئی اور بغداد کی جیل میں مر گیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ غصے کی حالت میں خرتنک شہر پہنچے اور وہیں ۲۵۶ھ میں وفات پائی۔ یہ واقعہ ابنِ کثیرؒ کے الفاظ میں ان کی تاریخ سے بیان کیا گیا ہے۔

احمد بن علی بن شعیب النسائیؒ

جن کی سنن میں تصنیف موجود ہے آپ اپنے زمانے کے امام تھے اور اپنے ساتھیوں میں آگے تھے۔ آپ مختلف ملکوں اور علاقوں میں تشریف لے گئے اور تجربہ کار لوگوں سے علم حاصل کیا۔ قدرے تشیع کی نسبت آپ کی طرف کی جاتی تھی۔ بیان کرتے ہیں جب آپ دمشق میں تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا، "اس کے فضائل کیا بیان کئے جائیں، اس کا برابر سرابر چھوٹ جانا غنیمت سمجھو"۔ لوگ آپ کے عیب نکالنے لگے، مارنے لگے یہاں تک کہ آپ کو جامع مسجد سے نکال دیا۔ آپ مکہ مکرمہ جاتے ہوئے رملہ

کے پاس سے گزرے، وہاں آپ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل پوچھے گئے۔ آپ خاموش رہے، انہوں نے آپ کو جامع مسجد میں مارا۔ آپ نے فرمایا "مجھے مکہ میں بھیج دو"۔ انہوں نے آپ کو زخمی، اور بیماری کی حالت میں مکہ کی طرف روانہ کر دیا۔ آپ ۳۰۳ھ میں مکہ مکرمہ میں شہید ہوئے۔

ابو عمر عیسیٰ الثقفی النحوی

آپ مشہور امام نحو سیبویہ کے استاد ہیں۔ آپ کتاب الجامع کے مصنف ہیں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سیبویہ نے اس کو لے کر اس میں خلیل نحوی سے کیا ہوا استفادہ شامل کر دیا اور اس کو اپنی طرف منسوب کیا۔ ایک شخص نے آپ کے پاس امانت رکھی یہ خبر کسی نہ کسی ذریعے سے عراقین کے گورنر یوسف بن عمر کو پہنچی اس نے بصرہ میں اپنے نائب کو حکم دیا کہ عیسیٰ بن عمر کو پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر اس کے پاس بھیج دے حاکم بصرہ نے آپ کو بلایا اور ایک لوہار کو بلا کر آپ کو بیڑیاں پہنائیں جب اس نے آپ کو بیڑیاں ڈالیں تو کہا "فکر نہ کیجئے، آپ کو امیر نے اپنے بیٹے کی تعلیم کے لئے بلایا ہے"۔ انہوں نے پوچھا "تو پھر ان بیڑیوں کا کیا مطلب ہے؟" جب امیر کے پاس پہنچے اس نے آپ سے اس امانت کے بارے میں پوچھا آپ نے بتانے سے انکار کیا۔ اس نے آپ کو کوڑے مارنے کا حکم دیا چنانچہ آپ کو کوڑے لگائے گئے۔ آپ نے ۱۴۹ھ میں وفات پائی۔ آپ غریب الفاظ کو بکثرت استعمال فرماتے اور بڑی گہری گفتگو کرتے۔ آپ ہی نے کہا تھا: "اِفْرَنْقِعُوْا عَنِّیْ ـــــ" یعنی: "میرے پاس سے چلے جاؤ"۔ ایک دن آپ نے ابو عمرو بن العلاء سے کہا: ـــــــــــ

"میں معد بن عدنان سے زیادہ فصیح ہوں"۔ ابو عمرو نے آپ سے ایک شعر کہنے کی فرمائش کی جس میں "بَدَا" ظَھَرَ کے معنی میں مستعمل ہو۔ اور پوچھا کہ بدا کو جماعت الاناث کی طرف کس طرح منسوب کرد گے کیا "بَدَیْنَ" کہو گے یا "بَدَانَ"؟ انہوں نے جواب دیا "بَدَیْنَ"۔ اس نے کہا آپ نے خطاء کی ہے۔ اگر آپ "بَدَانَ" بھی کہتے تو یہ خطاء ہوتی۔ اصل میں ابو عمرو کا ارادہ آپ کو ہر حالت میں غلط ٹھہرانا تھا "بَدَا یَبْدُوْ" سے "بَدَوْنَ" درست تھا جس کا معنیٰ "ظاہر" ہوتا ہے اور کسی چیز کا شروع ہونا بیان کرنا ہو تو "بَدَأَ یَبْدَأُ" استعمال کرتے ہیں چونکہ اس بات میں علمی فائدہ تھا اس لئے میں نے اس کو استطراداً بیان کر دیا ہے۔

مصائبؔ۔ بلندیٔ درجات کا سبب !

اب نبہانی سے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ یہ اکابرینِ امت اور بزرگ جو مصائب و آلام میں مبتلا ہوئے کیا وہ ان کے دین کی خرابی اور عقائد کی برائی کی وجہ سے تھا؟ ہرگز نہیں! بلکہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا اور اس سے ان کی بلندیٔ شان ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ان مصائب و شدائد میں مبتلا ہو کر صابر رہے اور بلند و بالا درجات پر سرفراز ہوتے جو صرف خواہشاتِ نفسی پر قابو پانے والوں کو ہی مل سکتے ہیں۔ یہ محال و دشوار ہے کہ راحت و آرام بغیر کسی محنت و مشقت کے حاصل ہو سکے۔ حدیث شریف میں ہے:

"حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ"

یعنی "جنت میں جانے کے لئے مصائب و آلام سے گزرنا پڑتا ہے، اور جہنم میں جانے کا راستہ خواہشاتِ نفس اور مزے ہیں۔"

عیش و عشرت کی زندگی اور اعلیٰ اور خوبصورت فرنیچر، شان و شکوہ کے سامان، اور دُنیا کو ہی پیشِ نظر رکھنا نبہانی اور اس جیسے دوسرے دنیاداروں کے ساتھ تو پوری مناسبت رکھتا ہے لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کی جماعت کے مجاہد لوگوں کے ساتھ ان چیزوں کو کوئی مناسبت نہیں!

؎ فی النفس اشياء لا استطيع اذكرها
لو قلتها قامت الدنيا على ساق

یعنی "دل میں بہت سی باتیں ہیں جن کے ذکر کی استطاعت میں اپنے اندر نہیں پاتا۔ اگر وہ باتیں کہہ دوں تو دنیا لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جائے۔"

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ جناب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے ساتھیوں کو جس طرح مصائب و شدائد برداشت کرنے پڑے اس سے تو ان کی علوِ منزلت، رفعتِ شان، صاحبِ عقل و فہم لوگوں کے سامنے کھل کر آجاتی ہے۔ مگر جاہل لوگ جب کسی کی نیکیوں کو غضب و حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، تو وہ ان کو برائیاں نظر آتی ہیں، اور ان کے قابلِ تعریف کام بھی قبیح نظر آنے لگتے ہیں:

؎ بليت به جهولا جاهليا
ثقيل الروح مذموما بغيضا

"مجھے اُجڈ اور بے وقوف، بے دین سے پالا پڑا ہے جو کند ذہن اور مذموم سخت دشمن ہے۔"

ولم يك اكثر الطلاب علما "وہ علم کو زیادہ حاصل کرنے والا نہیں، ہاں اس
ولكن كان اسرعهم نهوضا کو جلدی چھوڑ دینے والا ضرور ہے"!

نبہانی کا حال اور اس کا مبلغ علم موقعہ بموقعہ بیان کرنے کی طرف ہم توجہ مبذول رکھیں گے۔ جب مدِ مقابل اس طرف آئے گا ذہین گفتگو کے دوران ہماری وضاحت سے شرح صدر ہو جائیگا۔ ان شاء اللہ!

ساتویں بات

ساتویں ضروری بات یہ ہے کہ جو شخص نبہانی کے حال سے یعنی کہ وہ حقیقت کو کتنا سمجھتا ہے اور وہ کیا عقائد و آراء رکھتا ہے، سے آگاہ ہے، وہ اس کی غیر معقول اور فضول باتوں کی طرف کوئی التفات نہیں کرے گا جو اس نے اپنی کتاب "شواہد الحق"، وغیرہ میں بیان کی ہیں۔ یہ شخص ثقہ اور با اعتماد، سچے راویوں کے مطابق اجڈ، بے وقوف اور بیمار ذہن ہے جیسا کہ اس کی کتاب کا رد لکھنے کے دوران آپ کو معلوم ہو جائیگا جن داناؤں نے اس کو دیکھا اور پرکھا ہے، اس کے ساتھ ربط و ضبط رکھا ہے اور وہ اس کے حالات و کوائف اور اعمال سے خوب واقف ہیں، ان کے بیان کے ساتھ ساتھ اس کے جاہل اور سقیم الفہم ہونے کی بڑی اور صحیح دلیل خود اس کی کتاب ہے۔

پھر بھی ہم بعض داناؤں کی رائے اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں، تاکہ جو شخص اس کی شقاوت اور لاعلاج مرض سے محفوظ رہے، وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

فاضل علامہ سید بدر الدین الحلبی اپنی کتاب "الارشاد والتعلیم" میں "مقالات الامم" کے زیر عنوان رقم طراز ہیں:

"بعض لوگوں کی اسلام کے بارے میں قبیح باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہر وقت، ہر جگہ موجود ہیں کوئی وقت اور کوئی جگہ آپ سے خالی نہیں" یعنی آپ ہر وقت ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ یہ قابلِ مذمت بات کسی متکلم نے نہ پہلے کہی نہ بعد میں اور نہ ہی ہم نے اس کو عقائد کی کتابوں میں دیکھا ہے۔ یہ بات ہمارے وہم و گمان سے باہر تھی کہ کوئی شخص ایسی شنیع بات کر سکتا ہے۔ صرف شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی البیروتی نے جو دعاؤں اور نمازوں کی بہت سی کتابوں کے مؤلف ہیں، اپنی ایک منظوم کتاب "طیبۃ الغراء" میں اس کا ذکر برہان حلبی سے کیا ہے۔ یوسف نبہانی

نے بیان کیا کہ "اس کو اس موضوع پر برہان حلبی کے ایک رسالے کی اطلاع ملی تو اس نے اس کو تلاش کر کے مطالعہ کیا اور نفع پایا۔"

پھر فرماتے ہیں: "اس قابلِ نفرت مضمون میں نبی ﷺ کی شان میں غلو کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو جو مرتبہ عطا فرمایا ہے اس سے آپؐ کو بہت بڑھایا گیا ہے۔ بلاشبہ اس طرح نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ میں شریک بنانے کی جسارت کی گئی ہے جب بھی لوگ اس مقالہ شنیعہ کی اصلاح کے لیئے کوشش کرتے ہیں، تو انہیں اس قباحت سے نکلنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ حکم صرف اللہ کا ہے۔ اور ہر کام اسی کی توفیق سے ہو پاتا ہے۔"

"کاش مجھے علم ہوتا اس مقالے کے قائل نے کس دلیل کی بناء پر یہ بات کہی ہے کیا قرآن مجید کی آیت سے ثابت کیا ہے یا حدیثِ صحیح سے؟ اگر وہ یہ بات کہہ بھی دے تو بھی جھوٹ ہی ہو گا۔ اور اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کرے گا یا وہ دلیل پیش کی ہے، جو متکلمین، ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے پیش کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ جلّ شانہ پر زمان اور مکان حاوی نہیں ہے۔ اگر یہی بات حضور ﷺ کے متعلق کہی جاتے تو یہ عین، صریح شرک ہے۔ اس قسم کے غلط، باطل اور جھوٹے عقائد نام کے علماء عوام کے ذہنوں میں انڈیلتے رہتے ہیں اور عوام بغیر کسی دلیل کے ان کی اس بات کو مان کر ذہن نشین کر لیتے ہیں پھر ان کے دماغوں سے اس شرکیہ عقیدے کو کھرچ کر نکالنا محال ہو جاتا ہے۔ بلکہ جو شخص اس غلط اور شرکیہ عقیدے کا انکار کرے، اس کو کافر تک کہہ دیا جاتا ہے اور اس کو الحاد خیال کیا جاتا ہے۔ جاہل لوگ سمجھتے ہیں کہ اس عقیدے کا منکر، رسولِ کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔"

علامہ حلبی نے مزید فرمایا: "بعض نام نہاد علماء کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ "جمیع ما کان و ما یکون" (کائنات کی ایک ایک چیز) کے عالم ہیں۔ یہ عقیدہ بھی برائی اور خرابی میں پہلے عقیدے کے قریب قریب ہے، اور یہ عقیدہ رکھنے والے جو دلائل دیتے ہیں، ان کی بنیاد غلط اور فاسد مقدمات پر ہوتی ہے یہ دلوں میں نبیؐ کی تعریف میں مبالغہ آرائی کو ذہن نشین کرنا ہے حالانکہ تعریف میں حد سے تجاوز اور مبالغہ آمیزی سے خود حضورؐ نے منع فرما دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: "لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيسٰى ۔ الخ" یعنی میری تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرو جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں غلو کیا ہے۔"

—— اور جھوٹی اور من گھڑت احادیث جو ان تک پہنچیں، انہوں نے ان کو صحیح سمجھ لیا حالانکہ وہ

رسولِ اکرم ﷺ پر افترا ہیں۔ اس غلط عقیدے کے انکار کے لئے یہی دلیل بس ہے کہ اس پر قرآنِ مجید اور سنّتِ صحیحہ سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی سب کے نزدیک قطعی اور یقینی ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کو بعض معاملات ایسے پیش آتے تھے جن میں آپؐ وحی کے انتظار میں کوئی فیصلہ نہ فرماتے۔ مثلاً حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہؓ پر افک کا واقعہ! جو شخص دعویٰ کرے کہ قرآن وحدیث کے سرچشموں کے علاوہ بھی اس کے پاس معلومات کا کوئی اور ذریعہ ہے تو اس کے لئے بھی کوئی آیت یا حدیث پیش کرے۔ اس قسم کے مسائل کو ثابت کرنے کے لئے قرآن اور صحیح حدیث کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ یہ عقیدہ ہندوستان کے مسلمانوں میں بڑا معرکۃ الآرا رہا ہے اور اس کو اہلِ سنّت اور اہلِ بدعت کے درمیان معیار بنا لیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک جو شخص حضور ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ آپؐ "عالمِ جمیع ما کان و ما یکون" ہیں وہ مبینہ طور پر اہلِ سنّت ہے۔ اور جو اس کا انکار کرے اس کو اہلِ بدعت کہتے ہیں۔ علماءؒ نے اس موضوع پر بے شمار رسائل لکھے ہیں جن میں اس غلط عقیدے کے لئے بے کار سے دلائل دیئے ہیں اور اپنے مخالفوں کا رد کیا ہے۔"

پھر فرمایا "میں ۱۳۱۹ھ میں ہندوستان میں تھا مجھ سے مسئلہ پوچھا گیا مسئلہ پوچھنے والے کا مقصد کوئی دینی حکم معلوم کرنا نہ تھا وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ میرا عقیدہ کیا ہے، جس کو میں بلاشک حق سمجھتا اور جانتا ہوں۔ اور مسئلہ یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کو شرعی مصلحتوں کی بنا پر بہت سی پوشیدہ باتوں پر مطلع کر دیا گیا تھا، مگر آپؐ کو پوری کائنات کا علم نہیں دیا گیا۔ میں نے واضح کر دیا تھا کہ اس سے آپؐ کے مرتبے میں کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ اور آپؐ کا ادب یہ ہے کہ ایسی صفات سے ہم آپؐ کو متصف نہ کریں جن سے آپؐ نے خود کو متصف نہیں کیا اور ایسی بات آپؐ کیلئے ثابت نہ کریں جس کی آپؐ نے اپنے بارے میں خبر نہیں دی۔

سائل نے میری اس بات کا بُرا منایا اور جھگڑنے کے لئے جذبات کی رَو میں بہہ گیا۔ میں نے کہا "اچھا بتاؤ تمہارا یہ عقیدہ ہے، کہ حضورؐ کو تمہاری داڑھی کے سب بالوں کی تعداد کا علم تھا؟" تو اس نے کہا "نہیں!" میں نے کہا "تو کیا پھر تمہاری داڑھی کائنات کا حصہ نہیں ہے؟" وہ میدانِ مناظرہ میں ایک قدم اٹھائے بغیر راہِ فرار اختیار کر گیا۔ اس کے بعد اس ہندوستانی مولوی نے عوام میں اس بات کو خوب اچھالا کہ اس شخص کا عقیدہ خراب ہے اور پروپیگنڈا کیا کہ یہ شخص بے دین اور گستاخ ہے اور اسی طرح کی اور باتیں جو اس کے شیطان نے اور اس کے گندے نفس نے اسے سکھائی تھیں، کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میرے خلاف لوگوں

میں اشتعال پیدا کر دیا اور ان کے دلوں میں میری دشمنی اور کینے کے شعلے بھڑکا دیئے۔

اب اس حق کی بنا پر جس کو میں نے ان میں پھیلایا اور ان کی بدعات کے انکار کی بنا پر جس کی خرابی میں نے ان پر واضح کی تھی کہ بدعات دین میں سے نہیں ہیں، وہ میرے درپے آزار ہو گئے۔ مجھے ستانے کے لئے تیار ہو گئے"۔

اس سلسلے میں انہوں نے ایک واقعہ بھی بیان فرمایا جو ان کے ساتھ ہندوستان کی کسی جامع مسجد میں پیش آیا۔ پھر فرمایا "یہ علماء سوء کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے عوام کے دلوں میں خرافات، بدعتوں اور غلط عقائد کے بیج بو دیئے ہیں یہ باتیں کچھ اس طرح لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکی ہیں کہ دنیا میں امراضِ قلب کے ماہرین بھی ان کے شافی علاج میں دقت محسوس کرتے ہیں"۔

یہ تفصیل کا مقام نہیں ہے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس کتاب کی دوسری قسم یعنی قسم ارشاد کو جب بیان کریں گے تو وہاں تفصیل سے گفتگو کریں گے کیونکہ اس بات کا اس سے گہرا تعلق ہے! ــــ علامہ حلبی کی بات ختم ہوئی۔ ان کی اس بات سے بہت سے مسلمانوں کے دلوں کو شفاء ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ اس گفتگو سے مقصد تو نبہانی کے بارے میں کچھ بیان کرنا تھا، باقی باتیں محض دوسرے فوائد کی خاطر بیان کر دی گئی ہیں۔

نبہانی نے اپنا یہ عقیدہ، اتحاد و حلول کا عقیدہ رکھنے والے ملحدین سے اخذ کیا ہے۔ عبدالکریم جیلی کہتا ہے کہ: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" میں "هُوَ" کا مرجع "قُلْ" میں مستتر ضمیر "اَنْتَ" ہے۔ اور اس سے مراد انسانِ کامل ہے یعنی رسولِ اکرم ﷺ! اس بے بنیاد اور غلط بات کا ماخذ محی الدین کا یہ قول ہے: "سُبْحَانَ مَنْ اَظْهَرَ الْاَشْيَاءَ وَهُوَ عَيْنُهَا" یعنی "پاک ہے وہ ذات جس نے اشیاء کو ظہور کا لباس پہنایا جب کہ اشیاء اور اس کی ذات ایک ہی ہے"۔ جیلی نے یہ بھی کہا "عیسائی حلول کی بناء پر کافر قرار نہیں دیے گئے بلکہ ان کے کفر کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے عام اشیاء کو چھوڑ کر صرف مسیح علیہ السلام میں ہی حلول کو خاص کیا۔ اگر وہ خدا کے حلول کو ہر چیز میں تسلیم کر لیتے تو وہ کافر نہ ہوتے"۔ حالانکہ یہ ایسی گستاخی اور بے ادبی ہے جس کو سن کر مومنوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نبہانی نے جو برہان حلبی سے یہ نقل کیا ہے کہ "نبی کریم ﷺ سے کوئی زمانہ اور جگہ

خالی نہیں"۔ یہ بھی اس غلط عقیدے کی شاخ ہے۔ لوگ اس مقام پر اس قدر غلو کرتے ہیں کہ پابندِ شرع لوگ اس کو کسی حالت میں بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ان کی ایک بات یہ ہے کہ "آپؐ کے ظہور کے بعد پہلی شریعتیں ہی آپؐ کی شریعت بن گئیں اور پہلے انبیاء علیہم السلام تبلیغِ دین میں آپؐ کے نائب تھے"۔ نیز "پہلی شریعتوں میں بعض احکام کے نسخ کی حیثیت اسی طرح ہے جس طرح آپؐ کی شریعت میں نسخ ہوا ہے"۔ اسی بات کو ان کے شاعر نے کہا ہے ؎

کلّ النّبیین والرّسل الکرام اتوا	"سب نبی اور معزز رسول آپؐ کی دعوت کی
نیابۃ عنہ فی تبلیغ دعواہ	تبلیغ میں آپؐ کے نائب بن کر آئے تھے"۔
فھو الرسول الی کلّ الخلائق فی	"درحقیقت آپؐ ہی ساری دنیا کے لئے سب
کل الدّھور ونابت عنہ افواہ	زمانوں میں رسول ہیں۔ دوسرے لوگ آپؐ کی
	ہی باتیں پہنچاتے رہے"۔

ابن فارض نے "حقیقتِ محمدیہ" کی زبان میں کہا ہے ؎

وانّی وان کنت ابن اٰدم صورۃ	یعنی اگرچہ میں دیکھنے میں آدم علیہ السلام کا بیٹا ہوں میرے
فلی فیہ معنیٰ شاھد با بوتی	لئے اس میں ایک ایسا معنیٰ ہے جو میرے باپ ہونے کا گواہ ہے"۔

ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ "انہوں نے آپؐ کی وفات کے بعد خواب میں آپؐ کی زیارت کی اور آپؐ سے احکام لئے"۔ بہت سوں نے یہی دعویٰ کیا ہے۔ بعض بے باک یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ "ہم نے بیداری کی حالت میں آپؐ سے شریعت سیکھی ہے"۔ شیخ سراج الدین بن الملقن نے "طبقاتِ اولیاء" میں خلیفہ بن موسیٰ کے ترجمہ میں کہا ہے کہ "وہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت بیداری اور خواب میں بکثرت کیا کرتے تھے۔ آپؐ کو انہوں نے ایک رات میں سترہ بار دیکھا۔ اور کہا "اے خلیفہ! میری طرف سے تنگ دل نہ ہونا، بہت سے اولیاء تو میری زیارت کی حسرت ہی لے کر مر گئے"۔ شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے "لطائف المنن" میں لکھا ہے: "ایک شخص نے شیخ ابوالعباس المرسی کی خدمت میں عرض کیا کہ "جناب! آپ اپنے ہاتھ سے مجھ سے مصافحہ کیجئے آپ نے تو بہت سے لوگوں اور علاقوں کو دیکھا ہے" تو انہوں نے جواب دیا "میں نے اپنے اس ہاتھ سے سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کے ساتھ مصافحہ نہیں کیا"۔ اور یہ بھی کہا "اگر رسول اللہ ﷺ ایک لمحے کے

لئے مجھ سے پردہ فرمالیں تومیں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہیں کروں گا۔"

مختلف کتابوں میں اس طرح کی بہت سی بے سروپا اور بے ثبوت باتیں موجود ہیں، چنانچہ جلال الدین سیوطی نے "تنویر الحلک" میں "رسولِ کریم ﷺ کی بیداری کی حالت میں رؤیت" کے منکرین کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے: "جو کچھ اس سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے، اس پر کوئی دلیل نہیں" آگے چل کر لکھا ہے "سلف وخلف میں سے بہت سے لوگوں نے آپؐ کو روشن دن میں دیکھا اور ملاقات کے دوران بہت سی باتیں جن میں ان کو تشویش تھی، آپؐ سے پوچھیں۔ آپؐ نے ان کو تشویش دُور ہونے کی خوشخبری دی اور وہ طریقہ بھی بتلا دیا جس سے تشویش اور غم دور ہو سکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا تو واقعی بغیر کسی کمی زیادتی کے ویسا ہی ہوا، جیسا ان کو کہا گیا تھا۔"

کاش مجھے کوئی بتاتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی قرآنی آیت پیش کرتا، تو وہ کیوں اس سے دو گواہ طلب فرماتے تاکہ آیت کے قرآن سے ہونے کی گواہی دیں؟ آپؓ نے رسولِ کریم ﷺ کو بیداری کی حالت میں دیکھ کر کیوں نہ آیت کے بارے میں پوچھ لیا؟ جو کچھ بیان کیا گیا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوسرے مذکور لوگوں سے اس فضیلت کے زیادہ حقدار تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان کئی اختلافات پیدا ہوتے، ان میں سے تو کسی نے رسولِ کریم ﷺ کو نہیں دیکھا اور کسی نے آپؐ سے پوچھ کر اپنا اشکال رفع نہیں کرایا؟ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیفات میں حاطبِ لیل تھے، رطب ویابس سمیٹ لیتے تھے، جو کچھ انہوں نے اپنی اس کتاب میں بیان کیا ہے، وہ اعتماد کے لائق نہیں جیسا کہ آپ کو آئندہ معلوم ہوگا۔

پھر "رسولِ کریم ﷺ کی بیداری میں رؤیت" کے بزعمِ خود قائلین کہتے ہیں کہ "پہلے رؤیت قلبی کثرت سے ہوتی ہے، پھر ترقی کرتے کرتے رؤیتِ بصری کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔" پھر اس میں مختلف ہیں کہ "جو رؤیت حاصل ہوتی ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟" بعض کہتے ہیں، "وہ رسولِ کریم ﷺ کا جسم وروح ہوتا ہے۔" بعض کہتے ہیں "وہ آپؐ کا مثالی جسم ہوتا ہے۔" امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کی تصریح کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: "یہ مراد نہیں کہ زائر آپؐ کے اصل جسم وروح کو دیکھتا ہے، بلکہ وہ آپؐ کا مثالی جسم وروح ہوتا ہے۔ یہ مثالی جسم آلہ ہے، جس سے وہ مفاد حاصل ہوتا ہے، جو آپؐ کے نفس شریف میں ہے۔" پھر فرمایا "آلہ بھی کبھی حقیقی ہوتا ہے، اور کبھی خیالی جبکہ نفسِ

خیالی مثال نہیں ہوتا جو شکل اس نے دیکھی ہوتی ہے' وہ نہ تو مصطفےٰ ﷺ کا جسم مبارک ہوتا ہے' نہ آپؐ کی روح مبارک' بلکہ دراصل وہ آپؐ کی مثال ہوتی ہے۔

ابوبکر بن العربی نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ "نبی کریم ﷺ کی صفتِ معلومہ کے ساتھ رؤیت' درحقیقت قوتِ مدرکہ کا ادراک ہوتا ہے اور آپؐ کی صفتِ (شکل) کے سوا کسی اور طریقے پر رؤیت' آپؐ کی مثال کو قوتِ مدرکہ سے سمجھنا ہے"۔ سیوطی نے بھی اس کو مستحسن قرار دیا ہے۔ انہوں نے بہت سی احادیث و آثار کو بیان کرکے لکھا ہے "اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے جسم و روح کے ساتھ اسی حالت میں زندہ ہیں' جو آپؐ کی وفات سے پہلے تھی۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ آپؐ تصرف فرماتے ہیں۔ زمین میں یا آسمان میں' جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں۔ آپؐ لوگوں کی نگاہوں سے اسی طرح اوجھل ہیں جس طرح فرشتے اوجھل ہیں حالانکہ وہ جسموں کے ساتھ زندہ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو آپؐ کی زیارت سے مشرف فرمانا چاہے تو حجاب اٹھا دیتا ہے اور وہ آپؐ کو اسی ہیئت میں دیکھتا ہے جس پر آپؐ تھے۔ اس میں کوئی مانع نہیں۔ رؤیتِ مثال کی تخصیص کا کوئی سبب نہیں"۔ باقی انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی اس کا یہی مذہب ہے کہ "وہ زندہ ہیں۔ موت کے بعد ان کی ارواح ان کی طرف لوٹا دی گئی ہیں اور ان کو اپنی قبروں سے نکلنے اور عالمِ ملکوت' علوی و سفلی' میں تصرف کرنے کی اجازت ہے"۔ اس نے اس سلسلے میں بہت سی اخبار بطورِ شہادت پیش کی ہیں' جن کی کوئی اصل نہیں۔ کائنات میں متصرف صرف اللہ "وحدہٗ لاشریک لہٗ" کی ذاتِ مقدس ہے اور بس!

ہم ان شاء اللہ عنقریب اس مسئلے کو بادلائل بیان کریں گے۔ اس کے بطلان کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہی کافی ہے:

"اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى[۱] ۔ الآیۃ!"

"اللہ انکے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں' ان کی روحیں سوتے میں قبض کر لیتا ہے پھر جن کی موت کا فیصلہ کر چکتا ہے' اس کو روک لیتا ہے اور باقی روحوں

---

[۱] الزمر: ۴۲

کو مقررہ وقت تک چھوڑ دیتا ہے۔"

——— جس کی موت کا فیصلہ ہو چکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو روک لیتا ہے تو اب اس کو تصرف کی قدرت کہاں ہے؟ اور کسی کیلئے کیسے ممکن ہے کہ اس کو دیکھ سکے؟

اس سے زیادہ تعجب کی بات وہ ہے جس کو شیخ صفی الدین ابن ابی المنصور نے اور شیخ عبدالغفار نے، شیخ ابوالعباس طنجی سے نقل کیا ہے کہ "اس نے دیکھا آسمان، زمین، عرش اور کرسی پر رسولِ کریم ﷺ چھائے ہوئے ہیں" یوں بزعم خود اس طرح اس مسئلے کو حل کیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو مختلف علاقوں اور ملکوں میں بہت سے لوگ ایک ہی وقت میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس طرح بعض لوگوں نے اس مسئلہ کی طرف جو اشارہ کیا ہے اس کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ جب اس سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو اس نے شعر کہا ؎

کالشمس فی کبد السماء وضوءھا	"یعنی آپؐ اسی طرح ہیں جس طرح آسمان پر سورج
یغشی البلاد مشارقا و مغاربا	اور اس کی روشنی ہوتی ہے اور اس سے مشرق و مغرب کے شہر منوّر ہو جاتے ہیں۔"

اے اللہ، ہم تیری پناہ چاہتے ہیں کہ ایسی بات کہیں، جو تجھے پسند نہیں، ہمیں ٹیڑھی راہ چلنے، پھسلنے اور شبہ میں پڑنے سے بچا!

مقصد یہ ہے کہ نبہانی کا قول، جو سیّد بدرالدین حلبی کے بیان میں گزر چکا ہے، اور اسی طرح کے دوسرے لوگوں کے اقوال کا منبع ایک ہی وادی ہے یعنی اتحاد و حلول کا عقیدہ یہیں سے یہ سب مسائل نکالے گئے ہیں۔ اگرچہ وہ لوگ بات گول مول کرتے ہیں لیکن جیساکہ مثل مشہور ہے: "رُبَّ کنایۃ ابلغ من تصریح" "بہت سے اشارے تصریح سے بھی زیادہ وضاحت کرتے ہیں" ہر مسلمان کو ایسی بے بنیاد باتوں سے بچ کر کتاب و سنّت اور صحابہؓ و تابعینؒ کی راہ اختیار کرنی چاہیئے ؎

فخیر امور الدین ماکان سنۃ	"یعنی سنّت دین کا بہترین کام ہے اور بدعات و
وشر الامور المحدثات البدائع	محدثات بدترین کام ہیں۔"

نبہانی کا عقائد میں یہ حال ہے، تو علومِ نقلیہ و عقلیہ میں اس کی جہالت خود آشکارا ہے، بتلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیساکہ آئندہ معلوم ہوگا۔ ان شاء اللہ! اب اس کے حالات، اور اس

کے افعال و اعمال کا جائزہ لینا باقی ہے۔ مجھے اس کے اصل معاملے کا تو پتہ نہیں چل سکا تاہم اس کی شائع شدہ کتابیں ہمارے سامنے اس کا اچھا اور بُرا دونوں پہلو واضح کرتی ہیں۔ میں نے بعض فاضل احباب سے جن کے ساتھ اس کا ربط و ضبط رہا اور وہ اس کے فصول و ابواب کو پہچانتے ہیں، پوچھا تو انہوں نے ایک طویل تحریر کے ذریعے میرے سامنے اس کی زندگی کے ظاہر، مخفی دونوں پہلو کھول دیئے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ نبہانی نے اپنی عمر کا نصف حصّہ تو انتظامی اور قانونی محکموں میں گزارا۔ نیز ان قوانین کی تفصیل بیان کی ہے کہ وہ کس طرح دینی اصولوں کے ساتھ ٹکراتے ہیں یہ بھی لکھا کہ نبہانی بیت المقدس میں محکمہ فوجداری کا سالہا سال تک سربراہ رہا پھر اس منصب کی حقیقت بیان کر کے بتایا کہ اس کا انچارج کس طرح من مانی کارروائیاں کرتا ہے۔ پھر بتایا کہ وہ بیروت میں محکمہ البدایہ کا رئیس بنا پھر اس کے فرائض اور ذمہ داریوں اور تانے بانے کو بیان کیا۔ پھر کہا: "وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ" کہ کمزور ترین گھر عنکبوت کا گھر ہے!

میں کہتا ہوں، اگر یہ باتیں اس پر صادق آتی ہیں، تو پھر وہ جہالت و ضلالت کے جنگلوں میں بھٹکا ہوا مسافر ہے۔ سرورِ وُلدِ آدم کے ساتھ محبت تو رہی ایک طرف اس کا تو دعویٰ ایمان ہی محلِ نظر ہے۔ وہ آپؐ کی راہنمائی اور سُنّت سے منہ پھیر کر بدعمل انسان ہے کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھا:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○[۱]

"اور جو اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کرے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔"
"اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کرے تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں۔"
"اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ ہی فاسق ہیں۔"

ہم ان شاء اللہ، آئندہ اس مسئلے کو تفصیل سے بیان کریں گے جس سے شرح صدر حاصل ہو گا۔ پھر انہوں نے اس کے کچھ حالات کا تفصیل سے تذکرہ کیا۔ یوسف نبہانی بے چارے نے یہ سمجھ کر کہ فضا

---

[۱] سورۃ المائدۃ: ۴۴، ۴۵، ۴۷

خالی ہے نعرہ لگایا ایسے جید علماء کے منہ آیا جن کا اس نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور اپنے بیان کو "دلائل الحق" کا نام دے کر اس کے ساتھ حملہ آور ہوا ــــ ادھر ادھر گھوما جو دل میں آیا کہتا رہا ؎

واذا ما خلا الجبان بارض	"جب بزدل کسی میدان میں تنہا ہوتا ہے، تو
طلب الطعن وحده والنزالا	نیزہ بازی اور مقابلے کا چیلنج دیتا پھرتا ہے"

ایسے لوگوں کی ساری کارکردگی ان کی جہالت، غباوت اور حماقت کی دلیل ہوتی ہے اور اس شعر کی مصداق کہ ؎

لو ان خفة عقله فی رجله	"اگر اس کی حماقت اس کے پاؤں میں ہو تو وہ ہرن
سبق الغزال ولم یفته الارنب	سے آگے نکل جائے، اور خرگوش اس سے بچنے نہ پائے"

اگر ایسے لوگوں کو دھتکارنے سے ہمیں اپنا اخلاقی معیار نہ روکتا اور اس قماش کے لوگوں سے بات کرنے سے ہمیں نفرت نہ ہوتی تو ہم اس کو بتا دیتے کہ وہ کیا ذاتِ شریف ہے؟ اور اس کے سامنے اس کی قدر و قیمت رکھ دیتے لیکن ایسے لوگوں سے نہ تو خطاب مناسب ہے اور نہ عتاب۔ بکواس اور بدگوئی میں مقابلہ کرنا، جیتنے کے باوجود شکست سے بدتر ہے۔ اس کا ذکر کرنا حیوان سے باتیں کرنے کے برابر ہے ؎

اذا ما اتیت الامر من غیر بابہ	یعنی "اگر تو کوئی کام غلط طریقے پر کرے گا تو بھٹک
ضللت وان تقصد الی الباب تھتد	جائے گا۔ اور درست طریقے سے کرے گا تو منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گا"

نبہانی کے حالات کا سرسری جائزہ لینے سے مقصد یہ بتانا ہے کہ اہلِ حق سے جو کوئی مخاصمت کرتا ہے اس کا ڈھنگ اور طرز بھی ایک ہوتی ہے۔ وہ سب کے سب باطل اور گمراہی پر پورے پورے متفق ہوتے ہیں جو کچھ انہوں نے ملمع سازی کی اور جھوٹ بنایا ہے اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے وہ اہلِ علم و کمال لوگ نہیں ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال!

آٹھویں بات

مناظرہ کرنے والوں کے درمیان ایسے مسلّمہ اصول و امور کا ہونا لازمی ہے، جن سے حق کے ہر مدعی مناظر کی بات پرکھی جا سکے ورنہ مناظرہ بے نتیجہ

رہے گا۔ امام علامہ شیخ عبد العزیزؒ نے فرمایا "ہر دو مناظرہ کرنے والوں کے درمیان مسلّمہ اصولوں کا طے ہو جانا ضروری ہے تاکہ فروعات میں اختلاف کے وقت، اِن اصولوں کے مطابق حق کا فیصلہ کیا جا سکے۔ اگر اصول طے کئے بغیر مناظرہ کیا جائے تو وہ ایسے ہی ہے، جیسے کوئی منزلِ مقصود متعین کئے بغیر ہی سفر پر روانہ ہو جائے اس کو نہ تو صحیح راہ کا علم ہوگا اور نہ ہی منزلِ مقصود کا۔ نہ اِس کا پتہ کہ کہاں سے آیا ہے تاکہ وہ واپس جا سکے —— وہ چل تو رہا ہوتا ہے، مگر بھٹک کر!

لہٰذا ہم اپنے درمیان ایک اصول مقرر کرتے ہیں، تاکہ جب کسی جگہ فروع میں اختلاف پیدا ہو تو ہم اسی اصول کی طرف لوٹ آئیں۔ اگر وہ اصول کے مطابق ہو تو قبول کریں، ورنہ اس کو پھینک دیں۔ اور اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ میرے اور میرے مقابل کے درمیان، اصل مسلّم وہ ہے کہ جس کا اختلاف اور تنازع کے وقت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، اور اس کو ہمارے لئے پسند فرمایا۔ ہمیں اس کی تعلیم دی اور ادب سکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے اختلاف اور تنازع کے موقعہ پر ہمیں دوسروں کے، یا خود اپنے حوالے نہیں کیا یا ہماری رائے اور پسند پر نہیں چھوڑا، جس کی وجہ سے ہم عاجز آسکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اصُول بیان فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ [1]

"مومنو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی فرماں برداری کرو اور ان کی، جو تم میں سے صاحبِ حکم ہیں۔ اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو جائے، تو اگر تم اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہؐ اور رسولؐ کے حکم کی طرف رجوع کرو۔ یہ بات بہت اچھی ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔"

شیخؒ نے کہا "یہ اللہ تعالیٰ نے باہم اختلاف کرنے والوں کو تعلیم دی اور ادب سکھایا، اور اپنے مومن بندوں کے لئے اس کو پسند فرمایا۔" پھر کہا "میرے اور بشر کے درمیان تنازع پیدا ہوا اور ہمارے درمیان اللہ کی کتاب اور اس کے نبی محمد ﷺ کی سنّت ہے۔ اختلاف کے وقت اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ

---

[1] سورۃ النساء : ۵۹

کی طرف لوٹنے کا حکم دیا ہے اگر اس میں اس کا حل موجود ہو تو بہتر ورنہ اس کے نبی ﷺ کی سنّت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے اگر اس سے فیصلہ ہوتا ہے تو فبہا ورنہ اس کو دیوار پہ ٹیخ دیں گے اور اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے" پھر انہوں نے خلیفہ عباسی کے دربار میں بشر کے ساتھ اپنے مناظرے کی روداد بیان کی۔

امام علامہ شیخ عبداللطیفؒ نے اپنی کسی کتاب میں لکھّا ہے : "یہ بات خوب سمجھنے کی ہے کہ مسلمانوں کے عقائد اور دین کے اصول وفروع میں اعتماد اور بھروسے کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنّت اور اُمت کے علماء سلف کا اجماع ہے۔ اصولِ دین اور شہادت "لا الٰہ الّا اللہ" اور شہادت " محمدٌ رسول اللہ" میں تقلید کسی طور مفید نہیں ہے۔ اگرچہ جس کی تقلید کی جائے، وہ عالم فاضل ہی کیوں نہ ہو!"

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں، "اس مسئلے میں اور دوسرے مسائل میں جن کا تعلق دین کے اصول وفروع سے ہے، قابلِ اعتماد اصل وہ ہے جس کو کتاب وسنّت نے بیان کیا ہے! اور جس پر اُمت کے علماء کا اجماع ہے بالاتفاق یہی شرعی دلائل ہیں۔ قیاس کے شرعی دلیل ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور کچھ شروط کے ساتھ اس کو قبول کرتے ہیں۔ دین کے اہلِ علم چاہے کتنے بلند درجے کے بزرگ ہوں انکے انفرادی کلام پہ بھروسہ نہیں کیا جائے گا۔ دین کے اہلِ علم حضرات میں سے کسی کے قول کو چاہے وہ کتنا بڑا کیوں نہ ہو، مقابلہ میں پیش کرنا درست نہیں اور اس سے قرآن و حدیث کی دلیل کو بے وزن نہیں کیا جاسکتا۔"

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: "مسلمانوں کے نزدیک دین کے اصولی اور فروعی مسائل میں کتاب اللہ اور سنّتِ رسوؐل ﷺ اور اہلِ علم کا اجماع اعتماد کے لائق ہے۔ اہلِ علم کے اقوال کو بالتبع یا وضاحت کے لئے بیان کیا جاسکتا ہے، وہ اصل اور بنیاد کے طور پہ مقصود بالذات نہیں ہوں گے۔ اور ان مسائل میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے جن کو مجتہد دوسروں کے لئے لازم نہیں کرتے۔ اور وہ کتاب اللہ، سنتِ رسوؐل اللہ اور اجماعِ امت کے مخالف بھی نہیں ہوتے۔ اور جو مخالف ہوں، قائل کی غلطی شمار ہوں، وہ مردود ہو جائیں گے۔ اہلِ علم اس مسئلے کو کتاب وسنّت کی نصوص اور اجماعِ امت سے لازم قرار دیتے ہیں۔ امام الہجرت حضرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "ہر شخص

دوسروں کی بات کو رد کرسکتا ہے' اور خود اس کی بات کو بھی رد کیا جاسکتا ہے' مگر اس قبر والے یعنی رسول اللہ ﷺ کی بات کو ہر حال میں قبول کیا جائے گا۔"

اس سے بھی زیادہ بہتر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

" فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ "

"اگر تمہارا کسی بات میں تنازع ہو جائے تو اس کو فیصلے کے لئے اللہ و رسول کی طرف لوٹا دو۔"

اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

" لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِي فَيَقُولُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللَّهِ أَلَا وَإِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ "

"کوئی شخص' جب اس کے پاس میرا کوئی حکم آئے' اپنی مسند پر تکیہ لگائے' بے نیازی سے یوں نہ کہہ دے کہ "ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ بس ہے" یعنی یہ کہہ کر میرے حکم کا انکار نہ کر دے" سنو، مجھے کتاب اللہ کے ساتھ اس کی مثل اور چیز یعنی سنت بھی دی گئی ہے۔"

جب سنت کو رد کرنا ناجائز اور حرام ہے' چاہے رد کرنے والا سمجھے کہ یہ قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے' تو کتاب و سنت اور ان کی اہمیت کو کسی انسان کے قول کی بنا پر کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی معرفت' اور اس کی توحید کا ثبوت' اللہ "وحدہٗ لا شریک لہٗ" کے لئے اپنے چہرے کو فرماں بردار بنانا' اور اس کی ربوبیت کے مسائل' اللہ تعالیٰ کا صفات خلق و ایجاد و تدبیر کے ساتھ مخصوص و منفرد ہونا' اور اسی طرح دین اسلام کے دوسرے ضروری مسائل مثلاً اس کی صمدیت۔ ہمسر، بیوی اور اولاد کی نفی۔ اور اس کا بالذات غنی ہونا' اور اس کا اپنی مخلوقات سے جدا ہونا' اس کی قدرت کی ہمہ گیری' اس کے سمع و بصر کا حاوی ہونا' اور سب معلومات و مبصرات اور مسموعات کا علم رکھنا' اور اسی طرح دین کے دوسرے اصولوں پر سب شریعتیں متفق ہیں' سب کتابیں اس کی داعی ہیں عقل سلیم اسی کا فیصلہ کرتی ہے' اب جو اجتہاد اس کے خلاف ہوگا' وہ مردود و متروک ہوگا۔ اس پر عمل کرنا کسی شریعت میں بھی جائز نہیں' نہ کسی عالم اور فقیہ کے نزدیک اس کی کسی درجہ میں کوئی اہمیت ہے۔"

پھر کہا شمس الدین نے اپنے ہدایہ میں فرمایا ہے اوّل سے آخر تک سب نبوتیں مندرجہ ذیل اصولوں پر متفق ہیں:

① اللہ تعالیٰ قدیم اور ایک ہے وہ اپنی بادشاہت میں لاشریک ہے۔ وہ بے مثل ہے اور اس کی نظیر کوئی نہیں۔ نہ اس کا کوئی وزیر ہے نہ مشیر و معاون ہے اور نہ کوئی اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور سفارش کر سکتا ہے۔

② اس کا کوئی باپ نہیں اور نہ بیٹا ہے نہ کوئی اس کا کسی بھی وجہ سے کوئی رشتہ دار ہے یعنی اس کا کوئی خاندان نہیں اور نہ اس کی بیوی ہے اور نہ کوئی ہمسر۔

③ وہ بذاتِ خود غنی ہے۔ وہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور وہ اپنی مخلوق کی طرح کسی چیز کی طرف کسی قسم کی بھی محتاجی نہیں رکھتا۔

④ اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا نہ اس کو بڑھاپا، بیماری، اونگھ، نیند، نسیان، پشیمانی خوف، غم و فکر وغیرہ آفات —— لاحق ہوتی ہیں۔

⑤ مخلوقات میں اس کی مثل کوئی چیز نہیں بلکہ کوئی چیز اس جیسی نہیں ہے نہ اس کی ذات میں نہ اس کی صفات اور افعال میں۔

⑥ نہ وہ اپنی مخلوقات میں سے کسی میں حلول کرتا ہے اور نہ کوئی اس میں حلول کرتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی ذات کے ساتھ اپنی مخلوق سے جدا ہے اور اس کی مخلوق اس سے الگ ہے۔

⑦ وہ ہر چیز سے عظیم تر ہے اور ہر چیز سے بہت بڑا ہے وہ ہر چیز کے اوپر ہے وہ ہر چیز سے بلند تر ہے اور اس کے اوپر ہرگز کوئی چیز نہیں ہے۔

⑧ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے وہ جس چیز کا ارادہ کرے اس سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔

⑨ وہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ وہ پوشیدہ کو اور پوشیدہ ترین چیز کو خوب جانتا ہے۔ وہ عالمِ "ما کان و مایکون و مالم یکن" ہے یعنی وہ کائنات میں ہر زمانے ماضی و مستقبل و حال میں نفیاً و اثباتاً ہر چیز کو جانتا ہے اگر وہ چیز ہوتی تو کیسے ہوتی اور اگر ہو گی تو کیسے یعنی اس کے پورے حالات کو جانتا ہے۔ ہر پتہ جو گرتا ہے اور ہر دانہ جو زمین کے اندھیروں میں ہوتا ہے

اور ہر خشک و تر چیز، ہر متحرک و ساکن کو وہ اس کی حقیقت کے ساتھ خوب خوب جانتا ہے۔

(۱۰) وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ وہ مختلف زبانوں میں اور مختلف حاجتوں کے لئے مخلوقات کی چیخ و پکار کو سنتا ہے۔ سیاہ رات میں صاف پتھر پر سیاہ چیونٹی کو دیکھتا ہے اور اس کے پاؤں کی آہٹ کو سنتا ہے۔ اس کی سماعت سب آوازوں پر حاوی ہے اور اس کی نظر سب اشیاء کو دیکھتی ہے۔ سب معلومات اس کے علم اور سب چیزیں اس کی قدرت میں ہیں۔ کائنات میں اس کی مشیت نافذ ہے۔ اور اس کی رحمت سب مخلوقات پر عام ہے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر وسیع ہے۔

(۱۱) وہ ہمیشہ حاضر ہے، کبھی غائب نہیں ہوتا۔ اور کسی کو اپنی حکومت میں جانشین نہیں بناتا۔ وہ کسی کا محتاج نہیں، جو اس کے حضور اس کے بندوں کی حاجتیں پیش کرے، یا اس کی مدد کرے، یا لوگوں کے لئے اس سے مہربانی طلب کرے، یا مہربانی کرنے کی التجا کرے۔

(۱۲) وہ ابدی و باقی رہنے والی ذات ہے۔ نہ کمزور اور سست ہوتا ہے اور نہ نیست۔ نہ وہ معدوم ہوتا ہے اور نہ اسے موت آئیگی۔

(۱۳) وہ بات کرتا ہے اور اس سے بات کی جاسکتی ہے۔ وہ حکم دینے والا اور روکنے والا ہے۔ حق کہنے والا، سیدھی راہ دکھانے والا، رسولوں کو بھیجنے والا، کتابوں کو اتارنے والا ہے۔ وہ ہر جان پر نیکی بدی کرنے کے وقت نگہبان ہے۔ نیکوکار کو اس کی نیکی کا بدلہ اور بُرے کو اس کی برائی کی سزا دینے والا ہے۔

(۱۴) اس کی خبریں اور وعدے سب سچے ہیں۔ کوئی اللہ سے بڑھ کر گفتگو یا بات میں سچا نہیں ہے۔ اور نہ وہ وعدہ خلافی کرتا ہے۔

(۱۵) وہ سرداری کے سب معانی اور مکمل حیثیتوں اور کل خوبیوں کے ساتھ سردار ہے۔ اس کی سرداری کی مخالف ہر چیز اس پر محال و ناممکن ہے۔

(۱۶) وہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ وہ ہر کمزوری اور خرابی سے سلامتی والا ہے، وہ ہر آفت سے محفوظ ہے۔

(۱۷) وہ کامل مطلق ہے، اور اس کا کمال ہر لحاظ سے اور "من کل الوجوہ" ہے۔

(۱۸) وہ عادل ہے ظلم و زیادتی نہیں کرتا اور نہ وہ اپنے بندوں کو اپنے ظلم کی وجہ سے ہراساں کرتا ہے۔

ان عقائد و حقائق پر سب آسمانی کتابیں اور رسول متفق ہیں اور یہ وہ پختہ عقائد ہیں جن کے خلاف کوئی بات شرعی نہیں ہوسکتی۔ نہ ہی شریعت اس کے خلاف خبر دیتی ہے۔

تثلیث کا عقیدہ رکھنے والے اور صلیب کے پرستار یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر متشابہ مطالب و معانی اور مجمل الفاظ اور ان لوگوں کے اقوال کے ساتھ چمٹ گئے جو خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا اور خود سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔ تثلیث پرستوں کے عقائد رب العالمین کے بارے میں ان مذکورہ عقائد کے سراسر خلاف اور ان کے بالکل الٹ اور ان سے بالکل الگ ہیں" علامہ شمس الدین کی بات یہاں تک ختم ہوئی!

پھر فرمایا "ٹھہرو اور ان اصولوں پر غور و فکر کرو اور بار بار سوچو، اللہ تعالیٰ وہ بلند شان ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ بے مثل ہے۔ اس کے حضور بلا اجازت کوئی بول نہیں سکتا اور نہ سفارش کرسکتا ہے"۔ آپ نے پھر تفصیل سے فرمایا کہ "اب خود اس کا اور غالیوں کی باتوں کا موازنہ کرکے دیکھ لو"

ہم نے جو اقتباس نقل کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شرعی دلائل کتاب و سنت اور اجماع ہیں یہی بات کتبِ اصول میں ہے۔ اور قیاس کے بارے میں اصولی لوگ مختلف رائے رکھتے ہیں جو کوئی اس مسئلے کی تفصیل چاہتا ہے وہ ان کتابوں کا مطالعہ کرے۔ علامہ فہامہ فاضل شیخ جمال الدین القاسمی الدمشقی، اللہ تعالیٰ ان کی لمبی زندگی کے ذریعے مسلمانوں کو مستفید فرمائے، نے اصولِ فقہ میں کئی رسائل لکھے ہیں جو شخص ان کا مطالعہ کرے گا حق کو پالے گا اور بڑی اور لمبی بحثوں اور کتابوں کے مطالعے کی اس کو ضرورت نہ رہے گی۔ یہ ہیں اصل دلائل، نہ کہ وہ، جو نبھانی نے سبکی یا اس کے لڑکے ابن حجر مکی یا اسی قسم کے دوسرے لوگوں کے کلام کو مدارِ استدلال بنایا ہے۔

مثال کے طور پر اس نے صفحہ ۱۶۵ پر "استغاثہ بغیر اللہ" کا استدلال احمد الرفاعی کے اس کلام سے کیا ہے کہ "جس شخص کو کوئی حاجت و ضرورت پیش آئے تو وہ عبادان میں میری قبر کی طرف رُخ کرکے سات قدم چلے اور مجھ سے فریاد کرے۔ اور مدد طلب کرے، اس کی حاجت پوری ہوجائے گی"۔ اس قسم کے لوگ جب کتاب و سنت کے خلاف باتیں کرتے ہیں، تو ان کی

باتیں ان کے منہ پر ماردی جائیں گی چاہے کوئی ہو۔

ابن حجر، سبکی، رفاعی اور اسی قسم کے دوسرے لوگ کون ہوتے ہیں جن کے کلام کو رسولِ کریم ﷺ کی وحی کے مقابلے میں پیش کیا جائے، اور پھر ان بنیادی عقائد اور مطالب عالیہ میں؟

نبہانی کی گفتگو اوّل سے آخر تک اسی انداز کی ہے سو وہ اپنے مطلوب کا استدلال موضوع حدیث سے یا کسی غالی کے قول سے یا کسی بے حیثیت شخص کے قول سے کرتا ہے۔ وہ اپنے بطلان کے باوجود اس میں ایسا مقلد ہے جس طرح خارجی ابوامامہ کے مقلد ہیں۔ یہی حال اس کے پہلے بزرگوں کا ہے۔ اس کے اقوال لائق التفات نہیں ہیں اگر ہمیں طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم یہاں ایسی گفتگو کرتے جس سے دلوں کو سکون ملتا اور تشنگی دور ہو جاتی۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل!

اب قلم کے میدانِ مناظرہ میں جولانیاں دکھانے کا وقت آگیا ہے کہ وہ بحث میں دلائل کے ذریعے جھگڑالو مدِمقابل کو ذلیل و رسوا کرے جو مکابرہ کا مریض ہے میں اللہ تعالیٰ کے حضور عرض گزار ہوں کہ وہ میرے قلم کو افترا پردازی کے زہر سے محفوظ رکھے اور مجھے اقوال و افعال میں لغزش اور خطا سے بچائے۔ سچی بات یہ ہے کہ وہی ہر بلا سے بچانے والا اور پناہ دینے والا ہے۔ "وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ" "میں اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق کا طالب ہوں، اسی پر میرا توکل اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے"۔ نبہانی کہتا ہے "مقدمے کی پہلی قسم میں اجتہادِ مطلق کے بند ہونے پر گفتگو ہوگی۔ فرقہ وہابیہ اور جاہل بدعتی جو ان کی قدر و منزلت کرتے ہیں اور عام لوگوں سے الگ مذہب رکھتے ہیں، غلط طور پر اجتہادِ مطلق کا دعویٰ کرتے ہیں میں نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام "التنبهام الصائبة لاصحاب الدعاوی الکاذبة" رکھا ہے" پھر اس رسالے کا خطبہ ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے، "میں کہتا ہوں اس زمانے میں اجتہادِ مطلق کا دعویٰ ان کی طرف سے یا کسی اور کی طرف سے جھوٹا ہے خواہ دعویٰ کسی بڑے عالم کی طرف سے کیوں نہ ہو، اس کی طرف کوئی دھیان نہ دینا چاہیے اور نہ اس پر اعتماد کرنا چاہیے میں نے اپنی کتاب "حجۃ اللہ علی العٰلمین" میں ان لوگوں کا رد لکھا ہے جو اس زمانے میں اجتہاد کے قائل ہیں اور میں نے اس میں شعرانی، ابن حجر، ہیتمی، امام مناوی وغیرہ علماء کی عبارتیں نقل کی ہیں جو ہر طبع سلیم فہم مستقیم رکھنے والے کو کافی ہیں"۔ آگے چل کر کہتا ہے: "اس زمانے میں اجتہاد کا قائل وہی شخص ہو سکتا ہے جس کی عقل اور دین میں خرابی ہو، ہاں ولایت کی راہ سے اجتہاد درست

ہے جیسا کہ شیخ اکبر محی الدین بن العربی نے کہا' پھر وہ عبارت لکھی ہے جو مناوی نے جامع صغیر کی شرح الکبیر میں ابن حجر مکی سے نقل کی ہے۔ اس نے کہا "جب جلال الدین سیوطی نے اجتہاد کا دعویٰ کیا' اس کے معاصر اس کے مقابلے میں آ گئے' اور سب نے متفقہ طور پر اس کے سامنے ایک استفتاء پیش کیا جس میں ایسے مسائل پوچھے گئے تھے' جن میں دو مطلق وجہیں موجود تھیں پھر اس سے مطالبہ کیا' اگر اس کو اجتہاد کا ادنیٰ درجہ یعنی فتویٰ کے اجتہاد کا مرتبہ حاصل ہے' تو ان مسئولہ امور میں مجتہدین کے قواعد کے مطابق مدلل راجح وجہ متعین کرے تو اس نے استفتاء کو زبانی واپس کر دیا۔ اور کہا' "مجھے مصروفیت ہے' اس لئے میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ شہاب نے کہا"' اس مرتبے کا' یعنی اجتہادِ فتویٰ کی مشکل پر غور و فکر کیجئے' حالانکہ وہ اجتہاد کا ادنیٰ درجہ ہے' تو بات واضح ہو جائے گی کہ اجتہادِ مطلق تو درکنار' اجتہادِ فتویٰ کا مدعی کس طرح پریشان ہوتا ہے' اور اس کی سوچ میں کیسی خرابی ہوتی ہے' گویا وہ اندھی سواری پر سوار ہے' جو اس کو لئے ادھر ادھر بھٹک رہی ہے" اور کہا' "جو اجتہادِ مطلق کا تصور کرتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے حضور شرمساری محسوس کرتا ہے کہ اجتہادِ مطلق کو اس زمانے میں کسی شخص کی طرف منسوب کرے"' بلکہ ابن الصلاح اور اس کے پیروکار کہتے ہیں کہ "تین سو سال پیشتر اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے" اور ابن الصلاح خود چھٹی صدی ہجری میں ہوئے تھے' گویا ابنِ حجر کے زمانے تک چھ سو سال پہلے اجتہاد منقطع ہو چکا تھا۔ کیونکہ ابنِ حجر دسویں ہجری میں ہوتے ہیں' چنانچہ اجتہاد کا انقطاع آج سے ایک ہزار سال قبل ہو چکا تھا۔ اس لئے کہ ہم چودھویں صدی کے سترہ سال گزار چکے ہیں۔ اسی سال میں نے اپنی کتاب "حجۃ اللہ علی العالمین" لکھی تھی" پھر لکھا ہے کہ "ابن الصلاح نے بعض اصولیوں سے نقل کیا ہے کہ "امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کوئی ایک بھی مجتہدِ مطلق پیدا نہیں ہوا"۔ شہاب ابنِ حجر نے کہا ہے' "جب ائمہ کے درمیان امام الحرمین رحؒ اور حجۃ الاسلام' امام غزالیؒ (ان دونوں کی مثال کافی ہے) کے دینی سردار اور مذہبی پیشوا ہونے میں اختلاف ہے تو دوسروں کی حیثیت ہی کیا ہے"' رویانی "البحر" کے مؤلف ہیں' اور وہ فرماتے ہیں "اگر امام شافعیؒ کی نصوص گم ہو جائیں' تو میں بعینہٖ اپنی یادداشت سے لکھا سکتا ہوں" مگر پھر بھی ائمہ ان کی مذہبی پیشوائی نہیں مانتے۔ جب یہ اکابر مذہبی اجتہاد کے مرتبے کے اہل نہیں ہیں' تو وہ شخص مجتہدِ مطلق ہو کر ان سے اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے' جو ان کی عبارتوں کا مطلب

بھی صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ سبحان اللہ، یہ تو بہتانِ عظیم ہے! پھر اس نے علماء کے کچھ اقوال نقل کئے ہیں۔ جن سے گواہی لیتا ہے کہ "اجتہاد ختم ہو چکا ہے" یہ باتیں، جو اس نے اس باب میں کی ہیں، اس کی جہالت، علمی تہی دامنی اور اس کے جھوٹ کی قلعی کھول رہی ہیں۔ جو اس نے دیگر غلط سلط باتیں کی ہیں، وہ طویل ہیں ہم اس کے مقاصد پر بغیر کسی طویل بحث کے، مختصر طور پر گفتگو کریں گے۔

مسئلہ اجتہاد پر نبہانی کی جہالت، متعدد وجوہ سے!

پہلی وجہ
وہابیوں کی طرف اجتہاد کے دعوے کی نسبت، کذب وافتراء اور بہتان طرازی ہے۔ وہ وہابیوں سے موحدین کا گروہ مراد لیتا ہے، جو اعتقاد میں شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب کے موافق ہے۔ اہلِ نجد سب کے سب حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر ہیں، اور فروع میں انہی کے مقلد ہیں۔ دین کے اصول اور عقائد میں ان کے موافق ہیں۔

اس بات کو شیخ محمدؒ نے اپنے بہت سے رسائل میں بالصراحت بیان کر دیا ہے۔ انہوں نے اجتہاد کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے کسی کو اپنی تقلید کی دعوت دی ہے۔ انہوں نے بس "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اہلِ نجد اور سنّتِ نبویؐ کے متبعین کو شیخ موصوف کی طرف منسوب کرنا اور "اہلِ سنّت" کے بجائے، مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کی طرح، ان کو ایک "فرقہ" قرار دینا ظلم وزیادتی، جھوٹ اور بہتان ہے مزے دار بات یہ ہے کہ شیخ کی طرف نسبت "محمدی" ہونی چاہیئے تھی۔ عبدالوہاب تو شیخ کے والد ہیں۔ عقائد میں، اور "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" میں موافقت، خود شیخؒ کے ساتھ تھی، نہ کہ اُن کے باپ کے ساتھ۔ اب شیخ موصوف کے شاگردوں، موافقین پر وہابیت کا اطلاق، یا تو نری جہالت ہے، یا بدنیتی اور بدکلامی ہے، دونوں وجوہات کی برائی صاف ظاہر ہے۔

دوسری وجہ
مسئلہ اجتہاد پر سیر حاصل بحثیں ہو چکی ہیں۔ اصولیوں نے خصوصاً کتاب "الموافقات" میں اس پر مفصل گفتگو کی ہے، پھر بھی ہم اس پر مختصراً اپنی معروضات پیش کرتے ہیں:

اجتہاد کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ "اجتہاد، فقیہ کا اپنی ہمتوں اور صلاحیتوں کو اس غرض کے لئے کھپانا ہے کہ ظنی حکم حاصل ہو سکے"۔ جو ایسا کر پائے، وہ مجتہدِ مطلق ہے۔ اس کی شروط یہ ہیں (۱) **تکلیف وعدالت:** یہ اجتہاد کے لئے شرط نہیں، البتہ مجتہد کے قول کو قبول کرنے کے لئے ضروری ہے۔ (۲) **ملکہ ومہارت:** اس سے مراد وہ عقل ہے، جس کے ساتھ مطلق طور پر مطلوب کو، یا خاص طور پر درپیش واقعہ کو، سمجھ

سکے تاکہ اجتہاد کا حق ادا کیا جا سکے۔ (۳) فقہ النفس یعنی مقاصدِ کلام کو سمجھنے کے لئے فطری ذہانت، تاکہ دلائل کے مطابق فقہ کے احکام کا استخراج ممکن ہو۔ (۴) قابلیت جس کے ذریعے وہ جمع و تفریق، ترتیب و تصحیح اور افساد پر تصرف حاصل کر سکے۔ یہ فنِ فقہ کا سہارا ہے۔ اور جو شخص بلادت سے متصف ہو اور تصرف سے عاجز ہو وہ اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتا۔ (۵) عربی اور اصول میں کم از کم متوسط درجے کی لیاقت ہو۔ (۶) احکام کی آیات و احادیث کا علم ہو اور اجماع کے مواقع، ناسخ و منسوخ، متواتر اور احاد، اسباب النزول، راویوں اور متون میں تجربہ و مہارت حاصل ہو اور اس کو ائمۂ کلام اور حفاظ کی تقلید کافی ہے، اور مخالف سے بحث مستحسن ہے۔ مجتہد المذہب، مجتہدِ مطلق کے بعد دوسرے درجے پر ہے۔ مجتہد المذہب وہ ہے، جو اپنے امام کی نصوص پر ممکن احکام کا استخراج کر سکے۔ اس سے کم درجہ مفتی مجتہد کا ہے کہ اس کو تبحرِ علمی حاصل ہو اور ترجیح دینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اصولیوں کا اس میں اختلاف ہے کہ "کیا کسی مجتہد سے کسی زمانہ کا خالی ہونا جائز ہے یا نہیں؟" بعض کہتے ہیں "جائز ہے" بلکہ واقعہ یہی ہے۔ "بعض کہتے ہیں" کسی مجتہد سے زمانے کا خالی ہونا جائز نہیں ہے"۔ ان کا استدلال رسولِ کریم ﷺ کے اس ارشاد سے ہے: "لا تزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق حتى يأتي امر الله" یعنی "میری امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر غالب رہے گا۔" اس مسئلے پر ان شاء اللہ آئندہ گفتگو ہو گی۔

اس مسئلے پر، اصولیوں نے جو کچھ کہا ہے، یہ اس کا خلاصہ ہے۔ آپ یہ جان چکے ہیں کہ اجتہاد کی جو شرطیں انہوں نے لگائی ہیں، ان کا کسی میں پایا جانا ناممکن نہیں ہے، بلکہ یہ ہر زمانے میں عین ممکن ہے۔ اور ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ "اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے"۔ نہ ہی ان کے کلام سے یہ مترشح ہوتا ہے، نہ کتاب و سنت سے کوئی دلیل ملتی ہے۔ حالانکہ اختلاف کے وقت کتاب و سنت ہی مرجع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (النساء: ۵۹)

"اگر تم میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی بات ہے، اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔"

جو شخص اجتہاد کے انقطاع کا دعویدار رہے، اس کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ وہ قابلِ التفات نہیں۔ بلکہ چاہیئے کہ دعویٰ اسکے منہ پر مارا جائے۔

تیسری وجہ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:
"مقلدین نے اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور شریعت کے خلاف ایسا صریح باطل فیصلہ دیا ہے، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے سراسر خلاف ہے۔ انہوں نے دنیا کو ان لوگوں سے خالی کر دیا، جو اللہ تعالیٰ کے لئے دلائل و براہین کے ساتھ کھڑے ہونے والے ہیں۔ اور انہوں نے یہ بھی دعویٰ کر دیا کہ پہلے زمانوں کے بعد اب کوئی عالم باقی نہیں رہا۔ بعض نے کہا، "کسی کو اجازت نہیں کہ وہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، زفر بن الہذیل اور محمد بن الحسن اور حسن ابن زیاد لولوی کے بعد کسی اور کو اختیار کرے" یہ اکثر حنفیہ کا قول ہے۔ بکر بن العلاء القشیری المالکی نے کہا "دوسری صدی ہجری کے بعد کسی اور کا انتخاب جائز نہیں ہے"۔ دوسرے کہتے ہیں، "امام اوزاعی، سفیان ثوری، وکیع بن الجراح اور عبداللہ بن مبارک کے بعد کسی اور کا انتخاب کرنے کی اجازت نہیں ہے"۔ کسی نے کہا: "امام شافعی کے بعد کسی کو اختیار کرنا درست نہیں"۔ ان کے پیرو کار و مقلدین اس میں مختلف ہیں کہ "امام شافعی سے نسبت رکھنے والوں میں سے کون ہے، جس کی بات لی جائے، اور اس کو یہ مقام حاصل ہو کہ جو شخص اس کے برابر نہیں، وہ اس کے مطابق فتوے اور فیصلہ دے"۔ انہوں نے تین درجات مقرر کر دیئے ہیں۔ ایک گروہ اصحابِ وجوہ کا ہے۔ مثلاً ابن سریج، قفال، ابو حامد اور ایک گروہ جو اصحابِ وجوہ تو نہیں، البتہ اس کا احتمال رکھتا ہے، مثلاً ابو المعالی ایک گروہ نہ تو اصحابِ وجوہ ہیں، اور نہ احتمال رکھنے والے مثلاً ابن حامد وغیرہ۔

پھر ان کے درمیان اس میں بہت سے بے بنیاد مختلف اقوال ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ کب بند ہوا، ان لوگوں کے نزدیک دنیا ان لوگوں سے خالی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے لئے دلائل کے ساتھ کھڑے ہو سکیں۔ اب کوئی باقی نہیں رہا، جو علم کی بات کر سکے۔ اب کسی کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کا مطالعہ کر کے احکام اخذ کرنے کی اجازت نہیں۔ اب کسی مسئلے کا نہ فیصلہ ہو سکتا ہے، نہ فتویٰ دیا جا سکتا ہے یہاں تک کہ اس کو اپنے متبوع اور اپنے تقلیدی امام کے قول پر پیش کرے اگر اس کے موافق ہو تو اس کا فیصلہ دے اور اس کا فتویٰ صادر کرے، ورنہ اس کو مسترد کر دے

اور قبول نہ کرے۔ یہ اقوال فساد و بطلان، تناقض اور اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے افتراء باندھنے اس کے دلائل کو باطل کرنے، اس کی کتاب اور اس کے رسول ؐ کی سنّت اور ان سے احکام حاصل کرنے کو حقیر جان کر ترک کر دینے میں آخری حد تک پہنچ گئے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرزِ عمل کو پسند نہیں کیا۔ وہ اپنا نور مکمل کر کے چھوڑے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبنی بر حقیقت ہے کہ دنیا کبھی ایسے لوگوں سے خالی نہ ہو گی جو دلائل و براہین کے ذریعے حق کو غالب کرنے والے ہوں گے۔ اور آپ ؐ کی اُمت کا ایک گروہ خالص حق پر قائم رہے گا جس کے ساتھ آپ ؐ کو مبعوث کیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایک مجدد پیدا کرتا رہے گا جو اس کے دین کی تجدید کرتا رہے گا۔

ان اقوال کی خرابی ظاہر کرنے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ جب تمہارے پسندیدہ علماء کے بعد کسی کو اختیار کرنا جائز نہیں، تو تمہیں اوروں کو چھوڑ کر ان کی تقلید کا اختیار کہاں سے مل گیا؟ اور تم نے لوگوں پر یہ کہاں سے حرام کر دیا کہ وہ اپنے اجتہاد سے وہ قول پسند کریں جو کتاب و سنّت کے موافق ہو؟ اور جن کے تم مقلّد ہو تم نے ان کے اقوال کو اپنے لئے مباح کر لیا ہے اور امت پر ان کی تقلید کو واجب کر دیا لیکن دوسروں کی تقلید کو حرام قرار دے دیا۔ تمہارے لئے اس اختیار کو کس نے جائز قرار دیا ہے جبکہ اس پر کتاب و سنّت اور اجماع و قیاس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ یہ کسی امام کا قول ہے؟ اس کے برعکس کتاب و سنّت اور اقوالِ صحابہ رضوان اللہ علیہم سے جس پر دلیل موجود ہے تم نے اس کو حرام کر دیا، یہ کہاں کا انصاف ہے؟

جب دوسری صدی ہجری کے بعد تمہارے نزدیک اور دوسروں کے نزدیک اختیار جائز ہی نہیں، تو بتاؤ دوسری صدی ہجری کے تقریباً ساٹھ سال بعد تم پیدا ہوئے ہو۔ تمہارے لئے یہ اختیار کہاں سے جائز ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو جو یقیناً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے افضل ہیں، یا امام مالک ؒ جیسے دوسرے فقہاء امصار کو یا ان کے بعد کے ائمہ فقہاء کو چھوڑ کر صرف امام مالک ؒ کے قول کو اختیار کرو؟ تمہاری یہ بات مان لینے کا مطلب یہ ہو گا کہ اشہب، ابن الماجشون، مطرف ابن عبد اللہ اور اصبغ بن الفرج، سحنون بن سعید، احمد بن المعدل اور ان کے طبقے کے دوسرے فقہاء کے لئے دوسری صدی ہجری کے ماہ ذوالحجہ کے گزرنے تک تو اختیار تھا، جونہی سن دو سو ایک ہجری کے محرم کا چاند نظر آیا اور سورج غروب ہوا، اسی رات سے فوراً بغیر کسی مہلت کے جو اختیار

ان کے لئے مطلق جائز تھا حرام ہو گیا۔

دوسروں کو کہا جائے گا کہ کیا یہ دنیا کے مصائب و عجائب میں سے نہیں کہ تم اختیار و اجتہاد کو اور اللہ تعالیٰ کے دین میں بات کرنے کو اپنی رائے اور قیاس سے، اپنے ائمہ کے حق میں تو جائز سمجھتے ہو، مگر یہی اختیار و اجتہاد اسلام کے بڑے بڑے حفاظ، کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ اور اقوال و فتاویٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خوب سمجھنے والے ائمہ و فقہاء کو تم قطعاً دینے کے لئے تیار نہیں ہو، مثلاً احمد بن حنبلؒ، شافعیؒ، اسحٰق بن راہویہؒ، محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ، داؤد بن علیؒ اور اس درجے کے دوسرے لوگ حالانکہ سننِ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ان کا علم وسیع ہے، صحیح اور ضعیف کی معرفت کا ملکہ ان کو حاصل ہے، صحابہؓ و تابعینؒ کے اقوال کی پرکھ میں خوب احتیاط برتتے ہیں، دلائل کے ذریعے باریک بینی اور دقتِ نظر کے ساتھ مسائل کا استنباط و استخراج کرتے ہیں۔ ان میں سے جس نے قیاس سے بھی کوئی بات کہی، اس کا قیاس بھی اوروں کے مقابلے میں فساد سے دور، اور صحت اور نصوص کے زیادہ قریب ہے۔ پھر اس پر ان کا تقویٰ و پرہیزگاری، اور جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی محبت عطا فرمائی ہے اور مسلمانوں میں ان کو تعظیم و محبت کا مقام عطا فرمایا ہے، وہ اس پر مستزاد ہے!

اگر ایک فریق اپنے امامِ متبوع کیلیے، تقدمِ زمانی، یا زہد و ورع، یا ان شیوخ و ائمہ سے ملاقات کی بناء پر جن کو بعد کے لوگ نہ مل سکے ہوں، یا ان کے پیروکاروں کی دوسروں کے مقابلے میں کثرت جیسی کسی خاص وجہِ ترجیح کی دلیل پیش کرے، تو ممکن ہے، دوسرا فریق بھی وہی وجہِ ترجیح یا اس جیسی دوسری یا اس سے بہتر وجہِ ترجیح پیش کر دے۔

——— علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے لوگ تمہاری اس بات سے یہ منطقی نتیجہ نکالیں کہ تم پر اپنے امامِ متبوع کا قول، اُن علماء صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کے مقابلے میں ترک کرنا واجب ہے جو علم میں، زمانے میں، زہد و ورع میں، پیروکاروں کی کثرت میں، اور جلالتِ قدر میں بدرجہا بڑھے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، زید بن ثابتؓ، معاذ بن جبلؓ کے اتباع یقیناً ائمہ متاخرین کے پیروکاروں سے کثرت و جلالت میں بہت آگے ہیں۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اتباع کے مقابلے میں ائمہ متاخرین کے اتباع کثرت و جلالتِ قدر

کے لحاظ سے کہاں پیش کئے جاسکتے ہیں؟

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کو دیکھئے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اُن سے تقریباً آٹھ سو صحابہؓ و تابعینؒ نے علم حاصل کیا۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھئے۔ اور پھر ان کے اصحاب کو دیکھئے، کیا خود ائمہ اور ان کے اتباع میں ایسے لوگ موجود ہیں؟

——— ائمہ کے اتباع میں عطاء، وطاؤس، مجاہد، عکرمہ، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور جابر بن زید جیسے صاحبِ علم وجلالت لوگ کہاں ہیں؟ اور ائمہ کے اتباع میں سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، شعبی، مسروق، علقمہ، اسود اور شریح جیسے صاحبِ علم وورع لوگ کہاں ہیں؟ اور ان کے اتباع میں نافع، سالم، قاسم، عروہ، خارجہ بن زید، سلیمان بن یسار، ابوبکر بن عبدالرحمٰن جیسے صاحبِ علم و مرتبہ لوگ کہاں ہیں؟ ائمہ کرامؒ اپنے اتباع کی بنا پر، صحابہ کرامؓ سے انکے اتباع کی موجودگی میں کس طرح کامیاب قرار دیئے جاسکتے ہیں؟

رہا مقلدین کا یہ کہنا کہ: "قرآن وحدیث کے علم کو حاصل کرنے میں ہماری ہمتیں پست ہوگئی ہیں۔ اب ہم اس کے اہل نہیں ہیں۔ یہ کتاب وسنّت کا قصور نہیں، بلکہ ہماری کمزوری اور کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ اب ہمارے لئے کتاب وسنّت کا بڑا عالم کافی ہے"!

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تم پست ہمت ہوگئے ہو تو جو لوگ کتاب وسنّت کی اقتدا کرتے ہیں، کتاب وسنّت کو منصف تسلیم کرتے ہیں، ان کے پاس اپنے جھگڑے لے جاتے ہیں، علماء کے اقوال ان کے سامنے پیش کرتے ہیں جو اقوال کتاب وسنّت کے موافق ہوں، قبول کرتے ہیں اور جو موافق نہ ہوں، ان کو مسترد کر دیتے ہیں، تو تم ان کو کیوں ناپسند کرتے ہو؟ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ تم کتاب وسنّت کے انگور کے گچھے تک نہیں پہنچ سکے، لہٰذا تمہارے نزدیک وہ کھٹے ہیں۔ مگر جس کی وہاں تک رسائی ہے، اس نے اس کی مٹھاس کو چکھا بھی ہے، اب تم اس کو اُن کا عیب کیوں شمار کرتے ہو؟ اور اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل سے، جو یقیناً لوگوں کی عقلوں اور تجاویز سے بہت بلند ہے، سے ان کو محروم کرنا چاہتے ہو؟ وہ خوش نصیب اگرچہ تمہارے ہم عصر ہیں، تم میں بڑھے پلے ہیں، تمہاری ان سے رشتہ داری بھی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے، اس نعمت

اور احسان سے سرفراز کرتا ہے۔ جن لوگوں نے نبوت کا اس لئے انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شہر کے سرداروں اور رئیسوں کو چھوڑ کر نبوت کا احسان اُس پر کیا ہے جو ان کی طرح نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اِس اعتراض کو غلط قرار دیا چنانچہ فرمایا:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝[1]

"کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت کو بانٹتے پھرتے ہیں ہم نے ان کے درمیان دنیا کی زندگی میں ان کی معیشت کو تقسیم کر دیا اور ایک کو دوسرے پر بلندی عطا کی تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے اُس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مثل امتی کالمطر لایدری اولہٗ خیر ام اٰخرہٗ" یعنی میری اُمت کی مثال بارش جیسی ہے جس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری"۔ اللہ تعالیٰ نے اوّل درجے کے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝[2]

"بہت سے پہلوں میں سے اور تھوڑے پچھلوں میں سے۔"

اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے خبر دی:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝[3]

"وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے (حضرت محمد ﷺ کو) رسول بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتا ہے۔ اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔ اور ان لوگوں کی طرف جو ابھی تک مسلمانوں کے ساتھ نہیں ملے اور وہ

---

[1] الزخرف: ۳۲ [2] الواقعۃ: ۱۳، ۱۴ [3] الجمعۃ: ۲، ۳، ۴

غالب حکمت والا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے۔ اور وہ بڑے فضل والا ہے۔"

حافظ ابن القیمؒ کی وہ عبارت یہاں ختم ہوگئی جو "اعلام الموقعین" سے لی گئی ہے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ نبہانی نے اپنے بدراہ اسلاف کی پیروی میں جو کچھ ذکر کیا ہے، وہ اس کی جہالت، علمی بے مائیگی، اور علوم وفنون کے اصول وفروع سے ناواقفیت کی دلیل ہے ایسی بات تو وہی کر سکتا ہے، جو اُلّو سے بھی زیادہ احمق ہو۔

چوتھی وجہ جو نبہانی احمق کی بات کی خرابی کو ظاہر کرتی ہے، یہ ہے کہ "جس کے پاس علم کا کچھ حصّہ نہیں ہے، وہ مقبول نہیں ہے"۔ اجتہاد کوئی منصبِ نبوت تو ہے نہیں کہ یہ کہا جائے کہ اجتہاد فلاں فلاں پر ختم ہوگیا۔ البتہ نبوت کے خاتمے کا کتاب وسنّت واضح اعلان فرماتی ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؁ [1]

"جناب محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں اور لیکن وہ اللہ کے رسولؐ اور نبیوں کی مُہر (ختم کرنے والے) ہیں۔"

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ تک مرفوع روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنٰی بیتا فاحسنه واجمله الّا موضع لبنة من زاویة فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له ویقولون هلّا وضعت هٰذه اللّبنة فانا اللّبنة وانا خاتم النّبیّین"

"میری اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی مثال ایک شخص کی ہے جس نے ایک گھر نہایت عمدہ اور خوبصورت تیار کیا صرف ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی لوگ اس کو چل پھر کر دیکھتے اور اس پر تعجب کرتے اور کہتے یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی تاکہ عمارت ہر لحاظ

---

[1] الاحزاب : ۴۰

سے مکمل ہو جائے پس میں وہ اینٹ ہوں میں
نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں یعنی نبوت کے محل
کی میں آخری اینٹ ہوں"

بلکہ عقلی دلیل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب ہر زمانے اور ہر درجے کے لوگوں کے لئے شریعت میں احکام موجود ہیں، اور وہ کامل شریعت ہے، چنانچہ یہ اس کا اعجاز ہے کہ اس میں اب کوئی تغیر و تبدل بھی نہیں ہو سکتا۔ اور پھر یوں بھی یہ بہترین شریعت ہے کہ نہ اس میں کمی ہے، نہ زیادتی!

ان دلائل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ نبوت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو چکی ہے۔ لیکن اجتہاد کے ختم ہونے کی دلیل نہ تو کتاب و سنت سے ہے، نہ صحابہ کرامؓ کے اقوال سے۔ بلکہ یہ ثابت ہے کہ شریعت کا علم اور علما قیامت تک باقی رہیں گے۔ کمیل بن زیاد نخعی نے روایت بیان کی کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ویران جگہ میں لے گئے۔ جب آپؓ جنگل میں پہنچے تو لمبے لمبے سانس لینے لگے۔ پھر فرمایا: کمیل بن زیاد! دل یادداشت کا ذریعہ ہیں، اور بہترین دل وہ ہیں، جو زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ جو میں تجھے بتا رہا ہوں، اس کو خوب یاد کر لو۔ لوگ تین قسم کے ہیں: عالم ربانی، نجات کی غرض سے علم سیکھنے والا۔ اور ناکارہ اور کمینے لوگ جو ہر بے ہودہ گو کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور حالات کے مطابق اپنا رُخ بدل لیتے ہیں، وہ علم کے نور سے مستنیر نہیں ہوتے، وہ کسی پختہ بات کے حامل نہیں ہوتے۔ علم مال سے بہتر ہے۔ علم تیری حفاظت کرتا ہے، اور تو مال کی حفاظت کرتا ہے۔ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے، ایک روایت کی رُو سے علم میں عمل سے اضافہ ہوتا ہے، اور خرچ کرنے سے مال کم ہو جاتا ہے۔ علم حاکم ہے اور مال محکوم ہے۔ علم کی محبت قرض ہے جو واپس کیا جاتا ہے یعنی لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ علم عالم کو دنیا میں ہی فرماں برداری اور عزت دیتا ہے، اور وفات کے وقت بہترین تعریف کا مقام عطا کرتا ہے۔ مال کی نیکی، مال کے ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے، مال موجود رہتا ہے، اور اس کو جمع کرنے والے مر جاتے ہیں۔ جب تک علم باقی ہے، اس کی نسبت سے علما بھی ہمیشہ کے لئے باقی ہیں۔ اگرچہ ان کے جسم ختم ہو چکے ہوتے ہیں، مگر ان کا تصور دلوں میں باقی رہتا ہے"۔ واہ واہ! آپؓ نے اپنے

سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "یہاں علم ہے۔ اگر تو اس کے حاملین کو پالے تو ان کو زود فہم پائے گا، لیکن اُن کا دین محفوظ نہیں ہوگا جو دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنائیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حجتوں کو اس کی کتاب کے خلاف اور اس کی نعمتوں کو اس کے بندوں کے خلاف استعمال کر کے غلبہ حاصل کریں گے۔ وہ اہلِ حق پر بے جا تنقید کریں گے۔ ان کو متشابہ امور میں کوئی بصیرت حاصل نہیں ہوتی۔ پہلے ہی خیال میں ان کو شک لاحق ہو جاتا ہے۔ یا وہ لذتوں میں منہمک ہو جاتے ہیں یا وہ خواہشات کے غلام بن جاتے ہیں اور مال و منال کو جمع کرنے کے شدید خواہشمند ہوتے ہیں۔ وہ دین کے داعیوں میں سے نہیں ہوتے بلکہ وہ چرنے چگنے والے چارپایوں کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

علماء کی موت سے علم مر جاتا ہے۔ مگر زمین اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی حجت کے ساتھ قائم رہنے والوں سے ہرگز خالی نہیں ہوگی، تاکہ اللہ تعالیٰ کی حجتیں اور واضح دلائل باطل نہ ہو جائیں۔ وہ گنتی میں تھوڑے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی بات بڑی عظیم اور پایہ کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے اپنے دلائل و براہین کی حفاظت کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ ان کو اپنے ساتھیوں تک پہنچا دیتے ہیں، اپنے جیسوں کے دلوں میں ان کی آبیاری کرتے ہیں۔ درحقیقت ایسوں کے پاس علم تیزی کے ساتھ آتا ہے۔ جتنا خوشحال لوگ علم کی وجہ سے سخت ہو جاتے ہیں، اتنا ہی وہ نرم ہوتے ہیں۔ جاہل جس سے وحشت محسوس کرتے ہیں، وہ اس سے اُنس رکھتے ہیں۔ ان کے جسم اگرچہ دنیا میں ہوتے ہیں، مگر ان کی ارواح ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ معلق ہوتی ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں خلفاء ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے دین کے داعی ہیں۔ آہ ان کی زیارت کتنی خوش نصیبی ہے۔ میں اپنے اور تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ اب تم چاہو تو جاؤ۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر ابونعیم نے "حلیہ" وغیرہ میں ذکر کی ہے۔ ابوبکر خطیب فرماتے ہیں، "یہ حدیث بہترین حدیث ہے، اس کے معانی بڑے پیارے اور اس کے الفاظ بہت بلند پایہ ہیں۔"

حافظ ابن القیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "مفتاح دار السعادۃ" میں اس آیت کی مفصل تشریح فرمائی ہے، ہم بھی اس میں سے ایک اقتباس یہاں درج کرتے ہیں۔ آپ "اللھم بلی لن تخلو الارض من قائم للہ بحجج اللہ" کی شرح میں فرماتے ہیں: "اس کے ثبوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث موجود ہے:

"لاتزال طائفة من امتی علی الحق لا یضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتیٰ یاتی امر الله وهم علی ذالك"۔

یعنی "میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور وہ ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا، جو ان کو رسوا کرنے کی کوشش کرے، یا ان کی مخالفت کرے وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یعنی قیامت آجائے گی"۔

اس کی دلیل ترمذی کی یہ روایت ہے، جو انہوں نے قتیبہ سے روایت کی کہ ہمیں حدیث بیان کی "حماد بن یحیی الابح" نے، انہوں نے ثابت سے، انہوں نے حضرت انسؓ سے، انہوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر ام آخرہ"۔ "میری امت کی مثال بارش کی ہے، معلوم نہیں اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری"۔ اور فرمایا "یہ حدیث حسن غریب ہے"۔ عبدالرحمٰن بن مہدی سے مروی ہے کہ وہ حماد بن یحیی الابح کو ثقہ بتاتے تھے۔ اور کہتے تھے "وہ ہمارے شیوخ میں سے ہیں"۔ اس مضمون کی حدیث عمار اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے! اگر اُمت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے دلائل کو قائم رکھنے والا مجتہد عالم نہ ہو، تو وہ اس خیر سے موصوف نہیں ہو سکتے۔

اور فرمایا "یہ اُمت سب اُمتوں سے کامل ہے اور سب اُمتوں سے بہتر ہے، جو لوگوں کے بھلے کے لئے نکالی گئی ہے۔ اس کا نبی آخری نبی ہے، اس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُمت میں علماء کو مقرر کر دیا۔ جب ایک عالم مر جاتا ہے، تو اس کی جگہ دوسرا عالم مقرر کر دیا جاتا ہے، تاکہ دین کے رستے کے نشانات مٹ نہ جائیں۔ بنی اسرائیل میں جب ایک نبی فوت ہو جاتا، تو اس کی جگہ دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا۔ اور اس اُمت کے علمائ بنی اسرائیل کے انبیاءؑ کی مانند ہیں"۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: "یحمل هذا العلم من کل خلف عدولہ"۔

یعنی "اس دین (کتاب وسنّت) کا علم پچھلوں میں سے بہترین اور عادل لوگ اٹھائیں گے، جو غالیوں کی تحریف اور جھوٹوں کی غلط نسبت کو اور جاہلوں کی تاویل کو روکیں گے"۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شروع سے لے کر ہر زمانے میں علم اور اہلِ علم موجود رہے ہیں۔ اور صحیح ابی حاتم میں خولانی کی حدیث ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لا یزال اللہ یغرس فی ھٰذا الدین غرسا یستعملھم فی طاعتہ" "اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس دین میں نئے نئے پودے (اہلِ علم وعمل) لاتا رہے گا۔ ان سے اپنی عبادت و فرماں برداری کے عمل کرائے گا۔"

غرس اللہ سے مراد اہلِ علم وعمل بزرگ ہیں۔ اگر دنیا عالم باعمل سے خالی ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا غرس نہ رہا اور یہ محال ہے۔ مندرجہ بالا بحث سے پتہ چلتا ہے کہ غبی نبہانی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں جو بے ہودہ باتیں کی ہیں، وہ باطل اور علم ومعرفت سے کوری ہیں، اور اس کو فکر وذوق کی ہوا تک نہیں لگی۔

پانچویں وجہ اس کی یہ بات کہ "بغیر ولایت کے آجکل اجتہاد کا مدعی وہی شخص ہو سکتا ہے، جس کے دین اور عقل میں خلل ہو جیسا کہ شیخ اکبر نے کہا!" یہ ایک بے کار اور فضول بات ہے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ مجتہد سے دنیا کبھی خالی نہیں ہوتی جس طرح اصولیوں نے حنابلہ اور اہلِ حدیث کا مذہب بیان کیا ہے۔ جو شخص کتاب وسنت سے دین حاصل کرنے کے لئے اجتہاد کی شروط کا جامع اور اس کا اہل ہو، وہ مختل العقل والدین کیوں ہو؟ کیا یہ جہالت اور شیطانی بات نہیں ہے؟ پھر ولایت کی قید آخر کس لیے؟ اس قسم کی فضول اور بیہودہ بات اس قسم کے جاہل بدعتی سے کوئی نئی نہیں ہے جاہل اپنے ساتھ وہ سلوک کرتا ہے جو دشمن دشمن سے نہیں کرتا۔ شیخ محی الدین کی کتاب سے ثابت ہے کہ وہ خود اجتہادِ مطلق کا مدعی ہے چنانچہ اس کا شعر سنئے ؎

نسبونی الی ابن حزم وانی
لست ممن یقول قال ابن حزم
بل ولا غیرہ فان کلامی
قال نص الکتاب ذالک حکمی
او یقول الرسول او اجمع
الخلق علی ما اقول ذالک علمی

"لوگ میری نسبت ابنِ حزم کی طرف کرتے ہیں۔ اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو یہ کہے کہ 'ابنِ حزم نے کہا' بلکہ اس کے سوا کسی کی بات کو دلیل نہیں بناتا میرا کلام اور فیصلہ وہی ہے جو کتاب کی نص سے ثابت ہو اور جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں۔ یا جو میں کہتا ہوں اس پر اجماع ہوگا۔ میرا علم یہی ہے۔"

شاعر نے اشارہ کیا ہے کہ وہ احکامِ دینیہ کتاب و سنّت اور اجماع سے اخذ کرتا ہے اس کے نزدیک قیاس کے سوا یہی دلائل ہیں۔ مکمل بات اپنی جگہ پر ہوگی۔ ان شاء اللہ!

چھٹی وجہ

اس نے کہا: "ابن حجر مکی سے منقول ہے کہ جب جلال الدین سیوطی نے اجتہاد کا دعویٰ کیا تو اس کے ہم عصر لوگ اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس پر متفقہ تیر پھینکا۔ اُس کے سامنے ایک سوال لکھ کر پیش کیا جس میں ایسے مسائل لکھے جن میں مطلق دو وجہیں بیان کی گئی تھیں اور اس سے مطالبہ کیا کہ اگر اس کو اجتہاد کا ادنیٰ درجہ یعنی اجتہاد الفتویٰ بھی حاصل ہے، تو ان وجوہ میں سے ایک وجہ کو مجتہدین کے قواعد پر دلیل سے ترجیح دے تو اس نے زبانی سوال کو واپس کر دیا اور اپنی مصروفیات کا عذر کیا۔ الخ!

میں کہتا ہوں، ابن حجر غیر معتبر آدمی ہے اگر اس کی نقل صحیح ہو تو پھر بھی وہ قابلِ اعتماد نہیں۔ اس نے شیخ الاسلام پر ایک بہت بڑا بہتان لگایا، اس کے سامنے اس کا جھوٹ کھل گیا، جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

اگر ابن حجر کی نقل صحیح ہو تو اس کا جواب امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ ہے کہ "مجتہد کو یہ لازم نہیں ہے کہ لوحِ محفوظ کے سب علوم پر حاوی ہو۔"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے چالیس مسائل پوچھے گئے۔ انہوں نے چھتیس مسائل کے جواب میں فرمایا: "لا ادری" "مجھے علم نہیں"۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ کے بارے میں منقول ہے۔ یہ سچ ہے:

"وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ[1] الآیۃ!" "لوگ اللہ تعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔"

ساتویں وجہ

ابن حجر کا یہ قول کہ "ابن الصلاح اور اس کے ہم مسلک لوگوں نے کہا ہے کہ اجتہاد تقریباً تین صدیوں سے ختم ہو چکا ہے۔ ابن الصلاح چونکہ چھٹی صدی ہجری کے ہیں، اس لئے جب ان تک اجتہاد ختم ہوئے تین سو سال ہو چکے تھے تو ابنِ حجر کے زمانے تک اجتہاد منقطع ہوئے چھ سو سال ہو گئے تھے۔ الخ!

---

[1] البقرۃ: ۲۵۵

میں کہتا ہوں کہ یہ کلام ساقط الاعتبار ہے۔ ہم حافظ ابن القیمؒ سے اس کو تیسری وجہ میں بیان کر آئے ہیں۔ وہیں ہم نے اس قول کے باطل ہونے پر نصوص و دلائل پیش کئے ہیں۔

ابن حجر کی باتوں میں اضطراب ہوتا ہے وہ ایک بات پر نہیں ٹھہرتا۔ اس نے یہاں تو یہ بیان کیا ہے کہ اجتہاد ختم ہوئے چھ سو سال ہو چکے ہیں، مگر اپنی کتاب "الجوہر المنظم" میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو گالی دیتے ہوئے کہتا ہے: "شیخ الاسلام، عالم الانام ہیں جن کی جلالتِ قدر اور اجتہاد اور صلاحیت اور امامت پر اتفاق ہے۔ تقی الدین السبکی، قدس اللہ روحہ و نور ضریحہ نے ایک مستقل کتاب میں اس کا رد لکھا اور خوب لکھا بڑا مفید اور درست لکھا۔ اس نے اس میں دلائل سے راہِ صواب کو واضح کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کی کوشش کو قبول فرمائے اور اس پر اپنی رحمت اور رضا کی بارش برسائے!"

دیکھا آپ نے، ابن حجر محض اس لئے سبکی کے مجتہد ہونے کا مدعی ہے کہ بدعت اور خواہشِ نفس کی پیروی میں یہ اس کے مذہب و مسلک پر ہے مگر جس کے ٹخنے کو وہ اور اس کے شیوخ مل کر بھی نہیں چھو سکتے یعنی ابو العباس تقی الدین ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو مجتہد ماننے پر آمادہ نہیں۔ ابنِ حجر "الجوہر المنظم" میں مندرجہ بالا عبارت کے بعد لکھتا ہے:

"ابن تیمیہ کی طرف سے یہ جو کچھ بیان ہوا ہے یہ ایک ایسی لغزش ہے ——— اور ایک ایسی مصیبت ہے جس کی نحوست اس پر ابدی و سرمدی پڑتی رہے گی۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اس کے نفس اور خواہش اور شیطان نے اس کو گمراہ کیا تو وہ مجتہدین پر بری طرح حملہ آور ہوا۔ اس بدقسمت کو یہ پتہ نہیں چلا کہ اس نے شرمناک برائی کی ہے۔ الخ!" ——— ہر منصف مزاج شخص پر ابن حجر کی یہ عبارت پڑھ کر واضح ہو جاتا ہے کہ وہ خواہشِ نفس کا پیروکار ہے۔ اور گمراہی کو اختیار کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ انصاف کے ساتھ معاملہ کرے!

خلاصہ یہ ہے کہ ان غالیوں کے کلام کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا وہ اپنی خواہشات کو معیار بنا کر بات کرتے ہیں، دلیل کو مان کر راہِ راست اختیار نہیں کرتے۔

نبہانی احمق کا سارا بیان اس سے بے کار ہو گیا۔ وہ کسی لحاظ سے بھی قابلِ التفات نہ رہا۔

آٹھویں وجہ کمزور دماغ نبہانی کا مضمون اس وجہ سے بھی بے کار ہے کہ ہر ایک امام نے تصریح کر دی ہے کہ جب حدیث مل جائے تو اس کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے اسی لئے بہت سے آئمہ کرامؒ نے حدیثوں سے مسائل اخذ کرنے اور مجتہدین کے اقوال سے اعراض کرنے کو صراحت سے بیان کر دیا ہے۔ "اعلام الموقعین" میں ہے کہ آئمہ اربعہؒ نے اپنی تقلید سے منع کر دیا ہے۔ اور ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو ان کے اقوال کو بلا دلیل لیتے ہیں چنانچہ بیہقی نے لکھا ہے کہ:

"امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جو شخص بلا دلیل علم طلب کرتا ہے وہ حاطب لیل کی طرح ہے جو رات کو ایندھن کا گٹھا باندھتا ہے جس میں زہریلا سانپ بھی ہوتا ہے جو اس کو ڈس لے گا مگر وہ بے خبر ہوتا ہے۔

اسمٰعیل بن یحیٰی مزنیؒ نے اپنی مختصر کے شروع میں لکھا ہے "میں نے اس کتاب میں امام شافعیؒ کے علم کو اور ان کے اقوال کے مطالب کو بالاختصار بیان کر دیا ہے تاکہ میں آپ کو ان لوگوں کے قریب کر دوں جو آپ کے ارادت مند ہیں لوگ اس میں اپنے دین کو دیکھیں اور محتاط ہو جائیں" حالانکہ آپؒ نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع فرما دیا تھا۔ ابوداؤد فرماتے ہیں "میں نے امام احمدرحؒ سے پوچھا کیا امام اوزاعیؒ زیادہ لائقِ اتباع ہیں یا امام مالکؒ؟" آپؒ نے فرمایا "ان میں سے دین کے معاملہ میں کسی کی بھی تقلید نہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے جو ارشادات تجھے معلوم ہو سکیں، ان کو اختیار کرو۔ اس کے بعد تابعی میں تجھے اختیار ہے اس کی بات مانو یا نہ مانو"۔ امام احمدؒ نے اتباع اور تقلید میں فرق کیا ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں "میں نے ان سے سنا فرماتے تھے "اتباع یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ سے جو کچھ ملے اس کی پیروی کی جائے۔ تابعینؒ کی پیروی کرنے یا نہ کرنے میں اختیار ہے" اور یہ بھی فرمایا "لا تقلدنی ولا تقلد مالکا ولا الثوری ولا الاوزاعی خذ من حیث اخذوا" یعنی "نہ میری تقلید کرو نہ مالکؒ کی نہ ثوریؒ کی نہ اوزاعیؒ کی وہاں سے دین لو جہاں (کتاب و سنت) سے انہوں نے لیا"۔ یہ بھی فرمایا: "من قلۃ فقہ الرجل ان یقلد دینہ الرجل" یعنی "آدمی کی کم فہمی یہ ہے کہ وہ دینی احکام میں کسی کی تقلید کرے"۔ بشر بن ولید کہتے ہیں کہ "امام ابویوسفؒ نے فرمایا "کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ ہماری بات مانے

جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ ہم نے یہ بات کس دلیل سے کہی ہے"۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے "جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کا قول ابراہیم نخعیؒ کے قول کے مقابلے میں چھوڑ دیا اس سے توبہ کرائی جائے"۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ابراہیم نخعی کا قول ماننا گناہ ہوا اس سے توبہ کی ضرورت ہے تو جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو ابراہیم نخعی کے برابر یا ان سے کم درجہ شخص کے قول کی وجہ سے چھوڑ دے تو وہ کتنے بڑے گناہ کا مرتکب ہوگا اور اس کو کتنی بڑی توبہ کی ضرورت ہے ؟

جعفر فریابی نے کہا "مجھے احمد بن ابراہیم دورقی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا مجھے ہیثم بن جمیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بن انس سے پوچھا "اے ابوعبداللہ! یہاں ہمارے ہاں لوگوں کی ایک جماعت ہے جس نے کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سے ایک یوں کہتا ہے کہ ہمیں فلاں بن فلاں نے حدیث بیان کی اس نے فلاں سے روایت کی، اس نے عمرؓ بن الخطاب سے یہ روایت کی اور فلاں نے ابراہیم سے یہ روایت کی پھر وہ ابراہیم کے قول کو لے لیتا ہے" حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا" کیا ان کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول صحیح طور پر ثابت ہے"؟ میں نے کہا "یہ ایک روایت ان کے نزدیک اسی طرح صحیح ہے جس طرح ان کے نزدیک ابراہیم کی روایت صحیح ہے" حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "یہ لوگ بڑے گنہگار ہیں، ان سے توبہ کرائی جائے"۔

نویں وجہ

بلید الذہن نبہانی کہتا ہے "آج جس مجتہد کی تقلید کی جاتی ہے، اس کے کلام کو مجتہد کے قول کی مخالف احادیث پر مقدم کیا جائے گا"۔ یہ اصل غلطی ہے۔ میں نے ایک ترک قاضی سے سنا کہ "ایک مسئلہ "منیۃ المصلی" میں ہو اور صحیح بخاری میں اس کے خلاف حدیث ہو، تو میں بخاری کی صحیح حدیث کو چھوڑ دوں گا اور "منیۃ المصلی" کو مانوں گا"! اس حماقت اور جہلِ عظیم کا اندازہ کیجئے۔

شیخ الاسلام ابوالعباس تقی الدین ابن تیمیہ قدس اللہ روحہٗ سے سوال کیا گیا، "ایک شخص نے مختلف مذاہب میں سے ایک مذہب کی فقہ پر عبور حاصل کر لیا پھر اس نے احادیث کا مطالعہ کیا۔ تو اس نے ایسی احادیث پائیں جن کا ناسخ نہیں ہے، نہ مخصص اور نہ معارض اور وہ احادیث فقہی

مذہب کے خلاف ہیں ـــ اب وہ اپنے مذہب کی فقہ پر عمل کرے، یا فقہ کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرے؟"

آپؒ نے جواب لکھا "الحمد للہ رب العالمین! کتاب و سنّت اور اجماع سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے نبیؐ کی اطاعت کو بندوں پر فرض کر دیا ہے۔ اس اُمت میں رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی شخص کی، ہر امر و نہی میں، پوری پوری اطاعت واجب نہیں کی یہاں تک کہ حضرت صدّیقِ اعظم و افضلِ امت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اطیعونی ما اطعتُ اللہَ فاذا عصیتُ اللہ عزّ وجلّ فلا طاعۃ لی علیکم" یعنی "میری اطاعت اس وقت تک کرتے رہو، جب تک میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا رہوں جب میں اس کی نافرمانی کروں تو پھر میری اطاعت نہ کرو"۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے سوا کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں، جو اپنے ہر امر و نہی میں معصوم ہو۔ اسی لئے بہت سے ائمہ نے کہا "رسول اللہ ﷺ کے سوا ہر شخص کی بات قبول بھی کی جا سکتی ہے، اور چھوڑی بھی جا سکتی ہے"۔ ان ائمہ اربعہؒ کو دیکھئے، انھوں نے کس طرح اپنی ہر بات میں تقلید سے منع کیا یہی واجب اور درست بات ہے!

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "جتنا میں نے غور و فکر کیا ہے، اس کے مطابق میری یہ بہترین رائے ہے کہ جو کوئی میری رائے سے بہتر رائے پیش کرے، ہم اس کو قبول کر لیں گے"۔ اسی لئے امام ابو حنیفہؒ کے ارشد و افضل تلمیذ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، جب امام دار الہجرت مالک بن انسؒ کی مجلس میں بیٹھے اور صاع (سبزیوں اور اجناس کی زکوٰۃ) کا مسئلہ پوچھا حضرت امام مالکؒ نے سنّت کے مطابق مسئلہ بتا دیا تو امام ابو یوسفؒ فوراً بول اُٹھے، "اے ابو عبداللہ! میں نے آپ کے مسئلے کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ اگر میرے استاد کو یہ مسئلہ معلوم ہو جاتا تو یقیناً وہ بھی رجوع کر لیتے، جس طرح میں نے رجوع کر لیا ہے"۔

امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے "میں ایک انسان ہی تو ہوں، درست بھی سوچتا اور کہتا ہوں، اور غلط بھی۔ میری بات کو کتاب و سنّت پر پیش کر کے دیکھ لیا کرو"۔ امام شافعیؒ فرماتے تھے: "کسی شخص کی علمی غربت یہ ہے کہ وہ دین میں دوسروں کی تقلید کرے"۔

اور یہ بھی فرمایا کہ "دین میں دوسرے آدمیوں کی تقلید مت کرو، وہ غلطی سے

معصوم نہیں ہیں"۔

اور رسولِ کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"من یرد اللہ بہ خیرًا یفقّھہ فی الدّین" یعنی "جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اس کو دین میں سمجھ عطا فرما دیتا ہے"۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ عطا نہ فرمائے، اس سے بھلائی کا ارادہ نہیں کرتا لہٰذا دین میں سمجھ حاصل کرنا فرض ہوا۔ تفقّہ فی الدین سے مراد احکامِ شرعیہ کی سماعی دلائل سے معرفت حاصل کرنا ہے ــــ جس شخص نے دلائل کے ذریعے احکام حاصل نہ کیے، اس کو دین کی سمجھ نہیں آئی!

لیکن کچھ لوگ عاجز اور کمزور ہوتے ہیں۔ ان پر اتنا ہی فرض ہے جتنی ان میں دین کو سمجھنے کی استطاعت ہے! جو شخص دلائل کے ساتھ بات کو سمجھنے کی اہلیت اور قدرت رکھتا ہے، اس کے متعلق کہا گیا ہے "اس پر مطلق تقلید حرام ہے"۔ بعض نے کہا "مطلق جائز ہے"۔ بعض کہتے ہیں "وقت کم ہو، غور و فکر اور استدلال کا موقعہ نہیں ملا، یا اس طرح کا کوئی اور عذر ہو تو اس ضرورت کے وقت تقلید جائز ہو گی"۔ یہ بات ہے بھی مبنی بر انصاف!

اجتہاد کوئی ایسا امر نہیں ہے کہ جو تجزی اور تقسیم کو قبول نہ کرے بلکہ ایک آدمی کسی ایک فن یا خاص مسئلے یا کسی جزوی مسئلے میں مجتہد ہوتا ہے۔ ہر شخص کا اجتہاد اس کی ہمت اور طاقت کے مطابق ہوتا ہے۔ ایسے مسئلے میں جو علماء کے درمیان متنازعہ فیہ ہے کوئی شخص غور و فکر کرے، وہ دونوں فریقوں میں سے ایک کے ساتھ نصوص دیکھے، اسے غور و فکر کے بعد ان نصوص کا معارض بھی نہ ملے، اس کو اختیار ہے، یا تو وہ اپنے امام کے قول کی پیروی کرے، مگر یہ شرعی حجت نہ ہو گی! یا اس قول کو مانے جو اس کی نظر میں کتاب و سنّت کے دلائل سے مدلّل ہے۔ اس وقت وہ ایسے امام کی موافقت کرے گا جو اس کے امام کے قائم مقام ہو گا۔ جب وہ نصوص پر عمل کرے گا تو وہ مخالفت سے محفوظ ہو گا۔ یہ مسلک زیادہ صحیح ہے۔ ہم اس رعایت کے حق میں اس لئے ہیں کہ بعض دفعہ ایک شخص غور و فکر کرتا ہے مگر پھر بھی قاصر رہتا ہے اس کا اس مسئلہ میں مکمل اور پورا اجتہاد نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس کے وسائلِ اجتہاد کمزور ہوتے ہیں۔

لیکن اگر اسے اجتہادِ تام کی قدرت ہو، اور وہ یہ بھی یقین رکھتا ہو کہ دوسرے قول کے ساتھ

ایسی کوئی دلیل نہیں جو نص کو روک سکے، ایسے شخص کو نصوص پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو گمان اور خواہشِ نفس کا پیروکار ہوگا اور اللہ و رسولؐ کا بہت بڑا نافرمان ہوگا۔ بخلاف اس شخص کے جو یہ کہتا ہے کہ اس نص کے مقابلے میں دوسرے قول کے ساتھ راجح دلیل موجود ہے اور وہ میرے علم میں نہیں ایسے شخص کو کہا جائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا " فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ: "اللہ تعالیٰ سے ڈرو اپنی استطاعت کے مطابق" جو شخص علم و فقہ کی بناء پر اس مسئلے میں اجتہاد کی قدرت رکھتا ہے، وہ بتا دے گا کہ یہ قول راجح ہے، اب اس کے قول کی پیروی لازم ہوگی۔ اگر کسی وقت یہ علم ہو جائے کہ نص کے مقابلے میں دوسری راجح دلیل موجود ہے، اس موقعہ پر تمہاری حیثیت ایک مستقل مجتہد کی ہوگی جس کے اجتہاد میں تبدیلی آگئی ہو۔ حق ظاہر ہو جانے پر ایک قول چھوڑ کر دوسرے قول کی طرف رجوع کرنا فعلِ محمود ہے۔ اگر وہ قولِ بلا دلیل پر اصرار کرے گا اور اس قول کو ترک کر دے گا جس کی حجت واضح ہو چکی ہے، یا بلا وجہ ایک قول کو ترک کر کے دوسرے کو محض عادت اور اتباعِ نفس کی وجہ سے اختیار کرے گا تو مذموم ہوگا اور جب مقلد حدیث سن کر اس کو ترک کر دے، خاص طور پر جب اس کے راوی ثقہ اور قابلِ اعتماد ہوں، ایسے شخص کے لئے نص کو ترک کر دینے کا کوئی عذر نہیں ہوگا۔ ہم نے اپنی تحریروں میں ائمہ اعلام کی طرف سے صحیح حدیث پر عمل نہ کرنے کے بیس عذر پیش کئے ہیں اور ہم نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وہ اپنے ان عذروں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں معذور رہیں، اور ہم اس قول کی وجہ سے ان کو ترک کر دینے میں معذور رہیں۔ جس شخص نے حدیث کو اس وجہ سے کہ وہ صحیح نہیں، یا وہ مجہول راوی کی روایت ہے، یا اس طرح کے کسی اور سبب سے چھوڑ دیا، لیکن دوسروں کو اس کی صحت اور راوی کی ثقاہت کا علم ہو گیا ہو تو اب اس مسئلہ میں عذر زائل ہو گیا جس نے حدیث کو اس لئے ترک کیا کہ وہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے، یا قیاس اور بعض انصارؓ کے عمل کے مخالف ہے جبکہ دوسرے شخص کو معلوم ہو گیا کہ ظاہر قرآن اس کا مخالف نہیں، اور حدیث صحیح کی نص، ظواہر اور قیاس و عمل پر مقدم ہے، تو اس شخص کا کوئی عذر باقی نہ رہا۔ اسی طرح جب تارکِ حدیث کا یقین ہو کہ اس حدیث پر عمل مہاجرینؓ و انصارؓ نے ترک کر دیا تھا جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حدیث کو اسی وقت ترک کرتے ہیں، جب ان کو یقین ہو کہ وہ منسوخ ہے، یا اس کے مقابلے میں راجح نص موجود ہے، بعد میں اس کو معلوم ہوا کہ مہاجرین اور انصار صحابہؓ نے

اس پر عمل ترک نہیں کیا تھا بلکہ بعض صحابہؓ و تابعینؒ نے اس پر عمل کیا تھا یا کوئی اور خرابی جس سے نص کے معارض میں عیب پیدا ہوتا ہو، اس میں نہیں ہے۔ تو اب اس مسئلہ میں کوئی عذر باقی نہ رہا! ——— جب اس ہدایت کے طالب سائل سے پوچھا جاتا ہے تو زیادہ جانتا ہے یا فلاں امام؟ تو یہ معارضہ فاسد ہوگا اس لئے کہ فلاں امام کی اس مسئلہ میں اس جیسے دوسرے امام نے مخالفت کی ہے میں نہ اُس سے زیادہ عالم ہوں نہ اِس سے!۔ لیکن ان ائمہ کی نسبت ان لوگوں کی طرف اسی طرح کی ہے جس طرح کی نسبت حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابیؓ، حضرت معاذ (رضی اللہ عنہم) وغیرہؓ اور دوسرے ائمہ کی ہے جس طرح صحابہؓ ایک دوسرے کے نزاعات کے مقامات پر ہمسر تھے۔ جب وہ کسی مسئلے میں جھگڑتے تھے تو فیصلے کے لئے اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاتے تھے، اگرچہ وہ کسی دوسرے مسئلے میں ایک دوسرے سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ نزاع کی یہی صورت ائمہ کے درمیان ہے۔ لوگوں نے جنبی کے تیمم کے مسئلے میں حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ترک کر دیا، اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ وغیرہ کا قول کتاب و سنت کی دلیل سے اختیار کر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول انگلیوں کی دیت میں ترک کر دیا، اور معاویہ بن سفیانؓ کا قول اختیار کر لیا، اس لئے کہ انہوں نے زبانِ نبوت سے یہ روایت پیش کی تھی: "هٰذه وهٰذه سواء" یعنی "یہ اور یہ (سب انگلیاں) برابر ہیں"۔ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے متعہ کے مسئلے میں مناظرہ کیا اور کہا "قال ابوبکر، قال عمرؓ" عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا: "ہوسکتا ہے تم پر آسمان سے پتھر برسیں، میں تو کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اور تم کہتے ہو، ابوبکرؓ نے فرمایا، عمرؓ نے فرمایا!" یہ مکالمہ اس وقت ہوا جب ان سے متعہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے اس کا حکم بتلایا۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ کے قول کے ساتھ معارضہ کیا، انہوں نے وضاحت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد وہ نہیں جو لوگ کہتے ہیں۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول پر اصرار کیا، اس پر آپؓ نے فرمایا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتباع کے زیادہ حقدار ہیں یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ؟ حالانکہ لوگوں کو علم تھا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباسؓ سے زیادہ عالم ہیں۔

حدیث اور صحابہؓ کے مقابلے میں امام کی تقلید کا دروازہ اگر ایک بار کھول دیا گیا تو اس کا

لازمی نتیجہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کے حکموں سے اعراض کرلیں۔ اور ہر امام کی اپنے پیرو کاروں میں نبی کی سی حیثیت ہو جائے گی۔ یہ دین میں تبدیلی ہے بالکل اسی طرح کی بات ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو نصاریٰ کا عیب شمار کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞[1]

"انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا رب بنالیا حالانکہ ان کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ لوگوں کے شریک بنانے سے پاک ہے۔"

دسویں وجہ بے وقوف نبہانی کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ "ایک ہزار سال سے دنیا کے ہر مقام پر مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ائمہ اربعہؒ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں اور جو کوئی قرآن و حدیث سے دین اخذ کرے، یا ائمہ اربعہؒ کے علاوہ کسی صحابیؓ وغیرہ کی تقلید کرے، وہ راہِ راست سے بھٹک جائے گا اور مومنوں کی راہ چھوڑ دے گا"۔ یہ اس کے باطل و بےکار کلام کا لازمی حصہ ہے، جو مردود ہے کوئی قابلِ ذکر عالم اس کا قائل نہیں!

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اعلام الموقعین" میں ہے "کیا مستفتی پر لازم ہے کہ دو مفتیوں میں اجتہاد کرے کہ ان میں سے زیادہ علم والا اور دیندار کون ہے یا نہیں؟ اس میں دو مذہب ہیں، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہم ان کا ماخذ بیان کرچکے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ "اس پر لازم ہے" اس لئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی بناء پر استطاعت کا حکم ہے! ——— اور یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ "جب دو مفتیوں کے درمیان اختلاف ہو جائے" ان میں سے ایک زیادہ صاحبِ ورع ہو اور دوسرا زیادہ صاحبِ علم ہو تو ان دونوں میں سے کس کی تقلید واجب ہوگی؟ اس میں تین مذہب ہیں، جن کی توجیہ پہلے بیان ہوچکی ہے۔ اور کیا ایک عام آدمی کو معروف مذاہب میں سے ایک مذہب کو اختیار کرنا لازم ہے یا نہیں؟ اس میں بھی دو مذہب ہیں، ایک یہ کہ لازم نہیں اور یہ قطعی طور پر درست ہے کیونکہ واجب تو وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے واجب کیا ہو جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے کسی پر یہ واجب نہیں کیا کہ وہ کسی اُمتی کے مذہب کو اختیار

---

[1] التوبۃ: ۳۱

کرے اپنے دین کو دوسروں کو چھوڑ کر اسی کا مقلد بنا دے۔ خیر القرون اس بات سے خالی ہیں اور خیر القرون میں لوگ اس نسبت سے آزاد تھے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں۔ اگر وہ کسی کا مذہب اختیار بھی کر لے تو بھی اس کا کوئی مذہب نہیں ہوگا کیونکہ مذہب تو اس کا ہوتا ہے، جس میں کسی نوعیت کا فکر و استدلال موجود ہو اور وہ مذاہب کا علی وجہ البصیرت علم رکھتا ہو۔ یا اس نے اس مذہب کی فروع کے موضوع پر کوئی کتاب پڑھی ہو اور اس کے امام کے فتاویٰ اور اقوال کو جانتا پہچانتا ہو لیکن جو شخص قطعاً اس کی اہلیت ہی نہیں رکھتا بلکہ وہ یوں کہتا ہے "میں شافعی ہوں، میں حنبلی ہوں" وغیرہ محض اس کے کہہ دینے سے ایسا نہیں ہو جائے گا۔ یہ اسی طرح کی بات ہو گی جس طرح کوئی کہہ دے "میں فقیہ ہوں، یا نحوی ہوں، یا کاتب ہوں" وہ محض زبانی کہہ دینے سے ایسا نہیں ہو جائے گا۔ اس کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ کہنے والا کہتا ہے، "وہ شافعی ہے یا مالکی ہے یا حنفی ہے" وہ یہی گمان رکھتا ہے کہ وہ اس مذہب کے امام کی راہ چلنے والا اور متبع ہے۔ یہ اس وقت بات درست ہو گی جب وہ علم و معرفت اور استدلال میں اس کی راہ اختیار کرے لیکن امام کی سیرت، اس کے علم اور راہ سے جو بیگانہ و ناآشنا ہو اس کے لئے اس کی طرف نسبت کس طرح درست ہو سکتی ہے؟ ہاں یہ بلا دلیل دعویٰ اور بے معنی بات ہی ہو گی۔ عامی یہ تصور نہیں کر سکتا اس کا مذہب یہ صحیح ہے۔ اگر وہ تصور کرے گا تو یہ اس پر، یا کسی دوسرے پر لازم نہیں ہے کہ وہ کسی امتی کے مذہب کو اختیار کرے اور اس کے سب اقوال کو لے اور دوسروں کے اقوال کو چھوڑ دے یہ ایک قبیح بدعت ہے، جو امت میں پیدا ہو چکی ہے۔ اور اس کا ائمہ اسلام میں سے کوئی بھی قائل نہیں یہ بات ان کے بلند مرتبہ و مقام سے فروتر ہے کہ وہ اللہ و رسول ﷺ کو خوب جاننے والے بھی ہوں، اور لوگوں کو تقلید کی بدعت کا پابند بھی کریں اس سے بھی زیادہ بے عقلی کی بات یہ ہے کہ کہا جائے "کسی عالم کے مذہب کو ضرور اختیار کرے" اور اس سے بھی کہیں زیادہ بعید از عقل بات یہ ہے کہ "ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مذہب ضرور اختیار کرے۔"

پس کتنے تعجب کی بات ہے کہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور ائمہ اسلام کے مذاہب سب ختم ہو گئے، ولائمہ فقہاء میں سے بھی صرف چار اشخاص کے مذاہب باقی رہے۔ کیا کسی امام

نے یہ بات کہی یا اس کی طرف دعوت دی؟ یا ان کی کسی بات سے اس کا اشارہ بھی ملتا ہے؟

جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ و تابعینؒ اور تبع تابعینؒ پر واجب فرمایا، وہی قیامت تک سب لوگوں پر واجب ہے۔ واجب بدلتا نہیں! اگرچہ قدرت و عجز، زمان و مکان اور حال کی وجہ سے اس کی کیفیت میں فرق آ جائے۔ تاہم یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولﷺ کے واجب کردہ امور کے تابع ہوگا جس نے عامی کے مذہب کو صحیح قرار دیا، اس نے یہ بھی کہا کہ جس مذہب کی طرف اس کی نسبت ہے، وہ حق ہے لہٰذا اپنے اعتقاد کے مطابق اس کی وفاداری واجب ہے۔ یہ بات جو ان لوگوں نے کہی ہے، اگر درست ہو، تو پھر اس سے یہ لازم آئے گا کہ جس مذہب کی طرف وہ منسوب ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے سے استفتاء حرام ہو۔

پھر اس کا ایسے مذہب کو اختیار کرنا بھی حرام ہوگا جو اس کے برابر ہو، یا اس سے راجح ہو، یا اس طرح کے اور لوازمات پیش آ سکتے ہیں، جو اپنے ملزومات کے فساد کی وجہ سے خود بھی فاسد ہو جائیں گے۔ بلکہ اس سے تو یہ بھی لازم آئے گا اگر یہ شخص، رسول کریم ﷺ کا ایک منصوص حکم دیکھے، یا اپنے امام کے علاوہ خلفاء اربعہؓ کا قول دیکھے، تو رسول کریم ﷺ کے منصوص حکم کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو ترک کر دے اور ان کے مقابلے میں اس امام کے قول کو ترجیح دے، جس کی طرف وہ منسوب ہے۔ اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ استفتاء کرنے والا ائمہ کرامؒ کے اتباع میں سے، یا ان کے سوا کسی سے بھی، استفتاء کر سکتا ہے۔ مستفتی اور مفتی پر بالاجماع واجب نہیں کہ وہ ان ائمہ اربعہؒ میں سے کسی ایک کے ساتھ مقید ہو، جس طرح کسی عالم پر یہ لازم نہیں کہ وہ یہ قید لگائے کہ حدیث میرے شہر کی یا کسی دوسرے شہر کی ہو، تو مانوں گا بلکہ اس کے لئے لازم ہوگا کہ جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے، اس پر عمل کرے۔ چاہے وہ حدیث حجاز سے ملے، یا عراق سے، یا شام سے، یا مصر سے، یا یمن سے۔ اسی طرح قرأت بھی قراء سبعہ کے مطابق واجب نہیں ہے۔ بلکہ اگر قرأت مصحف امام حضرت عثمانؓ کے رسم الخط کے مطابق ہو اور اس کی عربی درست ہو اور اس کی سند صحیح ہو، اس کے مطابق قرأت جائز ہے اور بالاتفاق ایسی قرأت سے نماز درست ہو گی بلکہ اگر وہ قرأت مصحفِ عثمانی سے باہر ہو، اور رسول اللہ ﷺ اور آپﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ قرأت کی ہو، تو وہ قرأت بھی جائز ہو گی۔ صحیح یہ ہے کہ اس سے

نماز باطل نہیں ہوگی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے نماز باطل ہو جائے گی یہ دونوں روایتیں امام احمدؒ سے منصوص ہیں تیسرا قول یہ ہے "اگر اس کو کسی رکن میں پڑھے گا تو فرض ادا نہ ہوگا اگر کسی نفل میں پڑھے تو جائز ہے" یہ ابوالبرکات ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ قول ہے اس لئے کہ پہلے میں رکن کا ادا ہونا متحقق نہیں، اور دوسرے میں اس کا باطل کرنا متحقق نہیں! لیکن اس کو جائز نہیں کہ مختلف مذاہب کی رخصتوں پر عمل کرتا رہے جس مذہب سے رخصت ملے اس کو قبول کرلے بلکہ ممکن حد تک اس پر حق کی اتباع واجب ہے۔

جو کچھ ہم نے دس وجوہ بیان کی ہیں، اس سے آپ کے سامنے یہ حقیقت ظاہر ہو چکی ہے کہ بے چارے نبہانی نے اجتہاد کی بندش پر جو گفتگو کی ہے، وہ سب ایجادِ بندہ اور باطل ہے۔ یہ بات ماننے بغیر چارہ نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں تھا جو سب اقوال میں کسی کا مقلد ہو اس کی کوئی بات نہ چھوڑے، اور دوسروں کے اقوال کو ساقط کر دے کہ ان میں سے کوئی بھی نہ مانے! یہ بات ماننے بغیر بھی چارہ نہیں کہ اس طرح کی صورتِ حال تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے عہد میں نہیں تھی۔ اب مقلدین کو چاہیئے کہ وہ خیر القرون میں، جن کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ثابت ہے، ایک آدمی ایسا پیش کر سکے ہماری غلطی ثابت کرے، جو ان کی تقلید کی غلط راہ پر چلا ہو۔ یہ بدعت چوتھی صدی ہجری جس کی مذمت زبانِ رسالت سے ثابت ہے، میں پیدا ہوئی۔ جو لوگ اپنے امام کی ہر بات میں مقلد ہیں، اور وہ اس تقلید کے ساتھ شرمگاہیں، خون اور مال حلال کرتے ہیں، اور حرام کرتے ہیں لطف یہ ہے، انہیں اس حلت و حرمت کے خطا و صواب کا کچھ پتہ نہیں ہوتا عظیم خطرے میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کا معاملہ شدید ہوگا۔ وہاں پتہ چلے گا، جو وہ اللہ تعالیٰ کے ذمے بے علمی کی باتیں کرتے رہے، وہ کچھ بھی نہ تھیں!

حافظ ابن القیم علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "اعلام الموقعین" میں مقلّدین کی تفصیل سے مذمت فرمائی ہے، اور جاہلوں کی اس بات کو باطل کیا ہے کہ اجتہاد منقطع ہو چکا ہے۔ بڑے بڑے فضلائے نے اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اگر جاہل نبہانی اس مسئلے سے تعرض نہ کرتا کیونکہ اس مسئلے کا اس کی کتاب کے موضوع سے کوئی تعلق نہیں، تو ہم بھی خاموش رہتے اور اپنے قلم کو روکے رکھتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل کرنے اور ننگا کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے، جو نیک اور اعلیٰ درجے کے

علمائے کرام کی تنقیص کرتا ہے۔

ہم ذلّت و رسوائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں! ذلّت کے تیر ٹھیک اپنے نشانے پر لگ چکے ہیں، اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ اس کے سب دعوے جھوٹے ہیں اور وہ اس شعر کا مصداق ہے

ے ومن جهلت نفسه قدره ــــــ رأى غيره منه مالا يرىٰ

یعنی "جو شخص اپنے آپ سے نا آشنا ہو، اس میں دوسرے وہ کچھ دیکھتے ہیں جو خود اُس کو نظر نہیں آتا"۔

نبہانی کی کتاب کے ایک اور باب کے چند مباحث

بد دماغ نبہانی نے مسئلہ اجتہاد کے بعد ایک دوسرا مسئلہ چھیڑ دیا ہے جس کا اس کی کتاب کے موضوع سے کوئی تعلق نہیں، ایسے مسائل سے اس کا مقصد محض اپنے علم کا غرور اور اس کی جھوٹی نمائش ہے۔ پہلے اس نے اپنی جہالت اور اخلاقی بے بضاعتی کے مطابق، بد زبانی کے کلمات لکھے ہیں، پھر کہتا ہے "میں نے بارہا ان سے سنا ہے کہ عصری تقاضوں کے مطابق قرآنِ مجید کی تفسیر لازمی ہونی چاہیئے اور میں نے ان کے ایک آدمی سے یہ بھی سُنا کہ وہ کہتا تھا میں ایسی تفسیر لکھوں گا۔ مگر اس کی قابلیت کا یہ حال ہے کہ وہ ابتدائی گرامر کی عبارت بھی نہیں پڑھ سکتا۔ مجھے ایک ایسے شخص نے کہا جو ان کی مجلسوں میں شامل ہوتا اور ان کی گفتگو سنتا رہا ہے اور اس کے ذہن میں بعض غلط اور بُری باتیں سما گئی ہیں، اور وہ ان کو صحیح سمجھ بیٹھا تھا "آپ کی تالیفات سے لوگوں کو بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ اب آپ کے ذمے ایک کام رہ گیا ہے کہ عصری تقاضوں کے مطابق تفسیرِ قرآن لکھیئے موجودہ تفاسیر گزشتہ زمانوں کے تقاضوں اور حالات کے مطابق لکھی گئی تھیں۔ اب حالات پہلے سے بالکل مختلف ہیں اور لوگوں کے حالات اور مزاج بھی بدل چکے ہیں، اس لئے ایک تفسیر جو ان کے ذہنوں کو اپیل کرے ضروری ہے"۔ نبہانی کہتا ہے "میں نے جواب دیا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ میرے اور تفسیر کے مرتبے کے درمیان بہت سے درجے ہیں، میرے لئے وہاں تک پہنچنا ممکن نہیں۔ میری سب تالیفات میں بہت سے فوائد جمع ہیں۔ ان میں سے اکثر میں نبی کریم ﷺ کی شان، آپ کے فضائل و معجزات اور آپ کی نعتیں لکھی ہیں جن میں میری رائے کو کوئی دخل نہیں، وہ محض نقل ہے۔ قرآن مجید کی تفاسیر کا حق علماء ادا کر چکے ہیں، اور انہوں نے نبی کریم ﷺ، آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد ائمۂ دین سے تفسیر نقل کر دی ہے اور اپنی موجودہ تفاسیر کو مدوّن کر دیا ہے، اب وہ کافی و وافی ہیں، جس طرح یہ تفاسیر

گزشتہ زمانوں میں مفید تھیں، اسی طرح آج بھی مفید ہیں۔ قرآنِ مجید میں جو شرعی احکام ہیں، وہ ہر انسان کے لائق ہیں۔ اس میں زمانے اور جگہ کا کوئی فرق نہیں قرآنِ مجید گزشتہ زمانے کے لوگوں کیلئے الگ اور بعد والے لوگوں کیلئے الگ احکام نہیں دیتا۔ اور اگر ذوق شریعت کے مطابق ہو تو انہی تفاسیر سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر ذوق غیر دینی ہو تو کس طرح ممکن ہے کہ قرآن کی تفسیر، غیر دینی ذوق اور غلط مسلک کے مطابق کی جاسکے؟ ہمارے لئے جائز نہیں کہ قرآنِ مجید کی تفسیر اپنی عقل کے ساتھ کریں اور اس کو عصری تقاضوں پر چسپاں کریں، جس طرح ذلیل اور بے وقوف لوگ کہتے ہیں۔ اور اپنی کمزور سمجھ اور ناقص عقل کے باوجود قرآنِ مجید کی تفسیر کرنے کی جسارت کرتے ہیں قرآنِ مجید کی تفسیر رائے سے کرنا شرعاً ممنوع اور حرام ہے۔ پھر تفسیر اور تاویل کے معنی میں علماء نے جو فرق بیان کیا ہے، اس کو نقل کرکے اپنے ہم جنسوں کی طرح یاوہ گوئی کی ہے۔ پھر اس نے اپنے ایک قصیدے کا ذکر کیا ہے جس میں نبی ﷺ کی مدح بیان کی گئی ہے۔ پھر کہتا ہے: "خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے طالبِ علموں میں یہ بڑا احمق اور ذلیل گروہ، بڑا بے سمجھ، کم عقل اور بے دین ہے۔ ان کو خود بھی، اور دوسرے مسلمانوں کو جو ان کی باتیں سنتے ہیں اور ان سے میل جول رکھتے ہیں، ضررِ عظیم پہنچ رہا ہے۔ انہوں نے مختلف فرقوں، ملحدوں، بدعتیوں اور وہابیوں وغیرہ کے عقائد کو جمع کرلیا ہے۔ ان کا اپنی ضلالتوں کو مستحسن سمجھنا بڑا ہی نقصان دہ ہے۔ کیونکہ وہابی ایک ایسی قوم ہے، جو نجد میں ظاہر ہوئی اور ان کا مذہب ارد گرد کے علاقوں میں پھیل گیا۔ ان کا سایہ گھٹنا شروع ہوا، وہ کم ہوتے گئے اور ذلیل ہوگئے۔ اور اپنے علاقے میں محصور ہوکر رہ گئے۔ ان کے دین میں غلو، اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے علماء نے ان کو ناپسند کیا۔ لیکن یہ نیا فرقہ، جو مختلف مذاہب سے مرکب ہے، نہ ان کے پاس علم ہے، نہ تقویٰ، نہ مستند قواعد ہیں، جس طرح باقی فرقوں کے پاس ہیں۔ ان کے درمیان قدرِ مشترک افکار کی خرابی اور باکمال ائمہ پر اعتراض ہے۔ وہ لوگوں کی عقلوں کو خراب کرتے ہیں اور اپنی فاسد آراء کو لکھتے ہیں۔" پھر اس نے وہی پہلی پچھلی باتیں دہرائیں۔ اور ان باکمال ہم عصر بزرگوں پر دشنام طرازی کی جنہوں نے اس کی بدعات سے اعراض کرلیا۔ پھر شیخین کی کتابوں، جیسے الصارم المنکی، اور دوسرے سلفی علماء کی کتابوں کی طباعت و اشاعت پر بڑا جز بز ہوا۔ پھر اس نے اپنے رسالے کو ایک نہایت پھسپھسے شعر پہ ختم کیا، اور رسولِ کریم ﷺ کی ایک شرکیہ نعت کہی۔ اس پر یہ باب ختم کردیا!

اس باب میں بہت سے مفاسد اور خرابیاں ہیں کہ ان میں سے کم از کم خرابیوں کو لکھنا بھی ناممکن ہے اس کا ہر جملہ اور ہر کلمہ باطل ہے اس میں گمراہی کے تہ بہ تہ اندھیرے ہیں۔ یہ پورا کلام اس کی جہالت اور غلو کا منہ بولتا ثبوت ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِىْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝[1]

"اور کہیں گے، اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ وہ اپنے گناہ کا اقرار کر لیں گے، سو دوزخیوں کیلئے رحمتِ خداوندی سے دوری ہے"

اس کے کلام کا ماحصل، چار اُمور اور اُن کا جائزہ

اس کے کلام سے جن مقاصد کا پتہ چلتا ہے، ان کا خلاصہ چند درج ذیل امور میں آ جاتا ہے:

امرِ اوّل یہ کہ تفسیر قرآن آخری حد تک پہنچ گئی ہے، اب علم گل سڑ گیا ہے جو استنباط پہلے نہیں کیے گئے، ان کا استنباط اب ناممکن ہے۔

امرِ ثانی اب جو کوئی تفسیر قرآن عصری تقاضوں اور نئے علوم کے مطابق لکھنے کی کوشش کرے، وہ ملحد، بدعتی اور گمراہ ہے وغیرہ!

امرِ ثالث وہابی بدعتی ہیں۔ اور ان کا ضرر خود ان کو اور ان کے ماننے والوں کو پہنچ رہا ہے۔

امرِ رابع ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پر طعن و تشنیع۔ ان کی کتابوں پر، اور ابن القیم اور ابن قدامہ کی کتابوں پر جرح۔

یہ ہے اس کی گفتگو کا خلاصہ۔ اب ہم ایک ایک پوائنٹ پر مختصر گزارشات پیش کریں گے۔

۱۔ کتبِ تفسیر اور عصری افکار کے مطابق تفسیر کی ضرورت

جو شخص آج کل کی متداول تفاسیر کا مطالعہ کرے گا، وہ اس بات کی تصدیق کرے گا کہ یہ تفاسیر قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کی

---

[1] الملک: ۱۰، ۱۱

مُراد کو سمجھنے میں بڑی رکاوٹ ہیں بعض میں صرف و نحو کے قواعد بھرے پڑے ہیں، ہر آیت میں قواعد پر اتنی بحث ہے کہ قاری انہی میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعض میں مسائلِ کلامی اور قواعدِ حکمی بھرے ہوئے ہیں۔ اور مفسر آیات کو ان اصولوں کی طرف جو مفسر کے اپنے عقیدے کے مطابق ہیں، اس طرح پھیر کر لے جاتا ہے کہ قطعی نصوص بھی اس کے عقیدے کے مطابق معلوم ہونے لگتی ہیں۔ رازی، بیضاوی، ابوالسعود کی تفاسیر کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت کھل سکتی ہے۔ بعض تفسیریں اسرائیلیات پر مشتمل ہیں، جن میں جھوٹے اسرائیلی قصے اور ان کے اقوال ہیں، کہ عقل ان کو محال سمجھتی ہے۔ طبیعت ان سے متنفر ہوتی ہے۔ کئی تفاسیر ایسی ہیں، جن میں نقل ہے، نہ عقل، نہ لغت ہے۔ جیساکہ تفسیرِ شہیر "انه من باب الاشارة"۔ اسی قسم کی بے شمار اور تفاسیر ہیں۔

علامہ سید محمد بدرالدین حلبی، اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکت فرمائے، نے تفسیر پر اپنی کتاب "التعلیم والارشاد" میں نہایت منصفانہ اور حقیقت پسندانہ بحث کی ہے۔ آپ علمِ تفسیر پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علماء نے تفسیر کا حق ادا نہیں کیا۔ مصر سے، جو دینی علوم کا مرکز و منبع ہے جس کی طرف مشتاقانِ علوم کھنچے چلے آتے ہیں اور باقی شہروں کے لئے نمونہ ہے، ایک صدی سے جو تفاسیر طبع ہو کر آ رہی ہیں، ان میں سے تفسیرِ خازن۔ تفسیر جلالین صاوی کے حاشیہ کے ساتھ، اور جمل کے حاشیہ کے ساتھ بیضاوی شہاب کے حاشیہ کے ساتھ، اور ایک حصہ سید کے حاشیہ کے ساتھ تفسیر فخرالدین رازی۔ تفسیر ابوالسعود۔ تفسیر النسفی۔ تاج التفاسیر۔ ابن جریر طبری سیوطی کی درِ منثور۔ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ، اور بعض دیگر معمولی درجے کی تفسیریں ہیں — آج لوگوں کے ہاتھوں میں یہی تفاسیر ہیں اور کتاب اللہ کی تفسیر اور اللہ تعالیٰ کی مراد کو سمجھنے کے لئے علومِ شرعیہ کا طالب علم انہی تفاسیر پر اعتماد کرتا ہے۔

تفسیرِ خازن

یہ تفاسیر کی کتابوں میں سے زیادہ متداول ہے۔ اور عام مسلمانوں میں اور شرعی علوم کے طالب علموں میں اس کی شہرت و اشاعت زیادہ ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے، اس پر تبصرہ کرتے وقت قلم حیران ہے کہ وہ کیا لکھے اور مسلمانوں کو اس سے کس طرح چوکنا کرے، بہتر سے بہتر جو اس کے بارے میں بات کہی جا سکتی ہے، یہ ہے کہ وہ جھوٹ کا مجموعہ ہے۔ اگر اس کی موضوع احادیث اور جھوٹے یہودیوں کے گھڑے ہوئے جھوٹے قصّے مثلاً بابل کا قصّہ، غرانیق کا قصّہ، ارم ذات العماد کا قصّہ وغیرہ اس سے الگ کر دیئے جائیں تو نصف کتاب سے زیادہ ہوں

گے۔ باقی نصف اگر نقصان نہ بھی دے تو اس سے فائدہ بھی نہیں ہوگا۔

باوجود اس کے کہ اس میں یہ دو قبیح اوصاف موجود ہیں، اس پر عام مسلمان اعتماد کرتے ہیں اور علومِ شرعیہ کے طالب علموں میں کثرت سے مستعمل ہے اور عام مل جاتی ہے۔ میرا خیال ہے اس کے جو نسخے مصر میں موجود ہیں، ایک لاکھ ہوں گے۔ اس کے ذریعے اس کی گنتی سے دس گنا زیادہ مسلمان خراب ہوئے اور مسلمانوں کے دین میں اس کے ذریعے من گھڑت احادیث اور خود ساختہ تفسیر داخل کر دی گئی۔ بڑی حیرانی کی بات ہے علماء اسلام میں کوئی نہیں جو اس قسم کی علوم اور شریعت کو خراب کرنے والی کتابوں کی اشاعت سے لوگوں کو رد کرے کیونکہ یہ اخلاق و عقائد کو خراب کرنے والی ہیں۔ اہلِ علم گو اقلیت میں ہیں تاہم ان سے کوئی شہر خالی نہیں ہے۔ وہ ان کتابوں کے مفاسد سے آگاہ ہیں لیکن لوگوں کو ان کتابوں کے استعمال سے نہیں روکتے تاکہ وہ ان کے ضرر سے محفوظ رہیں۔ بلکہ بعض اوقات جب ان سے پوچھا گیا تو لوگوں کے جذبات کی خاطر ان کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ اور دین کے اہم معاملہ میں ان کی چاپلوسی کرتے ہیں۔ یہ بحث ان شاء اللہ ہم اس کتاب کی قسم ثانی میں "الارشاد" کے عنوان سے کریں گے۔ یہاں صرف طریقۂ تعلیم علم کی مستعملہ کتب اور ان کے حسن و قبح کا بیان ہوگا۔

تفسیر جلالین

جس کے حاشیہ پر جمل اور صاوی ہیں، یہ دونوں تفسیر خازن کی طرح ہی متداول اور شائع ہیں، البتہ تفسیر خازن عوام کے پاس زیادہ ہے اور ان دو تفاسیر کی اشاعت خاص لوگوں تک محدود ہے۔ یعنی شرعی علوم کے طالب علموں کے پاس یہ تفسیریں بکثرت ہوتی ہیں۔ تفسیر جلالین میں شرح بڑی مختصر ہے اس سے کتاب اللہ کا فہم پوری طرح حاصل نہیں ہو پاتا۔ اس میں اور بھی خرابیاں ہیں ان کو وہ لوگ جانتے ہیں جنہوں نے ان تفاسیر کا قابلِ اعتماد متقدمین علماء کی معتبر تفاسیر کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔ اس کے دونوں بڑے حاشیے مصر کے متاخرین علماء تفسیر کے ہیں۔ اسی سے تفاسیر میں ان کا درجہ کافی حد تک معلوم ہو جاتا ہے۔"

تفسیر کشاف اور دیگر تفاسیر

پھر انہوں نے ایک فصل قائم کی ہے جس میں علم کے انحطاط کو بیان کیا ہے پھر فرمایا "تفسیر کشاف اور اس کا مختصر، جو قاضی بیضاوی نے لکھا ہے، دونوں پیچیدہ تفسیریں ہیں نہ تو یہ اجمال کو واضح کرتی ہیں، نہ کسی مشکل کو اور نہ ہی کسی باریکی کو حل کرتی ہیں۔ ان کے بہت زیادہ مشکل ہونے کی بناء پر متاخرین نے اس پر بہت

سے حواشی اور شروح لکھی ہیں، جن کی تعداد ہزار سے زیادہ ہی ہوگی۔ صاحبِ کشف الظنون نے جو تعداد بیان کی ہے، وہ بہت کم ہے۔ اگر ان کی پیچیدگی اور مشکل صرف ان لوگوں تک محدود رہتی جنہوں نے ان کے اشاروں اور چیستاں کے حل لکھے ہیں اور اس کے مخفی رازوں کو ظاہر کیا ہے تو بعد میں آنے والوں کو اس پر لکھنے اور اس کے غوامض کی توضیح کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہ ایسے مسائل سے بھرپور ہیں، جن کا قرآنِ مجید کی تفسیر سے قطعاً کوئی تعلق نہیں، اور نہ ان کا اس سے کوئی ربط ہے۔ مثلاً علمِ کلام کے مسائل سے انہوں نے اپنی کتاب کو بھر دیا ہے۔ علمِ کلام کا فنِ تفسیر یا اسکے متعلقات سے کوئی ربط نہیں۔ ان سے ان کی غرض اپنے عقائد کو قرآن کے دلائل سے بیان کرنا تھا۔ تفسیر ابوالسعود قریب قریب تفسیر کشاف وغیرہ ہی کی طرز کی کتاب ہے۔ معمولی فرق کے ساتھ وہ اسی کی دوسری شکل ہے۔ تاج التفاسیر، تفسیر جلالین کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ ان کی آپس کی نسبت اسی طرح کی ہے، جس طرح تفسیر ابوالسعود کی نسبت تفسیر کشاف اور بیضاوی کے ساتھ ہے۔

فخر الدین رازی کی تفسیر عوام اور خواص کی تفسیر ہے، اور لوگ اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ ابوحیان مفسر اپنی تفسیر میں اس پر رائے زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں: "فخر الدین رازی کی تفسیر میں تفسیر کے علاوہ سب کچھ ہے۔" ابوحیان نے اس تفسیر پر کیسا اچھا تلا تبصرہ فرمایا ہے۔ یہ تفسیر بڑی بلکہ سمندر ہے، جو شخص اس کا ایک جز مر کسی آیت کی تفسیر دیکھنے کے لئے کھولتا ہے، وہ اپنے آپ کو غیر شعوری طور پر بحرِ بے کراں میں پاتا ہے۔ اور ساحل پر پہنچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ امام فخر الدین نے اپنی کتاب کے مقدمے میں خود لکھا ہے کہ "اس نے اپنی کتاب میں بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں، جن کا کتاب اللہ کی تفسیر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" اپنی کتاب میں ان انوکھے مسائل کو بیان کرنے سے غرض یہ تھی کہ وہ اس حقیقت کو مدلل کریں کہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی ایسی کتاب ہے، جس کے معانی و اسرار و حکم کا شمار و احاطہ ناممکن ہے، اگرچہ اس پر سینکڑوں جلدیں لکھی جائیں۔ صرف سورۂ فاتحہ کے اسرار و معانی اور احکام پر ایک ضخیم جلد لکھی جا سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سورۂ فاتحہ پر مستقل ایک جلد لکھی ہے تاکہ اس کے منکرین کا رد کریں۔ اور یہ کوئی رد کا احسن طریقہ نہیں ہے کہ کتاب کو ایسے مسائل سے بھر دیا جائے، جن کا کتاب اللہ کی تفسیر سے کسی لحاظ سے ربط نہیں ہے۔ اس طرح تو ہر کتاب پر امام رازی کی تفسیر کی طرح لمبا چوڑا لکھا جا سکتا ہے، وہ کتاب اللہ ہو یا اور کوئی کتاب۔ جب مؤلف اپنی تالیف میں چشم پوشی اور

نرمی سے کام لے گا اور مناسبتوں اور قرابتوں اور مختلف تعلقات کی رعایت کرے گا تو پھر بات لمبی ہوتی چلی جائے گی اور کہیں رکنے کا نام نہیں لے گی۔

ہم نے متاخرین مصریوں میں سے ایک شخص "سحیمی" کا حاشیہ دیکھا جو عبدالسلام کی "جوہرۃ التوحید" پر اس نے چار بڑی بڑی جلدوں میں لکھا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک شخص "امیرؒ" جو علم الکلام میں سحیمی سے زیادہ ماہر ہے۔ نے ایک چھوٹی جلد میں اس پر عمدہ اور مکمل گفتگو کی ہے۔ سحیمی چاہتا تو اس طرح چار جلدیں اور بھی لکھ سکتا تھا لیکن اس نے اپنے علم کی گہرائی اور وسعت بتانے کے مقصد کو اتنی جلدوں میں ہی کافی سمجھا۔"

پھر انہوں نے "تفسیر روح المعانی" پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ "اس کے مصنف نے اپنی تفسیر کا مواد امام فخر الدین رازی کی تفسیر سے لیا ہے۔ اس میں سے زوائد کو حذف کر دیا ہے اور کچھ نہایت عمدہ اضافہ بھی کیا ہے، کہ متقدمین اور علماء سلف کے اقوال کو اس میں شامل کر دیا ہے۔ لیکن ان اقوال کو بیان کرتے ہوئے ان کی قوی یا ضعیف سند کا کوئی لحاظ نہیں کیا اس طرح تفسیر میں اشتباہ و اشکال باقی رہ گیا ہے۔ مؤلف نے اپنی اس تفسیر میں صوفیوں کے اقوال کا بڑا حصہ شامل کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے متکلمین —— کہ جنہوں نے اپنے عقائد کے استدلال کے لئے قرآن کی عقلی تاویل سے بھی دریغ نہیں کیا، اور جن کا یہ مشہور قاعدہ ہے کہ جب عقل اور نقل کے درمیان معارضہ ہو تو نقل کی عقل کے مطابق تاویل کر لیتے ہیں —— کی تاویلات پر صوفیوں کی اُن تاویلات کا بھی اضافہ کیا ہے، جن سے انہوں نے قرآن کو اس کے ظاہری معانی سے ہٹا کر ایسے معانی کی طرف پھیر دیا ہے جن کے عربی الفاظ متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس طرح اس کتاب میں طرق ثلاثہ جمع ہو گئے ہیں: طریقۃ السلف، طریقۃ المتکلمین، طریقۃ المتصوفہ۔ مگر طریقۂ سلف میں انہوں نے اس کی سندوں کو بیان کرنے میں صحت و سقم کا لحاظ نہیں کیا اس طرح اس کی حیثیت بھی حدیث کی ان کتابوں کی ہو گئی ہے جن میں حدیث کی سند اور رجالِ سند کے احوال کی تحقیق نہیں ہے خصوصاً جب وہ کسی اور سے معارض ہو تو ترجیح کی کوئی صورت نہیں بنتی۔

"تفسیر درِ منثور" میں جلال الدین سیوطی نے خود کہا ہے کہ "انہوں نے اپنی حسب عادت تفسیر ابن جریر کو مختصر کیا ہے اس میں کتاب اللہ کی تفسیر سے متعلق احادیثِ صحاح جمع کی ہیں اور اسباب النزول

بیان کئے ہیں سیوطی اپنی اس مختصر تفسیر میں موضوع سے متعلق بے کار سندوں والی احادیث لے آئے ہیں اور ان کو اصل احادیث کے ساتھ ایسا گڈمڈ کر دیا ہے کہ ان کی تمیز مشکل ہو گئی ہے۔ اور اس کی سب احادیث مشکوک ہو کر رہ گئی ہیں۔

بعض کا کہنا ہے کہ "سیوطی سے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی تفسیر "درِمنثور" میں بے کار سندوں والی یا موضوع احادیث بیان کریں، کیونکہ انہوں نے خود موضوع احادیث کے مجموعے تیار کئے ہیں۔"

ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے، جس شخص کو تصنیف و تالیفِ کتب میں سیوطی کے طرزِ عمل کا علم ہے، وہ ہماری رائے سے اتفاق کرے گا کہ ان کا طریقۂ تالیف یہ ہے کہ اگر کوئی علم و فن کی کتاب ان کے ہاتھ لگتی اور وہ ان کو پسند آجاتی تو اس کو بلا تحقیق اور حقائقِ علوم کی معرفت کے بغیر مختصر کرتے اور اس کو اپنی طرف منسوب کر لیتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کی کتابوں میں اضطراب نظر آتا ہے کیونکہ وہ ان کے اپنے دماغ کی سوچ اور فیصلہ نہیں ہوتا۔ وہ ہر کتاب میں اس کے مؤلف کا فکر اس انداز سے پیش کرتے ہیں گویا یہ ان کا اپنا فکر ہے۔

مثال کے طور پر ان کی کتاب "الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر" اور دوسری کتاب "اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ" کا مطالعہ کریں، تو آپ دیکھیں گے کہ "جامع صغیر" میں بہت سی ایسی احادیث انہوں نے بیان کر دی ہیں، جن کو "اللآلی المصنوعہ" میں من گھڑت اور موضوع قرار دے چکے ہیں، اور وہ کسی سند سے بھی صحیح نہیں ہیں۔ اس کے بعد آپ کو ہماری بات پر یقین آئے گا کہ وہ کتابوں کی تالیف نہیں فرماتے تھے، بلکہ دوسروں کی کتابوں کو ملخص کر کے اپنی طرف منسوب کر لیتے تھے۔" پھر صاحبِ تبصرہ نے سیوطی اور ابنِ کمال پاشا پر طویل گفتگو کر کے بتایا ہے کہ وہ ایک ہی طرز اور معیار کے آدمی ہیں، کہ کتابوں کو مختصر کر کے ان پر اپنا نام لکھ دیتے تھے!

آگے فرماتے ہیں:

"تفسیر محی الدین" قرآن مجید کی تفسیر نہیں، بلکہ اس میں قرآن مجید کو مسخ کیا گیا ہے اور دین کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بعض محققین کی رائے ہے کہ یہ کتاب دراصل ایک باطنی ملحد "القاشانی" کی تصنیف ہے، مگر مسلمان عوام اور محی الدین کے معتقدین میں اس کی اشاعت کی خاطر، ان کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔ ہمارا گمان یہ ہے کہ محی الدین اس قسم کی کتاب کے مصنف نہیں ہو سکتے اور

نہ کتاب اللہ کی تفسیر میں یہ مذہب اختیار کر سکتے ہیں بہرحال اس کی تفسیر کا مصنف جو کوئی بھی ہو' اس کی مسلمانوں میں اشاعت بے حد ضرر رساں ہے۔ خاص طور پر اس لئے کہ عوام کو پتہ نہیں' ان کتابوں میں صحیح اور غیر صحیح کون کون سی باتیں ہیں؟

"تفسیر ابن عباسؓ" کے مؤلف مجدالدین فیروز آبادی' صاحب "قاموس" ہیں اس تفسیر میں انہوں نے محمد بن سائب کلبی کی روایات کو جمع کیا ہے' جو اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کی ہیں۔ اور مقدمے میں ہم محمد بن سائب کلبی کا حال اور ضعف' نیز علماء کے نزدیک اس کی مرویات کے غیر معتبر ہونے کا ذکر کر چکے ہیں۔

یہ تفسیر کی کتابیں ہیں' جو آج کل پڑھی جاتی ہیں ممکن ہے ہمارا تبصرہ ان پر جامع نہ ہو' لیکن اتنی بات اس میں قدر مشترک ہے کہ آج ہمارے پاس سوائے تفسیر ابن جریر کے کوئی تفسیر نہیں' جو اعتماد اور بھروسے کے لائق ہو۔ ایک صدی کے دوران اسلامی مطابع کا یہی ایک شاندار کارنامہ ہے۔ یہ بھی اس طرح کہ جزیرہ عربیہ کے ایک امیر عرب نے کتابوں کے ایک مصری تاجر سے اس کی افادیت اور اہمیت اور تعاون پر خط و کتابت کی' پھر اس کتاب کی طباعت میں بڑا تعاون کیا' اگر یہ صورت نہ ہوتی تو شاید مطبوعات کی دنیا "خازن" اور "جمل" کی وجہ سے اس نعمت سے محروم رہتی۔

اگر آپ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ اور تبع تابعین رحمہم اللہ اور تیسری صدی ہجری کے علماء کی تفاسیر سے آگاہی چاہتے ہیں' تو مقدمے کا مطالعہ کیجئے' جو ہم نے اس موضوع پر لکھا ہے' وہیں ہم نے تیسری صدی ہجری کی مؤلفات کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ ان تفاسیر کا متلاشی اگر سب کتابوں کو اس میں نہ بھی پا سکے' تو اتنی کتب کو ضرور جان لے گا' جو ضرورت کے لئے کافی ہونگی"۔

علامہ سید بدرالدین حلبی نے مندرجہ بالا کتب تفاسیر پر جو تبصرہ کیا ہے' اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں: "ان کتب تفاسیر کے تجزیے سے میرا مقصد کسی کی تنقیص نہیں' بلکہ یہ ہے کہ یہ کتب تفسیر اسلامی علوم سے منقطع کرنے والی ہیں اور دین کی حفاظت کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی کتابیں منتخب کی جائیں' جو دینی علوم کے لئے مفید ہوں۔ جن کتب سے آج کل ہمیں واسطہ پڑ رہا ہے' ان پر لکھنے کی غرض محض حقیقت کا نکھار اور دینی علوم میں زیادہ مفید کی تلاش ہے"! یہاں پر انصاف پسند فاضل حلبی کی تحریر ختم ہوتی ہے۔ اس سے تفاسیر کا حال مختصر طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کے پیش نظر

یہ دعویٰ کہاں تک درست ہے کہ قرآنِ مجید کی تفاسیر سے فراغت ہو چکی ہے' اب کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہیں؟ لطف یہ ہے کہ اصحاب التفسیر خود کہتے ہیں کہ علم التفسیر "علم لا نضج ولا احترق" ! علمِ تفسیر ایک جاری علم ہے جو ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ "نضج العلم" سے مراد اس کے قواعد کا طے کرنا اور اس کے جزئی مسائل کی اصلاح و تقسیم اور "احتراق" سے مراد اس کا آخری حد تک پہنچنا ہے یعنی یہ دونوں امور ابھی تک حاصل نہیں ہو سکے !

امام سیوطیؒ نے "الاتقان" میں لکھا ہے کہ لوحِ محفوظ میں قرآنِ مجید کا ہر حرف کوہ قاف کے برابر ہے۔ اور ہر آیت کی اتنی تفاسیر ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ علماء نے تفسیر کا حق کب ادا کر دیا ہے؟ کہ کہا جا سکے تفسیر کے کام سے فراغت حاصل ہو چکی! اس قول سے اس کی دینی بے بصیرتی اور انتہائی جہالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس زمانے میں پرانی زبان اور طرز کو ترک کر کے آسان اور ادبی زبان میں عوام و خواص کی تفہیم کے لئے تفسیر لکھنا اور موجودہ مسائل میں قرآنی نقطہ نگاہ سے راہنمائی کرنا کونسا جرم ہے؟ ایسی تفسیر لکھنے کی خواہش کونسا گناہ ہے؟ پہلے عجمی اور غیر عجمی لوگ مشکل اور دقیق عبارتوں اور کتابتوں پر فخر کرتے تھے۔ اور آسان اور واضح تحریر کو ناپسند کرتے تھے۔ متقدمین بلغاء اور گزشتہ کاتب اس کے اُلٹ تھے میں نے اصولِ حدیث کی ایک کتاب میں پڑھا ہے، باریک کتابت مکروہِ تنزیہی ہے۔ کیونکہ کمزور نظر لوگ اس سے نفع نہیں اٹھا سکتے یا کم اٹھاتے ہیں۔ اور باریک کتابت میں نظر و دماغ کی زیادہ محنت کی وجہ سے ان کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ امام احمدؒ بن محمد بن حنبل نے اپنے عم زاد حنبل بن اسحاق بن حنبل کو فرمایا' جب کہ وہ باریک عبارت لکھ رہے تھے "جب تجھے نظر کی زیادہ ضرورت ہوگی تو یہ اس کو کمزور کر دے گی"۔

والد رحمۃ اللہ علیہ کتاب کے حاشیے میں اس عبارت پر رقم طراز ہیں "دیکھو جب باریک اور دقیق کتابت کا یہ حال ہے' تو شرعی علوم کی دقیق عبارتوں کا کیا حال ہوگا"؟ حالانکہ دقیق عبارتیں لکھنا بڑی خوبی شمار کی جاتی ہے اور دقیق عبارات کو سمجھنا علم کی معراج سمجھی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم و مسائل کو حفظ کرنا ترک کر دیا گیا ہے اور اس کی طرف توجہ ختم ہو کر رہ گئی ہے۔

کاش مجھے کوئی بتائے کہ علماء متقدمین کا علم "صدور میں (حفظ) تھا یا سطور میں (لکھا ہوا) تھا۔ علماء صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا کیا حال تھا؟

یہ بھی فرمایا: "میں نے ایک مؤلف کو دیکھا جبکہ میں ان کے ساتھ ان کی ایک دقیق کتاب کے مسودے کا مقابلہ کر رہا تھا، وہ خود بعض عبارتوں کے سمجھنے میں مشکل محسوس کرتے تھے اور دیر تک اس پر غور کرنے کے بعد ان کو سمجھ پاتے تھے کیا یہ کسی مسلمان کے لائق ہے؟ کاش اب مجھے پتہ چلے جب طالب علم عبارتوں کے سمجھنے میں دماغ سوزی کرتا رہے گا تو آخر اس کے معانی و مفہوم سمجھنے کی فرصت اس کو کب ملے گی؟ انصاف کیجئے یہ لوگ عجمیوں کی بے کار اور بے مقصد عبارتوں کی تقلید میں اس راہ پر چل پڑے۔ ہم نے کتنے ہی ایسے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے ان کے فہم میں رسوخ حاصل کیا مگر ان میں ایک عربی شعر پر اعراب لگانے کی لیاقت نہ تھی کیا دین کے امین علماء کا یہ طرز عمل مناسب ہے؟ انتہیٰ!"

ہر زمانے میں کتبِ متداولہ کے خلاف لوگوں کی شکایت سب نے سن لی۔ اب اس زمانے میں جب کہ نئے نئے علوم ظاہر ہو رہے ہیں اور عجمی کتابیں دنیا میں پھیل رہی ہیں، سائنس کے انکشافات اور نئی ایجادات نے قلب و ذہن کے پیمانے بدل دیئے ہیں، تو یہ کونسا جرم ہے کہ ان حالات میں قرآن مجید کی ایسی تفسیر لکھی جائے جس میں پیاری شریعت کے محاسن کو تقابلی طور پر اجاگر کیا جائے، زمانے کے پیش آمدہ نئے نئے مسائل کا حل قرآن مجید سے پیش کیا جائے، مدلل حقائق اور قرآنی آیات کے درمیان موافقت دکھائی جائے تاکہ عوام کو اس کے مطالعے کا شوق پیدا ہو۔

قرآن مجید تو وہ جامع کتاب ہے جس کی شان خود اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں:

(۱) "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ"[۱] یعنی "ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں کی۔"

(۲) سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدٰى ۝[۲] (اے پیغمبر) اپنے جلیل الشان رب کے نام کی تسبیح کرو جس نے (انسان کو) بنایا جس نے اندازہ ٹھہرایا اور (اس کو) رستہ بتایا۔"

یہ آیت عرش سے فرش تک کائنات کی ایک ایک چیز پر مشتمل ہے۔ جو شخص اس آیت کی تفسیر کرے، اس کے لئے اس آیت میں ہر قسم کے علوم و فنون پر بحث کی وسیع گنجائش موجود ہے۔ اسی وجہ سے یہ سورت رسولِ اکرم ﷺ کو بہت محبوب تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ آدم پر فرشتوں کی رائے اور اپنے جواب کو یوں بیان فرمایا:

اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا "(فرشتوں نے کہا) کیا تو اس میں ایسے شخص کو خلیفہ

---

[۱] الانعام: ۳۸ [۲] الاعلیٰ: ۱، ۳

وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ [1]

بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے گا اور کشت وخون کرے گا، جبکہ ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"

یہاں مفسرین نے تخلیقِ انسان اور اس کی "خلافت فی الارض" کی یہ حکمت بھی بیان کی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں شہوات اور کھانے پینے اور پہننے کی حوائج پیدا کیں تاکہ وہ اپنی خداداد لیاقت وبصیرت سے زمین کی نباتات، حیوانات اور معدنیات وغیرہ میں غور وفکر کرے اور محنت کر کے نئی نئی چیزیں ایجاد کرے، اور ان کے خواص وفوائد معلوم کرے۔ اس میں کائنات کی ہر چیز آجاتی ہے اور وہ بے حد وحساب علوم آجاتے ہیں، جن سے زبان اور قلم عاجز ہیں۔

کیا قرآنِ مجید کی ایسی تفسیر لکھنا قبروں اور قبر والوں کے ذکر سے، اور جاہل عوام کو ان کی عبادت اور ان کے حضور التجا کی ترغیب وتشویش سے زیادہ بہتر نہیں ہے؟ جبکہ قبر پرستوں نے اس میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ یہ ان کے نزدیک سب سے بڑا فرض، بلکہ ان کے نزدیک اس کے سوا دنیا و آخرت کا کوئی کمال نہیں ہے۔ اس طرح وہ بے چارے دینی وعلمی ہر لحاظ سے مفلس ہیں، اور ہر خوبی سے محروم ہیں۔

جاہل اور قبر پرست نبہانی سے پوچھا جاسکتا ہے کہ کیا تو نے فاضل شیخ الحسین الجسر طرابلسی کی کتاب دیکھی ہے؟ جس میں انہوں نے لکھا ہے، "جب میں نے کلام کی گنجائش دیکھی تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ ایک رسالہ لکھوں، جس میں دینِ اسلام کی حقیقت کو اجاگر کروں اور دیندار لوگوں کے لئے نئے اور سریع الفہم اسلوب کے مطابق دین کی کیفیت کو بیان کروں، جس سے دل نہ اکتائیں اور دماغ اس کو دشوار خیال نہ کریں۔ جو آزاد عقلوں کو لبھاتے، اور تعصب کی زنجیروں سے آزاد ذہن اس کو پسند کرے"! انتہیٰ

کیا یہ کہا جاسکتا ہے، فاضل شیخ نے جو کتاب لکھی ہے، اس میں عیوب ونقائص ہیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ وہ اس فن کی ایک عظیم الشان کتاب ہے۔ اگرچہ ہم اس کو سب سے بہترین نہیں کہہ سکتے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ اس زمانہ میں پہلے فلسفیوں کے متروکہ مسائل سے بحث کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اور معتزلہ کے عقائد پر گفتگو کرنے اور ان کے دلائل کو توڑنے سے کیا نفع ہے؟ جب کہ دنیا میں ان کا وجود تک نہیں

---

[1] البقرۃ: ۳۰

ہے۔ جدید سائنس دانوں نے ترقی کر کے بے شمار میدانوں میں نئے مشاہدے کئے ہیں پہلے سائنس دانوں کے نظریات موجودہ نظریات سے مختلف تھے۔ اب ملحد اور گمراہ لوگ جو جدید علمی اوزاروں کو لے کر مقابلے میں اُترے ہوئے ہیں عقل مند ان کے مقابلے میں ایسے علمی اوزار تیار کرتا ہے جن کے سامنے ان کو سرِ تسلیم خم کرنا ہی پڑے، اور انہیں مانے بغیر بن نہ آئے۔

اب فاضل طرابلسی کے طریقے کے مطابق کوئی تفسیر نویسی کی خواہش و ارادہ کرے تو یہ کونسا جرم ہے؟ نبہانی نے اس فاضل کی خدمت میں حاضر ہونے کی تیاری کیوں نہ کی تاکہ اس سے دین سیکھتا اور اس کے معارف کو اپنی خطرناک مرضِ جہالت کے علاج کے لئے بطور جڑی بوٹیوں کے استعمال کرتا، یا وہ فاضل سیّد بدرالدین حلبی کی خدمت میں حاضری دیتا اور علم حاصل کرتا جس سے وہ اپنی جہالت کے اندھیروں سے نکلتا اور ان کے علوم سے اپنے دل کو منور کرتا۔ دراصل نبہانی ان لوگوں میں سے ہے جو حماقت اور جہالت کے مرض میں مبتلا ہیں۔ اب اس کے علاج کے لئے کوئی طبیبِ حاذق چاہیئے اگرچہ مشہور ہے کہ حماقت کے مرض کا کوئی علاج نہیں!

ہم کتنے ہی مفسرین کو دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محکم آیات کو یونانی ہیئت کے قواعد و اصول کے مطابق بنانے کے لئے تاویل کرتے ہیں۔ اور ان کو حکمتِ الٰہیہ اور طبعیتِ یونانیہ پر چسپاں کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ بڑی مشقتیں اور صعوبتیں جھیلتے ہیں حالانکہ جدید علوم و فنون جن کی صحت کے دلائل موجود ہیں کے ساتھ آیات کی مطابقت و موافقت بغیر کسی دِقت کے ممکن ہے اس لئے کہ وہ آیات کے عین مطابق ہیں

پھر قبر پرست نبہانی نے امام فخر الدین رازی کی تفسیر پر اعتراض کیوں نہیں کیا، جو متکلمین کے کلام اور یونانیوں کے فلسفے سے بھری ہوئی ہے، فلسفے کی کتابوں کے تراجم سے قبل مسلمانوں میں یہ بحثیں کب تھیں؟ جب نبہانی کو یونان کے فرسودہ اور بے کار فلسفے کے مطابق تفسیر لکھنے پر اعتراض نہیں تو اس کو جدید سائنس کے مطابق تفسیر لکھنے پر کیوں اعتراض ہے؟ حالانکہ جدید سائنس یونانی فلسفے کے مقابلے میں صحیح تر اور اعتماد کے لائق ہے کیا یہ دھونس اور دھاندلی نہیں ہے؟

پھر قبر پرست نبہانی نے ان لوگوں کی تفاسیر پر اعتراض تو نہیں کیا جنہوں نے کلام اللہ کو سمجھنے کے لئے نہیں بلکہ فخر اور کارنامہ کے اظہار کے لئے تفسیریں لکھی ہیں۔ ان میں ایسی باتیں ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں

کیں، لیکن ایسی تفسیر لکھنے پر معترض ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے کلام کی صاف صاف سمجھ آتی ہو اور جس کی پشت پر دلائل موجود ہوں جو شخص ایسی تفسیر لکھنے کی خواہش رکھتا ہے، وہ کس گناہ کا مرتکب ہوتا ہے؟

ہاں گناہ گار اور مجرم یہ قبر پرست جاہل، احمق، غالی ہے۔ جو ایسی تفسیر لکھنے کا ارادہ کرے، جس میں میلاد پڑھنے، مُردوں کے ناموں کے نعرے لگانے اور اسی طرح کے دوسرے من گھڑت مسائل لکھے اس کو قرآن کی تفسیر جیسی بلند خواہش کے ساتھ کیا نسبت؟ بلاشبہ جو شخص اس کی ہاں میں ہاں ملائے، اس کی کتابوں کی تعریفیں کرے، اس سے تفسیر قرآن کی خواہش کرے، وہ پہلے درجے کا جاہل ہے۔ اس کی کونسی کتاب تعریف کے لائق ہے؟ اس کی سب کتابیں جھوٹی روایات اور غلو فی الدین جیسی خرابیوں سے پُر ہیں اور ان کے قاری کو تاسف ہوتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا بہترین وقت ان فضول اور لچر کتابوں کے مطالعے میں ضائع کیا بسا اوقات وہ اس سے یہ تأثر لیتا ہے کہ مصنف گھٹیا ذہن و فکر کا مالک ہے۔

۲۔ کیا عصری علوم پر مشتمل تفسیر قرآن کی خواہش الحاد ہے؟

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جو شخص عصری تقاضوں کے مطابق تفسیر لکھنے کی خواہش اور مقصد رکھتا ہے، وہ گنہگار نہیں اور اس کا مقصد اس تفسیر سے مسلمانوں کی بکثیر، اسلام کے اعداء کو احسن انداز میں اسکی دعوت دینا اور عوام کی تفہیم ہو تو یہ بجائے خود اسلام کے جلیل القدر مقاصد میں سے ہے۔ ان مقاصد کا حامل کس طرح ملحد اور غیر مسلموں کی راہ اختیار کرنے والا ہو سکتا ہے؟

لطف یہ ہے کہ نبہانی اس شخص کے ملحد ہونے کا فتویٰ نہیں دیتا جو بدعتوں اور الحاد کی ترویج کے لئے قرآنِ مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کرتا ہے وہ کہتا ہے: (اَتَامُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ) ہر وہ فعل جمیل ہے جس سے دل صاف اور نفس ذبح ہو اور تم ایسے افعال نہیں کرتے ہو جن سے تم تجلی افعال کے مقام سے ترقی کر کے تجلی صفات تک پہنچ جاؤ۔ (وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ) اور تم اپنی فطرت کی کتاب پڑھتے ہو، جو تم کو ایسے دین کا حکم کرتی ہے جس سے تم توحید کی راہ کے سالک بن جاؤ۔ (اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ) تم اپنی آزاد صفاتِ ذمیمہ کو انوارِ قدمیہ کے فیضان کی رسی سے باندھتے ہو جس کو حقیقی قدرت حاصل ہے، تم اسی سے مدد مانگو۔ (بِالصَّبْرِ) اس سلوک پر صبر کے ساتھ جو تمہارے ساتھ روا رکھا جاتا ہے تاکہ تم مقام رضا تک رسائی پا سکو۔ (وَالصَّلٰوۃِ) اس سے مراد مراقبہ اور حضورِ قلب ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کو حاصل کیا جا سکے۔ اور مراقبہ گراں ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں میں انکساری و نرمی موجود ہے تاکہ وہ

تجلیاتِ رب کو اور اس زبردست سطوت کے غلبے کو قبول کر سکیں یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے حضور میں ہونے کا یقین رکھتے ہیں اور یہی اپنی صفات کو اس کی صفات میں فنا اور گم کر کے اس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ وہ بادشاہ باریک بین اور زبردست کی شان وصفات کے علاوہ اور محسوس نہیں کرتے۔"

یہ تفسیر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی ہے:

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ○ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ [1]

اے لغت اور اس کے مدلولات کو سمجھنے والے انصاف پسند! ذرا دیکھو ان آیاتِ کے الفاظ مذکورہ معانی پر کب دلالت کرتے ہیں؟ کیا یہ خواہشِ نفسانی کے مطابق تفسیر نہیں ہے؟

جب بات ادھر چل نکلی ہے تو ہمارے لئے یہاں فنِ تفسیر کے متعلق بعض اصولی قواعد کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ حق وباطل کے درمیان تمیز ہو سکے اور خطاء وصواب کو پہچانا جا سکے۔ ہم اللہ تعالیٰ ہی سے اعانت وتوفیق کے خواستگار ہیں!

شیخ الاسلام تقی الدین ابو العباس احمد ابن تیمیہ حرانی، اللہ تعالیٰ ان کی روح کو مقدس کرے، اپنی مایہ ناز اور فنِ تفسیر میں بے مثل کتاب "اصولِ تفسیر" میں رقم طراز ہیں:

"یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے جس طرح صحابہ کرامؓ کے سامنے قرآن مجید کے الفاظ کو بیان فرمایا، اسی طرح اس کے معانی بھی بیان فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ" دونوں کو شامل ہے۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں، "ہمیں حضرت عثمانؓ بن عفان اور عبداللہ بن مسعودؓ جیسے بزرگوں نے حدیث بیان کی جو قرآن مجید کو پڑھتے تھے کہ جب وہ دس آیات سیکھ لیتے تھے تو وہ آگے نہیں جاتے تھے جب تک ان کے معانی اور عمل کو جان نہ لیتے۔ اور کہتے تھے کہ ہم نے نبی ﷺ سے قرآن اور اس کا علم وعمل سب کچھ سیکھا ہے یہی وجہ تھی کہ وہ ایک سورت کے حفظ میں ایک مدت لگا دیتے تھے۔" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں بیان فرماتے ہیں کہ "حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جو شخص سورۃ البقرہ اور سورہ آلِ عمران

---

[1] البقرۃ: ۴۴-۴۶

پڑھ لیتا تھا وہ ہماری نظروں میں جلیل القدر ہو جاتا تھا۔"

موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سورۃ البقرہ کے حفظ اور سیکھنے میں آٹھ سال لگا دیئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ۔ الآیۃ"¹ "یہ کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے، بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں۔"

اور فرمایا: "اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ الآیۃ"² "بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے۔"

کلام کے معانی کو سمجھے بغیر تدبر ممکن نہیں ہے۔ یہ بات قاعدے کے خلاف ہے کہ لوگ کسی علم و فن طبابت و حساب وغیرہ کی کتاب پڑھیں مگر اس کو سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔ کلام اللہ تو گناہوں سے بچنے، عذاب الٰہی سے نجات، سعادتِ اُخروی اور دین و دنیا کے قیام کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اس کو سمجھنا اور پڑھنا تو سب سے ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان تفسیر قرآن میں برائے نام اور بہت کم نزاع پیدا ہوا — تابعین میں بعد والوں سے کم ہے اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ ہے۔ بعض تابعینؒ نے پوری تفسیر صحابہ کرامؓ سے سیکھی بعض دفعہ انہوں نے استنباط و استدلال سے بھی کام لیا۔ اس طرح سلف کی تفسیر میں بہت کم اختلاف ہے۔ جو اختلاف ہے بھی، وہ اختلافِ نوعی ہے، اختلافِ تضاد نہیں ہے۔ اختلاف دو قسموں کا تھا: (۱) صرف تعبیر کا اختلاف تھا، مطلب و مفہوم ایک ہی تھا۔ مثلاً "الصراط المستقیم" کی تفسیر بعض تو قرآن کے ساتھ یعنی "قرآن کی اتباع" کے ساتھ کرتے ہیں اور بعض "اسلام" کے ساتھ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ اس لئے کہ اتباعِ قرآن سے مراد اسلام ہے لیکن تعبیر اور بیان کا فرق ہے جس طرح کہ "الصراط" کا لفظ تیسرے وصف کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے اسی طرح بعض نے کہا "الصراط" سے مراد "سنت و جماعت ہے"۔ بعض نے کہا "وہ طریقِ عبودیت ہے"۔ بعض نے کہا "وہ اللہ و رسول کی اطاعت ہے" وغیرہ گویا چیز ایک ہی مراد ہوتی ہے مگر کوئی اس کی ایک صفت بیان کرتا ہے کوئی دوسری یعنی تعبیر و بیان کا فرق ہوتا ہے۔

(۲) ہر ایک مفسر اسمِ عام میں سے اس کی ایک نوع کو بطورِ تمثیل بیان کرتا ہے تاکہ سامع اس نوع پر متنبہ ہو سکے اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ اسم کی اس کی عمومیت و خصوصیت

---

¹ سورہ صٓ: ۲۹ ² محمد: ۲۴

کے لحاظ سے مکمل تعریف کی گئی ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر ہے:
"ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا" الآية[1] آیت میں "ظالم لنفسہ" سے مراد واجبات و فرائض کا تارک اور محرمات کا مرتکب ہے "مقتصد" کے لفظ سے مراد واجبات و فرائض کا عامل اور محرمات کا تارک ہے "سابق" سے مراد وہ ہے جو تقرب کے حصول کے لئے واجبات کی پابندی کے ساتھ نوافل وسنن کی طرف سبقت کرنے والا اور ان کا مشتاق ہو "المقتصدون" سے مراد "اصحاب الیمین" ہیں: "وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۙ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ"[2] پھر ہر مفسر طاعت کی انواع میں سے ایک نوع کا ذکر کرتا ہے تاکہ اس سے باقی طاعات پر دلالت ہو مثلاً ایک مفسر کہتا ہے "سابق" سے مراد وہ شخص ہے جو اول وقت میں نماز ادا کرے اور "ظالم لنفسہ" سے مراد وہ ہے جو دھوپ کے زرد ہونے تک عصر کو ٹالتا رہے یا دوسرا کہتا ہے "سابق" سے مراد وہ ہے جو زکوٰۃ کے ساتھ نفلی صدقات بھی دے۔ "المقتصد" سے مراد وہ ہے جو صرف فرض زکوٰۃ ادا کرے اور "ظالم" سے مراد زکوٰۃ کا تارک ہے۔
تفسیر کے تنوع میں ہم نے جو دو قسمیں بیان کی ہیں کبھی تو وہ اسماء وصفات میں تنوع کی وجہ سے ہوتی ہے، اور کبھی مسمّٰی کے بعض انواع کے ذکر کی وجہ سے سلف کی تفسیر میں جہاں جہاں اختلاف نظر آتا ہے، وہاں یہی صورت ہوتی ہے اور جو تنازع ان کے اندر موجود ہے، وہ اس لئے کہ ایک لفظ لغت میں دو معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ مثلاً لفظ "القسورہ" کہ اس سے مراد پھینکنے والا بھی ہے اور شیر بھی "عسعس" سے مراد رات کا آنا بھی ہے، اور جانا بھی۔ یا تو اس لئے کہ وہ اصل میں موافق ہے لیکن مراد "نوعین" میں سے ایک ہے یا دو شخصوں میں سے ایک ہے۔ مثلاً ضمائر، اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں: "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى"[3] یعنی "پھر وہ قریب ہوئے اور آگے بڑھے۔ پس وہ تھے دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم"۔
اسی طرح کے الفاظ فجر، شفع، وتر اور لیال عشر وغیرہ ہیں ایسی صورت میں سلف نے جو معانی بیان فرمائے ہیں، کبھی سب مراد لئے جا سکتے ہیں اور کبھی نہیں۔ پہلی صورت تو اس لئے کہ وہ آیت دو بار نازل ہوئی ہو۔ ایک بار اس سے یہ مراد ہو، اور دوسری بار وہ مراد ہو۔ یا لفظ مشترک ہوگا اور اس کے دونوں معانی مراد لئے جا سکتے ہیں یا لفظ دونوں پر چسپاں ہوتا ہو، اس صورت میں وہ عام ہو جائیگا۔

---

[1] فاطر: ۳۲ [2] الواقعۃ ۱۰-۱۱ ، [3] سورۃ النجم ۸، ۹

جب تک کوئی سبب تخصیص کا نہ ہو تو وہ لفظ عام ہی رہے گا۔ جب کہ سلف کے دونوں قول صحیح ثابت ہوں، تو اس کو دوسری قسم میں شمار کرنا چاہیئے!

اور ان کے موجود اقوال میں سے وہ بھی ہیں کہ لوگ انہیں اختلاف سمجھتے ہیں حالانکہ فی معنا بیان کرنے میں وہ قریب المعانی الفاظ استعمال کرتے ہیں مثال کے طور پر ان میں سے بعض "تبسل" کے معانی "تحبس" کے ساتھ اور بعض "ترتھن" کے ساتھ کرتے ہیں یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

پھر شیخ الاسلام ایک فصل کے عنوان سے لکھتے ہیں "تفسیر میں اختلاف کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ذریعہ صرف نقل ہو (۲) ذریعہ معلومات نقل کے سوا ہو۔ پھر منقول یا تو نبی معصوم سے ہو گی، یا کسی اور سے بعض کی صحت کی معرفت ممکن ہو گی، بعض کی ممکن نہ ہو گی۔ اس قسم سے جس میں صحیح کو ضعیف سے پہچاننا ممکن نہ ہو، عام طور پر کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ہمیں اس کی معرفت کی ضرورت ہوتی ہے اس کی مثال مفسرین کا اصحابِ کہف کے کُتّے کے رنگ اور اس کے نام میں، اختلاف ہے۔ اور گائے کے اس ٹکڑے میں اختلاف ہے جس سے مقتول کو مارا گیا تھا۔ اور نوح علیہ السلام کی کشتی کے طول و عرض اور اس کی لکڑی میں اختلاف ہے۔ اور لڑکے کے نام میں اختلاف ہے جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا، وغیرہ۔ ظاہر ہے یہ ایسی باتیں ہیں جن کا ذریعہ علم صرف نقل ہے۔ اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو صحیح منقول ہے، وہ قبول ہو گا۔ اور جو صحیح منقول نہ ہو، مثلاً "وہب" اور "کعب" (اہلِ کتاب) سے منقول ہے، اس میں توقف کیا جائیگا اور کوئی فیصلہ نہ ہو گا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جب تمہیں اہلِ کتاب حدیث بیان کریں تو ان کی تصدیق و تکذیب نہ کرو"۔ یہی حکم ان باتوں کا ہے، جو تابعینؒ سے منقول ہیں۔ اگرچہ وہ یہ نہ بتائیں کہ ہم نے اہلِ کتاب سے اخذ کی ہیں۔

جب تابعینؒ آپس میں اختلاف کریں، تو ان کے اقوال ایک دوسرے پر حجت نہ ہوں گے۔ اور جو بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صحیح نقل کے ساتھ مل جائے، وہ تابعینؒ کی منقول بات کے مقابلے میں زیادہ اطمینان بخش ہوتی ہے۔ اس میں یہ قوی احتمال ہوتا ہے کہ شاید انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سُنا ہو، یا جس صحابیؓ نے سُنا، اس سے سُنا ہو۔ صحابہ کرامؓ تابعینؒ کی نسبت اہلِ کتاب سے بہت کم نقل کرتے تھے اور صحابی کو اپنے قول پر یقین ہوتا ہے۔ یہ بات کیسے ممکن ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

تو اہلِ کتاب کی تصدیق سے روکیں اور صحابہؓ ان سے نقل کریں، رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"اِذَا حَدَّثَكُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ فَلَا تُصَدِّقُوْهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ" "جب اہلِ کتاب تمہیں کوئی بات بتائیں، تو ان کی تصدیق و تکذیب میں توقف کرو۔"

اب رہی منقولات کی وہ قسم جس میں صحیح کی معرفت ممکن ہو، الحمد للہ وہ کثرت سے موجود ہیں — اگرچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "تین چیزوں کی اصل نہیں ہے تفسیر، ملاحم (لڑائیاں) مغازی (غازیوں) کے کارنامے" کیونکہ ان میں اکثر مرسل روایتیں ہیں۔ اور جو تفسیر نقل کی بجائے استدلال سے کی جائے، اس میں دو جہتوں سے خطا کا احتمال زیادہ رہتا ہے۔ یہ دو جہتیں صحابہؓ و تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کی تفاسیر کے بعد وجود میں آئی ہیں۔ جن تفاسیر میں ان بزرگوں کے کلام کو ہی بیان کیا گیا ہے، ان میں ان دو جہتوں میں سے کچھ نہیں پایا جاتا۔ مثلاً تفسیر عبدالرزاق، تفسیر فریابی اور وکیع، عبد اور اسحٰق وغیرہ کی تفاسیر۔ یہ دو جہتیں درج ذیل ہیں:

(۱) کچھ لوگوں نے کچھ مفہوم ذہن نشین کر لئے، پھر قرآنِ مجید کے الفاظ کو زبردستی ان معانی پر چسپاں کرنے کی کوشش کی۔

(۲) وہ لوگ جنہوں نے محض لغتِ عرب سے قرآنِ مجید کی تفسیر کی، اور اس بات کا کوئی لحاظ نہیں کیا کہ متکلمِ قرآن سے کیا غرض ہے۔ اور جس پر قرآن اترا، اور جو قرآن کے اوّلیں مخاطب تھے، وہ کیا سمجھے؟ اور اس کا مطلب انہوں نے کیا بیان فرمایا؟

پہلی قسم کے لوگوں کی نظر صرف معانی پر جم کر رہ گئی۔ اور انہوں نے قرآنِ مجید کے الفاظ کے مفہوم و بیان سے صرفِ نظر کر لی۔ دوسری قسم کے لوگوں کی نگاہ صرف الفاظ پر رُک کر رہ گئی۔ وہ بس یہی دیکھتے رہے کہ عرب ان الفاظ کو کن معانی میں استعمال کرتے ہیں؟ اور متکلمِ قرآن اور سیاقِ کلام دونوں کو نظر انداز کر دیا۔

دوسری قسم کے لوگ اکثر یہ فیصلے کرتے وقت غلطی کر جاتے ہیں کہ آیا قرآنی لفظ لغوی معنی کا متحمل بھی ہے؟ پہلی قسم کے لوگوں سے بھی یہی غلطی سرزد ہوتی رہی، وہ اپنے وضع کردہ نظریے کو ثابت کرنے کے لئے قرآنی الفاظ میں زبردستی ایسے معانی داخل کرنے کی کوشش کرتے رہے جن کے قرآنی الفاظ متحمل نہیں ہیں، لہٰذا دونوں قسم کے لوگ غلطی میں مساوی ہیں۔ ایک کی نظر معنی پر زیادہ رہتی ہے،

اور دوسرے کی لفظ پر۔

پہلے گروہ کی دو قسمیں ہیں : کبھی تو وہ قرآنی الفاظ کے مدلول و مراد کو سلب کرتے ہیں اور کبھی ان کو ایسے معانی پہناتے ہیں، جن پر نہ وہ دلالت کرتے ہیں اور نہ ان سے وہ مراد ہو سکتے ہیں اس طرح چاہے وہ قرآنی الفاظ کے اصل معانی کی نفی کریں یا اپنے مزعومہ معانی ان سے ثابت کریں، ان کا یہ عمل ہر لحاظ سے باطل ہے۔ وہ دلیل میں بھی خطاء کھانے والے ہیں اور مدلول میں بھی! کبھی مدلول صحیح ہوتا ہے مگر دلیل پھر بھی غلط ہوتی ہے۔ جن بدعتی گروہوں نے دونوں لحاظ سے خطاء کی ہے، وہ مذاہب باطلہ کے پیروکار ہیں، انہوں نے قرآن مجید پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا اور اس کی تاویل اپنی رائے کے مطابق کی جس کی مثال صحابہؓ و تابعینؒ میں نہیں ملتی نہ ان کی رائے میں، نہ ان کی تفسیر میں! انہوں نے اپنے مزعومہ مذاہب کے اصول کے مطابق تفاسیر تصنیف کیں۔ مثلاً تفسیر عبدالرحمٰن بن کیسان الاصم و تفسیر جبائی اور تفسیر عبدالجبار، تفسیر رمانی، تفسیر زمخشری وغیرہ یہ لوگ خوبصورت الفاظ ادیبانہ انداز میں استعمال کرتے ہیں، اور اپنی بدعت کو اس میں ایسا سموتے ہیں کہ قاری کو محسوس تک نہیں ہونے دیتے مثلاً صاحب تفسیر کشاف اور دوسرے لوگ! اس وجہ سے اکثر اہل سنت میں ان کی باطل تفاسیر رائج ہیں۔ ابن عطیہ اور ایسے دوسرے لوگوں کی تفاسیر سنت کے زیادہ تابع اور بدعت سے زیادہ محفوظ ہیں۔ اگر وہ سلف کا منقول کلام بعینہٖ ذکر کر دیتا تو یہ بہت اچھا ہوتا۔ مگر وہ عام طور پر تفسیر ابن جریر طبری سے نقل کرتا ہے اور تفسیر ابن جریر جلیل القدر اور عظیم الشان تفسیر ہے۔ پھر وہ ابن جریر کی سلف سے نقل کردہ کلام چھوڑ کر اپنے خیال کے مطابق محققین کا قول ذکر کر دیتا ہے۔ محققین سے اس کی مراد متکلمین ہیں، جنہوں نے اپنے اصول انہی طریقوں سے وضع کیے، جن طریقوں سے معتزلہ نے اپنے اصول بنا لیے ہیں۔ اگرچہ متکلمین، معتزلہ کی نسبت سنت کے زیادہ قریب ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ہر حقدار کو اس کا حق ملنا چاہیئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعینؒ اور ائمہ کی کسی آیت میں تفسیر موجود ہے، پھر کچھ لوگ اپنے ٹھہرائے ہوئے مذہب کے مطابق دوسری تفسیر کرتے ہیں، تو یہ مذہب صحابہؓ و تابعینؒ کا نہیں ہے بلکہ اس طرح وہ معتزلہ اور اسی طرح دوسرے بدعتیوں کے شریک بن جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے، جو شخص صحابہؓ و تابعینؒ کے مذاہب اور تفاسیر سے ہٹ کر مخالف مذہب اختیار کر لیتا ہے، وہ اس میں خطا کار بلکہ بدعتی ہوتا ہے۔ صحابہؓ و تابعینؒ جس طرح اس حق کو جو

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دے کر بھیجا، سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، اسی طرح قرآنِ مجید کی تفسیر اور اس کے معانی کا بھی سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔

اور وہ لوگ جنہوں نے مدلول میں نہیں، بلکہ دلیل میں خطاء کی جس طرح بہت سے صوفی، واعظ اور فقہاء، جو قرآنِ کریم کی تفسیر ایسے معانی سے کرتے ہیں، جو فی نفسہٖ درست ہوتے ہیں، لیکن قرآنِ مجید ان پر دلالت نہیں کرتا، جس طرح سلمی نے "حقائق" میں بہت سی باتیں ذکر کی ہیں۔ اگر ان کے مذکورہ معانی باطل ہوں تو وہ پہلی قسم میں شمار ہوں گے۔ انتہیٰ!"

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان و کلام سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ جس نے قرآنِ حکیم کی تفسیر لکھی اور اس تفسیر میں وہ سنّت سے باہر نہیں نکلتا اور نہ ایسی بات بیان کرتا ہے جو منصوص کے خلاف ہو، اور قرآن کے مدلول و مراد کو مختصر اور لطیف و واضح عبارت میں بیان کرتا ہے، قرآنِ مجید کے احکام کے محاسن اور دنیا و آخرت کے بارے میں جو اس نے خبر دی ہے، اس کو ذکر کرتا ہے۔ اور وہ حکمتیں بیان کرتا ہے، جو مرورِ زمانہ کے باوجود فنونِ صحیحہ پر منطبق ہوتی ہیں، ایسی تفسیر لکھنے اور اس کی خواہش رکھنے والا کیونکر ملحد اور بدعتی ہوسکتا ہے؟ کیا نبہانی، جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ عدلیہ کے قوانین کو چھوڑ کر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق فیصلے کرتا ہے، مسلمان ہے؟ اور صراطِ مستقیم پر ہے؟ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ - الآیۃ!"	"اے پیغمبر! فرما دیجیے، اگر تم اللہ سے محبّت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، تم سے اللہ محبّت کرے گا۔"
	(آل عمران : ۳۱)

رسُولؐ کی محبّت اس کی اتباع میں ہے نہ کہ اس کی شریعت کے خلاف عمل میں، اور اس میں غلو کرنے میں، جس طرح نبہانی غلو کا مرتکب ہوا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے، نبی ﷺ سے کوئی جگہ اور کوئی وقت خالی نہیں ہے ——— یعنی آپؐ ہر وقت ہر جگہ موجود ہیں یہ نبی ﷺ میں غلو کی بدترین مثال ہے، اور جس مرتبے پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سرفراز کیا، اس سے تجاوز کرنا ہے۔ نیز یہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفات میں شریک بنانا ہے۔ ایسی بات کرنے والا آپؐ کی محبّت کا دعویٰ کس منہ سے کرتا ہے؟ پھر اس پر مزید یہ کہ غیر شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کرنے میں

اپنی عمر کھپا دیتا ہے۔ بدعتوں کا نہ صرف محافظ بلکہ مبلّغ ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم مسلک ایسے سنّتِ نبوی کے حامیوں اور توحید اور روشن شریعت کے محافظوں کو گالیوں سے نوازتا ہے۔ کیا کسی انصاف پسند کو نبہانی کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید ترین دشمنی میں تردد ہو سکتا ہے؟

۳۔ کیا وہابی بدعتی ہیں؟

نبہانی مسلمانوں کو وہ گالیاں دیتا ہے جن کا وہ خود پوری طرح اہل ہے۔ اب ضروری ہے کہ اہلِ نجد کے خیالات وعقائد اور ان کے جھگڑوں کا جائزہ لیا جائے تاکہ انصاف پسند ناظرین فیصلہ کر سکیں کہ کون بدعتی ہے؟ اور کون روشن راہ سے ہٹنے والا ہے؟

امام شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے علامہ شیخ عبداللطیف اپنی کتاب "منہاج التاسیس فی الرد علی ابن جرجیس" میں فرماتے ہیں "ہم آپ کے سامنے شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب کی سیرت اور آپ کے اخبار و احوال کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں تاکہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ آپ کے معاملے کی حقیقت کیا ہے؟ اور شیطان کے چیلوں کی بدگوئی اور اشتعال آپ کے خلاف راہ نہ پا سکے نیز کفر اور خواہش کی پیروی میں مبالغہ کرنے والوں کے الزام کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

شیخ الاسلامؒ کی تقاریر، خط وکتابت، آپ کی تصانیف اور تحریریں مشہور و معروف ہیں اور دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اسی طرح آپ کی دعوت اور آپ کے فاضل ساتھیوں اور تلامذہ کا مسلک بھی کوئی ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ اور وہ وہی ہے جس پر سلف صالحین، ائمہ دین اور اہلِ فقہ وفتویٰ عمل پیرا تھے ــــ جس پر کتاب اللہ ناطق ہے، صحیح احادیث جس پر دلالت کرتی ہیں، اور جس کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قبول و تسلیم کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی صفاتِ کمالیہ و جلالیہ کا اثبات۔ شیخ الاسلامؒ اور ان کے ہم مسلک انہی کو ثابت کرتے ہیں، انہی پر ایمان لاتے ہیں اور ہو بہو پختہ یقین رکھتے ہیں۔ وہ اس سلسلہ میں کسی تحریف و تعطیل اور تکییف و تمثیل کے قائل ہی نہیں ہیں۔ اسی راہ پر تابعینؒ، علم و ایمان سے بہرہ ور تبع تابعینؒ اور سلفِ اُمت اور ائمہؒ مثلاً سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، طلحہ بن عبیداللہ، سلیمان بن یسار وغیرہ اور دوسرے درجے کے اہلِ علم وتقویٰ اصحاب مثلاً مجاہد، عطاء، حسن بصری، ابن سیرین، عامر شعبی، جنادہ بن ابی امیہ، حسان بن عطیہ اور اسی طرح کے دوسرے لوگ۔ نیز سلف میں تیسرے طبقے کے اہلِ علم مثلاً علی بن حسین،

عمر بن عبد العزیز، محمد بن مسلم زہری، مالک بن انس، ابن ابی ذئب، حماد بن سلمہ، حماد بن زید فضیل بن عیاض، عبداللہ بن مبارک، ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، محمد بن ادریس، اسحاق بن ابراہیم، احمد بن حنبل، محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم بن حجاج قشیری اور ان کے ہر شہر و قصبہ میں اور ہر زمانے میں ہم مرتبہ، ہم مسلک، ہم عقیدہ، اہل فقہ اور اہل حدیث ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ!

مسلمانوں میں توحید عبادت اور توحید الوہیت جس کی شیخ نے وضاحت فرمائی ہے اور جس عقیدے کی طرف انہوں نے دعوت دی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اسلام کی اصل اور بنیاد "لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ" کی شہادت ہے وہ اللہ وحدہ پر ایمان کی اصل اور ایمان کی شاخوں میں افضل ترین شاخ ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے اس میں علم و عمل اور اقرار لازمی ہے۔ اور وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کے وجوب کی دلیل ہے اور ماسوی اللہ کی بندگی و عبادت سے بے زاری کا اعلان ہے جن و انس کی پیدائش میں رسولوں کی رسالت میں اور کتابوں کے نازل کرنے میں یہی حکمت کار فرما ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کمال محبت اور اس کے حضور کمال ذلت اور کمال طاعت و تعظیم داخل ہے۔ دین اسلام کا یہی مفہوم ہے جس کے سوا اللہ تعالیٰ کوئی دوسرا دین قبول نہیں فرمائے گا۔ نہ پہلوں سے نہ پچھلوں سے۔ سارے کے سارے انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام تھا وہ متضمن ہے صرف اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہونے کو جو کوئی کسی دوسرے کا بھی فرماں بردار ہو وہ مشرک ہوگا۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری نہ کرے، وہ اس کی بندگی سے خود کو بلند سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ" [1]

"اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (ماسوی اللہ کی عبادت) سے اجتناب کرو"

اور فرمایا: ——— وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ [2]

یعنی: ——— "اور ہم نے جتنے رسول بھیجے ان کو یہی وحی کرتے رہے ہیں کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری

---

[1] النحل: ۳۶ [2] الانبیاء: ۲۵

ہی عبادت کرو؛"

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ○ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○[1]

"اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو کہا جس کی تم عبادت کرتے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔ مگر جس نے مجھے پیدا فرمایا وہی مجھے راستہ بتائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بات کو اس کے بعد والوں میں باقی رکھا کہ شاید وہ لوٹیں۔"

اور ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے ارشاد ہے:

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ○ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ○ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○[2]

"حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تم نے دیکھا جن کی عبادت کرتے ہو تم بھی اور تمہارے پہلے باپ دادا بھی، وہ میرے دشمن ہیں لیکن رب العالمین (میرا دوست ہے)!"

اور فرمایا:

"قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ[3] - الآیۃ!"

"تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم بے تعلق ہیں تم سے اور جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو۔ ہم نے تمہارے (معبودوں) کے ساتھ کفر کیا۔ ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے کھلی دشمنی اور عداوت جم گئی۔ جب تک تم اللہ وحدہٗ پر ایمان نہ لاؤ۔"

اور فرمایا:

---

[1] الزخرف: ۲۶ — ۲۸ [2] الشعراء: ۷۵-۷۷ [3] الممتحنہ: ۴

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ؁[1]

"(اے نبیؐ) جن کو ہم نے تم سے پہلے رسول بنا کر بھیجا تھا اُن سے پوچھ لو کیا ہم نے رحمٰن کے سوا معبود بنائے تھے جن کی عبادت کی جائے؟"

اور اپنے رسولوں حضرت نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام وغیرہ کی طرف سے ذکر فرمایا کہ انہوں نے اپنی اپنی قوم سے فرمایا:

"اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ"[2]

"اللہ تعالیٰ کی عبادت بجا لاؤ جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔"

اور اصحابِ کہف کی طرف سے ارشاد فرمایا:

"اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ؁ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ؁ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا"[3]

"وہ کئی نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے۔ اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت بخشی تھی، ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا تھا۔ جب وہ کھڑے ہوئے تو کہنے لگے "ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے اس کے سوا ہم کسی اور کو ہرگز معبود بنا کر نہ پکاریں گے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم نے اس وقت بعید از عقل بات کہی۔ یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے اس کے سوا اور معبود بنا لئے وہ ان (کے خدا ہونے) پر کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے۔ اس سے بڑھ کر کون بڑا ظالم ہے، جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا"

اور اپنی کتاب میں دو جگہ فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ[4] الآیۃ"

"بلاشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے۔"

---

[1] الزخرف: ۴۵ [2] ھود: ۵۰، ۶۱، ۸۴ [3] الکھف: ۱۳ - ۱۵ [4] النساء: ۴۸، ۱۱۶

اور فرمایا:

"اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ[1] الآیۃ!"

"بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا، اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔"

ان آیتوں سے اور ان جیسی دوسری آیتوں سے جو شرک مراد ہے اس میں عبّاد القبور، عبّاد الانبیاء، عبّاد الملائکہ اور عبّاد الصالحین کا شرک داخل ہے۔ یہی شرک جاہلی عربوں کا تھا جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندے اور رسول جناب محمد ﷺ کو بھیجا وہ ان کو پکارتے تھے، ان کے حضور التجائیں کرتے تھے، وہ ان سے ان کی جاہ اور شفاعت کے وسیلے سے سوال کرتے تھے۔ ان کے اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب کی وجہ سے[2] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کئی جگہ ان کے عقیدے کی حکایت بیان فرمائی ہے۔ مثلاً ارشاد ہے:

"وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ[2] الآیۃ!"

"وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کا نہ کچھ بگاڑ سکتی ہیں نہ بھلا کر سکتی ہیں اور کہتے یہ ہیں "یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں"۔"

اور ارشاد ہے:

"وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى[3] الآیۃ!"

"اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوست بنا لیے ہیں (کہتے ہیں "ہم ان کی اس لیے پوجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں"۔"

اور فرمایا:

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ[4]

"ان لوگوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی جن کو انہوں نے خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لئے معبود بنا لیا تھا بلکہ وہ ان سے گم ہو گئے یہ ان کا جھوٹ

---

[1] المآئدۃ: ۷۲ [2] یونس: ۱۸ [3] الزمر: ۳ [4] الاحقاف: ۲۸

تھا اور یہی ان کا افترا تھا"

شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا "معلوم ہے کہ مشرکین یہ نہیں سمجھتے تھے کہ انبیاء، واولیاء وصالحین اور فرشتے آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں بلکہ ایک ذرّے کے پیدا کرنے میں بھی، اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں اور وہ تدبیر و تاثیر اور ایجاد میں خود مختار ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ط قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ط قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ [1]

"اگر تم ان سے پوچھو کہ زمین و آسمان کس نے بنائے؟ تو وہ ضرور کہہ دیں گے "اللہ تعالیٰ نے!" کہہ دو، "جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھے تکلیف پہنچانی چاہے تو کیا وہ اس تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ اور اگر وہ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا وہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ کہہ دو "مجھے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔ بھروسہ رکھنے والے اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں!"

وہ خود اعتراف و اقرار کر رہے ہیں کہ ان کے شرکاء بذاتِ خود مالک و مختار اور نافع و ضار نہیں ہیں اسی وجہ سے ان کو سمجھانا آسان ہے۔ انہوں نے ان جملوں کا اقرار کر کے خود اپنے اوپر حجت قائم کر لی ہے اور اس سے اُن کی عبادت باطل ہو گئی جو نہ تکلیف رفع کر سکتے ہیں، اور نہ رحمت کو روک سکتے ہیں یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ "ضر" اور "رحمت" کو نکرہ لانے میں کتنی وسعت اور عمومیت پیدا ہو گئی ہے۔ یعنی وہ قلیل ترین ضرر کو بھی دور، اور رحمت کو روک نہیں سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ... .اِلیٰ۔ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ [2]"

"کہو اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ زمین کا، اور جو کچھ اس میں ہے، کون مالک ہے؟" ...... آخر تک "پھر تم پر جادو کہاں سے پڑ جاتا ہے؟"

اور فرمایا:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا

"ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے مگر

---

[1] الزمر: ۳۸ [2] المؤمنون: ۸۴ — ۸۹

وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ [1] (اس کے ساتھ ہی شرک کرتے ہیں"!

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سلف نے ذکر کیا ہے کہ یہاں ان کے ایمان سے مراد اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و بادشاہی کا اقرار ہے اور غیر اللہ کی عبادت کی تفسیر "شرک" کے ساتھ کی ہے۔

شیخ فرماتے ہیں، قرآن کریم نے کئی جگہ بیان کیا ہے کہ بعض مشرک وہ ہیں جنہوں نے فرشتوں کو خدا تعالیٰ کا شریک بنالیا ہے۔ بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے انبیاء و صالحین کو شریک کر رکھا ہے اور بعض ستاروں اور بتوں کو شریک بناتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان سب کا رد فرمایا اور ان سب قسموں کو کفر قرار دیا مثلاً ارشاد ہے:

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ [2]

"اور وہ تم کو حکم نہیں دیتا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو۔ کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا، جب کہ تم مسلمان ہو چکے ہو"!

اور فرمایا:

"اِتَّخَذُوْٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ [3] ۔الآیۃ!"۔

انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب بنالیا۔ اور مسیح ابن مریم علیہ السلام کو بھی!"

اور فرمایا:

"لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ أَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ [4] ۔الآیۃ!"

"مسیح علیہ السلام اور مقرب فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے ہونے میں کوئی عار نہیں سمجھتے!"

اس مضمون کی آیتیں قرآن مجید میں بہت ہیں اس سے ہی مومن جان لیتا ہے کہ انبیاء و اولیاء کی عبادت، غیر اللہ کی عبادت ہونے میں کفر و شرک کے لحاظ سے ستاروں اور بتوں کی عبادت کے برابر ہے۔

اور مشرکین اپنے معبودوں کی جو عبادتیں کیا کرتے تھے، وہ یہی بندے سے صادر ہونے والے افعال ہیں۔ مثلاً محبت، خضوع، انابت، توکل، دعاء، استعانت، استغاثہ، خوف و رجاء،

---

[1] یوسف: ۱۰۶ [2] آل عمران: ۸۰ [3] التوبۃ: ۳۱ [4] النساء: ۱۷۲

قربانی و پرہیزگاری، اس کے گھر کا رغبت و امید سے طواف کرنا، دلوں اور امیدوں کو اس کے احسان وکرم سے متعلق کرنا یہ سب قسمیں عبادت کی اعلیٰ اور اشرف قسمیں ہیں بلکہ سارے اسلامی اعمال کا لب لباب اور خلاصہ ہیں جو عمل ان سے خالی ہو وہ بے کار اور مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن مشرکین کو کفر و شرک کا مرتکب قرار دیا ہے تو وہ اس لئے کہ غیر اللہ کو مندرجہ بالا باتوں کا اہل سمجھ کر وہ ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝[1]

"کیا بھلا جو اتنی مخلوقات پیدا کرے کیا اس کی مانند ہو سکتا ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکے پھر تم غور کیوں نہیں کرتے؟"

نیز: اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۝[2]

"کیا ہمارے سوا اُن کے اور معبود بھی ہیں جو ان کو مصائب سے بچائیں؟ وہ اپنی مدد تو کر نہیں سکتے اور نہ وہ ہم سے پناہ دیتے جائیں گے!"

اور فرمایا:

"وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ[3] الآية!"

"اور لوگوں نے اس کے سوا اور معبود بنا لئے جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں"

اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کی اس بات کو حکایۃً بیان فرمایا ہے جو وہ اپنے اُن معبودوں کے بارے میں کہتے تھے، جن کی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کی تھی:

"تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝[4]

"خدا کی قسم ہم تو صریح گمراہی میں تھے جبکہ تمہیں ہم ربّ العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے"

یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ وہ اپنے معبودانِ باطلہ کو خلق، تدبیر اور تاثیر میں برابر نہیں جانتے تھے، وہ ان کو محبت اور خضوع میں تعظیم اور دُعا وغیرہ عبادات میں اللہ تعالیٰ کے برابر کرتے تھے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "ہم ایسے لوگوں پر مشرک ہونے کا حکم لگاتے ہیں، جو مندرجہ بالا شرک کے مرتکب ہوں یا ان کی طرح انبیاء اور اولیاء کی عبادت کرتے ہوں اور کفر کا حکم تب لگے گا جب پیغام پہنچ

---

[1] النحل: ۱۷ [2] الانبیاء: ۴۳ [3] الفرقان: ۳ [4] الشعراء: ۹۷، ۹۸

جائے اور حجت قائم ہو جائے۔ اس سے کم درجے کے گناہ اور برائیوں کی بنا پر ہم اہل قبلہ کی جو بُت پرستوں اور قبر پرستوں سے الگ ہوں اور چھوٹے یا بڑے گناہوں کے مرتکب ہوں تکفیر نہیں کرتے۔ غالی جہمیہ، قدریہ، رافضہ اور اسی طرح کے دوسرے لوگوں کے بارے میں ہم اسی عقیدے پر ہیں جو سلف میں آئمۂ ہدیٰ اور اہلِ فتویٰ کا تھا۔ ہم خارجیوں کے عقائد سے اور جو کچھ انہوں نے گناہ گار مسلمانوں کے بارے میں کہا، خدا کی پناہ مانگتے ہیں!

اور فرمایا کوئی شخص محض زبان سے کلمہ شہادت ادا کرنے سے مسلمان نہیں بن جاتا جب تک وہ اس کا معنٰی و مفہوم نہ سمجھے اور اس کے مطابق اپنا عمل نہ بنائے بلکہ وہ ابن آدم پر حجت بن جاتا ہے، برخلاف ان کرامتیہ اور جہمیہ فرقوں کے جو زبان سے اقرار یا دل سے تصدیق کو ایمان بتاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو ان کے پیش کردہ کلام کے باوجود جس کو انہوں نے شہادت قرار دیا ہے، جھٹلایا! اور ان کے ہر طرح کی تاکیدوں سے مؤکد کلام کے باوجود ان کو جھوٹ کی سند عطا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ؕ[1]

(اے نبیؐ!) جب منافق تمہارے پاس آتے ہیں، تو ازراہِ نفاق کہتے ہیں کہ "ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں"۔ اللہ جانتا ہے کہ درحقیقت تم اس کے پیغمبر ہو لیکن اللہ یہ بھی ظاہر کئے دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں"۔

منافقین نے اپنی بات کو شہادت کے لفظ کے ساتھ، "اِنَّ" اور "لامِ تاکید" کے ساتھ اور جملہ اسمیہ کے ساتھ زوردار بنانے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلایا اور ان کے جھوٹ کو انہی تاکیدی الفاظ کے ساتھ زور دے کر ظاہر فرمادیا، اور عیب دار اور بُرے ذلیل کرنے والے لقب سے مزید تصریح فرمادی۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ایمان کے لئے صدق و عمل لابدی ہیں جو کوئی زبان سے "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دے، اس کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت بھی کرے، اس کی شہادت کا کوئی اعتبار نہیں۔ چاہے وہ نماز پڑھے زکوٰۃ دے اور اسلام کے دیگر اعمال پر عمل پیرا رہے! اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا تذکرہ کیا جو کتاب کی بعض باتوں کو مانتے اور بعض کو رد کر دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

---

[1] المنافقون: ۱

"اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ[1] - الآیۃ!"

"کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصے سے کفر کرتے ہو؟"

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا[2]"

"جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں "ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں" وہ ایمان اور کفر کے درمیان ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں!"

اور فرمایا:

"وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ[3] - الآیۃ!"

"جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود کو پکارتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی بھی سند نہیں، اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہو گا۔"

کفر کی دو قسمیں ہیں: مطلق اور مقید۔ مطلق کفر یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے جو کچھ پیش فرمایا، اس سے کفر کرے اور مقید کفر یہ ہے کہ اس کے کچھ حصے سے کفر کرے۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے اس شخص کی تکفیر بھی کی ہے، جس نے ایسے فروعی مسئلے کا انکار کیا جس پر اجماع ہو چکا ہے۔ اگرچہ وہ نماز روزے کا پابند ہو! مثلاً دادے اور بہن کی وراثت۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اس شخص کی کیا حیثیت ہو گی جو اولیاء کو پکارتا ہے، ان کے لئے خالص عبادت اور اس کا مغز خرچ کرتا ہے، یہ مسئلہ چاروں مذاہب کی مختصر کتابوں میں مذکور ہے۔ بلکہ انہوں نے بعض ان الفاظ کو کفر کا موجب قرار دیا ہے جو بعض جاہلوں کی زبانوں پر جاری ہیں اگرچہ وہ نماز روزہ کے پابند ہوں!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مانعینِ زکوٰۃ کی تکفیر کی ہے اور ان سے جہاد کیا ہے حالانکہ وہ کلمہ گو تھے، نماز روزہ کے پابند تھے، اور حج کرتے تھے۔

ساری اُمت "بنی عبید القداح" کے کفر پر بھی متفق ہے حالانکہ وہ کلمہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے، نمازیں پڑھتے اور قاہرہ (مصر) میں مساجد تعمیر کرتے ہیں۔

---

[1] البقرۃ: ۸۵ [2] النساء: ۱۵۰ [3] المؤمنون: ۱۱۷

ابن جوزیؒ نے ایک کتاب ان سے جنگ و قتال کے وجوب پر تصنیف کی ہے اور اس کا نام "النصر علی المصر"، رکھا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں "جس شخص کو علم اور دین سے کوئی بھی تعلق ہے، وہ جانتا ہے کہ قبر پرستوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے اور آخرت پہ ایمان لاتے ہیں، عوام کو اندھے شبہے اور الجھاؤ میں ڈالنا ہے تاکہ ان کے شرک کو رواج دیا جائے اور ان کے ایمان و اسلام کو مانا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ، اس کا رسولؐ اور مومن اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں!"

"مسائلِ قدر و جبر، ارجاء اور امامت و تشیّع وغیرہ میں جو مختلف فرقے اور مسلک وجود میں آچکے ہیں، ان کے بارے میں بھی شیخؒ سلف صالحین اور ائمہ دین کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرنے والے قدریہ اور جبریہ کا عقیدہ رکھنے والے قدریہ، مرجئہ، رافضیہ، غالی شیعوں اور ناصبیوں سے برأت کا اظہار کرتے ہیں اور رسولِ اکرم ﷺ کے سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں، اور ان کے اختلافات میں توقف کرتے ہیں ـــ ان کی یہ رائے ہے کہ ان سے جو کچھ ہوا وہ سب سے زیادہ چشم پوشی اور درگزر کے لائق ہے اور ان کے جہاد اور ان کی اپنی اوّلین دینی خدمات اور فضائل، علمِ نافع اور عملِ صالح کی وجہ سے لوگوں کے دلوں کو جو ہدایت ملی ہے، اور ملکی فتوحات، نیز شرک اور غیر اللہ کی عبادت کے اڈوں اور آتش کدوں، بتوں اور ستاروں کی عبادت وغیرہ کے نشانات کو ختم کرنے کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کے حسنِ سلوک کے سب لوگوں سے زیادہ قریب ہیں!۔ وہ ذلیل اور بیوقوف رافضیوں سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد اُمّت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں انکا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرآن مجید جس کو حضرت جبریل امین نے سید المرسلین اور خاتم النبیینؐ کے قلبِ مبارک پہ اتارا وہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے، یہ اسی سے ظاہر ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا۔ قرآنِ مجید کے مخلوق ہونے کے قائل جہمیہ سے وہ اپنی برأت ظاہر کرتے ہیں اور ان کی تکفیر اہلِ علم و ایمان و جمہور سلف سے نقل کرتے ہیں!۔ وہ عبداللہ بن سعید ابنِ کلاب کے "کلابیہ" ٹولے سے اپنی بے تعلقی کا اعلان کرتے ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ، اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم بالمعنیٰ ہے اور جو جبریل علیہ السلام لے کر آئے، وہ معنیٰ نفسی کی حکایت یا تعبیر ہے" اور یہی جہمیہ کا قول ہے۔ سب سے پہلے یہ تقسیم ابنِ کلاب نے کی تھی اسی سے اشعری، قلانسی وغیرہ نے

اسے اخذ کیا ہے۔ وہ جہمیہ کی ہر بات اور دین میں جاری کردہ ہر بدعت کے مخالف ہیں۔ اور صوفیوں نے رسولِ کریم ﷺ کی سنّت کے مقابلے میں جو بدعات اور من گھڑت طریقے ——— مخالفِ شرع عبادتوں، خلوتوں اور اذکار میں ——— ایجاد کر لئے ہیں، وہ ان کو پسند نہیں کرتے، وہ جائز نہیں سمجھتے کہ کسی فقیہ کی رائے یا کسی عالم کے اجتہادی مذہب کی وجہ سے سنن و اخبارِ نبویہ کو ترک کر دیا جائے، بلکہ سنّت کی قدر اور اہمیت ان کے دل میں سب سے زیادہ ہے، اور وہ اس کو کسی کے قول کی وجہ سے کسی صورت چھوڑنے کے لئے تیار نہیں، خواہ وہ کوئی ہو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی جاری کردہ سنّتِ مبارکہ کی موجودگی میں کسی کی رائے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ہاں جب کسی میں سنن و اخبار اور استنباط و استشہاد کے قواعد کی معرفت و اہلیت نہ ہو، تو ایسی صورت میں ہی تقلید کی طرف رجوع ہو سکتا ہے، نہ کہ مطلق تقلید کی طرف! وہ غالی مقلدوں کے برخلاف مجتہدین کے قول کو واجب نہیں سمجھتے، اِلّا یہ کہ اس پر کتاب و سنّت سے دلیل موجود ہو! وہ ائمہ اربعہؒ سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں، ان کی بزرگی اور امامت کے قائل ہیں، ان کو فضیلت و کرامت کے بلند درجے پر سمجھتے ہیں، اور ان کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے روادار نہیں ہیں۔ وہ اہلِ حدیث و فقہ و تفسیر اور اہلِ زہد و عبادت علماء اور مسلمانوں سے محبت کرتے ہیں وہ سلف میں سے ائمہ دین کے خلاف، انفرادی بدعت اور من گھڑت بات سے سختی سے منع کرتے تھے۔ جس بات کی بنیاد دین میں نہ ہو، اور اہلِ علم و اثر کا کوئی قول بھی اس کے حق میں نہ ہو، تو ایسی بات ایجاد کرنا قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ کتاب اللہ اور احادیثِ صحیحہ میں بیان شدہ مسلمانوں کے جان و مال اور عزتوں کی حرمت اور اس کی وعید پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں۔ اور اسی کو مباح جانتے ہیں جس کو شریعت نے جائز کہا، اور رسولِ کریم ﷺ نے اس کو جائز قرار دیا۔ جو کوئی اس کے خلاف ناجائز بات آپؐ کی طرف منسوب کرے، وہ کذاب اور مفتری ہے۔ اور ایسی بات کہتا ہے، جس کا اس کو کوئی علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مفتریوں سے جو وعدہ کیا ہے، وہ اس کے مطابق جلد ہی سزا پائیں گے ——— ان شاء اللہ!"

"علامہ شیخ مرحوم نے کلمہ اخلاص و توحید پر بڑی نفیس اور مفید تقاریر لکھی ہیں، اور بے نظیر بحثیں کی ہیں جن میں کتاب اللہ اور حقیقی اجماع سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت و الوہیت کا کسی کو

استحقاق نہیں" اور یہ علیٰ وجہ الکمال "جو شرک کی کلیات و جزئیات کے منافی ہے" صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے" اور اس کی اصل کے مطابق یہی معنیٰ صحیح ہے" اور یہ متکلمین کے خیال کے خلاف ہے" جو قدرت کا معنیٰ اختراع کرتے ہیں! ــــ "وہ عماسویٰ سے بے نیاز ہے۔ اور اس کے سوا ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ یہ اصل معنیٰ کا لازمی نتیجہ ہے" کیونکہ سچا الٰہ وہی ہو سکتا ہے جو قادر ہو" اور ما سوٰی سے مستغنی ہو! ــــ اگر کوئی کہے کہ یہ اس کا وضعی معنیٰ ہے تو ایسا نہیں ہے۔ متکلمین اس راز کو نہ پا سکے اور انہوں نے گمان کیا کہ توحیدِ ربوبیت و قدرت ہی اصل مقصد ہے" اور اس میں فنا ہونا تحقیقی توحید ہے۔ حالانکہ بات اس طرح نہیں ہے" بلکہ یہ ایمان اور اصل اسلام میں بھی کافی نہیں" جب تک اس کے ساتھ توحیدِ الوہیت کو شامل نہ کر لیا جائے اور عبادت و محبت، خضوع و تعظیم، انابت و توکل، خوف و رجا کی کیفیات کا تعلق تنہا اللہ تعالیٰ سے قائم کیا نہ جائے" اور اللہ و رسول ﷺ کی فرماں برداری میں کسی کو شریک نہ کیا جائے!

اسلام کے بنیادی عقائد

یہ اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔ توحیدِ اول" توحیدِ ربوبیت و قدرت و خلق و ایجاد ہے" اسی پر علم و ارادہ کی توحید کی بنیاد ہے" اور وہ اس کی سب سے بڑی دلیل" اصلِ اعظم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ [1]	"تمہارا الٰہ ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ بے حد مہربان" نہایت رحم کرنے والا ہے"!

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

ان کان ربك واحدا سبحانه	"اگر تیرا رب ایک اور پاک ہے" تو اس کو توحید اور
فاخصصه بالتوحید مع احسان	احسان کے ساتھ خاص کر یا تیرا رب ایک ہے کہ
او کان ربك واحدا انشأك لم	جس نے تجھے پیدا کیا" اور تیرے پیدا کرنے میں اس
یشرکه اذ انشاك رب ثان	کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح" اے صاحبِ
فكذاك ایضا وحده فاعبده لا	عرفان" اس وحدہٗ کی ہی عبادت کر اور اس کے
تعبد سواه یا اخا العرفان	سوا کسی کی عبادت نہ کر!"

یہ جملے سلف اور ائمہ مفسرین وغیرہ اہلِ لغت سے اجمال اور تفصیل کے ساتھ منقول ہیں۔

---

[1] البقرة: ۱۶۳

شیخؒ نے "شہادتِ محمد رسول اللہ" پر تقریر لکھی ہے جس میں اس شہادت کے لوازم و دواعی اور خالص فرماں برداری کے تقاضے نیز محبت و توقیر، نصرت و متابعت اور فرماں برداری کے حقوقِ نبوی کو بیان کیا ہے۔ یعنی دین کے اصول و فروع میں، اس کے ظاہر و باطن میں، اس کے خفی و جلی میں غرض جہاں بھی آپ ٹھہرائیں وہاں ٹھہرنا اور جہاں پہنچائیں وہاں پہنچنا۔ ہر حال میں، ہر طریقے اور ہر بات پر آپ کو اور آپ کی سنت کو مقدم رکھنے کا ذکر کیا ہے۔ جس سے آپ کی فضیلت اور شرافت و نجابت ۔۔۔ اور یہ کہ آپ مقاصد کی طرف سبقت کرنے والے اور صاحبِ آیات ہیں، کوئی آپ کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ بحث و افادہ میں آپ کے آثار کا ادراک نہیں کیا جا سکتا، وغیرہ۔ آشکارا ہے! ۔۔ آپ کی شان میں جھگڑا کرنے والے پر یہ مشہور و معروف کہاوت صادق آتی ہے ؎

حسدوا الفتی اذ لم ینالوا سعیہٗ	"جب لوگ نوجوان کی کوشش اور بلند مقام کو
فالناس اعداء لہ وخصومٗ	حاصل نہ کر سکے تو اس کے دشمن ہو گئے، اور حسد کرنے
کضرائر الحسناء قلن لوجھھا	لگے۔ جس طرح ایک حسین و جمیل عورت کو اس
حسدًا وبغیاً انہ لدمیمٗ	کی سوکنیں حسد اور دشمنی کی وجہ سے کہتی ہیں کہ اس

کا چہرہ بدصورت ہے۔"

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ کی خوبیاں اور کارنامے اہلِ فضل و بصیرت پر مخفی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو جو بطورِ خاص کرامت عطا فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ دین کے دشمن اور اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کے مخالفین آپ کی بدگوئی اور غیبت کرتے رہتے ہیں، اور آپ پر تہمت و بہتان لگانے میں مصروف ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے "بدبخت لوگ جب صحابہ کرامؓ کو گالیاں دیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اعمال کے انقطاع کے بعد اس سے انؓ کے ثواب میں اضافہ فرماتا ہے" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں جاہل اور احمق لوگ جتنا طعن و تشنیع ان پر کرتے ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں! ہم نے شیخ کی طرف سے جو کچھ بیان کیا ہے، وہی مختلف مقالات لکھنے والوں نے اہلِ سنت و جماعت سے مجمل و مفصل بیان کیا ہے۔

ابوالحسن اشعری اپنی کتاب "مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلین" میں فرماتے ہیں:

" اصحاب الحدیث اور اہلِ سنت جن باتوں کو مانتے ہیں، بالاجمال وہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ اور

اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، اور جو کچھ ثقہ راویوں کے ذریعے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اس میں سے کسی بات کو بھی نہ چھوڑنا۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے تنہا ہے، سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں نہ اس کی بیوی ہے، نہ اولاد اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جنت و دوزخ حق ہیں۔ قیامت میں کوئی شک نہیں، وہ آ کر رہے گی اور اللہ تعالیٰ قبروں سے سب کو اٹھا کھڑا کرے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے چنانچہ ارشاد ہے:

"اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى[1]" "رحمٰن (اللہ تعالیٰ) عرش پر مستوی ہے"

اور اس کے دو ہاتھ ہیں لیکن ان کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ "لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ[2]" "جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا"

۲۔ "بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتٰنِ[3]" "بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں"

اور اس کی دو آنکھیں ہیں جن کی کیفیت کا ہمیں قطعاً کوئی علم نہیں اور اللہ عز و جل کا چہرہ بھی ہے۔ ارشاد ہے:

"وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ[4]" "تیرے شان و اکرام والے رب کا چہرہ باقی رہے گا"

اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام ہیں۔ خارجیوں اور معتزلہ کی طرح یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نام الگ الگ ہیں۔ اسی طرح اہلِ حدیث اور اہلِ سنّت نے اللہ تعالیٰ کے لئے علم ثابت کیا ہے۔ ارشاد ہے: "اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ[5]" یعنی اللہ تعالیٰ نے اس (قرآنِ مجید) کو اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔" اور فرمایا:

"وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ[6] - الآیۃ" "یعنی نہیں اٹھاتی کوئی مادہ اور نہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے"

انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے سمع و بصر ثابت کیا ہے، معتزلہ کی طرح نفی نہیں کی، اور اللہ تعالیٰ کے لئے قوت کو ثابت کیا ہے قرآن مجید میں ہے "اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً[7]" ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ جو کچھ خیر و شر کا سلسلہ دنیا میں چل رہا ہے، وہ سب مشیتِ الٰہی

---

[1] طٰہٰ: ۵ [2] صٓ: ۷۵ [3] المائدۃ: ۶۴ [4] الرحمٰن: ۲۷ [5] النساء: ۱۶۶ [6] فاطر: ۱۱ [7] فصلت: ۱۵

سے ہے۔ ارشاد ہے:"وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ"[1] یعنی تمہاری مشیئت اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تابع ہے۔ اسی طرح سب مسلمان کہتے ہیں:

"مَا شَآءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ" یعنی وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے' اور کوئی اللہ تعالیٰ کی توفیق و مشیئت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ کوئی اس کے علم سے باہر نہیں نکل سکتا' اور نہ ایسا کام کر سکتا ہے جو اس کے علم میں ہے کہ وہ نہیں کرے گا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں، بندوں کے افعال کا خالق وہی ہے' اور بندے کسی چیز کی تخلیق کی قدرت نہیں رکھتے!۔ اللہ تعالیٰ ہی مومنوں کو اپنی اطاعت کی توفیق بخشتا ہے' اور معصیت کی وجہ سے کافروں کی مدد نہیں فرماتا!۔ مومنوں سے لطف و کرم کا سلوک کرتا ہے، ان کو نظرِ محبت و شفقت سے دیکھتا ہے' ان کی اصلاح کرتا ہے' اور ان کو ہدایت دیتا ہے۔ کافروں سے لطف و کرم کا سلوک نہیں کرتا نہ ان کی اصلاح کرتا ہے' نہ ان کو ہدایت دیتا ہے۔ اگر وہ ان کو ہدایت دیتا تو وہ نیک اور صالح ہوتے، ان کو ہدایت بخشتا تو وہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ کافروں کی اصلاح کرے' اور ان سے لطف و کرم سے پیش آتے اور وہ مومن بن جائیں' لیکن اس نے اپنے علم کے مطابق یہی ارادہ کیا کہ وہ کافر رہیں اور ان کو گمراہ کیا، ان کو رسوا کیا اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی' اور بھلائی برائی سب اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے مطابق ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور اچھی بُری تقدیر کو مانتے ہیں' اور ان کا اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ایمان ہے کہ بندے اپنے لئے کسی نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتے مگر جتنا اللہ تعالیٰ چاہے' وہ اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتے ہیں' اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حاجتمند بن کر رہتے ہیں۔ ہر حال میں اس کے فقیر ہوتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے اور کلام' وقف اور لفظ میں ہے جس شخص نے کلام کو لفظ کے ساتھ یا وقف کے ساتھ کہا' وہ ان کے نزدیک بدعتی ہے۔ قرآن کے لفظ کو مخلوق یا غیر مخلوق نہیں کہنا چاہیئے' وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن آنکھوں سے دیکھا جاسکے گا جس طرح چودھویں رات کے چاند کو دیکھا جاتا ہے۔ اس کا دیدار صرف مسلمان کریں گے اور کافر اس سے محروم رہیں گے، اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہوں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ"[2] ہرگز نہیں' وہ اس دن اپنے رب سے

---

[1] التکویر: ۲۹ [2] المطففین: ۱۵

البتہ محجوب ہوں گے۔"

موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس کے دیدار کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ جتا دیا کہ وہ اس کا دنیا میں نہیں، بلکہ آخرت میں دیدار کریں گے! ۔ وہ زنا، چوری وغیرہ کبائر کے مرتکب کو کافر نہیں کہتے ۔ وہ جیسا کچھ بھی ان کا ایمان ہے مومن ہیں ۔ اگرچہ وہ مرتکبِ کبائر ہوں! ان کے نزدیک ایمان سے مراد اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لانا ہے ۔ جو تکلیف لوگوں کو نہیں پہنچی، وہ پہنچ ہی نہیں سکتی تھی ۔ اور جو ان کو پہنچ چکی ہے، اس سے وہ بچ نہیں سکتے تھے ۔ اسلام یہ ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ" کی گواہی دے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت، پکار، بھروسے اور امید کے لائق ہے، نہ ہی اس کے سوا کوئی نفع ونقصان کا اختیار رکھتا ہے ۔ وہ اسلام اور ایمان میں فرق کرتے ہیں ۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مقلب القلوب یعنی دلوں کو پھیرنے والا ہے ۔ وہ اہلِ کبائر کے لئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے قائل ہیں ۔ وہ مانتے ہیں کہ قبر کا عذاب ہوتا ہے! ۔ حوض حق ہے ، اللہ تعالیٰ کا بندوں سے حساب لینا حق ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا حق ہے! وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے، اور وہ بڑھتا گھٹتا ہے ۔ وہ اس کو مخلوق یا غیر مخلوق کہنے میں توقف کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام اللہ ہی ہیں! وہ کسی مرتکبِ کبائر شخص پر دوزخ کی شہادت نہیں دیتے، نہ کسی موحد مسلمان کے لئے جنت کو واجب قرار دیتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ جہاں چاہے گا ان کو ٹھہرائے گا ۔ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چاہے تو ان کو عذاب دے، چاہے ان کو بخش دے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کی بنا پر ان کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ گنہگار موحدین کو دوزخ سے نکالے گا وہ تقدیر میں اور دین میں جھگڑے سے پرہیز کرتے ہیں ۔ اس مناظرے سے بھی بچتے ہیں، جس میں جھگڑالو جھگڑا کرتے ہیں! وہ صحیح روایات اور احادیث کو جن کو ثقہ راویوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہو، کو تسلیم کرتے ہیں، اور ان کے ساتھ دین میں جھگڑتے ہیں جب کوئی بات ثابت ہو جائے تو پھر یہ نہیں کہتے "کیسے؟" اور "کیوں؟" کیونکہ یہ بدعت ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شر کا حکم نہیں دیا بلکہ اس سے روکا ہے! اللہ تعالیٰ نے خیر کا حکم دیا ہے اور شر کو پسند نہیں کرتا اگرچہ وہ اس کی مشیئت سے ہوتا ہے! وہ سلف کا حق اپنے اوپر پہچانتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے چن لیا تھا ۔ وہ ان کے فضائل

کو بیان کرتے ہیں اور انکے آپس کے چھوٹے موٹے اختلافات پر خاموش رہتے ہیں! وہ حضرت ابوبکر صدیق رض کو ساری امت سے افضل جانتے ہیں، اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پھر حضرت عثمان رض کو، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو!

اور وہ اقرار کرتے ہیں کہ خلفاء اربعہ ہدایت یافتہ، نیک اور رشد و ہدایت سے بہرہ ور ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کو ساری دنیا سے افضل سمجھتے ہیں۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح اسناد سے مروی احادیث کو سچا جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں "کیا ہے کوئی بخشش مانگنے والا؟" الحدیث! وہ کتاب و سنت کو پکڑتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ۔ الآیۃ![1] "اگر تم میں کسی بات پر تنازع پیدا ہو جائے تو اس کے فیصلے کے لئے اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو۔"

وہ ائمہ دین کی اتباع کو جائز سمجھتے ہیں اور دین میں بدعات جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی جاری نہیں کرتے اور وہ اقرار کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آئے گا چنانچہ ارشاد ہے:

" وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا[2] "تیرا رب تشریف لائے گا اور فرشتے قطار در قطار ہوں گے۔"

اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے قریب ہوتا ہے جس طرح چاہتا ہے جس طرح ارشاد فرمایا:

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝[3] "ہم اس کے رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔"

وہ عید، جمعہ و جماعت ہر امام نیک ہو یا بد کے پیچھے پڑھ لیتے ہیں۔ وہ موزوں پر مسح کرنا سفر میں اور حضر میں مسنون جانتے ہیں۔ وہ مشرکوں کے مقابلے میں جہاد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت تک جب کہ آخری جماعت دجال سے لڑے گی جاری سمجھتے ہیں! اس کے بعد وہ ائمہ المسلمین کے لئے اصلاح کی دعا کرتے ہیں اور ان کے خلاف خروج اور فتنہ و فساد میں لڑنا درست

---

[1] النساء: ۵۹ [2] الفجر: ۲۲ [3] ق: ۱۶

نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک دجال کا آنا برحق ہے اور یہ کہ حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام اس کو قتل کریں گے۔ وہ منکر نکیر کو اور معراج نیز نیند میں خوابوں کو مانتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ مسلمان مردوں کے لئے دعا کی جائے یا ان کی طرف سے صدقہ خیرات دیا جائے تو اس کا فائدہ و ثواب ان کو ملتا ہے۔ وہ دنیا میں جادوگروں کو کافر سمجھتے اور موجود جانتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ نیز جادو کا اثر دنیا میں ہوتا ہے۔ ہر مسلمان میت نیک اور بد پر نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیئے۔ جنت و دوزخ مخلوق ہیں۔ جو کوئی مرتا ہے اپنے مقررہ وقت پر ہی مرتا ہے۔ اور جو کوئی قتل ہوتا ہے وہ بھی اپنے مقررہ وقت پر قتل ہوتا ہے۔ رزق کا سارا سلسلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ حلال ہو یا حرام اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ شیطان وسوسہ پیدا کر کے شکوک و شبہات میں مبتلا کرتا ہے اور عقل و سمجھ کو خراب کرتا ہے۔ صالحین سے کرامات کا ظہور درست ہے۔ سنت سے قرآن منسوخ نہیں ہوتا نابالغ بچوں کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے جو چاہے ان سے سلوک کرے نجات دے یا عذاب کرے جو کچھ بندے عمل کرتے ہیں اللہ ان کو جانتا ہے۔ اس نے لکھ رکھا ہے کہ یہ ہوگا۔ سب کے سب معاملات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر صبر کرنا چاہیئے! جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کو قبول کرنا چاہیئے اور جس سے روکا ہے اس سے رک جانا چاہیئے عمل میں اخلاص اور مسلمانوں کی جماعت سے خیر خواہی کرنی چاہیئے۔ کبائر، زنا، جھوٹی بات معصیت اور فخر و کبر لوگوں کو حقیر سمجھنے اور خود پسندی وغیرہ سے اجتناب ضروری ہے۔ بدعت کے داعی سے دور رہنا چاہیئے۔ قرأتِ قرآن میں مشغولیت، احادیث و آثار کی کتابت فقہ کا مطالعہ تواضع و عاجزی کے ساتھ حسنِ خُلق کسی سے نیک سلوک تکلیف کو روکنا، غیبت و چغل خوری اور لگائی بجھائی کو ترک کرنا ماکولات و مشروبات کو حاصل کرنا ان کی عادات و خصائل ہیں! جو ہم نے ان کی باتیں ذکر کی ہیں یہی ان کا عقیدہ ہے اور انہی کا وہ حکم دیتے ہیں وہی باتیں ہم کہتے ہیں اور ان پر چلتے ہیں ہماری توفیق محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہی ہمیں کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے۔ انتہیٰ!"

یہ وہ باتیں ہیں جن کا نجدی اور ان کے موافقین عقیدہ رکھتے ہیں۔ اب یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ بدعتی ہیں؟ بات دراصل یہ ہے سہ

ومن يك ذا فم مُرّ مريض یعنی کڑوے منہ والا مریض میٹھے پانی کو بھی کڑوا
یجد مُرّا به الماء الزلالا ! ہی جانتا ہے۔"

جاہل نبہانی ایمان والوں کا شدید دشمن ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ہر برائی کی جھوٹی تہمت ان پر دھرتا ہے اور جب اپنے بدعتی بھائیوں کا تذکرہ کرتا ہے تو پوری تعظیم کا لحاظ رکھتا ہے۔

قبر پرستوں کے عقائد

پھر شیخ عبداللطیف نے جب اپنے دادا جان اور ان کے پیروکاروں کے مذہب و مسلک کو بیان کیا تو اس بدعتی اور اس کے بھائیوں کا بھی کچھ حال بیان کیا ہے، اور اس کے لئے مستقل فصل میں فرمایا:

"ہم آپ کے سامنے قبر پرستوں اور پیر پرستوں کے کچھ عقائد بیان کر کے ان کے دین کی حقیقت کی قلعی کھولیں گے۔ تاکہ ان کے دین پر وقف کرنے والے کو، اگر وہ صاحب فضل واحسان ہے، پتہ چل جائے کہ دونوں فریقوں میں سے کون امن کا زیادہ مستحق ہے؟ انہوں نے اپنے کفر اور کفر کے اڈوں کا نام شفاعت اور وسیلہ اور مدد طلب کرنا رکھا ہوا ہے تاکہ اس سے شبہ پیدا نہ ہو، ایسے نام رکھنے میں حقائق کو سمجھنے والے کے نزدیک انتہائی ہلاکت ہے۔ ان لوگوں کے فاسد عقائد میں سے چند یہ ہیں: اہل قبور اور صالحین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی سی محبت، خضوع اور امید۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کو مصائب و مشکلات اور حوادث میں پکارنا جبکہ ان مصائب و حوادث کو زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا! ان کی قبروں پر چلہ کشی کرنا، ان کی چوکھٹوں کو بوسہ دینا، ان کی یادگاروں پر ہاتھ پھیر کر برکت حاصل کرنا، فریادرسی کے لئے درخواست کرنا اور دعاؤں کی قبولیت چاہنا۔ حاجت کا اظہار کرنا، عاجزی اور محتاجی کو ظاہر کرنا، بارشوں کے لئے درخواست کرنا، خشکی اور سمندر کی مصیبتوں میں سلامتی مانگنا، اپنی جوان اور رانڈ عورتوں کے لئے نکاح و شادی کا سوال کرنا۔ ضعیفوں اور یتیموں کے ساتھ نرمی برتنے کو مانگنا، اونچے اور بڑے کاموں میں ان پر اعتماد کرنا، ان کو بڑے گناہوں کے بخشنے، نیز ہاویہ (دوزخ) سے نجات دلانے اور اونچے اونچے عہدے دلانے کا اہل جاننا وغیرہ!۔ ان میں سے اکثر وہ ہیں جن کی طبائع ان سے مانوس ہو چکی ہیں اور اس طرح ان کی فطرت مسخ ہو چکی ہے کہ اس سے ان کا رکنا دشوار رہے۔ ان کے دلوں میں کبھی اللہ کی طرف قصد و انابت کا خیال تک نہیں آیا، جو کسی مسلمان کو آسکتا ہے! بس ان کے پیش نظر تو فلاں ولی اور فلاں شیخ کا مزار رہتا ہے۔ وہ نماز استسقاء، نیز مشکلات و مصائب کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ

کی طرف انابت و رجوع کی بجائے قبروں اور مزاروں اور درباروں میں حاضری کو ضروری جانتے ہیں ــــ یہ باتیں ہماری دیکھی سنی ہیں!"

"اور شیخ مصطفیٰ البولاقی نے بیان کیا کہ "جب انہیں آنکھوں کی تکلیف تھی تو جامع ازہر کا ایک رئیس عیادت کو آیا - اور کہنے لگا "آپ شیخ احمد بدوی کی جائے ولادت پر کیوں نہیں گئے؟" پھر اس نے ایک کہانی سنائی کہ "ایک شخص کی نظر جاتی رہی' اس نے شیخ احمد بدوی کے حضور شکایت کی تو قبر سے آواز آئی کہ "اس کو آنکھیں دے دو"۔ ذرا غور کیجئے! بیان کرنے والے کے دل میں اس مُردے کی کتنی بڑی تعظیم ہے اور اس نے اس کو کس طرح حاجت برآری کا اہل سمجھا؟ حالانکہ آنکھیں دینا اور اس طرح کے دوسرے کام محض اور صرف' زبردست و غالب اللہ کی قدرت وطاقت میں ہیں۔ یہاں وسیلہ و واسطہ کا قصد بھی اس کے دل میں نہیں' حالانکہ واسطہ وسیلہ بھی اپنی جگہ ناجائز ہے! کیا عرب کے اہلِ جاہلیت سے کبھی آپ نے ایسی انوکھی بات سنی ہے کہ جس سے' پاکیزہ دل اور بیدار مغز' جو مضبوط ہمت والا اور حقائق کو سمجھنے والا ہو۔ اور جو دینی امور اور توحید کے سلسلے میں تقلید کے دامن میں پناہ لینا پسند نہ کرے' حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ لیکن جو مردہ دل' بلید الذہن' کمینہ اور جامد طبیعت والا ہو۔ اور جس کی ہمت تقلید کی دُم کو پکڑنے تک ہو۔ جو مزاروں اور درباروں کی عقیدت کے بارے میں غلط سلط بیان کی گئی حکایات کا معتقد ہو۔ بدنام کرنے والا اور ہنگامہ باز ہو' وہ بدفطرت بیمار ذہن والا ہے' اس سے بات کرنا محض دماغ سوزی اور بے کار ہے!

علماء زبید کی بیان کردہ جو باتیں ہم تک پہنچی ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ "دو آدمیوں نے طائف جانے کا قصد کیا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے' جو علم کی تربیت پا رہا تھا کہا "اہلِ طائف اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتے' وہ تو حضرت ابنِ عباس (رضی اللہ عنہما) کو جانتے پہچانتے ہیں"۔ اس نے جواب دیا کہ "ان کو ابنِ عباسؓ کی معرفت کافی ہے' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے تھے"! اللہ تعالیٰ ملّتِ اسلام کی حفاظت فرماتے' کونسی ملّت ہے جو ان کفریات کی ممانعت و مدافعت نہ کرے گی؟ زبیدی نے بیان کیا "ایک شخص مکہ مکرمہ میں ایک قبر کے پاس تھا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ "میں طواف کے لئے جانا چاہتا ہوں" ایک غالی بولا "آپ کا یہاں ٹھہرنا طواف سے افضل ہے"۔ جو شخص مصری کتاب "مناقب الاربعة المعبودين"، سے واقف ہے (چار معبودوں سے مراد بدویؒ، رفاعیؒ دسوقیؒ اور میرے خیال میں چوتھا 'ابو العلاء' ہے) وہ ان کے کفر کے

ساحل سے واقف ہوگیا، اور ان کے جھوٹ کے طور طریقوں کو پہچان گیا، ہمیں قابلِ اعتماد ذرائع سے خبر ملی ہے کہ زبید شہر میں علم کا دعویٰ کرنے والی ایک جماعت صحیح البخاری پڑھتی تھی جب وہ اس سے فارغ ہوئی تو وہ "الجبیرتی" وغیرہ کی قبر پر گئے۔ انہوں نے وہاں اعتکاف کیا، اور ان پر وقار و سکون کے آثار ظاہر تھے — گڑے ہوئے (بزرگ) کے حضور عاجزی کا اظہار تھا، اس حکایت کا ناقل کہتا ہے: "اللہ ہی جانتا ہے کہ انہوں نے یہ مسئلہ صحیح البخاری میں پایا یا نہیں، یا کہاں سے لیا؟ "سنوسیہ" پر ابراہیم بیجوری کا "در دیر" سے نقل کردہ حاشیہ میں نے پڑھا ہے، گمان یہ ہے کہ شعرانی سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ولی کی قبر پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے جو اس ولی سے مانگی گئی حاجتیں پوری کرتا ہے! ٹھہریئے اور غور کیجئے کہ ان کے شرک اور جھوٹ نے ان کو کہاں تک پہنچا دیا ہے؟ اس بات کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کیا تعلق:

"وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" الآیۃ[1] یعنی "جب تجھ سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو میں قریب ہوں اور پکارنے والے کی پکار قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے!"

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً"[2] "اپنے پروردگار سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔"

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝[3] "جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر، اور اپنے رب کی طرف دل لگا!"

"اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ"[4] "بھلا کون بے قرار کی التجا قبول فرماتا ہے، جب وہ اس سے دعا کرتا ہے؟"

"وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ"[5]! "تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا، تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔"

شعرانی نے جو کہا ہے، اس کی اس کے پاس کیا دلیل ہے؟ کاش لوگ جانتے! لیکن لوگوں کو گزشتہ اقوام کی بیماری نے آدبوچا ہے۔ انہوں نے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھوں پیچھے ڈال رکھا ہے گویا اس کتاب کو وہ

---

[1] البقرۃ: ۱۸۶ [2] الاعراف: ۵۵ [3] الانشراح: ۷-۸ [4] النمل: ۶۲ [5] غافر: ۶۰

جانتے ہی نہیں اور وہ شیطانی باتوں کی پیروی میں لگ گئے ہیں ایسی ہی بے سرو پا باتیں شعرانی نے شمس الدین حنفی کے ترجمے میں بیان کی ہیں کہ انہوں نے مرتے وقت کہا تھا "جس کو کوئی حاجت ہو وہ میری قبر پہ آئے اور مانگے میں اس کو پورا کروں گا۔ میرے اور حاجت روائی چاہنے والے کے درمیان صرف ایک ہاتھ مٹی ہے"!۔ بھلا جس شخص کو اس کے ساتھیوں سے ایک ہاتھ مٹی حجاب بن جائے وہ بھی کوئی معبود ہے؟

اہلِ اسلام کے موحدین کی ایک جماعت ایک مصری کے گھر جمع ہوئی "اس کے قریب ہی ایک آدمی تھا جس کو علم کا دعویٰ تھا اس کو اہلِ خانہ نے پیغام بھیجا اور اس سے حاضرین کی موجودگی میں سوال کیا۔ اس سے پوچھا "کتنے لوگ کائنات میں تصرف کرتے ہیں؟" اس نے جواب دیا "جناب سات آدمی" پھر اس نے پوچھا "کون کون؟" اس نے جواب دیا "فلاں فلاں" اور مصر کے چار معبودوں کے نام لئے۔ اہلِ خانہ نے موجود موحدین سے کہا "میں نے اس سے آپ کے سامنے اس لئے پوچھا ہے تاکہ آپ کو نعمتِ اسلام کی قدر معلوم ہو۔"

مشائخ اور اولیاء کے تصرف و اختیار کا دائرہ اتنا وسیع کر دیا گیا ہے زمین پہ بسنے والے اکثر بے وقوف مدعیانِ اسلام اسی راہ پہ چل پڑے ہیں اور اس کرۂ ارض کے اکثر باشندے گمراہی کے اس سمندر میں غرق ہو کر تباہ ہو گئے ہیں یہاں تک کہ سفارش اور واسطے و وسیلے کا درجہ ان کی نظر دل سے اوجھل ہو چکا ہے۔ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے منہاج السنہ میں غالی شیعوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہی عقیدہ ذکر کیا ہے۔ اب یہ شرک جاہلیتِ اولیٰ کے شرک سے بھی چار قدم آگے ہے۔ وہ توحیدِ ربوبیت کو مانتے اور پہچانتے تھے۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے —— بلکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کی توحیدِ ربوبیت و تدبیر کو ہی توحیدِ الوہیت کی دلیل بنایا ہے!

اور ان کی ایک عجیب بات "جس کو حسین بن محمد نعمی یمنی نے اپنے ایک رسالے میں بیان کیا ہے" یہ ہے کہ: ایک عورت نے آنکھیں بند کیں اور اپنے ولی کو پکارا کہ "اللہ تعالیٰ نے جو کیا ہے" وہ تو آپ کے سامنے ہے" اب تو آپ کا سہارا ہی ہمارے لئے باقی رہ گیا ہے!"

مجھے سعد بن عبداللہ بن سرور ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ سنایا کہ کچھ اہلِ مغرب مصر میں وارد ہوئے۔ ان کا ارادہ حج کا تھا" وہ قاہرہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مقبرے کی زیارت کو گئے۔ انہوں نے قبر کی طرف منہ کیا اور صاحبِ قبر کے لئے وقوف کیا" اور رکوع اور سجدہ کیا" یہاں تک کہ اس کے

مجاوروں اور بعض حاضرین نے ان کے اس عمل کو ناپسند کیا، انہوں نے کہا "تم نے جو کچھ کیا ہے وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی محبت میں کیا ہے"! ایک یمنی مؤلف بھی اپنے ملک میں ایک ایسے ہی واقعہ کا ذکر کرتا ہے۔ شیخ خلیل رشیدی نے جامع ازہر میں مجھے یہ واقعہ سنایا کہ وہاں کے ممتاز استاد نے کہا، "قاہرہ میں احمد بدوی کی اجازت کے بغیر ایک کیل بھی نہیں لگتی" انہوں نے کہا میں نے اس کو کہا "یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہی شان ہے" اس نے جواب دیا "میری احمد بدوی سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ میں اس کو ایسا سمجھوں"!

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا، "فلاں شیخ کی زیارت کے وقت کتنا مجمع تھا"؟ اس نے کہا "میں نے عرفات کے میدان کے علاوہ کہیں اتنا مجمع نہیں دیکھا لیکن میں نے ان کو اللہ کے حضور وہاں ایک سجدہ کرتے بھی نہیں دیکھا اور تین دن ایک نماز بھی نہیں پڑھی"۔ سائل نے کہا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ صاحب قبر نے اس کو اپنے ذمے لے لیا ہے"! ایک "فاضل" نے کہا "شیخ کے لوگوں کے فرائض و اعمال کی ذمہ داری کا دروازہ اتنا بڑا ہے جتنا بصری اور عدن کا فاصلہ ہے" پھر اس نے اس کی سخاوت کی وسعت کو اور اس کی مسلسل سرسبزی کو بیان کیا۔ اس طرح اس کے زہر کے چھینٹوں سے زائرین و معتقدین اور شہر کے باشندے متاثر ہوتے ہیں!

مشہور ہے مشہد کی چوکھٹوں پہ سجدہ ریزی اور اس کے آثار سے تبرک کا قصد ظاہری عبادت کی حقیقت کے منافی نہیں ہے اور یہ بات بھی عام ہے کہ مقررہ قیمت پہ ولی سے لڑکے خرید لئے جاتے ہیں، پھر اتنی رقم ہر سال ادا کرنی ہوتی ہے۔ اگر عورت ولی سے لی جائے تو اس کا مہر یا نصف مہر ہر سال ادا کیا جاتا ہے کیونکہ وہ خرید شدہ ہے! اس کا انکار انا کا مریض ہی کرے گا کیونکہ یہ بات وہاں مشہور و معروف ہے کہ "اس کا انکار وہی کرے گا جو بدیہی امور کا منکر ہے"۔ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ برائی بعینہ کہیں موجود نہ ہو بلکہ اس میں کچھ فرق ہو پھر بھی اس کے ساتھ ملتے جلتے بہت سے ایسے امور رائج ہیں۔ یہ تو عرب کی جاہلیت سے بھی بڑھ کر ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ ارشاد ہے:

"وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَٰذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَٰذَا لِشُرَكَائِنَا"[1]	"اور اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی وہ چیزوں یعنی کھیتی اور چوپاؤں میں اللہ کا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں اور اپنے خیالِ باطل میں کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا

---

[1] الانعام: ۱۳۶

ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے۔"

اسی طرح ولی کے نام پر اونٹنی وغیرہ کھلی چھوڑ دیتے تھے نہ اس پر سواری کرتے نہ اس کو ذبح کرتے اور شیخ کی محبت اور تقرب کے لئے جانور اور قربانیاں مزاروں، درباروں اور مشاہد پر لے جانا اور ذبح کرنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ اگرچہ ان کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا جائے، پھر بھی وہ سخت حرام ہے۔ اس سے بھی زیادہ حرام جس کو محض گوشت کی خاطر ذبح کیا جائے اور اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا، یا کسی اور غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ عبادت میں شرک، استعانت کے شرک سے کہیں بڑھ کر ہے۔ یہی حال مشاہد اور مزارات کے قرب و جوار کو حرم کا درجہ دینے، اس کے درخت اور گھاس وغیرہ نہ کاٹنے اور اس کو ولی کا مال سمجھنے کا ہے۔

ان میں سے ایک، مشاہد و مزارات کا حج ہے۔ ان کا مخصوص اوقات میں بیت اللہ کی طرح حج کیا جاتا ہے۔ اس میں وہ قبر کا طواف کرتے ہیں اور اس کے حضور فریادیں کرتے ہیں۔ قبر والے کے لئے نذرانے اور چڑھاوے پیش کرتے ہیں، اور جانور ذبح کرتے ہیں۔ بلکہ بعض مشائخ اور گدی نشین تو زائرین کو زیارت سے فراغت کے بعد حج کا احرام کھولنے پر "تحلیق" کی طرح سر منڈوانے کا حکم دیتے ہیں۔ بعض غالیوں نے اس پر کتاب تصنیف کی ہے اور اس کا نام "حج المشاہد"، رکھا ہے، جو عام ملتی ہے۔ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ عرفہ میں وقوف کی طرح پچھلے پہر قبر کے پاس وقوف کرتے ہیں۔ اور نماز پڑھتے، عاجزی وانکساری کے ساتھ سوال و دعا کرتے ہیں۔

عراق میں تو یہ خوب زور شور سے ہوتا ہے بلکہ کہنا چاہیئے کہ یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا ساحل نہیں۔ اور ایسا جنگل ہے، جس کے مسافر کی نجات کی اُمید نہیں کی جاسکتی! اسی طرح کے کفر و شرک اور فساد عام ہیں جو شخص دین میں بدعات کی تاریخ سے دلچسپی رکھتا ہے، وہ اس سے خوب واقف ہے۔

جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور کاظم کے مشاہد میں رافضی جو کچھ کرتے ہیں، دیکھا ہے۔ اور جس شخص نے شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ، حسن بصری اور حضرت زبیرؓ وغیرہ کے مزاروں پر سالانہ میلوں میں، جو کچھ عبادات ہوتی ہیں، دیکھی ہیں کہ لوگ کس طرح ان سے عطیات اور نعمتیں اور تصرفات چاہتے ہیں، اور طرح طرح کے ہلاکت والے کاموں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ ایسے لوگ انتہائی جاہل اور پرلے درجے کے گمراہ ہیں۔ اور کفر و شرک کے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ

قبل ازیں اسلام کے مدعیوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ ہی سے سوال ہے کہ وہ اپنے دین کی مدد فرمائے اور ان شرک کے اڈوں کو تباہ کر کے اپنے توحید کے کلمے کو بلند کرے تاکہ اللہ وحدہٗ کی عبادت ہو اور لوگ اس کے فرماں بردار بنیں ۔۔۔ دین اپنی اصل نورانیت کے ساتھ واپس آئے جس طرح وہ ابتداء میں تھا جس میں رات بھی دن کی طرح روشن تھی!

علاوہ ازیں انہوں نے من گھڑت عیدیں اور میلے بنا رکھے ہیں، ان میں وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ عیدوں اور حج وغیرہ کے ساتھ مشابہت پیدا کرتے ہیں۔

پھر یہ کہ ان میلوں اور اجتماعات میں خلافِ شرع کام، بے حیائی و بدمعاشی، اور نماز کو ترک کرنے اور بے حیا اور آوارہ عورتوں کے ناچ گانے وغیرہ کے واقعات عام ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ عیسائیوں، بے دین ملحدوں اور انگریزوں کی مختلف عیدوں کی نقل اتارتے ہیں جن میں ڈھول ڈھکے، باجے گاجے، ناچ گانے، بانسری ۔ گیت گانے، شراب پینے، جوا کھیلنے اور لہو ولعب کے دوسرے کام ہوتے ہیں! ۔۔۔۔۔ سچی بات یہ ہے کہ عباد القبور نے جو من گھڑت دین اور مسائل بنا رکھے ہیں، ان کا شمار مشکل ہے۔ انتہیٰ!

غافل بھائی، یہ تیرا اور تیرے ہم مذہب بھائیوں کا حال ہے، نقشہ کشی ہے! پھر تو نے ان برائیوں اور خرابیوں پر قناعت نہیں کی بلکہ طنبور پر گانے کا بھی اس پر اضافہ کیا۔ کیا یہ تیرے اس اعتقاد کا نتیجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت، ہر جگہ موجود ہیں؟ اور تو نے اس پر ایک شرکیہ نعت اور خراب نظم لکھی ہے!

ان سب برائیوں کے باوجود تیرا دعویٰ ہے کہ تو محبِّ رسول ہے، ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! اللہ نے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شرک اور گمراہی کو مٹانے کے لئے بھیجا ہے، اور تو اپنی جہالت کی وجہ سے آپ کے مشن کے سراسر خلاف چاہتا ہے کہ شرک و گمراہی کے حالات پیدا ہوں:

يُرِيدُونَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ؁[1]

"یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے منہ سے پھونکیں مار کر بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کے چھوڑے گا، اگرچہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناپسند ہو"!

بتاؤ! کون بدعتی ہے؟ کیا وہ شخص جو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتا ہے، اس کو کلی یا جزئی

---

[1] التوبۃ: ۳۲

طور پر نقصان پہنچانے والے کی مدافعت کرتا ہے؟ یا تیرے جیسے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو پکارتے ہیں اور اُمّت کے بہترین اور ہدایت دینے والے بزرگوں پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں بدعتیوں اور خواہش پرستوں کی معاونت کرتے ہیں — غیر اسلامی قوانین کے مطابق عدالت میں فیصلے کرتے ہیں اور قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ کے مقابلے میں من گھڑت قوانین کو ترجیح دیتے ہیں؟ ایسے بدبختوں کو حیا نہیں آتی کہ قرآن کے حاملین اور اہلِ ایمان اور سرورِ کائنات کی سنّت کے محافظین کی عیب جوئی اور بدگوئی کرتے ہیں؟ یہ معاملہ اسی طرح کا ہے جس طرح ایک حدیث میں آتا ہے:

"اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ" "نبوتِ اولیٰ کے کلام میں سے لوگوں نے پایا ہے کہ جب تجھے شرم نہ رہے تو جو چاہے سو کر!"

نبہانی نے بہت سے قصیدے اور نعتیہ کلام لکھا ہے جو چھپ کر عام ہے (دیکھیے اصل عربی کتاب غایۃ الامانی جلد اوّل ص ۱۰۹ تا ۱۱۹) یہ سب قصائد اور نعتیہ نظمیں شیخ عبد اللطیف رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی تائید کرتی ہیں۔

مختصراً اس کے بہت سے ایسے قصائد ہیں جن میں صاحبِ قبر کو خدائی صفات سے متصف کیا گیا ہے اور ان کی قبر کو کعبہ مکرمہ تک کہا گیا ہے۔ اگر ان سب کو بیان کیا جائے تو بات لمبی ہو جائے گی۔ جب ان غالیوں کے خواص کا یہ حال ہے تو عوام کا کیا حال ہوگا؟

عراقی بیان کرتے ہیں کہ "لوگوں نے شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو کعبہ بنا رکھا ہے، جس کا اسی طرح طواف کرتے ہیں جس طرح حاجی بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہیں اور دینِ اسلام کے سراسر خلاف اس پر نذریں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ شیخ کی اولاد نے عوام کی اس جہالت کو غنیمت سمجھا ہے اور خوب گلچھرے اڑاتے ہیں۔ بعض بیوقوف اور کم عقل لوگ ان کو دین و دنیا میں وسیلہ جانتے ہیں"!

عراقی بیان کرتے ہیں کہ "شیخ عبد القادر کی اولاد آج عراق میں سب سے بدترین لوگ ہیں۔ اور ان کا خاندان آج بغداد پر بلاء کی شکل اختیار کر گیا ہے اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس خاندان کا سربراہ سلفی العقیدہ ہونے کا مدعی ہے حالانکہ وہ بتوں کے مجاوروں میں سے ہے! وہ ہندوستانیوں

اور دوسرے لوگوں کی غیر اللہ کے لیے پیش کی ہوئی حرام نذر و نیاز کھا رہا ہے" ہم اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کرتے ہیں کہ وہ زمین کو ایسے دشمنانِ رسولؐ اور مخالفینِ دین سے پاک کر دے کسی شاعر نے شاید اسی سربراہ کے حق میں کہا ہے ؎

نزلوا بمکۃ فی قبائل ھاشم	"وہ مکہ میں ہاشمی قبائل میں اُترے اور میں بیدا
ونزلتُ فی البیداء ابعد منزل	میں اُترا جو سب سے دُور منزل ہے"

میں نے سُنا ہے کہ اس کے شہر کے بعض ادیبوں نے اس کی ہجو میں نظمیں لکھی ہیں ان میں سے ایک کا مطلع یہ ہے ؎

ارجع بغداد وانی غریبھا	یعنی اگر جنت الفردوس پر بغداد کا نقیب نہیں ہو
علیٰ جنۃ الفردوس لولا نقیبھا	گا تو میں وہاں غریب الوطن ہوں گا۔ ایسی صورت میں مَیں بغداد کو اس پر ترجیح دیتا ہوں!"

میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ ہند و پاک وغیرہ کے لوگوں کو سمجھ دے تاکہ بے وقوف مجاوران کے مال نہ لوٹیں، اور اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں سے ان کو محفوظ رکھے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اگر کتاب کی تنگ دامانی حائل نہ ہوتی تو ہم ان مجاوروں اور بت پرستوں کے حالات تفصیل سے بیان کرتے بس جتنا بیان ہو چکا ہے، فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔

ہمارے گزشتہ بیان سے یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ جاہل نبہانی کا یہ کہنا کہ "شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب اور ان کے ہم مسلک نجدی وغیرہ بدعتی ہیں" بالکل باطل ہے بلکہ ان شاء اللہ درحقیقت وہی فرقہ ناجیہ ہے اور وہ اہلِ سنّت و جماعت ہیں، وہ حق کی جماعت ہے۔ دراصل یہ کم عقل، جاہل خود اور اس کے ساتھی بدعتی ہیں۔ جیسا کہ آپ ان کی گمراہی اور جہالت سن چکے ہیں! مثل مشہور ہے "اس نے مجھے بیماری کی تہمت لگائی اور وہ خود سل کی مریض تھی!" —— یعنی "الزام انکو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا!"

اور جو جرح و قدح نبہانی نے حضرات شیخینؓ اور ان کے ہم مسلکوں پر کی ہے، اس پر مفصل بحث آئندہ آئے گی جس میں اس نے بلا ضرورت مکرر فصلیں مقرر کی ہیں تاکہ کتاب کا حجم زیادہ ہو اور اس پر خوشی سے پھولا نہ سمائے۔

اس کا یہ کہنا کہ "اب تک ان کی دس کتابیں طبع ہو چکی ہیں" پھر ان کو گنایا اور جرح و قدح کی ہے!

جس طرح اس نے راہِ حق وصواب کو ترک کر کے راہِ باطل اختیار کی ہے اسی طرح اس نے یہاں گنتی میں بھی ٹھوکر کھائی ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے شیخین کی جو مفصل یا مختصر کتب طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں، وہ تین سو کے قریب ہیں کچھ تو مصر میں اور کچھ ہندوستان میں اور کچھ مکہ مکرمہ میں طبع کی گئی ہیں یہ سب کتابیں الحمدللہ علم کے خزانے اور ہدایت کی شمعیں ہیں بے دین، بدعتی اور ملحد لوگ ان سے بڑے غمزدہ ہیں اور یہ کتابیں ان کے گلے کا کانٹا بن گئی ہیں۔

اسے بدعتی! میں تجھے یہ خبر بڑی خوشی سے دے رہا ہوں کہ ان کی سب کتابیں جلد ہی ان شاء اللہ طبع ہو جائیں گی۔ اس دن مومن اللہ تعالیٰ کی مدد سے خوش ہوں گے۔ اس وقت ملحدوں کی کجی واضح ہو گی۔ خواہشات کے بندوں سبکی، ابن حجر اور دوسرے لوگوں کا جھوٹ کھل جائے گا جنہوں نے بجائے ہدایت کے گمراہی اختیار کی۔ اس طرح ان کی تجارت خسارے کی تجارت رہی۔ پھر نبہانی نے اپنا تبصرہ اپنے قصیدہ "طیبۃ الغراء" پر ختم کیا ہے۔ اور اس قصیدے میں اس نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ باطل عقیدہ بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ ہر وقت ہر جگہ موجود ہیں اس نے پورا قصیدہ بیان نہیں کیا اور ظاہر یہ کیا ہے کہ اس نے قصیدہ "بانت سعاد" کی حکایت کی ہے۔ اس نے حکایت تو کی ہے مگر اس کا حسن غتر بود کر دیا ہے اس کا شعر انتہائی پھسپھسا ہے۔ ہم اس پر کتاب کے مناسب مقام پر گفتگو کریں گے۔ جہاں قصیدے کو اس نے بیان کیا ہے، وہاں موضوع سے اس کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے اس کی ساری گفتگو ایسی ہی ہے کہ وہ ہر جگہ غیر متعلق باتیں کثرت سے گھسیڑ دیتا ہے جن کا اصل بات سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہوتا اور ایسی باتیں ذکر کرتا ہے جن کا اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ شاید اس کا مقصد اس سے کتاب کا حجم بڑھانا ہو اور اپنی رعونت و جہالت کا بیان ہو ہم اس مرض سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں جس میں وہ مبتلا ہے!

تنبیہاتِ نبہانی

پھر نبہانی نے اپنی کتاب کے مقدمے کی قسمِ ثانی ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ اس میں بارہ تنبیہات ہیں، اس کا مطالعہ کرنے والے کے لئے ان کی معرفت لازمی ہے پھر اس نے پہلی تنبیہ ذکر کی ہے، اس میں ابنِ تیمیہؒ کے حالات بیان کئے ہیں اور اس سے بزعمِ خود لوگوں کو چوکنا کیا ہے کہ ابن تیمیہؒ اور اس کے ہم مسلک لوگ گمراہی پر ہیں۔ پھر اس نے دوسری تنبیہ بیان کی ہے، اس میں بھی تنبیہ اوّل کی باتیں بیان کی ہیں — ہاں صرف ایک بات کا اضافہ ہے کہ ابن تیمیہؒ اور اس کے ہم مسلک لوگوں کو کافر نہ کہا جائے کیونکہ وہ اہلِ قبلہ ہیں اور اس پر طویل گفتگو کی ہے۔ پھر تیسری تنبیہ ہے جس میں ابنِ سبکی کے لئے اپنے ایک خواب کو بیان

کیا ہے کہ ابن تیمیہ کھڑے ہیں، اور سبکی عاجزی کے ساتھ تیسرے آدمی کے ساتھ بیٹھا ہے۔ غالباً تیسرا آدمی "الصارم المنکی" کا مؤلف ہے۔ اس تنبیہ کا مقصد معلوم نہیں ہوسکا۔ پھر چوتھی تنبیہ بیان کی ہے جس میں رسولِ کریم ﷺ کا مقام و مرتبہ بیان کیا ہے کہ آپؐ صاحبِ شفاعتِ عظمٰی اور صاحبِ مقامِ محمود ہیں اور بیان کیا ہے کہ اہلِ علم نے ہمیشہ آپؐ کو پکارنے اور آپؐ کے حضور فریاد کرنے، اور جو کچھ اللہ سے مانگنا چاہیئے، وہ آپؐ سے مانگنے کی ترغیب دی ہے، پھر کہا ہے کہ اس سے محمدؒ بن عبدالوہاب اور ان کے ہم مسلک، اور صدیق الحسن خان (رحمۃ اللہ علیہ) اور اس کی جماعت کے سوا کسی نے منع نہیں کیا۔ سید صدیق الحسن خان (رحمۃ اللہ علیہ) نے سنن (کتبِ حدیث) ترجمہ کرواکر شائع کیں اور لوگوں کو گمراہ کیا۔ پھر پانچویں تنبیہ میں ابن تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) اور ابن قیمؒ کی مدح سرائی کی ہے، اور مدح و ذم کے تناقض کو رفع کرنے کے لئے مختلف حالات و وجوہات کا سہارا لیا ہے۔ اور اس کی تائید، شیخ سلیمانؒ بن عبدالوہاب حنبلی کی کتاب "الصواعق الالٰہیہ" سے نقل کی ہے۔ پھر چھٹی تنبیہ میں ابن تیمیہؒ اور ان کے تلامذہ کو ائمہ دین اور مسلمانوں کے اکابر علماء میں شمار کیا ہے۔ اور یہ کہ انہوں نے اُمّتِ مسلمہ کو اپنے علم و عمل سے بڑا فائدہ پہنچایا ہے، اگرچہ وہ زیارت اور استغاثے سے منع کرکے ایک بڑی بدعت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس طرح انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہے، اور اسی مرض کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے ان کا رد لکھنا ضروری ہے، اور اس طرح کی اور فضول بکواس بکی ہے۔ پھر ساتویں تنبیہ میں کہا ہے کہ "دیکھنا کہیں تمہیں شیطان، ابن تیمیہؒ اور اس کے ساتھیوں کے اقوال کو قبول کرنے کے لئے دھوکا نہ دے اور تجھے یہ باور نہ کرائے کہ وہ اکابر اہلِ علم میں سے ہیں۔ اس طرح کی اور بے ہودہ باتیں کی ہیں۔ مقصد یہ کہ لوگ شیخؒ اور ان کے ہم مسلک لوگوں کے اقوال سے متنفر ہوجائیں۔ اور آٹھویں تنبیہ میں بیان کیا ہے کہ اگر ابن تیمیہ کا زیارت کے لئے شدِ رحال کی ممانعت کا مسئلہ درست تسلیم کرلیا جائے تو پھر لوگ مدینہ جانا چھوڑ دیں گے اور وہ اُجڑ جائے گا۔ اور نویں تنبیہ میں کہتا ہے کہ اس کی تالیف کا مقصد یہ نہیں، کہ ابن تیمیہؒ کے اقوال اور مسلک پر چلنے والوں پر کیچڑ اچھالا جائے، بلکہ عوام کو ان لوگوں کے خراب عقائد اور غلط باتوں سے خبردار کرنا ہے۔ پھر دسویں تنبیہ میں ہے کہ ابن تیمیہؒ اور اس کے ساتھیوں کا سفرِ زیارت سے ممانعت کا مقصد رسولِ کریم ﷺ کی شان میں معاذ اللہ گستاخی قطعاً نہیں۔ وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کیونکہ وہ مسلمانوں کے اکابر علماء اور دینِ مبین کی حفاظت کرنے

والے ہیں۔ لیکن ان کا یہ غلط مذہب ہے جس کو انہوں نے دلائل کی بناء پر اختیار کیا ہے اور اپنی استعداد کے مطابق انہوں نے کتاب وسنت سے یہی سمجھا ہے وغیرہ! ان تنبیہات میں شدید تناقض ہے، ایک تنبیہ، دوسری تنبیہ کے مضمون کو غلط قرار دیتی ہے۔ پھر وہ ابن تیمیہؒ کی کتاب "العقل والنقل" کی ایک عبارت حضور ﷺ کی تعظیم میں نقل کر کے کہتا ہے کہ "تعجب ہے، ایسا شخص سفر زیارت اور استغاثہ وغیرہ سے منع کرتا ہے"! گیارہویں تنبیہ میں لوگوں کو خبردار کرتا ہے کہ ایسے لوگوں سے میل جول نہ رکھیں، جن کا عقیدہ ابن تیمیہ رح کے عقیدے کے مطابق ہو، وہ بدعتی ہیں پھر ان پر بے مزہ اور گندی گفتگو کی ہے!

بارہویں تنبیہ میں دہائی دیتا ہے کہ "ابن تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے کسی ایک شخص کا رد نہیں لکھا اور کسی ایک کو گمراہ نہیں کہا بلکہ اس نے سب مسلمانوں سے دشمنی کی ہے" پھر کہتا ہے کہ "اس نے ائمہ صوفیاء کی تکفیر کی ہے، حالانکہ وہ امت کے سردار اور بزرگ ہیں"۔

میں کہتا ہوں، یہ اس کی تنبیہات میں مذکور کلام کا خلاصہ ہے اتنا سمجھ لینے سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ اس آدمی (نبہانی) کا مبلغ علم کیا ہے؟ اس سے اس کی کم عقلی اور رعونت کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے۔ اس نے ان تنبیہات میں جو کچھ ذکر کیا ہے، وہ محض اوہام اور مدہوشی کی گفتگو ہے یا پھر تپ زدہ کی بڑبڑاہٹ ہے۔ نتیجہ اور مآل سب کا ایک ہی ہے کہ چونکہ ابن تیمیہؒ اور ان کے ساتھیوں نے زیارت کے لئے "شد رحال" کی ممانعت کی ہے، اور مخلوق سے استغاثہ کو حرام ٹھہرایا ہے، اس لئے ان کو گرایا جائے۔ ان کے ان دو مسئلوں کی وجہ سے قیامت برپا ہو گئی اور تنور دہک گیا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم، موجودہ ترقی یافتہ اور باکمال زمانے میں مسلمانوں کے تنزل اور بدقسمتی کا یہی سبب ہے ہم ان دو مسائل پر مناسب موقعہ پر گفتگو کریں گے، اور نبہانی کی ان تنبیہات میں یاوہ گوئی کا نوٹس نہیں لیں گے۔ ہم عنقریب ابن تیمیہؒ کی شان میں اہل علم کی رائے کو بیان کریں گے، جس سے نبہانی اور اس کے ساتھیوں کو لاجواب کر دیا جائے گا۔ اور لگام دی جاسکے گی۔ اس نے تیسری تنبیہ میں اپنا ایک خواب بیان کیا ہے، مگر اس کی تعبیر نہیں کی ہم اس کی تعبیر کو ضروری خیال کرتے ہیں وہ اپنے خواب کو یوں بیان کرتا ہے کہ "میں نے تین سال سے کچھ اوپر عرصہ ہوا، امام ابن تیمیہؒ اور سبکی کو خواب میں ایک مجلس میں دیکھا سبکی بیٹھے تھے، ان کا جسم موٹا اور رنگ سیاہی مائل تھا، ان پر ہیبت اور وقار تھا۔ ابن تیمیہؒ کھڑے تھے۔ گندمی اور مٹیالے رنگ کے، کمزور چہرے

اور جسم والے ان سے علم کی ہیبت ٹپکتی تھی، وہ سبکی سے میرے زیادہ قریب تھے۔ میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دینے کا ارادہ کیا۔ میرا گمان ہے کہ میں نے ان کے ہاتھ کو چوما تھا۔ میں نے ان کی عمر پوچھی تو انہوں نے فرمایا "چھ سو سال" پھر میری آنکھ کھل گئی"۔

اگرچہ وہ نیند اور بیداری، دونوں حالتوں میں پریشان خیالیوں میں مبتلا رہتا ہے، مگر اس کے خواب کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس کے پیشوا اور شیخ بدعت، سبکی کا حال اس پر ظاہر کر دیا ہے۔ یہ ہر انصاف پسند کو معلوم ہے کہ وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور سب اہلِ حق کا بدترین مخالف تھا۔ اس کا اپنے مدِمقابل کے سامنے بیٹھنا اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ الاسلامؒ نے اس کو عاجز کر دیا تھا اور وہ شکست خوردہ ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ بات ہے بھی اسی طرح، جب امام ابن تیمیہؒ نے مسئلہ طلاق اور زیارت پر فتویٰ دیا تو سبکی نے اس پر کلام کیا جس کا رد شیخ ابن تیمیہؒ نے کئی جلدوں میں لکھا۔ ابن سبکی کہتا ہے "میں نے اس کی ایک جلد دیکھی ہے" اور سبکی کے چہرے پر سیاہی سے مراد اس کا بدعات کو بیان کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ ۚ [1] " تو دیکھتا ہے ان کو جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اُن کے چہرے سیاہ ہیں"

اس کا موٹاپا اس کے مدِمقابل کے سامنے غیظ و غضب اور بدبختی کی علامت ہے۔ ابن تیمیہؒ کا کھڑے ہونا ان کا فتحیاب ہونا ہے۔ وہ ہمیشہ ہمت و حوصلہ کے ساتھ مخالفینِ حق کے مقابلے میں کھڑے رہے۔ اور ان کے چہرے کی کمزوری سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے دشمنانِ دین اور بدعتیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے بڑی تکالیف و مصائب اٹھائے۔ ان کا گندم گوں ہونا ان کی بڑائی کی دلیل ہے۔ اور ان کے ہاتھوں کو چومنا اُن کے سامنے اور حق کے مقابلے میں تیری کمزوری ہے۔ اور تیسرا شخص جس کو تُو نے دیکھا اور تُو نے گمان کیا کہ وہ ابن الہادی یا ابن القیمؒ ہے، وہ واللہ اعلم ابن الہادی ہیں جنہوں نے تیرے پیشوا سبکی پر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی وفات کے بعد اپنی کتاب "شفاء السقام" میں رد لکھا اور اس کو عاجز کر کے بٹھا دیا۔ اُس کی جہالت اور عبادت کو واضح کیا۔ یہ ہے تیرے خواب کی تعبیر! اور عمر کے سوال کے جواب میں ابن تیمیہؒ کا "چھ سو سال فرمانے" سے مراد یہ ہے کہ عرصہ دراز گزرنے کے باوجود نہیں مرے۔ جیسا کہ

---

[1] الزمر: ۶۰

آیتِ شریفہ ہے :

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ۝ [1]

"جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اُن کو مرے ہوئے نہ سمجھنا وُہ مرے ہوتے نہیں ہیں بلکہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے۔"

ما دام ذکر العبد بالفضل باقیا
فذالك حیّ وھو فی الترب ھالك
قد مات قوم وما ماتت مکارمھم
وعاش قوم وھم فی الناس اموات

"جب تک کسی شخص کی نیکیوں اور خوبیوں کے ساتھ یاد باقی ہو وُہ زندہ ہوتا ہے اگرچہ وہ مٹی میں مرا ہوتا ہے۔" لوگ مرجاتے ہیں اور ان کی شرافت و سخاوت نہیں مرتی، اس لحاظ سے وہ زندہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ جسمانی لحاظ سے وہ مردہ ہوتے ہیں؛

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا عالم باعمل ہر کسی سے زیادہ نیک ہوتا ہے۔ جب وہ مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی یاد کو تازہ رکھتا ہے اور دنیا اس کو نیکی اور تعریف کے ساتھ یاد رکھتی ہے۔ عالم اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہوتا ہے اور جاہل زندگی میں جسمانی طور پر زندہ ہوتا ہے، مگر لوگوں میں مُردہ بھولا بسرا ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

وفی الجھل قبل الموت موت لاھلہ
واجسامھم قبل القبور قبور
وارواحھم فی وحشۃ من جسومھم
ولیس لھم حتی النشور نشور

"جہالت جاہلوں کے لئے موت سے پہلے ہی موت ہے اور ان کے جسم قبروں سے پہلے قبریں ہوتی ہیں۔" اُن کی روحیں ان کے جسموں میں وحشت زدہ ہوتی ہیں، مرکر دوبارہ زندہ ہونے تک ان کی کوئی زندگی نہیں۔"

جو کوئی ائمہ دین، ائمہ حدیث وفقہ کے حالات پر غور وفکر کرے گا وُہ یہی سمجھے گا کہ وہ مٹی کے نیچے اگرچہ مرے ہوتے ہیں، مگر دنیا میں زندہ ہیں بس ان کی شکل وصورت سامنے نہیں ہوتی۔ ان کا ذکر اُن کی باتیں اُن کی تعریفیں ختم نہیں ہوگئی ہوتیں۔ یہ ہی دراصل زندگی ہے بلکہ اس کو دوسری زندگی سے تعبیر کیا گیا۔

متنبی کہتا ہے ؎

---

[1] آل عمران : ۱۶۹

ذکر الفتیٰ عیشہ الثانی وحاجتہ

مافاتہ وفضول العیش اشغال

نبہانی کو جن لوگوں نے دیکھا ہے اُن کے قول کے مطابق وہ کذّاب ہے۔ وہ اکثر بے اصل خواب بیان کرتا ہے۔ اور بدعتی عام طور پر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ جھوٹا گھرانہ ہیں، جو دنیا کی طلب میں منہمک رہتے ہیں۔ دجالوں کی یہی علامتیں ہیں، قبّحھم اللہ تعالیٰ! اور جو کچھ اس نے باقی تنبیہات میں ذکر کیا ہے، وہ قابلِ التفات نہیں۔ کیونکہ اس کی خرابی کو عام طالبِ علم بھی سمجھتے ہیں۔

نبہانی کی کتاب کے بابِ اوّل کا جائزہ

پھر اس نے "بابِ اوّل" کے نام سے ایک باب باندھا ہے جس میں "انبیاء و اولیاء کی طرح روضۂ نبوی کی طرف سفر" کی مشروعیت کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اس کے آغاز میں رجزیہ انداز میں کچھ نعتیہ اشعار لکھے ہیں۔ روضۂ نبوی کی زیارت کے لئے سفر کی مشروعیت کو ابن حجر کی کتاب "الجوہر المنظم" کی ایک عبارت سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اس مشہور کتاب کو بکثرت پیشِ نظر رکھتا ہے۔ اسی طرح ابن الحاج کی "مدخل" کی عبارت کو پیش کیا ہے۔ پھر سبکی نے جو "شفاء السقام" میں، اور شیخ عبدالقادر گیلانی نے "غنیۃ الطالبین" میں لکھا ہے، اس کو بیان کیا ہے اور اس کے بعد امام نووی کے کلام کو بیان کیا ہے۔ پھر "فتح القدیر" سے ابن الہمام حنفی اور "مشارق الانوار" سے شیخ حسن عدوی کے کلام کو ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد بیان کیا ہے کہ انہوں نے رفاعی کے "مدالید" کی زیارت کی ہے۔ پھر مدینہ منورہ کی فضیلت میں ابوالحسن البکری کی چالیس احادیث تحریر کی ہیں۔ اور خاتمے "پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں سے کون افضل ہے؟" بیان کیا ہے۔ اور ایک فصل میں ابن حجر مکی کی "الجوہر المنظم" سے وہ کام، جو زائر کو نہیں کرنے چاہئیں، لکھے ہیں۔ پھر عدوی سے اولیاء اور بزرگوں کی کرامات اور تصرفات کو نقل کیا ہے۔ اس پر باب ختم ہو جاتا ہے۔ یہ مباحث اتنے مشہور ہیں کہ ان کو سن سن کر کان پک گئے ہیں۔ میں طوالت کے خوف سے ان کو ذکر نہیں کروں گا بلکہ ان کا رد لکھتے وقت صرف ان کا خلاصہ لکھنا کافی ہوگا!

میں کہتا ہوں، مناسب تو یہ تھا کہ ان سے تعرض نہ کیا جاتا جن کی مکمل تحقیق ہو چکی ہے۔ ہم قبل ازیں نبہانی کی یاوہ گوئی پر اپنا تبصرہ کرنے کا عذر پیش کر چکے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایسے لوگوں کو جن کے دل و دماغ اور کانوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، دلائل کے ساتھ

غلطیوں پر متنبہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ پھر ان مسائل پر بہت سی مفصل و مختصر کتابیں لکھی بھی جا چکی ہیں اور ان میں تحقیق کا حق ادا ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود اس جھگڑالو، فرقہ باز اور اس کے ساتھیوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے پھر وہی مسائل نئے سرے سے چھیڑ دیئے ہیں اور ان دلائل کا سہارا لیا ہے جن کے بار بار مسکت جواب دیئے جا چکے ہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کے دل پر مہر کر دی ہے!

مناسب ہے کہ یہاں علامہ حافظ ابن قیم رح کا کلام نقل کر دیا جائے فرماتے ہیں "جو شخص قرآن و سُنّت پر غور کرے گا، انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور امتوں کے ساتھ ان کی گفتگو اور کشمکش کو دیکھے گا وہ اہل کلام کی غلطیوں پر یقین کرلے گا اور جان لے گا کہ قرآن مجید بتوں کے پجاری مشرکوں کے عقائد و اقوال و افعال سے پُر ہے کہ وہ اقرار کرتے تھے: "اللہ تعالیٰ موجود ہے، اور وہ اکیلا ہی ان کا پروردگار اور خالق ہے۔ زمین اور ساتوں آسمان اور ان کی ہر چیز صرف اسی کی ملکیت میں ہے۔ وہ عرش عظیم کا رب ہے۔ ہر چیز کی بادشاہت صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہے پناہ دے، اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا، اور وہی ہے جس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے اور وہی بارش برساتا اور کھیتیاں اُگاتا ہے" قرآن مجید ان کے ان عقائد کو بنیاد بنا کر توحید کی طرف بلاتا ہے، اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی سچائی کے لئے ان کے انہی عقائد کو بطور دلیل پیش کرتا ہے۔ یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ عرب کے لوگ اپنے رب اور خالق کے منکر تھے۔ یہ بہتان عظیم ہے کفر خالص جہالت کا نام ہے بلکہ بڑا کفر وہ ہے جس کا ان لوگوں نے ارتکاب کیا ہے اور سمجھ یہ ہیں کہ یہ کفر نہیں ہے۔

کہتے ہیں، قلب پر دو چیزیں واجب ہیں، ہم ان دونوں کے بغیر مومن نہیں ہو سکتا: (۱) علم و معرفت (۲) محبت اور اطاعت و فرماں برداری! جس طرح علم و اعتقاد کے واجب کے بغیر مومن نہیں ہوتا، اسی طرح جب تک محبت و اطاعت کے واجب کو نہ پالے، مومن نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر علم و معرفت کے ساتھ اس واجب کو ترک کر دے گا تو بہت بڑے کفر کا مرتکب ہوگا، اور جو محض جہالت کی وجہ سے کافر ہے، اس سے کہیں زیادہ ایمان سے دور ہوگا کیونکہ جاہل کو جب علم و معرفت حاصل ہوگی تو وہ اطاعت و فرماں برداری کے زیادہ قریب ہوگا لیکن جو علم و معرفت کے بعد ضد اور تعصب کرے، اس کا کوئی علاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا "اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیوں ہدایت دے، جو ایمان

بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝[1]

لانے کے بعد کافر ہو گئے اور گواہی دیں کہ رسولؐ برحق ہے، اور ان کے پاس دلائل بھی آچکے۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

کہتے ہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بندے کو سب سے زیادہ محبوب نہ ہوں، وہ مسلمان نہیں ہوتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ محبت علم کے بعد حاصل ہوتی ہے یہ ضروری نہیں، جو رسول کو پہچان لے، وہ اس سے محبت بھی کرے جیسا کہ بیان ہو چکا۔

کہتے ہیں حاسد کو محسود کا بغض دشمنی پر ابھارتا ہے اور وہ ہر ممکن طریقے سے اس کو تکلیف اور نقصان پہنچانے کی سعی کرتا ہے۔ حالانکہ اس کو محسود کے علم و فضل کا علم ہوتا ہے۔ بس اس کے محاسن اور فضائل کے سوا اور کوئی وجہ اس کی دشمنی کی نہیں ہوتی۔

اسی لئے کہتے ہیں کہ حاسد نعمتوں اور خوبیوں کا دشمن ہے۔ حاسد اس لئے حسد نہیں کرتا کہ اس کو محسود کے فضل و کمال کا علم نہیں ہوتا اُس کو غلط نیت و ارادے نے حاسد بنا دیا ہوتا ہے جس طرح رسولوں اور ان کے وارثوں کے ساتھ ان رؤساء کا سلوک ہوتا ہے جن کی باطل ریاست کو انبیاءؑ اور ان کے وارث سلب کر لیتے ہیں اس وجہ سے وہ ان کے دشمن بن جاتے ہیں، اور ان کی اطاعت قبول کرنے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ اپنی ریاست کو باقی رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ ان سے دنیا و آخرت کی ریاست سلب کر لیتا ہے، اور ان کی نیت و ارادے کے برعکس مخلوق کی نظروں میں ان کو ذلیل کر دیتا ہے۔ اور یہ ظلم نہیں:

"وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ[2]" "تیرا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا"

— اور یہاں دونوں فریقوں کے دلائل جمع ہوتے ہیں، اور دونوں گروہوں کے قدم ٹھہرتے ہیں ہر گروہ نے اپنے دلائل پیش کر دیئے ہیں جن میں کوئی تعارض نہیں ہے، اور دلائل کھل کر سامنے آچکے ہیں۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ عدل و انصاف کے ساتھ اس جھگڑے کا فیصلہ کیجئے اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں، جس سے فیصلہ ہو سکے، اور طالبِ حق کے لئے صواب کی راہ کھل سکے۔ دونوں

---

[1] آلِ عمران: ۸۶ [2] فصّلت: ۴۶

فریق خوش ہوجائیں۔ اور اختلاف ختم ہوجائے، ورنہ ؎

فخل المطی وحادیھا — "سواری اور اس کے حدی خواں کو چھوڑ دے اور
وأعط القوس باریھا — کمان اس کو دے جو اس کو درست کرسکے"۔

؎ دع الھوٰی لأناس یعرفون بہ — "محبت کو ان لوگوں کے لئے چھوڑ دے جو اس کو
قد کابدوا الحب حتی لان اصبعہ — جانتے ہیں جنہوں نے محبت کی خاطر مشقتیں اٹھائیں"۔

جس شخص نے اس کی قدر پہچان لی اور صاحب فضل کی فضیلت کو جان لیا اُس نے اللہ تعالیٰ کی مدد کا دروازہ کھٹکھٹایا اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے اور توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے!

ہر دو فریق نے علم کے موجب کو نہیں چھوڑا۔ اور نہ ہی حق کی راہوں سے ادھر ادھر ہوئے ہیں — اختلاف صرف ایک جگہ عدم توارد کی وجہ سے رونما ہوا ہے۔ اگر مجمل الفاظ کو ان کے معانی کی تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تو اختلاف ختم ہوجاتا ہے اور یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہر گروہ دوسرے کے ساتھ نفسِ بات میں متفق ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ مقتضٰی کی دو قسمیں ہیں۔ چنانچہ اگر مقتضٰی، علم سے ہدایت پانا ہو — اور اقتضاء تام وہ ہوتا ہے جس کا فوری اثر ظاہر ہو، یعنی علم ہوجانے پر فوراً ہدایت لازم آئے۔ تو دوسرے گروہ کا قول صواب ہوگا۔ کیونکہ علم حاصل ہوجانے سے مطلوبہ ہدایت حاصل نہیں ہوتی۔ اور اگر اس سے وہ سبب مراد ہو کہ جو ہدایت کو چاہتا اور اس کی صلاحیت رکھتا ہے اور کبھی اپنی کمزوری کی وجہ سے، یا کسی شرط کے فوت ہونے سے، یا کسی رکاوٹ کی وجہ سے اپنا اثر ظاہر نہیں کرتا تو اس صورت میں پہلے گروہ کی بات درست ہوگی۔

اس جملے کی تفصیل اس طرح ہے کہ علم کا کسی چیز کے لیے سبب بننے کا دار و مدار بندے کی مصلحت، اس کی ذات اور اس کا ذوق ہوتا ہے اور کبھی بہت سے اسباب کی وجہ سے اس کا عمل اپنے مقتضٰی کے مطابق نہیں ہوتا:

حق کو قبول نہ کرنے کے اسباب

پہلا سبب

یہ کہ اس کے بارے میں معرفت کمزور ہوتی ہے۔

دوسرا سبب عدمِ اہلیت ہے کبھی اس کی معرفت تو پوری ہوتی ہے لیکن محل کی پاکیزگی اور اس کا تزکیہ قبول کرنا شرط ہوتی ہے اور جب محل میں ہی صلاحیت نہ ہو اور وہ پاکیزگی کو قبول نہ کرے، تو اس کی مثال اس زمین کی مانند ہے جو ٹھوس ہو اور اس میں پانی کوئی عمل نہ کرے وہ عدمِ صلاحیت کی بناء پر اور صلاحیت کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے اُگانے کے عمل سے محروم ہوتی ہے جب دل سخت پتھر کی مانند ہو جو تزکیہ کو قبول نہ کرے یا اس پر پند و نصائح کا اثر نہ ہو تو پھر اس کے پاس کتنا بھی علم ہو اس کو کوئی فائدہ نہیں جس طرح پتھریلی زمین پر کتنی ہی بارش ہو اور کتنا عمدہ بیج ڈالا جائے وہ کچھ نہیں اگائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

① اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝[1]

"جن لوگوں پر تیرے رب کا حکم ثابت ہو چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگرچہ ان کے پاس ہر قسم کی نشانی آجائے تا آنکہ وہ عذابِ الیم کو دیکھ نہ لیں!"

② "وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ[2] ـ الآیۃ!

"اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے اور ان سے مردے بھی گفتگو کرتے اور ہم ان کے سامنے سب چیزیں لا موجود کرتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے۔ الا ماشاء اللہ!"

③ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝[3]

(اے پیغمبرؐ!) ان کافروں سے کہو: دیکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور نشانیاں اور ڈراوے، ان لوگوں کے کسی کام نہیں آتے جو ایمان نہیں لاتے!"

قرآنِ مجید میں اس مفہوم کی بہت سی آیات ہیں جب دل سخت، موٹا اور دور رہنے والا ہو تو اس میں علم بھی کوئی اثر نہیں کرتا۔ اسی طرح جب دل بیمار اور کمزور ہو ــــــ جس میں نہ تو سختی ہو اور نہ قوت و عزیمت، اس میں علم اثر نہیں کرتا۔

تیسرا سبب حسد اور تکبر ہے۔ حکمِ الٰہی کی تعمیل میں ابلیس کے لیے یہی رکاوٹ بنا تھا۔ یہ مرض ابتدا سے آرہا ہے۔ پہلے لوگ بھی اس مرض میں مبتلا رہے اور بعد کے بھی۔ اگر جس کو

---

[1] یونس: ۹۶، ۹۷ [2] الانعام: ۱۱۱ [3] یونس: ۱۰۱

اللہ تعالیٰ بچائے یہی وجہ ہے یہودی، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کرنے اور آپؐ کی نبوت کی صحت جان لینے کے باوجود ایمان کی دولت سے محروم رہے۔ اسی نے عبداللہ بن ابی کو ایمان لانے سے روکا، ابوجہل اور باقی مشرکین کے لئے ایمان نہ لانے کی وجہ بھی یہی تھی حالانکہ ان کو آپؐ کی صداقت وحقانیت میں ذرہ بھر شک نہیں تھا۔ بس انہوں نے حسد وکبر کی وجہ سے کفر اختیار کر لیا۔ اسی سبب سے امیہ اور اس جیسے دوسرے لوگ جن کو آپؐ کی نبوت کا علم تھا' ایمان نہ لاتے۔

چوتھا سبب ریاست اور حکومت کی رکاوٹ ہے۔ اگرچہ ان میں حسد وکبر تو نہیں ہوتا جو حق کی پیروی سے روکے لیکن فرماں برداری اور بادشاہی و ریاست ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے جہاں ایسی صورت ہو' وہاں لازماً وہ اپنی حکومت وریاست کو ترجیح دے گا جس طرح ہرقل وغیرہ کافر بادشاہوں نے کیا۔ ان کو آپؐ کی نبوت وصداقت کا علم تھا ــــ وہ دل سے مانتے بھی تھے اور دین میں داخل ہونے کی خواہش بھی رکھتے تھے لیکن وہ اپنی بادشاہی کے چھن جانے سے خوف زدہ ہو گئے۔ یہ اربابِ حکومت اور اہلِ ریاست کی مخصوص بیماری ہے۔ اس سے کم ہی لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے بچایا بچے ہیں' اور یہی مرض فرعون اور اس کی قوم کا تھا اسی لئے انہوں نے کہا:

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ؐ[۱]
"کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں' جن کی قوم ہماری عبادت گزار رہے؟"

انہوں نے ایمان لانے' موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی پیروی اور اطاعت سے انکار کیا جبکہ بنی اسرائیل ان کے غلام تھے۔ کہتے ہیں کہ جب فرعون نے موسیٰؑ کی تصدیق کا ارادہ کیا' تو اپنے وزیر ہامان سے مشورہ لیا۔ اس نے کہا اب تو تم معبود ہو' یعنی تمہاری عبادت کی جاتی ہے' ایمان لانے سے تم عبد بن جاؤ گے۔ یعنی کسی اور کی عبادت کرنی پڑے گی اس مشورہ کے مطابق اس نے عبودیت کا انکار کیا' ریاست اور جھوٹی خدائی کو پسند کیا۔

پانچواں سبب خواہش اور مال کی محبت ہے۔ اسی سبب نے بہت سے اہلِ کتاب کو ایمان قبول کرنے سے روکا۔ ان کو لوگوں کی طرف سے ملنے والی نذر و نیاز اور حلوے مانڈے سے محرومی کا خدشہ تھا۔ اسی طرح کفارِ قریش' لوگوں کو ایمان سے روکتے تھے۔ اور ان کو ان کی

---

[۱] المؤمنون: ۴۷

خواہشات کے پورا نہ ہو سکنے کا خوف دلاتے تھے۔ چنانچہ وہ بعض لوگوں کو جو زنا کے رسیا تھے کہتے تھے کہ محمد ﷺ زنا اور شراب کو حرام کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اعشیٰ شاعر کو اسلام لانے سے روکے رکھا۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں "میں نے بہت سے اہلِ کتاب سے اسلام اور اس کی حقانیت پر گفتگو کی آخرکار ان کا جواب یوں تھا "میں شراب نہیں چھوڑ سکتا، امن سے پیوں گا۔ جب میں اسلام قبول کرلوں گا تو تم میرے اور اس کے درمیان حائل ہو جاؤ گے، اور اس کے پینے پر مجھ پر کوڑے برساؤ گے" ایک دوسرے نے کہا جبکہ وہ میری بات سمجھ گیا تھا "میرے رشتہ دار بہت مال دار ہیں۔ اگر میں مسلمان ہو گیا تو مجھے کچھ نہیں ملے گا۔ اور میں ان کا وارث بننے کی اُمید رکھتا ہوں وغیرہ" لاریب یہ معیاً بہت سی کافر مخلوق کے دلوں میں موجود ہے۔ جب شہوت و مال کا سبب قوی ہو اور ایمان کا سبب کمزور ہو تو ظاہر ہے شہوت و مال کا سبب غالب رہے گا اور کہے گا "میں اپنے باپ دادوں اور بزرگوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانا پسند نہیں کرتا"

چھٹا سبب اہل وعیال، رشتہ داروں اور خاندان کی محبت ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ جب وہ حق کو مان لے گا اور ان کی مخالفت کرے گا تو وہ اس کو دور کر دیں گے اور دھتکار دیں گے۔ اپنے درمیان سے اس کو نکال دیں گے۔ بہت سی مخلوق کا کفر پر قائم رہنے کا یہ سبب ہے!

ساتواں سبب گھر اور وطن کی محبت ہے اگرچہ اس کے اہل وعیال، خاندان، رشتہ دار نہ ہوں۔ وہ خیال کرتا ہے، رسولِ اکرم ﷺ کی اتباع کے نتیجے میں اسے گھر اور وطن سے نکلنا پڑے گا۔ وہ بے گھر اور بے وطن ہو جائے گا۔ وہ اپنے وطن کو پسند کرتا ہے، اور ایمان کو قبول نہیں کرتا!

آٹھواں سبب یہ خیال اور وہم کہ اسلام اور رسولِ کریم ﷺ کی اتباع میں بے عزتی ہے۔ باپ دادوں کے لئے عار اور ان کو برا ٹھہرانا ہے، اسی وجہ سے ابوطالب اور اس جیسے دوسرے لوگ ایمان سے رک گئے۔ انہوں نے اس کو بڑا جرم خیال کیا کہ اپنے باپ دادوں پر کفر اور گمراہی کی شہادت دیں۔ اور جو کچھ انہوں نے اپنے لئے پسند کیا تھا اس کے سوا اپنے لئے پسند کریں۔ ان کا خیال تھا اگر وہ مسلمان بن گئے تو یہ اپنے باپ دادوں کو بے وقوف اور گمراہ بنانے کے مترادف ہوگا۔ اور ان پر کفر و شرک جیسے قبیح ترین الزام دھرنے پڑیں گے۔ ابوطالب کو اللہ کے دشمنوں نے موت

کے وقت کہا تھا، کیا تم عبد المطلب کی ملت سے منہ پھیر لو گے؟ اس نے آخری بات ان سے یہ کی تھی کہ "وہ عبد المطلب کی ملت پر ہے" اللہ تعالیٰ کے دشمنوں نے ابو طالب کو کفر پر قائم رکھنے کے لئے یہ حربہ استعمال کیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے باپ عبد المطلب کی بڑی تعظیم کرتا ہے، اس کو فخر و شرف اسی سے ملا ہے۔ وہ ایسی بات کو کیونکر قبول کر سکتا ہے جس سے اس کی انتہائی تنقیص اور مذمت کا پہلو نکلے یہی وجہ ہے، اس نے کہا تھا کہ اگر اسلام قبول کرنے سے عبد المطلب کی اولاد کو عار نہ آئے تو اے محمد ﷺ! میں اسلام قبول کر کے تیری آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا۔ اس کے مندرجہ ذیل اشعار سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس نے محمد ﷺ کی نبوت کو جان لیا تھا اور اس کی صداقت و حقانیت کو سمجھ لیا تھا ؎

ولقد علمت بان دین محمد
من خیر ادیان البریة دینا
لولا الملامة اوحذار مسبة
لوجدتنی سمحا بذاك مبینا !

"میں نے خوب جان لیا ہے کہ محمد ﷺ کا دین ساری دنیا کے دینوں سے بہتر ہے اگر ملامت اور عار کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس کو علی الاعلان قبول کرتا۔"

وہ اپنے "قصیدۂ لامیہ" میں کہتا ہے ؎

فو اللہ لولا ان تکون مسبة
تجر علیٰ اشیاخنا فی المحافل
لکنا اتبعناہ علیٰ کل حالة
من الدھر جدا غیر قول التھازل
لقد علموا ان ابننا لامکذب
لدینا ولا یعنی بقول الاباطل

"اگر ہمارے بزرگوں کے لئے یہ گالی نہ بن جاتی تو میں ایمان لے آتا، ہم نے اس کی ہر حالت میں پیروی کی ہے، علاوہ مذاق کے۔ انہوں نے جان لیا کہ ہمارا بیٹا ہم سے جھوٹ کہنے والا نہیں، اور نہ باطل باتوں کو وقعت دے گا۔"

جس کو اس نے اپنے بزرگوں کیلئے گالی سمجھا، وہ ان کیخلاف کفر و شرک کی گواہی دینا اور ان کو سمجھدار اور عقل مند سمجھنے کی بجائے، بے وقوف اور گمراہ بنانا ہے علم و یقین کے باوجود اسی بات نے اس کو اسلام سے روکے رکھا۔

نواں سبب اپنے دشمنوں کا رسولِ کریم ﷺ پر ایمان لے آنا۔ ایمان لانے میں ان کی سبقت، نیز ان کا خصوصیت اور قرب حاصل کر لینا بھی قبولِ اسلام میں ایک رکاوٹ ہے، اس بات نے بھی بہتوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکا۔ آدمی اپنے دشمن کو

باعزت دیکھنا پسند نہیں کرتا اور نہ اس زمین کو پسند کرتا ہے جس پر اس کا دشمن چلتا ہو ــــ وہ اس کی مخالفت پیشِ نظر رکھتا ہے۔ اور اگر دیکھتا ہے کہ اس نے حق قبول کر لیا ہے تو اس کی مخالفت اور دشمنی کی وجہ سے وہ حق اور اہلِ حق کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتا ہے اگرچہ اس کے علاوہ ان کے درمیان کوئی اور وجہ مخالفت نہ بھی ہو۔ اس کی مثال یہود اور انصار ہیں۔ یہودی انصار کے دشمن تھے، اور ان کو دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ نبی آخرالزماں کا ظہور ہوگا تو وہ اس کی اتباع کریں گے اور اس کی معیت میں لڑیں گے جب انصار نے اسلام اور نبی کریم ﷺ کو قبول کرنے میں جلدی اور سبقت کی تو یہودی انصار کی دشمنی کی وجہ سے اپنے کفر اور یہودیت پر قائم رہے۔

دسواں سبب رجحانات، عادتیں اور نشوونما بھی رکاوٹ بن جاتے ہیں کبھی دفعہ عادت اتنی قوی ہو جاتی ہے کہ وہ طبیعت پر غالب آجاتی ہے۔ اس کی مثال انسان کے گوشت اور ہڈیوں کا عادی غذا سے نشوونما پانا ہے۔ ایک بچہ جس ماحول اور نشوونما کے جن حالات میں پرورش پاتا ہے، اس کے علاوہ وہ کسی بات کو نہیں جانتا اور نہ محسوس کرتا ہے۔ پھر جب وہ ہوش سنبھالتا ہے اور اس کے پاس اچانک علم آجاتا ہے جو اس کی عادت کو نکالنے اور اس کے ازالے کی کوشش کرتا ہے تو اس پر یہ تبدیلی شاق گزرتی ہے اور اس کے لیے اس کو چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ سبب بظاہر کمزور نظر آتا ہے، مگر مختلف امتوں، مصنفوں اور مذہبی لوگوں پر اس کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہ اکثر کا نہیں بلکہ سب کا حال ہے ــــ اور سب لوگوں کا دین یہی عادتوں کا دین ہے۔ اس میں ایک طبیعت سے دوسری طبیعت کی طرف تبدیلی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ صلوات وسلام ہو سب انبیاء ورسل پر خصوصاً خاتم الانبیاء وافضل الانبیاء حضرت محمد ﷺ پر، انہوں نے کس محنت وحکمت سے باطل امتوں کی عادتوں کو بدلا اور ایمان کی طرف بلایا، یہاں تک کہ اسلام وایمان ان کی طبیعتِ ثانیہ بن گیا اور انہوں نے اپنی عادتوں اور فاسد طبیعت کو ترک کر دیا۔ اس محنت ومشقت اور حکمت عملی کا اندازہ کچھ وہی شخص کر سکتا ہے جس نے کسی ایک آدمی کے ذہن اور عادت کو چھڑا کر اسلام کی طرف لانے کی محنت اٹھائی ہو۔ اللہ تعالیٰ انبیاء ورسل کو بہترین جزاء دے جو کسی کو دی جا سکتی ہے۔" انتہی کلام ابن القیمؒ!

مندرجہ بالا بہترین بیان سے واضح ہوتا ہے کہ بدعتیوں کو اپنی بدعتوں کی خاطر عناد پیدا ہو جاتا ہے

اور ان میں حق کی دعوت اثر نہیں کرتی کیونکہ وہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر ہوتے ہیں جنہوں نے حق کو نہ مانا اور رسولوں کی دعوت پر یقین نہ لاتے!

میرا گمان یہ ہے کہ مجادل بالباطل اور بدعتی نبہانی اور اس قماش کے دوسرے لوگ غالی شافعی ہیں ان میں ہدایت سے محرومی کے دس کے دس اسباب موجود ہیں خصوصاً پہلا اور دوسرا سبب۔ یہود کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ؁	"پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوگئے گویا وہ پتھر ہیں یا اس سے زیادہ سخت! اور بعض پتھر تو ایسے ہیں کہ ان سے چشمے پھوٹتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں، اور ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بعض اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔"

اب ہم پھر اس فضول آدمی کے کلام کی طرف عود کرتے ہیں ہم کہتے ہیں، اس نے ابن حجر اور سبکی وغیرہ سے جو نقل کیا ہے، اس کا مفہوم ایک ہی ہے سبکی کے بعد آنے والے سب اس کی کتاب "شفاء السقام" میں بیان شدہ فاسد رائے اور غلط عقیدے کے مقلد ہیں اور اس کتاب کا حال آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ اہل علم نے اس کو کتنا ناپسند کیا، بلکہ اس کا رد لکھا اور اس کو غلط ثابت کیا۔ امام، عالم، علامہ، حافظ، محقق ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عبد الہادی الحنبلی المقدسی قدس اللہ روحہٗ نے اس کے رد میں "الصارم المنکی فی الرد علی السبکی" لکھی اس میں زیارتِ قبور کے مسائل کو خوب نکھارا، حق اور باطل کو واضح کیا اور علم حدیث میں سبکی کی جہالت، اور مقاصدِ شریعت کی نافہمی کو بیان کیا۔

جو شخص اس کتاب کو دیکھے گا تو اس کو صاف صاف معلوم ہو جائے گا کہ سبکی کی علمی شہرت جھوٹی ہے۔ اس کی سوچ عام لوگوں سے اوپر نہیں، اس کا علماء میں مرتبہ اتنا ہی ہے، جتنا کہ سمندر کے مقابلے میں قطرے کا ہوتا ہے۔ وہ علوم عقلیہ و نقلیہ سے کورا ہے۔ غالی شافعیوں کا اس کو چڑھانا

لہ البقرۃ: ۷۴

محض تعصب اور سنگ دلی کی وجہ سے ہے ان کے دل پتھر کی طرح ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت! اسی وجہ سے اس ذلیل آدمی کی شدید تمنا ہے، کاش "الصارم المنکی" کتاب نہ لکھی جاتی۔ وہ جب کسی مسئلے کا رد لکھتے ہیں، تو اس مسئلے کے متعلق غالیوں کی سب کتابوں کا رد لکھتے ہیں۔ "الصارم المنکی" کے سوا اور کوئی کتاب نہ بھی ہوتی تو یہی کتاب کافی ہوتی لیکن سبکی کی اس کتاب کے رد میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اگر آپ "الجوہر المنظم" کے رد سے واقف ہوں گے تو یہ بات آپ پر کھل کر سامنے آجائے گی کہ ہر صاحب علم اور انصاف پسند کے نزدیک اس کی کوڑی قیمت نہیں ہے۔ اگر ہم اس فضول آدمی نے جو بیان کیا ہے اس پر تبصرہ کریں تو وقت اور کاغذ کا ضیاع ہوگا۔ ان جھگڑالو لوگوں کی سب کتابیں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے رد میں ہیں۔ انہوں نے آپؒ کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جن کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اور بہت سی باتیں ایسی کی ہیں جو انہوں نے کہی تک نہیں! انہوں نے زیارت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی کتابوں اور فتاویٰ سے ہم نقل کرتے ہیں پھر ہم اس ذلیل اور جھگڑالو آدمی کے قول کے بطلان کو مختصر عبارت میں بیان کریں گے۔ واللہ الموفق!

زیارتِ قبور پر شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا فتوےٰ

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (قدس اللہ روحہ) نے اپنی کتاب "الجواب الباہر" میں مقابر کی زیارت میں جو فتویٰ دیا وہ یہ ہے آپؒ نے "بسم اللہ" کے بعد فرمایا:

"میں نے مناسکِ حج کی اپنی تحریروں میں ذکر کیا ہے کہ آپؐ کی مسجد اور آپؐ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کو ائمہ دین نے مناسکِ حج میں جس طرح بیان کیا ہے وہ عمل مستحب ہے میں نے مناسکِ حج کو شمار کرتے وقت اس کا طریقہ بیان کر دیا ہے کہ آپؐ پر سلام کس طرح پڑھا جائے آپؐ کے حجرۂ شریف کی طرف منہ ہو یا قبلہ شریف کی طرف؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور دوسرے بہت سے علماء کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے روضہ پر جا کر سلام کہتے وقت رُخ قبلہ شریف کی طرف ہونا چاہیئے اور امام ابوحنیفہ رحمہ فرماتے ہیں، رُخ قبلہ شریف کی طرف ہو اور حجرہ شریف ایک قول کے مطابق بائیں طرف، اور دوسرے قول کے مطابق پیچھے ہو کیونکہ جب حجرہ شریف مسجد سے باہر تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپؐ پر سلام پڑھتے تھے تو کسی صاحب کے لئے قبلے کی طرف پشت کر کے آپؐ کی طرف رخ کرنا ممکن نہ تھا اب جبکہ حجرہ شریف مسجد میں داخل کر لیا گیا ہے، تو ایسا کرنا ممکن ہے۔"

پھر فرمایا "مناسک میں یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ اور آپؐ کے دو دوستوں پر صلاۃ وسلام کہنے کے بعد دعا کرے' امام احمدؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے' اُس وقت قبلہ رُخ ہو کر اور حجرہ شریف کو اپنی بائیں جانب رکھ کر دُعا کرے' تاکہ آپؐ کی طرف پُشت نہ ہو اور آپؐ پر صلوٰۃ وسلام کے بعد یہ طریقہ اختیار کرے، پھر اپنے لئے دُعا کرے' یہ بھی ذکر کرتے ہیں 'جب آپؐ پر صلاۃ وسلام پڑھنا ہو تو آپؐ کی طرف متوجہ ہو' جب دُعا کرنے لگے تو حجرہ شریف کو اپنی بائیں جانب کر کے قبلہ رُخ ہو کر دعا کرے"' قبر کے پاس مطلق دُعا کرنا ممنوع نہیں؛ بلکہ حکم ہے جیسا کہ پہلے ضمناً بیان ہو چکا ہے۔ مکروہ تو یہ ہے کہ دُعا کرنے کے ارادے سے قبر کے پاس آئے۔ امام مالکؒ کے متبعین یہی کہتے ہیں کہ "قبر شریف کے قریب ہو کر نبی ﷺ کو سلام کہے پھر قبلہ رُخ ہو کر اور قبر شریف کو پشت کر کے دُعا کرے' بعض کہتے ہیں "پُشت نہ کرے" یہ اختلاف آپؐ کی طرف پشت کرنے کی وجہ سے ہے' جب حجرہ شریف کو اپنی بائیں جانب کرلے تو پھر کوئی اختلاف نہیں شاید علماء نے ایسا اس لئے کہا ہے کہ قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ آپؐ نے قبر کو مسجد یا قبلہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اسی کے پیشِ نظر علماء نے حکم دیا ہے کہ جس طرح وہاں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے' اسی طرح اس کے پاس قصداً دُعا کرنے کے لئے کوشش کرنا ناجائز ہے۔ غالباً اسی وجہ سے حجرہ شریف کی عمارت میں تبدیلی کر دی گئی ہے۔ اس کو مثلث کر دیا گیا ہے' تاکہ شمالی دیوار قبلہ رُخ نہ رہے۔ اور اس کی چھت کو ہموار نہیں رکھا گیا معلوم ہوتا ہے کہ حجرہ شریف کو مسجد میں داخل کرنے سے پہلے ہی یہ سوچ لیا گیا تھا"!

پھر شیخ رحمہ اللہ نے طویل گفتگو کے بعد مسجد میں نماز کے لئے سفر کا مسئلہ بیان کیا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ "اس مستحب سفر میں نماز قصر کرنے پر اجماع ہے اور کسی امام نے اس سفر میں نماز قصر کرنے کی نفی نہیں کی' اور نہ ہی کسی نے آپؐ کی مسجد کی طرف سفر کرنے سے منع کیا ہے۔ اگر کوئی شخص مسجدِ نبوی کے لئے سفر کر کے آئے اور وہ آپؐ کی قبر شریف کی زیارت کرے' تو یہ اعمالِ صالحہ میں سے افضل عمل ہوگا۔ نہ میں نے کبھی اس سے روکا نہ کسی اور نے اور نہ ہی انبیاءؑ و صالحین کی قبروں اور عام قبروں کی مشروع زیارت سے کسی نے ممانعت کی ہے' بلکہ میں نے تو کئی جگہ پر قبروں کی زیارت کو مستحب بتایا ہے جس طرح خود رسولِ کریم ﷺ اہلِ بقیع اور شہداءِ اُحد کی زیارت کیا کرتے تھے اور اپنے صحابہؓ کرامؓ کو تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب قبروں کی زیارت کرو' تو یہ پڑھا کرو:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَمِنْكُمْ وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ، وَنَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهُمْ!"

"اے شہر (خموشاں) کے بسنے والے مومنو اور مسلمانو، تم پر سلام ہو، ہم بھی اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے اور تم میں سے آگے جانے والوں اور پیچھے رہنے والوں پر رحم فرمائے، ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں ان کے اجر و ثواب سے محروم نہ کرنا اور ان کے بعد ہمیں فتنے میں نہ ڈالنا ہمیں اور ان کو بخش دینا!"

جب عام مومنوں کی قبروں کی زیارت جائز ہے تو انبیاءؑ و اولیاء کی قبروں کی زیارت بدرجہ اولیٰ جائز ہے لیکن رسولِ کریم ﷺ کو عام انبیاءؑ و اولیاء سے خصوصیت حاصل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہمیں حکم ہے کہ ہر نماز میں صلوٰۃ وسلام پڑھیں۔ نماز میں، اذان کے وقت، دُعا میں، اور جب آپؐ کی مسجد میں یا کسی اور مسجد میں داخل ہوں یا نکلیں، تو صلوٰۃ وسلام پڑھیں جو شخص مسجد میں داخل ہوگا تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ نماز پڑھے اور اس میں آپؐ پر صلوٰۃ وسلام پڑھے۔ سفر اوروں کے لئے جائز لیکن علما نے آپؐ میں اور دوسروں میں فرق کیا ہے یہاں تک کہ امام مالکؒ نے فرمایا "یہ کہنا مکروہ ہے کہ میں نے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کی ہے" اس لئے کہ قبروں کی زیارت سے شرعی مقصود ان کے لئے دُعا کرنا اور ان کو سلام کہنا ہے۔ اور یہ سلام اور دُعا، نماز میں پوری طرح حاصل ہو جاتی ہے، چاہے آپؐ کی مسجد میں یا کسی دوسری مسجد میں، اور اذان سنتے وقت اور ہر دعا کے وقت آپؐ پر درود پڑھنا مشروع ہے آپؐ چونکہ مومنوں کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں، اس لئے ہر نمازی اپنے اوپر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام پڑھنے سے پہلے آپؐ پر سلام پڑھتا ہے۔ وہ کہتا ہے: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ" وہ اپنے سے پہلے آپؐ پر درود پڑھتا ہے، اور آپؐ کے لئے دُعا کرتا ہے اور آپؐ کے سوا اوروں کے پاس مسجد نہیں ہے جس کی طرف سفر مستحب ہو جس طرح کہ آپؐ کی مسجد کی طرف سفر مستحب ہے۔ بس آپؐ کی قبر کی زیارت اسی طرح مشروع ہے کہ سفر آپؐ

کی مسجد کی نیت سے کیا جائے اور جس سفر سے یہ خیال پیدا ہو کہ یہ تین مساجد کے سوا کسی اور طرف سفر ہے، تو اس کو روکا جائے گا۔

لازم ہے کہ مسنون زیارت جس کو رسولِ کریم ﷺ نے مشروع ٹھہرایا ہے اور بدعی زیارت میں جس کو آپ ﷺ نے مشروع نہیں کیا فرق کیا جائے بلکہ آپ ﷺ نے انبیاءؑ و اولیاء کی قبروں کو مساجد بنانے اور قبر کی طرف نماز پڑھنے اور اس کو بُت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ:

" قَالَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِیْ هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی "

یعنی تین مساجد مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کے علاوہ کسی جگہ ثواب کی نیت سے سفر کر کے جانا منع ہے۔"

یہاں تک کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے طُور کا سفر اختیار کیا جہاں موسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے تھے تو حضرت بصرہ بن ابی بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا "اگر مجھے آپ کے جانے سے پہلے اطلاع مل جاتی تو آپ کو نہ جانے دیتا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے:

" لا تعمل المطی الا الی ثلاثۃ مساجد المسجد الحرام ومسجدی ھٰذا ومسجد بیت المقدس "۔ ان مساجد کی طرف اس لئے سفر مشروع ہے کہ وہاں نماز، قرأت، ذکر، دُعاء اور اعتکاف کیا جائے اور مسجدِ حرام کا طواف بھی کیا جائے کسی اور کا طواف کرنا جائز نہیں ہے۔ ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد میں بغیر نیت سفر کے جائے اور اس میں نماز پڑھے تو یہ افضل عمل ہے۔ نبی ﷺ سے صحیح حدیث میں ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

" من تطھر فی بیتہ ثم خرج الی المسجد کانت خطواتہ احداھما تحط خطیئۃ والاخریٰ ترفع درجۃ والعبد فی صلاۃ ما دام ینتظر الصلوٰۃ والملائکۃ تصلی علیٰ احدکم ما دام فی مصلاہ الذی صلی فیہ اللّٰھم اغفرلہ،

"جب کوئی شخص اپنے گھر سے باوضو ہو کر مسجد کی طرف آتا ہے تو اس کے ایک قدم پر اس کا ایک گناہ مٹتا ہے اور دوسرے پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ اور بندہ جب تک نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔ اور جب تک نمازی اپنی جائے نماز پر بیٹھا رہے اور بے وضو نہ ہو،

اللّٰھم ارحمہ ما لم یحدث !" فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں کہ "اے اللّٰہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما !"

اگر کوئی شخص ایک شہر سے دوسرے شہر کی مسجد کے لئے سفر کرے، مثلاً دمشق سے مصر میں کسی مسجد کے لئے سفر کرے، یا کوئی شخص دُور دراز سے محض مسجدِ قبا کی زیارت کے لئے سفر کر کے آئے تو یہ ائمہ اربعہؒ اور دوسرے ائمہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اگر اس نے کوئی ایسی نذر مان لی ہو تو اس کو پورا نہ کرے یہ بھی ائمہ اربعہؒ اور دوسرے ائمہؒ کا متفقہ مسئلہ ہے۔ سوائے لیث بن سعدؒ کے کہ وہ مساجد میں اختلاف کرتے ہیں، اور ان کا اختلاف شاذ ہے۔ اور امام مالکؒ کے اصحاب میں سے صرف ابنِ مسلمہ مسجدِ قبا کے سفر کے قائل ہیں اور بس !

ہاں جب کوئی مدینہ منورہ میں آئے تو اس کے لئے مسجدِ قبا میں جانا اور وہاں نماز پڑھنا مستحب ہے مگر یہ سفر نہیں اور نہ شدِ رحل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے مسجدِ قبا میں پیدل یا سوار تشریف لاتے اور اس میں دو رکعتیں ادا فرماتے اور آپؐ کا ارشاد ہے :

"من تطھر فی بیتہ ثم اتی مسجد قباء کان لہ کعمرۃ !" "جو شخص گھر سے باوضو ہو کر مسجدِ قبا میں آئے، اس کو عمرے کا ثواب ملے گا۔"

اس کو ترمذی اور ابنِ ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

"صلاۃ فیہ کعمرۃ !" یعنی "مسجدِ قبا میں نماز پڑھنا عمرے کے برابر ہے۔"

جو کوئی مکہ مکرمہ کی طرف حج اور عمرے کے لئے پیدل جانے کی نذر مان لے تو بالاتفاق اس نذر کا پورا کرنا لازم ہوگا۔ اگر کوئی مسجدِ نبوی یا مسجدِ اقصیٰ کی طرف جانے کی نذر مانے تو اس میں دو قول ہیں : ایک یہ ہے کہ "اس کو پورا کرنا لازم نہیں" یہ قول امام ابوحنیفہ رحؒ کا اور ایک قول امام شافعی رحؒ کا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے مسائل شرع شریف کی طرف سے واجب نہیں ہوتے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ "اس کو پورا کرنا لازم ہے۔" یہ قول امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کا دوسرا قول ہے۔ کیونکہ یہ اللّٰہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا کام ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"من نذران يطيع الله فليطعه ومن نذران يعصيه فلا يعصه" "جو کوئی ایسی نذر مانے جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو تو وہ اس کو پورا کرے اور جو کوئی اس کی نافرمانی کی نذر مانے تو اس کو پورا نہ کرے"

مذکورہ تینوں مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی زیارت کے لئے یا کسی نبی اور ولی کی قبر کی محض زیارت کے لئے مانی گئی نذر کو بالاتفاق پورا کرنا لازم نہیں کیونکہ ایسے سفر کا نبی ﷺ نے حکم نہیں دیا. بلکہ آپ نے فرمایا: "تین مساجد کے علاوہ کسی جگہ کی زیارت اور اس کے ثواب کی نیت سے سفر اختیار نہ کیا جائے"۔ نذر کے ساتھ وہی کام واجب ہوتا ہے جس میں فرماں برداری ہو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ "جس شخص نے مدینہ منورہ کی طرف سفر کی نذر مانی ہو، اگر اس کا مقصد مسجدِ نبوی میں نماز ادا کرنا ہو تو اس کو پورا کرے۔ اگر اس کا مقصد مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنا نہیں بلکہ محض روضہ نبوی ﷺ کی زیارت ہو تو وہ اپنی نذر پوری نہ کرے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

"لا تعمل المطي الا الى ثلاثة مساجد" "سواریاں استعمال نہ کی جائیں (یعنی سفر اختیار نہ کیا جائے) مگر تین مساجد کی طرف"۔ اس مسئلے کو اسماعیل بن اسحٰق نے "مبسوط" میں ذکر کیا ہے اور اس سے ملتا جلتا مسئلہ "مدونہ" اور "جلاب" وغیرہ مالکی مصنفوں کی کتب میں بھی ہے کہ اگر مسجدِ نبوی میں حاضر ہونے کی کوئی نذر مان لے تو اس کو پورا کرے اس لئے کہ مسجد میں آنے سے مراد نماز ہوتی ہے۔ اگر کوئی مدینہ منورہ میں جانے کی نذر مانے اور اس کی نیت وہاں مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنا ہو تو اس نذر کو پورا کرے۔ اگر اس کی نیت یہ نہ ہو مثلاً جنت البقیع (قبرستان) یا شہداء احد کی زیارت، تو پورا نہ کرے۔ کیونکہ سفرِ قربت صرف تین مساجد ہی کی طرف کرنا مشروع ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے اس مسئلہ میں کسی امام کا اختلاف معلوم نہیں بلکہ ان کے کلام سے موافقت ہی معلوم ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے اصحاب نے زیارتِ قبور کے سفر کے سلسلہ میں دو قول بیان کئے ہیں: تحریم اور اباحت۔ ان کے متقدمین اور ائمہؒ نے فرمایا ہے کہ وہ حرام ہے۔ مالکیہ اور دوسرے لوگ بھی یہی کہتے ہیں۔ اختلاف و نزاع متاخرین میں پیدا ہوا ہے کیونکہ سرورِ کائنات کے ارشاد:

"لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد" میں صیغہ امر بمعنی "نہی" ہے تو یہ سفر حرام ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ نہی نہیں ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ سفر مشروع نہیں یعنی اس پر اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ نہ

تو یہ واجب ہے نہ مستحب، بلکہ مباح ہے جس طرح تجارت وغیرہ کے سفر ہوتے ہیں۔ یہ سفر عبادت کے لئے نہیں ہوتے، بلکہ اس سے دنیاوی جائز مصلحت مقصود ہوتی ہے اور قبور کی طرف سفر کا مقصد محض عبادت ہوتا ہے اور عبادت یا تو واجب ہوتی ہے یا مستحب۔ جب اس پر اتفاق ہے کہ قبروں کی طرف سفر نہ تو واجب ہے نہ مستحب، تو اس کو عبادت سمجھنے والا بدعتی، اور اجماع کا مخالف ہوگا، یہ سفر بدعت ہوگا مباح نہیں ہوگا!

جس شخص کو اس کے بدعت ہونے کا علم نہیں، وہ معذور ہے۔ جب اس کو سنّت طریقہ معلوم ہو جائے تو پھر نبی ﷺ کی مخالفت، اور جن کاموں سے روکا گیا ہے، ان کو عبادت اور ثواب سمجھنا جائز نہیں۔ جس طرح کہ نماز، افضل عبادت ہونے کے باوجود، سورج کے طلوع و غروب کے وقت پڑھنا جائز نہیں۔ اور اسی طرح عیدین کے روزے جائز نہیں۔ اگر کسی کو مسئلہ معلوم نہیں، تو پھر اس پر کوئی گناہ نہیں۔ مسلمانوں کے سب گروہ متفق ہیں کہ قبروں کی طرف سفر مستحب نہیں۔ اور نہ ہی ہمارے علم میں ایسا کوئی امام ہے، جو اس کو مستحب کہتا ہو۔ اگر کوئی پیروکار کہتا ہو، تو ممکن ہے لیکن ائمہ مجتہدین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ یہ تیسرا قول ہے، تو اس کے قائل کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ قول سنّت اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے سراسر خلاف ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافتوں میں صحابہ کرامؓ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ گزرنے تک کسی نے کسی نبی یا ولی کی قبر کی طرف سفر اختیار نہیں کیا!

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر شریف شام میں ہے، مگر کسی صحابی نے اس کا سفر نہیں کیا۔ صحابہ کرامؓ بیت المقدس میں جاتے تھے، وہاں نماز پڑھتے تھے، مگر خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر پر حاضری نہیں دیتے تھے۔ خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر ظاہر بھی نہیں تھی۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی بنا کردہ عمارت میں تھی حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر بھی معروف نہیں تھی۔ یہ تین سو ہجری کے بعد ظاہر کی گئی تھی، اسی وجہ سے نزاع پیدا ہوا۔ بہت سے اہل علم مثلاً امام مالکؒ وغیرہ، اس قبر کا انکار کرتے ہیں۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی زیارت نہیں کرتے تھے، اس لئے یہ معروف نہ تھی۔ جب عیسائیوں کا غلبہ ہوا تو انہوں نے اس عمارت کو جس میں خلیل اللہؑ کی قبر تھی، کھود کر وہاں گرجا تعمیر کر لیا۔۔۔ پھر مسلمانوں نے اس شہر کو فتح کر لیا، تو وہ عمارت کھلی ہی رہی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ

میں خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرح ہی تھی کوئی صحابی قبرِ نبوی کی زیارت کے لئے سفر نہیں کرتا تھا۔ بلکہ صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ میں آتے تو مسجدِ نبوی میں نماز پڑھتے اور نماز میں آپؐ پر سلام پڑھتے جو چاہتا، وہ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت آپؐ پر درود وسلام پڑھتا۔ آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ شریف میں مدفون ہیں صحابہ کرامؓ نہ تو اس کے اندر داخل ہوتے اور نہ اس کے باہر مسجد کی بیرونی دیوار کے پاس کھڑے ہوتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت میں یمن کے لوگ آتے تھے جنہوں نے ملکِ شام و عراق فتح کیا تھا۔ اور جن کے بارے میں قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

"فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔ الآیۃ[1]" "اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لائے گا، جن سے وہ محبت کرے گا، وہ اللہ سے محبت کریں گے"

وہ مسجد میں آکر نماز پڑھتے تھے۔ ان میں سے نہ کوئی قبر شریف کی طرف جاتا، نہ حجرہ شریف میں داخل ہوتا، نہ اس کے باہر مسجد میں کھڑا ہوتا۔ بلکہ حجرے کے باہر سے آپؐ کو سلام کہتے! اور حضرت امام مالکؒ وغیرہ کا اس مسئلہ میں سہارا صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل پر ہے۔ بہرحال اگر یہ قول نصف مسلمانوں کا بھی ہوتا تو اس کی حیثیت دوسرے اسی قسم کے نزاعی مسائل کی ہوتی! لیکن یہ کہنا کہ یہی دین حق ہے، اور جو شخص اس کے خلاف کرے وہ سزا کا مستحق ہے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جاتے، یہ سب باتیں مسلمانوں کے اجماع اور کتاب وسنّت کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہیں چاہیے تو یہ کہ جو شخص اس مسئلہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہے، اس کو کافر کہا جائے کہ جو شخص آپؐ کی سنّت صحابہؓ اور علماء اُمّت کا مخالف ہے، وہ کافر ہے۔ ہم کسی مسلمان کی اس مسئلہ یا دیگر مسائل میں خطار کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے، لیکن اگر مخطی کی تکفیر کرنی ہی ہو تو جو شخص کتاب وسنّت صحابہؓ وسلفِ اُمّت اور ائمہ امت کے موافق ہو، اس کی بجائے وہ لوگ تکفیر کے زیادہ حق دار ہیں، جو کتاب وسنّت اجماعِ صحابہؓ وعلماء کے مخالف ہیں۔ ائمہ کرامؒ نے اس مسئلہ میں اور دوسرے مسائل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر ونہی کو بیان فرمایا ہے، جس کا آپؐ نے حکم دیا ہے، وہ عبادت، فرمانبرداری اور قربِ خداوندی ہے، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، وہ ثواب کا کام نہیں ہے۔ بلکہ وہ شرک بھی ہو سکتا ہے،

---

[1] المائدۃ: ۵۴

جس طرح مشرک اور اہلِ کتاب اور ان جیسے دوسرے گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ وہ انبیاء و اولیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بناتے ہیں، ان کی طرف نماز پڑھتے ہیں، ان کی نذریں مانتے ہیں، ان کے حج کرتے ہیں۔ بلکہ ظالم لوگ بیت اللہ شریف کے حج سے مخلوق کے گھر کا حج کرنا افضل سمجھتے ہیں اور اس کو "حجِ اکبر" کہتے ہیں۔ ان کے بڑوں نے اس مسئلہ میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں سے ایک مفید ابنِ نعمان کی کتاب بھی ہے! ——— اس کا نام "مناسک حج المشاہد" رکھا ہے۔ اس میں مخلوق کے گھر کو بیت اللہ شریف سے تشبیہ دی ہے!

اصل دینِ اسلام یہ ہے کہ ہم اللہ واحد کی عبادت کریں، اور اس کی مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک یا ہمسر یا ہم نام نہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

۱۔ فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۗ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝[۱] — "اس کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر جمے رہو۔ کیا تو کوئی اس کا ہم نام جانتا ہے؟"

۲۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝[۲] — "کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔"

۳۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝[۳] — "اس کی مثل کوئی شئی نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے!"

۴۔ "فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا"[۴] الآیۃ! — "تم اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔"

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا:

" قلت یا رسول اللہ : ای الذنب اعظم؟ قال: ان تجعل للہ ندا و ھو خلقک، قلت: ثم ای؟ قال: ان تقتل ولدک خشیۃ ان یطعم معک، قلت: ثم ای؟ قال: ان تزنی بحلیلۃ جارک "

"میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟" فرمایا "یہ کہ تو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے۔ حالانکہ اس نے تجھے پیدا فرمایا ہے۔" میں نے کہا "پھر کون سا؟" فرمایا "یہ کہ تو اپنے لڑکے کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیگا" میں نے پوچھا "پھر کونسا؟" فرمایا "کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔"

نیز فرمایا: "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ — "اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے

---

[۱] مریم: ۶۵ [۲] الاخلاص: ۴ [۳] الشوریٰ: ۱۱ [۴] [۵] البقرۃ: ۲۲

اللہِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ [۱] الآیۃ۔" سوا شریک بناتے ہیں اور ان سے اللہ کی محبت کی مانند محبت کرتے ہیں۔ اور ایماندار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت مضبوط ہیں"۔

جس شخص نے خالق اور مخلوق کے درمیان محبت کرنے، خوف کھانے، امید رکھنے میں مساوات رکھی، وہ مشرک ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو چھوٹے بڑے ہر قسم کے شرک سے منع فرما دیا ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا:

" من حلف بغیر اللہ فقد اشرك" (ابوداؤد) "جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا"۔
ایک آدمی نے آپ سے کہا "ما شاء اللہ وشئت" یعنی "جو اللہ اور رسول چاہیں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اجعلتنی للہ ندًا بل ما شاء اللہ وحدہٗ" "کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا ہے بلکہ جو اللہ وحدہٗ چاہے" اور آپ نے فرمایا:

" لا تقولوا ما شاء اللہ وشاء محمد ولٰکن قولوا ما شاء اللہ ثم شاء محمد" یعنی تم یوں نہ کہا کرو "جو اللہ محمد چاہے" بلکہ کہا کرو، "جو اللہ چاہے پھر محمد چاہیں"

ایک دفعہ حضرت معاذ بن جبل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو سجدہ کیا تو آپ نے ان سے فرمایا:

" ما ھذا ، یا معاذ؛ فقال یا رسول اللہ رأیتھم فی الشام یسجدون لأساقفتھم فقال یا معاذ! انہ لا یصلح السجود الا للہ ولو کنت امرا احدًا لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا من عظم حقہ علیھا "

"اے معاذ! یہ کیا؟" حضرت معاذ نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں نے ملکِ شام میں لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے پادریوں کو سجدہ کرتے ہیں"۔ آپ نے فرمایا "اے معاذ! سجدہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے درست نہیں۔ اگر میں کسی کو حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ خاوند کا عورت پر بڑا حق ہے"!

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ توحید کی زیارتِ قبور اور اہلِ شرک کی زیارتِ قبور میں فرق کیا ہے

---

[۱] البقرۃ: ۱۶۵

جب اہلِ توحید مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں تو ان پر سلام پڑھتے ہیں اور ان کے لئے دعا کرتے ہیں یہ ایک طرح سے نمازِ جنازہ کی مانند ہے اور جب اہلِ شرک قبروں کی زیارت کرتے ہیں، تو وہ مخلوق کو خالق سے تشبیہ دیتے ہیں، ان کے لئے نذریں مانتے ہیں، ان کو سجدے کرتے اور پکارتے ہیں، اور ان سے خالق کی محبّت کی طرح محبت کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اہلِ قبر کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیتے ہیں اور اس کو ربّ العالمین کے برابر کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے کہ اس کے ساتھ فرشتوں اور انبیاءؑ وغیرہ کو شریک بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝[1]

"کسی بشر کو یہ لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو کتاب حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ "اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ" لیکن ان کو یہ لائق ہے کہ کہیں "تم (علماء) ربانی بن جاؤ کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے اور پڑھتے رہتے ہو۔ وہ تمہیں اس کا حکم نہیں دے سکتا کہ تم فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کو رب بنالو کیا وہ تمہیں مسلمان ہونے کے بعد کفر کا حکم دے گا؟"

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝[2]

"کہہ دو تم ان لوگوں کو پکارو جن کو تم نے اس کے سوا معبود تصور کر لیا ہے وہ نہ تو تم سے تکلیف ہٹا سکتے۔۔۔ اور نہ ہی اس کو بدل سکتے ہیں۔ وہ تو اپنے اللہ کو پکارتے رہتے ہیں اور اپنے رب کے حضور قرب کا ذریعہ (نیک اعمال) تلاش کرتے رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ مقرب ہوتا ہے؟ وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں۔

---

[1] آلِ عمران: ۸۰ [2] الاسراء: ۵۶، ۵۷

در حقیقت تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے ہی
لائق ہے"۔

سلف کا ایک گروہ کہتا ہے کہ کئی قومیں حضرت مسیحؑ اور حضرت عزیزؑ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو پکارتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بتایا کہ یہ سب اس کے بندے اور غلام ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار رہیں۔ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور نیک اعمال کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا کہ کسی مخلوق کے ساتھ اس کی مثال دی جائے۔ وہ لوگوں کی مانند نہیں ہے جو مددگاروں اور دربانوں وغیرہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝[1]

"اور جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں، تو میں قریب ہوں میں پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ چاہیئے کہ وہ میرے حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک رستہ پائیں"۔

" قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۔ الآیۃ"[2]

"کہہ دو تم ان لوگوں کو بلاؤ جن کو تم اللہ کے سوا معبود خیال کرتے ہو۔ وہ تو آسمانوں اور زمین میں ایک ذرّے کے برابر بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے اور ان کو ان میں کوئی شراکت نہیں ہے، نہ ہی اس کا ان میں سے کوئی مددگار ہے اور شفاعت اس کے پاس کسی کو فائدہ نہ دے سکے گی، مگر اس شخص کے لئے جس کو وہ اجازت دے گا"۔

سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سید الشفعاء ہیں آپؐ کی شفاعت بھی سب سے بڑی ہوگی۔ آپؐ کا مرتبہ عند اللہ سب سے بڑا ہے۔ قیامت کے دن مخلوق جب حضرت آدمؑ،

---

[1] البقرة: ۱۸۶ [2] سبا: ۲۲، ۲۳

حضرت نوح؈، حضرت ابراہیم؈، حضرت موسیٰ؈، حضرت عیسیٰ؈ سے باری باری شفاعت کی درخواست کرے گی، تو ہر نبی دوسرے نبی کے پاس جانے کا مشورہ دے گا۔ جب وہ حضرت مسیح؈ کے پاس پہنچیں گے، تو وہ فرمائیں گے "جاؤ محمد ﷺ کے پاس، وہ بندہ ہے، جس کے اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہوئے ہیں"، ساری مخلوق آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر شفاعت کرنے کی درخواست کرے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

" فَاَذْهَبُ فَاِذَا رَاَيْتُ رَبِّيْ خَرَرْتُ لَهٗ سَاجِدًا وَاَحْمَدُ رَبِّيْ بِمَحَامِدَ يَفْتَحُهَا عَلَيَّ لَا اُحْسِنُهَا الْاٰنَ فَيُقَالُ اَيْ مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ قَالَ فَيَحُدُّ لِيْ حَدًّا فَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ "

"میں شفاعت کے لئے جاؤں گا جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا، تو سجدے میں گر جاؤں گا۔ اور اپنے رب کی تعریفیں بیان کروں گا، وہ تعریفیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے القا ہوں گی، میں ویسی تعریفیں اب نہیں کر سکتا، مجھ سے کہا جائے گا "اے محمد ﷺ! اپنا سر مبارک اٹھایئے کہیئے، سنا جائے گا، مانگئے، دیا جائے گا، شفاعت کیجئے، قبول کی جائے گی"، آپ ﷺ نے فرمایا "میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں ان کو جنت میں داخل کراؤں گا۔"

جو کوئی ہمارے نبی ﷺ کی اہل کبائر کے حق میں، شفاعت کا منکر ہے وہ بدعتی اور گمراہ ہے، جس طرح معتزلہ اور خوارج اس کے منکر ہیں، جو کوئی یہ کہے "کہ کوئی بڑی سے بڑی مخلوق اللہ تعالیٰ کے ہاں بلا اجازت شفاعت کرے گی"۔ وہ مسلمانوں کے اجماع اور قرآنی نصوص کا مخالف و منکر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ " مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ[1] الآیۃ!" — "کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بلا اجازت شفاعت کر سکے؟"

۲۔ " وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى[2] الآیۃ!" — "وہ کسی کی شفاعت نہیں کریں گے، مگر جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوا!"

۳ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ — "آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں، جن کی شفاعت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی، مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ

[1] البقرۃ: ۲۵۵ [2] الانبیاء: ۲۸

يَأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ○[1] — اجازت دے اور شفاعت پسند کرے۔"

وقوله: وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ○ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ○[2] — "رحمٰن کے سامنے سب آوازیں پست ہو جائیں گی پس تو پست آواز کے سوا کچھ نہیں سُنے گا اس دن شفاعت کوئی فائدہ نہ دے گی، مگر اس شخص کو جس کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی اور اس کی بات پر راضی ہوا۔"

وقوله: مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ○[3] (وغیرہ آیات) — "نہیں ہے تمہارے لئے اس کے سوا کوئی دوست اور نہ سفارشی!"

دین نام ہے اس کا کہ نبی کریم ﷺ جس کا حکم دیں، اس کو مانیں جس سے روکیں، اس سے رک جائیں جن اعمال اور اشخاص کو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ پسند کریں، ان کو پسند کریں اور جن کو وہ ناپسند کریں ان کو ناپسند کریں! اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا آپؐ نے ہر چیز کے فرق کو صاف صاف واضح فرما دیا۔ آپؐ نے جن میں فرق کیا اب کسی کو اجازت نہیں کہ ان کو اکٹھا کر دے۔ جو کوئی سفر کر کے مسجدِ حرام یا مسجدِ اقصیٰ یا مسجدِ نبویؐ میں جائے، وہاں نماز پڑھے، وہاں سے مسجدِ قبا میں جائے اور اس میں نماز پڑھے سنت کے مطابق قبروں کی زیارت کرے تو اس نے نیک اور صالح عمل کیا جو کوئی اس سفر کا انکار کرے، وہ کافر ہے اس کو توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ اور جو شخص محض قبروں کی زیارت کی نیت سے سفر کرے، مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنا مقصود نہ ہو آپؐ کے شہر کا سفر کیا ہو مگر آپؐ کی مسجد میں نماز نہ پڑھی ہو اور نہ نماز میں آپؐ پر سلام پڑھا ہو، بلکہ روضہ مبارک پر آکر واپس آجائے، وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی سنت اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور آپؐ کی اُمت کے علماء کے اجماع کا مخالف ہے۔ یہ سفر ہے جس میں دو قول ہیں: ایک تو یہ کہ مطلقاً حرام ہے۔ دوسرا یہ کہ اس میں نہ ثواب ہے اور نہ عقاب!

مسلمانوں کے علماء حق کا عمل زیارتِ شرعیہ کے مطابق ہے وہ آپؐ کی مسجد میں جاتے ہیں، مسجد میں داخلے کے وقت، اور نماز میں آپؐ پر سلام پڑھتے ہیں یہ بالاتفاق مشروع ہے میں نے اس کا ذکر

---

[1] النجم: ۲۶ [2] طٰہٰ: ۱۰۸، ۱۰۹ [3] السجدۃ: ۴

مناسکِ حج میں اور فتویٰ لکھتے وقت کیا ہے۔ میں نے ذکر کیا ہے کہ زائر آپؐ اور آپؐ کے دو معزز صحابہ صدیقِ اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کو سلام کہے۔ میں نے فتوے میں اس کے نزاع کا ذکر نہیں کیا جب کہ اس میں نزاع موجود ہے بعض علماء تو زیارتِ قبور کو مطلقاً مستحب نہیں سمجھتے بعض مطلق مکروہ سمجھتے ہیں۔ یہ اجلہ تابعین حضرت ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ، محمد ابن سیرینؒ سے منقول ہے۔ امام مالکؒ سے بھی منقول ہے امام موصوف سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ مستحب نہیں، مباح ہے اگر کوئی شخص مسجد میں آنے کی قدرت رکھتا ہے، پھر اس میں آکر نماز نہ پڑھے، صرف روضہ مبارک کی زیارت کر کے واپس آجائے تو امام مالکؒ وغیرہ ائمہ کرام نے اس پہ انکار کیا ہے اور یہ کسی عالم کے نزدیک مستحب نہیں ہے۔ اس میں تو نزاع ہے کہ کیا وہ حرام ہے' یا مباح ہے؟ لیکن ہمارے علم کے مطابق مسلمانوں کے کسی عالمِ حقانی نے اس کو مستحب نہیں کہا۔"

پھر شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے "الجواب الباہر" میں قبروں کی طرف سفر کا حکم بیان کیا ہے آپ فرماتے ہیں: "انبیاءؑ و اولیاءؒ کی قبروں کی طرف سفر، اسلام میں حضرت امام مالکؒ کے زمانے تک موجود نہ تھا۔ یہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے بہترین زمانے کے بعد کی پیداوار ہے جس زمانے کی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف فرمائی تھی، اس میں یہ سفر ظاہر اور موجود نہیں تھا لیکن اس کے بعد یہ شرک اور جھوٹ چل نکلا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جب ایک سائل نے پوچھا تھا کہ اگر کسی شخص نے نبی کریمؐ کی قبر شریف کی طرف جانے کی نذر مانی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟" آپؒ نے فرمایا "اگر اس نے مسجد میں آنے کی نیت کی ہو تو اس میں آئے اور نماز پڑھے اگر صرف قبر شریف کی ہی نیت ہو تو پھر اس نذر کو پورا نہ کرے کیونکہ حدیث ہے کہ "سواری استعمال نہ کی جائے مگر تین مساجد کی طرف" اسی طرح امام مالکؒ کے زمانے میں یہ بھی نہ تھا کہ کوئی مسلمان انبیاءؑ و اولیاءؒ کی قبروں کی زیارت کو جائے اور ان کو پکارے، یا ان سے مانگے۔ یا اس نیّت سے کہ ان کی قبروں کے پاس دُعاء زیادہ قبول ہوتی ہے، دعا کا ارادہ کرے۔ ایسے سفر نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی طرف ہوتے تھے نہ کسی اور قبر کی طرف۔ جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بھی پسند نہیں کہ دُعاء کے لئے دیر تک وہاں کھڑا ہو جائے تو اس شخص کے متعلق ان کی رائے کیا ہو گی، جو نہ تو آپؐ کو سلام کہتا ہے، نہ ہی آپؐ کے لئے دُعا کرتا ہے۔ اس کا مقصد صرف اپنے لئے آپؐ کو پکارنا اور آپؐ سے حاجت برآری کا سوال کرنا ہو۔ وہ آپؐ کے پاس آواز کو بلند کر کے آپؐ کو اذیت

پہنچاتے' اور آپؐ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا کر اپنی جان پر ظلم کرے؟؟

ائمہ اربعہؒ اور دوسرے ائمہؒ نے ان احادیث کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھا جو اس سلسلہ میں روایت کی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے:

"من زارني في مماتي فكانما زارني في حياتي" یعنی جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی"

اسی طرح یہ حدیث کہ "جس نے میری اور میرے باپ کی سال بھر میں زیارت کی میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں"۔ اس حدیث کو کسی امام نے روایت نہیں کیا' اور نہ اس کو قابلِ اعتماد سمجھا' نہ ان روایات کو قابلِ اعتماد کتبِ صحاح میں' اور نہ قابلِ اعتماد کتبِ سنن میں روایت کیا گیا ہے۔ مثلاً ابو داؤد، نسائی کیونکہ یہ روایت ضعیف' بلکہ موضوع ہے یہی بات ان روایات پر علماء کے تبصرے سے معلوم ہوتی ہے۔ جس شخص نے آپؐ کی زندگی میں آپؐ کی زیارت کی' وہ آپؐ کے مہاجرین میں داخل ہو' ان کے بعد اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے' تو ان کے ایک کیلو یا نصف کیلو کو نہیں پہنچ سکے گا۔ جب وہ فرائض کو ادا کرے تو اس میں بھی صحابہ کرامؓ کے برابر نہ ہو سکے گا۔ چہ جائیکہ نوافل میں' یا اس میں' جس میں ثواب نہیں' ان کے برابر ہو' یا اس میں' جس میں روکا گیا ہو' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو یہ جملہ بھی ناپسندیدہ ہے کہ کہا جائے "میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی" کیونکہ آپؐ کی قبر کے بارے میں یہ سنّت سے ثابت نہیں ہے!

علماء نے اس کی تعلیل میں مختلف وجوہ بیان کی ہیں بعض نے زیارتِ قبور کی عام احادیث کی بنا پر اجازت دی ہے۔ مثلاً امام مالکؒ مدینہ منوّرہ کی طرف سفر کرنے اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کو مستحب سمجھتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کی اتباع میں آپؐ پر اور آپؐ کے دونوں صحابہؓ پر سلام کہنے کو مستحب جانتے ہیں۔ اس مسئلے میں امام مالکؒ سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے تابعینؒ کو دیکھا تھا' اور تابعینؒ نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ میں دیکھا تھا اسی بنا پر اس مسئلہ میں وہ سلف کی اتباع کو پسند فرماتے تھے' اور اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی وہاں بدعت جاری کرے' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے پاس طویل قیام اور دعاء کو بھی ناپسند کرتے تھے' کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا نہیں کرتے تھے۔ آپ نے اہلِ مدینہ کے اس عمل

کو مکروہ جانا کہ جب بھی وہ مسجد میں داخل ہو آپ ﷺ کی قبر پر آتے کیونکہ یہ بھی سلف کا عمل نہیں تھا!
امام مالک رحؒ کا مقولہ ہے: "لا یصلح اٰخر ھٰذہ الامۃ الا ما اصلح اوّلھا" یعنی "اس اُمت کے بعد میں آنے والوں کی اصلاح اسی طریقے پر ممکن ہے جس طریقے سے پہلے آنے والوں کی اصلاح ہوئی تھی" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول یہ تھا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھنے آتے تھے، خلفاء اربعہؓ نے آپ ﷺ کی مسجد میں امامت کرائی اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ وہ نماز میں آپ ﷺ کی زندگی کی طرح پڑھتے تھے: "السّلام علیک ایّھا النّبیّ و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہ"! پھر جب وہ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھتے یا مسجد سے نکلتے تو آپ ﷺ کی قبر شریف پر سلام کے لئے حاضری نہیں دیتے تھے۔ انہیں علم تھا کہ نماز میں آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام افضل و اکمل اور مشروع ہے۔ خود سرورِ کائنات ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی قبر کے پاس صلوٰۃ وسلام یا نماز یا دُعا سے منع فرما دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

"لا تتخذوا قبری عیدًا وصلّوا علیّ حیثما کنتم فانّ صلٰوتکم تبلغنی"! یعنی "میری قبر کو عید (عرس) نہ بنانا اور مجھ پر جہاں کہیں ہو درود پڑھنا تمہارا درود مجھے مل جائے گا"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ صلوٰۃ وسلام مجھے دور سے پہنچ جاتا ہے جو کوئی آپ ﷺ پر ایک بار درود شریف پڑھے اللہ تعالیٰ اس پہ دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اور جو کوئی آپ ﷺ پر ایک بار سلام پڑھے اللہ تعالیٰ اس پہ دس بار سلام نازل کرتا ہے آپ ﷺ کے حجرہ شریف کو صلوٰۃ وسلام کے لئے مخصوص کرنا اس کو عید بنانا ہے حالانکہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی یا کسی اور کی قبر کو عبادت گاہ بنانے سے منع فرمایا اور ایسا کرنے والے پر لعنت بھیجی یہ آپ ﷺ نے اس لئے کیا تھا تا کہ مسلمان اس لعنت سے بچ جائیں جو غیر مسلموں پہ برسی تھی۔ صحابہ کرامؓ کا زمانہ سب سے بہترین زمانہ تھا وہ آپ ﷺ کی سنتوں کو سب سے زیادہ جاننے والے اور سب امت سے زیادہ آپ ﷺ کے حکموں کو ماننے والے تھے وہ جب مسجد میں آتے تھے تو ان میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کی قبر کی طرف نہیں جاتا تھا نہ حجرے کے اندر سے اور نہ باہر سے اس وقت حجرہ شریف میں حضرت عائشہؓ مقیم تھیں اور اس کے دروازے سے اندر داخل ہو سکتے تھے۔ اس کے بعد

جب دوسری دیوار بنا دی گئی، وہ پھر بھی قبر پر جا سکنے کے باوجود نہیں جاتے تھے نہ صلوٰۃ و سلام کے لئے، اور نہ اپنے لئے دُعا کرنے کے لئے نہ کسی حدیث کے سوال کے لئے، اور نہ کسی اور علم کے لئے! — نہ ہی شیطان ان سے اس کی اُمید رکھتا تھا کہ ان کو صلوٰۃ و سلام یا کوئی بات سنا دے تو وہ اس کو حضور ﷺ کی طرف سے اپنے صلوٰۃ و سلام کا جواب سمجھ لیں گے، یا آپؐ کا فتویٰ سمجھیں گے، یا احادیث کی تشریح جان لیں گے۔ شیطان اوروں سے اس کی خاص امید رکھتا ہے کہ ان حیلہ سازیوں اور فریب کاریوں سے آپؐ کی قبر، یا کسی اور قبر کے پاس خفیہ گفتگو کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کر دے، اور وہ یہ سمجھ لیں کہ ان سے صاحبِ قبر گفتگو کرتا ہے۔ یا ان کو احادیث اور فتوے بیان کرتا ہے۔ ان کو امر و نہی کرتا ہے، اور وہ اپنی قبر سے نکلتا ہے! — وہ اس کو دیکھتے ہیں، اور وہ اس فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ مُردوں کے جسم قبروں سے نکل کر ان سے گفتگو کرتے ہیں۔ اور میت کی روح جسمانی شکل میں سامنے آتی ہے ——— اسی طرح، جس طرح رسولِ کریم ﷺ نے شبِ معراج میں بیداری کی حالت میں ان کو دیکھا تھا! حالانکہ وہ شیطان، صاحبِ قبر کی شکل میں ہوتا ہے رسولِ کریم ﷺ کی شکل تو اختیار نہیں کر سکتا، مگر وہ کوئی دوسری شکل میں آ کر جھوٹ بولتا ہے کہ میں نبی ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس اُمت کے بہترین لوگ تھے، جو لوگوں کی ہدایت و اصلاح کی خاطر نکالے گئے۔ انہوں نے دین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے بلا واسطہ سیکھا۔ آپؐ کے مقاصد سمجھے، آپؐ کے افعال کو دیکھا اور آپؐ کی زبانِ مبارک سے خود سنا، بعد والے لوگ اس شرف سے محروم رہے۔ صحابہ کرام رضی روئے زمین کے سب لوگوں سے علیحدہ ہو گئے اور ان سے دشمنی مول لی، دنیا کے سب دینوں کو ترک کر دیا اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا۔ رسولِ کریم ﷺ نے ایک صحیح حدیث میں فرمایا:

" لا تسبّوا اصحابی فوالّذی نفسی بیدہٖ لو انفق احدکم مثل اُحُد ذھبًا ما بلغ مدّ احدھم ولا نصیفہٗ "۔

"میرے صحابہ رضی کو بُرا مت کہو، مجھے اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ان کے کیلو یا نصف کیلو کو نہیں پہنچ سکے گا۔"

یہ آپؐ نے حضرت خالدؓ بن الولید کو فرمایا تھا، جب وہ اور حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف آپس میں جھگڑ پڑے تھے۔ حضرت عبد الرحمٰن رضی بن عوف " سابقون اوّلون " میں سے تھے جنہوں نے فتح (صلح حدیبیہ)

سے قبل انفاق وجہاد کیا تھا۔ اور حضرت خالدؓ بن الولید، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت عثمانؓ بن طلحہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں اسلام لائے تھے اس لئے یہ مہاجرینِ تابعین میں سے تھے، مہاجرینِ اولین میں سے نہیں تھے۔

اور جو لوگ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے، وہ مہاجرین میں داخل نہیں ہیں کیونکہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہ رہی بلکہ جو لوگ اہلِ مکہ میں سے فتح مکہ کے بعد اسلام لائے ان کو "طلقاء" کہا جاتا تھا کیونکہ رسولِ کریم ﷺ نے ان پر طاقت کے ساتھ فتح پائی تھی، اور اہلِ مکہ کی حیثیت قیدیوں کی تھی۔ آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا تھا اس طرح وہ "طلقاء" کہلائے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے درخت کے نیچے آپؐ سے بیعت کی تھی، نیز مہاجرینِ حبشہ، مہاجرین وانصار، سابقونِ اولون میں سے تھے۔

حضرت جابرؓ سے ایک صحیح حدیث مروی ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے ہمیں فرمایا۔

"انتم خير اهل الارض وكنا الفا واربع مائة!" "تم روئے زمین پر سب سے بہتر ہو اور ہم اس وقت صرف چودہ سو تھے!"

یہی وجہ ہے کہ شیطان نے ان کو گمراہ کرنے کی اُمید نہیں کی جتنی کہ اس نے بعد میں آنے والوں کو گمراہ کرنے کی اُمید رکھی۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جو عمداً نبی کریم ﷺ پر کذب بیانی کرتا۔ اگرچہ ان کے بعض اعمال قابلِ انکار تھے، تاہم انہیں کوئی بدعتی، خارجی، رافضی، قدری، مرجئی اور جہمی وغیرہ قطعاً نہیں تھا۔ بلکہ یہ سب لوگ بعد کی پیداوار ہیں۔ ان میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جس کے سامنے شیطان انسانی شکل میں آکر کہتا "میں خضر ہوں" یا "میں ابراہیم (علیہ السلام) ہوں" یا "میں موسیٰ (علیہ السلام) ہوں" یا "میں عیسیٰ (علیہ السلام) ہوں" یا "مسیح (علیہ السلام) ہوں" یا اس سے کسی قبر کے پاس آکر گفتگو کرتا جس سے اس کو دھوکا ہوتا کہ مجھ سے صاحبِ قبر مصروفِ گفتگو ہے بلکہ اس کی یہ کارستانی اور فریب کاری بعد میں آنے والوں میں چلی اور نصاریٰ میں بھی اس کی اُمید بر آئی جب شیطان نے صلیب کے بعد آکر کہا "میں مسیحؑ ہوں، یہ کیل لگنے کی جگہیں اور نشانات ہیں" وہ یہ نہیں کہتا "میں شیطان ہوں" شیطان کا جسم نہیں ہوتا۔

یہی وہ فریب ہیں جن کی بنا پر نصاریٰ اعتماد کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ کیونکہ وہاں ان میں سے کوئی موجود نہیں تھا۔ وہاں کچھ یہودی موجود تھے جنہوں نے مصلوب کو لٹکایا اور وہ

یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام ہیں اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کے گناہوں میں شمار کیا کیونکہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کا ارادہ کیا اور اس پر خوش ہوتے اگرچہ درحقیقت سولی پر چڑھایا جانے والا شخص حضرت مسیحؑ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۝ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝[1]

"ان کے کفر اور مریمؑ پر بہتانِ عظیم باندھنے کے سبب اور ان کے یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ مسیحؑ کو جو رسول اللہ کہلاتے تھے قتل کر دیا۔ ان پر لعنت کی۔ حالانکہ انہوں نے نہ تو اس کو قتل کیا نہ ہی سولی پر چڑھایا لیکن ان کو حضرت مسیحؑ کی سی شکل معلوم ہوئی اور جن لوگوں نے اس میں اختلاف کیا، وہ شک میں پڑے ہیں ان کو اس بارے میں کچھ علم نہیں مگر محض پیروی ظن ہے انہوں نے اس کو یقیناً قتل نہیں کیا!"

اس ساری گفتگو کا مقصد یہ ہے صحابہ کرامؓ میں شیطان نے اس کی اُمید نہیں کی کہ ان کو گمراہ کرے جس طرح دوسرے بدعتی لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جنہوں نے قرآن کی تشریح غلط کی اور سنت سے بے خبر رہے جب انہوں نے عادی امور کے خلاف کچھ خوارق دیکھے تو ان کو انبیاءؑ و اولیاءؒ کی علامتیں سمجھ بیٹھے حالانکہ وہ شیطانی افعال تھے۔ اس نے نصاریٰ اور بدعتیوں کو اسی طرح گمراہ کیا۔ پھر یہ بدعتی اور گمراہ لوگ قرآن کی متشابہ آیات کے ساتھ عقلی اور حسی دلائل بھی لاتے ہیں۔ اسی طرح جس طرح ایک شخص کچھ غائبانہ گفتگو سنتا اور خوارق افعال دیکھتا ہے تو ان کو رحمانی سمجھ بیٹھتا ہے۔ حالانکہ وہ شیطانی ہوتے ہیں۔ اور اس صریح حق کو چھوڑ دیتے ہیں، جس میں کوئی اجمال و خفار نہیں ہوتا۔ شیطان آپؐ کی شکل میں سامنے نہیں آتا کہ آپؐ سے لوگ فریاد کریں۔ یا ایسی آواز نکالے جو آپؐ کی آواز سے ملتی ہو کیونکہ جن لوگوں نے آپؐ کو دیکھا ہوتا ہے وہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ کھلا شرک ہے جو کسی صورت جائز نہیں۔ اسی لئے شیطان صحابہ کرامؓ سے اس اُمید کا کبھی روادار نہیں ہوا کہ ان

---

[1] النساء: ۱۵۶-۱۵۸

میں سے کوئی بزرگ اپنے ساتھیوں سے یہ کہے "جب تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے، تو میری زندگی میں میرے پاس، اور مرنے کے بعد میری قبر پر آنا اور میرے حضور فریاد کرنا" مگر بعد میں آنے والوں میں یہ صورتِ حال بکثرت موجود ہے۔ نہ شیطان کو کسی صحابیؓ سے یہ اُمید تھی کہ وہ کہے "میں غیبی لوگوں میں سے ہوں، یا چار اوتاد میں سے ہوں، یا سات میں سے یا چالیس میں سے ہوں" یا شیطان کسی صحابیؓ سے یہ کہے تو اُن میں سے ہے" کیونکہ اس کو یقین تھا وہ اس بات پر کبھی یقین نہیں کریں گے۔ بلکہ اس کو باطل اور بے حقیقت خیال کریں گے۔ نہ شیطان کو یہ امید تھی کہ کسی صحابیؓ کے پاس آکر کہتا کہ "میں رسول اللہ ہوں" اور قبرِ نبوی کے پاس اس سے مخاطب ہوتا جس طرح کہ بعد میں آنے والوں میں آپؐ کی قبر، یا کسی اور قبر وغیرہ کے پاس، شیطان بکثرت یہ حربہ آزماتا رہا ہے۔

اس قسم کے واقعات مشرکین اور اہلِ کتاب کو پیش آتے رہے ہیں کہ جو لوگ ان کے ہاں لائقِ تعظیم اور قابلِ عقیدت تھے، وہ ان کو موت کے بعد دیکھتے۔

اسی طرح ہندوستانی اپنے کافر بزرگوں وغیرہ کو ــــــ نصاریٰ اپنے انبیاءؑ و حواریوں کو ــــــ گمراہ اہلِ قبلہ جن کی تعظیم کرتے ہیں (قطع نظر اس سے کہ وہ نبی ہو، یا کوئی اور) اس کو بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں۔ وہ ان سے گفتگو کرتا اور وہ اس سے گفتگو کرتے ہیں کبھی وہ اس سے فتویٰ پوچھتے، کبھی احادیث کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

ــــــ بعض کو یہ خیال گزرتا ہے کہ حجرہ شریف پھٹ گیا ہے، اور نبی ﷺ نے اور آپؐ کے دونوں ساتھیوں نے نکل کر اس سے معانقہ کیا ہے۔

بعض کو یہ خیال آتا ہے کہ اس نے بلند آواز میں سلام کہا، اور وہ کئی دنوں کی مسافت طے کر کے دور جگہ تک پہنچ گیا۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات جن لوگوں کے ساتھ پیش آتے ــــ میں ان کو جانتا ہوں، ایسے لوگ بہت سے ہیں۔

بعض لوگوں نے جن کے ساتھ ایسے واقعات پیش آئے، مجھے خود بتایا، اور کچھ دوسرے صاحبِ صدق لوگوں نے بھی بتایا۔ ان کے ذکر سے بات طویل ہو جائے گی ــــ ہم محض اشارات پر اکتفاء کرتے ہیں!

الغرض اس قسم کے واقعات دنیا میں بکثرت موجود ہیں جیسا کہ نصاریٰ اور مشرکین میں یہ صورتحال ہے بہت سے لوگ کذب بیانی سے کام لیتے ہیں اور بہت سے جب سچ بولتے ہیں تو یہ یقین کر لیتے ہیں کہ وہ واقعی خدائی آیات میں سے ہے، اور انہوں نے یہ سب کچھ اپنی دینی صلاحیت اور دینداری کی وجہ سے دیکھا ہے۔ ان کو علم نہیں ہوتا کہ یہ سب شیطان کی شعبدہ بازی ہے۔ اور اس نے جس کے ساتھ یہ سلوک کیا اس کو گمراہ کر دیا اور وہ آدمی کو اس کی بے علمی کے مطابق گمراہ کرتا ہے۔ جو کم علم ہو، اس کو وہ بات کہتا ہے، جو شریعت کے سراسر خلاف ہو۔ جس کو شریعت کا علم ہوتا ہے، اس کو وہ بات نہیں کہتا جو شریعت کے خلاف ہوتی ہے، اور جس سے اس کے دین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ بلکہ اسے بعض ان چیزوں کے ذریعے گمراہ کرتا ہے، جو اس کے علم سے باہر ہوتی ہیں۔ یہ شیطانوں کی کارستانی ہے، تاکہ وہ یہ سمجھے کہ اس نے ایک چیز کو حاصل کیا ہے۔ اور وہ اس کے لئے مفید ہے مگر اس سے اس کے دین کو نقصان کہیں زیادہ پہنچتا ہے ۔ چنانچہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ حضرت خضر علیہ السلام، یا حضرت موسیٰ علیہ السلام، یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے پاس آئے تھے، نہ کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سلام سنا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہا کرتے تھے مگر آپ نے کبھی نہیں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا ہے۔ یہ صورتِ حال تابعینؒ اور تبع تابعینؒ تک باقی رہی، ہاں بعض متاخرین میں یہ مصیبت نمودار ہوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس آکر اپنے جھگڑوں کے بارے میں اور علمی اشکالات کے متعلق سوال نہیں کرتا تھا ۔ نہ خلفاء اربعہ اور نہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حالانکہ وہ سب سے لوگوں سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص دوست تھے یہاں تک کہ شیطان، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے یہ نہ کہہ سکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر پوچھو "کیا آپ کے کوئی وارث ہیں؟" اور نہ خشک سالی کے زمانے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ کہہ سکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر بارش کے لئے دعا کی درخواست کرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگو اور آپ صلعم سے استغفار کی درخواست کرو جس طرح وہ آپ صلعم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں درخواستیں کرتے تھے، کہ ان کے لئے بارش کی دعاء کریں، یا اُن کے لئے استغفار کریں۔ شیطان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان سب باتوں سے قرون ثلاثہ میں مایوس ہو گیا جس طرح شیطان نے نصاریٰ کو دینی علم جس کو مسیح علیہ السلام اور پہلے انبیاء

علیہم السلام لے کر آئے تھے- سے بیگانہ ہونے کی وجہ سے گمراہ کیا' اسی طرح جن لوگوں کو توحید و سُنّت کا علم کم ہے' ان کو شیطان نے گمراہ کر دیا۔

شیطان کا یہ داؤ بھی نہ لگا کہ کسی صحابی یا تابعی کو ہوا میں اُڑا لے جائے' یا کسی کے لمبے سفر کو معمولی وقت میں طے کرا دے' جس طرح کے واقعات متاخرین میں بکثرت ملتے ہیں۔ کیونکہ وہ جو سفر کرتے تھے' وہ عبادت کے سفر تھے مثلاً حج وعمرہ اور جہاد کے سفر ان کو ہر قدم کے بدلے ثواب ملتا تھا جب بھی سفر لمبا اور دراز ہوگا ثواب زیادہ ہو جائے گا جس طرح ایک نمازی باوضو ہو کر مسجد کی طرف نماز کے لئے نکلتا ہے اور اس کے ایک قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور دُوسرے قدم پر ایک گناہ جھڑتا ہے۔ شیطان ان کے اجر کو کم نہ کر سکا کہ ان کو ہوا پر سوار کرے یا زمین پر لمبی لمبی چھلانگوں سے تیزی کے ساتھ سفر کو ختم کرے۔

یہ بات ان کے علم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ رات کے وقت مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائے' اور اس نے بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو معراج جیسا سفر پیش نہیں آسکتا۔ لیکن شیطان بعض لوگوں کو شیطانی معراجوں کی وسوسہ اندازی کرتا ہے' اس طرح بعض متاخرین کو بھی وہم ہوا۔ بڑے دریا کو پانی پر چل کر عبور کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے' جس کی کبھی کبھی سب مسلمانوں کو ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً جہاد کی تکمیل اور دُشمن تک پہنچنے کے لئے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے جب صحابہؓ و تابعینؒ میں سے کسی کو اس کی ضرورت پڑتی' تو اللہ تعالیٰ ان کا اس طرح اکرام فرماتا تھا۔ حضرت العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں' اور حضرت ابومسلم خولانی اور ان کے ساتھیوں کی کرامت اسی طرح ظاہر ہوئی تھی' اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

مقصد یہ بتانا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ بہترین زمانہ تھا' اور وہ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب مخلوق سے بہترین اور افضل تھے' جو کچھ صحابہ کرامؓ کے بعد واقعات ظاہر ہوئے' جن کو متاخرین کی فضیلت سمجھا جاتا ہے' وہ درحقیقت شیطانی شعبدہ بازی ہے' وہ فضیلت نہیں' بلکہ نقص ہے۔ چاہے وہ علوم و عبادات کی جنس سے ہو' یا خوارق و آیات' یا حکومت و سیاست کی جنس سے! بلکہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد بہترین لوگ وہ ہیں جو ان کے پورے پورے پیرو کار ہوں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

"من كان منكم مستنا فليستن بمن قد مات فان الحيّ لا تؤمن عليه الفتنة اولئك اصحٰب محمد صلّى الله عليه وسلم ابرّ هٰذه الامة قلوبا واعمقها علما واقلّها تكلفا قوم اختارهم الله لصحبة نبيّه ولاقامة دينه فاعرفوا لهم حقهم وتمسّكوا بهديهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم"

"جو کسی کی راہ اختیار کرنا چاہے وہ ان کی کرے جو مر چکے ہیں اس لئے کہ زندہ آدمی فتنے سے محفوظ نہیں ہوتا۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں جو اس اُمت میں سب سے زیادہ نیک دل ہیں ، گہرے علم والے ہیں اور کم تکلف کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبیؐ کی صحبت کے لئے اور اپنے دین کی اقامت کے لئے چن لیا تم اُن کا حق پہچانو اور ان کی ہدایت کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ وہ یقیناً سیدھی راہ پر ہیں!"

تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے۔

اس بحث سے مقصود یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور دیگر قبور سے متعلقہ سب بدعات کے تارک تھے تاکہ وہ اہلِ کتاب کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کریں جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو بُت بنا لیا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کی شرعی حیثیت

جب مسلمان آپ پر نماز میں سلام کہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ سلام کہنے والے پر دس بار سلام کہتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

" من سلّم علیّ واحدۃ سلّم اللہ علیہ عشرا "۔ "جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار سلام پڑھے، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار سلام بھیجتا ہے"۔

بعض صحابہ کا یہ معمول تھا کہ جب وہ سفر سے واپس آتے تو باہر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتے، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو سلام کہتے پھر مسجد سے نکل جاتے، پھر ہر نماز کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آتے تھے! — حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ کی قبر پر سلام کہتے تھے۔ پھر واپس تشریف لے جاتے تھے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یا اپنے لئے دُعا کی غرض سے نہیں ٹھہرتے تھے۔ یہ کسی صحابیؓ سے منقول نہیں، اس لئے خالص بدعت ہوئی۔ امام مالکؒ نے فرمایا تھا، "اس امت کے بعد والے لوگوں کی اصلاح اسی طریقے سے ہوسکتی ہے جس طریقے پر اس اُمت کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی"۔

سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کو نہیں اپنایا، اس لئے اس سے محض جواز ثابت ہوتا ہے، جس طرح دوسرے مسائل میں بعض صحابہؓ کے عمل سے جواز ثابت ہوتا ہے!

کسی بات کا مستحب یا مباح یا ممنوع ہونا صرف شرعی دلیل ہی سے ثابت ہوسکتا ہے۔ یعنی وجوب، فضیلت، اباحت، استحباب، کراہت اور تحریم میں سے کوئی چیز بھی بغیر شرعی دلائل کے ثابت نہیں ہوتی اور ادلہ شرعیہ کا مرجع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے۔ قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا، سُنّت آپؐ نے سکھائی، اجماع آپؐ کے ارشاد کے مطابق معصوم ہے اور قیاس اس وقت حجت ہوگا جب ہمیں علم ہو کہ فرع اصل کی مثل ہے اور اصل کی علت فرع میں موجود ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جیسے دو معاملوں میں مختلف اور متناقض حکم نہیں لگا سکتے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک

مسئلے میں ایک علت کی وجہ سے ایک حکم لگائیں اور دوسرے میں وہی علت ہونے کے باوجود وہ حکم نہ لگائیں۔ ہاں بعض مسائل کو اسباب کی وجہ سے خصوصیت حاصل ہو جائے تو الگ بات ہے۔ شریعت وہی ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع کیا، سنّت وہی ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون ٹھہرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت معلوم ہو جانے کے بعد کسی غیر کے قول و فعل کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی جا سکتی چاہے وہ کتنا بڑا بزرگ ہو۔ ہاں اضافت و نسبت کی کوئی دلیل ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد سے فیصلے کرتے تھے، ان کے فیصلے عموماً سنّت کے موافق ہوتے تھے، تاہم بھی کہتے کہ "یہ میری رائے ہے، اگر درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ و رسولؐ اس سے بری ہیں"، اگر وہ آپؐ کی سنّت کے خلاف ہو تو وہ منسوخ اور مبدل شرع ہے۔ مجتہدین چاہے اپنی رائے سے مسئلہ بتائیں اور اس میں غلطی کھا جائیں، پھر بھی ان کو اجر ملے گا اور ان کی غلطی اللہ تعالیٰ کے ہاں مغفور ہو گی جب کوئی صحابی اپنے لئے دعا کرنے کا ارادہ کرتا تو قبلہ رُخ ہو کر دُعا کرتا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کرتے تھے، وہ حجرہ شریف کے پاس دُعا کا قصد نہیں کرتے تھے اور نہ کوئی آپؐ کی قبر کے پاس جاتا تھا اور سلام کہنے کا حکم تو مسلمانوں کو ہر نماز میں ہے، نیز جب کسی بھی مسجد میں داخل ہو!

النّوع الاوّل

نمازی ہر نماز میں "السلام علیك ایّها النبیّ ورحمة الله وبرکاته" پڑھتا ہے، اس کے بعد "السّلام علینا وعلی عباد الله الصالحین" پڑھتا ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا: "جب تم نے اس طرح سلام کہہ دیا تو تمہارا سلام زمین و آسمان میں ہر خدا کے نیک بندے کو پہنچ گیا"۔ مسلمانوں کو حکم ہے کہ ہر نماز میں، خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں، فرشتوں، جنوں اور انسانوں پر سلام کہے۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں کہا کرتے تھے:

"السلام علیٰ فلاں وفلاں" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ خود سلام ہے جب تم میں سے کوئی نماز میں قعدہ کرے تو یہ پڑھے :

" اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ "

" زبانی، بدنی اور مالی، سب عبادتیں صرف اللہ کے لئے ہیں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلام ہو اور اس کی رحمت اور برکات، ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے سب نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں !"

آپ سے تشہد کے دوسرے الفاظ بھی مروی ہیں، جیسے کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی لوگوں کو تشہد سکھایا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کی طرح روایت کیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد ہی روایت کیا ہے ان میں سے جو تشہد بھی پڑھ لیں جائز ہے۔ جب قرآن مجید سات حروف پر اترا ہے، تو تشہد کا مختلف مروی الفاظ میں پڑھنا تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوا۔

مقصد یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا جب نمازی "السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین" پڑھے تو اس کا سلام زمین و آسمان میں ہر نیک بندے کو پہنچ جاتا ہے اس میں انسان، فرشتے اور جن سب شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں کا کلام نقل فرمایا ہے :

وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ○[1]

"ہم میں سے کئی نیک ہیں اور کئی دوسرے۔ ہمارے کئی طرح کے مذہب ہیں !"

---

[1] : الجن : ۱۱

النّوع الثانی

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کہنا جس طرح مسند اور سنن میں حضرت فاطمہؓ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَقُلْ بِاسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ قَالَ بِاسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ۔"

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو کہے: "اللہ کے نام کے ساتھ داخل ہوتا ہوں، درود و سلام ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اے اللہ! — میرے گناہ معاف فرمادے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔" اور جب نکلے تو کہے "میں اللہ کے نام سے نکلتا ہوں، درود و سلام ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔"

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحیح" میں مسجد میں داخل ہوتے وقت کی دُعاء روایت کی ہے جس میں رحمت کے دروازے کھولنے کی درخواست ہے اور نکلتے وقت فضل کے دروازے کھولنے کی دُعاء ہے۔ یہ دُعاء رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھنے کی سخت تاکید ہے۔ علماء نے احکامِ حج میں جو کتابیں لکھی ہیں، ان میں مسجدِ نبوی میں آنے والے کے لئے اس دُعا کا ذکر کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت سلام کہنا مشروع ہے اور ہر نماز میں یہ سلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر سلام کہنے سے زیادہ نفع مند ہے جو ہر کہیں کہا جاسکتا ہے۔ یہ مصلحت ہوئی نہ کہ فساد۔ اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور اس کا نفع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومن کو پہنچتا ہے اور یہ ہر نماز میں مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت مشروع ہے، بخلاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس سلام کہنے کے، جب سے آپؐ اپنی قبر میں مدفون ہیں، ہر کسی کو وہاں پہنچنا ممکن نہیں، نہ زیارت کے لئے، نہ سلام کے لئے، نہ دعاء وغیرہ کے لئے کیونکہ وہاں

حجرے کے ایک طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رہائش تھی - قبریں، حجرے کی اگلی جانب ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حجرے کے پچھلی طرف رہتی تھیں۔ وہاں صحابہؓ کا آنا جانا نہیں تھا۔

حجرہ مبارک، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں مسجد کے باہر اور اس کے متصل تھا۔ اس کو عبدالملک بن مروان کی خلافت میں مسجد میں داخل کیا گیا، جبکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما وفات پا چکے تھے، بلکہ اس وقت مدینہ منورہ میں موجود سب صحابہؓ وفات پا چکے تھے۔ صحابہ کرامؓ رات دن کسی وقت بھی نہ قبر کے پاس جاتے تھے اور نہ باہر ہی کھڑے ہوتے تھے حالانکہ وہ رات دن مسجد میں آتے جاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"صلوٰۃ فی مسجدی ھٰذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ من المساجد الاّ المسجد الحرام"

"میری اس مسجد میں نماز دوسری مسجدوں میں ہزار نمازوں سے بھی افضل ہے، سوائے مسجد حرام کے"

اور یہ بھی فرمایا: "مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ بیت المقدس کے علاوہ کہیں زیارت کے لئے سفر کر کے نہ جایا جائے"۔ لوگ خلفائے راشدینؓ کے پاس اکٹھے ہونے کے لئے اور کئی دوسرے مقاصد کے لئے سفر کر کے آتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھتے تھے — مسجد میں داخل و خارج ہوتے وقت، اور نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہتے تھے لیکن آپؐ کی قبر شریف کے پاس نہیں آتے تھے کیونکہ ان کو اس کی تعلیم نہیں دی گئی تھی۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے یہ طریقہ مسنون قرار دیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں، اور مسجدوں میں داخل و خارج ہوتے وقت صلاۃ و سلام پڑھنے کا حکم دیا اور اس کو مسنون ٹھہرایا۔ ہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس تشریف لاتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ساتھیوں پر سلام کہتے کبھی کبھار کوئی دوسرا ان کے سوا بھی ایسا کر لیتا تھا۔ بعض علماء، جو قبر شریف پر صلوٰۃ و سلام جائز سمجھتے ہیں، وہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتداء کی وجہ سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ آکر "السلام علیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)" "السلام علیک یا ابا بکر" "السلام علیک یا ابت" کہتے۔ اور

واپس چلے جاتے ٹھہرتے نہیں تھے۔ جمہور صحابہؓ ایسا نہیں کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسنون نہیں فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ خلفاء راشدینؓ کے عہد میں اور اس کے بعد حج کے لئے سفر کرتی تھیں پھر ان میں سے ہر ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق اپنے گھر تشریف لے جاتی تھیں اور دین کے یمنی مددگار جن کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

"فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ"[1] "اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم لائے گا جن سے اس کو محبت ہوگی اور انہیں اس سے محبت ہوگی"

یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں یمن سے گروہ در گروہ جہاد کے لئے آتے تھے۔ اور مسجدِ نبوی میں ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے ان میں سے کوئی حجرہ میں داخل نہیں ہوتا تھا اور نہ دعا کے لئے نہ صلوٰۃ وسلام وغیرہ کے لئے حجرہ شریف کے باہر کھڑا ہوتا تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر کاربند تھے صحابہؓ و تابعینؒ کو تعلیم دی گئی تھی کہ آپؐ کے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے حقوق لازم و ملزوم ہیں وہ سب کام جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور ان کو پسند فرمایا وہ اس کے اور اس کے رسولؐ کے حقوق ہیں ان کاموں اور حکموں کی حیثیت سب جگہوں اور علاقوں میں برابر ہے۔ اس لئے آپؐ کی قبر شریف کے پاس صلوٰۃ وسلام کی دیگر جگہوں سے زیادہ تاکید نہیں ہے بلکہ مسلمان کو اس کا ہر جگہ حکم ہے یا تو مطلقاً یا بعض اسباب کی وجہ سے اس کی زیادہ تاکید ہوگی مثلاً نماز، دعا، اور اذان میں صلوٰۃ وسلام کی اہمیت زیادہ ہے۔ آپؐ کے حقوق، یا عبادات آپؐ کی قبر شریف کے پاس دوسری جگہوں سے افضل نہیں ہیں بلکہ مسجدِ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ان اعمال کی زیادہ فضیلت ہے اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کو مسجد میں داخل کرنے سے پہلے مسجد نبویؐ کی فضیلت نہیں تھی جبکہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور انصار و مہاجرینؓ اس میں نمازیں پڑھتے تھے، ہاں اس کو ولید بن عبدالملک کے زمانے میں یہ فضیلت ملی جب کہ حجرہ شریف کو مسجد میں داخل کیا گیا، تو وہ پرلے درجے کا جاہل، کافر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی تکذیب کرنے والا، قتل کا

---

[1] المائدۃ: ۵۴

مستحق ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دعائیں کرتے تھے ویسے ہی بعد میں کرتے رہے جو شریعت آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو اپنی زندگی میں سکھائی تھی اس کے سوا کوئی اور نئی شریعت نہیں بنادی گئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم نہیں دیا تھا کہ جب کسی کو حاجت ہو تو وہ کسی نبی، ولی کی قبر کے پاس جائے وہاں نماز پڑھے اور دعاء کرے یا بغیر نماز کے دعاء کرے، اس سے اپنی حاجت روائی کا سوال کرے اور اس سے درخواست کرے کہ وہ اس کے حق میں اپنے رب سے دعا کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خوب علم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی چیز کا حکم نہیں دیا نہ ہی آپؐ نے حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک یا آپؐ کے حجرہ شریف کو درود و سلام یا اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے دعا کے لئے خصوصیت دیں بلکہ آپؐ نے ان کو اپنے گھر کو عید بنانے سے منع فرمایا۔ آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بعض جاہل شیوخ کی طرح یہ نہیں فرمایا کہ جب تمہیں کوئی حاجت درپیش ہو تو میری قبر پر آنا بلکہ آپؐ نے اس سے کہیں زیادہ مبالغہ اور سختی کے ساتھ منع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یا کسی اور کی قبر کو عبادت گاہ نہ بنائیں تاکہ شرک کی جڑ کٹ جائے!

اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپؐ کی آل و اصحابؓ پر درود و سلام نازل فرمائے اور ہماری طرف سے اعلیٰ و افضل جزاء سے نوازے ایسی جزاء جو کسی نبی کو اُمت کی طرف سے دی جا سکتی ہے!۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کو پہنچایا امانت ادا کی، امت کی خیر خواہی کی — اللہ تعالیٰ کی راہ میں خوب جہاد کیا اور اس کا حق ادا کر دیا!۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی عبادت کرتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پروانہ موت آ گیا اللہ تعالیٰ نے اہلِ ارض پر جو انعامات فرمائے ان سب سے افضل انعام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمایا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو بتادیا تھا کہ افضل ترین عبادت کون سی ہے؟ اور افضل ترین جگہ کون سی ہے؟ جیسا کہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا :

"قلت : یا رسول اللہ ، ای العمل افضل؟ "میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! کون سا

قال: الصّلوٰة علیٰ مواقیتھا قلت: ثم ایّ؟ قال: ثمّ برّ الوالدین قلت: ثم ایّ؟ قال: الجھاد فی سبیل اللہ سألتہ عنھنّ ولو استزدتہ لزادنی!"

عمل افضل ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نماز کو اس کے صحیح اوقات پر پڑھنا"۔ میں نے کہا "پھر کون سا؟" فرمایا "ماں باپ سے نیک سلوک کرنا" میں نے کہا "پھر کون سا؟" فرمایا "جہاد فی سبیل اللہ"۔ میں نے آپؐ سے انہی کے بارے میں پوچھا اگر میں اور پوچھتا تو آپؐ مزید بتلاتے۔"

مسند اور سنن ابن ماجہ میں ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"استقیموا ولن تحصوا واعلموا انّ خیر اعمالکم الصّلوٰۃ ولا یحافظ علی الوضوء الّا مؤمن!"

"استقامت اختیار کرو اور تم ہرگز شمار نہ کر و، — نیز جان لو کہ تمہارے اعمال میں سے بہترین عمل نماز ہے اور وضوء کی حفاظت صرف مومن ہی کرتا ہے۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے طریقہ سکھایا کہ ان کے لئے مساجد بنائی جائیں، اور یہ جگہیں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"احب البقاع الی اللہ المساجد وابغض البقاع الی اللہ الاسواق!"

"اللہ تعالیٰ کو سب جگہوں سے زیادہ محبوب جگہ مساجد ہیں اور بدترین جگہ بازار ہیں۔"

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ ہی اُن پر لعنت فرمائی جو انبیاء و صالحین کی قبور کو مسجدیں بنائیں۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں امت کی خیر خواہی اور اس کی شدید خواہش کی وجہ سے بیان فرمائی تھی! — آپؐ کی اس صفت کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○[1]

"لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسولؐ آئے ہیں تمہاری تکلیف ان پر گراں گزرتی ہے۔ تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں، مومنوں

---

[1] التوبۃ: ۱۲۸

پر شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں"۔

"صحیحین" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا:

" قال رسول اللہ فی مرضه الذی لم یقم منه لعن اللہ الیهود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءهم مساجد قالت عائشة ولو لا ذالك لا برز قبره ولكن كره ان یتخذ مسجدا !"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں فرمایا "اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبریں کو مسجدیں بنالیا" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو کھلا رکھا جاتا۔ لیکن آپؐ نے اس کو ناپسند فرمایا کہ اس کو مسجد بنایا جائے"۔

اور اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے:

" لما نزل برسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم طفق یطرح خمیصة له علی وجهه فاذا اغتم کشفها عن وجهه فقال وهو کذالك لعنة اللہ علی الیهود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءهم مساجد یحذر ما صنعوا !"

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری میں مبتلا ہوئے، تو آپؐ اپنی چادر اپنے چہرہ مبارک پر ڈال لیتے تھے، جب گھٹن محسوس کرتے تو چہرہ مبارک سے چادر ہٹا دیتے تھے۔ اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "یہود و نصاریٰ پر لعنت ہو، انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنالیا"۔ آپؐ نے ان کے اس غلط کام سے بچنے کی تاکید فرمائی"۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا شاہکار دیکھئے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حجرے میں رہتی تھیں، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہوئے وہی یہ احادیث روایت فرماتی ہیں آپ رضی اللہ عنہا نے بذاتِ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ احادیث سنی تھیں، اگرچہ دیگر صحابہ کرامؓ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما، ابوہریرۃؓ، جندب رضی اللہ عنہ، ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی یہ احادیث رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں!

"صحیحین" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قاتل الله اليهود اتّخذوا قبور انبياءهم مساجد"

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ یہودیوں کو قتل کرے، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا"

"صحیحین" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت امِ حبیبہؓ اور امِ سلمہ رضؓ نے رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں ایک گرجے کا ذکر کیا، جس کو انہوں نے ملکِ حبشہ میں دیکھا تھا اس میں تصویریں تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

"انّ اولئك اذا كان فيهم الرّجل الصّالح فمات بنوا على قبره مسجدا وصوّروا فيه تلك الصّور، اولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة"

"ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر عبادت گاہ تعمیر کر دیتے اور اس میں یہ تصویریں بنا دیتے یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے"

صحیح مسلم میں حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا "میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے صرف پانچ دن پہلے سُنا تھا، آپؐ فرماتے تھے:

"انّي ابرء الى الله ان يكون لى منكم خليل، فانّ الله قد اتّخذني خليلا كما اتّخذ ابراهيم خليلا، ولو كنت متّخذا من اهل الارض خليلا لاتّخذت ابابكر خليلا، الا وانّ من كان قبلكم كانوا يتّخذون القبور مساجد، الا فلا تتّخذوا القبور مساجد فانّي انهاكم عن ذالك!"

"میں اس بات کا اللہ تعالیٰ کے حضور اعلانِ براءت کرتا ہوں کہ تم میں سے میرا کوئی خلیل ہو، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا ویسا ہی خلیل بنایا ہے جیسا ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا۔ اگر میں روئے زمین میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔ سنو! تم سے پہلے لوگ قبروں کو مساجد بنا لیا کرتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو مساجد نہ بنانا، میں تمہیں اس سے روکتا ہوں"

اور صحیح مسلم میں ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"لَا تَجۡلِسُوا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيۡهَا" "قبروں پر مت بیٹھا کرو اور نہ ہی ان کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا کرو"

مسند اور صحیح ابو حاتم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"انّ من شرار النّاس من تدرکھم الساعة وھم احیاء والّذین یتخذون القبور مساجد" "بدترین لوگ وہ ہوں گے جن کی زندگی میں قیامت قائم ہوگی اور وہ لوگ بھی بدترین ہوں گے جو قبروں کو عبادت گاہ بنائیں گے"

یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی قبر کو عید اور خوشی کی جگہ بنانے سے منع فرما دیا تھا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا علم ہوا کہ آپ ﷺ نے قبروں کے پاس فرض نماز، جس سے صرف اللہ تعالیٰ کا تقرب مقصود ہوتا ہے، اس لئے پڑھنے سے روک دیا تھا کہ مشرکین کے ساتھ مشابہت نہ ہو جو قبروں کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں اور وہاں نماز پڑھتے ہیں اور ان کے لئے نذریں مانتے ہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے سمجھا کہ قبروں کے پاس دعا کرنے کی شدید ممانعت ہے، جس طرح آپ ﷺ نے طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز سے نہی فرمائی ہے یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ کو بھی سجدہ کرنا منع فرمایا تو اس سے سورج کو سجدہ کرنے کی سخت ترین ممانعت بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوئی۔

صحابہ کرام نماز، دعا اور ذکر کے لئے مسجدوں میں جاتے تھے، نہ کہ انبیاء و اولیاء کی قبروں کی طرف جن کو مساجد بنانے سے منع کر دیا گیا ہے، وہ مخلوق کے گھر ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے بعد وہی کچھ کرتے رہے، جو آپ ﷺ کی زندگی میں کرتے تھے۔

(فصل) قبروں کی تعظیم میں غلو

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک فصل ان لوگوں کے جواب میں لکھی ہے، جو قبروں کی تعظیم میں غلو کرتے اور کہتے ہیں "علاقے اور ملک سے بلاء، مدفون انبیاء و اولیاء کی وجہ سے رک جاتی ہے"

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ "الجواب الباہر" میں بحث جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اہلِ بغداد سے بلائیں تین قبروں کی وجہ سے رکتی ہیں: ۱۔ احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ علیہ) ۲۔ بشر الحافی (رحمۃ اللہ علیہ) ۳۔ منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ، اور اہلِ شام گمان کرتے ہیں کہ

ان کی بلائیں حضرت خلیل علیہ السلام وغیرہ انبیاء علیہم السلام کی وجہ سے رکتی ہیں جو وہاں مدفون ہیں۔ اہلِ مصر گمان کرتے ہیں کہ ان کی بلائیں نفیسہ وغیرہ کی قبروں کی وجہ سے رُک جاتی ہیں اور اہلِ حجاز کے مصائب اور بلائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک اور اہلِ بقیع وغیرہ کی وجہ سے دور ہوتی ہیں۔ یہ سب باتیں دین میں حد سے تجاوز، اور اس کی مخالف ہیں ۔ کتاب و سنّت اور اجماع کے سراسر خلاف ہیں۔ بیت المقدس کو دیکھئے، اللہ ہی جانتا ہے کہ وہاں کتنے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی قبریں ہیں مگر جب لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی نافرمانی اور اللہ و رسولوں کے احکام کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دیا، جنھوں نے ان سے خوب انتقام لیا! — فوت شدہ رسولوں کے ذمے اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور پیغام رسانی تھی۔ وہ اس سے باحسن طریق عہدہ برآ ہو چکے اسی طرح ہمارے نبی علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ“ (الشوریٰ:۴۸) ”نہیں ہے آپؐ کے ذمے مگر تبلیغ کرنا اور پہنچا دینا“!

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (العنکبوت: ۱۸) ”نہیں ہے رسُول کا فرض مگر کھول کر پہنچا دینا“

اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کو جو رسُول کی اطاعت کرے، ضمانت دی ہے کہ اس کو ہدایت دے گا اور اس کی مدد کرے گا اور جس نے مخالفت کی وہ عذاب کا مستحق ہے، اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے کوئی کام نہ آسکے گا۔ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

” یا عباس! عمّ رسول اللہ لا اغنی عنك من اللہ شیئا یا فاطمة بنت محمد لا اغنی عنكِ من اللہ شیئا!“

”اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباسؓ میں اللہ تعالیٰ کے حضور تیرے کچھ کام نہیں آؤں گا اے فاطمہ بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ تعالیٰ کے حضور تیرے کچھ کام نہ آؤں گا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جن صحابہؓ کو حاکم مقرر کیا تھا، ان سے فرمایا:

” لا الفین احدکم یاتی یوم القیامة علی رقبته بعیرٌ له رغاء یقول: یا رسول اللہ

”میں تم میں سے کسی کو اس حال میں قیامت کے روز نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر اونٹ

اغثنی فاقول لا املك لك من الله شیئا، قد بلغتك۔"

بلبلا رہا ہو اور وہ کہے "یا رسول اللہ میری فریاد رسی کیجیے" میں کہوں گا "میں اللہ تعالیٰ کے پاس تیرے بارے میں کوئی اختیار نہیں رکھتا، میں نے تجھے اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا دیئے تھے۔"

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافت میں اہلِ مدینہ، دنیا و آخرت کے سب لوگوں سے افضل تھے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر کاربند تھے۔ پھر ان میں کچھ تغیر آگیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ! ۔ ان سے خلافت نکل کر دوسروں کے پاس چلی گئی اور وہ رعیت بن گئے پھر ان میں کچھ تغیر آگیا اور حرّہ کے سال میں ان کو قتل اور لوٹ مار وغیرہ مصائب سے دوچار ہونا پڑا جن سے وہ پہلے محفوظ تھے، اور اس کے ہاتھوں مصائب اٹھانے پڑے جو ظالم اور زیادتی کرنے والا تھا مگر ان سے بڑا ظالم نہیں تھا جنھوں نے نبی کریم ؐ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدسلوکیاں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ط قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۔ الآیۃ!" (آلِ عمران : ۱۶۵)

"بھلا یہ کیا بات ہے؟ کہ جب احد کے دن تم پر مصیبت آن پڑی، حالانکہ اس سے دوگنی تم ان کو پہنچا چکے تھے (بدر کے دن) تم نے کہا "یہ آفت کہاں سے آن پڑی"؟ کہہ دو "یہ تمہاری شامت اعمال ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سابقینِ اوّلین مدینہ منورہ میں مدفون تھے اور ابتداءِ اسلام میں وہاں کے لوگوں کو دین و دنیا کی سعادت مندیاں حاصل تھیں۔ اسی طرح شام میں بھی پھر فتنے ابھرے اور ان کے گناہوں کی شامت سے حکومت ان کے ہاتھوں سے نکل گئی اور اس پر منافق اور ملاحدہ اور نصاریٰ قابض ہوگئے۔ انہوں نے بیت المقدس اور قبرِ خلیل پر تسلط جما لیا اور اس کی عمارت کو اکھاڑ اور توڑ کر گرجے میں تبدیل کر لیا۔ پھر جب ان کے دین میں صلاحیت آگئی، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے سچے فرماں بردار بن گئے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کی پیروی کرنے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو عزت و غلبہ عطا فرمایا اور دشمن پر فتح دی۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و

فرماں برداری وہ محور ہے جس پر سعادت اور خوش بختی گھومتی ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ؕ[1]

"جو لوگ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں، وہ قیامت کے روز ان لوگوں کے ہمراہ ہوں گے، جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ! اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے:

"مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَلَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا!"

"جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے، اس نے ہدایت پائی اور جس نے ان کی نافرمانی کی، وہ اپنی ہی جان کو نقصان دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں دیتا۔"

مکہ مکرمہ بذاتہ اپنے رہنے والوں سے بلاء و وباء نہیں روکتا اور ان کو رزق نہیں پہنچاتا مگر جب اس کے باشندے اللہ و رسولؐ کی اطاعت کریں۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے دعا کی تھی:

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝[2]

"اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد ایسی وادی میں جہاں کھیتی نہیں ہوتی تیرے عزت والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ اے پروردگار! تاکہ نماز پڑھیں تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور ان کو پھلوں کا رزق دے، تاکہ وہ شکر کریں۔"

لوگ جاہلیت میں حرم مکہ کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ بیت اللہ شریف کا حج کرتے اور طواف کرتے تھے۔ وہ دوسرے مشرکین سے کچھ قدرے بہتر تھے۔ اللہ تعالیٰ ذرہ برابر کسی پر ظلم نہیں کرتا اسی وجہ

---

[1] النساء: ۶۹ [2] ابراہیم: ۳۷

سے ان کی عزت دوسروں سے زیادہ تھی کیونکہ وہ دینِ ابراہیم علیہ السلام پر دوسروں سے زیادہ پابند تھے۔ وہ اسلام میں بھی دوسروں سے افضل تھے ان کا بدلہ ان کے فضل کے مطابق تھا اگرچہ وہ جاہلیت میں عملاً دوسروں سے بُرے تھے تو اُن کا بدلہ ان کی برائیوں کے مطابق تھا۔ مساجد و مشاعر کی فضیلت اس کے لئے ہے جو ان میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے ورنہ محض جگہوں سے کوئی ثواب و عقاب وابستہ نہیں ہے ثواب ان اعمال پر ہے جن کے کرنے کا حکم ہے اور عقاب ان اعمال کے کرنے پر ہے جن سے روکا گیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ حضرت ابودرداؓ دمشق میں تھے اور حضرت سلمان فارسیؓ عراق میں تھے حضرت ابودرداؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو لکھا کہ آپ ارضِ مقدس میں تشریف لے آئیں حضرت سلمان فارسیؓ نے جواب میں لکھا "زمین کسی کو مقدس نہیں بناتی آدمی کو اس کا عمل مقدس بناتا ہے"

جہاد کے لئے سرحدوں پر ٹھہرنا حرمین شریفین میں قیام سے باتفاقِ علماء افضل ہے اسی بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مدینہ منورہ میں قیام ہجرت کی وجہ سے افضل تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق پیدا فرمائی ہے وہی انہیں ہدایت اور رزق دیتا ہے وہی ان کی مدد فرماتا ہے اس کے سوا کوئی بھی ان میں سے کسی چیز کا مختار نہیں ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ[1] الآیۃ!"

"کہہ دو جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا معبود خیال کرتے ہو ان کو بلاؤ۔ وہ زمین و آسمان میں ذرہ بھر چیز کے مالک نہیں ہیں۔ نہ ان کی ان میں کوئی شراکت ہے نہ ان میں اس کا کوئی مددگار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر جس کو وہ اجازت دے"۔

علماء نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ شافع اور مشفوع دونوں کو اجازت ملے گی تب شفاعت ہوگی! قیامت کے دن سیّد الشفعاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب شفاعت کا ارادہ کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] سبا : ۲۲، ۲۳

" فاذا رأيت ربّي خررت لـه ساجداً فاحمده بمحامد يفتحها عليّ لا احسنها الآن فيقال لي ، ارفع رأسك قل تسمع وسل تعطـه واشفع تشفّع قال : فيحدّ لى حدّاً فادخلهم الجنة "

"جب میں اپنے ربّ کریم کو دیکھوں گا تو فوراً سجدے میں گر جاؤں گا اور میں اپنے رب کی وہ تعریفیں کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا میں اب اُس کی وہ تعریفیں نہیں کر سکتا۔ مجھے کہا جائیگا" اپنا سر اُٹھایئے کہیے، بات سُنی جائے گی! مانگیے، دیا جائے گا! شفاعت کیجئے، شفاعت قبول کی جائے گی!" میرے لئے لوگوں کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی، میں ان کو جنت میں داخل کروں گا"

اسی طرح دوسری بار سجدے میں پڑیں گے، دوسروں کے لئے پہلے کی طرح اجازت ملے گی، تو کچھ لوگوں کی حد مقرر کر دی جائے گی اور آپؐ ان کو جنت میں داخل فرمائیں گے اسی طرح تیسری بار ہوگا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا؛

" وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ۔ الآیۃ[1]"

"اور جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے ہاں جو علم و یقین کے ساتھ حق کی گواہی دیں (وہ شفاعت کر سکیں گے)!"

اللہ تعالیٰ نے صاف اعلان فرما دیا کہ شفاعت کا مالک و مختار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے:

" اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ " —— استثنا منقطع ہے یعنی جس نے علم و یقین کے ساتھ حق کی گواہی دی، وہ سفارش و شفاعت کر سکیں گے اور اس سے مراد اصحاب الشفاعۃ ہیں، یعنی شافع اور مشفوع صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی علیہ السلام سے پوچھا:

" من اسعد الناس بشفاعتك يا رسول الله؟ فقال لقد ظننت يا ابا هريرة ان لا يسألنى عن هذا الحديث اول منك لما رأيت

"یارسول اللہ ؐ! سب لوگوں سے زیادہ آپؐ کی شفاعت کی سعادت کن لوگوں کو حاصل ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اے ابوہریرۃ،

---

[1] : الزخرف : ۸۶

حرصك على الحديث. اسعد الناس بشفاعتي من قال "لا الٰہ الا اللہ" خالصاً من قلبہ "۔

میرا گمان یہی تھا کہ تجھ سے پہلے اس حدیث کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں کرے گا۔ کیونکہ میں تجھے حدیث شریف کا بڑا شوقین دیکھتا ہوں سب لوگوں سے زیادہ میری شفاعت کی خوش نصیبی اس کو حاصل ہوگی جو سچے دل سے "لا الٰہ الا اللہ" کہے گا!"

آپ ﷺ نے شفاعت کی سعادت کا زیادہ حقدار اس کو فرمایا جس کا اخلاص کامل ترین ہے ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علیّ فانه من صلی علیّ مرة صلی الله عليه بها عشرا ثم سلوا الله لی الوسيلة فانها درجة فی الجنة لا تنبغی الا لعبد من عباد الله وارجو ان اكون ذالك العبد فمن سأل الله لی الوسيلة حلت عليه شفاعتی يوم القيامة "۔

"جب تم مؤذن کی اذان سنو تو وہی کلمات دہراؤ جو وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلے کا سوال کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو نصیب ہوگا۔ مجھے امید ہے وہ بندہ میں ہوں گا جس نے میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلے کا سوال کیا، قیامت کے روز اس کی شفاعت مجھ پر حلال ہوگئی!"

جزاء جنسِ عمل سے ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ جس نے مجھ پر ایک بار درُود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود (رحمتیں) بھیجتا ہے۔ اور جس نے میرے لئے وسیلے کا سوال کیا، اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہوگی۔ یہ نہیں فرمایا "وہ میری شفاعت کی سعادت سب سے زیادہ حاصل کرے گا" بلکہ فرمایا "میری شفاعت کی سعادت سب سے زیادہ اس کو حاصل ہوگی جس نے "لا الٰہ الا اللہ" سچے دل سے پڑھا ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نیک بندے

کو بھی شفاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت جتنی توحید و اخلاص سے حاصل ہو گی کسی اور نیک عمل مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وسیلے کا سوال کرنے وغیرہ سے نہیں ہو گی تو جن اعمال سے آپؐ نے روک دیا ہے، ان سے کس طرح شفاعت کے لائق بن سکے گا، غیر شرعی اعمال سے دین و دنیا کی کوئی بھلائی وابستہ نہیں ہے۔ مثلاً عیسائیوں کے حضرت مسیحؑ کے بارے میں غلو نے ان کو نقصان تو دیا ہے، فائدہ کوئی نہیں دیا، اس کی نظیر آپؐ سے ایک صحیح حدیث میں ہے آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"ان لکل نبیّ دعوۃ مستجابۃ وانّی اختبأت دعوتی شفاعۃ لامّتی یوم القیامۃ فھی نائلۃ ان شاء اللہ من مات لا یشرک باللہ شیئا !"

"ہر نبی کے لئے ایک مقبول دعاء ہے۔ میں نے اس دُعاء کو قیامت کے دن اپنی اُمّت کی شفاعت کے لئے چھپا رکھا ہے وہ ان شاء اللہ ہر موحد غیر مشرک کو پہنچے گی۔"

شفاعت کی سب احادیث میں یہی مضمون ہے کہ شفاعت اہلِ توحید کی ہو گی جس درجے میں کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اخلاص میں ہو گا، اسی کے مطابق اس کو اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت وغیرہ کی کرامت حاصل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ و وعید، ثواب و عقاب، حمد و ذم کو بندے کی توحید و اخلاص اور ایمان و طاعت کے ساتھ منسلک کر دیا ہے۔ جتنا کوئی ان میں کامل ہو گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے گا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ اپنے سب مسلمان اور کافر بندوں کو رزق دیتا ہے، ان سے سختیاں دور فرماتا ہے، اور وہ اسی کا مشکلات و مصائب میں قصد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ۝ [1]

"اور جو نعمتیں تمہیں میسر ہیں سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کے آگے گڑگڑاتے ہو۔"

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ

"کہہ دو رات اور دن میں کون تمہاری حفاظت

---

[1] النحل : ۵۳

الرَّحْمٰنِ - الآیۃ !" (الانبیآء : ۴۲) کرتا ہے، رحمٰن کی بجائے؟"

یعنی "رحمٰن کے سوا" یہ سب سے صحیح قول ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ۝[1] "اور اگر ہم چاہتے تو تمہاری جگہ زمین میں فرشتوں کو خلیفہ بنا دیتے۔"

یعنی "تمہارے بدلے فرشتوں کو خلیفہ بنا دیتے" عام مفسرین نے اسی طرح بیان کیا ہے چنانچہ شاعر کا قول ہے ؎

فليت لنا من ماء زمزم شربة
مبردة باتت على طهيان

"کاش ہمارے لئے ماء زمزم کے بدلے ٹھنڈا مشروب ہوتا جس نے رات اونچے بادل کے پاس بسر کی ہو۔"

الغرض مخلوقات کی رات اور دن، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حفاظت نہیں کرتا اور نہ سختیوں کو ان سے روکتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ۝ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ۝[2]

"بھلا ایسا کون ہے، جو تمہاری فوج ہو کر اللہ تعالیٰ کے سوا تمہاری مدد کرے؟ کافر تو دھوکے میں ہیں۔ بھلا اگر وہ اپنا رزق تم سے بند فرمائے تو کون تم کو رزق دے سکتا ہے؟ لیکن وہ سرکشی اور نفرت میں پھنسے ہوئے ہیں۔"

جو کوئی یہ گمان کرے کہ زمین کا کوئی خاص ٹکڑا ہر حالت میں اپنے اوپر رہنے والوں کی بلائیں ٹالتا ہے، یا یوں کہے کہ انبیاء وصالحین کی قبروں سے بلائیں ٹلتی ہیں، وہ سخت غلطی پر ہے۔ سب دنیا سے افضل مکہ مکرمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے باشندوں کو بڑا اور شدید عذاب دیا چنانچہ ارشاد ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ

"اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرمائی ہے جس کو ہر طرح کا امن وچین نصیب تھا ہر

---

[1] الزخرف : ۶۰ [2] الملک : ۲۰-۲۱

مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ۝[1]

طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا مگر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بد اعمال کے بدلے ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ اور ان کے پاس انھی میں سے ایک پیغمبر آیا۔ انہوں نے اس کو جھٹلایا۔ سو ان کو عذاب نے آپکڑا اور وہ ظالم تھے۔"

زیارتِ قبور کا حکم باختلافِ مقاصد

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے "الجواب الباہر لمن سأل من ولاۃ الامر عما افتی بہ فی زیارۃ المقابر" میں کئی فصلوں میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ جس زیارت میں کسی شرعی حکم کا ترک، یا کسی ممنوع فعل کا کرنا موجود ہو، وہ مشروع نہیں ہے۔

شیخ الاسلام قدس اللہ روحہٗ فرماتے ہیں "مسلمانوں میں زیارتِ قبور کے مسئلہ میں نزاع موجود ہے۔ سلف کا ایک گروہ کہتا ہے کہ زیارتِ قبور ممنوع ہے اور اس کی ممانعت منسوخ نہیں ہوئی۔ نسخ کی احادیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نہیں کیں اور وہ مشہور نہیں ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "باب زیارۃ القبور"، کی تبویب میں ایک عورت کی حدیث سے، جو قبر پر رو رہی تھی، اس پر دلیل لی ہے۔ ابن البطال رحمۃ اللہ علیہ نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے کہ "اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں اپنی بیٹی کی قبر کی زیارت کرتا"۔ امام نخعیؒ فرماتے ہیں کہ "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زیارتِ قبور کو ناپسند کرتے تھے"۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ امام مالکؒ سے زیارتِ قبور کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپؒ نے فرمایا "پہلے آپؐ نے منع فرمایا تھا، بعد میں اجازت دے دی۔ اگر کوئی شخص قبروں کی زیارت کرے اور وہاں کلمہ خیر کے علاوہ (شرک و بدعت کی) کوئی بات نہ کرے تو کوئی ہرج نہیں ہے، لیکن لوگ احتیاط نہیں کرتے"۔ یہ بھی مروی ہے کہ "آپؒ زیارت کے مسئلے کو کمزور سمجھتے تھے"۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں مطلقِ

---

[1] النحل: ۱۱۲، ۱۱۳

علماء زیارتِ قبور سے منع فرمایا تھا۔ بعض کہتے ہیں "اس لئے منع کیا تھا کہ اس سے شرک کی راہیں کھلتی ہیں" بعض کہتے ہیں "وہاں نوحہ کرنے کی وجہ سے روکا تھا" بعض کہتے ہیں "اس لئے کہ لوگ وہاں ایک دوسرے کے مقابلے میں فخر ومباہات کا اظہار کرتے تھے" علماء کے ایک گروہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ" کی تشریح میں ذکر کیا ہے: "کانوا یتکاثرون بقبور الموتی" کہ "وہ لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنے مُردوں کی قبروں کی کثرت پر فخر کرتے تھے"۔ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے "یہ قبروں کی کثرت سے زیارت کرنے پر جھڑکی اور ملامت ہے کہ تم زیارتِ قبور اپنے سلف کی کثرت وشہرت کی خاطر بہت زیادہ کرتے ہو۔ یہاں تک کہ تم نے اس وجہ سے علم وعبادت سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ حالانکہ،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها ولا تقولوا هجرا" — "میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، ان کی زیارت کرو لیکن نازیبا گفتگو نہ کرو۔"

معلوم ہوا آپؐ نے اس آیت کے معنی کی خاطر منع فرمایا تھا۔ پھر عبرت پذیری کی خاطر اجازت دے دی، نہ کہ فخر ومباہات اور قبروں کو نرم اور قیمتی پتھروں سے کوہان کی طرح بلند کرنے کے لئے اور ان کو عورتوں کے جمگھٹے اور پتھروں کے تابوت بنانے کے لئے" یہ ابن عطیہؒ کی تفسیر کا اقتباس ہے۔

بہرحال اس پر علماء متفق ہیں کہ "ابتداء میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور اور کدو کے برتن، سبز رنگ کے مرتبان، رال سے روغن کردہ برتن، اور کھود کر بنائے گئے لکڑی کے برتن میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا"۔ اور اس میں علماء مختلف ہیں کہ کیا یہ منسوخ ہو گیا تھا؟ ایک گروہ کہتا ہے؛ "منسوخ نہیں، کیونکہ نسخ کی احادیث مشہور نہیں اسی لئے امام بخاریؒ نے ان کو روایت نہیں کیا جس سے عام نسخ ثابت ہو"۔ اکثر علماء کہتے ہیں "یہ منسوخ ہو چکا ہے" پھر بعض کہتے ہیں؛ "اباحت کے لئے نسخ تھا۔ زیارۃ القبور مباح ہے مستحب نہیں"۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں ایک قول ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ جب نہی کے بعد صیغہ امر استعمال ہو تو اس سے اباحت مراد ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

"کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها، — "میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا اب ان

وکنت نھیتکم عن الانتباذ فی الاوعیۃ فانتبذوا ولا تشربوا مسکراً"

کی زیارت کرو اور میں نے بعض برتنوں میں نبیذ بنانے سے روکا تھا تو اب نبیذ بنا لیا کرو مگر دیکھو نشہ آور مشروب نہ پینا۔"

ایک روایت میں ہے: "ولا تقولوا ھجراً" یعنی "قبروں کی زیارت کے وقت خلافِ شریعت بات نہ کرنا"۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زیارتِ قبور کی ممانعت اس لئے تھی کہ لوگ وہاں جا کر بُری اور خلافِ شریعت باتیں کرتے تھے آپ ﷺ نے اس برائی کا دروازہ بند کرنے کے لئے قبروں کی زیارت سے روکا تھا جس طرح کہ بعض برتنوں میں نبیذ بنانے سے روکا تھا کیونکہ ان برتنوں میں سرور پیدا کرنے والی تیزی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا پتہ نہیں لگتا اُس طرح پینے والا نبیذ کے نام سے شراب پی لیتا ہے اور اس کو پتہ بھی نہیں لگتا۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ زیارتِ قبور مُردوں کیلئے دُعا اور ان کو سلام کہنے کے لئے مستحب ہے خود رسولِ کریم بقیع کے قبرستان میں تشریف لے جاتے اور ان کیلئے دُعا کرتے تھے صحیحین میں ثابت ہے کہ آپؐ شہداء اُحد کے قبرستان میں تشریف لے گئے اور ان کے لئے وہی دُعائیں کیں، جو مُردوں کے لئے کی جاتی ہیں۔ گویا آپ ﷺ زندوں اور مُردوں کو الوداع کہہ رہے تھے۔ صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو زیارتِ قبور کی دُعا سکھاتے تھے:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ دَارِ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ، یَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَمِنْکُمْ وَالْمُسْتَأْخِرِیْنَ، نَسْأَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَھُمْ"

"اے مومن قوم کی بستی والو! تم پر سلام ہو، ہم بھی تمہارے پاس آنے والے ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ ہم سے اور تم سے پہلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت مانگتے ہیں۔ اے اللہ، ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کر اور ان کے بعد ہم کو فتنے میں نہ ڈال۔ ہم کو اور ان کو بخش دے!"

یہ مومنوں کی قبروں کی زیارت کے بارے میں ہے اور کافر کی قبر کی زیارت محض آخرت کی یاددہانی کے لئے ہے۔ ان کے لئے استغفار جائز نہیں ہے۔ صحیح حدیث میں نبی ﷺ سے ثابت ہے، آپ ﷺ نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی تو رو پڑے اور آپ کے ساتھی صحابہؓ بھی رونے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"استأذنت ربّي في أن أزور قبرها فأذن لي واستأذنته في أن أستغفر لها فلم يأذن لي فزوروا القبور فإنها تذكركم الآخرة"

"میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی، وہ دے دی گئی پھر میں نے والدہ محترمہ کے استغفار کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہ ملی۔ قبروں کی زیارت کیا کرو، وہ آخرت یاد دلاتی ہیں۔"

علماء میں یہ نزاع موجود ہے۔ ہر ایک شرعی دلیل سے حجت پکڑتا ہے — ہر ایک کے پاس وہ علم ہے، جو دوسرے کے پاس نہیں۔ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ۝ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا - الآية"[1]

"داؤدؑ اور سلیمانؑ کا ذکر سنو، جب وہ ایک کھیتی کے مقدمے کا فیصلہ کرنے لگے، جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے۔ ہم نے فیصلہ کرنے کا طریقہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا، ہم نے دونوں کو علم و حکمت سے نوازا تھا!"

النوع الاوّل

تینوں اقوال اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ اگر زیارت کے دوران شرک، جھوٹ، پکار اور نوحہ گری جیسے اعمال کا ارتکاب ہو اور نازیبا اور ناجائز باتیں کی جائیں، تو ایسی زیارت بالاجماع حرام ہے جیسی زیارت اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے والے اور اس کے احکام سے ناراض لوگ کرتے ہیں، لوگوں کی ایسی زیارت حرام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اسلام کے سوا کوئی دین قبول نہیں۔ اسلام کا معنیٰ ہے، اپنے خالق و آمر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہم ان حکموں کو مانتے ہیں، جو وہ ہمیں دیتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ ہمارا عمل اور ہماری دعوت ہے۔ ہم اسی کو مانتے ہیں اور اس سلسلہ میں اسی پر توکل کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ ہم اپنی نمازوں میں اللہ تعالیٰ کے اس

---

[1] الانبیاء: ۷۸، ۷۹

حکم کی تعمیل کرتے ہیں:

۱۔ وَ اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝[1]

"مدد چاہو صبر کرکے اور نماز پڑھ کر بلاریب اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

۲۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَىِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰ لِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ ۚ وَاصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝[2]

"صبح وشام اور رات کی (پہلی) چند ساعات میں نماز پڑھا کرو۔ بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ ان کے لئے نصیحت ہے، جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں۔ اور صبر کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

اور اس کے مطابق ہر نماز میں "اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ" (ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) پڑھتے ہیں۔

النوع الثانی

اگر قبروں کی زیارت، قرابت اور دوستی کی وجہ سے ہو تو مباح ہے جس طرح میت پر بغیر نوحہ گری اور پکار کے رونا مباح ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تھی اور رو دیئے تھے اور پاس موجود لوگ بھی رونے لگے تھے آپ ﷺ نے فرمایا تھا، "قبروں کی زیارت کیا کرو، وہ آخرت یاد دلاتی ہیں"۔ زیارتِ قبور ابتداء میں اس لئے منع تھی کہ زائرین وہاں جاکر ناجائز اور غلط کام کرتے تھے جب انہوں نے اسلام کو سیکھ اور پہچان لیا۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی، کیونکہ اس میں موت خوب یاد آتی ہے۔ بہت سے لوگ جب اپنے رشتہ دار کی قبر کو دیکھتے ہیں، تو انہیں اپنی موت یاد آجاتی ہے اور وہ اس کیلئے تیاری میں لگ جاتے ہیں۔ کبھی وہ جزع وفزع کرنے لگتے ہیں۔ دونوں قسم کے کام متعارض ہوتے۔ اگر زیارت سے مقصود طاعت ہو تو وہ فی نفسہ مباح ہے۔ اور اگر اس میں معصیت شامل ہو تو ایسی زیارت معصیت ہوگی!

---

[1] البقرة: ۱۵۳ [2] ہود: ۱۱۴ و ۱۱۵

النوع الثالث

تیسری زیارتِ میت کے لئے دعاء کی خاطر ہوتی ہے جس طرح نمازِ جنازہ ہوتی ہے یہ مستحب ہے اور اس کا استحباب حدیث شریف سے ثابت ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو زیارتِ قبور کی دعائیں اور طریقے سکھائے۔

جو لوگ مدینہ منورہ میں آئیں ان کے لئے مستحب ہے کہ قباء میں آئیں اور مسجدِ قباء میں نماز پڑھیں۔ جمہور کے نزدیک قبرستانِ بقیع اور شہدائے احد کی طرف جانا بھی مستحب ہے، جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔ جو زیارت اہلِ قبور کے لئے دُعاء کی خاطر کی جائے، اس کی حیثیت نمازِ جنازہ کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو پکارنے اور ان قبروں کو مساجد بنانے کا قصد وارادہ شامل نہ ہو۔ نہ ہی قبروں کے پاس دُعاء کی قبولیت کی بناء پر یا مسجدوں اور گھروں میں دعاء سے، وہاں دعاء کرنا افضل سمجھا جائے۔ میت کے لئے نمازِ جنازہ، اہلِ قبر کے لئے دعاء سے، بالاتفاق افضل ہے یہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ فرضِ کفایہ ہے اور بطریقِ تواتر مسلمانوں کے درمیان متفق علیہ ہے۔ اگر کوئی انسان میت کی چارپائی کے پاس آکر اس کو پکارے اور اس سے فریاد رسی چاہے، یہ بالاتفاق حرام اور شرک ہے۔ اگر اس کو آواز دے اور نوحہ کرے، تو بھی دوسرے درجے پر حرام ہے!

اگر اہلِ شرک اور نوحہ گر اپنی زیارت کے جواز کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلِ بقیع اور اہلِ اُحد کی زیارت کو دلیل بنائیں، تو اس سے بڑھ کر گمراہی کیا ہو سکتی ہے؟ یہ تو یوں ہی ہے جیسے کوئی نمازِ جنازہ سے میت کو شریک بنانے کا جواز نکال لے اور اس کو پکارا جائے، اس کو آواز دی جائے اور اس پر نوحہ کیا جائے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل و عمل تو سراسر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی فرمانبرداری ہے جس پر فاعل کو ثواب اور میت کو نفع پہنچتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ اس سے کوئی اس کی دلیل لے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اہلِ قبر کو شریک بنانا اور میت کو ایذاء پہنچانا اور بندے کا اپنی جان پر ظلم کرنا جائز ہے، جس طرح مشرکین اور اہلِ جزع زیارتیں کرتے ہیں، تو یہ غلط ہے۔ وہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے خالص بندگی نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے حکم کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہر وہ زیارت بالکل منع ہے جس میں کوئی ممنوع فعل ہو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا ترک لازم آئے۔ مثلاً

جزع فزع کی جائے، نازیبا باتیں کی جائیں، صبر کو ترک کر دیا جائے اور اس میں شرک کو شامل کیا جائے، یا اس میں ندائے غیر اللہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے دین خالص کو ترک کر دیا جائے بلکہ جس زیارت میں شرک اور ندائے غیر اللہ وغیرہ ہو، وہ پہلی سے شدید تر ممنوع ہے۔ قبر کی طرف رُخ کر کے یا قبر کے پاس نماز نہ پڑھی جائے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرما دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"لا تصلوا الی القبور ولا تجلسوا علیھا" "نہ قبروں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو، نہ ان پر بیٹھو" (صحیح مسلم)

زیارتِ قبور ـــــ مشروع، غیر مشروع!

زیارتِ قبور کے دو طریقے ہیں، ایک سے نبی کریم ﷺ نے منع فرما دیا ہے اور اس کے غیر مشروع ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ ان کو مساجد بنایا جائے، ان کو بت بنایا جائے، ان کو عید بنایا جائے! نیز شرعی نماز کے لئے ان کا قصد کرنا جائز نہیں اور نہ ان کی عبادت کی جائے جس طرح بتوں کی کی جاتی ہے۔ نہ وہاں عید اور عرس منایا جائے کہ مقررہ وقت پر لوگ جمع ہوں، جس طرح مسلمان عرفہ اور منیٰ کے میدانوں میں جمع ہوتے ہیں۔

شرعی زیارت اکثر کے نزدیک مستحب ہے، بعض مباح کہتے ہیں، بعض مطلقاً منع کرتے ہیں۔ ادلّہ شرعیہ کی رو سے علماء کے مطلق اجازت دینے کو مقید سمجھا جائے۔

زیارت کی تفصیل تین قسموں پر (۱) ممنوع (۲) مباح (۳) مستحب ـــ یہ درست ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں، زیارت کے لئے صرف ان جگہوں پر جانا جائز ہے، مسجد نبوی، مسجدِ قباء، اہلِ بقیع، اہلِ احد نبی کریم ﷺ ان دونوں مسجدوں اور مقبروں کا قصد و ارادہ فرمایا کرتے تھے۔

جمعہ کے روز اپنی مسجد میں نمازیں ادا فرماتے، ہفتے کے روز قباء میں جاتے۔ صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"انّ النبیّ کان یأتی قباء کل سبت راکبًا وماشیًا فیصلّی فیہ رکعتین" "نبی کریم ﷺ کبھی پیدل کبھی سوار ہفتے کے روز قباء میں تشریف لے جاتے۔ اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرماتے"

نہی کی احادیث صحیحین میں بکثرت اور مشہور ہیں۔ مثلاً رسولِ اکرمؐ نے فرمایا:

"لعن اللہ الیہود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد"

یعنی "اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنالیا تھا"

پھر شیخ الاسلامؒ نے اس موضوع پر بہت سی احادیث بیان کی ہیں جن کا ذکر کئی بار گزر چکا ہے۔ ان میں سے ایک رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کو حضرت ابنِ مسعودؓ نے روایت فرمایا ہے:

"انّ من شرار النّاس من تدرکھم السّاعة وھو احیاءٌ والّذین یتّخذون القبور مساجد"

"بدترین لوگ وہ ہیں جن کی زندگی میں قیامت آئے گی، اور جو قبروں کو مساجد بنالیتے ہیں"

اس کو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اور ابوحاتمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ سنن ابی داؤد میں آپؐ سے مروی ہے:

"لا تتخذوا قبری عیدًا وصلّوا علیّ فانّ صلٰوتکم تبلغنی"

یعنی "میری قبر کو عید اور عرس نہ بنانا مجھ پر درود پڑھو تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے"

موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یُعبد اشتدّ غضب اللہ علیٰ قوم اتّخذوا قبور انبیاءھم مساجد"

"اے اللہ! میری قبر کو بُت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہے اس قوم پر جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا"

اس کے بعد سنن سعید بن منصور میں ایک مشہور اثر کا ذکر فرمایا ہے کہ جب ائمہ کرام نے آپؐ کی قبر کی زیارت میں سلام اور اتباعِ سنّت کا ارادہ کیا، انہوں نے قابلِ اعتماد حدیث تلاش کی تو حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی سنن کی اس حدیث پر اعتماد کیا جس کو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ما من رجل مسلم یسلّم علیّ الّا ردّ اللہ علیّ روحی حتّٰی اردّ علیہ السلام"

"جب کوئی مسلمان مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے۔ پھر میں اس کے

سلام کا جواب دیتا ہوں"۔

امام ابوداؤدؒ کا عمل و مسلک بھی یہی ہے انہوں نے زیارتِ قبور کے باب میں یہی ایک حدیث بیان فرمائی ہے۔ اور باب کا عنوان ہے "باب زیارۃ القبر"، حالانکہ اس میں اختلاف و نزاع ہے کہ آیا یہ حدیث اپنے مقصود پر دلالت کرتی ہے؟ اس سے "بالاتفاق" ہر زیارت پر دلالت نہیں ہوتی۔ اب بحث یہ رہ جاتی ہے کہ کیا اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس سلام کہنا ہے؟ جس طرح جب کوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوتا تو آپؐ بھی سلام کہتا تھا یا حجرہ شریف کے باہر سے سلام کہنا ہے؟ جنہوں نے اس حدیث کو مدارِ استدلال بنایا ہے، انہوں نے دونوں مفہوم مراد لئے ہیں۔ اس مسئلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سے زیادہ جو کچھ ثابت ہوتا ہے، وہ یہی ہے کہ قبر پر سلام کہا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور دور سے صلوٰۃ و سلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں۔ نسائی شریف میں آپؐ سے مروی ہے:

"ان للہ ملائکۃ سیاحین یبلغونی عن امتی السلام!" "اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے چلتے پھرتے رہتے ہیں اور مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں"۔

سنن میں اوس بن اوس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اکثروا علیّ من الصلوٰۃ یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ فانّ صلوٰتکم معروضۃ علیّ قالوا کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت؟ فقال انّ اللہ حرّم علی الارض ان تاکل لحوم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم تسلیما!)"

"جمعہ کے دن اور رات مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرو، تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا"۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی "آپؐ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا، جب کہ آپؐ مٹی میں مل جائیں گے؟" آپؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے گوشت کو زمین پر حرام کر دیا ہے!"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مؤطا میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ذکر کیا ہے کہ وہ آتے تھے اور کہتے تھے: "السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا ابابکر۔ السلام علیک یا ابتاہ" یہ کہہ کر واپس چلے جاتے تھے۔ ایک روایت میں ہے جب آپ رضی اللہ عنہ سفر سے واپس آتے تو یہ کہتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس صرف یہی ایک اثر ہے جس میں حجرہ شریف کے

پاس سلام کہنے کا ثبوت ہے اس سے زائد مثلاً وہاں کثرتِ صلوٰۃ وسلام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعاء کرنے کے لئے ٹھہرنا وغیرہ کو وہ ناپسند کرتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ بدعت ہے سلف رحمہ اللہ نے ایسے نہیں کیا اور اس اُمت کے آخری لوگ اسی طریقے سے درست ہوں گے جس سے پہلے لوگ درست ہوئے تھے۔" زیارتِ قبور کے مسئلے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا مذہب معلوم کرنے کے لئے ہم نے یہ بحث ان کی ایک تصنیف "الجواب الباہر" سے نقل کی ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ جھوٹ اور بہتان، امام موصوف پر غالی شافعیوں اور جھگڑالو نبہانی کی طرف سے لگائے گئے ہیں قطعاً غلط ہیں۔

مالکی علماء کے اعتراضات اور شیخ الاسلام کے جوابات

امام ابن تیمیہؒ نے زیارت کے مسئلے پر ایک اور کتاب بھی لکھی ہے، اس میں بعض مالکی علماء کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ ہم موقعہ ومحل کی مناسبت سے اس کے بعض حصے بیان کرتے ہیں۔

معترض مالکی نے کہا ہے: "رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کی زیارت میں کئی صحیح اور غیر صحیح احادیث موجود ہیں جو غیر صحیح ہیں، ان سے بھی شرعی احکام پر استدلال درست ہے اور وہ وجہِ ترجیح بن سکتی ہیں۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا جواب کئی طریقوں پر ہے:

۱:- اگر احادیث صحیح ہیں، تو وہ مطلق زیارت پر دلالت کرتی ہیں اور فتویٰ میں مطلق زیارت کی نفی نہیں ہے۔ اور نہ جواب میں اس سلسلہ کا کوئی اختلاف ونزاع نقل کیا گیا ہے اس میں جس نزاع کا ذکر ہے، وہ اس سفر میں ہے جو صرف انبیاء و اولیاء کی قبروں کی طرف کیا جائے اگر اس مسئلے میں کوئی صحیح حدیث ہے بھی، تو وہ بحث سے متعلق نہیں ہے اور نہ ہی اس حدیث سے مجیب کے ذکر کردہ نزاع و اجماع کو کوئی نقصان پہنچتا ہے۔

۲:- اگر یہ بات درست بھی ہو کہ روضہ نبوی کی زیارت کے حق میں صحیح احادیث موجود ہیں، تو ان سے مراد وہی ہے جو بعض علماء نے کہا: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت مستحب ہے۔ یعنی جب کوئی مسجد نبوی کی طرف سفر کر کے آئے اور مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرے اس سے یہ مراد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس جائے اور درود شریف پڑھے۔ مجیب نے خود اس کو مستحب قرار دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ استحباب نص و اجماع سے ثابت ہے (جو کوئی ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

پر یہ بہتان لگائے کہ آپ اس کو مستحب نہیں سمجھتے جس کو مسلمانوں کے علماء مستحب سمجھتے ہیں۔ تو وہ اسی سزا کا مستحق ہے، جو جھوٹوں اور افتراء پردازوں کی ہوتی ہے۔

آپ اس طریقے پر روضہ نبوی کی زیارت کو مستحب سمجھتے ہیں کہ جس میں اجماع ہوا، نہ کہ نزاع!)

۳۔ معترض کا یہ کہنا کہ اس مسئلہ میں صحیح احادیث وارد ہیں، محض دعویٰ بلا دلیل ہے۔ جب اس سے کہا جائے، ہم اس دعویٰ بلا دلیل کو نہیں مانتے تو اس کو کوئی جواب نہ بن پڑے۔ اس نے ان احادیث میں سے صرف درج ذیل حدیث بیان کی ہے:

"کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها۔" "میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، اب ان کی زیارت کر لیا کرو۔"

اسی طرح اس نے جو اہلِ بقیع اور شہداء اُحد کی زیارت کو بیان کیا ہے، وہ درست ہے۔ اور اس کے علاوہ اس نے کوئی صحیح حدیث ذکر نہیں کی۔ لہٰذا اس کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

۴۔ ہم کہتے ہیں، اس کا یہ قول باطل ہے۔ صحیح احادیث کی معرفت رکھنے والے مسلمانوں کے علماء میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی۔ اہلِ معرفت کے نزدیک ایسی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے، جو روضہ نبوی کی زیارت کے صریح لفظ سے مروی ہو۔ حدیث کی صحیح کتابوں کے مؤلفین نے بھی ایسی کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ اور سنن ابی داؤد، نسائی، ترمذی، اس پایہ کی دوسری کتابوں میں اس طرح کی حدیث موجود نہیں اور نہ مسند احمد میں، نہ مؤطا امام مالک میں، نہ مسند امام شافعی وغیرہ میں ایسی کوئی صحیح حدیث مروی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم جیسے ائمۃ المسلمین میں سے کسی امام نے ایسی حدیث سے دلیل نہیں لی، جس میں روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا ذکر ہو۔ اب اس مسئلہ میں صحیح حدیث کیسے ہو سکتی ہے، جو ائمہ دین اور علماء حدیث میں سے کسی کے علم میں نہ ہو؟ ایسے لوگوں کو، جو صحیح حدیث کی معرفت نہیں رکھتے، کیسے معلوم ہوا کہ وہ احادیث صحیح ہیں؟

۵ اس کا یہ کہنا کہ "بعض ایسی احادیث ہیں، جو درجہ صحت کو نہیں پہنچتیں، مگر ان سے شرعی مسائل کا استدلال جائز ہے اور ان سے ترجیح حاصل ہوتی ہے۔" اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ اور ان کے بعد کے

لوگوں کی اصطلاح کے مطابق احادیث تین قسم کی ہیں: صحیح، حسن اور ضعیف۔ ضعیف، موضوع بھی ہو سکتی ہے کہ جس کا کذب معلوم ہو چکا ہو اور کبھی وہ موضوع نہیں ہوتی۔ جو صحیح نہ ہو مگر اس اصطلاح کے مطابق وہ حسن ہو تو اس سے استدلال جائز ہے۔ اس نے ایک حدیث بھی بیان نہیں کی جس کو اس نے حسن کہا ہو تا کہ اس سے استدلال جائز ہو۔ ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ قابلِ استدلال ایک حدیث بھی اس مسئلے میں وارد ہے، یہ کھوکھلا دعویٰ ہے۔

۶۔ اس مسئلے میں ایک حدیث بھی قابلِ استدلال نہیں ہے۔ بلکہ سب ضعیف، بلکہ موضوع ہیں۔ جیسا کہ کئی مقامات پر اس کی تشریح موجود ہے میں نے اس مسئلے میں وارد شدہ ایک ایک حدیث کو بیان کر کے اس کے بارے میں ائمہ کرام کا تبصرہ بیان کر دیا ہے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کسی سے ایسا قول منقول نہیں جس میں روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے الفاظ ہوں۔ کیونکہ ان کے عہد میں یہ مسئلہ ہی نہیں تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تو مطلق "زیارتِ قبور" کے لفظ کے خلاف کسی لفظ کو پسند نہیں فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیارتِ قبور کا لفظ ہی معروف ہے قرآنِ مجید میں ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۝ (التکاثر: ۱-۲) "تمہیں بہتات کی خواہش نے اندھا اور غافل کر دیا ہے، یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں"

اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں "زیارتِ مقابر" سے مراد "موت" ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک "مُردوں کی کثرت پر فخر کرنا" مراد ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کا لفظ نہ تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جتنی احادیث اس سلسلہ میں مروی ہیں، وہ اہلِ علم کے نزدیک سب ضعیف، بلکہ جھوٹی اور من گھڑت ہیں۔ اس مسئلے کو کئی جگہوں پر شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔

۷۔ امام مالکؒ، ابن حبیب، احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤدؒ اور دوسرے علماء نے حجرہ شریف کے پاس سلام کے استحباب کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے ثابت کیا ہے۔ اور وہ حدیث جس کو امام ابوداؤدؒ نے جید سند کے ساتھ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ما من رجل یسلّم علیّ الّا ردّ اللہ روحی حتّٰی اردّ علیہ السّلام"[1] — "جو کوئی آدمی مجھے سلام کہتا ہے، اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹاتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔"

قبرِ نبوی پر سلام کا مسئلہ

قبر پر سلام کو مستحب کہنے والوں حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبیب اور دوسرے علماء کی دلیل کا سارا دارومدار اسی پر ہے۔ سنن اور مسند میں جو معروف حدیث ہے، اس میں "عند قبری" کا لفظ موجود نہیں ہے مگر ان علماء نے اس حدیث سے یہی سمجھا۔ اگر اس حدیث سے اس جگہ کو سلام کے لئے مخصوص کر دیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ مشرق و مغرب میں جو کوئی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھتا ہے، آپ اس کو جواب نہیں دیتے، تو پھر ہر لحاظ اور ہر پہلو سے اس حدیث سے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ اگر اس حدیث میں سلام سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس سلام مراد ہو جیسا کہ عام علماء نے سمجھا ہے، تو پھر اس میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ کیا حجرہ شریف کے باہر سلام کہنے والا بھی اس میں شامل ہے؟ حدیث کی دلالت میں لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں، اس سے مراد صرف وہ شخص ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس سلام کہے جس طرح لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عہد میں اندر جاتے تھے، اور نبی کریم پر سلام کہتے تھے ——— یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قبر شریف کے پاس سلام کہتے تھے۔ عام مسلمانوں کا بھی یہی حکم ہے۔ حدیث میں ہے:

"ما من رجل یمرّ بقبر الرّجل کان یعرفہ فی الدّنیا فیسلّم علیہ الّا ردّ اللہ علیہ روحہ، حتی یردّ علیہ السّلام"[2] — "جو شخص ایسے شخص کی قبر کے پاس سے گزرے، جس سے اس کی دنیا میں جان پہچان تھی، اور وہ اس کو سلام کہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو لوٹاتے ہیں اور وہ اس کو سلام کا جواب دیتا ہے۔"

وہ کہتے ہیں: جو مسجد میں ہو تو وہ ان لوگوں میں شمار نہیں ہوتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس سلام کہتے ہیں۔ بلکہ اس کا سلام ایسا ہی ہے جیسا کہ نماز میں اور مسجد میں داخل و خارج ہونے وقت سلام کہنا ہے۔ اسی سلام کا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

"صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا!" — "آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھو۔"

---

[1] [2] ان احادیث کی صحت پر علماء نے کلام کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے، شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کا رسالہ "مسئلہ حیات النبی" ——— نیز ملاحظہ ہو، زیرِ نظر کتاب صفحہ ۲۹۵ (مترجم)

اس سلام کے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ جس نے ایک بار آپ ﷺ پر سلام پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار سلام پڑھتا ہے، جس طرح کسی نے ایک بار آپ ﷺ پر درود شریف پڑھا، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ دس بار رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ یہ اثر "من صلّی علیّ مرّةً صلّی اللہ علیہ بها عشراً" کئی سندوں سے ثابت ہے، بعض ان میں سے صحیح ہیں، مثلاً صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول، ثم صلّوا علیّ فانّه من صلّی علیّ مرّة صلّی اللہ علیه بها عشرا، ثم سلوا اللہ لی الوسیلة فانها درجة فی الجنة لا تنبغی الّا لعبد من عباد اللہ وارجو ان اکون ذالك العبد، فمن سأل اللہ لی الوسیلة حلّت علیه شفاعتی یوم القیامة۔"

"جب تم مؤذن کو سنو تو وہی کلمات دہراؤ جو وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں نازل فرماتا ہے پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلے کا سوال کرو وسیلہ جنت کا ایک درجہ ہے، جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لائق ہے میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا جس نے میرے لئے وسیلے کا سوال کیا اس کے لئے میری شفاعت قیامت کے دن حلال ہو گی۔"

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے، جیسا کہ حضرت علاء ابن عبدالرحمٰن کی حدیث میں ہے:

"عن ابیه عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال من صلّی علیّ واحدة صلّی اللہ علیه عشرا۔"

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں نازل فرماتا ہے۔"

اسی طرح سلام کے بارے میں بھی احادیث میں آیا ہے سب سے مشہور حدیث عبداللہ بن مبارک کی حدیث ہے جس میں وہ حماد بن سلمہ سے، وہ ثابت بنانی سے، وہ سلیمان مولی الحسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہما سے، وہ عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے، وہ اپنے باپ سے، وہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

"انه جاء ذات یوم والبشری فی وجهه" فقال انه جاءنی جبریل فقال، اما یرضیك یا محمد، ان الله یقول انه لا یصلی علیك احد من امتك الا صلیت علیه عشرا ولا یسلم علیك احد من امتك الا سلمت علیه عشرا"

"ایک دن رسول کریم ﷺ خوش وخرم تشریف لائے خوشی آپ کے چہرہ مبارک سے نمایاں تھی آپ نے فرمایا "میرے پاس جبرائیل آئے تھے، انہوں نے کہا اے محمد ﷺ کیا آپ اس پر خوش نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جو کوئی آپکی امت سے آپ پر ایک بار درود شریف پڑھے گا میں اس پر دس بار رحمت کردوں گا اور جو کوئی آپکی امت میں سے آپ پر ایک بار سلام پڑھے گا، میں اس پر دس بار سلام بھیجوں گا"

اور بہت سی احادیث میں ہے "جو کوئی آپ پر درود پڑھے، اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرتا ہے" ـــ اور جو کوئی آپ ﷺ پر سلام پڑھے اس پر سلام پڑھتا ہے" اس میں گنتی کا ذکر نہیں۔ مگر نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے۔ جس میں گنتی کا ذکر ہے وہ اس حدیث، کہ جس میں گنتی کا ذکر نہیں، کی تفسیر کرتی ہے۔ قاضی عیاض نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی آپ ﷺ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لقیت جبریل فقال لی: ابشرك ان الله یقول من سلم علیك سلمت علیه ومن صلی علیك صلیت علیه"

"میری جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے مجھے کہا میں آپ کو خوش خبری دیتا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جس نے آپ پر سلام پڑھا، میں اس پر سلام پڑھتا ہوں اور جس نے آپ پر درود پڑھا میں اس پر رحمتیں نازل کرتا ہوں"

اسی طرح حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے، مالک بن اوس بن حدثان سے اور عبداللہ بن ابی طلحہ سے روایت ہے۔ یہاں ان احادیث کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ وسلام کا جو حکم دیا ہے وہ اسی طرح ہے جس طرح آپ ﷺ نے اپنے لئے وسیلے کی دعاء کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ امر آپ کے ساتھ مخصوص ہے اگرچہ سلام عام طور پر

اللہ کے سب بندوں کے لئے مشروع ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خاص طور پر اس کا حکم دیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "صلوٰۃ" انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں!۔ بعض نے اس میں یہاں تک غلو کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی پر بھی "صلوٰۃ" کا استعمال مکروہ ہے بعض متاخرین نے "سلام" کو بھی غیر انبیاء کے لئے جائز نہیں سمجھا۔ لیکن صحیح بات وہی ہے، جو عام علماء کی ہے کہ "سلام" آپ کے سوا بھی جائز ہے۔ اور "صلوٰۃ" کا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے جواز ذکر کیا ہے۔ اس میں نزاع مشہور ہے۔ شیبان کی تفسیر میں حضرت قتادہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اذا سلّمتم علیّ فسلّموا علی المرسلین فانّما انا رسول مّن المرسلین"	"جب تم مجھ پر سلام کہو تو رسولوں پر بھی سلام کہا کرو میں بھی رسولوں میں سے ایک رسول ہوں!"

اسی طرح ابنِ ابی عاصم نے "کتاب الصلوٰۃ" میں اس کو روایت کیا ہے۔ ابنِ ابی حاتم وغیرہ نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ اس میں قتادہ کے حضرت انس بن مالک سے سماع کی تصریح نہیں ہے، بلکہ سعید بن ابی عروبہ کی تفسیر میں حضرت قتادہ سے مرسل روایت ہے خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مجید میں فرمایا ہے:

"قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى[1] الآیۃ!"	"کہہ دو سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور اس کے بندوں پر سلام ہے، جن کو اس نے منتخب فرمایا!"

اور فرمایا:

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝[2]	"سلام ہو رسولوں پر، اور سب تعریفیں اللہ رب العلمین کے لئے ہیں!"

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ اور حضرت الیاسینؑ

---

[1] النمل، ۵۹ [2] الصافات: ۱۸۱ و ۱۸۲

کا ذکر فرمایا تو ارشاد ہوا :

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ[1] — "ہم نے بعد میں آنے والوں میں ان کا ذکر خیر چھوڑا، سب جہانوں میں نوح (علیہ السلام) پر سلام ہو"

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ[2] — "ہم نے بعد میں آنے والوں میں ان کا ذکر خیر چھوڑا، ابراہیم (علیہ السلام) پر سلام ہو"

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ[3] — "ہم نے ان دونوں کا ذکر خیر بعد میں آنے والوں میں رکھا، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) و ہارون (علیہ السلام) پر سلام ہو"

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ[4] — "ہم نے اس کا ذکر خیر بعد میں آنے والوں میں قائم رکھا، حضرت الیاس (ع) پر سلام ہو"

یہ سلام جس کا آپؐ کے لئے خاص طور پر حکم ہے اور جو نماز وغیرہ میں مشروع ہے نبی کریمؐ سے روایت شدہ مختلف تشہدات میں ثابت ہے۔ مثلاً صحیحین کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اور حضرت ابو موسیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں جو مسلم شریف میں ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث جو مسانید وسنن میں موجود ہے۔ اس سلام کا تقاضا نہیں ہے کہ جس پر سلام کہا گیا ہو وہ جواب بھی دے بلکہ اس کی حیثیت وہی ہے جو ایک مومن کی مومنوں کے لئے دعاء و استغفار کی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ملتا ہے جن کے لئے دعاء و استغفار کیا جاتا ہے ان کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بھی دعاء کرنے والے کے لئے دعاء و استغفار کریں۔ ہاں سلامِ تحیۃ کے لئے ضروری ہے کہ سلام کہنے والے کو جواب دیا جائے، اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ عدل و انصاف کے عین مطابق ہے اسی لئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کے سلام کا "وعلیکم" کے ساتھ جواب دیا کرتے تھے۔ اور جب کوئی کسی خاص شخص کو سلام کہے تو اس پر جواب لازم ہوتا ہے۔ اگر کسی جماعت کو سلام کہے تو اس کے

---

[1] الصافات : ۷۸، ۷۹، [2] ایضاً ۱۰۸، ۱۰۹، [3] ایضاً: ۱۱۹، ۱۲۰، [4] ایضاً: ۱۲۹، ۱۳۰

جواب میں ہر ایک پر سلام کہنا لازم آتا ہے، یا یہ فرضِ کفایہ ہے؟ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں یہ دونوں قول مشہور ہیں۔

قبر کے زائر کا مومن میت کو سلام کہنا اسی باب سے ہے۔ اسی لئے مروی ہے کہ میت سلام کا جواب دیتی ہے۔[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام مسجدِ نبوی اور دوسری مساجد اور سب جگہوں پر کتاب وسنّت واجماع سے مشروع ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف حجرے کے اندر سلام کہنا ان لوگوں کے لئے ممکن تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا سکتے تھے۔ جبکہ حجرہ شریف کے قریب صلوٰۃ وسلام کو مخصوص کرنے میں نزاع ہے، اور علماء کے اس میں تین اقوال ہیں۔

بعض مسجد میں داخل ہوتے وقت صلوٰۃ وسلام کو مستحب جانتے ہیں، پھر مسجد میں نماز پڑھ کر قبر کے پاس جانے اور صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو بھی مستحب سمجھتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکاروں کے ایک گروہ نے اس کو ذکر کیا ہے۔ بعض وہ ہیں، جنہوں نے صرف دوسری صورت کا ذکر کیا ہے۔ اکثر سلف رحمۃ اللہ علیہم نے پہلی قسم ذکر کی ہے، جو مدینہ منورہ کے باشندوں اور مسافروں کے لئے مسجدِ نبوی، اور دوسری سب مساجد میں مشروع ہے۔

دوسری قسم میں اہلِ مدینہ اور مسافروں کے درمیان فرق ہے، چاہے پہلی قسم کے ساتھ کرے یا اس سے الگ۔ ابنِ حبیب وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے کہ جب کوئی مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو تو کہے:

"باسم اللّٰہ، وسلام علیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، السّلام علینا من ربّنا وصلّی اللّٰہ وملائکتہٗ علیٰ محمّد، اللّٰھمّ اغفرلی وافتح لی ابواب رحمتك وجنّتك وجنّبنی من الشّیطان الرّجیم!"	"میں اللہ کے نام سے داخل ہوتا ہوں۔ سلام ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور ہم پر ہمارے رب کی طرف سے سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اے اللہ مجھے بخش دے، میرے لئے اپنی رحمت اور جنت کے دروازے کھول دے، اور مجھے مردود شیطان سے بچائے رکھ۔"

پھر روضہ کا قصد کرو۔ روضہ سے مراد وہ جگہ ہے، جو قبر شریف اور منبر کے درمیان ہے۔ وہاں دو

---

[1] یہ ثابت نہیں، اس پر اشارہ گزر چکا۔ دیکھئے صفحہ ۲۴۴۔ (مترجم)

رکعت نماز قبر کے پاس وقوف سے پہلے ادا کرو۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو اور اللہ تعالیٰ سے اپنی اپنی حاجت روائی چاہو، اس سے مدد طلب کرو اور روضہ کے علاوہ مسجد میں کسی جگہ دو رکعت ادا کرو، تو کافی ہیں۔ مگر روضہ میں افضل ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"ما بین قبری ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ، ومنبری علی ترعۃ من ترع الجنۃ"

"میری قبر اور میرے منبر کے درمیان (مسجدِ نبوی کا ٹکڑا) جنت کے باغوں میں سے باغ ہے اور میرا منبر جنت کے دروازوں میں سے دروازہ ہے"

پھر قبر کے پاس باادب کھڑے ہو جاؤ، آپ ﷺ پر درود شریف پڑھو اور آپ ﷺ کی ثنا، جو دل و دماغ میں آئے بیان کرو۔ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر سلام کہو۔ اور ان کے لئے دعا کرو۔ مسجدِ نبوی ﷺ میں رات دن کثرت سے نمازیں پڑھو اور مسجدِ قبا اور شہداء کے قبرستان میں جانے کو پروگرام سے خارج نہ کرو۔

میں کہتا ہوں، یہ جس کا ذکر کیا گیا ہے، ایک گروہ کا قول ہے یعنی "روضہ میں نماز مستحب ہے۔" "مناسک المروزی" میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ منقول ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس جگہ نفل پڑھنے مستحب ہیں جہاں نبی ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ بعض کا کہنا یہ ہے کہ نماز کے لئے مسجد میں کوئی جگہ متعین نہیں، ہاں فرض باجماعت پہلی صف میں ادا کرے۔ صحیح حدیث میں حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اسطوانہ کے پاس نماز پڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اور جس جگہ کو آپ ﷺ نماز کے لئے خاص کرتے تھے، وہاں نماز افضل ہے۔ لیکن آپ ﷺ کے کھڑے ہونے کی جگہ وہ ہے جہاں آپ ﷺ فرض نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ سنت یہ ہے کہ امام لوگوں کے آگے مسجد کے وسط میں کھڑا ہو۔ جب مسجد میں اضافہ کیا گیا تو امام کے کھڑے ہونے کی جگہ اضافہ شدہ جگہ میں آگئی ہے۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ معلوم ہو، سلف سے مسجد میں داخل ہوتے وقت اور قبر کے پاس صلوٰۃ و سلام کے بارے میں کیا منقول ہے؟ مسند ابویعلیٰ موصلی میں ہے: "ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں زید بن حباب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں ذوالجناحین کی اولاد میں سے جعفر بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں علی بن عمر نے حدیث بیان کی،

انہوں نے اپنے باپ علی بن الحسین رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ :

" انہ رأی رجلا یجیئ الی فرجۃ کانت عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیدخل فیہا فیدعوا فنہاہ فقال الا احدثکم حدیثا سمعتہ عن ابی عن جدی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تتخذوا قبری عیدًا ولا بیوتکم قبورًا فان تسلیمکم یبلغنی اینما کنتم "

" انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ قبرِ نبوی کے پاس ایک روشن دان کے پاس آتا ہے اور اس میں داخل ہو کر دعا کرتا ہے۔ آپ نے اس کو روک دیا اور فرمایا کیا تمہیں وہ حدیث نہ سناؤں جو میں نے اپنے باپ سے انہوں نے میرے دادا سے اور انہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے، آپ نے فرمایا میری قبر کو عید (عرس) اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا تمہارا سلام جہاں بھی تم ہو مجھے پہنچ جاتا ہے "

اس حدیث کو حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبدالواحد مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے ان عمدہ اور پسندیدہ احادیث میں بیان کیا ہے جو صحیحین کی احادیث سے زائد ہیں ان کا درجہ حاکم کی تصحیح سے بلند ہے۔ وہ ترمذی اور ابو حاتم بستی اور اس درجے کے دوسرے لوگوں کی تصحیح کے قریب ہے اور اس میں غلطی شاذ ہی ہوتی ہے۔ وہ صحیح الحاکم کی طرح نہیں جس میں بہت سی جھوٹی اور موضوع احادیث موجود ہیں جن کا کذب ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے اس کا درجہ دوسروں سے کم ہے۔ یہ علی ابن الحسین زین العابدین، علم و دین کے لحاظ سے اجل تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ امام زہری فرماتے ہیں "میں نے ان جیسا کوئی ہاشمی نہیں دیکھا وہ اس حدیث کو سند اور متن کے ساتھ بیان کرتے ہیں،

" لا تتخذوا بیتی عیدا فان تسلیمکم یبلغنی اینما کنتم "

" میرے گھر کو عید نہ بنانا تمہارا سلام جہاں کہیں ہو گے مجھے پہنچ جاتا ہے "

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے گھر میں سلام کہنے کی کوئی فضیلت نہیں ہے جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے پاس صلوٰۃ کو فضیلت حاصل نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کی تخصیص سے منع فرمایا یہ اور صلوٰۃ والی حدیث حضرت عبداللہ بن نافع سے سنن ابی داؤد وغیرہ میں مشہور ہے۔ انہوں نے کہا مجھے ابن ابی ذئب نے خبر دی انہوں نے سعید مقبری سے انہوں نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی :

" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجعلوا بیوتکم قبورا، ولا تجعلوا قبری عیدا، وصلّوا علیّ فانّ صلاتکم تبلغنی حیث کنتم "

"رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا" اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ مجھ پر درود پڑھو، تمہارا درود جہاں بھی ہو مجھے پہنچ جاتا ہے"

یہ حدیث حسن ہے اس کے راوی ثقہ اور مشہور ہیں۔ صرف عبداللہ بن نافع صائغ میں معمولی نرمی ہے جس سے استدلال متاثر نہیں ہوتا۔ یحییٰ بن معین نے کہا "وہ ثقہ ہے" اس سلسلہ میں ابنِ معین کی توثیق اعتماد کے لئے کافی ہے۔ ابوزرعہ نے کہا: "لا بأس بہ" یعنی "اس میں کوئی ہرج نہیں"۔ ابوحاتم رازی نے کہا "وہ حافظ نہیں ہے۔ اس کی احادیث معروف بھی ہیں، اور منکر بھی"۔ میں کہتا ہوں، ایسے شخص سے خدشہ ہوتا ہے کہ کبھی غلطی کرے گا مگر جب اس کی حدیث کے شواہد موجود ہوں تو پھر وہ محفوظ ہوتی ہے۔ اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث محفوظ ہے اس کے شواہد کو کسی اور جگہ شرح و بسط سے بیان کر چکا ہوں۔ مثلاً سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے "ہمیں حدیث بیان کی حبان نے، اس نے کہا ہمیں حدیث بیان کی علی نے، اس نے کہا مجھے حدیث بیان کی محمد بن عجلان نے، اس نے ابوسعید مولیٰ المہری سے روایت کی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" لا تتخذوا بیتی عیدا، ولا بیوتکم قبورا، وصلّوا علیّ حیثما کنتم فانّ صلوتکم تبلغنی "

"میرے گھر کو عید نہ بنانا اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا۔ مجھ پر جہاں کہیں درود پڑھو، وہ میرے پاس پہنچ جاتا ہے"

سعید نے یہ حدیث بھی بیان کی ہے "ہمیں حدیث بیان کی عبدالعزیز بن محمد نے، اس نے کہا مجھے خبر دی سہیل بن ابی سہیل نے، اس نے کہا، مجھے حضرت حسن بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب نے قبر کے پاس دیکھ کر آواز دی —— اور وہ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے مجھے کھانے کی دعوت دی۔ میں نے کہا "مجھے خواہش نہیں ہے"۔ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ "تم قبر شریف کے پاس کیا کر رہے تھے؟" میں نے کہا "میں نے نبی کریم ﷺ پر سلام کہا ہے" تو انہوں نے فرمایا: "جب تم مسجد میں داخل ہو تو آپ ﷺ کو سلام کہو"۔ پھر فرمایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تتخذوا بیتی عیداً ولا بیوتکم مقابر لعن اللہ الیھود ——— اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد وصلوا علیّ فانّ صلوٰتکم تبلغنی حیثما کنتم ما انتم ومن بالاندلس منہ الّا سواء"

"میرے گھر کو عید (عرس) نہ بنانا اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ لعنت کرے، یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا تم مجھ پر جہاں کہیں ہو، درود شریف پڑھو وہ مجھے پہنچ جائے گا۔ تم اور اندلس والے آپ کے لئے برابر ہیں"

اس حدیث کو اسماعیل بن اسحٰق نے کتاب الصلوٰۃ علی النبیؐ ﷺ" میں بیان کیا ہے۔ مگر یہ الفاظ" ما انتم ومن بالاندلس الّا سواء" اس میں نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ سفر سے واپس آنے والے اور سفر کو جانے والے کا سلام افضل ہے اور مسافر جب آتے اور جاتے ہیں تو آپؐ پر سلام پڑھتے ہیں گویا یہ اندلس والوں پر فضیلت ہوئی مگر حسن بن الحسن وغیرہ اہلِ مدینہ اور دور کے لوگوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور نہ مسافر اور غیر مسافر میں فرق کرتے ہیں۔ اس کو قاضی اسماعیل نے ابراہیم بن حمزہ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ "ہمیں حدیث بیان کی عبدالعزیز بن محمد نے" اس نے روایت کی "سہل بن ابی سہل" سے" اس نے کہا "میں نبی ﷺ پر سلام کہنے کے لئے آیا۔ اس وقت حسن بن حسن قریب ہی گھر میں کھانا کھا رہے تھے۔ انہوں نے مجھے کھانے کی دعوت دی۔ میں نے کہا "میرا دل نہیں چاہتا" پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا "تم وہاں کیوں کھڑے تھے" میں نے کہا "نبی کریم ﷺ کو سلام کہنے کے لئے" آپ نے فرمایا "جب مسجد میں آؤ تو آپ ﷺ پر سلام پڑھو" پھر فرمایا "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"صلوا فی بیوتکم ولا تجعلوا بیوتکم مقابر لعن اللہ الیھود ——— اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد وصلوا علیّ فانّ صلوٰتکم تبلغنی حیثما کنتم"

"اپنے گھر میں (نفل) نمازیں پڑھا کرو اور ان کو قبریں نہ بنالو۔ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔ مجھ پر درود پڑھو۔ تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے جہاں بھی تم ہو"

اس میں حسن کے قول کا ذکر نہیں اس میں انہوں نے حکم دیا کہ جب مسجد میں داخل ہو تو سلام کہو۔

یہ سلام شرعی طور پر ثابت ہے، اور نبی کریم ﷺ اور سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ وہ جب مسجد میں داخل ہوتے تھے تو سلام کہتے تھے یہ ہر مسجد کا عمل ہے۔ حسن بن حسنؒ مثنیٰ تابعین میں سے ہیں اور حضرت علی بن حسینؓ کی اولاد میں سے ہیں ——————— قاضی عیاض نے ان کی یہ حدیث خود حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اور کہا: "حسن بن علیؓ سے، اور انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھا کرو، وہ مجھے پہنچ جاتا ہے" اور کہا: حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "جب تم مسجد میں داخل ہونے لگو تو آپ ﷺ پر سلام پڑھو کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لا تتخذوا بیتی عیدا ولا تتخذوا بیوتکم قبورا وصلوا علی حیثما کنتم فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم"

"میرے گھر کو عید اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، تم جہاں ہو مجھ پر درود پڑھو تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے"

میں کہتا ہوں، مسجد میں داخل ہوتے وقت صلوٰۃ و سلام، رسولِ اکرم ﷺ اور بہت سے صحابہؓ و تابعینؒ سے ماثور ہے۔ مثلاً ترمذی اور ابنِ ماجہ وغیرہ کی حضرت فاطمہؓ بنتِ رسول ﷺ سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

"کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل المسجد صلی علی محمد وسلم وقال رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک"

"رسولِ اکرم ﷺ جب مسجد میں تشریف لاتے، تو محمد ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے پھر دعا کرتے "اے رب! میرے گناہ بخش دے۔ اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔"

یہ ترمذی کے الفاظ ہیں۔ اور دوسری کتابوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا۔ سنن ابی داؤد میں ابو اسید یا ابو حمید سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اذا دخل احدکم المسجد فلیسلم ولیصل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیقل۔ الخ"

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کے بعد دعا پڑھے...."

پھر باقی حدیث بیان کی ہے۔ اضحاک بن عثمان نے کہا ہمیں سعید مقبری نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اذا دخل احدکم المسجد فلیسلّم علی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم ولیقل اللّٰھمّ اجرنی من الشّیطان الرّجیم"۔ "جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہے پھر دعا کرے: "اے اللہ! مجھے شیطان مردود سے پناہ دے"!

ابن خزیمہ نے اس کو اپنی صحیح میں نکالا ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام کی جگہوں میں سے ایک مسجد میں داخل ہونے کا وقت ہے"۔ ابواسحاق بن شعبان نے کہا "جو شخص مسجد میں داخل ہو اس کو لائق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر درود پڑھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور آپ کی آل کے لئے رحم اور برکت کی دعا کرے ۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھے اور کہے:

"اللّٰھمّ اغفرلی وافتح لی ابواب رحمتك وفضلك!" "اے اللہ مجھے بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت اور فضل کے دروازے کھول دے"!

اور کہا کہ حضرت عمرو بن دینارؒ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ"[1] کی تفسیر میں کہا ہے کہ اگر گھر میں کوئی بھی نہ ہو تو یوں کہے:

"السّلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصّالحین، السّلام علیٰ اھل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!" "ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ اہل بیت پر سلام، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں"۔

اور کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "البیوت" سے مراد "مساجد" ہیں "حضرت نخعیؒ فرماتے ہیں، "جب گھر میں کوئی نہ ہو تو یوں کہو: "السّلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصّالحین"۔ اور حضرت علقمہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا "جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں: "السّلام علیك ایھا النّبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، صلّی اللہ وملائکتہ علیٰ محمدؐ"۔ اور یہی طریقہ داخل ہوتے اور نکلتے وقت حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے، مگر اس میں صلوۃ کا ذکر نہیں ہے۔ ابن شعبان نے حضرت فاطمہؓ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے دلیل لی ہے کہ آپؐ بھی جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ پڑھتے تھے۔ اور کہا "اسی طرح ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے بھی مروی ہے۔ اس میں سلام اور رحمت

[1] النور: ٦١

کا ذکر ہے" ابنِ وھب نے فاطمہؓ بنتِ رسول ﷺ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

" اذا دخلتَ فی المسجد فصلِّ علی النّبیِ صلّی اللہ علیہ وسلّم وقل: اللّٰھمّ اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك!"	"جب تو مسجد میں داخل ہونے لگے تو نبی ﷺ پر درود پڑھ، اور کہہ "اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے!"

ایک دوسری روایت ہے "سلام وصلوٰۃ پڑھے اور جب مسجد سے نکلے تو کہے:

"اللّٰھمّ انی اسألك من فضلك"	"اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں"

اور ایک اور روایت میں ہے:

"اللّٰھمّ احفظنی من الشّیطان!"	"اے اللہ! شیطان سے میری حفاظت فرما!"

اور محمد بن سیرینؒ سے روایت ہے کہ لوگ جب مسجد میں داخل ہوتے تو کہتے تھے:

" صلّی اللہ وملائکتہٗ علی محمّد' السّلام علیك ایّھا النّبیّ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ باسم اللہ دخلنا وباسم اللہ خرجنا وعلی اللہ توکّلنا."	"اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے محمد ﷺ پر درود پڑھتے ہیں۔ اے نبی! آپ ﷺ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔ ہم اللہ کے نام سے داخل ہوتے اور اللہ کے نام سے نکلے، اور اللہ پر ہم نے توکل کیا."

اور جب نکلتے تو یہی کہتے۔ میں کہتا ہوں اس سلسلے میں سنن ابی داؤد وغیرہ میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے، کہ مسجد میں داخلے کے وقت کہا جائے:

"اللّٰھمّ انی اسألك خیر المولج وخیر المخرج باسم اللہ ولجنا وباسم اللہ خرجنا وعلی اللہ توکّلنا."	"اے اللہ میں تجھ سے بہتر داخل ہونے اور بہتر نکلنے کا سوال کرتا ہوں۔ ہم اللہ کے نام سے داخل ہوئے اور اللہ کے نام سے نکلے اور اللہ پر توکل کیا."

قاضی عیاضؒ نے کہا حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور پڑھے "اللّٰھمّ افتح لی" میں کہتا ہوں، ابنِ ابی حاتم نے سفیان ثوریؒ کی حدیث روایت کی ہے۔ ضرار بن مرہ سے انہوں نے مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں:

"فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ	یعنی "جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے آپ پر

تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً - الآیۃ!" (النور: ٦١) سلام کہو- یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بابرکت اور پاکیزہ تحفہ ہے "

جب تم اس گھر میں داخل ہو جس میں کوئی نہ ہو تو کہو "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" اور جب مسجد میں داخل ہو تو پڑھو "السلام علی رسول اللہ" اور جب اپنے اہل وعیال کے پاس جاؤ تو کہو "السلام علیکم" میں کہتا ہوں اس موضوع پر آثار کئی جگہ تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں۔

اس ساری گفتگو کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ سلف نے سلام التحیۃ میں جس کا جواب دینا ضروری ہے- اور صلاۃ وسلام میں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے فرق کیا ہے۔

سلام التحیۃ وہ ہے جس میں ہر زندہ مومن ، اشتراک رکھتا ہے اور اس کا کافر کو بھی جواب دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں خلفاء راشدین کے زمانہ میں اور ان کے بعد جب مسجد نبوی میں نماز ، اعتکاف ، تعلیم وتعلم ، ذکر اللہ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کے لئے اور اسی طرح دوسری مساجد میں مشروع امور کے لئے آتے تھے تو وہ قبر کی طرف نہیں جاتے تھے تاکہ اس کی زیارت کریں! اور نہ ہی حجرہ شریف کے باہر کھڑے ہوتے تھے اور نہ ہی اس کے اندر قبر کی زیارت کے لئے جاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت نہیں کرتے تھے۔ نہ مسجد میں حجرہ کے باہر سے نہ حجرہ کے اندر سے اور نہ ہی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کیلئے گھروں سے آتے تھے بلکہ یہ وہ بدعات ہیں جن کا علماء وائمہ نے انکار کیا ہے۔ اگرچہ زائر کا مقصد سوائے صلوٰۃ وسلام کے کچھ نہ ہو سلف نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو "مبسوط" میں بیان فرمایا ہے آپ کے متبعین میں سے ابوالولید باجیؒ اور قاضی عیاضؒ وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ مدینے کے لوگ نہ سفر سے آتے ہیں اور نہ سفر پر جانے کا ان کا ارادہ ہوتا ہے وہ قبر نبوی پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ پڑھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور یہ ایک دن میں ایک یا زیادہ بار کرتے ہیں۔ کئی دفعہ جمعہ کے دن ایک یا زیادہ بار قبر کے پاس کھڑے ہوتے ہیں — سلام پڑھتے ہیں اور کچھ دیر دعا کرتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ نے جواب دیا "ہمارے شہر (مدینہ منورہ) کے سمجھ دار بزرگوں سے ہمیں یہ عمل نہیں پہنچا۔ اور اس امت کے بعد والے لوگوں کی اصلاح اسی طریقے سے ہو سکتی

ہے جس سے اس کے پہلوں کی اصلاح ہوئی تھی۔ مجھے اس اُمت کے پہلے بزرگوں سے یہ عمل نہیں پہنچا جس کو وہ کرتے ہیں ۔ اور جو شخص سفر سے آئے یا جانے کا ارادہ کرے' اس کے لئے یہ مکروہ ہے"۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مکروہ سمجھا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ مجھے مدینہ منورہ کے اہلِ علم سے' نہ ہی اس اُمت کے اوّلین لوگوں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین' سے یہ طریقہ پہنچا ہے۔ یہ سفر کے سوا اہلِ مدینہ کے لئے مکروہ ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اہلِ مدینہ کے لئے اہلِ بقیع کی قبروں اور شہدائے احد وغیرہ کی قبروں کی زیارت ممنوع نہیں ہے' بلکہ ان کی حیثیت دوسرے علاقے کے لوگوں سے الگ نہیں ہے۔ ان لوگوں کے لئے زیارتِ قبور مکروہ نہیں' بلکہ جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل تھا۔ اہلِ مدینہ کے لئے بدرجہ اولیٰ یہ مکروہ نہیں ہے' بلکہ جس طرح اوروں کے لئے یہ مستحب ہے' مدینہ والوں کے لئے بھی مستحب ہے اسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت شرعی طور پر بالخصوص ممنوع ہے کیونکہ آپ حجرہ شریف میں دفن ہوئے اور لوگوں کو حجرے میں آپ کی قبر کی زیارت سے روکا گیا جس طرح عام قبروں کی لوگ زیارت کرتے ہیں وہاں زائر قبر کے پاس پہنچ جاتا ہے' لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف پہنچنا مشکل ہے۔ یہ زیارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہ مستحب ہے نہ ممکن ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند قدر و منزلت کی وجہ سے ہے' نہ اس لئے کہ دُوسرے آپ سے افضل ہیں۔ یہ تو کوئی مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا' چہ جائیکہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور مدینہ منورہ کے علماء وغیرہ ہوں۔

یہاں کچھ لوگوں کو بڑی غلطی لگی ہے' وہ کہتے ہیں' جب عام آدمی کی قبر کی زیارت مستحب ہے' تو سید الاولین والآخرین صلوات اللہ علیہ وسلامہ' کی قبر کی زیارت کیوں مستحب نہیں؟' ان لوگوں نے غلط طور پر یہ خیال کیا کہ جس میت کی قبر کی زیارت کی جائے' وہ اس کی تعظیم و اکرام کی وجہ سے ہوتی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے زیادہ تعظیم و اکرام کے حق دار ہیں' لہٰذا اگر آپ کی قبر کی زیارت سے روکا گیا' تو یہ آپ کی شان میں گستاخی ہوگی۔ اس طرح انہوں نے سُنّت اور اجماعِ امت کی مخالفت اپنے سر لے لی ہے۔ ان کی بات ایسے ہی ہے' جیسے کوئی یہ کہے کہ جب زائر اہلِ قبر کی زیارت کے لئے پہنچتا ہے' تو اس سے اس کے لئے کی گئی دُعاء میں بڑی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ تو رسولِ کریم زیادہ لائق ہیں کہ جب ہم آپ کی زیارت کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر پہنچیں۔ مگر ان لوگوں کا اصل مقصد اہلِ قبر کے لئے دُعا کرنا نہیں' بلکہ اسے پکارنا ہوتا ہے'

اور وہ سمجھتے ہیں، قبر پر کی گئی دعا، میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔

تواتر اور اجماعِ امت سے ثابت ہو چکا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کی قبر پر اپنے لئے، یا آپ کے لئے، یا کسی اور کے لئے دُعا، کے لئے جانا مشروع نہیں ہے، بلکہ غیر رسول کی قبر پر نماز پڑھنا، اکثر سلف کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ احادیثِ صحیح سے ثابت ہے۔ قبر پر نماز پڑھنا نمازِ جنازہ کی قسم ہے، جو قرب و مشاہدہ کی وجہ سے جائز ہے۔ آپ ﷺ کی قبر پر، بالاجماع، اس طرح نماز پڑھنا درست نہیں، چاہے محدود دو رکعتیں پڑھے یا مطلق۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ غیر حاضر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد تشریف لاتے تو انہوں نے آپ ﷺ کی قبر پر پہنچ کر اس کا مشاہدہ کرنے پر ہے۔ اور یہ آپ ﷺ کے حق میں نص اور اجماع کی بناء پر غیر مشروع ہے۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے! لہٰذا لوگوں نے جو عام مسلمانوں پر آپ ﷺ کو قیاس کیا ہے تو ان کا قیاس فاسد ہے۔ اور جن لوگوں نے پہلا قیاس کیا ہے، وہ قیاس اور مقیس علیہ کی خصوصیات سے بے خبر ہیں۔ ان کا قیاس تو مشرکین کے اس قیاس سے ملتا ہے جس میں انہوں نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ "جس کو تم خود قتل کرتے ہو وہ تو کھا لیتے ہو، اور جس کو اللہ تعالیٰ مارتا ہے، اس کو نہیں کھاتے"۔ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی:

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ○[1]	"اور شیطان اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں، تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے"۔

اسی طرح ابن الزبعری نے مسلمان ہونے سے پہلے دوسرے مشرکوں سے قیاس اً کہا تھا "جب بت اور ان کی عبادت کرنے والے جہنم میں جائیں گے تو حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی دوزخ میں جائیں گے"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ○ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا	"جب ابنِ مریم کی مثال بیان کی گئی تو اس سے تیری قوم چلّا اٹھی۔ انہوں نے کہا کہ بھلا ہمارے معبود

---

[1] الانعام: ۱۲۲

خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝[1]

بہتر ہیں یا وہ؟ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی مثال محض جھگڑا کرنے کے لیے پیش کی ہے، درحقیقت وہ جھگڑالو قوم ہیں۔"

نیز فرمایا: اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝[2]

"وہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارا بندہ ہی تو ہے جس پر ہم نے انعام کیا اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے مثال بنایا۔"

اللہ تعالیٰ نے بتوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان فرق واضح کیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝[3]

"جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے بھلائی کا فیصلہ ہو چکا ہے، وہ اس سے دور رہیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے یہ فرق بیان کیا کہ نیک آدمی، نبی ہو یا غیر نبی، جب شرک سے بیزار ہو تو ان لوگوں کی وجہ سے اس کو عذاب نہیں ہو گا، جو اس کو خدا کا شریک بناتے ہیں لیکن بت چونکہ پتھر کے ہوتے ہیں، اس لئے ان کو جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ "بت وہ پتھر ہیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ "دوزخ کا ایندھن لوگ اور پتھر (بت) ہیں" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور جو گنہگار ہیں، وہ دوزخ کا ایندھن بنے۔" (دیکھئے سورہ جن، آیت ۱۵)

اس بیان سے یہاں مقصود یہ ہے کہ اس سنت کی پہچان ہو جائے، جو عہد نبوی میں تھی اور جس پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اہل علم اور متدین لوگوں کا مدینہ منورہ میں عمل تھا۔ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کو ترک کیا، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے حقوق زیادہ پورا کرنے والا ہے۔ اور یہ طریقہ اس سے زیادہ افضل و بہتر ہے، جو اوروں سے کیا جائے۔ اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید کا حق زیادہ پورا ہوتا ہے۔ اور وہ یوں کہ:

صحیحین میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کریں۔ عبادت میں اللہ تعالیٰ

---

[1] الزخرف: ۵۷-۵۸ [2] الزخرف: ۵۹ [3] الانبیاء: ۱۰۱

کی سب خصوصیات داخل ہیں نہ غیر اللہ سے ڈرا جائے، نہ خوف کھایا جائے، نہ اس پہ بھروسہ کیا جائے، نہ اس کو پکارا جائے، نہ اس کے لئے نماز پڑھی جائے، نہ روزہ رکھا جائے صرف اسی کے لئے صدقہ وخیرات کیا جائے، اور صرف اسی کے گھر کا حج کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۞ [1]	"جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے، اس سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہے۔ وہی لوگ بامراد ہیں۔"

اس آیت میں اللہ و رسول کی اطاعت کا ذکر کرتے ہوئے، خشیت و تقویٰ کو صرف اللہ وحدہٗ کا حق بتایا گیا ہے اور فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۞ [2]	"اگر وہ جو کچھ ان کو اللہ و رسول ﷺ نے دیا ہے، اس پہ خوش رہتے اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہمیں جلد دیں گے، ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی شوق و رغبت رکھتے ہیں۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم کے عطا کرنے کا ذکر ہے، جبکہ توکل و رغبت کو اللہ وحدہٗ کے لئے خاص کیا ہے۔ اور فرمایا:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۞ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۞ [3]	"جب تم فارغ ہوا کرو تو اس کی عبادت میں محنت کیا کرو، اور اپنے رب کی طرف دل لگایا کرو۔"
وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۞ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ	"اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا دو دو معبود نہ بناؤ معبود وہی ایک ہے۔ تو مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اسی کی عبادت لازم ہے تو تم غیر اللہ سے کیوں ڈرتے ہو۔؟"

---

[1] النور: ۵۲ [2] التوبۃ: ۵۹ [3] الانشراح: ۷، ۸

اللہِ تَتَّقُوْنَ ۝ (النّحل، ۵۱، ۵۲)

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝[1]

"کہہ دو کہ جن کے معبود ہونے کا تمہیں گمان ہے، ان کو پکارو۔ وہ تم سے تکلیف رفع کرنے اور اس کو بدلنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے!"

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝[2]

"کہو کہ تم نے ان کو دیکھا ہے جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو۔ مجھے بھی تو دکھاؤ انہوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا ہے؟ یا ان کی آسمانوں اور زمین میں شرکت ہے؟ لاؤ میرے پاس کتاب اس سے پہلے کی یا علمِ انبیاءؑ سے جو چیز منقول ہے اس کو پیش کرو۔"

"قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ[3] الاٰیۃ!"

"کہہ دو جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا معبود خیال کرتے ہو ان کو پکارو۔ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ بھر چیز کے مالک نہیں ہیں نہ ان کی ان میں کوئی شراکت ہے، نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت اسی کو نفع دیگی جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو گی۔"

یہ باب بڑا وسیع ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

"اِذَا سَاَلْتَ فَاسْاَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ!"

"جب تم سوال کرو تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی سوال کرو اور جب مدد مانگو، تو صرف اسی سے مانگو۔"

صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بغیر حساب داخلِ جنت ہونے والے اولیاء اللہ کی صفت بیان فرمائی:

---

[1] الاسراء: ۵۶ [2] الاحقاف: ۴ [3] سبا ۲۲، ۲۳

"هم الذین لا یسترقون ولا یکتوون ولا یتطیرون وعلیٰ ربهم یتوکلون"۔ یہ وہ ہیں، جو دم جھاڑ نہیں کراتے، نہ داغ لگاتے ہیں، نہ فال نکالتے ہیں۔ وہ اپنے ربّ پر بھروسہ رکھتے ہیں"

وہ دوسروں سے دم جھاڑ کرنے کی درخواست نہیں کرتے"۔ رقیہ "دُعا" ہے جب صورتِ حال یہ ہے تو اس سے زیادہ بڑی بات کا کیا حکم ہوگا؟ (یعنی شرکیہ امور کا!)

یہ بات اچھی طرح معلوم ہے، اگر آپ ﷺ کی قبر شریف کو عید، مسجد اور وثن (بت) بنا لیا جاتا تو لوگ آپ ﷺ کو پکارنے لگتے، آپ کے حضور گڑگڑاتے، آپ پر توکل کرتے، آپ سے فریاد رسی چاہتے، آپ کی پناہ مانگتے۔ اور آپ کو سجدہ تک کر گزرتے، آپ ﷺ کا حج کرتے، یہ سب حقوق، اللہ وحدہٗ کے ہیں، جن میں مخلوق شریک نہیں ہو سکتی۔ حجرہ شریف میں آپ کو دفن کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی یہی حکمت ہے کہ لوگ آپ ﷺ کی قبر کا مشاہدہ نہ کر سکیں، اس کا اعتکاف نہ کر سکیں، اس کی زیارت نہ کر سکیں۔ اسی طرح کے اور کام نہ کر سکیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی عبادت صرف اسی وحدہٗ لاشریک کے لئے ہو، دینِ خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے رہے!

اہلِ بقیع اور اس طرح کے دوسرے مومنوں کے قبرستانوں میں اس طرح کا خدشہ آپ ﷺ کی قبر کی نسبت کم ہے۔ اگر کسی جگہ ممنوع افعال کئے جائیں، تو ان کو روکا جائے اور جن قبروں اور مزاروں کو مساجد (عبادت گاہ) بنا لیا جائے، ان کو گرا دیا جائے۔ اگر فتنہ ان کو نیست و نابود اور معدوم کرنے سے ختم ہو سکے، تو ایسا کرنے سے دریغ نہ کیا جائے، جس طرح حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے معدوم اور بے نشان کر دیا تھا۔ اہلِ بقیع اور شہداء احد کی طرح قبرستان کی زیارت سے مقصودِ شرعی، ان کے لئے دعا کرنا ہے۔ جس طرح خود حضور علیہ السلام کرتے رہے، آپ ﷺ نے ان کی خود زیارت کی اور اپنی امت کے لئے اس کو مسنون قرار دیا۔

اگر امت کے لئے آپ ﷺ کی قبر کی زیارت، صلوٰۃ و سلام اور آپ کے لئے دُعا کی

خاطر مسنون ہوتی جس طرح بعض اہلِ مدینہ کبھی کبھار کرتے ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بدعت اور مکروہ کہا ہے کیونکہ یہ عمل اُمت کے ابتدائی بزرگوں اور مدینہ کے اہلِ علم سے نہیں پہنچا اور اُمت کے بعد والے لوگوں کی اصلاح بھی اسی سے ہو سکتی ہے جس سے اس کے پہلے لوگوں کی ہوئی تھی۔ تو بعض لوگ اس کی زیارت کرتے اور آپ ﷺ کی دلوں میں تعظیم کی وجہ سے شرکیہ امور کے مرتکب ہوتے۔ کیونکہ آپ ﷺ افضل الرسل ہیں، اونچے مرتبے والے اور اپنے رب کے حضور سب شفاعت کنندگان سے زیادہ وجاہت والے ہیں۔ چنانچہ دلوں میں آپ ﷺ سے حاجت روائی کی طلب پیدا ہوتی اور آپ ﷺ کیلئے صلوٰۃ وسلام اور آپ ﷺ کے لئے دُعاء کے حق کو لوگ ترک کر بیٹھتے۔ کیونکہ لوگوں کا اپنے رب سے معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے سوائے ان خوش نصیبوں کے، کہ جن پہ ایمان کی حقیقت کی نعمت کھل چکی ہے۔ لوگ عموماً ضروریات کے وقت اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور پھر...؟ ——— اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝[1]

"جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹا، بیٹھا اور کھڑا ہر حال ہمیں پکارتا ہے جب ہم اس کی تکلیف کو رفع کر دیتے ہیں تو وہ بے لحاظ ہو جاتا ہے اور اس طرح گزر جاتا ہے گویا اس نے کسی تکلیف کے پہنچنے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کو ان کے اعمال خوبصورت بنا کر پیش کئے جاتے ہیں!"

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ كَفُورًا ۝[2]

"اور جب تم کو دریا میں تکلیف پہنچتی ہے (یعنی ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب گم ہو جائیں گے۔ پھر جب وہ تمہیں بچا کر خشکی پہ لے آتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان ہے ہی ناشکرا!"

---

[1] یونس ۱۲، [2] الاسراء ۶۷

وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِهِ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ[1]

"جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پروردگار کو پکارتا ہے اور دل کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ پھر جب وہ اس کو اپنی طرف سے نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ جس کام کی طرف اس کو پہلے پکارتا تھا بھول جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کے راستے سے گمراہ کرے کہہ دو اتم اپنی ناشکری سے تھوڑا فائدہ اٹھالو، آخر تمہارا ٹھکانا تو دوزخیوں میں ہوگا"

اس طرح کے نظائر قرآنِ مجید میں بکثرت ہیں۔ جب صورت یہ ہو کہ لوگ اپنے رب کی تعظیم و توحید اور اس کا ذکر اپنی حاجتوں اور اغراض کے وقت کرتے ہیں، الا ماشاء اللہ! اور جب ان کو نجات ملتی ہے تو پھر اس کا حق نہیں پہچانتے نہ اس سے محبت کرتے ہیں نہ اس کی عبادت کرتے ہیں، نہ اس سے سوال کرتے ہیں اور نہ اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں پھر اگر مخلوق کے ساتھ یہ صورت پیش آجائے تو اس وقت تو اس سے بھی دو قدم آگے ہی ہوں گے۔ اب بھی جو لوگ انبیاء و اولیاء سے مرادیں مانگتے ہیں، ان کے نزدیک یہ اغراض، انبیاء علیہم السلام و اولیاء کے حقوق سے مقدم ہیں جب ان کو یقین ہو جائے کہ کسی نبی یا ولی کی قبر کی زیارت سے ان کی مرادیں پوری ہوتی ہیں، تو پھر اس سے سوال اور دعاء کرکے اور اس کی تعظیم اور شفاعت کی وجہ سے اس کے حق سے تو اعراض کرتے ہیں اور محض اپنی اغراض اور مرادوں کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ یہ صورتِ حال ان لوگوں میں دیکھی جاسکتی ہے، جو مزاروں اور درباروں کا حج کرتے ہیں اور مرادیں مانگنے کے لئے وہاں جاتے ہیں۔ اگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر کی زیارت کی اجازت دے دیتے اور عوام کو اس کا موقع ملتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے دوسرے حقوق سے، نیز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صلوٰۃ وسلام اور آپ کے لئے دعا کے حق سے لاپرواہ ہو جاتے بلکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے احکام و نواہی اور خبریں پہنچانے کے واسطے کی کوئی قدر و قیمت

---

[1] الزمر: ۸

اور اہمیت نہ ہوتی۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کے حقوق کو ضائع کرتے جس طرح عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی شان میں غلو کرکے اللہ تعالیٰ وحدہٗ کی عبادت کا حق اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کے حق کو ترک کر دیا۔ اب عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے دُعا نہیں کرتے، بلکہ ان کو رب بناکر پکارتے ہیں۔ اس طرح ان کی رسالت کے حق کو ضائع کرتے ہیں۔ اب انہیں اس بات کی طرف بہت کم توجہ ہوتی ہے کہ آپ علیہ السلام نے کیا خبر دی؟ اور کیا حکم دیا؟ بلکہ وہ شرک میں مبتلا ہو گئے، ملائکہ اور انبیاءؑ وصلحاء کے حقوق کو نظر انداز کرکے اپنی حاجت روائی کے لئے ان سے فریاد کرنے لگے۔

اگر صلوٰۃ وسلام اور آپ ﷺ کے لئے دُعاء آپ ﷺ کی قبر کے پاس دیگر جگہوں کی نسبت زیادہ افضل ہوتے، جس طرح کبھی میت کے لئے دعاء اس کی قبر کے پاس افضل ہوتی ہے، تو لوگ آپ ﷺ کے لئے زیادہ سے زیادہ دُعاء کرنے کے لئے اس جگہ کو خاص اہمیت دیتے۔ اور پھر دوسری جگہوں پر صلوٰۃ وسلام اور دُعاء ناقص ہوتی اور ایسی جگہوں پر لوگ دعاء کرنے میں زیادہ دلچسپی نہ لیتے کیونکہ انسان فضیلت والی جگہ کی نسبت عام جگہوں پر دعاء کرنے میں زیادہ محنت اور رغبت نہیں کرتے۔ حالانکہ شریعت نے ہر مسلمان کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر جگہ رسولِ کریم ﷺ کے حق کو ادا کریں۔ ان میں سے دور رہنے والوں کے ایمان، نزدیک رہنے والوں سے کمزور نہیں۔ اور جب وہ آپ ﷺ کا حق ادا کرتے ہیں تو اس میں کوئی نقص نہیں ہوتا۔ خود رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا ہے "میرے گھر کو عید مت بناؤ۔ جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو، وہ مجھے مل جاتا ہے" اور پھر مسلمانوں کو جہاں بھی ہوں حکم ہے کہ اذان سُن کر آپ ﷺ پر درود پڑھیں اور آپ ﷺ کے لئے وسیلے کی دُعاء کریں، نیز ہر نماز میں درُود وسلام پڑھیں اور جب مسجد میں داخل ہوں اور جب نکلیں تب بھی آپ ﷺ پر سلام پڑھیں۔ اس کا مسلمانوں کو ہر جگہ حکم ہے۔ اگر یہ آپ ﷺ کی قبر شریف کے پاس افضل ہو، یا آپ ﷺ کی قبر کو عام قبروں کے برابر کر دیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ آپ ﷺ کے حق کی ادائیگی، آپ ﷺ کے درجے کی رفعت اور مرتبے کی بلندی کے مطابق پوری طرح حاصل نہیں ہو سکے گی۔

ہاں! آپ ﷺ کے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی کمال ادائیگی اس وقت ہو گی جب وہ کام کئے جائیں جن کا آپ ﷺ نے حکم دیا اور واجب اور مستحب کی صورت میں اپنی اُمّت کے لئے

طریقہ جاری کیا۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ جہاں بھی ہوں، محبت و موالات، نیز طاعت و صلوٰۃ و سلام اور دعا وغیرہ کے، اللہ و رسول ﷺ کے حق کو ادا کرنے میں پختگی اختیار کریں۔ اور اس مقصد کے لئے روضہ مبارک کا قصد نہ کریں کیونکہ اس سے اللہ و رسول ﷺ کے حقوق کو ترک کرنے کی راہ پر انسان پڑ جاتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کے جن کاموں سے لوگوں کو روکا گیا ہے، ان کو سلف کبھی نہیں کرتے تھے۔ قبر نبوی (علیہ السلام) کے علاوہ دوسری قبروں کی زیارت مستحب ہے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ کا روضہ مبارک بلند شان اور بلند مرتبہ ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے حقوق زیادہ کامل اور پورے ادا ہوتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا دین صرف اسی کے لئے خالص ہو جاتا ہے۔ اور اسی سے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی شہادت ثابت ہوتی ہے۔ مگر اب صورتحال یہ ہے کہ بدعتی غیر مشروع کام کرتے ہیں، جن سے نہی فرمائی گئی ہے۔ انہوں نے صحابہؓ و تابعینؒ کے نزدیک مکروہات و ممنوعات کو مستحب کا درجہ دے کر ان کی مخالفت کی ہے۔ اس طرح انہوں نے عیسائیوں کی راہ اختیار کر لی ہے۔ اللہ و رسول ﷺ پر ایمان کی تحقیق میں، اور اللہ و رسول ﷺ کے حقوق کی ادائیگی میں وہ اسی قدر کمزور ہو گئے ہیں، جس قدر انہوں نے بدعات کو قبول کیا ہے اور وہ عیسائیوں کی طرح ہو گئے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون!

اور جب آپ ﷺ کے حکم کو بجا لایا جائے اور آپ ﷺ کی سنت کی اتباع کی جائے، تو آپ ﷺ کو بھی اطاعت کرنے والے اور سنت کی پیروی کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے خود فرمایا:

"من دعیٰ الی ھدی کان لہٗ من الاجر مثل اجور من اتبعہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیئا۔"

"جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی، تو اس کو بھی ان لوگوں کے برابر ثواب ملے گا جنہوں نے اس کی پیروی کی، بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کمی کی جائے۔"

اور:

"من سنّ سنّۃ حسنۃ فلہٗ اجرھا واجر من عمل بھا الی یوم القیامۃ۔"

"جس نے اچھا طریقہ جاری کیا اس کو اس کا اجر ملے گا اور ان کا اجر بھی جو قیامت تک اس پر عمل پیرا ہونگے۔"

غیر مشروع بلکہ ممنوعہ بدعات، اگر ان میں شرک اور غلو و اطراء موجود ہو جس طرح عیسائیوں نے کیا، تو ان بدعات پر عمل کرنے میں کوئی ثواب نہیں ہوتا۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ کو بھی نفع نہ پہنچا بلکہ

اگر بدعات پر عمل کرنے والا بے علمی یا جبر وغیرہ کی وجہ سے معذور بھی ہو تو اس کو اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ اور اگر اس کی برائی معلوم ہو چکی تھی، پھر بھی اس پر عمل پیرا رہا تو عذاب کا مستحق ہوگا۔ رسولِ کریم ﷺ کی صحیح حدیث میں ہے:

"لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيسَى بْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ"

"مجھے میرے مقام سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو حد سے بڑھا دیا تھا۔ میں تو بندہ ہوں، تم بھی یہی کہا کرو: اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ﷺ!"

اگر رسولِ کریم ﷺ کی قبر کو عام مسلمانوں کی قبور پر قیاس کرنے والا کہے کہ "لوگوں کو آپ کی قبر تک پہنچنے سے آپ کی عظمت کی وجہ سے روکا گیا ہے۔ لہٰذا اگر صلوٰۃ و سلام حجرہ کے باہر سے کیا جائے گا تو اس میں آپ ﷺ کی زیادہ تعظیم اور ادب ہوگا" تو کہا جائے گا کہ اگر زیارتِ شرعی کا مقصد آپ ﷺ کے لئے دعاء کرنا ہو اور حجرے کے قریب ہونا باقی مساجد اور جگہوں کی نسبت افضل ہو، تو آپ کے لئے حجرے کے اندر دعا کرنے والا آپ ﷺ کے زیادہ قریب ہوگا۔ اگر عام قبروں کی طرح قرب مستحب ہو تو جتنا زیادہ قریب ہوگا، زیادہ افضل ہوگا۔ اور اگر اس کا مقصد اہلِ شرک اور گمراہ لوگوں کا آپ ﷺ کو پکارنا ہو، اور یہ پکارنا قریب سے زیادہ بہتر ہو، تو پھر حجرے کے اندر سے آپ کو پکارنا زیادہ بہتر ہونا چاہیئے۔ حالانکہ حدیث سے ثابت ہے کہ قبر کے قریب ہونا نص و اجماع کے ساتھ ممنوع ہے اور یہ ہے بھی اختیار سے باہر۔ اس سے معلوم ہوا اس کے قریب ہونا مستحب اور افضل نہیں ہے مگر عام قبروں کی زیارت اور وہاں دعا کرنا ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ عام قبرستان کا قرب مستحب ہے، جب تک وہاں شرک و بدعت اور نوحہ گری وغیرہ کی کوئی خرابی نہ ہو۔ اگر ایسا خدشہ ہو تو منع ہے۔

اس کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ جس شخص کے پیروکار اس کی قبر کی زیارت کا ارادہ رکھتے ہوں، تو وہ قبر کو اس طرح بناتے ہیں، جس سے زیارت کرنے کا مقصد با آسانی حاصل ہو سکے۔ مثلاً جس عمارت میں قبر ہو، اس کا ایک دروازہ ہو جس سے زائر اندر داخل ہو، اور عمارت بھی ایسی ہو جس میں زائر آسانی سے بیٹھ سکے، بلکہ زائرین کی اکثریت کو وہاں جگہ مل سکے اور جو اس کو سجدہ گاہ بنانا چاہتا ہو، وہ اس کا محراب وغیرہ بناتا ہے اور اس کمرے میں ایک کھڑکی رکھی جاتی ہے، تاکہ اگر دروازہ بند ہو تو کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر

لوگ زیارت کرسکیں اور پکار سکیں روضہ نبوی ﷺ میں ایسی کوئی صورت نہیں ہے۔ زائر کے لئے قبر تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے اور نہ ہی قبر بڑے کمرے میں ہے جہاں زائرین بکثرت سما سکیں نہ اس کمرے میں کوئی کھڑکی ہے جس سے لوگ زیارت کرسکیں بلکہ لوگوں کے وہاں پہنچنے اور مشاہدہ کرنے میں رکاوٹیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول ﷺ اور اس اُمت پر یہ احسانِ عظیم ہے!۔
اس نے آپ کی دعاؤں کو قبول کرلیا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے گھر میں مسجد کے متصل، دفن کیا گیا۔ اب وہاں گنجائش ہی نہیں کہ کوئی مسجد کے علاوہ نماز پڑھ سکے۔ مسجد میں شرعی عبادت معروف ہے۔ بخلاف اس کے اگر آپ ﷺ کی مسجد سے آپ ﷺ کی قبر دور ہوتی، تو یہ صورت نہ ہوتی! جو شخص روضہ شریف کی طرف سفر کرتا ہے، وہ درحقیقت آپ ﷺ کی مسجد کی طرف سفر کرتا ہے اور جب وہ اس سفر کا نام آپ ﷺ کی قبر کی زیارت رکھتا ہے تو وہ بے اصل سی بات کہتا ہے۔ وہ آپ کی مسجد میں ہی آیا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے سلف نے آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ نہ آپ ﷺ کی قبر کے پاس قندیلیں روشن کی ہیں، نہ غلاف چڑھائے ہیں۔ بلکہ قندیلیں مسجد نبوی میں روشن کی جاتی ہیں، جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ اب کسی شخص کی قدرت میں نہیں کہ خاص قبر شریف کو زعفران وغیرہ ملے نہ تیل اور شمع اور موم بتیوں اور نہ غلاف وغیرہ کی نذریں مانی جاسکتی ہیں جبکہ قبروں کے لئے لوگ ان چیزوں کی نذریں مانتے ہیں۔ اگرچہ بعض دفعہ بعض لوگ حجرے پر غلاف لگانے کی کوشش کرتے ہیں، یا زعفران ملتے ہیں۔ یہ اس دیوار کے ساتھ کرتے ہیں جو مسجد کے متصل ہے۔ قبر اور حجرے کے اندر ایسا نہیں کرسکتے جیسا کہ عام مزاروں میں ہوتا ہے۔ یہ صورتِ حال گواہی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کو شرفِ قبول عطا فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے دعا کی تھی:

"اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد!" "اے اللہ! میری قبر کو بُت نہ بنانا جس کی عبادت کی جائے"

اگرچہ بہت سے لوگ آپ ﷺ کی قبر کو بُت بنانے کی خواہش رکھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس میں آپ ﷺ کی تعظیم ہے، جیسا کہ اور قبروں کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے۔ مگر وہ ایسا کر نہیں سکتے۔ بلکہ یہ ارادہ اعتقاد ان کے ایک خیال سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ بخلاف

ان قبروں کے جن کو بت بنایا جاتا ہے اگر میت ولی اللہ کی ہو تو اس کی قبر پر جو شرکیہ کام ہوتے ہیں ان میں اس کا کوئی قصور اور گناہ نہیں ہے جضرت مسیح علیہ السلام پر شرکیہ کاموں کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ [1]

”اور اس وقت کو یاد رکھو جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ”اے عیسیٰ بن مریمؑ! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ“، وہ کہیں گے تُو پاک ہے مجھے یہ لائق نہ تھا کہ ایسی بات کہتا، جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے یہ بات کہی تھی تو تُو اس کو جانتا ہے کیونکہ جو بات میرے دل میں ہے تُو اسے جانتا ہے اور جو تیرے دل میں ہے میں اس کو نہیں جانتا بے شک تُو علام الغیوب ہے۔ میں نے ان کو اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے جب تک میں ان میں رہا ان کی خبر رکھتا تھا جب تُو نے مجھے دنیا سے اُٹھا لیا تو تُو ان کا نگران تھا اور تُو ہر چیز سے خبردار ہے۔“

وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ [2]

”اور مسیح علیہ السلام نے کہا ”اے بنی اسرائیل! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا، اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ

”جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اور جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے تھے جمع کرے گا اور پوچھے گا کہ کیا تم نے

---

[1] المآئدۃ: ۱۱۶، ۱۱۷ [2] المآئدۃ: ۷۲

هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ؕ[۱]

"میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود گمراہ ہو گئے تھے؟"

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝[۲]

"وہ کہیں گے تو پاک ہے ہمیں یہ لائق نہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو دوست بناتے لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو نعمتیں دیں یہاں تک کہ وہ تیری یاد بھول گئے اور تھے وہ ہلاک ہونے والے لوگ!" (اے کافرو!) انہوں نے تو تم کو تمہاری بات میں جھٹلا دیا پس اب تم عذاب کو نہ پھیر سکتے ہو اور نہ کسی سے مدد لے سکتے ہو اور جو شخص تم میں سے ظلم کرے گا ہم اس کو بڑے عذاب کا مزا چکھائیں گے!"

اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو معبود بنا لیا گیا ہے، وہ انبیاء، اولیاء اور فرشتے ہوں یا بُت، قیامت کے دن اپنے عبادت گزاروں سے بیزاری ظاہر کریں گے، اور صاف صاف کہہ دیں گے جس نے ان کی عبادت کی تھی، ان کو اس سے کوئی دوستی نہیں ہے۔ مسیح علیہ السلام اور دوسرے بندگانِ خدا اگرچہ شرک سے بری ہیں لیکن یہاں ان کے ذکر سے مقصد ان نعمتوں اور فضیلتوں کو بیان کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کو دی ہیں یعنی اللہ کی توحید کو قائم کرنے اور اس اکیلے کی عبادت کی طرف دعوت دینے، اس کے کلمے اور دین کو بلند کرنے اور جس ہدایت اور دینِ حق کو اس نے بھیجا اُس کے اظہار کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو شرک اور عبادت گاہ بنانے سے بچانے اور اسی طرح کی دوسری نعمتوں اور فضیلتوں کو ظاہر کرنا ہے جو اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو دی ہیں۔ اہلِ کتاب کی گمراہی کے اسباب میں سے یہ قوی سبب ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ کتاب پر قبروں کو مساجد بنانے پر لعنت فرمائی۔ بتا دیا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت اس سے بچ جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ دین کو سب سے زیادہ جاننے والے اور اس پر عمل کرنے

---

[۱] الفرقان: ۱۷ [۲] الفرقان: ۱۸-۱۹

والے تھے، اس لئے اُن میں قبروں وغیرہ کی وہ بدعات پیدا نہ ہوئیں جو بعد کے لوگوں میں پیدا ہوئیں۔ ایک صحابیؓ بھی ایسا نہیں تھا جس نے اور گناہوں سے قطع نظر عمداً رسولِ اکرم ﷺ پر جھوٹ بولا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے پوری طرح محفوظ رکھا۔ اسی طرح ان بدعات سے، جو رافضیوں، خارجیوں، قدریوں اور مرجیہ فرقہ میں پیدا ہوئیں، کوئی ایک بدعت بھی کسی صحابیؓ سے ثابت نہیں بلکہ نقولِ ثابتہ، کتاب و سنّت سے ان کی موافقت و اطاعت پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح وہ مختلف شیطانی عمل، کہ شیطان نے انہیں لوگوں کی نگاہوں میں کرامتیں باور کرا دیا ہے، مثلاً بعد کے لوگوں کا حضرت خضرؑ وغیرہ رجالِ غیب کے ساتھ اکٹھے ہونا، اور انبیاء علیہم السلام کا بیداری کی حالت میں ان کے پاس آنا وغیرہ، شیطان انہیں اس جال میں بھی نہ پھنسا سکا۔ اس کو اس کی امید ہی نہ تھی، کیونکہ وہ شیطانی چالوں سے خوب واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ رجال الغیب محض جنّوں کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝[1]

"بعض انسان جنّوں کی پناہ مانگتے تھے، بس اسی سے وہ زیادہ سرکش ہو گئے۔"

اہلِ قبور کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے میں شیطان، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نا اُمید تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک زمانے میں کسی نبی کی قبر کی طرف سفر نہیں کیا جاتا تھا۔ نہ وہاں دعاء کی نیت سے کوئی جاتا تھا۔ نہ برکت مانگی جاتی تھی، نہ ان کی سفارش کو طلب کیا جاتا تھا۔

بلکہ افضل الخلق، خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر پوشیدہ تھی۔ کوئی صحابیؓ اُن باتوں میں سے کسی کے لئے بھی اس کی طرف قصد نہیں کرتا تھا۔ یہی طرزِ عمل تابعینؒ اور بعد کے ائمہ کرامؒ کا تھا۔ سلف اور علماء امت نے صرف اس پر بحث کی ہے کہ کیا قبرِ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس آپ ﷺ کے لئے دُعاء کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بعض نے سلام کے بعد دعاء کے لئے ٹھہرنے سے منع کیا۔ بعض نے دونوں کی اجازت دی۔ آپؐ کی وفات کے بعد آپ ﷺ سے دُعاء کرانا اور آپ ﷺ سے استغفار طلب کرنا، آپ ﷺ کی سفارش کو چاہنا کسی مسلمان عالم

---

[1] الجنّ : ۶

سے منقول نہیں ہے نہ ائمہ اربعہؒ سے نہ کسی دوسرے امام سے بلکہ ان کی ذکر کردہ دعائیں اس سے خالی ہیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں، "مبسوط" میں ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑا ہو کر دعا کرے اور سلام پڑھے، ہاں صرف چلتے چلتے سلام کہہ لے۔" قاضی عیاضؒ کی اس بات کو بعینہٖ قاضی اسمٰعیل بن اسحٰقؒ نے "مبسوط" میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی آدمی قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرے، ہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کہے اور چلا جائے۔" امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، "سلام کہنا اس لئے جائز ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ قبر شریف کے پاس آنا کہا کرتے تھے: "السلام علیك یا رسول اللہ، السلام علیك یا أبا بکر، السلام علیك یا أبت!" پھر چلے جاتے تھے کھڑے ہو کر وہاں دعا نہیں کرتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہو کر قبر شریف کے پاس دعا کرنا بدعت سمجھتے تھے۔ ابنِ وھب کی روایت میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، "جب کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھے اور دعا کرے تو قبر شریف کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو، نہ کہ قبلہ شریف کی طرف رُخ کر کے وہ قریب ہو کر سلام کہے اور ہاتھ سے قبر شریف کو نہ چھوئے۔ اس روایت میں دعا کرنے سے مراد سلام کہنا ہے۔ یعنی وہ قریب ہو کر سلام کہے اور قبر شریف کو نہ چھوئے۔ ابنِ وھب کی روایت میں اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ وہ کہے: "السلام علیك ایها النبیّ ورحمة اللہ وبرکاته!" یا یہ مراد ہے کہ صلوٰۃ کے لفظ کے ساتھ دعا کرے جس طرح کہ مؤطا شریف میں عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر صلوٰۃ پڑھتے تھے اور یہ یحییٰ بن یحییٰ کی روایت ہے جس کو ابنِ عبدالبر نے غلط ٹھہرایا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن القاسم اور قعنبی وغیرہ کے ذکر کے مطابق روایت کے لفظ یہ ہیں: "یصلّی علی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم ویسلم علی أبی بکر وعمر!" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کہے۔" ابوالولید باجی کہتے ہیں: "میرے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے صلوٰۃ کے لفظ سے دعا کرے کیونکہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اختلاف ہے۔" قاضی عیاض کہتے ہیں، "مبسوط" میں ہے کہ "اس میں کوئی حرج نہیں کہ جو شخص سفر سے آئے یا سفر پر جائے اور وہ قبر شریف پر کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کرے۔ اگر دعا سے مراد صلوٰۃ وسلام لیا ہو تو وہ اس روایت کے مطابق ہو جائے گا اور اگر دعا سے مراد صلوٰۃ وسلام کے علاوہ کچھ ہو تو وہ دوسری روایت ہوگی۔ بہرحال مراد اس سے چھوٹی سی دعا ہے۔ ابن حبیب کہتے ہیں: "پھر وہ قبر شریف کے پاس متواضع اور باادب ہو کر کھڑا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے اور جو ذہن میں موجود ہو تعریف کرے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کہے۔" انہوں نے صلوٰۃ کے ساتھ ثنا کے علاوہ کوئی چیز ذکر نہیں کی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا کے ساتھ شہادت کے لفظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا کو بیان فرمایا ہے لیکن صلوٰۃ کے لفظ کے بغیر دعا کنندہ کے اپنے لئے دعا کرنے کی صورت کا اس میں ذکر نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کو طلب کرے۔ اور قبر کے پاس اس آیت کو بھی نہ پڑھے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝[1]

"جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے، اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔"

چنانچہ نہ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اور نہ متقدمین اور جمہور نے اس کا ذکر کیا ہے۔

بلکہ "منسک المروزی" میں ہے "پھر روضہ میں آؤ اور یہ وہ جگہ ہے جو قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور منبر کے درمیان ہے۔ اس میں نماز پڑھ کر جو چاہو دعا کرو، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر آؤ اور کہو:

"السّلام عليك يا رسول الله ورحمة الله وبركاتهٗ السّلام عليك يا محمّد بن عبد اللهٗ اشهد ان لاّ اله الاّ الله واشهد انّك رسول اللهٗ واشهد انّك بلّغت رسالة ربّكٗ ونصحت لامّتك وجاهدت فى سبيل الله بالحكمة والموعظة الحسنةٗ وعبدت الله حتّى اتاك اليقينٗ فجزاك الله افضل ماجزى نبيا عن امّتهٗ ورفع درجتك العلياٗ وتقبّل شفاعتك الكبرىٰ واعطاك سؤالك فى الاٰخرة والاولىٰ كما تقبّل من ابراهيمٗ اللّٰهم احشرنا فى زمرته وتوفّنا على سنّتهٗ واوردنا حوضهٗ واسقنا بكأسه مشربًا

---

[1] النسآء : ۶۴

رویا لا نظمأ بعدہٗ ابداً !"

"اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ سلام ہو اے محمد بن عبداللہ! آپ ﷺ پر میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ نے اپنے ربّ کا پیغام پہنچا دیا ہے اور آپ ﷺ نے اپنی اُمت کی پوری خیرخواہی کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں دانائی اور بہترین نصیحت کے ساتھ جہاد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے، یہاں تک کہ آپؐ پر وفات طاری ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اس سے کہیں افضل اجر سے نوازے، جو کسی نبی کو اس کی اُمت کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمایا اور اللہ تعالیٰ آپؐ کو بلند ترین درجے پر پہنچائے اور آپ ﷺ کی شفاعتِ کبریٰ کو قبول فرمائے اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا ہر سوال پورا کرے، جس طرح ابراہیم علیہ السلام سے قبول فرمایا۔ اے اللہ! ہمارا حشر آپ ﷺ کے زمرے میں کرنا اور ہمیں آپ ﷺ کی سُنّت پر مارنا، ہمیں آپ ﷺ کے حوض پر پہنچانا اور ہمیں آپ ﷺ کے پیالے سے سیراب کرنا جس کے بعد ہمیں پیاس نہ لگے۔"

قبرِ نبوی ﷺ کے پاس جس دُعاء، شہادت اور ثناء کا ذکر کیا جاسکتا ہے، اس کا ثبوت سنّت سے موجود ہے اور یہ ذکر ہر جگہ کیا جاسکتا ہے کسی کو ممکن نہیں کہ وہ ایسا ذکر پیش کرے، جو قبر کے علاوہ مشروع نہ ہو۔ آپ ﷺ کی اپنے گھر یا قبر کو عید بنانے سے ممانعت کی تحقیق یہی ہے۔ آپ ﷺ کی قبر کے پاس آپ ﷺ کے لئے خاص طور پر کسی دُعاء کو کرنے کا قصد جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ وہاں کسی اور کے لئے دعا کی جائے بلکہ رسولِ کریم ﷺ کے لئے یہ دُعاء ہر جگہ کی جاسکتی ہے یہ دُعاء رسولِ اکرم ﷺ کو پہنچا دی جاتی ہے، مگر آپؐ کے علاوہ دوسرے مسلمانوں کی قبروں کا یہ حکم نہیں ہے وہاں یہ دعاء قبرستان میں پڑھنے کا حکم ہے:

" السلام علی اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانّا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔ یرحم اللہ المستقدمین منا و منکم والمستأخرین !"

"سلام ہو مومن اور مسلمان اہلِ قبور پر، اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو تمہیں ملنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے پہلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے۔"

یہ دعا صرف قبرستان میں پڑھی جاتی ہے، دوسری جگہ پڑھنا مشروع نہیں ہے اسی سے آپؐ کی قبر اور دوسری قبروں میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ عام قبروں کی زیارت کے برخلاف آپ ﷺ کی قبر کی زیارت سے خود حضور ﷺ کا منع فرمانا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس کو قبول کرنا آپ ﷺ کے فضائل میں سے ہے۔ آپ ﷺ اپنی اُمت کے لئے رحمت اور اللہ تعالیٰ کی مکمل نعمت ہیں۔ سلف سب اس پر متفق ہیں کہ زائر آپؐ سے کسی چیز کا سوال نہ کرے۔ آپ ﷺ سے جو زندگی اور آخرت میں مانگا جا سکتا تھا وہ بھی نہ مانگے نہ شفاعت، نہ استغفار، نہ کوئی اور چیز۔ سلف کا اختلاف صرف اس بات میں تھا کہ آپ ﷺ کے لئے دعا، اور سلام کی غرض سے حجرہ شریف کے پاس وقوف جائز ہے یا نہیں؟ بعض نے حجرے کے پاس سلام کو حدیث میں شامل سمجھا ہے کہ جو کوئی آدمی مجھ پر سلام کہتا ہے، اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹاتے ہیں، میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ اور انہوں نے اس کو مستحب سمجھا اور بعض نے سلام کو اس حدیث میں داخل نہیں سمجھا اس لئے وہ اس کے مستحب ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ جس سلام کا قرآنِ مجید میں حکم ہے، وہ صلوٰۃ کے ساتھ ہے اور اس سلام کا جواب واجب نہیں بلکہ جس سلام کا جواب واجب نہیں ہے، اس سلام سے افضل ہے جس کا جواب واجب ہے۔ اس پر کتاب و سنت کے دلائل موجود ہیں اور اس پر سلف کا اتفاق ہے۔ قرآن مجید میں جس صلوٰۃ و سلام کا حکم ہے، اس کا جواب واجب نہیں بلکہ صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے اس لئے کہ جس سلام کا جواب واجب ہے، وہ تو مسلمان کا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا۔ الآیۃ[1]" "جب تمہیں سلام کہا جائے تو اس سے بہتر یا اتنا ہی جواب دو۔"

اسی وجہ سے سلام کا جواب السلام کہنے والے کو دیا جاتا ہے، چاہے وہ کافر ہی ہو جب یہودی آپؐ کو سلام کہتے تھے تو آپ ﷺ جواب میں فرماتے "عَلَیْکُمْ"۔ (تم پر) آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو بھی یہی حکم دیا۔ آپ ﷺ نے صرف "عَلَیْکُمْ" اس لئے فرمایا کہ وہ "السَّلامُ" کی بجائے آپ ﷺ کو "السّام" کہتے تھے اور "سام" کا معنی "موت" ہے۔ آپ ﷺ جواب دیتے "تم پر!" آپ ﷺ نے فرمایا، "ان

---

[1] النسآء، ۸۶

کے حق میں ہماری بددعا، قبول ہوتی ہے اور ہمارے حق میں ان کی بددعا، قبول نہیں ہوتی"۔ یہ بات آپ نے اس وقت فرمائی جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک یہودی کے جواب میں کہا: "وعلیکم السام واللعنۃ" یعنی "موت اور لعنت تم پر ہو"۔ آپ نے فرمایا "عائشہ! ٹھہرو جلدی نہ کرو۔ نرمی اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ نرمی والا ہے اور نرمی کو ہر کام میں پسند فرماتا ہے۔ جو کچھ میں نے ان کو جواب دیا تو نے نہیں سنا؟" یعنی میں نے ان کو "علیکم" کے ساتھ جواب دیا ہے یہ اس وقت حکم ہے جب وہ "السام علیکم" کہیں مگر جب یہ معلوم ہو کہ وہ "السلام علیکم" کہتے ہیں، تو پھر "علیکم" کا خاص جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ اس کا تو پھر معنی یہ ہوا "تم پر سلام ہو، ہم پر نہ ہو" بلکہ یوں کہا جائے، "وعلیکم"!

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت ان کی دعا کے جواب میں "علیکم" کہیں، اور وہ سلامتی کی دعا ہے، تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ظلم اور عداوت سے سلامت رہیں اور جو کوئی کسی کو سلام کہتا ہے، وہ مجمل طور پر اس کے لئے امن وسلامتی کی دعا کرتا ہے، یہ ناممکن ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سے، جو بھی آپ پر سلام کہے، آپ اس کے لئے دنیا و آخرت کے عذاب سے سلامتی کی دعا دیں۔ منافق آپ کو سلام کہتے تھے اور آپ ان کو جواب دیتے تھے۔ اور گنہگار مسلمانوں وغیرہ کو بھی ان کے سلام کا جواب دیتے تھے چونکہ "سلام" سے "امن" مراد ہے، اس لئے حربی کافر کو پہلے سلام نہ کہنا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قیصر روم کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے خط لکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کا سا سلام لکھا تھا جو انہوں نے فرعون کو کہا تھا۔ یعنی "من محمد رسول اللہ الی قیصر عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدی" یہ مشہور واقعہ "صحیحین" میں "عبداللہ بن عباس عن ابی سفیان بن حرب" سے موجود ہے جب اس نے خط پڑھا تو اس نے آپ کے حالات ابوسفیان رضی اللہ عنہ وغیرہ سے دریافت کیے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو سلام میں پہل کرنے سے منع فرمایا۔ بعض علماء نے اس حکم کو عام رکھا ہے بعض نے، جب کسی یہودی کے ہاں کسی مسلمان کو حاجت ہو تو سلام میں پہل کرنے کی اجازت دی ہے۔

عام حالات میں اس کی اجازت نہیں دی کفار بھی یہودیوں اور نصاریٰ کی طرح ہی ہیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی امت کو سلام تحیۃ کہتے ہیں جس کا جواب ضروری ہوتا ہے۔ مطلق سلام آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کی طرح ہے اور صرف آپ کی امت ہی آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتی ہے۔ یہود ونصاریٰ آپ پر صلوٰۃ

سلام نہیں پڑھتے وہ تو بس رواجاً جب آپ ﷺ کو دیکھتے تو سلام کہہ دیتے تھے جو سلام اور اس کا جواب مسلمانوں کے ساتھ ابتداءً اور جواباً خاص ہے، وہ اس سلام سے کہیں افضل ہے جو سلام کافر، آپ ﷺ کو دیا آپ ﷺ کی اُمت کو کرتے تھے۔

پھر یہ بھی نہیں کہ جب کافر آپ ﷺ کو سلام تحیۃ کہیں، تو اللہ تعالیٰ ان پر دس بار سلام کہے بلکہ نبی کریم ﷺ ان کے سلام کا جواب دے کر حساب چکا دیتے تھے جس طرح قرض ادا کیا جاتا ہے۔

مومنوں کی صلوٰۃ و سلام یہ ہے کہ وہ جب آپ ﷺ پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان پر دس بار رحمتیں نازل فرماتا ہے اور جب آپ ﷺ پر سلام پڑھتے ہیں، تو دس بار ان پر سلام پڑھتا ہے۔ یہ صلوٰۃ و سلام کتاب و سنّت اور اجماع کے ساتھ ہر جگہ جائز و مشروع ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس میں قبر کے نزدیک رہنے والے اہلِ مدینہ میں اور دور دراز علاقوں کے رہنے والوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مدینہ منورہ میں مقیم صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ کا معروف معمول یہی تھا کہ وہ مسجد میں داخل ہوتے یا نکلتے تو قبر کے پاس سلام نہیں کہتے تھے۔ اگر یہ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کو سلام کہنے کی مانند ہوتا یعنی یہ آپ ﷺ کی زندگی میں جس طرح مشروع تھا کہ جب وہ آپ ﷺ کو دیکھیں، سلام کہیں، تو وہ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت بھی سلام کہتے بلکہ سنّت یہ ہے کہ جب کوئی کسی قوم کے پاس آئے تو ان کو سلام کہے اور جب جانے لگے تب بھی سلام کہے نبی کریمؐ نے یہی حکم دیا ہے فرمایا پہلا سلام یعنی آتے وقت کہنا دوسرے سلام یعنی جاتے وقت کہنے سے زیادہ حق نہیں رکھتا اگر وہ اسی طرح ہوتا جیسا کہ آپ ﷺ کی زندگی میں تھا تو صحابی آتا، آپ ﷺ کو سلام کہتا اور جب جاتا تو سلام کہتا بالاتفاق اس طرح کا سلام قبر کے نزدیک مشروع نہیں ہے، تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت کے طور پر لازمی طور پر معلوم ہے اگر سلام تحیۃ حجرے کے باہر ہوتا تو ہر ایک کے لئے مستحب ہوتا اسی لئے اکثر سلف، باہر سے آنے والوں اور اہلِ مدینہ کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی فرق نہیں سمجھتے تھے اور نہ سفر اور غیر سفر میں کوئی فرق ملحوظ رکھتے تھے۔ کسی کے لئے استحباب اور کسی کے لئے کراہت ثابت کرنے کے لئے شرعی دلیل کی ضرورت ہے اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی نبی کریم ﷺ سے نقل کرکے ثابت کرے کہ آپ ﷺ نے اہلِ مدینہ کے لئے سفر پر جاتے اور آتے وقت، جبکہ مسافروں کے لئے مدینہ پہنچنے پر قبر کے پاس آنا جائز و مشروع کیا ہے۔ یا باہر سے آنے والوں کے لئے تو ہر بار جب وہ مسجد میں داخل ہوں یا نکلیں، اسے مشروع ٹھہرایا ہے — لیکن اہلِ مدینہ کے لئے ہر بار مسجد میں داخل

ہوتے یا نکلتے وقت مشروع نہیں کیا ہے۔ اس طرح کی شریعت نہ تو نبی کریم ﷺ سے منقول ہے نہ آپ ﷺ کے خلفاء رضی اللہ عنہم سے اور نہ ہی یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معروف عمل ہے صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب وہ سفر سے واپس آتے تو قبر کے پاس سلام کہتے مگر یہ نہ تو خلفاء رضی اللہ عنہم کا عمل ہے اور نہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا۔

میں کہتا ہوں کہ عبدالرزاق نے اپنی "مصنف" میں "معمر سے' ایوب سے' نافع سے" روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو نبی ﷺ کی قبر پر حاضر ہوتے اور کہتے "السّلام علیک یا رسولؐ اللہ! السّلام علیک یا ابا بکرؓ، السّلام علیک یا ابتاہ!" اور خبر دی عبیداللہ بن عمر نے نافع سے' انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے' معمر کہتے ہیں: میں نے اس کا ذکر عبیداللہ بن عمر کے سامنے کیا' تو انہوں نے کہا کہ "حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے سوا کسی صحابی کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ وہ ایسا کرتے تھے۔" یہی بات عبیداللہ بن عمر عمری کبیر نے کہی' وہ اپنے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان میں سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے حافظ اور ثابت تھے۔ شیخ فرماتے ہیں' "ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا یہ معمول کچھ اسی طرح کا ہے' جس طرح وہ سفر میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی جگہ اترنے اور چلنے وغیرہ کی جگہ کو تلاش کرتے تھے' مگر یہ کوئی شرعی بات نہ تھی۔"

جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ آپؓ کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے منع فرمایا کرتے تھے۔ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ ہمیں حدیث بیان کی ابومعاویہ نے اعمش سے' انہوں نے معرور بن سوید سے' کہ: ——— "ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حج میں آپؓ کے ہمراہ تھے' آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی' پہلی رکعت میں "اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحَابِ الْفِیْلِ" اور دوسری میں "لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ" پڑھی جب آپؓ حج سے واپس تشریف لائے تو آپؓ نے لوگوں کو مسجد میں تیزی سے جاتے دیکھا' فرمایا' "یہ کیا؟" یہ مسجد ہے' جس میں رسولِ کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی"' فرمایا "تم سے پہلے اہلِ کتاب اسی طرح ہلاک ہو گئے' انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے آثار کو عبادت گاہ بنا لیا' جس شخص کو اس میں نماز کا وقت ہو جائے' وہ یہیں پڑھ لے اور جب وقت نہ ہو تو سفر جاری رکھے"۔ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر متفق ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت سلام کے لئے اہلِ مدینہ کو قبر کے پاس کھڑے ہونا مستحب نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔ اس سے

اس شخص کی دلیل کمزور پڑ جاتی ہے جو اس حدیث سے استدلال کرتا ہے کہ "جو کوئی مجھ پر سلام کہتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹاتا ہے اور میں اس کا جواب دیتا ہوں"۔ اگر یہ مسجد سے سلام کرنے کے استحباب کی دلیل ہوتی، تو صحابہؓ اس کے ترک پر متفق نہ ہوتے۔ اور اس میں سفر سے آنے والے اور نہ آنے والوں کے درمیان فرق نہ کیا جاتا۔ جب اس عمل کے آسان ہونے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے ترک پر متفق ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ عمل ہی غیر مستحب ہے بلکہ اگر یہ جائز بھی ہوتا تو بعض صحابہؓ اسے ضرور کرتے۔ یہ صاف دلیل ہے کہ اس عمل سے روک دیا گیا تھا، اور اس پر دوسری احادیث بھی دلالت کرتی ہیں۔

اس صورتِ حال میں حدیث کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس شخص کے قول کے مطابق جو اس کو ضعیف کہتا ہے، یہ حدیث ضعیف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس سے مسلمان کی فضیلت نہیں، بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ آپؐ جواب دیتے ہیں جبکہ اس کو بابِ مکافات میں شامل کیا جائے، تو یہ سلام کہنا تو نیک اور بد دونوں کے لئے مشروع ہے بخلاف اس کے کہ اس سے محض دعا، یعنی سلام، مراد لیا جائے کہ جس کا حکم ہے! ۔۔ یا یہ جواب ان کے لئے ہے جو قریب سے آپؐ کو سلام کہیں۔ قریب سے مراد یہ ہے کہ وہ آپؐ کے گھر میں ہو۔ اگر قریب ہونے کی حد مقرر نہ کی جائے، تو شرعی طور پر قرب کی کوئی مقررہ حد باقی نہیں رہے گی، جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ اس میں مسلمان کی کوئی تعریف نہیں، نہ اس میں مسلمان کے لئے کوئی ترغیب ہے نہ اس میں کسی اجر کا ذکر ہے جس طرح صلوٰۃ وسلام کے ثواب کا ذکر ہے، کہ آپؐ نے وعدہ کیا "جو کوئی آپؐ پر ایک بار درود پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل فرماتے گا۔" اسی طرح سلام ہے ان دونوں کا حکم دیا گیا ہے اور ہر حکم کو بجالانے والا قابلِ تعریف اور لائقِ تشکر ہے اور ثواب کو پانے والا ہے اور یہ جو حدیث ہے کہ "جو شخص کسی کی قبر کے پاس سے گزرے اور اس کو سلام کہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی رُوح کو لوٹاتا ہے اور وہ اس کو جواب دیتا ہے اور جو کوئی مجھے سلام کہے، اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹاتا ہے، میں اس کو سلام کا جواب دیتا ہوں" اس میں تعریف ہے اس کی جس کو سلام کہا جاتا ہے یعنی وہ سلام کو سُن لیتا ہے اور اس کا جواب دے کر حساب برابر کر دیتا ہے۔ اب سلام کہنے والے کی فضیلت باقی نہ رہی، جواب دینے کے بعد دونوں برابر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "جب تمہیں سلام کہا جائے تو تم بھی اس سے بہتر سلام کہو، یا اسی کو لوٹا دو"۔ یہی وجہ ہے کہ سلام کا جواب اس عدل میں سے

ہے جس کا حکم ہر مسلمان پر واجب ہے جبکہ سلام جائز طریقے سے ہو! اس کی مثال آپ کا یہ ارشاد ہے:

" مَنْ سَأَلَنَا اَعْطَيْنَاهُ وَمَنْ لَّمْ يَسْأَلْنَا اَحَبُّ اِلَيْنَا " "جو کوئی ہم سے سوال کرے ہم اس کو جواب دیں گے اور جو سوال نہ کرے وہ ہمیں زیادہ محبوب ہے"۔

اس میں سائل کو دینے کی خبر ہے یہاں سوال کرنے کا حکم نہیں دیا جا رہا۔ اگرچہ سلام سوال کی مانند نہ سہی لیکن یہ لفظ جواب دینے والے کی مدح پر دلالت کرتا ہے۔

سلام کہنے والے کا معاملہ دلیل پر موقوف ہے جب اہلِ مدینہ کے لئے مشروع یہ ہے کہ وہ حجرہ کے پاس کھڑے نہ ہوں تاکہ آپ کو سلام کہیں۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس میں کوئی ترغیب نہیں ہے۔ اس کی مزید وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ عبادات کے لحاظ سے آپ کی مسجد عام مساجد کی طرح ہے۔ اس مسجد میں عبادات کی کوئی جنس مخصوص نہیں جو دوسری مساجد میں نہ ہو یہی حکم مسجدِ اقصیٰ کا ہے۔ ہاں ان میں عبادت دوسری مساجد کی نسبت افضل ضرور ہے صرف مسجدِ حرام ایسی ہے جس میں بعض عبادتیں مخصوص ہیں جو کسی اور مسجد میں نہیں ہو سکتیں مثلاً طواف، رُکن کو چھونا، حجرِ اسود کو بوسہ دینا وغیرہ۔ دوسری مساجد، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ میں جو نماز، ذکر، اعتکاف، تعلیم و تعلم، رسولِ کریم ﷺ کی تعریف، آپ پر صلوٰۃ و سلام وغیرہ عبادتیں مشروع ہیں، وہ باقی سب مساجد میں بھی مشروع ہیں جبکہ آپ کی قبر کی زیارت کا عمل آپ کی مسجد ہی میں ہو سکتا ہے مسجد سے باہر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس عمل کا مشروع حصہ باقی مساجد میں بھی مشروع ہے یہ آپ کی مسجد کی خصوصیت نہیں ہے۔ اور نہ ہی آپ کی قبر کے ساتھ کوئی عبادت مخصوص ہے۔ ہاں آپ کی مسجد میں عبادت دوسری مساجد سے افضل ہے۔ یہ آپ کی قبر کی وجہ سے نہیں، بلکہ آپ کی مسجد کی وجہ سے ہے شیخؒ نے فرمایا! اس کی مزید وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ کسی صحابی سے منقول و معروف نہیں کہ اس نے آپ کی قبر شریف کی زیارت کے نام سے ترغیب یا غیر ترغیب کے لئے گفتگو کی ہو۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک اس نام (زیارتِ قبرِ نبویؐ) کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔

اس ساری گفتگو سے اس شخص کی دلیل کی کمزوری واضح ہو جاتی ہے جو مدینہ منورہ سے لوٹنے والے اور آنے والے — آپ کی مسجد میں آنے والے پردیسی اور اس سے لوٹ کر جانے والے کے درمیان فرق کرتا ہے۔ اور وہ اس طرح، کہ یہ کہنا محال ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کے سلام کا جواب تو دیتے ہیں،

مگر اہلِ مدینہ میں سے کسی کے سلام کا جواب نہیں دیتے حالانکہ اہلِ مدینہ امت کے افضل اور خاص لوگ ہیں ان کے ساتھ آپؐ نے آمنے سامنے سلام کلام کیا۔ یہ محال ہے کہ حدیث کا یہ معنیٰ کیا جائے کہ "اے اہلِ مدینہ جب تک تم مدینہ منورہ میں مقیم ہو، تم مجھے سلام کہو گے تو میں اس کا جواب نہیں دوں گا" حدیث میں اس طرح کی کوئی تخصیص نہیں ہے نہ نبی کریم ﷺ سے ایسی کوئی بات منقول ہے جس سے اس کا پتہ چل سکے!

مزید تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ کھلا ہوتا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اپنے بعض کاموں کے لئے حاضر ہوتے تھے اور آپؐ پر سلام کہتے تھے، تو آپؐ ان کو جواب دیتے تھے۔ اگر کوئی کہے کہ "آپؐ ان کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے" تو اس سے حدیث معطل ہو جائے گی۔ اگر کوئی کہے کہ "آپؐ وہاں تو جواب دیتے تھے مگر دیوار کے باہر سے نہیں" تو اس سے فرق ظاہر ہو گیا۔ اگر کہا جائے "آپؐ سب کو جواب دیتے تھے" تو پھر اس وقت آپؐ کا جواب اس سلام کے استحباب کا مقتضی نہیں ہو گا اور استدلال باطل ہو جائیگا۔ اگر آپؐ کا جواب دینا استحباب کی دلیل ہو اور وہ اب صرف ان کے ساتھ خاص ہے جو باہر سے سلام کہیں، تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حجرہ شریف کے پاس سے اہلِ مدینہ جب وہ مسجد میں داخل ہوں یا نکلیں ــــ کے لئے بھی مستحب ہو اور یہ صحابہؓ و تابعینؒ کے اجماع کے خلاف ہے اور فرق روا رکھنے والوں کے قول کے بھی خلاف ہے۔ اہلِ مدینہ میں سے وہ لوگ بھی ہیں، جو اوّل تو سفر کرتے نہیں، یا صرف حج کے لئے سفر کرتے ہیں اور باہر سے آنے والا کبھی مدینہ منورہ میں دس دن، مہینہ ٹھہر جاتا ہے اس پر تو حضور ﷺ دن میں دس بار بلکہ زیادہ جواب دیتے ہیں جب بھی وہ داخل ہو یا نکلے -- اور اس مدنی مقیم کو عمر میں ایک بار بھی جواب نہیں ملتا۔

پھر آنے اور جانے والوں کے لئے اس کا استحباب طواف کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جو صرف مکہ میں آنے والے کے لئے مشروع ہے (اس کو طوافِ قدوم، طوافِ تحیۃ اور طوافِ ورود کہتے ہیں، جبکہ واپسی کے وقت کے طواف کو طوافِ وداع کہتے ہیں) اور یہ مخلوق کے گھر کو خالق کے گھر سے تشبیہ دینا ہے اسی لئے بالاجماع حجرہ شریف کا طواف ناجائز ہے، اور اس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنا بھی جائز نہیں۔ صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ سے ابو مرثد غنویؓ نے روایت کی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

" لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا " " قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ان کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھو "

پھر طواف، اہلِ مکہ اور غیر اہلِ مکہ کے لئے جائز ہے جب بھی وہ مسجد میں داخل ہوں۔ مگر جب مدنی مسجد میں داخل ہو تو اس کا قبر کے پاس وقوف بالاتفاق جائز نہیں۔ ایسی کوئی اصل سُنّت میں یا نظیر شریعت میں نہیں، جس سے مدنی اور غیر مدنی میں فرق ہو نہ وہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنّت ہے، جس پر عام صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمل کیا ہو۔ اس لئے اس کو آپ کی سنّت اور شریعت میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کسی ایک یا دو یا تین یا اس سے زیادہ صحابہؓ سے یہ عمل ثابت بھی ہو تو اس سے زیادہ سے زیادہ جواز ثابت ہوگا، استحباب نہیں۔ کیونکہ اس سے صحابہؓ کے اجماع میں رکاوٹ پڑ جائے گی۔ بلکہ یہ ان مسائل میں شامل ہوگا، جن میں علماء کے لئے اجتہاد کی گنجائش ہے۔ اگر بعض سلف کے عمل سے اس کو سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت یا سنّت کا حکم کہا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔

اس کی نظیر قبر شریف پر ہاتھ پھیرنا ہے۔ ابوبکر اثرم کہتے ہیں، میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، "قبر شریف کو چھوا جائے اور اس پر ہاتھ پھیرا جائے؟" تو انہوں نے جواب دیا، "میں اس کو نہیں پہچانتا" یعنی میرے نزدیک جائز نہیں۔ میں نے پوچھا "منبر کے متعلق کیا حکم ہے؟" انہوں نے فرمایا "اس بارے میں کچھ روایت ہے"۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ ابنِ ابی فدیک سے، وہ ابنِ ابی ذئب سے، وہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ "انہوں نے منبر پر ہاتھ پھیرا"۔

"میں کہتا ہوں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استاد یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ سے مروی ہے کہ جب انہوں نے عراق کو جانے کا ارادہ کیا تو منبر شریف پر ہاتھ پھیرا اور دُعا کی، میرا خیال ہے، انہوں نے یہ اچھا کام کیا۔ پھر فرمایا، شاید عند الضرورت انہوں نے کیا ہو۔ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، لوگ اپنے پیٹ قبر کی دیوار کے ساتھ لگا دیتے ہیں"۔ اور میں نے کہا، "میں نے مدینہ کے اہلِ علم کو دیکھا ہے کہ وہ اس کو نہیں چھوتے، وہ کنارے پر کھڑے ہو کر سلام کہتے ہیں"۔ ابوعبداللہ احمد (امام صاحبؒ) نے فرمایا، "ہاں ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اسی طرح کرتے تھے"۔ پھر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، "میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں!"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے "منسک المروزی" میں ابنِ عمر، ابن المسیب اور یحییٰ بن سعیدؒ سے منقول بات کی نظیر ذکر کی ہے۔ ان سب باتوں سے زیادہ سے زیادہ جواز ثابت ہوتا ہے۔ بعض صحابہؓ کے اس فعل کی وجہ سے یہ کہنا ممکن نہیں کہ اس کے ترک پر اجماع ہے۔ جن کا یہ فعل ہے، انہوں نے بعض

سلف کی اقتداء کی ہے، اپنی طرف سے بدعت نہیں گھڑی۔ مگر اس بات کے ثبوت کے لئے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اس کی دعوت دی، یا رغبت دلائی اور اس کو مشروع عبادت اور طاعت بنا دیا، شرعی دلیل کی ضرورت ہے۔ بعض سلف کا فعل اس سلسلہ میں کافی نہیں، اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ "اللہ و رسولؐ اس کو پسند یا ناپسند فرماتے ہیں، اور آپؐ نے اس کو مسنون و مشروع کیا، یا اس سے منع فرمایا اور ناپسند کیا وغیرہ۔" یہ باتیں ثبوت کے لئے شرعی دلیل چاہتی ہیں خاص طور پر جب جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو نہ کیا ہو، اگر آپؐ نے اس کی ترغیب دی ہوتی اور اس کو پسند کیا ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو کرتے۔ وہ تو بھلائی کے سب سے بڑے شیدائی تھے۔ اس کے نظائر بہت ہیں۔ واللہ اعلم!

مومن بسا اوقات ایک جگہ کی بجائے دوسری جگہ میں دعاء اور نماز کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ وہاں دل پوری طرح متوجہ ہوتا ہے۔ اور خشوع زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ شارع علیہ السلام نے اس جگہ کی فضیلت بیان کی ہے۔ جب کوئی ایسی صورتِ حال ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اس شخص کے حق میں وہ مستحب ہوگا۔ اس لئے کہ اس میں اس کی عبادت افضل ہوتی ہے۔ مثلاً لوگ اگر ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھیں، جو انہیں محبوب ہو تو ان کی نماز ان لوگوں کی نماز سے افضل ہوگی، جو ایسے امام کی اقتداء کریں، جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں۔ بعض اوقات کم درجے کا عمل بعض لوگوں کے لئے افضل ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ اس کے لئے زیادہ نفع مند ہوتا ہے، وہ اس کو بڑا مرغوب ہوتا ہے اور وہ اس کو افضل عمل سے زیادہ محبوب ہوتا ہے کیونکہ وہ اس سے عاجز ہوتا ہے۔ اور یہ عمل اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ اس عمل کے علاوہ ہوتا ہے، جس کی جنس کی فضیلت شرعی طور پر ثابت ہے۔ مثلاً دلائل سے ثابت ہے کہ نماز افضل ہے پھر قرآت، پھر ذکر۔ اور کم درجے کا عمل اپنے موقع محل میں افضل ہوتا ہے اُس افضل عمل سے، جو غیر موقع پر ہو مثلاً فجر اور عصر کے بعد ذکر، دعاء اور قرآت اُس نماز سے افضل ہے، جو اس وقت منع ہے اور جس طرح رکوع اور سجود میں قرآت کی جگہ تسبیح افضل ہے۔ کیونکہ رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنا منع ہے۔ اس کے نظائر بہت ہیں، جو کسی اور جگہ بیان ہوں گے۔

مقصد یہ ہے کہ جب کسی عمل کو امت کے لئے مستحب کہا جائے، جس کے لئے رسولِ کریم ﷺ نے پکارا اور رغبت دلائی، تو اس کے لئے دلیل ضروری ہے۔ اور رسولِ کریم ﷺ کی طرف وہی منسوب ہونا چاہیئے جو آپؐ نے کیا ہو۔ اور رسولؐ وہ شخصیت ہے، جس پر ایمان لانا اور جس کی اطاعت

اتباع اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دی ہے اور جس چیز کو آپؐ نے واجب کیا، اس کو اللہ تعالیٰ نے واجب، جس کو حرام کیا، اس کو حرام اور جس کو مشروع کیا اس کو مشروع کر دیا آپؐ کے ذریعے ہدایت اور ضلالت، بھلائی اور گمراہی، حق اور باطل، معروف اور منکر کے درمیان فرق کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے حق میں گواہی دی ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف اُس کے حکم سے دعوت دیتے ہیں اور صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں۔ نیز آپؐ کی فرماں برداری کو اللہ تعالیٰ اپنی فرماں برداری فرماتا ہے مثلاً ارشاد ہے:

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ"[1] "جو شخص رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی"

وَقَوْلُهٗ: "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ"[2] الآیۃ! "ہم نے رسولؐ اسی خاطر بھیجا کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے!"

رسولؐ کی اطاعت کے بغیر نجات کا کوئی راستہ نہیں قیامت کے دن لوگوں سے آپؐ پر ایمان لانے آپؐ کی اتباع اور حکم برداری کے متعلق ہی سوال ہوگا قبروں میں بھی آپؐ کے ذریعے لوگوں کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝[3] "جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا ہم ان سے بھی ضرور پوچھیں گے۔ اور رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے!"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے عہد لیا اور نبیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی اُمتوں سے عہد لیں کہ اگر آپؐ ان کے پاس آجائیں تو وہ ضرور آپؐ پر ایمان لائیں گے اور آپؐ کی تصدیق کریں گے۔ آپ ہی ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنّت اور اہلِ دوزخ کے درمیان فرق کر دیا۔ جو آپؐ پر ایمان لے آیا اور اس نے آپؐ کی اطاعت کی، وہ اہلِ جنّت میں سے ہے اور جس نے آپؐ کی تکذیب اور نافرمانی کی، وہ اہلِ دوزخ میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝[4] "جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی فرماں برداری کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔"

---

[1] النساء: ۸۰ [2] النساء: ۶۴ [3] الاعراف: ۶ [4] النساء: ۱۳

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ؁ ○

"اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا اور اس کی حدود سے نکل جائے گا، اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہو گا۔"

دنیا و آخرت کی سعادت کا وعدہ، اور دنیا و آخرت کی شقاوت کی وعید کا تعلق آپؐ کی فرمانبرداری کے ساتھ ہے۔ آپؐ کی اطاعت ہی صراطِ مستقیم ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور وہ مضبوط کڑا ہے جس کو پکڑنے والے اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور متقی لوگ ہیں۔ اس کا بامراد گروہ ہے اور اس کا غالب لشکر ہے۔ ان کے مخالف لوگ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور ابلیس لعین کا گروہ ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ○ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ○ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ○ ؁

"اور جس دن عاقبت نااندیش ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہے گا "اے کاش! میں نے رسولؐ کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا۔ اے شامت، کاش! میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا! اس نے مجھے نصیحت آنے کے بعد بہکا دیا اور شیطان انسان کو دغا دینے والا ہے!"

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ○

"جس دن ان کے منہ آگ میں اُلٹائے جائیں گے اور کہیں گے "اے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسولؐ کا حکم مانا ہوتا۔"

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ؁

"اور کہیں گے "اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا۔ انہوں نے ہمیں راہ سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے پروردگار! ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔"

۱؎ النساء : ۱۴ ۲؎ الفرقان : ۲۷-۲۹ ۳؎ الاحزاب : ۶۶، ۶۷، ۶۸

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝[1]

"کہہ دو! اطاعت کرو اللہ کی اور رسولؐ کی اگر وہ پھر جائیں تو اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا کافروں کو۔"

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝[2]

"تمہارے رب کی قسم، اس وقت تک وہ لوگ مومن نہیں بن سکتے، جب تک اپنے جھگڑوں میں آپؐ کو منصف نہ مان لیں اور پھر جو فیصلہ آپؐ فرما دیں، اس سے دلوں میں تنگی نہ پائیں۔ اور دل و جان سے اس کو تسلیم کر لیں۔"

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝[3]

جو لوگ رسولِ کریم ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، وہ اس سے ڈریں کہ ان پر کوئی مصیبت آن پڑے یا دردناک عذاب نازل ہو۔"

" وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۔ الاٰیۃ[4]"

"اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ اور رسولؐ کی، وہ ان کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی نبیوںؑ، صدّیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوں گے یہ لوگ کتنے اچھے ساتھی ہیں! یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔"

سب رسولوں نے یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔[5] الاٰیۃ!"

"ہم نے ہر رسول اس لئے بھیجا تا کہ اس کی اللہ کے حکم سے اطاعت کی جاتے۔"

انبیاء علیہم السلام ایک اللہ کی عبادت کا اور اسی ایک کے تقوے کا اور اسی ایک کی خشیت کا اور اسی ایک کی فرماں برداری کا حکم دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ

"جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا

---

[1] آلِ عمران: ۳۲، [2] النساء: ۶۵، [3] النور: ۶۳، [4] النساء: ۶۹، ۷۰، [5] النساء: ۶۴

اللہَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○[1] ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، یہی لوگ کامیاب ہیں"۔

نوح علیہ السلام نے فرمایا:

اَنِ اعْبُدُوا اللہَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ○[2] "اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو"۔

فَاتَّقُوا اللہَ وَاَطِيْعُوْنِ ○[3] "تم اللہ کا تقویٰ رکھو اور میری اطاعت کرو"۔

یہی بات حضرت ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، لوط علیہ السلام، شعیب علیہ السلام نے فرمائی۔ اور لوگ رسول پر ایمان لانے کے محتاج ہیں۔ رسول کی اطاعت کی ہر زمانے اور جگہ میں، رات اور دن میں، سفر اور حضر میں، پوشیدہ اور علانیہ، جماعت میں اور اکیلے میں ضرورت ہے۔ رسول کی اطاعت کھانے پینے، بلکہ سانس لینے سے بھی زیادہ ضروری ہے اس لئے کہ اگر وہ اطاعتِ رسول سے محروم رہے اور تکذیب کرے تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ○ لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ○ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ○[4] "میں نے تمہیں بھڑکتی آگ سے ڈرا دیا اس میں وہی داخل ہوگا جو بڑا بدبخت ہے جس نے تکذیب کی اور منہ پھیرا"۔

یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبر دی، اس کی تکذیب کی، اور ان کی اطاعت سے منہ پھیرا!

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ فرمایا:

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ○ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ○[5] "نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی لیکن جھٹلایا اور منہ پھیرا"۔

یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی خبر دی، اس کی تکذیب کی اور ان کی فرماں برداری سے منہ پھیرا!

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا "اے اہلِ مکہ! ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے

---

[1] النور: ۵۲ [2] النوح: ۳ [3] الشعراء: ۱۰۸ [4] الیل: ۱۴، ۱۶ [5] القیامۃ: ۳۱، ۳۲

عَلَيۡكُمۡ كَمَآ اَرۡسَلۡنَآ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًاؕ فَعَصٰى فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ فَاَخَذۡنٰهُ اَخۡذًا وَّبِيۡلًا۝[1]

جو تمہارے خلاف گواہی دے گا جس طرح فرعون کی طرف ایک رسولؑ بھیجا فرعون نے رسولؑ کی نافرمانی کی تو ہم نے اس پر بڑا دبال ڈالا۔"

فَكَيۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيۡدٍ وَّجِئۡنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيۡدًا۝ يَوۡمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَعَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ تُسَوّٰى بِهِمُ الۡاَرۡضُؕ وَلَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ حَدِيۡثًا۝[2]

"بھلا اس وقت کیا حال ہوگا؟ جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپؐ کو ان سب پر گواہ لائیں گے اس دن جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی چاہیں گے کاش! ان کو زمین میں دفن کر کے بے نشان کر دیا جائے اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو "سراجِ منیر" کا نام دیا اور سورج کو "سراجِ وہاج" کے نام سے ذکر کیا۔ لوگوں کو "سراجِ وہاج" (سورج) سے کہیں بڑھ کر حاجت ہے "سراجِ منیر" یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی کیونکہ لوگ رات اور دن، پوشیدہ اور علانیہ، ہر حال میں آپؐ کے سخت ضرورت مند ہیں اور آپؐ ان کو سراسر فائدہ پہنچانے والے ہیں۔ آپؐ "منیر" ہیں جس سے کوئی تکلیف نہیں لیکن "وہاج" کبھی نفع دیتا ہے کبھی نقصان۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ لوگ سخت حاجتمند ہیں رسول ﷺ کے اور ان پر ایمان لانے کے، ان کی فرمانبرداری اور محبت کے، آپؐ کی دوستی اور تعظیم کے، آپؐ کی مدد کرنے اور عزت کرنے کے اور یہ حاجت ہر وقت اور ہر جگہ عام ہے تو پھر آپؐ کے حقوق بھی عام ہیں آپؐ کی قبر کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ جو آپؐ کے کچھ حقوق کو قبر سے وابستہ کرتا ہے، وہ رسولِ اکرم ﷺ کی اور آپؐ کے جن حقوق کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کی قدر و منزلت سے جاہل ہے۔ جو کوئی آپؐ کے ان حقوق کی ادائیگی میں مشغول ہوگا جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہ ان بدعات سے ضرور بچے گا جو آپؐ کی قبر اور دوسری قبور سے متعلق ہیں۔ اور جو ان بدعات میں لگ جائے گا جن سے منع کیا گیا ہے وہ ان حقوق کو ترک کر دے گا جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ آپؐ کی فرمانبرداری ہی پر نجات اور سعادت کا دارومدار

---

[1] المزمل: ۱۵ [2] النسآء: ۴۱، ۴۲

ہے اور جو لوگ قبروں کا حج کرتے ہیں اور فوت شدہ انبیاءؑ وغیرہ کو پکارتے ہیں، وہ درحقیقت رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں اور رب کے ساتھ ان کو شریک بناتے ہیں۔ اس طرح ان کو جس توحید کی تحقیق کا اور ایمان بالرسولؐ کا حکم ہے، وہ اس سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس سے مراد "لا الٰہ الا اللہ" اور "محمد رسول اللہؐ" ﷺ کی تحقیق ہے۔ قیامت کے دن سب مخلوق سے ان دو بنیادی باتوں کا سوال ہوگا کہ "تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ اور تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟" اس کی تفصیل اپنی جگہ آچکی ہے۔

غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے مبارک زمانہ میں مسجد میں آتے تھے اور پانچوں نمازیں ادا کرتے تھے۔ وہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور اس کے بعد نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے، مگر وہ حجرے کی طرف جا کر کھڑے ہو کر آپؐ کو سلام نہیں کہتے تھے۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مبارک زمانہ میں حجرہ شریف مسجد سے باہر تھا، درمیان میں صرف ایک دیوار تھی۔ مدینہ منورہ میں عام صحابہؓ کی وفات کے بعد جن میں سب سے آخر میں حضرت جابر بن عبداللہؓ ۷۸ھ میں عبدالملک کی خلافت میں فوت ہوتے تھے، ولید بن عبدالملک کی خلافت میں حجرہ شریف کو مسجد میں داخل کیا گیا۔ ولید ۸۶ھ میں خلیفہ بنا اور ۹۶ھ میں فوت ہوا۔ توسیع کے لئے حجرہ شریف کو اسی عرصے میں مسجد میں داخل کیا گیا۔ ابو زید عمر بن شبیہ نمیری نے اپنی کتاب "اخبار مدینہ" (مدینۃ الرسولؐ) میں اپنے اساتذہ سے اور اس سے جس سے لوگوں نے حدیث بیان کی، ذکر کیا ہے کہ: ۹۱ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب وہ مدینہ پر ولید کے نائب حاکم تھے مسجد کو گرایا اور اس کو منقش پتھروں کے ساتھ تعمیر کیا۔ اور اس کی چھت ساگوان کے درخت اور سونے کے پانی سے بنائی تھی۔ اس سلسلے میں ازواج النبی ﷺ کے حجروں کو گرا کر مسجد کے اندر داخل کر دیا تھا۔ اس طرح قبر شریف بھی مسجد میں آگئی۔

پھر شیخ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر اور اس کی توسیع کے بارے میں آثار ذکر کئے ہیں۔ اور بتایا ہے کہ جس حصے کو بعد میں مسجد میں داخل کیا گیا ہے، اس کا حکم بھی اصل مسجد کی طرح ہے، اس میں بھی ایک نماز کا ہزار نماز کے برابر ثواب ملتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح مسجد حرام میں توسیع کی گئی جگہ کا حکم اصل مسجد حرام کا ہے۔ اس میں طواف جائز ہے اور یہ بالکل واضح ہے کہ طواف مسجد ہی میں ہو سکتا ہے، باہر نہیں!"

یہی وجہ ہے کہ اس اضافہ شدہ جگہ میں جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زیادہ کیا تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں صفِ اوّل میں نماز ادا کرتے تھے یہی سب مسلمانوں کا معمول ہے۔ اگر توسیع کی خاطر شامل کی گئی جگہ کا حکم اصل مسجد کا نہیں، تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز غیر مسجدِ نبوی میں ہوئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور عام مسلمان اس کو کیسے گوارا کر لیتے، کہ وہ مسجدِ نبوی کو چھوڑ کر دوسری جگہ نماز پڑھیں اور اس کا حکم دیں؟ ابو زید کہتے ہیں، مجھے محمد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا، مجھے ایسے شخص نے حدیث بیان کی، جس کی ثقاہت پر مجھے اعتماد ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں قبلے کی طرف مقصورہ تک، جو آج بھی موجود ہے، توسیع کی ہے۔ چنانچہ ہمارے شہر کے لوگ اس میں کوئی شک نہیں کرتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قبلہ جہاں رکھا تھا، آج بھی وہیں ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی"۔ ابو زید نے کہا ہمیں حدیث بیان کی محمد بن یحییٰ نے محمد سے، انہوں نے عثمان سے، انہوں نے مصعب بن ثابت سے، انہوں نے خباب رضی اللہ عنہ سے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن، جبکہ آپ مصلّٰی پر تشریف فرما تھے، فرمایا "کاش! ہم اپنی مسجد میں توسیع کر دیں" اور اپنے ہاتھ سے قبلہ شریف کی طرف اشارہ فرمایا۔" اور ہمیں حدیث بیان کی محمد بن یحییٰ نے محمد بن اسمٰعیل سے، انہوں نے ابنِ ابی ذئب سے، انہوں نے کہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مسجدِ نبوی میں جتنا اضافہ ہوگا، وہ بھی اسی میں سے ہوگا" اور ہمیں حدیث بیان کی محمد بن یحییٰ نے سعد بن سعید سے، انہوں نے اپنے بھائی سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر یہ مسجد صنعاء تک وسیع کر دی جائے تو وہ ساری میری مسجد ہوگی"۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "اللہ کی قسم اگر یہ مسجد میرے گھر تک وسیع ہو جائے تو میں دوڑ کر نماز پڑھنے نہیں جاؤں گا، بلکہ وہیں پڑھ لوں گا" اور ہمیں حدیث بیان کی عبد العزیز بن عمران نے فلیح بن سلیمان سے، انہوں نے ابنِ ابی عمرۃ سے، انہوں نے کہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں اس کی شامی جانب اضافہ کیا اور فرمایا "اگر ہم مسجد کو جبانہ تک وسیع کر دیں، تو بھی وہ مسجدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رہے گی"۔ ان آثار کے مطابق ائمہ متقدمین کا بیان اور عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ فرض نماز امام کے پیچھے افضل ہے۔ سنّت سے بھی یہی بات ثابت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دونوں کے زمانے میں صورتحال یہی تھی کہ دونوں نے اضافہ مسجد کے قبلے کی جانب کیا، تو امام کے کھڑے ہونے کی جگہ پانچوں نمازوں میں اضافہ شدہ جگہ میں ہوتی تھی۔ اسی طرح پہلی صف بھی جس کی فضیلت سنّت و اجماع سے ثابت ہے، اضافہ شدہ جگہ

میں ہوتی تھی۔ اور یہ محال ہے کہ غیر مسجدِ نبوی میں مسجدِ نبوی کی نسبت نماز افضل ہو۔ اور خلفاء اور پہلی صف میں کھڑے ہونے والے لوگ مسجدِ نبوی کے باہر نماز ادا کریں۔ اس مسئلہ میں سلف میں کوئی اختلاف نہیں لیکن بعض متاخرین نے ذکر کیا ہے کہ اضافہ شدہ جگہ مسجدِ نبوی کا حصہ نہیں۔ اس میں ان کا علمائے سلف میں سے کوئی موافق نہیں۔ پھر کہا ان امور پر ہم نے یہاں تنبیہ کی ہے اس کی معرفت کی ضرورت تھی مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے کہ اصل معاملہ کیسے تھا اور اللہ و رسول ﷺ کا اس میں کیا حکم ہے؟

اس بحث سے مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ مسجدِ نبوی میں جب ولید نے توسیع کی تو اس میں حجرہ شریف بھی داخل تھا اس وقت تک عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وفات پا چکے تھے۔ اور وہی صغار صحابہؓ رہ گئے تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو اتنی عمر میں پایا تھا کہ اس عمر میں طہارت و نماز کے مسائل کی تمیز نہیں تھی۔ یہ تواتر کے ساتھ معلوم ہے کہ اس وقت ولید بن عبد الملک کی حکومت تھی اور یہ ۹۱ھ کا ذکر ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تعمیر میں تین سال صرف کئے ۹۳ھ میں بہت سے تابعینؒ فوت ہو گئے تھے مثلاً سعید بن مسیب اور فقہاء سبعہ میں سے دوسرے لوگ اس سال کو "سنۃ الفقہاء" کہا جاتا ہے حضرت جابر بن عبد اللہؓ ان سابقون اولون میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے عقبہ میں بیعت کی تھی جب وہ فوت ہوئے تو اور کوئی صحابی موجود نہیں تھا اور یہ مسجد میں تبدیلی کے کئی سال پہلے کا واقعہ ہے!۔ اس وقت سہل بن سعد ساعدیؓ کے علاوہ کوئی صحابی ایسا نہیں تھا جو رسولِ کریم ﷺ کی وفات کے وقت بالغ ہو۔ حضرت سہلؓ ۸۸ھ میں فوت ہوئے یا ۹۱ھ میں۔ ابو حاتم بستی وغیرہ کے بیان کے مطابق مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کے صحابیوں میں سے وہ سب سے آخر میں فوت ہوئے۔

لیکن جو اس کے بعد فوت ہوئے وہ صغار صحابہؓ ہیں مثلاً سائب بن زید کندیؓ جو نمر کے بھانجے ہیں۔ وہ مدینہ منورہ میں ۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے بعد عبد اللہ بن طلحہؓ جن کو نبی کریم ﷺ نے گھٹی دی تھی فوت ہوئے۔ اسی طرح محمود بن ربیعؓ ہیں جو رسولِ کریم ﷺ کی کلی کو جانتے ہیں، جو آپؐ نے ان کے گھر کنوئیں سے ان کے منہ پر کی تھی۔ اس وقت ان کی عمر پانچ برس کی تھی۔ وہ ۹۹ھ میں فوت ہوئے ان کی عمر ۹۳ سال تھی۔ اور ابو امامہ بن سہل بن حنیفؓ جن کا نام نبی کریم ﷺ نے حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے نام پر اسعد رکھا تھا وہ ۱۰۰ھ میں فوت ہوئے۔ لیکن ان

بزرگوں کو نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ایسی سوجھ بوجھ نہیں تھی کہ وہ آپؐ کے اقوال وافعال کو دیگر صحابہ کرامؓ حضرت جابر اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہما وغیرہ کی طرح نقل کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس سے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد مکہ مکرمہ میں ۷۴ھ میں فوت ہوگئے تھے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس سے بھی پہلے ۶۸ھ میں طائف میں وفات پاگئے تھے۔ یہ اور ایسے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی میں مسجد میں تبدیلی اور حجرے کو مسجد میں داخل کرنے کی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ حضرت انس بن مالکؓ بصرے میں تھے، مدینہ میں نہیں تھے بعض کہتے ہیں کہ وہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد میں فوت ہوتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہراتؓ کے حجرے مسجد کی مشرقی اور قبلے والی جانب تھے حجرے ازواج مطہراتؓ کے وارثوں سے خرید کر مسجد میں شامل کئے گئے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ بھی مسجد میں داخل کر دیا گیا۔ یہ سب کارروائی ولید بن عبدالملک کے عہدِ حکومت میں مدینے کے حاکم حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دی۔ انہوں نے حجرے کا پہلا دروازہ بند کر کے پہلی دیوار کے بعد ایک اور دیوار بنا دی اب آپؐ کو سلام کہنے والا اُس وقت کے سلام کہنے والے سے جبکہ دیوار ایک ہی تھی مزید دور ہوگیا۔

یہ لوگ کہتے ہیں: اگر مسجد میں سلامِ تحیۃ جس کا آپؐ جواب دیتے ہیں مشروع ہوتا تو اس کی ایک یا دو یا تین گز کوئی حد ہوتی مگر یہ فرق کہیں سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ ایک جگہ مستحب ہے اور دوسری جگہ مستحب نہیں ہے اگر کوئی یہ کہے کہ اگر مغربی دیوار کے پاس کوئی سلام کہے تو آپؐ اس کو جواب دیتے ہیں، تو یہی صورت مسجد کے باہر ہے ورنہ اس وقت کیا فرق ہوگا؟ اس سے لازم آئے گا کہ آپؐ تمام اہلِ ارض کو سلام کا جواب دیں اور نماز میں ہر درود پڑھنے والے کو جیسا کہ بعض غلط فہم لوگوں کا گمان ہے اس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے اگر یوں کہا جائے کہ حجرے اور سلام کہنے والے کے درمیان ایک خاص فاصلے کے ساتھ یہ مخصوص ہے تو پھر اس کی حد کیا ہوگی؟ اس کے بھی دو قول ہیں۔ امام مالکؒ وغیرہ نے اس کو حجرہ شریف کے پاس مستحب جانا ہے اس صورت میں سوچنا ہوگا کہ اس قرب کی حد کیا ہے؟ جب اس کی ایک حد مقرر کر دی جائے تو کیا اس حد سے نکل جانے والا مستحب فعل کرے گا یا نہیں؟ کچھ متاخرین حجرہ شریف سے دور ہونے کو مستحب کہتے ہیں جس طرح یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء سے ذکر کیا جاتا ہے۔ پھر کیا وہ ایک ہاتھ کے برابر ہے' یا دو ہاتھوں کا پھیلاؤ' یا اس سے زیادہ؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مقلدین نے یہ فاصلہ چار ہاتھ مقرر کیا ہے تو وہ کہتے ہیں جب رسولِ کریم ﷺ پر سلام کہے تو قبلہ رُخ ہو اور حجرہ شریف اس کے بائیں جانب ہو' اس سے زیادہ حجرہ شریف کے قریب نہ ہو۔ متقدمین کا یہی قول ہے' واللہ اعلم! کیونکہ مقصود تو قرآن میں حکم کردہ سلام ہوتا ہے' جس طرح آپ ﷺ پر صلوٰۃ کا حکم ہے' اس سے مراد سلام تحیۃ نہیں' جس کا جواب دیا جائے' اس میں یہ بُعد مشروع نہیں ہے' نہ ہی وہ قبلہ رُخ ہو اور اتنا فاصلہ ہو کہ عام طور پر وہاں سے آواز نہ سُنی جاسکے۔

خلاصہ یہ ہے' جو شخص یہ کہے کہ سلام کہنے والا سلامِ تحیۃ کہے' جس کا جواب لینا مقصود ہوتا ہے' تو پھر اس کے لئے جگہ کی حد بندی ضروری ہے۔ اگر وہ کہے' اتنی دور سے کہ سُنا جاسکے اور جواب دیا جاسکے' اس کی حد ایک ہاتھ یا دو ہاتھ یا دس ہاتھ یا ساری مسجد یا مسجد کے باہر ہے تو اس کی دلیل لازمی ہے! جو احادیث آپ ﷺ سے ثابت ہیں' ان میں سے کسی میں یہ نہیں کہ آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔ اور جو گمان کرے کہ آپ ﷺ سُنتے ہیں اور حجرے سے باہر عام جگہ نہیں' بلکہ خاص جگہ میں سلام کا جواب دیتے ہیں' تو پھر اس جگہ کی حد بندی لازمی ہے' یہ بات معلوم ہے کہ اس کی کوئی شرعی حد نہیں ہے' جو بھی اس کی حد بندی کرے گا' دوسرے اس کو گھٹائیں بڑھائیں گے۔

پھر آواز کی حد بھی آواز کی بلندی و پستی کے ساتھ مختلف ہو گی آپ ﷺ کو سلام کہنے والے کے لئے سُنّت یہ ہے کہ آہستہ آواز سے سلام کہے' مسجدِ نبوی ﷺ میں بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام وغیرہ ممنوع ہے' بخلاف حجرے میں سلام کہنے والے کے' اس کے اور مسجد میں سلام کہنے والے کے درمیان فرق ہے۔ پھر مسجد میں داخل ہونے والے کے لئے سُنّت یہ ہے کہ آواز کو پست رکھے۔ آپ ﷺ کو سلام کہنے والا اگر آواز بلند کرے گا تو اس سے مسجد کی بے ادبی ہو گی۔ اگر آواز بلند نہ کرے' تو حجرے کے اندر آواز نہیں پہنچ سکتی۔

ہاں جس سلام کا اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم ﷺ نے حکم دیا ہے' اس کی صُورت اس سے مختلف ہے' اس کا جواب خود اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور یہ ہر جگہ جائز اور مشروع ہے' آپ ﷺ کی قبر سے مخصوص نہیں۔

اس کی جو بھی صورت ہو' اس میں علماء کے درمیان بڑا نزاع ہے' جو علماء مسجد میں سلامِ تحیۃ کو

مستحب کہتے ہیں، ان کے پاس قبر نبوی کی زیارت کے مستحب ہونے کی ایک بھی حدیث نہیں جس سے دلیل لے سکیں۔ معلوم ہوا یہ احادیث اہل علم کے ہاں معروف نہیں ہیں میں نے جب اس کے راویوں کی تحقیق کی تو وہ یا تو جھوٹے تھے، یا ضعیف، خراب حافظے والے یا اسی طرح کی ان میں اور کمزوریاں تھیں جو کسی دوسری جگہ بیان ہو چکی ہیں۔ مثلاً یہ حدیث :

" مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ "

" جو مسلمان مجھ پر سلام کہے اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹاتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں "

امام احمد وغیرہ علماء نے اس حدیث سے حجت لی ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور وہ "حیوۃ بن شریح مصری" جو ایک نیک اور ثقہ شخص تھے، کی معروف حدیث ہے انہوں نے اس کو ابو صخر سے، انہوں نے یزید بن عبداللہ بن قسیط سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے یہ ابو صخر متوسط ہے۔ اسی وجہ سے یحییٰ بن معین سے اس کے بارے میں مختلف رائیں منقول ہیں کبھی اس کو ضعیف کہا، امام نسائی نے ان سے اتفاق کیا اور کبھی کہا "کوئی حرج نہیں" ان کی اس رائے سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ متفق ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو یہ حدیث اپنے سے زیادہ صحیح حدیث کی مخالف ہے، اس لئے وہ اس پر مقدم ہوگی۔ میت کو سلام کہنا اور اس کا سلام کہنے والے کو جواب دینا دوسری حدیث میں بھی آتا ہے۔ اگر اس حدیث سے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت کرنا ہو تو اس میں اختلاف ہے، اس کی سند میں اور اس کے متن کی دلالت میں نزاع ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند کے ساتھ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان روایت کیا ہے :

" مَنْ خَرَجَ مَعَ جَنَازَةٍ مِنْ بَيْتِهَا وَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ تَبِعَهَا حَتّٰى تُدْفَنَ كَانَ لَهٗ قِيْرَاطَانِ مِنَ الْاَجْرِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُحُدٍ "

" جو شخص کسی جنازے کے ساتھ اس کے گھر سے نکلے، اس پر نماز جنازہ پڑھے پھر اس کے ساتھ جائے۔ یہاں تک کہ وہ دفن کیا جائے، اس کو دو قیراط ثواب ملتا ہے ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے اور جو صرف نماز جنازہ پڑھ کر واپس آجائے اس کو ایک احد پہاڑ کے برابر ثواب ملتا ہے "

بخاری و مسلم وغیرہ نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

دوسری سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام مسلم کبھی متابعات میں ایسے معیار کی حدیث لے آتے ہیں، جس کو وہ انفرادی طور پر روایت نہیں کرتے۔

یہ ان کا بہت سے رجال میں معروف قاعدہ ہے مسلم کی روایات میں ہمارے لئے اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

یعنی اس شخص کی روایت میں جو کسی اور سے بھی معروف ہو اور اس شخص کی روایت میں، جس میں اکیلے پہ اعتماد ہو فرق کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے، بہت سے اہلِ علم ایسی روایات کو بخاری یا مسلم کی شرط پر نہیں کہتے جیسا کہ دُوسری جگہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

اگر اس مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث ہوتی تو وہ مدینہ میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ پر چھپی نہ رہتی۔ اگر یہ معمول ان کے ہاں معروف ہوتا تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ یہ بات کہنا کبھی ناپسند نہ فرماتے کہ :

"میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی ہے"

جب ان کے نزدیک یہ ناپسندیدہ بات ہے ، تو ثابت ہوا ، ان کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث اس مسئلے میں نہیں ــــ اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کوئی اثر اور عمل ہی ثابت ہے۔

علماء میں سے جو اس بات کو ناپسند کرتے ہیں، اور جو پسند کرتے ہیں، سب اس پہ متفق ہیں کہ آپؐ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر ، دراصل آپؐ کی مسجد کی طرف سفر ہے۔ اگر اس کا ارادہ آپؐ کی قبر کی طرف سفر کا ہو، تب بھی اس کا سفر آپؐ کی مسجد ہی کی طرف ہوگا۔ البتہ اس کی نیت کے مطابق اس کے سفر کا حکم ہوگا۔ یا تو عام قبروں کی زیارت کے معروف طریقے کے مطابق آپؐ کی قبر کی زیارت کی نیت ہوگی۔ یہ ناممکن، ممنوع اور غیر مشروع ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے، جو لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ آپؐ کی قبر کی زیارت کا لفظ بولا جائے، ان کا کہنا زیادہ قرینِ صحت ہے۔ یہ نہ تو آپؐ کی قبر کی زیارت ہے اور نہ اس میں قبر کے ساتھ کوئی مخصوص بات ہے، بلکہ جو کچھ کیا جاتا ہے، وہ ایسی عبادت ہے، جو مساجد اور غیر مساجد میں کی جاسکتی ہے۔ مگر زیارتِ قبر میں قبر کی تخصیص ہو جاتی ہے۔ آپؐ کی قبر شریف

کی شرعی زیارت درحقیقت مسجدِ نبوی ﷺ کی طرف سفر ہے اور اس میں مقصود عبادت ہے اس کی قبر کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں اس بناء پر "آپ کی قبر کی زیارت" کے نام کو ناپسند کرنے والوں کی بات عقل، شرع اور لغت کے زیادہ قریب ہے۔ لہٰذا اب "مسجدِ نبوی کی طرف سفر" کا نام ہی رہ گیا ہے۔ اس کی مشروعیت نص اور اجماع سے ثابت ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ آپؐ کی قبر کی زیارت مستحب ہے' ان کا مقصد بھی درحقیقت یہی ہوتا ہے۔ علماء میں معنیٰ کے لحاظ سے کوئی اختلاف نہیں' صرف نام اور اطلاق میں لفظی اختلاف ہے۔

مجیب نے اس شرعی زیارت کے استحباب میں' جو آپؐ کی مسجد میں ہوتی ہے کسی نزاع کو بیان نہیں کیا۔ بات صرف یہ ہے کہ بعض اس سفر کو "آپؐ کی قبر کی زیارت" کہتے ہیں اور بعض "زیارتِ قبر" کے نام کو ناپسند کرتے ہیں۔ مجیب جس کو مستحب سمجھتا ہے' اس کو نص اور اجماع سے مستحب سمجھتا ہے' اور اس میں لفظی نزاع کو بیان کر دیا گیا ہے اب جو کوئی اس کے خلاف بیان کرے وہ جھوٹا اور مفتری ہے اور اسی سزا کا حقدار ہے جس کے اس جیسے مفتری مستحق ہوتے ہیں۔

معترض مالکی

کہتا ہے "صحابہؓ و تابعینؒ سے' نیز بڑے بڑے علماء مجتہدین سے بہت سی نصوص مروی ہیں' جو ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں اور جن سے اس کی ترغیب و فضیلت ثابت ہوتی ہے اور ان لوگوں پر رشک آتا ہے' جو ہمیشہ اور تیزی سے اس میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ بعض تو اس کو "مباح" اور "فضیلت" سے آگے اس کے "وجوب" کی طرف مائل ہیں اور لوگ ہمیشہ قول اور عمل سے اس پر متفق رہے ہیں وہ اس کی فضیلت میں کوئی شک نہیں کرتے اور نہ ہی اس سے انحراف چاہتے ہیں مسند ابن ابی شیبہ میں ہے:

"مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا سَمِعْتُهُ" – "جو شخص قبر شریف کے پاس مجھ پر درود پڑھے' میں سنتا ہوں اور جو کوئی دور سے پڑھے وہ بھی سنتا ہوں۔"

شیخؒ نے فرمایا: "جو نسخہ میرے پاس معترض کی طرف سے لکھا ہوا موجود ہے' اس کی تصحیح بھی اس نے کی ہے اس میں یہ جملہ (مَنْ صَلّٰى نَائِيًا سَمِعْتُهُ) غلط ہے حدیث کے صحیح الفاظ یہ ہیں:

"مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا بلغتہ !"

لوگ اس کو اسی طرح ذکر کرتے ہیں۔ قاضی عیاض نے بھی ابن ابی شیبہ سے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ معترض کا اس طرح کی حدیثوں وغیرہ کا انحصار قاضی عیاض کی کتاب پر ہے اس کو بیہقی وغیرہ نے علاء بن عمرو حنفی کی حدیث سے بیان کیا ہے۔ اس نے کہا ہمیں حدیث بیان کی ابو عبدالرحمٰن نے اعمش سے اس نے ابو صالح سے اس نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا بلغتہ"

"جو کوئی میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے میں اس کو سن لیتا ہوں اور جو کوئی دور سے مجھ پر درود پڑھے وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔"

بیہقی نے کہا میرے خیال میں یہ ابو عبدالرحمٰن محمد بن مروان سدی ہے اور اس میں نظر ہے۔

جواب

میں کہتا ہوں آپ کی امت کا صلوٰۃ وسلام پہنچایا جانا احادیث معروفہ میں موجود ہے مثلاً سنن ابی داؤد وغیرہ کی حسین جعفی سے حدیث اس نے کہا ہمیں حدیث بیان کی عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نے ابوالاشعث صنعانی سے اس نے اوس بن اوس ثقفی سے انہوں نے کہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق اٰدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ قالوا وکیف تعرض صلاتنا علیک وقد ارمت۔ یقولون بلیت۔ فقال ان اللہ حرّم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء!"

"سب دنوں سے افضل دن جمعۃ المبارک ہے اس میں آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اسی میں فوت کئے گئے اسی میں صور پھونکا جائیگا اور اسی میں بے ہوشی ہوگی اس دن مجھ پہ کثرت سے درود پڑھا کرو تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا حضور کیسے آپ تو مٹی میں مل چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ ان کو کھائے۔"

اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابوحاتم نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ اس کے بہت سے شواہد ہیں۔ اس نے دونوں حدیثیں ابنِ مسعودؓ اور ابوامامہؓ سے روایت کی ہیں اس کے شواہد بیہقی کے ذکر کردہ شواہد سے زیادہ ہیں۔ مثلاً:

۱۔ اس کو ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے کہ ہمیں عمرو بن سواد مصری نے حدیث بیان کی، اس نے کہا ہمیں عبداللہ بن وہب نے عمرو بن حارث سے، اس نے سعید ابنِ ابی ہلال سے، اس نے زید بن ایمن سے، اس نے عبادہ بن نسی سے، اس نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اکثروا علیّ من الصّلوٰۃ یوم الجمعۃ فانّہ مشھود تشھدہ الملائکۃ وان احدا لن یّصلّی علیّ الّا عرضت علیّ صلاتہ حتی یفرغ منھا، قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت۔ انّ اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء!"

"جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، اس دن فرشتے کثرت سے حاضر ہوتے ہیں جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے، وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ فارغ ہو، انہوں نے کہا میں نے پوچھا: "موت کے بعد بھی؟" فرمایا "موت کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔"

۲۔ اس کو ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے "تہذیب الآثار" میں سعید بن ابی ہلال کی حدیث سے بیان کیا ہے۔

۳۔ اس کو ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

" لا تجعلوا بیوتکم قبورا ولا تجعلوا قبری عیدا وصلّوا علیّ فانّ صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم۔"

"اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور میری قبر کو عید نہ بنانا۔ مجھ پر درود پڑھو تمہارا درود، تم جہاں بھی ہو، مجھے پہنچ جاتا ہے۔"

۴۔ اس کے بہت سے مرسل شواہد ہیں، جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ چنانچہ سعید بن منصورؒ نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے کہ ہمیں حبان بن علی نے حدیث بیان کی۔ اس نے کہا ہمیں محمد بن عجلان نے ابوسعید مولی المھری سے روایت کی انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لا تتخذوا بیتی عیدا ولا بیوتکم"

"تم میرے گھر کو عید اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا۔

قبورا وصلّوا علیّ حیث کنتم فانّ صلوٰتکم تبلغنی !" — تم مجھ پر درود پڑھو! جہاں بھی ہو تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے۔"

۵۔ سعید نے کہا ہمیں عبدالعزیز بن محمد نے حدیث بیان کی اس نے کہا مجھے سہیل ابن ابی سہیل نے خبر دی اس نے کہا مجھے حسن بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب نے قبر کے پاس دیکھا اس وقت وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات کا کھانا کھا رہے تھے انہوں نے مجھے آواز دی کہ کھانا کھالو۔ میں نے کہا "مجھے بھوک نہیں"۔ انہوں نے پوچھا تم قبر کے پاس کیسے کھڑے تھے؟ میں نے کہا میں نے نبی کریم ﷺ پر سلام کہا تھا۔ انہوں نے فرمایا جب تم مسجد میں داخل ہو تو آپ کو سلام کہو پھر کہا رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

" لا تتخذوا بیتی عیداً ولا بیوتکم مقابر، لعن اللہ الیھود اتّخذوا قبور انبیاءھم مساجد، وصلّوا علیّ فانّ صلاتکم تبلغنی حیثما کنتم، ما انتم ومن بالاندلس منہ الا سواء "

"تم میرے گھر کو عید اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا۔ اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد (عبادت گاہ) بنا لیا تھا تم مجھ پر درود پڑھو۔ تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے جہاں بھی تم ہو۔ تم اور اندلس کے لوگ برابر ہیں۔"

اس کو اسماعیل بن اسحٰق قاضی نے اپنی کتاب "فضل الصّلوٰۃ علی النّبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں بیان کیا ہے اس کے لفظ یہ ہیں "تم کیوں کھڑے تھے؟" میں نے کہا "میں نبی کریم ﷺ کو سلام کہہ رہا تھا۔" انہوں نے کہا "جب تم مسجد میں داخل ہو تو آپ ﷺ پر سلام کہو" اس کے بعد پوری حدیث بیان کی ہے۔ اس میں حسن کے قول کا ذکر نہیں۔ اسماعیل نے کہا ہمیں حدیث بیان کی ابراہیم بن حجاج نے وہیب سے اس نے ابوایوب سختیانی سے انہوں نے کہا "مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ہر درود پڑھنے والے کے ساتھ ایک فرشتہ مقرّر ہوتا ہے۔ وہ آپ کو درود پہنچا دیتا ہے۔"

سلام کے بارے میں سنن نسائی وغیرہ میں سفیان ثوریؒ کی حدیث ہے انہوں نے عبداللہ بن سائب سے انہوں نے زاذان سے انہوں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا:

"ان للہ ملائکۃ سیاحین یبلغونی عن امتی السلام"۔ "اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو گھومتے رہتے ہیں اور مجھے میری اُمت کا سلام پہنچا دیتے ہیں"۔

ابویعلیٰ موصلی کی حدیث علی بن حسین سے گزر چکی ہے اس کی سند بھی گزر چکی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو قبرِ نبوی کے پاس ایک روشندان کی طرف آتے دیکھا تو اس کو فوراً منع کر دیا اور کہا کیا میں تمہیں ایک حدیث نہ سناؤں جو میں نے اپنے باپ سے انہوں نے میرے دادا سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا تتخذوا بیتی عیدًا ولا بیوتکم قبورًا فانّ تسلیمکم یبلغنی اینما کنتم"۔ "میرے گھر کو عید اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا تم جہاں بھی ہو تمہارا سلام مجھے مل جاتا ہے"۔

یہ حدیثیں اہلِ علم کے نزدیک معروف ہیں جو مختلف حسن سندوں سے آئی ہیں اور وہ ایک دوسری کی تصدیق کرتی ہیں۔ یہ روایات اس پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ کی اُمت کا جو فرد درود پڑھتا ہے یا سلام کہتا ہے وہ آپ ﷺ تک پہنچ جاتا ہے اور آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے ان میں یہ کہیں نہیں کہ آپ ﷺ براہِ راست خود درود وسلام سنتے ہیں ان میں تو صرف یہ ہے کہ درود وسلام آپ ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے اور آپ ﷺ کو پہنچ جاتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہے کہ اس صلوٰۃ وسلام سے مراد وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ آپ ﷺ کی مسجد میں ہو یا آپ ﷺ کے شہر میں یا کسی اور جگہ یہ بھی معلوم ہوا جس صلوٰۃ وسلام کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ آپ ﷺ کو پہنچ جاتا ہے۔ البتہ جو شخص آپ ﷺ کی قبر کے پاس سلام کہتا ہے آپ ﷺ اس کو جواب دیتے ہیں۔ یہ عام مومنوں کے سلام کی مانند ہے۔ اس میں آپ ﷺ کی خصوصیت نہیں ہے اور یہ وہ سلام بھی نہیں جس کے بدلے اللہ تعالیٰ دس بار سلام بھیجتا ہے جس طرح صلوٰۃ پڑھنے والے پر دس بار رحمتیں بھیجتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں حکم دیا ہے وہ کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ جو شخص قبر کے پاس سلام کہے آپ ﷺ اس کو جواب دیتے ہیں۔

یہاں نزاع یہ ہے کہ قبر کے پاس ہونے سے مراد آپ ﷺ کا گھر مراد ہے جیسا کہ سماعِ موتیٰ کی باقی حدیثوں سے مراد ہے؟ یا اس شخص کے لئے ہے جو ان کی قبروں کے پاس ہو یا اس سے حجرے میں ہونا مراد ہے جیسا کہ سلف وخلف کے ایک گروہ کی رائے ہے کیا جو شخص سفر سے آتے اس کو قبر کے پاس سلام

کہنا مستحب ہے، یا اہلِ مدینہ میں سے جو ارادہ کرے؟ یا یہ کسی حال میں مستحب نہیں؟ اُمت کے صلوٰۃ و سلام کے پہنچنے اور سننے کا دار و مدار ان احادیثِ ثابتہ پر ہے۔ بیہقی کی اس حدیث کا مفہوم اور مضمون اگرچہ درست ہے، مگر اس کی سند قابلِ حجت نہیں۔ اس کا مفہوم دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ حدیث "محمد بن مروان السدی الصغیر عن الاعمش" سے معروف نہیں، جیسا کہ بیہقی کا گمان ہے۔ ان کا یہ گمان اہلِ معرفت کے نزدیک متفق علیہ نہیں — وہ اعمش پر موضوع ہے۔

عباس دوری، یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن مروان ثقہ نہیں ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں "محدثین اس سے خاموش ہیں، اس کی حدیث بالکل نہ لکھی جائے۔" جوزجانی کہتے ہیں: "ذاہب الحدیث ہے" یعنی اعتماد کے لائق نہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں "یہ متروک الحدیث ہے۔" دارقطنی کہتے ہیں "ضعیف ہے۔" ابنِ حبان نے کہا "اس کی احادیث عبرت کے طور پر لکھی جائیں، دلیل کیلئے کسی حالت میں بھی نہ لکھی جائیں۔" ابنِ عدی کہتے ہیں "اس کی عام مرویات غیر محفوظ ہیں، اس کی روایات میں ضعف ظاہر ہے۔" یہ اس کی ذکر کردہ حدیث پر تنقید ہے، حالانکہ ہم دوسری احادیث کے مطابق اس کا معنیٰ درست سمجھتے ہیں اگر وہ صحیح بھی ہو تو اس میں یہ ہے کہ "جو شخص دُور سے درُود پڑھے، وہ آپؐ کو پہنچ جاتا ہے" اس میں یہ نہیں کہ آپؐ سُنتے ہیں، جیسا کہ معترض کی منقول عبارت سے معلوم ہوتا ہے یہ کسی اہلِ علم نے نہیں کہا۔ اور اس سلسلہ میں کوئی معروف حدیث بھی نہیں صرف بعض جہال اس کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں "جو شخص جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات درُود پڑھے، اس کو آپؐ اپنے کانوں سے سنتے ہیں" یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ آپؐ درود پڑھنے والے سے براہِ راست سنتے ہیں! —— معروف احادیث میں تو صرف یہ ہے کہ درُود آپؐ کو پہنچایا اور پیش کیا جاتا ہے، اور فرشتے آپؐ کو پہنچاتے ہیں۔

یہ کہنا کہ آپؐ دُور سے درُود پڑھنے والے کو سنتے ہیں، درست نہیں، بلکہ یہ محال ہے۔ اگر اس سے مراد یہ ہو کہ صلوٰۃ پڑھنے والے کی آواز آپؐ تک پہنچتی ہے تو یہ حق کا انکار ہے۔ اگر یہ مراد ہو کہ آپؐ دُور دُور سے بندوں کی آوازوں کو سنتے ہیں تو یہ رب العلمین کی صفت ہے، جو ساری مخلوق کی باتوں کو سنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ	"کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو سنتے نہیں؟ ہاں ہاں! اور سب

يَكْتُبُوْنَ ۝[1]

سنتے ہیں؟ ہمارے فرشتے ان کے پاس ان کی سب باتیں لکھ لیتے ہیں"۔

"مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ" اِلٰی قوله: "وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا" اِلٰی قوله: اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝[2]

جہاں تین آدمی سرگوشی کرتے ہوں، وہاں چوتھا اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ اگر پانچ ہوں، تو چھٹا وہ ہوتا ہے۔ اس سے کم یا زیادہ جتنے بھی ہوں، جہاں ہوں، وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر جو جو کام یہ کرتے رہے ہیں، قیامت کے دن ایک ایک بات ان کو بتلائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے"۔

کوئی ایک بشر بھی ایسا نہیں، بلکہ مخلوق میں سے ایک بھی نہیں، جو سب بندوں کی آوازیں سن سکے۔ جو شخص یہ دعویٰ کرے، اس کی بات نصاریٰ کے ساتھ ملتی ہے وہ کہتے تھے: "مسیح علیہ السلام' اللہ ہیں۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں' جو بندے کرتے ہیں۔ ان کی آوازیں سنتے اور ان کو جواب دیتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا

"وہ لوگ بے شبہ کافر ہیں، جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح اللہ ہیں۔ حالانکہ مسیح علیہ السلام کہا کرتے تھے: اے بنی اسرائیل! اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور یقین کرو جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ وہ لوگ کافر ہیں، جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ اس ایک معبود کے سوا کوئی عبادت

---

[1] الزخرف: ۸۰ [2] المجادلہ: ۷

يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(المائدة : ۷۲، ۷۳، ۷۴)

کے لائق نہیں ۔ اگر وہ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو ان کافروں کو سخت عذاب پہنچے گا۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ نہیں کرتے؟ اور اس سے استغفار نہیں کرتے؟ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے"۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝[1]

"مسیح بن مریم تو ایک رسول ہی تھے ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں ۔ اور اس کی ماں صدیقہ (ولی، سچی، فرمانبردار) تھی ۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھو ہم ان کے لئے کس طرح کھول کھول کر آیتیں بیان کرتے ہیں؟ پھر دیکھو وہ کدھر اُلٹے جاتے ہیں؟ کہہ دو! کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی جو تمہارے لئے کسی نقصان اور نفع کا اختیار نہیں رکھتے؟ اور اللہ تعالیٰ سُننے، جاننے والا ہے"۔

نہ حضرت مسیحؑ اور نہ مخلوق میں سے کوئی دوسرا کسی کے نفع و نقصان کا مالک ہے بلکہ اپنی جان کے نفع و نقصان کا بھی کسی کو اختیار نہیں، اگرچہ وہ ساری مخلوق میں سے افضل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنِّىْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝[2]

"کہہ دو "میں تمہارے حق میں نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتا"۔

"قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ[3] الآية!"

"کہہ دو "میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں ۔ اور میں غیب نہیں جانتا"۔

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

"کہہ دو "میں اپنی جان کے لئے نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اگر میں غیب

---

[1] المائدۃ : ۷۵، ۷۶ [2] الجن : ۲۱ [3] الانعام : ۵۰

لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ[1] — جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائی اکٹھی کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو صرف ڈرانے والا، خوشخبری دینے والا ہوں اس قوم کو جو ایمان رکھتی ہے"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ" میں دو قول ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ استثناء متصل ہے یعنی آپ کو اس کا اختیار ہے جس کا اختیار آپ کو اللہ نے دیا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے یعنی مخلوق کسی حالت میں بھی کوئی اختیار نہیں رکھتی "اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ" استثناء منقطع ہے یعنی وہ ہوگا جو اللہ چاہے گا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا تھا:

"وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا[2] الآیۃ!" — "میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو مگر جو اللہ چاہے"

یعنی میں نہیں ڈرتا کہ وہ کچھ کر سکتے ہیں مگر میرا رب کچھ چاہے تو ہوگا ورنہ نہیں! — اصل بات یہی ہے کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ[3] — "جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں، وہ سفارش کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ مگر جو حق کی گواہی دیں، اور وہ علم رکھتے ہوں"۔

یعنی اس کو شہادت نفع دے گی اور اس کی شہادت نفع مند ہوگی ارشاد ہے:

"وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ[4] ۔ الآیۃ!" — "اس کے حضور سفارش نفع نہیں دے گی مگر جس کو اس نے اجازت دی"

اور فرمایا: "قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا[5] الآیۃ!" — یعنی "سفارش کا سارا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے"

اس کی تفصیل کسی دوسری جگہ آئے گی۔ مسجدِ نبوی کی طرف سفر، آپ کی مسجد میں آپ پر درود و سلام — آپ کے لئے وسیلہ کی دعا کرنا اور ان کے سوا دوسری باتیں جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے، احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں اور سلف و خلف اس پر متفق ہیں۔ مسجدِ نبوی کی طرف سفر مشروع

---

[1] الاعراف: ۱۸۸ [2] الانعام: ۸۱ [3] الزخرف: ۸۶ [4] سبا: ۲۳ [5] الزمر: ۴۴

ہے اور اس پر مسلمانوں کے سلف وخلف کا اتفاق ہے جب کئی علماء یہ کہتے ہیں کہ زیارتِ روضۂ نبویؐ کے لئے سفر مستحب ہے تو اس سے ان کی مراد مسجدِ نبوی کا سفر ہوتا ہے مثلاً حج کے احکام میں یہ ذکر کیا ہے کہ زیارتِ روضۂ نبویؐ مستحب ہے یعنی مسجدِ نبویؐ کا سفر مستحب ہے جس اجماع کا ذکر کیا جاتا ہے، وہ اسی سفر پر ہے جس طرح قاضی عیاض نے بیان کیا۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں "قبرِ نبوی کی زیارت سنّت ہے جس پر اجماع ہے اور وہ فضیلت ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے" اس سے ان کی مراد وہ زیارت ہے جس کو انہوں نے شرح وبسط سے بیان کیا۔ جیسا کہ قاضی عیاض نے "فَصْلُ زِیَارَتِہٖ" میں ذکر کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اسحٰق بن ابراہیم فقیہ نے کہا :

"جس شخص نے مدینہ منورہ سے گزرنے کا ارادہ کیا اس کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ مسجدِ نبویؐ میں نماز، نیز روضۂ نبویؐ اور منبر، آپؐ کی قبر اور مجلس، آپؐ کے ہاتھوں کے چھونے کی جگہوں اور آپؐ کے قدموں کے لگنے کی جگہوں اور اس ستون کی زیارت سے برکت حاصل کریں جس کے ساتھ آپؐ ٹیک لگایا کرتے تھے اور جبریل علیہ السلام اس کے متعلق وحی لے کر آئے تھے"۔

میں کہتا ہوں، زیارتِ قبرِ نبویؐ سے مراد دوسری قبروں کی زیارت جیسی نہیں، کہ قبر کے پاس پہنچے۔ اس کے پاس بیٹھے اور زائر کو سنّت و بدعت، وہ سب کام کرنے ممکن ہوں، جو زائرین عام قبروں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اب کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ مسجد کے سوا کہیں پہنچ سکے نہ آپؐ کے گھر میں، نہ آپؐ کی قبر کے پاس بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ کو عام معمول سے ہٹ کر گھر میں دفن کیا۔ دوسروں کو جنگلوں میں کھلی جگہ دفن کیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں فرمایا :

"لعن اللہ الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد یحذر ما فعلوا قالت عائشۃ ؓ لولا ذالک لابرز قبرہ ولکن کرہ ان یتخذ مسجدا"۔

"اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوںؑ کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا" یہ فرما کر آپؐ ان کے اس عمل سے بچنے کی تاکید فرماتے تھے۔ اگر آپؐ کی قبر کو عبادت گاہ بنائے جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو وہ کھلی جگہ بنائی جاتی لیکن آپؐ نے ناپسند کیا کہ اس کو عبادت گاہ بنا لیا جائے"۔

آپؐ کو گھر میں دفن کیا گیا تاکہ آپؐ کی قبر کو عبادت گاہ، یا بُت، یا عید (عُرس) نہ بنالیا جائے۔

سنن ابی داؤد میں احمد بن صالح کی حدیث ہے، اس نے روایت کیا عبداللہ ابن نافع سے، انہوں نے کہا، مجھے خبر دی ابنِ ابی ذئب نے اس نے سعید مقبری سے، اس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تجعلوا بیوتکم قبوراً، ولا تجعلوا قبری عیداً، وصلوا علیّ فانّ صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم"

"اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، اور میری قبر کو عید نہ بنانا اور مجھ پر درود پڑھو۔ جہاں بھی تم ہو تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے۔"

مؤطا، وغیرہ میں انہی سے ہے، کہ آپؐ نے فرمایا:

"اللّٰھم لا تجعل قبری وثناً یُعْبَدُ، اشتدّ غضب اللہ علیٰ قومٍ اتخذوا قبور انبیاءھم مسٰاجد"

"اے اللہ! میری قبر کو بُت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے اللہ کا سخت غضب اس قوم پر ہے، جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا"

صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے اپنی وفات سے صرف پانچ دن پہلے فرمایا:

"انّ من کان قبلکم کانوا یتّخذون القبور مساجد، الا فلا تتخذوا القبور مساجد، فانّی انھاکم عن ذالک!"

"تم سے پہلے لوگ قبروں کو عبادت گاہ بنالیتے تھے۔ سنو! تم قبروں کو عبادت گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے روکتا ہوں"

آپؐ نے قبروں کو مساجد بنانے والوں پر اس لئے لعنت فرمائی تاکہ آپؐ کی اُمت اس سے ڈر کر بچ جائے۔ آپؐ نے ان کو اس سے روک دیا۔ اور آپؐ نے اس سے بھی روک دیا کہ اُمت کے لوگ آپؐ کی قبر کو عید بنالیں آپؐ حجرہ میں دفن ہوئے تاکہ کسی کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی حجرہ میں رہا کرتی تھیں۔ ان کی زندگی میں لوگ قبر کے پاس نہیں جاتے تھے۔ جو جاتے تھے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے۔ جب وہ بھی فوت ہوگئیں، تو حجرے میں کوئی نہ رہا۔ پھر اس حجرے کو مسجد میں شامل کرلیا گیا۔ اور اس کو دیوار سے بند کر دیا گیا۔ اب ممکن نہ رہا کہ کوئی آپؐ کی قبر کی زیارت کرسکے جس طرح عام قبروں کی زیارت کی جاتی ہے، چاہے وہ زیارت سنت ہو، یا بدعت بلکہ حقیقت یہ ہے، لوگ آپؐ کی مسجد ہی میں

پہنچتے تھے۔

سلف اس "زیارتِ قبرِ نبوی" کا لفظ نہیں بولتے تھے نہ ہی کسی صحابیؓ سے اس لفظ "زیارتِ قبرِ نبوی" کے اطلاق کا کوئی ثبوت ہے۔ انہوں نے یہ لفظ کبھی استعمال نہیں کیا۔ اسی طرح عام تابعینؒ کے کلام میں اس لفظ کا کہیں وجود نہیں۔ زیارتِ قبرِ نبویؐ چونکہ ان کے نزدیک ممنوع تھی، اس لئے اس کے وجود کو انہوں نے بیان تک نہیں کیا۔ خود نبی کریم ﷺ نے اپنے گھر اور اپنی قبر کو عید بنانے سے منع کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ آپؐ کی قبر کو بت نہ بنائے آپؐ نے قبروں کو مساجد بنانے سے بھی منع فرمایا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"اشتد غضب الله علی قوم اتخذوا قبور انبیاء هم مساجد" "اللہ تعالیٰ اس قوم پر سخت غضبناک ہو گیا جنہوں نے اپنے نبیوںؑ کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا"

یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک یہ الفاظ ہی مکروہ ہیں کہ "ہم نے قبر النبی ﷺ کی زیارت کی"

اگر سلف اس لفظ کو استعمال کرتے تو امام مالکؒ اس کو مکروہ نہ سمجھتے۔ امام مالکؒ کا تابعینِ کرامؒ سے خوب میل جول تھا اور وہ اس قسم کے مسائل سے خوب واقف تھے۔

اس مسئلے میں اگر کوئی صحیح حدیث ہوتی تو یہ لوگ ضرور اس سے واقف ہوتے اور امام مالکؒ جیسے علماءِ مدینہ ان الفاظ کو کبھی مکروہ نہ سمجھتے اگر وہ رسول اکرم ﷺ نے ادا فرمائے ہوتے۔ امام مالکؒ تو گفتگو میں بھی کوشش کرتے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے الفاظ ادا کریں، لہٰذا آپ رسولِ کریم ﷺ کے الفاظ کو کس طرح مکروہ کہہ سکتے تھے؟ علماء کے جس گروہ نے "زیارتِ قبر النبی ﷺ" کا نام لیا ہے، وہ بھی مفہوم و مراد میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کے مخالف نہیں ہیں بلکہ جس طرح وہ لوگ صلوٰۃ وسلام اور طلبِ وسیلہ وغیرہ کو مسجدِ نبوی میں مستحب جانتے ہیں، یہ لوگ بھی اسکو مستحب سمجھتے ہیں فرق یہ ہے کہ یہ لوگ اس کو "زیارتِ قبر النبیؐ" کا نام دیتے ہیں اور وہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ بعض متاخرین نے اس میں کچھ بدعات ملا دیں جن کو ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی پسند نہیں کیا۔ مثلاً آپؐ سے استغفار کا سوال! کچھ جاہل عوام نے اس میں کچھ ایسی چیزوں کا اضافہ کر دیا ہے جو قطعی حرام یا کفر ہیں مثلاً حجرہ شریف کو سجدہ کرنا یا اس کا طواف کرنا وغیرہ اس کی ابتداء ان لوگوں سے ہوئی جنہوں نے گمان کیا کہ یہ زیارتِ قبر النبیؐ

ہے۔ ان کو شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ انبیاءؑ و صالحینؒ کی قبروں کی زیارت اس لئے کی جاتی ہے کہ ان کو پکارا جائے۔ ان سے مانگا جائے اور ان کی قبروں کو بت بنایا جائے یہاں تک کہ وہ اس جگہ کو مسجدوں پر بھی فضیلت دیتے ہیں اگر ان مزاروں پر مساجد بنائی جائیں تو ان کو اُن مساجد پر فضیلت دیتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے بنائی گئی ہیں۔ بلکہ وہ حج بیت اللہ پر قبروں کے حج کو ترجیح اور فضیلت دیتے ہیں اور اس طرح کے اور کام جو باتفاق المسلمین کفر اور ارتداد ہیں!

سلف سے سب منقول اقوال جس پر متفق ہیں، اور پوری اُمت نے قولاً و عملاً جس پر اتفاق کیا ہے، وہ ہے مسجد نبویؐ کی طرف سفر جو آپؐ کی قبر کے متصل ہے اور ان حقوق کی تکمیل جن کا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی مسجد سے متعلق حکم دیا ہے، وہ حقوق غیر مسجد نبویؐ میں بھی پورے کئے جاتے ہیں تاہم آپؐ کی مسجد جمہور کے نزدیک مسجد حرام کے بعد سب سے افضل ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ سب دنیا کی مساجد سے مطلق طور پر افضل ہے جس طرح امام مالکؒ وغیرہ سے منقول ہے سلف و خلف زیارت قبر النبیؐ پر متفق نہیں ہیں نہ تو اس بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد ہے، نہ کسی صحابیؓ سے کوئی اثر منقول ہے۔ مدینہ منورہ میں رہنے والے انصار و مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم جب مسجد میں آتے یا نکلتے تو قبر نبویؐ کے پاس نہیں آتے تھے نہ وہاں کھڑے ہوتے تھے، نہ اس کی زیارت کرتے تھے۔ یہ کسی صحابیؓ سے بھی ثابت نہیں ہے۔ امام مالکؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ ان بدعات میں سے ہے، جو سلف سے ثابت نہیں ہے بلکہ ممنوع ہے۔ وہ اہل علم جن کو اس مسئلے میں امتیازی شان حاصل ہے وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے متفق ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ صحابہ کرامؓ آپؐ کی قبر کی زیارت نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ اگر آپؐ کی قبر کی زیارت اسی طرح کی جاتی جس طرح اہل بقیع اور شہداء اُحد کی قبروں کی زیارت کی جاتی تھی، تو صحابہ رضی اللہ عنہم جب مسجد میں داخل ہوتے، تو اس پر ضرور عمل کرتے یعنی حجرہ میں داخل ہوتے، یا آپؐ کی قبر کے پاس کھڑے ہوتے، مگر وہ اس میں سے کچھ بھی نہیں کرتے تھے بلکہ یہ بدعت ہے، جیسا کہ اہل علم نے بیان کیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح قاضی عیاض نے بیان کیا ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت سنت ہے، جس پر اجماع ہے اور اس میں فضیلت ہے، جس کی ترغیب دی گئی ہے" انہوں نے اسی فصل میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے یہ کہنا مکروہ سمجھا ہے کہ "ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی ہے"۔ اس میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "مبسوط" میں فرمایا ہے کہ اہل مدینہ میں سے جو شخص مسجد میں داخل ہو یا نکلے، اسے لازم نہیں ہے کہ قبر کے پاس کھڑا ہو۔ یہ صرف مسافروں کے لئے ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "مبسوط" میں

فرمایا ہے، جو شخص سفر سے آئے، اگر وہ نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کے پاس کھڑا ہو۔ آپ کے لئے دعا کرے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے بھی دعا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں" حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا "مدینے کے کچھ لوگ ایسے ہیں، جو نہ تو سفر پر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور نہ وہ سفر سے واپس آئے ہوتے ہیں وہ بھی دن میں ایک بار یا زیادہ بار ایسا کرتے ہیں بسا اوقات وہ جمعہ میں یا اور دنوں میں ایک یا دو یا زیادہ بار قبر کے پاس کھڑے ہوتے ہیں سلام کہتے ہیں اور کچھ دیر دعا کرتے ہیں" آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا "مجھے ہمارے شہر کے دینی سمجھ بوجھ رکھنے والوں سے اس سلسلہ میں کوئی بات نہیں پہنچی ــــــــــ اس اُمت کے آخری لوگ بھی اس سے درست ہوں گے جس سے پہلے لوگ درست ہوئے تھے۔ اس اُمت کے پہلے لوگوں سے مجھے خبر نہیں ملی کہ وہ ایسا کرتے تھے۔ یہ مکروہ ہے سوائے اس کے جو سفر سے آئے یا اس کا ارادہ کرے" امام مالک رح نے صاف بیان فرما دیا کہ مجھے سلف سے یعنی مدینے میں مقیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے یہ خبر نہیں پہنچی کہ وہ مسجد میں داخل ہوتے وقت قبر نبوی کے پاس کھڑے ہوتے تھے الا یہ کہ کوئی شخص سفر سے واپس آیا ہو۔ اور جو شخص سفر کی نیت رکھتا ہو، اس کے بارے میں نزاع ہے جو دوسری جگہ مذکور ہے۔

قاضی عیاض نے ابوالولید باجی سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس کو مکروہ کہنے کی وجہ سے حجت و دلیل لی ہے اور کہا ہے کہ اہل مدینہ وہاں مقیم ہیں وہ اس (قبر نبوی) کی وجہ سے اور سلام کی وجہ سے اس کا قصد نہیں کرتے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہوا جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا" اور فرمایا "میری قبر کو عید نہ بنانا" اس زیارت کو احادیث میں منع کر دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس ممانعت سے خوب واقف تھے، اور اس پر پوری طرح عمل پیرا تھے یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں کوئی صحابی رض نہیں تھا جو آپ کی قبر کی زیارت کرے۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ یہ کھڑے ہونا جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سوا اور لوگ "زیارتِ قبر النبی ﷺ" کا نام دیتے ہیں، اور جس کے بارے میں امام مالک رح وغیرہ نے وضاحت کر دی ہے کہ وہ بدعت ہے، سلف نے نہیں کی حالانکہ وہ ایسی زیارت ہے جس میں زائر کا مقصود آپ پر صلوٰۃ وسلام ہے۔ جیسا کہ امام مالک رح سے کئے گئے سوال میں وضاحت ہے لیکن جب نبی کریم ﷺ نے فرمایا "میری قبر کو عید نہ بنانا جہاں بھی ہو میرے لئے درود پڑھو وہ مجھے پہنچ جاتا ہے"۔ اسی طرح سلام کے متعلق بھی مروی

ہے اس سے معلوم ہوا، اس جگہ خاص طور پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا مکروہ ہے بلکہ سب جگہوں میں جو صلوٰۃ و سلام پڑھا جائے، وہ آپ ﷺ کو پہنچ جاتا ہے جب اس طرح قبر کی زیارت ممنوع اور بدعت ہے تو ان لوگوں کے بارے میں کتنا سخت حکم ہو گا' جو انبیاء علیہم السلام وصالحین رحمہم اللہ کی قبروں پر اس لئے جاتے ہیں' تا کہ ان کو پکاریں' ان کے حضور فریاد کریں؟ ان کا ارادہ انبیاء علیہم السلام وصالحین رحمہم اللہ کے لئے دُعا کرنا نہیں ہوتا معلوم ہے کہ یہ بہت بڑی بدعت اور گمراہی ہے۔

سلف اور خلف قبرِ نبوی ﷺ کی زیارت پر اس اجماعی معنیٰ میں متفق ہیں کہ آپ ﷺ کی مسجد کا ارادہ کرے اور اس میں نماز پڑھے یہ آپ ﷺ کی قبر اور باقی انبیاء علیہم السلام وصالحین کی قبروں میں فرق ہے' یہ سفر آپ ﷺ کی قبر کے پاس آپ ﷺ کی مسجد کے لئے مشروع ہے' جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے' یہ سفر بالاتفاق جائز ہے' اور اس سفر میں قصر نماز کی اجازت ہے' جو شخص کہے' اس سفر میں قصر نماز کی اجازت نہیں' اس سے توبہ کرائی جائے' توبہ کر لے تو فبہا' ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ یہ سفر محض زیارتِ قبر کے لئے نہیں' بلکہ مسجد میں آنا اور وہاں نماز پڑھنا بھی لابدی ہے۔ اگر اس کا ارادہ صرف قبر ہی ہو' تو مجیب اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ جو شخص محض انبیاء علیہم السلام وصالحین کی قبروں کی زیارت کے لئے سفر کرے' کیا اس کے لئے نماز کو قصر کرنا جائز ہے؟ اس میں دو معروف قول ہیں۔ انہوں نے اس شخص کے بارے میں دو اقوال ذکر کئے ہیں' جو صرف قبر شریف کی زیارت کا ارادہ کرے' اور جو مسجدِ نبوی ﷺ، جو آپ ﷺ کی قبر کے حجرے کے پاس ہے' کی نیت سے سفر کرے' یہ بالاتفاق جائز و مشروع ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے' جس میں ایک سائل نے پوچھا تھا کہ "اگر کوئی نبی کریم ﷺ کی قبر پر آنے کی نذر مانے' تو اس کا کیا حکم ہے؟" آپ رحمہ اللہ نے جواب دیا تھا' "اگر اس کا ارادہ مسجدِ نبوی میں آنے کا ہے' تو آئے اور اس میں نماز پڑھے' اگر اس کا ارادہ صرف قبر کا ہے' تو پھر اس کو پورا نہ کرے' کیونکہ حدیث ہے:

" لا تعمل المطی الاّ الی ثلاثۃ مساجد " یعنی تین مساجد کے علاوہ سفر کا اہتمام نہ کیا جائے' سائل نے اس شخص کے بارے میں پوچھا تھا' جس نے نبی کریم ﷺ کی قبر پر آنے کی نذر مانی ہو؟ امام مالک رحمہ اللہ نے جواب کو تفصیل سے بیان کیا کہ "اس کا ارادہ قبر کا ہے؟ یا مسجد کا؟" حالانکہ سوال میں قبر پر آنے کی نذر کا سوال تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر آنا، قبر کی زیارت کرنا، قبر کی طرف سفر کرنا وغیرہ الفاظ اس کو بھی شامل ہیں' جو مسجد کا ارادہ کرے' اور یہ مشروع ہے' اور اس میں وہ بھی داخل ہے جو صرف قبر کا ارادہ کرے' لیکن اس

صورت کی ممانعت نصوص سے ثابت ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے اس کو کھول کر بیان کر دیا ہے! — اور جس نے سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ مسجد کے علاوہ صرف قبرِ نبوی کے لئے سفر کو مستحب سمجھتے تھے یعنی مسافر اس سفر میں نہ تو مسجدِ نبویؐ میں آئے نہ اس میں نماز پڑھے بلکہ قبر شریف کا اس صورت میں قصد کرے جس سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے منع فرمایا ہے تو علماء سلف کے کلام میں اس کے استحباب کا ذکر تک نہیں چہ جائیکہ اس پر ان کا اجماع ہو۔

اس جگہ مسلمانوں پر عموماً اور علماء پر خصوصاً تحقیق و معرفت کی بناء پر لازم ہے کہ معلوم کریں، اللہ وحدہٗ کی بندگی اور اس کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری نیکی و تقویٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کو قائم کرنے میں کیا مشروع ہے؛ اور شرک و بدعت اور گمراہی کیا ہے، جس سے روکا گیا ہے، تاکہ وہ آپس میں گڈ مڈ نہ ہو جائیں! مسجدِ نبویؐ کی طرف سفر بالاتفاق جائز و درست ہے۔ لیکن "انما الاعمال بالنیات" (عملوں کا دارو مدار نیتوں پر ہے) اور ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے یہ پہلے گزر چکا ہے کہ جب کوئی مدینہ منورہ میں آنے کی نذر مانے اگر اس کی نیت مسجدِ نبویؐ میں نماز کی ہو تو نذر پوری کرے ورنہ پوری نہ کرے۔ اور جب مسجد میں آنے کی نذر مانے تو اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ اس لئے کہ وہ نماز کی نیت رکھتا ہے اور شرعی سفر وہی ہے جس میں مسجدِ نبوی میں نماز کی نیت ہو۔ نذر ماننے والے کو اسی کا حکم ہے یعنی نذر پوری کرے بخلاف کسی دوسری نیت کے، کیونکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ المسجد الحرام و مسجدی ھٰذا والمسجد الاقصٰی"	"تین مساجد کے علاوہ کہیں سفر کا اہتمام نہ کیا جائے: مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصٰی۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سوا مدینہ منورہ یا بیت المقدس کی طرف سفر کو ممنوع قرار دیدیا۔ اگر کوئی اس کی نذر بھی مان لے تو اس کو پورا نہ کرے جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔

اگر کوئی مدینۃ الرسولؐ یا بیت المقدس کی طرف سفر اس لئے کرتا ہے کہ وہاں کی قبروں اور انبیاءؑ و اولیاء کے آثار و تبرکات کی زیارت کرے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر علماء کے نزدیک اس کا سفر حرام ہے۔ بعض کہتے ہیں وہ ہے تو مباح مگر اس پر ثواب نہیں ملے گا۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکاروں میں سے ایک گروہ کا مسلک ہے۔ ابن عبدالبر کا بھی یہ قول ہے مسلمانوں کے علماء مجتہدین جن کے اقوال اجماع و نزاع کے موقعہ پر ذکر کئے جاتے ہیں، میں سے کسی عالم نے اس کو مستحب نہیں کہا۔ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ صرف قبر شریف کی طرف سفر کرنا مسلمانوں کے تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے، اس کا دعویٰ سفید جھوٹ ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی صاف جھوٹ ہے کہ یہ ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کے جمہور علماء کا مسلک ہے۔ اگر کوئی دعویٰ کرے کہ معروف ائمہ مجتہدین میں سے یہ کسی عالم کا فتویٰ ہے، تو یہ بھی محض کذب ہے۔ ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ یہ متاخرین کا قول ہے، تو پھر اس کی چھان پھٹک کے بعد اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے اور یہ قول شاذ ہوگا جو اجماع سلف اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصوص ارشادات کے خلاف ہوگا۔ اس قول کی خرابی اور فاسد ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ اسلام میں بدعی قول ہے، جو سنت اور جماعت کے مخالف ہے یعنی یہ قول سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف امہ کے اجماع کے خلاف ہے۔

علماء سلف سے جو کچھ صحیح منقول ہے، وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ہے جو اس کے خلاف ان سے نقل کرے، وہ جھوٹا ہے۔ کم از کم اس سے اس کی نقل کی صحت کا مطالبہ کیا جائے جو وہ مجمل الفاظ بولتا ہے، ان کی مراد وہ مسلک معروف ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ جن کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت سنت ہے جس پر اجماع ہے، نے خود شرعی زیارت کی وضاحت کر دی ہے۔ اور انہوں نے "لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد" میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر مسلک بیان کر دیا ہے کہ ان کے علاوہ سفر حرام ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زیارت شرعی مستحب ہے۔ مگر صرف زیارت قبور کے لئے سفر کا حکم وہی ہے جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء نے بیان فرمایا ہے کہ "یہ مکروہ ہے اگر کوئی یوں کہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی ہے۔" واللہ اعلم!

پھر معترض مالکی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کی دلیل — زندہ کی زیارت پر قیاس کر کے — لی ہے۔ مخالف معترض نے کہا ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں "اخ لہ فی اللہ" کے لئے روایت کی ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"ان رجلا زار اخا لہ فی قریۃ اخری، فارصد اللہ علی مدرجتہ ملکا فلما اتی علیہ

"ایک آدمی دوسری بستی میں اپنے ایک بھائی کی ملاقات کو نکلا اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ میں ایک فرشتے کو

قال: این ترید؟ قال: ارید اخاً لی فی تلک القریۃ، قال: ھل لک علیہ من نعمۃ تربھا؟ قال: لا، الا انی احببتہٗ فی اللہ، فقال: انی رسول اللہ الیک بان اللہ احبک کما احببتہٗ فیہ ۔

گھات پر کھڑا کر دیا جب وہ اس کے پاس سے گزرا، تو فرشتے نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا اسی لبستی میں میرا ایک بھائی ہے اس کی ملاقات کو جا رہا ہوں۔ اس نے پوچھا کیا اس کا تجھ پر کوئی احسان ہے جس کے اضافے کا تجھے خیال ہے؟ اس نے کہا نہیں، مجھے اس سے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت ہے۔ فرشتے نے کہا، مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرتا ہے جس طرح تو اس سے محبت رکھتا ہے۔

ایک حدیث مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی سے ہے جس میں ہے:

"سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول - ای عن اللہ - وجبت محبتی للمتحابین فیّ والمتجالسین فیّ والمتزاورین فیّ والمتباذلین فیّ۔"

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میری محبت ان لوگوں کے لئے واجب ہو گئی جو میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور میری وجہ سے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور میرے لئے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور میرے لئے سادگی اختیار کرتے ہیں۔"

معترض نے کہا، "بھائی اس سے آپ کو بھائیوں کی ملاقات اور زیارت کی فضیلت، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے زائرین کے لئے فضل واحسان کر رکھا ہے معلوم ہو چکا ہے جب یہ صورت زندوں کی ہے تو جو دنیا میں بھی اور اس کے بعد بھی زندہ ہیں، جو جن وانس کے امام ہیں، جن کی وفات میں اللہ تعالیٰ نے ایسی عزت وحرمت رکھی، جیسی آپ ﷺ کی زندگی میں تھی جس ذات کو اللہ تعالیٰ نے عزت وشرف اس کی صفات کی وجہ سے عطا فرمایا ہے، جن کی برکت سے ہمیں صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہوئی ہے، جن کے ذریعے اس نے ہمیں شیطان رجیم سے پناہ دی ہے، جو ہماری کمروں سے پکڑ پکڑ کر ہمیں جہنم میں گرنے سے بچائیں، اور وہ مومنوں پر بڑی شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں، ان کی زیارت اجر وثواب کے لحاظ سے زندوں کی زیارت سے

کہیں بڑھ کر ہے۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ "لوجہ اللہ زندہ بھائی کی زیارت، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، یہ آپ ﷺ کی زندگی میں زیارت کی نظیر ہے جس سے انسان آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل ہو جاتے تھے اور وہ ساری دنیا میں سے بہترین لوگ تھے، مگر آپ ﷺ کی قبر کی زیارت" کو آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی زیارت" پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے، جیسا کہ معترض نے کیا ہے۔ ہمارے علم کی حد تک کسی مسلمان عالم نے یہ باطل قیاس نہیں کیا اور نہ ہی کسی نے اللہ تعالیٰ کی خاطر، کسی زندہ کی زیارت کو آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کی دلیل بنایا ہے۔ یہ انتہائی فاسد قیاس ہے۔ یہ ہر کسی کو معلوم ہے کہ زندہ کی زیارت کرنے والا اس کو دیکھتا ہے، اس کی باتیں سنتا ہے، اس سے سوال وجواب کرتا ہے اور دوسری وہ باتیں، جو اُن کو حاصل نہیں ہیں جو اس کو نہ دیکھے اور اس کی گفتگو کو نہ سُنے۔ آپ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت یا آپ ﷺ کے گھر کی بیرونی دیوار کو دیکھنا، آپ ﷺ کی زیارت اور مشاہدے اور آپ ﷺ کی خدمت میں بیٹھنے اور آپ ﷺ کی گفتگو سُننے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ ایسا ہی ہوتا تو آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کرنے والا آپ ﷺ کے صحابی کی مانند ہوتا، اور اس کے انتہائی غلط ہونے کو تو ہر ایک جانتا ہے۔

آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا سفر یا تو وہ تھا، جبکہ ہجرت واجب تھی، جس طرح کہ فتح مکہ سے پہلے تھا، اس صورت میں آپ ﷺ کی طرف سفر کرنے والا مہاجرین میں شامل ہو جاتا تھا۔ مگر یہ سفر مکہ مکرمہ کی فتح کے ساتھ منقطع ہو گیا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

" لاھجرۃ بعد الفتح ولٰکن جھاد و نیۃ۔" " فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، لیکن جہاد اور نیت جاری ہے۔"

اسی لیے آپ ﷺ نے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ کو، جب وہ ہجرت کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، مکہ مکرمہ واپس جانے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح مکہ کے لوگ، جن سے آپ ﷺ نے کمال مہربانی سے مؤاخذہ نہ فرمایا، بلکہ آزاد کر دیا تھا، وہ مکہ مکرمہ ہی میں رہے، اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ یا آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے کیلیے اس نے سفر کیا ہو گا، جس سے وہ اپنے علاقے کی نمائندگی کرے، آپ ﷺ کو سلام کرے، آپ ﷺ سے سیکھ کر قوم کو جا کر سکھائے، جس طرح کے وفد ۹ھ اور ۱۰ھ ہجری میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں شرف باریابی حاصل کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے اپنی بیماری میں تین باتوں کی وصیت اور تاکید کی تھی، فرمایا:

" اخرجوا النصارٰی من جزیرۃ العرب " "نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال باہر کرنا اور وفود

واجیزوا الوفود بنحو ما کنتُ اجیزھم۔" کی اسی طرح عزت کرنا جس طرح میں عزت کرتا ہوں۔"

وفود میں سے ایک وفد عبدالقیس قبیلے کا تھا وہ آپؐ کے پاس حاضر ہوئے، پھر بحرین میں اپنی قوم کے پاس واپس چلے گئے۔ یہ لوگ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ انہوں نے رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں یہ عذر پیش کیا تھا کہ ہمارے اور آپؐ کے درمیان مضر خاندان کے کافر یعنی نجد میں بنو اسد، بنو غطفان، بنو تمیم وغیرہ حائل ہیں، اس لئے ہم صرف حرمت والے مہینے میں ہی حاضرِ خدمت ہو سکتے ہیں۔ مضر قبیلہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا یہ سفر رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں، اسلام اور دین سیکھنے اور آپؐ کی زیارت اور آپؐ سے گفتگو کے لئے تھا۔ یہ خالص نیکی اور خیر تھی اور کسی نبی اور ولی کی اسکی زندگی میں اس کے سامنے پوجا نہیں کی گئی کیونکہ وہ نبی یا ولی شرک سے کمتر درجے کے گناہوں سے روکتا تھا، چہ جائیکہ شرک ہو جس طرح آپؐ نے بھی ان لوگوں کو روک دیا جنہوں نے آپؐ کو سجدہ کیا تھا۔ اور ان لوگوں کو روک دیا جنہوں نے آپؐ کی اقتدا میں کھڑے ہو کر نماز ادا کی تھی صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا تھا،

"ان کدتم تفعلون فعل فارس والرّوم فلا تفعلوا۔" یعنی تم تو فارسیوں اور رومیوں کا فعل کرنے لگے ہو، ایسا مت کرو۔"

اور مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

"لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا راوہ لم یقوموا لہ لما یعلمون من کراھتہ لذالک۔" "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسولِ کریم ﷺ سب سے زیادہ محبوب تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب آپؐ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپؐ اس کو ناپسند فرماتے ہیں۔"

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک لڑکی نے آپؐ کی موجودگی میں یوں کہا: "فینا نبیّ یعلم ما فی غد۔" آپؐ نے فوراً ٹوکا اور فرمایا:

"دعی ھٰذا وقولی الّذی کنت تقولین۔" "اس کو چھوڑ دو اور پہلی باتیں ہی کرو۔"

اس طرح کی اور مثالیں بہت سی ہیں، کہ آپؐ نے اپنے سامنے ہونے والے منکر (برے کام) پر ٹوکا۔ جو کوئی آپؐ کی زیارت کے لئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے لئے ناممکن تھا کہ آپؐ کے سامنے برا کام

(منکر) کرے اور آپؐ اس کو نہ ٹوکیں۔اس سے آگے بحث کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں :

"یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ اگر آپؐ مسجد میں زندہ ہوتے تو مسجد میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونا افضل عبادت ہوتی مگر جس قبر کو عبادت گاہ بنالیا گیا ہو اس کے قصد سے منع فرمایا تھا اور اہلِ کتاب پر ان کے اس فعل کی وجہ سے آپؐ نے لعنت فرمائی تھی۔اس پر مزید یہ ہے آپؐ کی قبر کے پاس کوئی دینی مصلحت بھی نہیں جو دنیا میں دوسری جگہ نہ موجود ہو۔اور ثواب کا کام سب جگہوں میں مشروع ہے۔ اب یہ کہنا سراسر زیادتی ہے کہ جس نے آپؐ کی قبر کی زیارت نہیں کی اس کے دل میں آپؐ کی اعلیٰ تعظیم اور محبت نہیں ہے کیونکہ اعلیٰ درجے کی محبت اور تعظیم کا تو ہر وقت اور ہر جگہ ہر مسلمان کو حکم ہے۔ آپؐ کی زندگی میں زیارت ایک بڑی مصلحت تھی اس میں ذرہ بھر نقصان نہیں تھا۔اس کے برخلاف محض آپؐ کی قبر کی زیارت میں دینی نقصان ہے نیکی نہیں ہے۔ہاں آپؐ کی مسجد کی طرف سفر کرنا اب بھی بڑی نیکی ہے وہاں آپؐ کے حقوق کو اسی طرح ادا کیا جائے جس طرح دوسری مساجد میں ادا کیا جاتا ہے۔

اس سے حدیث "من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی" کا جھوٹ ہونا صاف ظاہر ہے۔ یہ حدیث عاصم کے شاگرد حفص بن سلیمان غاضری کی روایت سے معروف ہے اس نے لیث ابن ابی سلیم سے اس نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے انہوں نے کہا :

"من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔"

"جس نے حج کیا اور میری موت کے بعد میری قبر کی زیارت کی وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے میری زندگی میں زیارت کی۔"

یہ ان کے نزدیک "حفص" کی سند سے معروف ہے۔وہ حدیث میں ضعیف ہے۔زیادہ سے زیادہ وہ قرأت میں حجت ہے۔یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں "حفص ثقہ نہیں ہے" امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "محدثین نے اس کو ترک کر دیا ہے" شیخ الاسلامؒ اس کے متعلق کئی اور ائمہ کرامؒ کا کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ معجم میں طبرانی نے اس کو لیث بن ابی سلیم کی حدیث سے بطریق "عن زوجۃ جدہ عائشۃ عن لیث" روایت کیا ہے اس کے دادے کی بیوی اور لیث دونوں مجہول ہیں اور نفسِ متنِ حدیث باطل ہے وہ اعمال جن کو اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض کیا ہے ان میں کوئی شخص کسی صحابیؓ کے برابر نہیں

ہو سکتا بلکہ صحیحین میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

"لو انفق احدکم مثل احد ذھبا ما بلغ مدّ احدھم ولا نصیفہ" "اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے، ان کے ایک مُد یا نصف مُد خرچ کرنے کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا"

جہاد اور حج اور اس طرح کے دوسرے اعمال، بالاتفاق، آپ ﷺ کی قبر کی زیارت سے افضل ہیں اور آپ ﷺ کی قبر کی طرف سفر کرنا ہرگز اس سفر کے برابر نہیں جو آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی زیارت کے لئے ہوتا تھا۔ یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ جب کہ یا تو آپ ﷺ کی زندگی میں سفر ہجرت کے لئے ہوتا تھا، جیسا کہ فتح مکہ سے قبل کے سفر تھے یا وفود کا سفر تھا، تاکہ آپ ﷺ سے اسلام کو سیکھ کر اپنی قوم کو سکھائیں آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس طرح کے سفر کسی کے لئے ممکن نہیں رہے جو شخص آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی زیارت کرنے والے صحابی رضی اللہ عنہ کی طرح اس کو بھی سمجھے، جس نے آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کی ہو، تو پھر اس کو اپنے دین کی خیر منانی چاہیئے اور اپنی عقل کا علاج کرانا چاہیئے۔

میت کی قبر کی شرعی زیارت سے مقصود میت کے لئے دعاء واستغفار ہے جس طرح نمازِ جنازہ میں اس کے لئے دُعاء واستغفار کیا جاتا ہے۔

نبی ﷺ کے حق میں جس دُعاء کا ہم کو شرعی طور پر حکم ہے (مثلاً صلوٰۃ وسلام اور آپ ﷺ کے لئے وسیلہ طلب کرنا) وہ ہر جگہ مشروع ہے، آپ ﷺ کی قبر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ کوئی ایک عمل بھی ایسا نہیں ہے، جس کی وہاں امتیازی حیثیت ہو بلکہ ہر نیک عمل، ہر جگہ کیا جا سکتا ہے البتہ آپ ﷺ کی مسجد افضل ہے۔ اس میں نماز وغیرہ عبادتیں اس لئے افضل ہیں کہ وہ مسجدِ نبوی ﷺ میں ہوتی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

"صلاۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلاۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام" "میری اس مسجد (مسجدِ نبوی ﷺ) میں ایک نماز، دیگر مساجد میں ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجدِ حرام کے"

آپ ﷺ کی وفات اور حجرے میں دفن ہونے اور حجرے کے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے جو جو عبادتیں مشروع تھیں، وہی اب بھی مشروع ہیں ان میں کوئی اضافہ نہیں ہو گیا اور جو عبادات نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مشروع تھیں اور آپ ﷺ نے امت کو ان کی ترغیب و دعوت دی، نیز جو عبادات آپ ﷺ کے زمانے میں مسجد کی زیارت کرنے والے کیلئے مشروع تھیں مثلاً مسجدِ نبوی ﷺ میں نماز، روزہ آپ ﷺ کے لئے دُعاء، اور آپ ﷺ کی تعریف ان میں کوئی کمی بیشی

نہیں ہوئی۔ وہ سب مساجد میں جائز و درست ہیں، بلکہ ان سب جگہوں میں بھی صحیح ہیں، جہاں نماز پڑھنا جائز ہے۔ آپؐ کے لئے اور آپؐ کی اُمت کے لئے روئے زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنا دی گئی ہے۔ اب جہاں کسی کو نماز کا وقت ہو جائے، وہیں نماز پڑھ لے، وہ مسجد ہے یہ رسولِ کریم ﷺ کی ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے اب جو شخص یہ سمجھے کہ کوئی عبادت آپؐ کی قبر کے ساتھ خاص ہے جو مسجد میں مشروع نہیں اور وہ صرف آپؐ کی قبر کی وجہ سے مشروع ہے، وہ خطاکار ہے کسی صحابیؓ و تابعیؒ نے یہ نہیں کہا۔ یہ غلط بات بعض متاخرین سے سرزد ہوئی ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ جب وہ سفر سے آتے تو قبر شریف کے پاس کھڑے ہوتے اور سلام کہتے تھے۔

آپؐ پر ہر قسم کا سلام، مسجد اور غیر مسجد میں، سفر سے پہلے اور بعد میں، جائز و درست ہے قبر کے پاس سلام کہنا، یہ صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل ہے جب آپؓ سفر سے واپس آتے، تو قبر کے پاس جا کر سلام کہتے جو علماء اس کو مستحب کہتے ہیں، وہ ان کے لئے مستحب کہتے ہیں، جو باہر کے لوگ مدینہ منورہ میں آتے جاتے ہوں اور مدینہ کے اُن لوگوں کے لئے جو باہر سے مدینہ میں واپس آئیں۔ نیز مسجد میں آنے جانے والے مسافروں کے لئے حالانکہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا نہیں کرتے تھے اور اکثر سلف نے بھی آنے جانے والوں میں کوئی فرق نہیں رکھا بلکہ وہ اس سے منع کرتے ہیں جس سے آپؐ نے منع فرمایا۔

ابوالولید باجی نے کہا ہے کہ مدینہ کے باشندوں اور غیر باشندوں میں اس لئے فرق کیا گیا ہے کہ مسافر باہر سے اس کا ارادہ کر کے آتے ہیں اور اہلِ مدینہ وہاں مقیم ہیں وہ سلام اور قبر کیلئے وہاں نہیں آتے رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یُعبد، اشتدّ غضب اللہ علیٰ قومٍ اتّخذوا قبور انبیاءھم مساجد"۔ "اے اللہ! میری قبر کو بُت نہ بنانا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اس قوم پر سخت ناراض ہے، جنہوں نے اپنے نبیوںؑ کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا!"

اور فرمایا:

"لا تجعلوا قبری عیدًا !" "میری قبر کو عید (عرس) نہ بنانا!"

یہ اس کے دلائل ہیں، جو کہتا ہے کہ ممانعت سب کے لئے ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کا یہ ارشاد کہ: "لا تجعلوا ولا تتخذوا بیتی عیدًا !" — یعنی "میرے گھر کو عید نہ بنانا!" — پوری امت کے لئے ہے یہ ممانعت اہلِ مدینہ کے لئے بھی ہے اور دوسروں کے لئے بھی! —

قبروں کو مساجد بنانے سے ممانعت پوری امت کے لئے تھی۔ اور یہ خبر بھی سب کو دی کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر سخت ناراض ہے۔ آپؐ کی دعا کہ آپؐ کی قبر کو بُت نہ بنایا جائے سب کے لئے ہے ان کا کہنا، کہ غربا، اس کا قصد کرتے ہیں، علت پر مقتضاء کی ضد کو معلق کرنا ہے۔ کیونکہ اس غرض کے لئے قصد و ارادہ ہی ممنوع ہے جس طرح کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جمہور اصحاب نے تصریح کی ہے۔ جب وہ ثواب نہیں، بلکہ ممنوع ہے تو اس کی اعانت درست نہ ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ کا سفر قبر کی وجہ سے نہیں کرتے تھے، بلکہ مدینہ ان کا وطن تھا وہ اپنی بعض ضروریات کے لئے مدینہ سے باہر جاتے تھے، پھر جب وہ اپنے وطن مدینہ کو واپس آتے تو مسجد میں تشریف لاتے اور صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے۔

قبروں کے سفر کا کسی صحابیؓ سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیت المقدس میں تشریف لے جاتے تھے، مگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر کی زیارت نہیں فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی انصار و مہاجرینؓ بیت المقدس گئے تھے اور انہوں نے خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر کی زیارت نہیں کی تھی۔ اسی طرح باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بیت المقدس میں موجود تھے، نیز اہل شام سے بھی کوئی اتہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر اور دوسری قبور کی زیارت کے لئے سفر کرتے تھے، جس طرح وہ قبرِ نبویؐ کی طرف سفر نہیں کرتے تھے جو مسافروں کے لئے ثواب کا کام ہے وہ اہلِ مدینہ کیلئے بھی ثواب کا کام ہے جو اہلِ مدینہ کے لئے ثواب کا کام نہیں، وہ دوسروں کے لئے بھی نہیں۔ مثلاً آپؐ کی قبر شریف اور دوسروں کی قبر کو مسجد بنانا اور آپؐ کے گھر کو عید بنانا اور حجرے کی طرف نماز پڑھنا، اس پر برکت کے لئے ہاتھ پھیرنا، اس کے ساتھ پیٹ لگانا، اس کا طواف کرنا اور دوسرے غلط کام، جو باہر سے آنے والے جاہل کرتے ہیں: اس پر اجماع ہے کہ اس سے مسافروں کو بھی روکا جائے، جس طرح اہلِ مدینہ کو روکا گیا چاہے وہ آنے والے ہوں، یا جانے والے!

بعض علماء نے مدینہ منورہ میں آنے اور وہاں سے جانے والوں کے لئے قبر شریف کے پاس صلوٰۃ وسلام اور نعت خوانی اور دوسرے کاموں کو جو مستحب کہا ہے، وہ آپؐ کی مسجد میں اور دوسری مساجد میں مشروع ہیں لیکن آپؐ سے سوال کرنا تو ایسا مسئلہ ہے کہ اس کو سلف میں سے کسی نے بھی مستحب نہیں سمجھا، نہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے، نہ کسی اور نے!

بعض متاخرین جو اس کو مستحب سمجھتے ہیں وہ آپؐ کا نام لے کر دور سے پکارتے ہیں ان کے نزدیک یہ قبر کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ قبر کے پاس آپؐ کے گھر کے اندر کسی کا پہنچنا ممکن ہی نہیں وہاں کوئی ایسا شرعی حکم نہیں جو اور جگہ نہ ہو۔ اگر کوئی گھر کے ساتھ مخصوص شرعی عمل ہوتا تو امت کے لئے حجرے کا دروازہ کھول دیا جاتا بلکہ آپؐ نے تو فرمایا ہے:

" لا تتخذوا بیتی عیدا وصلوا علیّ فانّ صلوٰتکم تبلغنی حیثما کنتم۔" "میرے گھر کو عید نہ بناؤ تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو وہ مجھے پہنچ جائے گا۔"

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلام آپؐ پر ہو!

یہ پہلے گزر چکا ہے کہ سعید بن منصورؒ نے اپنی سنن میں عبدالعزیز دراوردی سے روایت کی ہے۔ انہوں نے سہیل بن ابی سہیل سے انہوں نے کہا مجھے حسن بن حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب نے دیکھا اور آواز دی انہوں نے فرمایا "تم قبر کے پاس کیا کر رہے تھے؟" میں نے عرض کیا "میں نے نبی کریم ﷺ کو سلام کہا ہے" انہوں نے کہا "جب تم مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم ﷺ پر سلام پڑھا کرو" پھر فرمایا "رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

" لا تتخذوا بیتی عیداً وصلوا علیّ حیثما کنتم فانّ صلوٰتکم تبلغنی ما انتم ومن بالاندلس الّا سواء۔" "میرے گھر کو عید نہ بنانا جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو وہ مجھے پہنچ جائے گا تم اور اندلس کے رہنے والے درود پڑھنے میں برابر ہو۔"

اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوعبیداللہ رضی اللہ عنہ ابن الجراحؓ، حضرت عبادۃ بن الصامتؓ، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیت المقدس اور شام کے دوسرے علاقوں میں موجود تھے مگر ان میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں کہ وہ شام میں انبیاء علیہم السلام و اولیاء کی قبروں میں سے کسی قبر کی طرف سفر کر کے گئے تھے نہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر کی طرف اور نہ کسی اور قبر کی طرف وہ تو مدینہ منورہ کی طرف بھی قبر کے لئے سفر نہیں کرتے تھے یہی حال ان صحابہ کرامؓ کا تھا جو حجاز، عراق اور دوسرے ملکوں میں رہائش پذیر تھے جس کی تفصیل کئی جگہ گزر چکی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی مسلمان کی زندگی میں زیارت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے مومن تو عام مسلمانوں سے کہیں زیادہ رسولِ اکرم ﷺ سے محبت

رکھتے ہیں اور دوسرے انبیاءؑ و اولیاءؒ سے بھی محبت کرتے ہیں جب مومن انبیاءؑ و اولیاءؒ کی قبروں کی زیارت کریں گے تو اس محبت کی بناء پر اجر و ثواب پائیں گے؟

اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کی محبت دین کا سب سے ضروری مسئلہ ہے صحیحین میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

" ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان :	"تین باتیں جس شخص میں ہوں وہ ایمان کی مٹھاس کو پالیتا ہے :
من کان اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما ـــــ ومن یحب المرء لا یحبہ الا للہ ـــــ	جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم ﷺ کو ہر چیز سے زیادہ محبوب رکھتا ہو اور جو کسی انسان سے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرے۔ . .
و من کان یکرہ ان یرجع فی الکفر بعد اذ انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یلقی فی النار "	اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچایا وہ کفر میں واپس جانے کو اتنا برا جانے جتنا آگ میں پڑنے کو برا جانتا ہے"

ایک دوسری صحیح حدیث میں ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

" لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین "	" تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھے اپنی اولاد، ماں باپ اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ جانے"

اس روایت کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے یوں، یہ کہہ کر فرمایا تھا: "والذی نفسی بیدہ" "مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے"!

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انہوں نے کہا، "ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ پیارے ہیں سوائے میری جان کے" تو رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

" لا والذی نفسی بیدہ حتیٰ اکون احب	" مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری

اليك من نفسك' فقال عمرؓ فانه الآن والله انت احبّ اليّ من نفسي قال الآن يا عمر'!

جان ہے تم اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک میں تجھے تیری ذات سے بھی محبوب نہ ہوں" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپؐ اب مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں" آپؐ نے فرمایا "اے عمر رضی اللہ عنہ اب تم مومن ہو"

اس کی تصدیق قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے یوں ہے :

۱۔ " اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ -الآیۃ'!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں"

۲۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۞[۲]

"کہہ دو اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، اور خاندان کے لوگ اور وہ مال جو تم نے کمایا اور تجارت جس کے مندا پڑنے سے ڈرتے ہو اور گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب) لے آئے اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں بخشتا"

۳۔ "لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ[۳] الآیۃ'!

"نہ پاؤ گے اس قوم کو جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ ان سے محبت رکھیں — جو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھیں خواہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا خاندان کے لوگ ہوں۔ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان پختگی

---

[۱] الاحزاب : ۶ [۲] التوبۃ : ۲۴ [۳] المجادلۃ : ۲۲

کے ساتھ لکھ دیا ہے اور اپنی طرف سے روح کے
ساتھ ان کی مدد کی ہے "۔

اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

" لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ "

"تم میں سے کوئی مومن نہیں بن سکتا جب تک اس کی خواہش اس شریعت کے تابع نہ ہو، جسے میں لایا ہوں"۔

لیکن آپ ﷺ کی محبت واطاعت، آپ ﷺ کی مدد اور تعظیم، نیز دوسرے حقوق، جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہ ہر جگہ برابر ہیں یہ نہیں کہ ایک جگہ میں حقوق زیادہ ہوں، اور دوسری جگہ میں کم۔ جو شخص آپ ﷺ کی قبر کے پاس مسجد میں ہو، اس پر یہ حقوق اس شخص سے زیادہ نہیں ہیں، جو کسی دوسری جگہ ہو۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ عام قبروں کی معروف زیارت کی طرح آپ ﷺ کی قبر کی محض زیارت کا شریعت میں کوئی حکم نہیں ہے اور نہ ہی وہ ممکن ہے، اگر اُمت کے لئے آپ ﷺ کی قبر کی زیارت زائد عبادت ہوتی، تو پھر حجرے کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہوتا، تاکہ لوگ آپ ﷺ کی قبر کے پاس یہ عبادت بجا لاسکیں۔ اب لوگوں کے لئے صرف مسجد میں داخل ہونا ممکن ہے اور جو آپ ﷺ کی مسجد میں شرعی کام ہیں، وہ ہر مسجد میں شرعی ہیں۔ ہاں آپ ﷺ کی مسجد، مسجدِ حرام کے سوا باقی سب مساجد میں افضل ہے، حالانکہ اس میں بھی کچھ اختلاف ہے۔ ہر مسلمان کے دل میں آپ ﷺ کی محبت اور شوق ہے آپ ﷺ کے ذکر اور آپ ﷺ کے حالات بیان کرنے سے اُنس ہے۔ اس کا حکم ہر جگہ ہے محض آپ ﷺ کے حجرہ شریف کو باہر سے دیکھنے سے کوئی عبادت واجب نہیں ہوگئی، جو دوسری جگہوں پر نہ ہو سکے، بلکہ آپ ﷺ نے تو حجرہ شریف کو عید بنانے سے منع فرما دیا تھا، اور حکم دیا تھا کہ جہاں بھی کوئی ہو، وہیں درود اور سلام پڑھ لے، آپ ﷺ کے گھر اور قبر کو صلوٰۃ وسلام کیلئے مخصوص نہ کرے جب صلاۃ وسلام کا یہ حکم ہے، تو دوسرے اعمال کا آپ خود اندازہ لگا لیجئے، اگر اسکو آپ ﷺ کی قبر کے ساتھ مخصوص کر دیا جاتا، تو پھر جو لوگ آپ ﷺ کی قبر سے دُور ہیں، ان کی محبت وتعظیم، مدد اور تعلق وتعریف ان لوگوں سے کم ہوگی، جو قبر کے پاس ہوں، مگر آپ ﷺ کا معاملہ دوسروں سے مختلف ہے۔ دوسرے لوگوں کی محبت اور رحمت ان کی قبروں کے پاس لوگوں کے دلوں میں زیادہ ہوتی ہے، چونکہ رسول اکرم ﷺ، اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے درمیان ہر جگہ اور ہر زمانے میں واسطہ ہیں، اس لئے ان کو کوئی ایسا حکم نہیں دیا گیا، جس سے ان کی محبت اور ایمان میں عام جگہوں اور زمانوں میں کمی واقع ہو، اور پھر یہ بھی ہے کہ اگر لوگوں کو آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کی اجازت ہوتی، تو وہ آپ ﷺ کے

حقوق سے بے نیاز ہو جاتے اور اپنے حقوق کی طرف لگے رہتے' وہ آپ ﷺ سے حاجت برآری چاہتے ، جیسا کہ فی الواقع ایسا ہوتا ہے۔ وہ اس طرح خالق کے ساتھ شرک میں' اور مخلوق کے حقوق کو ترک کرنے میں مبتلا ہو جاتے۔ اس طرح شہادتین میں نقص واقع ہو جاتا یعنی :

"شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله (صلى الله عليه وسلم)"!

اور آپ ﷺ نے جو لوگوں کو ہر جگہ صلوٰۃ وسلام بھیجنے نیز اپنے گھر اور قبر کو عید نہ بنانے کا حکم دیا ہے' پھر آپ ﷺ نے منع فرما دیا ہے کہ لوگ آپ ﷺ کی قبر کے پاس آئیں اور اس کی زیارت کریں' جس طرح عام قبور کی زیارت کی جاتی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے عقیدے میں اللہ تعالیٰ کی کامل توحید موجود ہے اور رسول اکرم ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ سے محبت و تعظیم کامل ہے' وہ جہاں بھی ہوں' اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو آپ ﷺ کی جس فرماں برداری کا حکم دیا گیا ہے' وہ اس کا کس قدر اہتمام کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کی فرماں برداری ہی پر سعادت کا دارومدار ہے' اسی سے اللہ کے دوستوں اور دشمنوں میں' جنتیوں اور دوزخیوں میں تمیز ہوتی ہے' جو لوگ اطاعت گزار ہیں' وہی اللہ کے دوست اور متقی ہیں — اس کا کامیاب گروہ اور اس کی غالب جماعت ہیں۔

اس کی مخالفت کرنے والے اور اس کے نافرمان اس کے برعکس ہیں' اور جو لوگ آپ ﷺ کی قبر کا' یا کسی اور قبر کا حج کرتے ہیں' اور ان کو پکارتے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں، وہی دراصل حضور ﷺ کی مخالفت کرنے والے اور نافرمان لوگ ہیں' وہ آپ ﷺ کی اطاعت کرنے والے اور وفادار ہرگز نہیں ہیں' وہ اس فعل میں بالخصوص آپ ﷺ کے دشمنوں میں سے ہیں' نہ کہ آپ ﷺ کے دوستوں میں سے' چاہے وہ اس عمل کو اپنی جہالت سے آپ ﷺ کی محبت اور گہرا رشتہ سمجھتے رہیں۔ عیسائی بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی شان میں غلو' اور آپ (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانے میں' ان کی عزت اور محبت خیال کرتے ہیں' اور وہ حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو پکارتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ ان سے محبت اور دوستی ہے حالانکہ دراصل یہ ان سے دشمنی ہے' اسی لئے قیامت کے دن وہ ان سے بے زاری کا اظہار و اعلان کریں گے۔ رسول اکرم ﷺ بھی ان سے اپنی بیزاری ظاہر فرمائیں گے جنہوں نے آپ ﷺ کی تعظیم و محبت میں غلو کر کے آپ ﷺ کی نافرمانی کی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَۙ وَاخۡفِضۡ "اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈر سنا دو اور اپنے

جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ؎

مومن پیروکاروں سے نرمی کا برتاؤ کرو۔ اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں، تو کہہ دو "میں تمہارے اعمال سے بے تعلق ہوں"۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود سے، اور اس کو پوجنے والوں سے بیزاری کا اعلان کریں۔ ارشاد ہے :

"قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ؎ الاٰیۃ!"

"تمہارے لئے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھی بہترین نمونہ ہیں، جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا، ہم تم سے اور ان سے، جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو، بیزار ہیں ہم نے کفر کیا تمہارے ساتھ، ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور عداوت رہے گی، جب تک تم ایک اللہ پہ ایمان نہ لے آؤ"۔

یہی حال سب مُردوں کا ہے کہ محض ان کی قبروں کی زیارت سے ان کی مُحبت میں اضافہ نہیں ہوتا۔ ہاں! جو شخص ان کے حالات سے واقفیت حاصل کرے، پھر ان حالات کو یاد کر کے ان سے محبت کرے!

سب مسلمان، رسولِ اکرم ﷺ کے حالات و محاسن اور فضائل کو اور جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر احسانات فرمائے اور آپؐ کے ذریعے آپؐ کی اُمت پر مہربانیاں فرمائیں، کو یاد کرتے ہیں، ان کو بیان کرتے ہیں۔ اس سے ان کے دلوں میں آپؐ کی محبت و تعظیم بڑھتی ہے، نہ کہ محض آپؐ کی قبر کی زیارت سے!

اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جو لوگ انبیاءؑ و اولیاء کی قبروں پر اعتکاف اور چلّہ کشی کرتے ہیں، ان میں ان کی سیرت اور متابعت کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ ان میں سے اکثر نے اس کو ذریعہ معاش، گدی نشینی اور جاہلوں میں عزت کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ وہ ان اہلِ مزارات کے فضائل اور سچی جھوٹی کہانیاں اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے ان کا حلوہ مانڈا چلتا رہے اور عزت بنی رہے۔ اس لئے نہیں کہ اس سے

؎ الشعراء : ۲۱۴ ؎ الممتحنہ : ۴

ان کے دلوں میں محبت اور عقیدت زیادہ ہوتی ہے۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں اور صحیح ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" اِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِکُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ اَحْيَاءٌ وَّالَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ "	"بدترین لوگ وہ ہوں گے جن کی زندگی میں قیامت آئے گی۔ اور وہ لوگ جو قبروں کو مساجد (عبادت گاہیں) بناتے ہیں "

اس (معترض) نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فضائل بیان کئے ہیں وہ آپؐ کے حقوق میں سے معمولی سے ہیں جبکہ آپؐ کے فضائل اس سے دُگنے چوگنے بلکہ کئی گنا ہیں۔

یہ بے حد ضروری ہے کہ ہم آپؐ پر ایمان لائیں آپؐ کی اطاعت کریں آپؐ کی سُنّت کی اتباع کریں آپؐ کی پیروی اور اقتدا کریں آپؐ کی محبت اور تعظیم ، آپؐ کے دوستوں سے حسنِ سلوک اور آپؐ کے دُشمنوں سے دُشمنی ہمارا سب سے بڑا مشن ہے۔ یہی نجات اور سعادت کی واحد راہ ہے یہی حق کی راہ اور اللہ تعالیٰ کے حضور وسیلہ ہے۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے آپؐ کی نافرمانی اور مخالفت نیز اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک لازم آئے ۔ ایمان لانے میں سبقت کرنے والے مومنوں اور نیکی میں ان کی راہ چلنے والوں کے علاوہ کسی کی راہ پر چلنا پڑے۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

" لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ "	"تین مساجد کے علاوہ کہیں (عبادت سمجھ کر) سفر نہ کیا جائے "
" لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا فَعَلُوْا "	اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا یہ فرما کر آپؐ نے اُمت کو اس بدعملی سے بچنے کی ترغیب دی "
" لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِيْدًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ "	"میری قبر کو عید نہ بنانا تم جہاں بھی ہو درود پڑھا کرو وہ مجھے پہنچ جاتا ہے "
" خَيْرُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ وَخَيْرُ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرُّ الْاُمُوْرِ	"بہترین کلام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور بہترین ہدایت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور بدترین

مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“

کام وہ ہیں جو دین میں نئے ایجاد کر لئے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے“

”اِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“

”جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سا اختلاف دیکھے گا۔ اس وقت میری اور میرے خلفاء راشدینؓ کی سنت کو مضبوط کر کے دانتوں سے پکڑے رکھنا، دین میں نئی نئی باتوں سے بچنا، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے“

ان کے علاوہ بھی بہت سے دلائل ہیں جن سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ قبروں کے حاجی، رسولِ اکرم ﷺ کے مخالف اور آپؐ کی شریعت اور سنت سے نکل جانے والے ہیں۔ آپؐ کے موافق اور مطیع نہیں ہیں۔ یہ بحث کئی جگہ گزر چکی ہے۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے زیارت کے متعلق جو کچھ ہم نقل کرنا چاہتے تھے، وہ یہاں ختم ہو گیا ہے۔

اس بحث سے یہ بات پوری طرح اجاگر ہو گئی ہے کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے زیارتِ قبور، جو شریعت کے مطابق کی جائے، کو اپنی کسی کتاب میں حرام نہیں لکھا! — نہ اس سے منع فرمایا ہے، نہ اس کو مکروہ کہا ہے بلکہ اس کو مستحب فرمایا ہے، اور اس کی ترغیب دی ہے۔ ان کی تصنیفات نبی ﷺ کی قبر اور دوسری قبروں کی زیارت کے استحباب کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ انہوں نے کہیں بھی اس کا انکار نہیں کیا، اور نہ ہی اس سلسلہ میں کوئی اختلاف ذکر کیا ہے۔ سوائے ایک معمولی اختلاف کے، جس کو انہوں نے اپنی کسی کتاب میں بعض تابعینؒ سے ذکر کیا ہے۔

ہاں! انہوں نے محض قبروں کی زیارت کے لئے شدِ رحال اور سفر کا اہتمام کرنے کے مسئلے پر گفتگو کی ہے۔ اس مسئلہ میں انہوں نے علماء متقدمین و متاخرین کے دو قول بیان فرمائے ہیں؛

پہلا قول، جو بعض اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اباحت کا ہے۔

دوسرا قول، جو امامِ دار الہجرت مالکؒ بن انس کا ہے، ممانعت کا ہے۔ باقی ائمہ ثلاثہؒ میں سے کسی سے اس کا خلاف منقول نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب کا بھی یہ مسلک ہے۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے قبروں کے لئے شدِ رحال اور سواری پر سفر کرنے کے مسئلے میں اس اختلاف

کا ذکر فرمایا ہے ۔اس کے بغیر زیارت میں اختلاف کو بیان نہیں کیا۔

زیارتِ قبور کے لئے سفر ایک الگ مسئلہ ہے ۔ اور سفر کے بغیر زیارتِ قبور دوسرا مسئلہ ہے جس نے ان دو مسئلوں کو خلط ملط کر کے ایک ہی مسئلہ بنا دیا ہے اور اس پر ایک ہی حکم لگایا ہے نیز جس نے ان دو مسائل میں فرق کو ملحوظ رکھا اس پر طعن و تشنیع اور نفرت کے تیر برسائے، وہ بدقسمت راہِ حق سے بھٹک گیا ہے ۔

شیخ رحمہ اللہ نے شدِّ رحال اور سواری استعمال کرنے کے لائق سفر کو محض زیارتِ قبور کے لئے ممنوع قرار دیا ہے ۔ان کی دلیل وہ مشہور حدیث ہے جس کی صحت متفق علیہ ہے یعنی " لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ (الحدیث)" پھر انہوں نے اپنی دو پہلی کتابوں میں اس حدیث سے استدلال کی وجہ بیان کر دی ہے ۔اسی طرح اپنی بے نظیر کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں اس پر ایسی نفیس بحث کی ہے، جس سے بہتر اور عمدہ بحث نہیں ہو سکتی۔

جاہل اور کند ذہن نبہانی نے سبکی اور ابنِ حجر وغیرہ اپنے غالی پیش روؤں سے جو کچھ نقل کیا ہے، وہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہے بلکہ وہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ پر اس مسئلہ میں اور دوسرے مسائل میں محض افتراء اور بہتان ہے ۔شیخؒ نے اس کو ایک فرضی مسئلہ کے طور پر بیان کیا ہے، جو فی الواقع موجود نہیں ہے جو شخص بھی مدینہ منورہ کا سفر اختیار کرے گا اس کی نیت اور خواہش مسجدِ نبویؐ میں نماز اور زیارتِ قبرِ نبویؐ ہو گی ۔ بالفرض اگر کوئی شخص محض اور صرف قبرِ نبویؐ کی زیارت کے لئے سفر کرے ۔اس کی نیت مسجد میں جانے کی نہ ہو تو پھر اس کا حکم وہی ہو گا جو شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے از روئے حدیث بیان فرمایا ہے ۔بے وقوف نبہانی نے آٹھویں تنبیہ میں جو بے ہودہ گفتگو کی ہے، اس کا آپ پر اطلاق نہیں ہوتا یعنی اس کا یہ کہنا، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لئے سفر حرام ہو جیسا کہ ابنِ تیمیہؒ نے کہا ہے تو لوگ اس طرح آپؐ کی زیارت سے رک جائیں گے اور مدینہ منورہ سب سے گھٹیا شہر بن کر رہ جائے گا، بلکہ کمترین بستی بن جائے گا ـــــ ویران اور خراب ہو جائے گا ۔ مدینہ منورہ تو محض آپؐ کی قبر شریف کی وجہ سے موجود و آباد ہے ۔ مومنوں کا مدینہ منورہ کی زیارت کرنا، وہاں آنا جانا اور ٹھہرنا سب آپؐ کی وجہ سے ہے تاکہ یہ سفر ان کے لئے سعادت کا وسیلہ بنے کیونکہ بقول ان کے "یہ اظہر من الشمس ہے کہ اللہ کے حضور میں آپؐ سب سے قریب، سب سے اہم اور سب سے کامیاب وسیلہ ہیں" اسی طرح کی اور

بیہودہ باتیں ہیں، جو اس نے اس تنبیہ میں کی ہیں!

اے انصاف پسند لوگو! اس بدحواس اور بے وقوف کو دیکھو، کہ اس کی حماقت نے اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا؟ اس بیچارے کو ابھی تک پتہ ہی نہیں کہ شہر کس طرح آباد ہوتے ہیں، اور کس طرح خراب ہوتے ہیں؟ وہ سمجھتا ہے کہ زیارتِ قبور شہر کی آبادی کا سبب ہے جہاں زیارتِ قبور نہ ہو وہ شہر ویران ہو جاتے ہیں۔ غالی گمراہوں کا اگر یہ اعتقاد ہے تو یہ سب سے بڑی بدعت ہے یہ ایسے لوگوں کے مناسب حال ہے، جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہو۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ پر مذکورہ الزامات عائد نہیں کیے جا سکتے کیونکہ انہوں نے زیارت اور اس کے لئے سفر کو مطلق حرام نہیں کہا۔ بجائے زیارت کی بجائے مسجد نبوی میں نماز ہوگی تو مسلمان اس کو نظر انداز نہیں کر دیں گے اور جو اس نے زائرینِ مدینہ منورہ کی کمی کا ذکر کیا ہے، وہ سفید جھوٹ ہے اگر اس کی یہ وجہ تسلیم کر لی جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ بیت المقدس اپنے زائرین کی کمی کی وجہ سے غیر آباد ہو جانا چاہیے تھا۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ وہ کس قدر آباد ہے۔ اس شخص کو جھوٹ بولتے شرم نہیں آتی۔ اس سے شاید لوگوں کو وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ محکمہ انصاف کا سربراہ ہے اور یہ اس کا مبلغ علم ہے!

شہروں کی آبادی علم و تقویٰ، ایمانِ کامل، عملِ صالح اور دین و دنیا کے لئے محنت اور کوشش کے ساتھ ہوتی ہے اور قبروں کی زیارت جس قبر کی بھی ہو، اس سے مقصد میت کیلئے دعاء کرنا اور عبرت حاصل کرنا ہوتا ہے، وہ اخروی راستوں میں سے ایک گھاٹی ہے۔

کیا قبروں کی زیارت، اہلِ قبور کی تعظیم کا باعث ہے؟

اس بے دقوف نے اپنی گفتگو میں بار بار اپنے غالی اسلاف سے نقل کیا ہے کہ قبروں کی زیارت سے اہلِ قبر کی تعظیم ہوتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واجب ہے۔ لہٰذا اس کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔

جواب

امام حافظ ابنِ قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے "الصارم المنکی" میں اس پر کئی وجوہ سے کلام کیا ہے:

وجہِ اول

اگر ان دو مقدموں کو مطلقاً قبول کر لیا جائے تو ان کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت واجب ہے۔

یعنی : " زیارۃ قبور تعظیم ہے۔ اور تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واجب ہے "

ان دو مقدموں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ:

نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت واجب ہے۔

——— یہ مان لینے کے بعد بہت سے لوازمات سامنے آتے ہیں۔ مثلاً:

اگر آپ ﷺ کی قبر کی زیارت لازم ہو تو اس کا تارک نافرمان ہوگا جو سزا کا مستحق ہے اور اس سے اس کی عدالت کی نفی ہوگی نہ اس کی شہادت درست ہوگی، نہ اس کی روایت اور فتویٰ ہی قبول کیا جاسکے گا۔ پھر تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فسق کا الزام عائد ہوسکتا ہے سوائے اس کے جس نے آپ کی قبر کی زیارت کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رافضیوں کے قول سے بھی زیادہ برا ہے رافضیوں نے تو جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس لئے فاسق ہونے کی تہمت تراشی کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کو ترک کر دیا تھا۔

بلکہ اس کا یہ قول خوارج کے عقیدے کے مطابق ہے جو مرتکبِ کبیرہ کو کافر کہتے ہیں کیونکہ اس کے نزدیک جو آپ کی قبر کی زیارت نہیں کرسکتا وہ آپ کی تعظیم نہیں کرتا جبکہ آپ کی تعظیم کا ترک کفر ہے یا کفر کو لازم ہے! رسولِ کریم ﷺ کی تعظیم ایمان کے لوازم میں سے ہے اور آپ کی تعظیم کو ترک کرنے سے کفر لازم آتا ہے۔ اس قاعدے کے مطابق تو ہر وہ شخص کافر ہوگا جس نے آپ کی قبر کی زیارت نہیں کی کیونکہ وہ آپ کی تعظیم کا تارک ہے۔ بلاشبہ یہ غالی جہالت، نیز اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور امت پر جھوٹ بولنے کے جس مقام پر پہنچ گیا ہے، رافضی اور خارجی بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکے۔

(۲)

وجہ ثانی سے وضاحت

خوارج نے تو امت کے ان لوگوں پر کفر کا الزام عائد کیا ہے جو رسولِ کریم ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی کرنے والے ہیں اور انہوں نے متشابہ نصوص کو محکم نصوص کے مطابق کئے بغیر استدلال کیا ہے لیکن عباد القبور نے تو رسولِ کریم ﷺ کے اصل مشن کے ساتھ موافقت کی بناء پر کفر کا فتویٰ دے دیا ہے۔ اس طرح انہوں نے خالص توحید کو کفر اور گستاخی خیال کیا۔ اب آپ ہی دیکھئے کہ گناہ کی وجہ سے کفر کا الزام دینے والا کہاں؟ اور خالص توحید و سنت کے ماننے والے کو کافر بنانے والا کہاں؟ ببیں تفاوتِ راہ از کجا تا بکجا!

(۳)

وجہ ثالث سے وضاحت

اگر آپ ﷺ کی تعظیم آپ کی قبر کی زیارت سے ہی حاصل ہوتی ہے تو پھر آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے بغیر کسی کا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا لہٰذا یہ ہر دور و نزدیک کے ہر مسلمان پر فرضِ عین ہوگی۔ چاہے کوئی زیارت کی استطاعت نہ ہی پائے۔ اگر بات اسی طرح ہوتی تو اسلام لانے میں سبقت کرنے والے انصار و مہاجرین رضی اللہ عنہم اس کو قطعاً ضائع نہ کرتے!۔ تو کیا بعد کے لوگ، اب اس کو قائم کرکے یہ دعویٰ کر بیٹھے ہیں کہ وہ اولیاء الرسول اور آپ ﷺ کے حقوق کو پورا کرنے والا گروہ ہیں، حالانکہ وہ آپ ﷺ کے اولیاء میں شامل نہیں ہیں۔ آپ ﷺ کے اولیاء تو وہ لوگ ہیں، جو آپ ﷺ کے اطاعت گزار ہیں اور آپ ﷺ کی شریعت کو علم و معرفت، عمل و ارشاد اور جہاد کے ساتھ قائم رکھنے والے ہیں جنہوں نے خالق کی توحید کو خالص کرنے اور آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کے حقوق کو پورا کیا ہے اور آپ ﷺ کی شریعت کو نافذ کرنے، نیز اس کی اشاعت و حفاظت میں آپ ﷺ سے موافقت کے ساتھ پورا پورا زور لگا دیا۔

(۴)

وجہ رابع

اگر آپ ﷺ کی قبر کی زیارت ہر شخص پر واجب ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی طرف ہجرت سے آپ ﷺ کی قبر کی طرف ہجرت کی تاکید زیادہ ہے کیونکہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت موقوف ہوگئی تھی خود حضور ﷺ نے فرمایا تھا: "لَا ھِجْرَۃَ بَعْدَ الْفَتْحِ" "فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں" لیکن عبّاد القبور کے نزدیک آپ ﷺ کی قبر کی طرف ہجرت ہر اس شخص پر فرضِ عین ہے، جو وہاں پہنچ پانے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہ بات کہتے ہوئے اس کو کوئی جھجک محسوس نہیں ہوئی، حالانکہ یہ آپ ﷺ کی شریعت کی صریح بے ادبی ہے۔ اور آپ ﷺ کے دین میں ایسی نئی اور من گھڑت بات ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے قطعاً اجازت نہیں دی۔ اور یہ آپ ﷺ پر اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑا گیا ہے ـــ آپ ﷺ کی سب سے بڑی گستاخی و بے ادبی ہے۔

"سبکی" نے اپنی کتاب "شفاء السقام" میں ایک جگہ ذکر کیا ہے کہ اس نے شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک فتویٰ دیکھا ہے جس میں ہے "اسی لئے زیارتِ قبور دو قسم کی ہے۔ زیارتِ شرعیہ، زیارتِ بدعیہ

زیارتِ شرعیہ کا مقصد اگر میت مومن ہو تو اس کو سلام کہنا اور اس کے لئے دعا کرنا ہے اور موت کو یاد کرنا چاہے میت مومن ہو یا کافر" سبکی نے کہا "پھر آپ نے فرمایا "مومن نبی ہو یا غیر نبی کی قبر کی زیارت نمازِ جنازہ کی ایک قسم ہے"

"اور زیارتِ بدعیہ زیارتِ نصاریٰ کی قسم سے ہے اس کا مقصد میت کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا اور اس سے یا اس کے وسیلے واسطے سے طلبِ حوائج کرنا یا قبر پر ہاتھ پھیرنا اور اس کو چومنا یا اس کو سجدہ کرنا وغیرہ ہوتا ہے یہ سب کام ایسے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے کوئی حکم نہیں دیا نہ مسلمانوں کے کسی امام نے اور نہ سلف میں سے کسی نے نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس یا کسی اور قبر کے پاس ان کاموں کو مستحب فرمایا ہے"

سبکی شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت نقل کر کے کہتا ہے "زیارت کی ایک قسم رہ گئی ہے، جس کا انہوں نے ذکر نہیں کیا وہ ہے بغیر شرک میں پڑے محض تبرک کے لئے! — یہ تین اقسام ہو گئیں، قسمِ اوّل میت کو سلام کہنا اور اس کے لئے دعا کرنا ہے انہوں نے اس کے شرعی جواز کو تسلیم کیا ہے اور قسمِ ثانی، تبرک حاصل کرنے اور زائر کے لئے اس کے پاس دعا کرنا ہے"

پھر کہتا ہے "ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ اس دوسری قسم کو تیسری قسم کے ساتھ ملحق کرتے ہیں۔ حالانکہ اُن کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ ہم اس کے باطل ہونے کا قطعی فیصلہ کرتے ہیں۔ دین کی واضح بات جس کی تائید سلف صالحین کی سیرتیں کرتی ہیں، یہ ہے کہ بعض فوت شدہ بزرگوں اور اولیاء سے برکت حاصل کی جاتی جب اولیاء و صالحین اس مقام پر ہیں، تو انبیاء و مرسلین تو اس سے کہیں بڑھ کر ہیں! جو شخص دعویٰ کرے کہ سب مسلمان مُردوں کی قبریں برابر ہیں۔ وہ نبی علیہم السلام ہوں یا غیر نبی — وہ بڑے جرم کا مرتکب ہوا ہے۔ ہم یقین سے کہتے ہیں کہ وہ باطل اور خطاء ہے اور اس میں نبی کریم ﷺ کے درجے کو کم درجہ مومنوں کے برابر کرنا ہے اور یہ یقیناً کفر ہے جس شخص نے نبی کریم ﷺ کو ان کے درجے سے کم کیا اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔ اگر وہ کہے کہ یہ بے ادبی نہیں، بلکہ آپ ﷺ کی حد سے زیادہ تعظیم سے روکنا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ یہ جہالت اور سوادبی ہے"

"بابِ خامس کی ابتداء میں اس پر گفتگو ہو چکی ہے ہم یہ قطعی عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنی زندگی اور موت کے بعد اس سے کہیں زیادہ تعظیم کے حقدار ہیں جس شخص کے دل میں ایمان موجود

ہے، وہ اس میں کبھی شک نہیں کرے گا" (یہ معترض کا کلام ہے)

دیکھئے! مندرجہ بالا گفتگو محض قلتِ علم اور ہوائے نفس کی وجہ سے جہالت، غلو اور کفر سازی سے بھری ہوئی ہے۔ جس شخص کا مبلغ علم یہ ہو، وہ رسولِ اکرم ﷺ کے متبعین، آپؐ کے گروہ اور دوستوں پر محض اپنی رائے سے بہتان تراشی کر رہا ہے۔ سچ ہے جس کو اللہ تعالیٰ فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو یہاں کسی کا کوئی اختیار نہیں۔

(۵)
وجہِ خامس

اس معترض اور اس جیسے دوسرے عبادِ قبور کو یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ کیا تم رسولِ اکرم ﷺ کے لئے ہر قسم کی تعظیم چاہتے ہو؟ یا ایک خاص قسم کی تعظیم؟ اگر تم ہر قسم کی تعظیم کو واجب سمجھتے ہو تو تم پر لازم ہے کہ آپؐ کی قبر کو سجدہ بھی کرو اور اس کو بوسہ دو، اس کو چھوؤ، اس کا طواف کرو۔ اس لئے کہ یہ آپؐ کی تعظیم ہے۔ حالانکہ رسولِ اکرم ﷺ نے خود اس شخص کو ناپسند کیا جو آپؐ کی ایسی تعظیم کرے جس کی آپؐ نے اجازت نہیں دی جیسا کہ سجدہ کرنے والے کی تعظیم! آپؐ نے فرمایا:

" لا تطرونی کما اطرت النّصاریٰ عیسیٰ ابن مریم، فانّما انا عبدٌ فقولوا عبدُ اللہ و رسولہ، "	"مجھے اس طرح نہ بڑھاؤ چڑھاؤ جس طرح عیسیٰؑ ابن مریم کو عیسائیوں نے بڑھایا چڑھایا تم مجھے صرف "اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ﷺ" کہا کرو۔"

یہ تو صاف واضح ہے کہ آپؐ کو حد سے بڑھانے والوں کا مقصد آپؐ کی تعظیم ہی ہوتا ہے۔

آپؐ نے اس شخص کو فرمایا جس نے کہا تھا "یا محمدؐ! یا سیدنا وابن سیدنا وخیرنا وابن خیرنا" کہ اپنی بات پر پکے رہو، نہیں شیطان ہلاک نہ کر دے۔ میں محمدؐ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہوں۔ مجھے یہ ہرگز پسند نہیں کہ تم مجھے اس مرتبہ سے بڑھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے"۔ جس نے آپؐ کی تعظیم اس طریقے پر کی جو آپؐ کو ناپسند تھا تو اس نے تعظیم نہیں کی، بلکہ اس کے خلاف کام کیا! اور اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا — اس سے منع فرمایا اور بچنے کی تاکید کی!

پھر آپؐ کی قسم کھانا بھی آپؐ کی تعظیم ہوئی۔ تم یہ بھی کہو کہ حالف پر واجب ہے کہ وہ آپؐ کے نام کا حلف اٹھائے کیونکہ اس میں آپؐ کی تعظیم ہے اور آپؐ کی تعظیم واجب ہے۔ اسی طرح آپؐ کی تسبیح،

تکبیر آپ ﷺ پر توکل آپ ﷺ کے نام سے ذبح کرنا ان سب سے آپ ﷺ کی تعظیم ہوتی ہے اور یہ بات واضح طور پر معلوم ہے کہ ان کو واجب کہنا بالکل اسی طرح ہے جس طرح صاحبِ استطاعت کو آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کیلئے آپ ﷺ کی طرف حج کو واجب کہنا ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ ہم تعظیم کی ایک خاص نوع کو واجب کہتے ہیں، تو تم سے اس نوع کے ضابطے کا مطالبہ کیا جائے گا، اور واجب اور غیر واجب تعظیم کے درمیان فرق کرنا تمہاری ذمہ داری ہوگی اور یہ وضاحت کرنا ہوگی کہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت اسی واجب نوع سے ہے ورنہ تمہارا قول متناقض ہوگا تم دین میں وہ چیز واجب کرو گے، جو اللہ تعالیٰ نے واجب نہیں کی اور وہ شریعت بناؤ گے، جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔

(۶)

وجہِ سادس

جب بھی آپ ﷺ کا خیال دل میں آئے تو آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنا آپ ﷺ کی تعظیم ہے اب تم اس تعظیم کو بھی واجب کہو اور جو اس کو غیر واجب کہے، اس پر فتویٰ جڑ دو کہ وہ آپ ﷺ کی تعظیم کا تارک ہے بلکہ اس شخص کے تارکِ تعظیم ہونے کا فتویٰ دو، جو آپ ﷺ کے ہر بار ذکر پر درود شریف کو واجب نہیں کہتا، یا جو نماز میں درود شریف کو واجب نہیں سمجھتا، یا جو شخص کہتا ہے کہ عمر بھر میں صرف ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے، یا جو بالکل ہی واجب نہیں جانتا۔

بھلا علماء اُمت اور ائمہ اسلام جو درود شریف کے وجوب کے قائل نہیں، کیا آپ ﷺ کی تعظیم کی نفی کرتے تھے۔ اور اس کے تارک تھے، حالانکہ وہ تم سے آپ ﷺ کی زیادہ تعظیم کرتے تھے؟ اور آپ ﷺ کے حقوق کو زیادہ پہچانتے تھے۔ آپ ﷺ کے دین کی زیادہ حفاظت کرنے والے تھے کہ کہیں اس میں ایسی بات داخل نہ کر دی جائے، جو اس میں نہیں ہے۔

(۷)

وجہِ سابع

جن فقہا نے ذبح کے وقت آپ ﷺ پر درود پڑھنے کو مکروہ کہا ہے تمہارے کہنے کے مطابق وہ آپ ﷺ کی تعظیم کے تارک ہوئے اور یہ ان کے ایمان میں کیڑے ڈالنا ہے اور جو آپ ﷺ کے نام کے ساتھ حلف کو مکروہ یا حرام کہے کہ اس طرح اس کی قسم منعقد ہی نہیں ہوتی، وہ بھی تمہارے قول کے مطابق آپ ﷺ کی تعظیم کو ترک

کرتا ہے کیونکہ آپؐ کے نام کا حلف آپؐ کی تعظیم ہے۔

(۸)
وجہِ ثامن

یہ کہنا کہ آپؐ کی قبر کی زیارت واجب نہیں، یا کہنا کہ مستحب نہیں، یا کہنا کہ اس کے لئے شدِّ رحال جائز نہیں، قطعاً کسی لحاظ سے بھی آپؐ کی تعظیم کو کم نہیں کرتا یوں سمجھو کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح بعض ائمہ اسلام آخری تشہد میں درود شریف کو واجب نہیں کہتے یا بعض عند الذبح درود شریف کو مکروہ سمجھتے ہیں یا بعض تشہدِ اول میں اور اذان میں "اشھد ان محمداً رسول اللہ" کے وقت آپؐ پر درود شریف کو مستحب نہیں کہتے بلکہ ان لوگوں کے قول سے، جو آپؐ پر درود شریف کو واجب نہیں کہتے یا بعض مواقع پر مستحب نہیں جانتے، ان لوگوں کی بات تعظیم کے منافی نہ ہونے کے زیادہ لائق ہے، جو آپؐ پر درود شریف کے وجوب کی یا بعض مواقع پر استحباب کی نفی کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بہر حال آپؐ پر درود شریف پڑھنے کا حکم تو ہے۔ اور درود شریف پڑھنے والے کو ضمانت دی گئی ہے کہ: ایک بار درود شریف پڑھنے سے اس پر دس رحمتیں ہوں گی بلکہ آپؐ پر درود پڑھنا آپؐ کی خالص تعظیم ہے۔ اس کے وجوب کی نفی یا کسی جگہ اس کے استحباب کی نفی سے آپؐ کی تعظیم ترک نہیں ہو جاتی اور دونوں امور کے وجوب کا انکار آپؐ کی تعظیم میں طعن نہیں بلکہ عین تعظیم ہے!

(۹)
وجہِ تاسع

اس کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ کی تعظیم دراصل یہ ہے کہ اس چیز سے محبت کرنا جس کو آپؐ پسند فرمائیں اور اس کو ناپسند کرنا جس کو آپؐ ناپسند فرمائیں۔ اس سے راضی ہونا جس پر آپؐ راضی ہوں۔ اور اس کا کرنا جس کا حکم دیں۔ اور اس کو چھوڑ دینا جس سے روک دیں۔ اس کی طرف شوق سے بڑھنا جس کی آپؐ ترغیب دیں اس سے بچنا جس سے بچنے کا حکم دیں۔ اور آپؐ کے قول و عمل سے آگے نہ بڑھنا اور آپؐ کے ارشاد پر کسی کے قول کو ترجیح نہ دینا اور آپؐ کی شریعت کا عقل سے مقابلہ نہ کرنا کہ اپنی عقل کو شریعت پر مقدم کرے جس طرح کہ اس معترض کے ائمہ کا طریقہ اور رویہ ہے جن سے اس نے اپنے دین کے اصول لئے ہیں اور ان کی آراء ان کے وساوس اور خیالات کو اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مقدم کرتا ہے جبکہ ان لوگوں پر ترکِ تعظیم کی طعن زنی کرتا ہے، جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل پیرا ہیں اور جن سے آپؐ نے روکا ان سے

رُک جانے والے ہیں۔ اس سے بڑی آپؐ کی گستاخی اور بے ادبی کیا ہوگی کہ آپؐ کے کلام پر یقین نہ کیا اور آرائِ رجال کو مقدم جانا؟ اور وہ یوں یا وہ گوئی کرتا ہے کہ آپؐ کی شریعت کو عقل پر پرکھنا درست ہے۔ اور واجب یہ ہے کہ عقلی بات کو اور آرائِ رجال کو آپؐ کے ارشاد پر مقدم کیا جائے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ!

(۱۰)

وجہِ عاشر

آپؐ کی تعظیم کی غرض سے آپؐ کی قبر کی زیارت کے وجوب و استحباب اور اس کی طرف شدِ رحال سے اس کی حیثیت ایسی عبادت گاہ کی ہو جائے گی جس کا بیت اللہ شریف کی طرح حج ہو گا جس طرح کہ عباد القبور کا طریقہ ہے وہ خصوصی طور پر وہاں آتے ہیں اور وقوف و دُعاء اور گریہ زاری کرتے ہیں، جس طرح کہ بیت اللہ کے حاجی کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے قبر کا طواف بھی کرتے ہیں، اس کو چھوتے اور چومتے ہیں۔ اس پر ہاتھ پھیرتے ہیں اب حج کے ارکان و اعمال میں سے حلق، قربانی اور کنکریاں مارنا ہی رہ گیا۔ اس ناجائز کام تک پہنچنے کے وسیلے کو واجب اور مستحب کہنا، اللہ و رسول ﷺ کی شریعت کی کھلی مخالفت ہے۔ اور بلکہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ بہت سے جاہل، قبروں کے پاس، جہاں وہ شدِ رحال کر کے جاتے ہیں، جانور بھی ذبح کرتے ہیں اور سر بھی منڈاتے ہیں اور اس کو حج کہتے ہیں۔ ایک جاہل نے "مناسک حج المشاہد" کے نام سے کتاب بھی تصنیف کر ڈالی ہے اس کا سبب غلو ہے جس کا نام کم علمی کی وجہ سے تعظیم رکھ دیا گیا ہے بلا شبہ یہ سارے کام رسولِ کریم ﷺ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہیں۔

(۱۱)

وجہِ حادی عشر

جو باتیں عباد القبور کہتے ہیں، بعینہٖ یہی وہ سبب ہے جس کی بناء پر رسولِ اکرم ﷺ نے قبروں کو مساجد بنانا ان پر چراغ روشن کرنا حرام کیا ہے اور ایسا کرنے والے پر لعنت کی ہے قبروں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا اور اپنی قبر کو عید (عُرس) بنانے سے روکا بلکہ اپنے رب سے دُعاء کی کہ آپؐ کی قبر کو "وثن" بنا کر پوجا نہ جائے اور یہی وجہ ہے کہ اُمت کے فضلاء اور بزرگوں نے اس سے منع فرمایا۔ اسی وجہ سے حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ

میں ظاہر ہوئی تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کو بے نشان کرنے کا حکم دیا۔ اسی وجہ سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ جانے اور صرف آپ کی قبر پہ پہنچنے کی نیت سے نذر ماننے والے کو نذر پوری کرنے سے منع فرمایا اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مخلوق کی ایسی تعظیم سے منع کر دیا جس سے وہ مسجد (عبادت گاہ) بن جائے۔ آپؒ کا ارشاد ہے:

"واکرہ ان یعظم مخلوق حتّٰی یجعل قبرہ مسجداً" "مجھے یہ بالکل ناپسند ہے کہ کسی مخلوق کی اتنی تعظیم کی جائے کہ اس کی قبر کو مسجد (عبادت گاہ) بنا لیا جائے"!

اسی وجہ سے حضرت امام مالکؒ نے یہ الفاظ کہنے بھی ناپسند فرمائے کہ:

" زرت قبر النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم " کہ "میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی ہے"!

کیونکہ ان الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ قائل صرف زیارتِ قبر کے لئے مدینہ منورہ گیا ہے اس میں قبر کی تعظیم، زیارت کے لفظ کے اضافے کے ساتھ ہے چونکہ آپ کی قبر شریف روئے زمین پر سب سے اہم، جلیل القدر اور عزت والی ہے لہٰذا اس کی تعظیم کا فتنہ دوسری قبروں کی تعظیم کی نسبت زیادہ ممکن ہے۔ امام مالکؒ نے اس کو سخت ناپسند کیا۔ یہاں تک کہ الفاظ بولنے میں بڑی احتیاط برتی آپؒ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی نذر ماننے والے کو نذر پوری کرنے سے روک دیا۔ اگر ان کے نزدیک یہ ثواب کا کام ہوتا تو اس سے روکنے کی بجائے اس کو پورا کرنا واجب ٹھہراتے نذر ماننے سے اس کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ شریعت میں پہلے واجب ہو یا غیر واجب ہو۔ یہی وجہ ہے آپؒ کے نزدیک مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر ماننے والے پر اس کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ مگر قبرِ نبوی پر حاضری کی نذر ماننے والے کو آپؒ نے منع فرما دیا اگر آپؒ کے نزدیک یہ کام جائز ہوتا تو اس سے منع نہ فرماتے۔

جو شخص امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس نقل کی صحت کا انکار کرے تو وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو حق کو جب وہ ان کے پاس آجائے تو قبول کرنے کی بجائے جھٹلا دیتے ہیں۔ امام مالکؒ سے یہ روایت کرنے والا وہ بزرگ ہے جو امت میں علم و امانت، صدق و جلالت کے ساتھ سچی زبان بھی رکھتا ہے۔ اس سے مراد اسلام کے ایک بڑے امام قاضی ابو اسحٰق اسماعیل بن اسحٰق بن اسمٰعیل بن حماد بن زید ہیں۔

وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مثل تھے اور سب علوم میں ان کو امامت کا درجہ حاصل تھا۔ یہاں تک کہ مبرد نے کہہ دیا تھا کہ اسمٰعیل قاضی علم صرف میں مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔ اور یحییٰ بن اکثم سے روایت ہے کہ اس نے جب قاضی موصوف کو اپنی طرف آتے دیکھا تو کہا کہ "مدینہ آگیا ہے"۔ اور امام مالکؒ کا یہ ارشاد آپؒ کی ایک مشہور و معروف اور جلیل القدر کتاب "مبسوط" میں بھی منقول ہے۔ جو شخص اس کو جھوٹ کہے یوں سمجھئے کہ اس نے امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور ایسے دوسرے ائمہ کو جھٹلا دیا اور جس شخص کا تعصب اور خواہش نفس یہاں تک پہنچ جائے تو اس نے اپنی ذلت کا خود سامان فراہم کر لیا۔ اب اس کے مخالف کو ضرورت رہے گی کہ اس کو جھوٹا ثابت کرے۔ جو شخص امام مالکؒ کے اقوال اور جوابات کو جمع کرکے، ان کو سلفؒ کے اقوال و جوابات کی روشنی میں دیکھے وہ ان کی مراد کو قطعی طور پر معلوم کر لے گا اور اس کو صاف نظر آئے گا کہ وہ اُمت کے خیر خواہ، رسولِ کریم ﷺ کی تعظیم اور اتباع کرنے والے — خالص توحید میں، اور شرک کے اسباب کو مٹانے میں آپؐ کے طریقے پر تھے۔ اسی وجہ سے ان بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے امامت کے منصب پر فائز کیا اور امت میں ان کے ذکرِ جمیل کو رائج کیا۔ بالفرض ان سے اس کے خلاف کوئی بات منقول ہو تو وہ متشابہ بات ہوگی جس کا ان کے محکم کلام اور اصول کی روشنی میں فیصلہ ہوگا۔

مگر ان سے تو ایک حرف بھی اس کے خلاف منقول نہیں ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ جس کو عبادِ قبور تعظیم سمجھتے ہیں، اہلِ علم کے نزدیک وہ ناپسندیدہ ہے اور رسولِ کریم ﷺ نے اس سے اُمت کو ڈرایا اور رد کیا اور اس کے مرتکب پر لعنت بھیجی ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہوتا ہے:

"اشتد غضب الله علی قوم اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد"	"اللہ تعالیٰ اس قوم پر سخت غضبناک ہوتا ہے جو اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد (عبادت گاہیں) بنالے"

اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ یہ سلوک ان کی اور ان کی قبروں کی تعظیم کے لئے ہی کیا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ قبروں کی تعظیم ایسا عمل ہے جس کے مرتکب پر اللہ کی سخت ناراضگی اور لعنت ہے۔

وجہِ ثانی عشر [۱۲]

وسائل اور مقاصد کے جو کام بھی عبادِ قبور کرتے ہیں، وہ تعظیم بالکل نہیں ہے کیونکہ تعظیم کا محل

قلب، زبان اور اعضاء ہیں اور یہ اس سے کوسوں دور ہیں اور قلبی تعظیم کی بنیاد آپ کا رسول ہونا ہے۔ اس لئے آپ کی محبت جان، اولاد، ماں باپ نیز سب لوگوں پر مقدم ہے اس محبت کی تصدیق دو امور سے ہوتی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی تصدیق، دو امور سے!

امر اوّل

خالص توحید ہے جس کی رسول اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ چاہت اور فکر تھی یہاں تک کہ آپ نے شرک کے سب اسباب و وسائل کو پوری طرح کاٹ کر رکھ دیا اور آپ نے ایسے اوقات میں جبکہ سورج کے پجاری اس کو سجدہ کرتے ہیں، نفل نمازوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منع فرما دیا۔ حالانکہ اس عبادت سے مقصود صرف اللہ تعالیٰ کا تقرب تھا۔ بلکہ ان کی عبادت سے پہلے صبح اور عصر کی نمازوں کے بعد نفلی عبادت سے روک دیا تاکہ اہل توحید ان کے وقت میں ان کے مشابہ نہ ہوں۔ آپ نے یوں کہنے سے منع فرمادیا کہ "مَا شَاءَ اللّٰہُ وَشَاءَ فُلَانٌ" یعنی "جو اللہ تعالیٰ اور فلاں چاہے"۔ نیز غیر اللہ کے حلف سے منع فرمادیا۔ اور فرمایا یہ شرک ہے! ۔ آپ نے قبر کی طرف نماز پڑھنے سے منع کر دیا۔ قبر کو مسجد (عبادت گاہ) اور عید بنانے ۔۔ اس پر چراغ جلانے سے روکا اور آپ نے اس شخص کی مذمت فرمائی جس نے آپ کے نام اور اللہ تعالیٰ کے نام کو ایک لفظ میں جمع کر دیا تھا اور فرمایا تھا "بِئْسَ الْخَطِیْبُ اَنْتَ" یعنی "تو بُرا خطیب ہے۔"

دراصل آپ کے دین کا دارومدار اسی اصل پر ہے جو نجات کے لئے مرکزی نقطہ ہے اور جس کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ آپ نے توحید کے مرکزی مسئلے کو اپنے ارشاد، اپنے فعل، اپنی رہنمائی سے، نیز اس کے منافی ذرائع کو روک کر جتنا پختہ کر دیا ہے کسی نے نہیں کیا لہٰذا آپ کی اصل تعظیم اس سلسلہ میں آپ کی اتباع و پیروی میں ہے، نہ کہ مخالفت میں!

امرِ ثانی

دین کے چھوٹے بڑے اصول و فروع میں صرف آپ کا فیصلہ تسلیم کرنا اور آپ کی خالص اتباع کرنا ۔۔ آپ کے فیصلے پر راضی ہونا، آپ کا مطیع و فرماں بردار ہونا جبکہ اُن سے اعراض کرنا اور اُن کی

طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا جو آپؐ کی مخالفت کریں۔ یہاں تک کہ آپؐ ہی کی ذاتِ بابرکات فیصلہ کن اور اتباع کے لائق ہو اور آپؐ ہی کا ارشاد قبول کیا جائے۔

اسی طرح رب تعالیٰ اکیلا ہی معبود ہے ـــــ جس کے حضور گھبراہٹ اور بے چینی کے وقت رجوع کیا جاتا ہے، جو ڈرنے اور اُمید رکھنے کے لائق ہے، جس سے فریاد کی جاتی ہے اور جو بھروسے کے لائق ہے، اسی کی طرف رغبت و توجہ اور اسی سے خوف ہے۔ اسی کے لئے عمل ہے، وہ تنہا ذات ہے کہ جس سے کشفِ شدائد اور بے چینیوں کے رفع کرنے اور گناہوں کی بخشش کے لیے امید کی جا سکتی ہے، اس اکیلے نے ہی مخلوق کو پیدا فرمایا، ان کو رزق دیا۔ وہ اکیلا ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور ان کو اکیلا ہی مرنے کے بعد اٹھائے گا۔ وہی بخشتا اور رحم کرتا ہے۔ ہدایت اور گمراہی، سعادت و شقاوت صرف اسی کے پاس ہے۔ اس کے سوا کسی اور کا چاہے کوئی ہو کوئی حکم نہیں چلتا۔ بلکہ حکم صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ہی چلتا ہے ـــــ حتیٰ کہ جس کا مقام (وسیلہ) اس کے حضور سب سے قریب اور سب سے بلند ہے اور جو اس کے نزدیک سب سے بڑا صاحبِ وجاہت ہے اور جس کا ذکر اس کی بارگاہ میں سب سے زیادہ ہوتا ہے اور جس کی قدر و منزلت اس کے نزدیک سب سے بلند ہے اور جو اس کے حضور شفاعتِ کبریٰ کے مقام پر سرفراز ہے، اس کا بھی حکمِ الٰہی میں کوئی حصہ اور اختیار نہیں ہے۔ وہ کسی کو کچھ نہیں دیتا اور نہ کسی سے کچھ روکتا ہے اور نہ کسی کے نفع و نقصان کا اس کو اختیار ہے۔ اس نے ساری مخلوق میں سے اپنی عزیز ترین بیٹی، پھوپھی اور چچا کو صاف کہہ دیا تھا:

"یا فاطمۃ بنت محمد لا اغنی عنكِ من اللہ شیئا"	"اے فاطمہؓ بنتِ محمد ﷺ! میں اللہ تعالیٰ کے حضور تیرے کسی کام نہیں آؤں گا"۔
"یا عبّاس عمّ رسول اللہ لا اغنی عنك من اللہ شیئا"	"اے عباسؓ، رسول اللہ ﷺ کے چچا! میں اللہ کے حضور تیرے کسی کام نہیں آؤں گا"۔
"یا صفیّۃ عمّۃ رسول اللہ لا اغنی عنكِ من اللہ شیئا"	"اے صفیہؓ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی! میں اللہ کے حضور تیرے کام نہیں آؤں گا"۔

یہی اصل اور سچی تعظیم ہے، جو صاحبِ تعظیم کے مناسبِ حال ہے، جو دنیا و آخرت کے لئے نافع ہے، اور جو ایمان کے لئے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتی ہے۔

زبانی تعریف اور ثنا جس کے آپ ﷺ لائق ہیں اور جو آپ ﷺ نے اپنی خود ثنا کہی ہے اور آپ ﷺ کے رب نے جو آپ ﷺ کی تعریف و منقبت بیان فرمائی ہے جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے۔ یہ یقیناً درست ہے جس طرح آپ ﷺ کی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ شان و منقبت میں کمی جرم ہے اور اس سے آپ ﷺ کی تعظیم کا ترک لازم آتا ہے بالکل اسی طرح آپ ﷺ کی شان کو حدِ نبوت و رسالت سے بڑھانا بھی جرم اور آپ ﷺ کی تعظیم کو ترک کر دینا ہے۔ ہر ایک مختلف حیثیتوں اور پہلوؤں سے دوسرے سے بدترین ہے۔ اللہ و رسول ﷺ کے دوست درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اب اعضاء و جوارح کی تعظیم سے مراد آپ ﷺ کی عملی اطاعت، آپ ﷺ کے دین کا اظہار، آپ ﷺ کے ارشادات کی سربلندی آپکی شریعت کی مدد اور آپ ﷺ کے مخالفوں اور دشمنوں سے جہاد کرنا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نافع اور مفید تعظیم یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جن باتوں کی خبر دی ہے، ان کی تصدیق کی جائے اور جن کا حکم دیا ہے ان پر عمل کیا جائے دشمنی اور دوستی کا پیمانہ آپ ﷺ کی ذاتِ مقدس ہو۔ تنہا آپ ﷺ کو ہی اپنا حَکَم تسلیم کرے اور آپ ﷺ کے فیصلے کو برضا و رغبت قبول کرے۔ کسی طاغوت کے اقوال کو تسلیم نہ کرے کہ ان کے ذریعے اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرے یا کرائے۔ جو باتیں رسولِ اکرم ﷺ کی بات کے موافق ہوں، انہیں قبول کرے اور جو خلاف ہوں، انہیں رد کر دے یا ان کی تاویل کرے یا ان سے اعراض کرے۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ گواہ ہے اور اس کی تنہا گواہی کافی ہے اور اس کے فرشتے، اس کے رسُول ﷺ اور اس کے دوست سبھی گواہی دیتے ہیں کہ جھگڑالو عبادِ قبور جو موحدین سے برسرِ پیکار رہتے ہیں، ایسے قطعاً نہیں ہیں۔ ان کی ذات، ان کے اقوال و اعمال خود اس کی گواہی پیش کرتے ہیں۔ ان کی قسمت میں کہاں، کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسُولِ کریم ﷺ کے دین کی مدد کریں؟ وہ تو رسولِ اکرم ﷺ کے فرمان کے مقابلے میں اپنی اور علماء و مشائخ کی آراء کو مقدم رکھتے ہیں۔ انہیں آپ ﷺ کے کلام پر یقین نہیں۔ جب آپ ﷺ کے ارشاد کے خلاف انسانی آراء آجائیں تو ان ہی کو مقدم جانتے اور رکھتے ہیں اور اسی حکم پر چلتے ہیں، جو ان آراء الرجال کے مطابق ہوتا ہے۔

جس شخص کا دین کے اصول و فروع میں یہ حال ہو کیا اس کو اللہ تعالیٰ اور عقل مند لوگوں کے سامنے حیا اور شرم نہیں آتی کہ اس نے قبر کی تعظیم کو ڈھال کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ جاہل دنیا کو دھوکا دے

سکے کہ وہ رسولِ کریم ﷺ کی تعظیم کرنے والا، آپ ﷺ کی مدد کرنے والا آور جو لوگ آپ ﷺ کی تعظیم نہیں کرتے اور آپ ﷺ کی شان کو گھٹاتے ہیں ان سے بدلہ لینے والا ہے مگر اللہ تعالیٰ اُس کے رسول ﷺ اور مومن اس کے اس مکروفریب میں کبھی نہیں آئیں گے!

وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝[1]

"وہ آپ ﷺ کے اولیاء اور دوست نہیں ہیں آپ ﷺ کے دوست تو صرف متقی لوگ ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝[2]

"اور ان سے کہہ دو کہ عمل کیے جاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اور مومن (سب تمہارے عملوں کو دیکھ لیں گے تم جلد ہی غائب اور حاضر کو جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر تمہیں وہ سب کچھ بتادے گا جو تم کرتے رہے ہو۔"

شیخ الاسلام نے اپنی کتب میں قبوریین کا کثرت سے رد فرمایا ہے، جسے ہم نے مختصراً ذکر کر دیا ہے۔ واللہ اعلم!

نبہانی کے بیان کردہ دو قصے

۱۔ غبی نبہانی نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان کیا ہے جس کو سبکی نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ نے خواب میں ارشاد فرمایا: "اے بلال رضی اللہ عنہ! یہ بدسلوکی کیسی؟ اے بلال رض! کیا تمہیں فرصت نہیں کہ میری زیارت کرو؟" حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب بیدار ہوئے، تو بڑے غمگین اور خوفزدہ تھے انہوں نے اسی وقت اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کی راہ لی آپ ﷺ کی قبر پر پہنچ کر بہت روئے اور اس پر اپنے چہرے کو گھسایا اور پورا قصہ بیان کیا اس قصے پر حافظ ابن قدامہ نے اپنی کتاب "الصارم المنکی فی الرد علی السبکی"، میں گفتگو کی ہے۔

۲۔ نبہانی نے ایک بڑی مشہور گپ جو احمد الرفاعی کی طرف منسوب ہے، بیان کی ہے چنانچہ کہا ہے کہ سفر حبیب کی ملاقات کا ذریعہ ہے بعض عارفوں سے نبی کریم ﷺ نے سوال وجواب کی صورت

---

[1] الانفال: ۳۴ [2] التوبہ: ۱۰۵

میں گفتگو فرمائی ہے۔ بعض عارف، جو قطب الرفاعی کے آپ کی قبر شریف کی زیارت کے موقعہ پر اشعار بیان کرتے ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں۔ وہ اشعار یہ ہیں ؎

فی حالة البعدِ روحی کنت ارسلها ——— "جب میں دُور تھا، تو اپنی روح کو اپنا نائب بنا کر
تقبّل الارض عنّی وھی نائبتی ——— بھیجتا تھا جو میری طرف سے زمین کو بوسہ دیتی تھی"
وھٰذہ دولة الاشباح قد حضرت ——— "اب میرا وجود خود حاضر ہے آپؐ ہاتھ بڑھایئے
فامدد یمینك کی تحظٰی بھا شفتی! ——— تاکہ میرے ہونٹ اس کو چوم کر سعادت حاصل کرسکیں۔"

اس کا کہنا ہے "کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا دستِ مبارک کھڑکی سے نکالا تو اس نے اس کو بوسہ دیا۔ انتہیٰ"!

احمد الرّفاعی کے قصّہ پر تبصرہ

میں کہتا ہوں، اس پر تبصرہ دو مضمونوں میں ہوگا۔ پہلے مضمون میں اس قصّے کا جھوٹا اور فرضی ہونا، نیز احمد الرفاعی کی طرف اس کی جھوٹی نسبت کو بیان کیا جائے گا۔ دوسرے مضمون میں نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد زیارت کا غیر ممکن ہونا، نیز زیارت کا دعویٰ کرنے والے کے جھوٹ کا پول کھولا جائے گا۔

مضمونِ اوّل اس قصّے کے جھوٹا ہونے کی کئی وجوہ ہیں ان میں سے ہم صرف چند وجوہ بیان کرتے ہیں:

وجہ اوّل:

احمد الرفاعی کا ترجمہ و حالات مختلف مذاہب کے مورخین نے لکھے ہیں انہوں نے اس قصّے کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ اگر یہ واقعی ہوتا تو وہ اس کو اس کی خوبی اور قابلِ فخر کرامت سمجھ کر ضرور ذکر کرتے بالخصوص تاج سبکی، جو اہلِ تصوف کی عقیدت و محبت میں اور خصوصاً جبکہ اہلِ تصوف اس کے مذہب و مسلک کا ہو تو وہ اس میں بڑا متعصب ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے طبقات میں اس کا ترجمہ لکھا تو اس قصّے کا ذکر نہیں کیا۔ چنانچہ لکھا ہے: "احمد بن علی بن احمد بن یحیٰی بن حازم بن علی بن رفاعہ، آپ بڑے زاہد شیخ اور صاحبِ معرفت ولی اللہ ہیں۔ آپ بڑے مخلص سید

ہیں۔ آپ کی بہت سی کرامات مشہور ہیں۔ آپ ابوالعباس بن ابی الحسن بن الرفاعی المغربی ہیں۔ آپ کے والد ماجد عراق میں آکر ٹھہرے ۔ ایک شہر میں رہائش اختیار کی اور شیخ منصور الزاہد کی صاحبزادی سے نکاح کیا۔ اس سے ان کی بہت سی اولادیں ہوئیں۔ ان میں سے ایک شیخ احمد صاحب ترجمہ ہیں صاحب ترجمہ کی پیدائش سے پہلے ہی ان کے والد ماجد وفات پا چکے تھے جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری آپ کے ماموں منصور پر تھی آپ کی پیدائش ماہ محرم سن پانچ سو ہجری میں ہوئی۔ آپ نے فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی۔ ان کی ایک کتاب "التنبیہ" بھی ہے۔ اگر ہم ان کے فضائل کو بالاستیعاب ذکر کریں، تو وقت کی کمی کی شکایت ہونے لگے تاہم ہم اس میں سے کچھ بیان کریں گے جو کافی ہوگا۔" پھر ان کے محاسن اخلاق کا ذکر کیا ہے پھر لکھا ہے: "میں بہت گھوما پھرا ہوں، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت اور سنت رسول ﷺ کی اقتداء میں جو انکساری و عاجزی اور فروتنی میں نے ان میں دیکھی ہے، ان جیسا تو رہا الگ ان کے قریب قریب بھی کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ ایندھن اکٹھا کر کے بیواؤں اور مساکین کے گھروں میں پہنچاتے تھے، ان کا پانی بھی بھرتے تھے۔" آگے لکھا کہ: "گرمی ہو یا سردی، انھوں نے دو قمیصیں کبھی نہیں پہنیں۔ وہ دو تین دن کے بعد معمولی غذا استعمال فرماتے تھے۔" پھر کہا "اور یعقوب سے مروی ہے کہ ان سے سید احمد کے کچھ وظائف پوچھے گئے تو انھوں نے فرمایا وہ چار رکعات میں ایک ھزار بار "قل ہو اللہ احد" پڑھتے تھے اور روزانہ ان الفاظ کے ساتھ استغفار کرتے تھے:

لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○

"تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو مصائب میں کام آسکے تو پاک ہے، میں ہی خطاکار ہوں۔"

"عَمِلْتُ سُوْٓءً وَظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْرَفْتُ فِیْ اَمْرِیْ وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ، یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ!"

"میں نے برے عمل کر کے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور اپنے امر میں اسراف! تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا تو مجھے بخش دے۔ اور مجھ پر رجوع فرما تو بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے اے زندہ! اے قائم رہنے والے! تیرے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔"

آپ ۵۷۸ھ میں بروز جمعرات جمادی الاولیٰ کی بارہ تاریخ کو فوت ہوئے آپ کے مناقب بے شمار ہیں۔ ایک بزرگ نے ان پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ انتہیٰ!"

یہاں اس نے نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک کے نکلنے کا اشارہ تک نہیں کیا حالانکہ اگر یہ صحیح ہوتی تو یہ سب سے بڑی اور انوکھی کرامت تھی جس کا ذکر ضروری تھا مگر اس نے بلی کا قصہ تو بیان کر دیا ہے جو ان کی آستین پر سوئی ہوئی تھی اور انہوں نے اس کی نیند اور آرام کا خیال فرما کر اپنی آستین کاٹ دی تھی۔ مچھر کا قصہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ پر بیٹھ کر خون چوستا رہا! اور ان کتوں کا قصہ بھی ذکر کیا ہے جو دار الطعام میں رکھی ہوئی کھجوریں کھا جاتے تھے اور وہیں پر ایک دوسرے سے لاڈ کرتے اور کھیلتے تھے۔ اس وقت وہ دروازہ پر کھڑے ہو جاتے تاکہ کوئی اندر آ کر ان کو ایذاء نہ پہنچائے۔

قاضی احمد جو ابنِ خلکان کے نام سے مشہور ہیں، اپنی کتاب "وفیات الاعیان" میں یوں رقم طراز ہیں: " ابو العباس، احمد ابن ابی الحسن علی بن ابی العباس احمد المعروف بابن الرفاعی آپ شافعی مسلک کے حامل، فقیہ اور صالح آدمی تھے۔ آپ مغربی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی سکونت امِ عبیدہ بستی میں تھی۔ ان کے پاس کثیر تعداد میں فقراء جمع ہو گئے تھے، جو ان سے حسنِ عقیدت رکھتے تھے اور ان کے پیروکار تھے۔ فقراء کا جو گروہ رفاعیہ اور بطائحیہ کے نام سے معروف ہے، وہ ان ہی کی طرف منسوب ہے۔ ان کے حالات بڑے عجیب ہیں۔ وہ زندہ سانپ کھا جاتے تھے۔ اور دہکتے تنوروں میں داخل ہو جاتے تھے۔ اور لوگ آ کر آگ بجھاتے تھے"! پھر آگے جا کر لکھتے ہیں "آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ آپ کا بھائی اور اس کی اولاد اب تک ان کی گدی کی وارث اور اس علاقے پر حکمران ہے۔ ان کی باتیں عام مشہور ہیں۔ طوالت میں جانے کی ضرورت نہیں۔"

انہوں نے بھی یہ قصہ بیان نہیں کیا اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ان کی سب سے بڑی منقبت ہوتی۔ جن ثقہ بزرگوں نے ان کا ترجمہ لکھا ہے، اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔ ان کی وفات کے کئی سال بعد ان کے پیروکاروں نے یہ قصہ گھڑا ہے۔ اسی طرح یہ دعویٰ بھی بے اصل ہے کہ ان کا نسب ابراہیم المرتضیٰ بن موسیٰ کاظم رح تک پہنچتا ہے "مختصر عمدۃ الطالب" میں لکھا ہے کہ شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا، ان کی اولاد کی تیسری پشت نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: "احمد بن علی بن حسین بن مہدی

بن ابی القاسم بن محمد بن حسین ابن احمد الاکبر بن موسٰی ابی شبحہ بن ابراہیم مذکور ـــــ ابونصر بخاری فرماتے ہیں، ابراہیم مرتضٰی کی نسل صرف موسٰی اور جعفر سے چلی ہے جو کوئی ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے نسب کا دعوٰی کرے، وہ جھوٹا ہے انتہٰی !"

مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے قبر سے باہر دستِ مبارک بڑھانے کا قصہ اور اس طرح کے دوسرے صفات اور خوبیاں صحیح ہوں تو اس کو بیان کرنا سب سے ضروری تھا جب انہوں نے اس کو بیان نہیں کیا، تو معلوم ہوا کہ یہ کسی پرلے درجے کے جھوٹے اور بدکردار شخص کی گھڑنت ہے۔

(۲)

وجہِ ثانی

جن لوگوں نے یہ قصہ روایت کیا ہے، ان میں سب سے بہتر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں انہوں نے صرف بعض مجموعوں کا حوالہ دیا ہے اور اس کی کوئی کمزور سند بھی ذکر نہیں کی چہ جائیکہ صحیح سند بیان کرتے۔ حالانکہ ان کی روایت میں کمزوری اور مداہنت معلوم ہے! ۔ انہوں نے اپنی کتاب "تنویر الحلک فی رؤیۃ النبی والملک"، میں کہا ہے کہ "بعض مجموعوں میں ہے ..."! پھر یہ قصہ اور دو شعر بالاختصار بیان کئے ہیں۔ اگر یہ قصہ درست اور صحیح ہوتا تو اس کو عام نقل کیا جاتا کیونکہ یہ ایک عظیم واقعہ اور عجیب خرقِ عادت تھی جس کو نقل کرنے کے بہت سے اسباب موجود ہیں۔ پھر بھی ثقہ لوگوں نے اس کو ذکر نہ کیا، بلکہ جھوٹے، گمراہ اور دجّال قسم کے لوگوں نے اس کو ذکر کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ قصہ بہتان اور جھوٹ اور شیطانی جال ہے۔

(۳)

وجہِ ثالث

جن دجالوں نے یہ جھوٹا قصہ روایت کیا ہے، ان کا دعوٰی ہے کہ وہاں اس وقت ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگ موجود تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک کو دیکھا اور سلام کا جواب سنا! سبحانک ھذا بہتان عظیم !

یہ کیسے ممکن ہے کہ وہاں اتنی بڑی تعداد موجود ہو، مسجد کا کونسا حصہ ہے جہاں اتنی تعداد یا اس سے زیادہ لوگ سما ہی سکتے ہیں؟ پھر قبر کو چاروں اطراف سے دیواروں نے گھیرا ہوا ہے، دستِ مبارک

کس کھڑکی سے نکلا؟ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ جب کسی عجیب و غریب چیز کو دیکھنے کے لئے بہت سے لوگ جمع ہوں تو اس ہجوم میں صرف قریب کے لوگ ہی اس کو دیکھ سکتے اور سن سکتے ہیں۔ اتنی کثیر تعداد کے لئے کیسے ممکن ہے کہ وہ نکلا ہوا دستِ مبارک بھی دیکھیں اور سلام کا جواب بھی سنیں؟ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے جو کم عقلوں اور بے وقوفوں میں ہی چل سکتا ہے۔ اس کے باوجود اس قصے کو ایک قوم نے مان لیا جن سے اللہ تعالیٰ نے حیا کو سلب کر لیا انہوں نے اس کو شکارگاہوں میں بطور پھندے کے استعمال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ حق کا انتقام لینے کے لئے ان کو ایسے جھوٹے دعووں پر اکسایا تاکہ ان کو دنیا و آخرت میں رسوا کرے۔

(۴)
وجہِ رابع

بہت سے اہلِ علم و ادب نے ان دو اشعار کو رفاعی کی بجائے کسی اور کی طرف منسوب کیا ہے صلاح الدین صفدی نے اپنے تذکرے میں کہا ہے "حکایت ہے کہ ابنِ فارض جب شہاب سہروردی کے پاس مکہ میں اکٹھے ہوئے تو یہ شعر کہے ؎

في حالة البعد روحي كنت ارسلها — "جب میں دور تھا تو اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا۔ وہ
تقبّل الارض عنّي وهي نائبتي — میری جانشین بن کر زمین کو بوسہ دیتی تھی۔"
وهٰذه نوبة الاشباح قد حضرت — "اب جسم حاضر ہے اس کی باری ہے ———
فامدد يمينك كي تحظى بها شفتي — اپنا دایاں ہاتھ بڑھایئے تاکہ میرے ہونٹ اس کو چوم سکیں۔"

رفاعی فرقے کے غالیوں اور بدعتیوں کے دعوےٰ کے باطل ہونے کے لئے یہ گواہی کافی ہے، جس کو شیخ صلاح الدین نے بیان کیا ہے۔ شیخ صلاح الدین امام، ادیب، نظم کہنے والے اور نثر لکھنے والے تھے ۶۹۶ھ میں پیدا ہوئے ابن السبکی نے اپنے طبقات میں ان کا مختصر سا ترجمہ لکھا ہے۔ شہاب خفاجی شافعی بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جنہوں نے اس کو نقل کیا ہے وہ اپنی کتاب "طراز المجالس" میں رقم طراز ہیں کہ یہ دو اشعار ابن فارض نے کہے تھے، جب وہ شہاب سہروردی کے پاس مکہ مکرمہ میں اکٹھے ہوئے تھے اور یہ اشعار کسی اور کی طرف بھی منسوب ہیں۔

(۵)

وجہِ خامس

احمد رفاعی کے ساتھ حسنِ ظن یہ ہے کہ سُنتِ نبویہ اور شریعتِ محمدیہ کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ غالی بدعتیوں کا ان اشعار کی، احمد رفاعی کی طرف نسبت کا دعویٰ ثقہ راویوں کے مطابق محلِ نظر ہے۔ وہ ہمیشہ سچی باتوں کے پیروکار تھے ان سے یہ بعید ہے کہ زیارتِ بدعی کے مرتکب ہوں، جو نری جہالت اور شیطانی عمل ہے۔ انہوں نے وہی زیارت کی ہو گی جس کو ائمۂ اعلام نے ذکر کیا ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اس شخص کے لئے، جو نبوی آداب کا پیکر ہو، کیسے ممکن ہے کہ ایسی غیر شرعی حرکت کی جرأت کر سکے؟ جس کو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ اہلِ بیت نے نہیں کیا اور کہے کہ اپنا دستِ مبارک بڑھایئے تاکہ اس کو بوسہ دے سکوں۔ یہ تو بے دین جھوٹے شخص کی بات ہے جو عوام کالانعام میں اپنی کھوٹی بات کو رائج کرنا چاہتا ہے۔ عارفوں کو یہ یقین ہے کہ یہ سفید جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو گھڑنے والے پر لعنت کرے !

مضمونِ ثانی :

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی، وفات کے بعد زیارت ممکن ہے؟

ہم نے دستِ مبارک کے قبر سے نکالنے کی روایت پر مختلف وجوہ اسباب بیان کر کے مختصر سی تنقید و جرح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ اب ہم ایک دوسرے پہلو سے اس کا جائزہ لیتے ہیں:
بہت سے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے طویل عرصے کے بعد آپ کی زیارت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس قول کی تائید میں جلال الدین سیوطی نے ایک رسالہ "تنویر الحلک فی رؤیۃ النبیؐ و الملک"، کے نام سے لکھا ہے سیوطی کی تلون مزاجی معروف ہے۔ بعض اہلِ علم تو ان کو "حاطبِ لیل" کا نام دیتے ہیں۔ اس مسئلہ میں صاحب روح المعانی، ان سے اور دوسروں سے نقل کرنے کے بعد اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں": اس ساری بحث کے بعد میں کہتا ہوں کہ بعض کاملین اور صاحبِ احوال بزرگوں کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی، آپؐ کی وفات کے بعد، زیارت کی اور آپؐ سے سوال و جواب کی جو بات منسوب ہے ۔صدرِ اوّل

(عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم) میں ایسا کوئی واقعہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان آپ ﷺ کی وفات سے لے کر جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیئت تھی دینی اور دنیاوی مسائل میں اختلاف واقع ہوا تھا ان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے جن سلسلوں کی طرف نبی کریم ﷺ کی (حالتِ بیداری میں) زیارت منسوب ہے۔ — ان میں سے اکثر کے سلسلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتے ہیں۔ ہم تک یہ بات نہیں پہنچی کہ ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ انہوں نے حالتِ بیداری میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ سے مسائل سیکھے ہیں۔ نہ ہی ہمیں یہ بات ملی ہے کہ ان صحابہ کرامؓ میں سے جب کسی کو کسی امر میں شک اور حیرانی ہوئی، تو آپ ﷺ نے آکر ان کی راہنمائی فرمائی ہو یا ان کی حیرانی دور کی ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ صحیح روایت ہے کہ انہوں نے بعض کاموں کے وقت فرمایا:
"کاش میں نے اس کے متعلق رسولِ اکرم ﷺ سے پوچھا ہوتا۔" ہمارے نزدیک یہ بالکل ثابت نہیں کہ انہوں نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد پوشیدہ طور پر آپ ﷺ سے سوال کیا ہو جس طرح کہ بعض صاحبِ حال لوگوں سے بیان کیا جاتا ہے۔ ان کے درمیان بھائیوں کے ساتھ دادے کی وراثت کے مسئلہ میں اختلاف پیدا ہوا تو کیا آپ ﷺ نے ان میں سے کسی کے سامنے ظاہر ہو کر اس کو حق بات کی نشاندہی کی تھی؟
یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کی وفات کے بعد کس قدر رنج و غم ہوا تھا اور فدک کے متعلق جو تنازع ہوا وہ بھی معلوم ہے۔ کیا بتا سکتے ہو، کہ آپ ﷺ حضرت فاطمہ بتول رضی کے پاس ان کی گھبراہٹ سے پہلے تشریف لائے اور ان کے غم و اندوہ کو کم کیا اور ان کے سامنے حال بیان فرمایا؟ تمہیں معلوم ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ تشریف لے گئی تھیں اور وہاں واقعہ جمل پیش آیا تھا۔ کیا تم نے سنا کہ نبی کریم ﷺ ان کے جانے سے پہلے ان کے پاس آئے اور ان کو اس سے روکا؟ تاکہ وہ واقعہ پیش نہ آتا اور ان پر مکمل اعتراض نہ آتا؟ اس طرح کے اور بہت سے معاملات ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی روایت نہیں ہے کہ آپ ﷺ کسی صحابیؓ یا اہلِ بیت میں سے کسی کے لئے تشریف لائے ہوں حالانکہ ان کی اس وقت شدید حاجت تھی۔ آپ ﷺ کا مسجدِ قباء کے دروازے کے پاس ظاہر ہونا، جیسا کہ بعض شیعہ بیان کرتے ہیں، محض دروغ گوئی اور سفید جھوٹ ہے۔

مختصراً یہ کہ جب آپؐ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ظاہر نہیں ہوئے تو بتایا جائے کہ بعد والوں کے لئے کونسی خصوصی وجہ تھی کہ ان کے لئے آپؐ نے ظہور فرمایا؟ وجہ ایسی ہونی چاہیئے جس سے اہلِ فہم مطمئن ہوسکیں۔ اس کو حکایت کرنے والوں کی کثرت اور اس کے مدعی کی جلالت کے پیشِ نظر میرے لئے یہ مناسب نہیں کہ کہوں، اس سلسلے میں صوفیہ سے جو کچھ بیان کیا جاتا ہے، وہ جھوٹ اور بے اصل بات ہے۔ میں مناسب نہیں سمجھتا، یہ کہوں کہ انہوں نے دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا معمولی نیند اور قلتِ وقت کی بناء پر وہ اس کو بیداری سمجھ بیٹھے اور کہنے لگے، ہم نے آپؐ کو بیداری کی حالت میں دیکھا ہے کیونکہ بیداری کی حالت میں آپؐ کی زیارت بعید از امکان ہے۔ شاید ان کے کلام میں اس کا انکار بھی موجود ہو۔

آخری بات جو اس سلسلہ میں کہی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خوارق عادت میں سے ہے جس طرح انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء کی کرامات ہیں۔ صدرِ اوّل چونکہ آفتابِ رسالت کے قریب العہد تھا اس لئے اس میں خوارق بہت کم تھیں۔ سورج کی روشنی میں دیئے کی کیا حیثیت ہے؟ ممکن ہے کسی کے ساتھ یہ نادر واقعہ پیش آہی گیا ہو لیکن مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو افشاء نہ کیا جاتا۔

یوں کہنا بھی ممکن ہے کہ اس وقت اس میں ابتلاء میں نہ پڑنے کی حکمت یا فتنے کا خوف تھا یا یہ وجہ ہو کہ لوگوں میں ایسا شخص موجود ہو، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آئینے کی مانند تھا۔ اس لئے تاکہ لوگ اپنے اہم معاملات میں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تیز روی اختیار کریں۔ اس سے اجتہاد کا باب وسیع ہوگا، شریعت کی اشاعت ہوگی اور دلیل و حجت کی عظمت کی بناء پر ہر شخص کے لئے اس کو سمجھنا ممکن ہوگا یا اس طرح کی اور وجوہات ہوں گی!

بعض دفعہ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ آپؐ ظاہر ہوئے لیکن اپنے ظہور میں پوشیدہ تھے مثلاً بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی خواہش کی۔ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا (حرمِ نبوی) کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے اس صحابیؓ کے سامنے ایک آئینہ رکھا اس میں انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت دیکھی مگر آپؐ کی ذاتی شکل کو نہیں دیکھا۔ یہ اسی قسم کا ظہور ہے جس کا دعویٰ صوفیہ کرتے ہیں، مگر آئینے کے پردے میں۔ یہ تخیل کے باب سے نہیں،

کہ جس کی قوت سے آپؐ کو آئینے میں دیکھنے سے آپؐ کی شکل سامنے گھوم جاتی ہو ۔ جیسا کہ ابنِ خلدون کا خیال ہے ، کہ آپؐ کی صورت آئینے میں کئی بار ظاہر ہوئی۔ اس معاملے میں اگر میری یہ بات اور توجیہ مان لی جائے تو بہتر، ورنہ معاملہ مشکل ہے۔ اس کے حل کے لئے طلب و کوشش کرنی چاہیئے۔ واللّٰہ سبحانہٗ وتعالیٰ الموفق للصواب انتہیٰ"!

جو توجیہ صاحب "روح المعانی" نے کی ہے، وہ قبول نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس پر کتاب اور سنّتِ صحیحہ سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ چنانچہ اگر ان کی توجیہ کو قبول نہ کیا جائے تو کوئی مشکل نہیں پیش آتی، جس طرح کہ ان کا خیال ہے اس لئے کہ حس کی غلطی کثرت سے ہوتی ہے۔ جب وہ مذکورہ روایت کی صحت ثابت کریں گے پھر ہم وہی جواب دیں گے، جو شیخ الاسلامؒ نے اپنی کتاب "الجواب الباہر" میں دیا ہے۔ ہم قبل ازیں اس کا ذکر کرچکے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے: "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام زمانوں میں بہترین لوگ تھے۔ وہ آپؐ کی سُنّت کو سب سے زیادہ جانتے تھے اور آپؐ کے حکم کی تعمیل سب سے زیادہ کرتے تھے۔ وہ جب مسجد میں داخل ہوتے، تو ان میں سے کوئی بھی آپؐ کی قبر شریف کی طرف، نہ اندر سے جاتا تھا، نہ باہر سے! اس زمانے میں حجرہ شریف میں داخل ہونے کا واحد ذریعہ اس کا دروازہ تھا، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس میں رہائش رکھتی تھیں۔ اس کے بعد بھی، یہاں تک کہ دوسری دیوار چنی گئی، وہ جاسکنے کے باوجود حجرہ شریف میں نہیں جاتے تھے نہ سلام کے لئے، نہ صلاۃ کے لئے اور نہ ہی اپنے لئے دعا کرنے کے لئے ۔ نہ کسی حدیث یا دوسرے علم کے سوال کے لئے! شیطان کو ان سے کوئی اُمید نہ تھی کہ وہ ان کو سلام و کلام سنائے، تو وہ سمجھیں کہ آپؐ نے ان سے کلام کی ہے، ان کو فتویٰ دیا ہے، یا ان کے سلام کا جواب اس آواز میں دیا ہے، جو باہر سُنی جاسکے۔ اس کو اوروں سے اُمید تھی۔ اسی وجہ سے ان کو آپؐ کی قبر شریف یا دوسری قبروں کے پاس گمراہ کردیا ۔ وہ سمجھنے لگے کہ صاحبِ قبر ظاہر ہوکر ان سے باتیں کرتا ہے، ان کو فتوے دیتا ہے، ان کو حکم دیتا اور منع کرتا ہے۔ وہ قبر سے نکلتا ہے۔ وہ اس کو قبر سے باہر دیکھتے ہیں۔ وہ اس خیالِ باطل میں مبتلا رہے کہ مُردوں کے جسم قبروں سے نکل کر ان سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ اور میت کی روح نے جسمانی شکل اختیار کرلی ہے۔ وہ اس کو یوں دیکھتے ہیں، جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لیلۃ المعراج میں بیداری کی حالت میں دیکھا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس اُمت کے بہترین لوگ تھے، جو لوگوں کی اصلاح کے لئے بنائی گئی ہے۔ انہوں نے دین

کو نبی کریم ﷺ سے بلا واسطہ لیا — آپؐ کے مقاصد کو سمجھا آپؐ کے افعال کو دیکھا اور آپؐ سے براہِ راست سُنا۔ یہ عزت بعد کے لوگوں کو حاصل نہ ہو سکی۔ وہ روئے زمین کے رہنے والوں سے الگ ہو گئے اور ان سے دشمنی مول لی سب گروہوں اور دینوں کو انہوں نے خیرباد کہا اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا۔"

شیخ نے جو کچھ ذکر فرمایا ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اہلِ عرب، اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانے میں، اپنے بتوں سے باتیں سنتے تھے جس طرح انہوں نے حضرموت میں ایک "جلسد" نامی بت سے باتیں سُنی تھیں۔ ابی احمد حسن بن عبداللہ عسکری کی کتاب میں ابو مسکین سے باسند لکھا ہے کہ حضرموت میں "جلسد" نام کا ایک بت تھا جس کو اہلِ کندہ و حضرموت پوجتے تھے اور اس کے مجاور بنی شکامہ بن شبیب تھے جو کندہ کی نسل سے تھے پھر بنو علاق مجاور بنے جو اسی قبیلے کی شاخ ہے۔

———— یہاں اخزر ابنِ ثابت مجاورت کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس بُت کی باقاعدہ ایک چراگاہ تھی جس میں اس کی بکریاں اور دوسرے جانور چرتے اور پلتے تھے۔ اگر کسی کی بھولی بکریاں اس میں چر لیتیں، تو وہ اپنے مالکوں پر حرام ہو جاتی تھیں۔ وہ سفید پتھر سے بنا ہوا بڑے قد کاٹھ کے انسان کی شکل کا بت تھا اس کا اوپر والا حصہ سر کی مانند سیاہ تھا جب کوئی اس کو غور سے دیکھتا تو اس میں انسانی شکل نظر آجاتی تھی۔

اخزر نے بیان کیا، ایک دن جب کہ میں جلسد کے پاس تھا بنی الامری بن مہرہ کے ایک شخص نے اس بت کے لئے ایک جانور ذبح کیا اچانک ہم نے بادل کی گرج جیسی آواز سُنی ہم نے دھیان سے سُنا تو یہ آواز آرہی تھی :

"شعار اھل عدم. انہ قضاء حتم' ان بطش سھمُ فقد فاز سھم۔"	"مُردوں کی مخصوص بات یہ ہے کہ وہ (مرنا) قطعی فیصلہ ہے۔ اگر تیر پوری قوت سے لگے تو وہ کامیاب ہو جائے گا۔"

ہم نے کہا "ہمارا رب (بت) بہت خوبصورت اور گو رہا ہے"۔ بُت سے پھر آواز آئی :

"نا، نجم العراق' یا اخزر بن علاق' ھل احسست جمعاعما' وعددا اجمائھوی من	"عراق کا ستارہ غروب ہو گیا، اے اخزر بن علاق، کیا تو نے ایک عام لشکر کو محسوس کیا ہے ؟ جو

یمن وشام الی ذات الآجام، نورا ظل وظلام افل، وملك انتقل من محل الی محل"۔

"یمن و شام سے قلعوں والے علاقے پر حملہ آور ہوگا روشنی پھیل جائے گی۔ اندھیرا ختم ہو جائے گا اور بادشاہی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جائے گی"۔

پھر وہ خاموش ہوگیا ہم نے کہا لامحالہ یہ صورتِ حال ضرور پیدا ہو کر رہے گی جب اگلا سال آیا تو بت کی جو آواز ہم سُنا کرتے تھے وہ نہ آئی اور دیر کر دی۔ ہمیں بدگمانی پیدا ہوئی۔ ہم نے قربانی کی اور بُت کو اس کے خون سے ملوث کیا۔ قبل ازیں بھی ہمارا یہی طرزِ عمل ہوتا تھا۔ اچانک پھر آواز آئی۔ ہم نے کہا "اے ہمارے رب! ہر صبح کو ہمارے ساتھ گفتگو کیا کر و۔ کوئی تجھے روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے۔ خوف وہراس کے حالات اور بدگمانیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ ہم تیرے غضب سے پناہ مانگتے ہیں۔ اور تیرے درگزر کا سہارا چاہتے ہیں"۔ اچانک بت سے پھر آواز آئی۔ اور کچھ مسجع جملے کہنے کے بعد پھر خاموشی ہو گئی اور اس کا چرچا یمن کے مختلف صوبوں کے قبائل میں ہونے لگا پھر ایک بار میں بُت کے پاس ایسے وقت میں پہنچا کہ بنی کندہ کے ایک آدمی کا اونٹ گم ہوگیا تھا۔ وہ جلسد کے پاس آیا۔ اس نے ایک اونٹ ذبح کیا اور مجاوروں سے دو کپڑے کراتے پرلے کر پہنے لوگوں کا اسی طرح دستور تھا۔ اس نے بت کے حضور مسجع درخواست پیش کی کہ اس کا اونٹ مل جائے مگر اس کو کوئی جواب نہ ملا۔ اخزر کہتا ہے اس موقعہ پر اس کا زور ٹوٹ گیا۔ قبل ازیں وہ ہمیں عجیب وغریب خبریں دیا کرتا تھا۔ جب رات آئی تو میں نے وہیں رات بسر کی رات کو ایک غائبانہ آواز آئی:

"لا شأن للجلسد، ولا رثی لهذا استقام الاود، وعبد الواحد الصمد، واکفی الحجر الاصلد، والرأس الاسود"۔

"اب جلسد کی کوئی حیثیت نہیں ہے، نہ ہی ہد د کی مرثیہ خوانی کی جائے گی۔ ٹیڑھی راہ سیدھی ہوگئی ہے۔ اب ایک اللہ کی عبادت ہوگی۔ سفید پتھر اور سیاہ سر کی ضرورت باقی نہیں رہی"۔

اخزر کہتا ہے میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا بت کے پاس آیا تو اس کو سر کے بل گرا دیکھا اگر بہت سی جماعتیں بھی وہاں آجاتیں تو اس کو ہلا نہ سکتیں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں نہ تو اپنے گھر والوں کے پاس گیا نہ اپنے مال کی طرف توجہ کی بیں اپنی سواری پر صنعاء پہنچا اور پوچھا،

"کیا کوئی خبر ہے"؟ تو بتایا گیا کہ مکّہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو بتوں کو ترک کرنے کی دعوت دیتا ہے اور نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے میں یمن کے مختلف علاقوں میں گھومتا پھرتا رہا یہاں تک کہ اسلام غالب ہو گیا۔ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

لوگوں نے "ضمار" بت سے بھی باتیں سنیں تھیں یہ بنی سلیم کا بت تھا۔ جب "مرداس" مرنے لگا، تو اس نے اپنے بیٹے عباس کو کہا، "اے بیٹے! ضمار کی عبادت کر دتیرا نفع و نقصان اس کے اختیار میں ہے"۔ ایک دن عباس ضمار کے پاس موجود تھا تو اس کو ضمار کے اندر سے کسی منادی کی یہ آواز آئی:

سہ من للقبائل من سلیم کلّھا	"بنی سلیم کے سب قبائل کا کون ہے؟ ضمار
اودی ضمار وعاش اھل المسجد	ہلاک ہو گیا اور اہلِ مسجد زندہ ہیں۔ ابن مریمؑ
انّ الّذی ورث النبوّۃ والھدٰی	کے بعد جو شخص نبوت اور ہدایت کا وارث
بعد ابن مریم من قریش مھتد	بنا وہ قریش میں سے ہدایت یافتہ ہے ضمار
اودی ضمار وکان یعبد مدّۃ	ہلاک ہو گیا! نبی محمد (ﷺ) کی طرف
قبل الکتاب الی النبی محمّد	کتاب آنے سے پہلے مدت تک اس کی پوجا
	کی جاتی تھی"۔

عباس نے ضمار کو آگ لگا کر جلا دیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ ایک روایت یوں ہے کہ عباس بن مرداس دوپہر کے وقت اپنی دودھ دینے والی اونٹنی کے پاس تھا۔ اس وقت اس کے پاس ایک سوار آیا جو سفید شتر مرغ پر سوار تھا اس نے سفید لباس زیب تن کیا ہوا تھا اس نے کہا: "اے عباس! کیا تجھے علم نہیں کہ آسمان زمانوں سے اُکتا گیا ہے۔ لڑائی ختم ہو گئی ہے گھوڑوں کے پالان اُتر گئے ہیں جس ذاتِ مقدس پر نیکی اور پرہیزگاری نازل ہوئی ہے، وہ صاحبِ ناقہ قصواء ہے!" عباس نے کہا مجھے یہ سن کر گھبراہٹ ہوئی۔ میں اپنے بت کے پاس آیا جس کا نام ضمار تھا۔ ہم اس کی عبادت کرتے تھے اور اس سے باتیں سنا کرتے تھے میں نے اس کے آس پاس جھاڑ دی پھر اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کے پیٹ سے ایک چیخ سنی سہ

قل للقبائل من قریش کلّھا	"قریش کے سب قبائل سے کہہ دو کہ ضمار ہلاک
ھلک الضماد وفاز اھل المسجد	ہو گیا اور اہلِ مسجد کامیاب ہوئے جو ضمار

هلك الضمار وكان يعبد مدّة	مدت تک پوجا جاتا تھا وہ نبی محمد ﷺ
قبل الصّلوٰة على النبيّ محمّد	پر صلوٰۃ سے قبل ہلاک ہو چکا ہے۔ جو ذاتِ اقدس
انّ الّذی ورث النبوّة والهدٰی	ابنِ مریم علیہ السلام کے بعد نبوت وہدایت کی
بعد ابن مریم من قریش مهتد	وارث بنی ہے، وہ قریش کا ہدایت یافتہ
	شخص ہے"۔

عباس نے کہا "میں بنی حارثہ کے لوگوں کی معیت میں مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مسجد میں پہنچ گیا جب آپ نے مجھے دیکھا تو مسکراتے اور فرمایا "اے عباس! تیرا اسلام کس طرح ہے؟" میں نے پورا قصہ سنایا آپ نے فرمایا "تو نے سچ کہا" پھر میں اپنی قوم کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔"

بدعتی رفاعی فرقے اور ان کے غالیوں کو وہ ننگا اور صاف جھوٹ کافی نہیں ہے جس کا فساد واضح ہے، یہاں تک کہ انہوں نے اس کو یوم عید بنا لیا ہے۔ وہ سات دن پہلے گوشت ترک کر دیتے ہیں۔ سات دنوں کے بعد عید ہوتی ہے جس میں وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔ انہوں نے اس کا نام "عید مدالید" رکھا ہوا ہے اور اس موضوع پر انہوں نے کئی رسائل اور کتابیں تصنیف کی ہیں، ان میں سے ایک "القواعد المرعیہ فی اصول الطریقۃ الرفاعیہ" ہے۔ اس میں ماہِ محرم میں ہفتہ بھر خلوت کا قاعدہ بیان کیا ہے۔ اس طریقے کے لوگوں نے شرط رکھی ہے کہ ہر سال خلوتِ محرمیہ میں داخل ہونے کا وقت بارہ محرم سے سترہ محرم کی شام تک ہے جو شخص اس طریقے کی طرف منسوب ہو اس کے لئے یہ شرط ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس دوران وہ ایسا بستر استعمال کرے کہ جس کو عورتوں نے استعمال نہ کیا ہو۔ وہ ہمیشہ باوضو رہے جب بھی وضو ٹوٹے فوراً نیا وضو کر لے ——— اور لایعنی گفتگو سے پرہیز کرے بلا ضرورت زیادہ گفتگو نہ کرے۔ وہ اپنے گھر ہی میں اکیلا رہے سوائے عذر کے باہر نہ نکلے۔ اس کا کھانا ہر ذی روح سے خالی ہونا چاہیئے۔ مزید انہوں نے ان دنوں میں سالک کے لئے درود و وظائف بیان کئے ہیں۔

ایک کتاب "الفخر المخلد فی منقبۃ مدالید" ہے۔ اس میں محرم کی عید الخلوۃ میں بدعات و رسوم کا بیان ہے جن کی دلیل اللہ تعالیٰ نے نہیں اتاری، نہ ہی وہ باتیں کسی بڑے عالم کی ہیں۔ دراصل وہ سب بدعات

باطنی فرقے سے لی گئی ہیں یا رافضی فرقے سے!

یہاں ان کے رد کا اور ان کی طرف منسوب ضلالت کے بیان کا موقعہ نہیں ہے۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے کئی جگہوں میں ان کا رد کیا ہے۔ اور ان کے بارے میں مفصل کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی ایک کتاب "کشف احوال المشائخ الاحمدیہ وبیان احوالھم الشیطانیہ"، ہے مناسب موقعہ پر ہم اس کے اقتباسات نقل کردیں گے ان شاء اللہ!

میرا گمان یہ ہے کہ نبہانی نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے شیخ کو خوش کرنے کے لئے لکھا ہے جو شیخ ضلالت، مقدمۂ دجال، مسلمانوں کا دشمن اور بدعتیوں کا مددگار رہے ۔۔ اس کا قرب سب سے بڑی مصیبت اور حادثہ ہے۔ اس نے رفاعی بدعات کو خوب رواج دیا اور مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے ہٹا کر گمراہی کی راہ پر ڈال دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس پر فسق و فجور کا الزام بھی ہے۔ اور وہ ہر کام میں حق سے منہ پھیر کر غلط راہ اختیار کرلیتا تھا۔ اس نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اپنے گروہ اور سرکش لوگوں کو پھیلا دیا کہ وہ حق سے بہر طریقہ روکیں چنانچہ ان کو اغواء و تضلیل کی خاطر راہِ مستقیم پر بٹھا دیا۔ یہاں تک کہ ان کا سلسلہ بہت بڑھ گیا اور ان کے شر سے بحر و بر بھر گئے۔ جاہل نبہانی نے یہ قصہ بیان کیا ہے جس سے شیخ کی رضاء حاصل کی۔ نبہانی اور اس کے شیخ پر رب کی طرف سے وہی کچھ پڑے، جس کے وہ حقدار ہیں۔ اس کے شیخ کے کئی رد لکھے گئے ہیں وہ سب طبع ہو کر شائع ہیں۔ مثلاً "المسامیر" ۔۔ "الفتح المبین"، "السیف الربانی" وغیرہ وغیرہ! لیکن جس طرح مُردے کو زخم پہنچانے سے اس کو ایذاء نہیں پہنچتی، اسی طرح ذلیل انسان کو ذلت بری نہیں لگتی۔

"مدینہ نبویہ کی فضیلت کا مسئلہ"

پھر نبہانی نے مدینہ نبویہ کی فضیلت پر گفتگو کی ہے اور اس کی فضیلت میں شیخ بکری کی چالیس احادیث بیان کی ہیں۔ یہ بکری وہی ہیں جن کا شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک عظیم کتاب "الاستغاثہ"، میں رد لکھا ہے پھر اس نے مکہ اور مدینہ کی افضیلت میں اختلاف کو بیان کیا ہے۔ الخ!

میں کہتا ہوں کہ مدینہ منورہ کی فضیلت ایسا مسئلہ ہے جس میں کوئی شک نہیں کیا ہیں اس

کی فضیلت سے بھری ہوئی ہیں۔ ابن خلدون کہتے ہیں "اس حقیقت کو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے کچھ حصوں کو فضیلت و شرف سے نوازا ہے اور ان کو اپنی عبادت کی جگہیں قرار دیا ہے جن میں عبادت کا ثواب کئی گنا زیادہ ہوتا ہے اور اجر بڑھتا رہتا ہے ہمیں ان فضیلت والے حصوں کی خبر اپنے انبیاءؑ رسلؑ کی مقدس زبانوں کے ذریعے دی ہے یہ مقصد اس کا بندوں پر لطف و کرم کرنا اور ان کے لئے سعادت کی راہوں کی سہولت ہے۔ صحیحین کی روایت کے مطابق تین مساجد روئے زمین میں سب سے افضل ہیں وہ مکہ، مدینہ اور بیت المقدس ہیں عزت و حرمت والا گھر جو مکہ مکرمہ میں ہے، وہ ہے کہ جس کو بنانے اور لوگوں میں اس کے حج کے اعلان کا حکم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا تھا۔ قرآن مجید کی نص کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس کو تعمیر کیا اور وہ سب احکام مکمل کئے جن کا اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو حکم دیا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ وہیں سکونت اختیار کی ان کے پاس بنو جرہم قبیلے کے لوگ رہائش پذیر ہو گئے یہاں تک کہ وہ دونوں فوت ہو کر حجر میں مدفون ہوئے۔

بیت المقدس کو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے تعمیر کیا تھا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے مسجد بنانے اور ہیکل نصب کرنے کا حکم دیا تھا اس کے آس پاس حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے بہت سے انبیاءؑ مدفون ہیں۔

مدینہ منورہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفٰے صلوات اللہ وسلام علیہ کی ہجرت گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وہاں ہجرت کر جانے اور دین اسلام کی اقامت کا حکم دیا تھا آپؐ نے وہاں عزت و حرمت والی ایک مسجد بنائی آپؐ کی آرام گاہ اسی خاک میں ہے۔

یہ تینوں مساجد مسلمانوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک، ان کی عقیدت و محبت کا مرکز ہیں اور دین کی عظمت کا نشان ہیں۔ بہت سی احادیث و آثار میں ان میں نماز اور ان کی مجاورت کی فضیلت، اور کئی گنا ثواب کا ذکر ہے"۔

پھر انہوں نے ان تینوں مساجد کی اولیت کی خبر کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کی تکمیل تک کے تدریجی حالات بیان کئے ہیں یاقوت حموی نے تفصیلی حالات بیان کئے ہیں اور اس موضوع پر مستقل کتابیں موجود و مشہور ہیں۔ اس لئے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں۔

"مذہبِ اہلِ مدینہ اور امام مالکؒ کا مرتبہ"

مذہبِ اہلِ مدینہ کی صحت، نیز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی امامت و دیانت اور ضبطِ علومِ شریعت میں آپؒ کا مرتبہ دنیا بھر کے ثقہ آئمہ علماء کے نزدیک کیا ہے؟

یہ سوال شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے کیا گیا،

تو آپؒ نے جواب دیا: "الحمد للّٰہ" مدینہ نبویہ جو دار السنّۃ، دار الہجرۃ اور دار النّصرۃ ہے، جس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے سنن و احکام جاری کیے۔ اللّٰہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے والوں نے وہیں ہجرت کی تھی۔ وہیں وہ انصارؓ تھے جو اللّٰہ کے انصار تھے جو پہلے ہی ہجرت کے گھر میں مقیم اور ایمان میں پکے تھے اور جو اسلام قبول کرنے والوں کے مددگار تھے۔

اہلِ مدینہ کا مذہب صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں مشرق و مغرب کے مذاہبِ اسلامیہ میں سے، اصول و فروع کے لحاظ سے صحیح ترین مذہب تھا۔ یہ تینوں زمانے وہ فضیلت والے ہیں، جن کی بھلائی کی شہادت مختلف سندوں سے مروی صحیح حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے فرمایا:

"خیر القرون القرن الّذی بعثت فیھم، ثمّ الّذین یلونھم ثمّ الّذین یلونھم"؛

"سب زمانوں سے بہترین زمانہ وہ ہے جس میں مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔ پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہیں۔ پھر ان کا جو ان سے متصل ہیں"؛

ابنِ حبانؒ نے آپؐ کے قرن کے بعد دو قرنوں کا بلا نزاع ذکر کیا ہے بعض احادیث میں آپؐ کے قرن کے بعد تیسرے قرن میں شک ہے۔ بعض میں آپؐ کے قرن کے بعد تیسرے قرن کو بلا شک بیان کیا گیا ہے اس طرح چار قرن ہوئے۔ ابو حاتم سلمی اور ان کے پایہ کے دوسرے اہلِ حدیث علماً نے اعتماد سے کہا ہے کہ "اس اُمت کے طبقات میں یہ زیادتی صحیح حدیث سے ثابت ہے"۔ پھر انہوں نے تین قرنوں اور چار قرنوں والی احادیث بیان کی ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں، "جن قرنوں کی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف فرمائی ہے، ان میں سب علاقوں سے اہلِ مدینہ کا مذہب صحیح ترین تھا وہ سب شہروں سے زیادہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی پیروی کرتے تھے۔ باقی شہروں

کے لوگ سنتِ نبویؐ کے علم اور اس کی اتباع میں پیچھے تھے اہلِ مدینہ بادشاہوں کی کسی سیاست کے محتاج تھے اور نہ اس میں ملوث تھے۔ دوسرے لوگوں کو علماء کی حاجتمندی اہلِ مدینہ کی نسبت کہیں زیادہ تھی! ——— کیونکہ اہلِ مدینہ کو ان علماء سے اُن کے پاس موجود اُن آثارِ نبوی ﷺ نے بے نیاز کر دیا تھا، جن کے علم اور اتباع کی ہر کسی کو ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے علماء میں سے کوئی بھی اہلِ مدینہ کے اجماع کے سوا کسی اور شہر کے لوگوں کے اجماع کو حجت تسلیم نہیں کرتا جس کی اتباع واجب ہو، نہ ان زمانوں میں، نہ بعد میں! بلکہ اہلِ مکہ، اہلِ شام، اہلِ عراق وغیرہ کسی مسلمان شہر کے اجماع کو شرعی حیثیت حاصل نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یا ان کے کسی شاگرد سے جو یہ حکایت بیان کی گئی ہے کہ اہلِ کوفہ کا اجماع حجت ہے جس کی اتباع ہر مسلمان پر لازم ہے، وہ امام صاحبؒ اور ان کے شاگردوں پر محض غلط الزام ہے۔

اہلِ مدینہ کے اجماع پر لوگوں نے بحث کی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں سے مشہور روایت یہی ہے کہ اہلِ مدینہ کا اجماع حجت ہے۔ باقی ائمہ کا اس مسئلے میں ان سے نزاع ہے۔ یہ بحث اہلِ مدینہ کے اس اجماع کے بارے میں ہے جو ان فضیلت والے زمانوں میں ہوا ہو۔ بعد کے زمانوں میں ان کے اجماع کے بارے میں ائمہ متفق ہیں کہ وہ حجت نہیں ہے کیونکہ بعد میں دوسرے شہروں میں وہ کبار علماء موجود تھے جو مدینہ منورہ میں نہیں تھے خاص طور پر جب وہاں رفض پیدا ہوا۔ اہلِ مدینہ کم و بیش چھٹی صدی ہجری کے اوائل تک اپنے پرانے مذہب یعنی امام مالکؒ کے مذہب کے پیروکار تھے اور اسی کی طرف منسوب تھے۔ پھر وہاں مشرق کے رافضی اہلِ قاشان وغیرہ پہنچے اور اہلِ مدینہ میں سے اکثر کا مذہب خراب کر دیا۔ بالخصوص ان کا جو عترتِ نبویؐ کی طرف منسوب تھے۔ وہ وہاں کتاب و سنت کی مخالف بدعتیوں کی کتابیں لایا اور ان کے رائج کرنے کے لئے کثیر مال خرچ کیا اس زمانے سے وہاں بدعات بکثرت جاری ہوگئی ہیں مگر ان زمانوں میں جن کی فضیلت بیان کی گئی ہے کوئی بدعت وہاں سر نہ نکال سکی اور نہ ہی دوسرے شہروں کی طرح اصولِ دین میں کوئی بدعت جاری کی گئی۔ وہ بڑے بڑے شہر جن میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ مقیم رہے، پھر ان سے علم و ایمان نکل گیا وہ پانچ ہیں: حرمین، کوفہ، بصرہ، خراسان اور دمشق وہاں سے

قرآن وحدیث، فقہ وعبادت اور دوسرے ذیلی علوم نکل گئے تھے۔

ان شہروں میں اصولی بدعات پیدا ہوئیں کوفہ میں "تشیع" اور "ارجاء" پیدا ہوئے اور دوسرے علاقوں میں پھیل گئے۔ بصرہ میں "قدر" اور "اعتزال" پیدا ہوئے اور بعد میں دوسرے علاقوں میں پھیل گئے۔ شام میں "قدر" و "نصب" کی بدعات پیدا ہوئیں "جہمیہ" فرقہ خراسان کے علاقے میں پیدا ہوا۔ وہ سب سے بڑی بدعت ہے کیونکہ بدعات کا ظہور دار النبی ؐ سے بُعد کے مطابق ہوا ہے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فرقہ بندی ہوگئی تو بدعتِ حروریہ (خارجی) پیدا ہوئی۔ اس سے پہلے تین غالی فرقوں میں سے شیعہ پیدا ہو گئے تھے جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلا دیا تھا اور "مفضلہ" (حضرت علیؓ کی فضیلت کا قائل) پیدا ہوا اُن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑوں کی سزا دی تھی "سبائیہ" فرقہ پیدا ہوا تھا اس کے بانی ابن سبا کو قتل یا کوئی دوسری سزا دینے کے لئے طلب کیا گیا، مگر وہ فرار ہو گیا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آخری زمانے میں "قدریہ" فرقے نے جنم لیا یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم مرتبہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے کا آخری حصہ تھا اسی کے لگ بھگ "مرجئہ" فرقہ ظاہر ہوا۔

جہمیہ فرقہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی موت کے بعد تابعینؒ کے زمانے کے اواخر میں بنا یہ بھی روایت ہے کہ آپؒ نے ان کو دھمکایا تھا جہم خراسان میں ہشام بن عبد الملک کی خلافت میں ظاہر ہوا۔ مسلمانوں نے قبل ازیں اس کے شیخ جعد بن درہم کو قتل کر دیا تھا یعنی خالد بن عبد اللہ قسری نے اس کو ذبح کیا تھا اور کہا تھا "اے لوگو! تم اپنی قربانیاں کرو اللہ تعالیٰ تمہاری قربانیاں قبول فرمائے میں جعد بن درہم کی قربانی کروں گا۔ اس کا خیالِ باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل نہیں بنایا اور نہ موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی۔ جعد بن درہم کی ہفوات سے اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے" پھر منبر سے اترا اور اس کو ذبح کر دیا۔ روایت ہے' یہ خبر حضرت حسن بصریؒ اور ان جیسے دوسرے تابعینؒ کو ملی تو انہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

مدینہ منورہ ان بدعات سے محفوظ تھا اگرچہ اس میں کچھ بد باطن لوگ قدریہ وغیرہ موجود تھے' جن کی نیت خراب تھی' مگر ان کی کوئی عزت و وقعت نہ تھی۔ مدینہ منورہ میں ان کی دال نہ گل سکی۔ لوگ ان کو برا جانتے تھے اور ان سے ناراض تھے مگر کوفے میں صورتِ حال اس کے برعکس تھی۔

وہاں تشیّع اور ارجاء کا ۔ بصرے میں اعتزال اور درویشی کی بدعات کا شام میں ناصبیت کا زور تھا۔ ایک صحیح روایت میں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ دجّال مدینہ منورہ میں نہیں داخل ہوگا۔ معتزلہ کا سردار عمرو بن عبید ان لوگوں میں شامل تھا جو حضرت سفیان ثوریؒ کا علاج کرتے تھے حضرت سفیانؒ کو اس کے اعتزال کی خبر نہ تھی عمرو نے ایک آدمی سے پوچھا "یہ کون ہے"؟ اس نے کہا "سفیان ثوری" یا کہا "وہ اہلِ کوفہ سے ہے"! کہا "اگر مجھے اس کا علم ہوتا تو اس کو اپنی رائے کی طرف دعوت دیتا لیکن میں اس کو اہلِ مدینہ سے خیال کرتا رہا اس لئے دعوت دینے کی ہمت نہ پڑی"!

مدینہ منورہ میں علم و ایمان کا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے تک زور اور غلبہ رہا۔ اور یہ وہ چوتھا قرن ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اس طبقے کے دوسرے بزرگوں مثلاً ثوری رحمۃ اللہ علیہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ، حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ، حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ، سفیان بن عیینہؒ وغیرہ کا زمانہ ہے ان بزرگوں نے تابعینؒ سے علم و ایمان حاصل کیا اور تابعینؒ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فیض پایا —— اہلِ مدینہ کے اجماع پر بحث اسی زمانہ میں ہے !

اہلِ مدینہ کے اجماع کی تحقیق

اور اس کے چار مراتب

اجماع کی بعض صورتیں ایسی ہیں جن پر مسلمانوں کا مکمل اتفاق ہے اور بعض صورتیں ایسی ہیں جو جمہور ائمہ کا قول ہے اور بعض صورتوں کو صرف بعض ائمہ ہی مانتے ہیں اس طرح اجماعِ اہلِ مدینہ کے چار مراتب ہوتے ۔

المرتبۃ الاُولیٰ جو نبی کریم ﷺ سے نقل کے قائم مقام ہے، مثلاً صاع اور مُد کی مقدار کو نقل کرنا، اجناس اور سبزیوں کی زکوٰۃ کو ترک کرنا۔ یہ علماء کے مابین بالاتفاق حجت ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو یہ بلا نزاع حجت ہے جس طرح کہ امام مالکؒ کے نزدیک حجت ہے ۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں کا بھی مسلک ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو امام ابو حنیفہؒ کے جلیل القدر شاگرد ہیں ۔ اور سب سے پہلے ان کو قاضی القضاۃ کا لقب ملا تھا وہ جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے اور ان سے یہ مسائل پوچھے

تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ مدینہ کی متواتر نقل کے ساتھ جواب دیا۔ امام ابو یوسف ؒ نے فوراً امام مالکؒ کی بات مان لی اور پہلی بات سے رجوع کر لیا اور فرمایا "اگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی جو صورت میں نے دیکھی ہے' دیکھ لیتے تو اپنے قول سے رجوع فرما لیتے"۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اہلِ مدینہ کی متواتر نقل اسی طرح حجت ہے' جس طرح دوسروں کے نزدیک ہے لیکن ان کو یہ نقل نہیں پہنچ سکی' جس طرح ان کو اور دوسرے ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کو بہت سی احادیث نہیں مل سکیں جو چیز ان کو مل نہیں سکی' اس کے ترک پر ان کو کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اس نقلِ مدینہ کی طرف رجوع بالکل اسی طرح ہے' جیسا کہ انہوں نے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی احادیث مل جانے پر ان کو قبول کر لیا تھا اور اپنے استاد کی بات کو ترک کر دیا تھا۔ ان کو علم تھا کہ گویا ان کے اُستادِ مکرم کہتے ہیں کہ یہ احادیث صحیح ہیں' لیکن ان کو یہ مل نہیں سکیں۔ جو لوگ یہ بدگمانی کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمۃ المسلمین قیاس وغیرہ کے مقابلے میں صحیح احادیث ترک کر دیتے تھے' ان کا یہ الزام سراسر غلط ہے۔ ان کی یہ بات بدگمانی یا خواہش نفس کی پیداوار ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں' جو سفر میں نبیذ سے وضوء والی حدیث پر عامل ہیں اور نماز میں قہقہے والی حدیث کو مانتے ہیں۔ حالانکہ یہ قیاس کے خلاف ہیں کیونکہ وہ ان احادیث کو صحیح تصوّر کرتے تھے' اگرچہ ائمہ حدیث کے نزدیک وہ صحیح نہیں ہیں اس مسئلے کو "رفع الملام عن الائمۃ الاعلام"، میں پوری وضاحت سے صاف کر دیا گیا ہے' ہم نے بیان کیا ہے کہ کوئی بھی امام بغیر عذر کے صحیح حدیث کا مخالف نہیں ہو سکتا۔ ان کے بیس عذر ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ان کو حدیث[۱] ہی نہ پہنچی ہو یا غیر معتبر[۲] ذریعے سے پہنچی ہو یا وہ سمجھتے ہوں کہ اس حدیث[۳] سے حکم پر دلالت نہیں ہوتی۔ یا ان کے نزدیک[۴] اس کے مقابلے میں زیادہ قوی دلیل ہو۔ مثلاً ناسخ ہونا یا ناسخ پر دلالت کرنا وغیرہ۔ ان عذروں میں عالم بعض اوقات ٹھیک ہوتا ہے اور اس کو دو اجر ملتے ہیں اور بعض میں اپنے اجتہاد کے باوجود خطا کر جاتا ہے۔ اس کو اس کے اجتہاد پر ثواب ملتا ہے اور اس کی غلطی معاف ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا" - الآیۃ! (البقرۃ: ۲۸۶)

"اے ہمارے پروردگار! ہمارے خطاء و نسیان پر مواخذہ نہ فرما"

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دُعاء قبول فرمائی ہے اور فرمایا ہے "قَدْ فَعَلْتُ" یعنی "میں نے قبول کی" اور اس وجہ سے بھی کہ علماء، انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے ایک قضیئے میں فیصلہ دیا ان میں سے ایک کو سمجھا دیا اور دوسرے پر کوئی عیب نہیں دھرا بلکہ دونوں کی تعریف کی کہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق فیصلہ دیا۔ ارشاد ہے:

" وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا [1] الآیۃ"

"اور داؤدؑ اور سلیمانؑ کا ذکر سنو! جب وہ ایک کھیتی کے مقدمہ کا فیصلہ کرنے لگے، جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے، تو ہم نے سلیمانؑ کو فیصلے کا طریقہ سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکومت و نبوّت اور علم عطا کیا تھا۔"

اس فیصلے میں دو مسئلے موجود ہیں جن میں علماء کا تنازع ہے ① جانوروں کو رات کے وقت کھیتی میں چرنے کے لئے چھوڑ دینا۔ ایسی صورت میں جمہور علماء مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رح کے نزدیک جانوروں کا مالک کھیت کا نقصان پورا کرنے کا ذمہ دار ہو گا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ ذمہ دار نہیں ہو گا ② یہ نقصان اسی کی مثل چیز یا اس کی قیمت دے کر پورا کرنے کا ذمہ دار ہو گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک اس میں نزاع ہے۔ اکثر سلف سے اس قسم کے مسائل میں جو منقول ہے، اس کا تقاضا ہے کہ اگر ممکن ہو تو مثل کے ساتھ نقصان پورا کیا جائے جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ کیا تھا۔ اکثر فقہاء اس قسم کے قضیے میں ضمانت بالقیمت کے قائل ہیں جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمدؒ کا معروف مذہب ہے۔

یہاں اس بحث سے مقصود یہ ہے کہ: اہلِ مدینہ کا جو عمل نقل کے قائم مقام ہو، وہ بالاتفاق

---

[1] الانبیاء: ۷۸ - ۷۹

حجت ہے۔ جب امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے "صاع" اور "مُد" کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اہلِ مدینہ کو اپنے صاع لانے کا حکم دیا وہ صاع لائے اور اپنے اسلاف کے ذریعے اس صاع کی سند بیان کی، تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابویوسف رح سے فرمایا "کیا آپ ان لوگوں کو جھوٹا سمجھتے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "اللہ کی قسم، وہ جھوٹ نہیں کہتے!"۔ فرمایا: "اے عراقیو! میں نے تمہارے رطل کے مطابق اس کا اندازہ کیا تو وہ پانچ رطل اور تہائی رطل کا نکلا"۔

امام ابویوسف نے کہا "اے ابوعبداللہ! (امام مالکؒ) میں نے آپ کے قول کو تسلیم کیا اگر میرے اُستادِ محترم بھی یہ کچھ دیکھ لیتے تو وہ بھی رجوع فرما لیتے جیسا میں نے کیا ہے"۔

اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سبزیوں کی زکوٰۃ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا "یہ اہلِ مدینہ کی سبزیوں والی زمین ہے، ان پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں زکوٰۃ وصول نہیں کی گئی نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں، نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں!"۔ یعنی وہاں سبزیاں اُگتی تھیں اور ان پر زکوٰۃ نہیں لی گئی۔

اجناس کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: "یہ فلاں کی جنس ہے اور یہ فلاں کی جنس ہے" وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیان کو ذکر کرتے تھے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں سوالوں میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول قبول کر لیا اور پہلے قول سے رجوع کر لیا، نیز فرمایا "اگر میرے استادِ محترم کو یہ علم ہو جاتا تو وہ بھی اس کو قبول فرما لیتے"۔

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ دوسرے فقہاء مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمدؒ کے ساتھ متفق ہیں کہ:

"سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں"!

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا تھا کہ "بُرِطالکم یا اہلَ العراق"! وہ اس لئے تھا جب اموی خلافت ختم ہوئی اور عباسی خلافت کا دور آیا تو ابوجعفر نے جس کا لقب منصور تھا، بغداد شہر تعمیر کیا اور اس کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ ابوجعفر کو یہ علم تھا کہ اس زمانے میں اہلِ حجاز، عراق والوں کی نسبت دینِ اسلام کی طرف زیادہ دھیان دیتے ہیں۔

یہ بھی روایت ہے کہ ابوجعفر منصور نے یہ بات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یا کسی دوسرے

عالمِ مدینہ کو لکھی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ "میں نے دینی لحاظ سے لوگوں کو یہ کھا ہے میں نے اہلِ عراق کو جھوٹے اور فریبی پایا ہے، اہلِ شام کو غزوہ وجہاد کرنے والے پایا ہے اور دین تم میں پایا ہے۔"

کہا جاتا ہے کہ اس نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تھا کہ "آپؒ اہلِ حجاز میں سب سے بلند تر ہیں۔" ابوجعفر نے علماء حجاز کو طلب کیا کہ وہ عراق میں جائیں اور اس میں (قرآن وحدیث) کا علم پھیلائیں۔ چنانچہ ہشام بن عروہ، محمد بن اسحٰق، یحییٰ بن سعید الانصاری، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، حنظلہ بن ابی شقیق الجمحی، عبدالعزیز ابن ابی سلمہ الماجشون وغیرہ علماء، وہاں تشریف لے گئے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں کی مجالس میں آیا کرتے تھے اور ان سے حدیث سیکھا کرتے تھے۔

اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں حدیث کے بڑے عالم تھے۔۔۔ زفرؒ قیاس کو رد کرنے والے، حسنؒ بن زیاد لؤلؤی زیادہ استنباط کرنے والے تھے، اور محمدؒ عربی اور حساب کو زیادہ جانتے تھے۔ کئی کہتے ہیں، وہ استنباط میں زیادہ تھے جب عراق دارالحکومت بن گیا تو لوگوں کو شرعی پیمانے کے علاوہ سُنّت اور شریعت کی پہچان کی ضرورت عراقی رطل کے ساتھ پڑی۔ ان کا رطل بھاری گندم اور مسور کے ساتھ نوّے مثقال کا تھا اور ایک سو اٹھائیس اور ۴/۷ درہم کا تھا۔ اہلِ مدینہ کے اجماع کا یہ پہلا درجہ ہے اور یہ بالاتفاق حجت ہے۔

المرتبۃ الثانیہ[۲]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے اہلِ مدینہ کا قدیم عمل حجت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منصوص ہے کہ انہوں نے یونس بن عبدالاعلیٰ کی روایت میں فرمایا "جب تم اہلِ مدینہ کے قدماء کو کسی چیز پر دیکھو تو دل میں کبھی شک نہ کرو۔ وہ یقیناً حق ہے۔" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر مذہب بھی یہ ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے جس طریقے کو رائج کیا، وہ حجت ہے اس کی اتباع واجب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "جو بیعت مدینہ منورہ میں ہوئی ہے، وہ خلافتِ نبوت کی بیعت ہے" یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت مدینہ منورہ میں ہوئی اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ پھر آپؓ وہاں سے تشریف لے گئے۔ اس کے بعد کسی کی بیعت مدینہ منورہ

میں نہیں لی گئی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے' انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی' آپ صلعم نے فرمایا :

"علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی' تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار"

"میری سنت کو اور میرے بعد نیک' ہدایت یافتہ خلفاء رضی اللہ عنہم کی سنت کو لازم پکڑو۔ اس کے ساتھ تمسک کرو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑلو اپنے آپ کو دین میں نئے جاری شدہ امور سے بچاؤ۔ کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے"

اور سنن میں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ ـــــــ آپ صلعم نے فرمایا :

"خلافۃ النبوۃ ثلاثون سنۃ ثم تکون ملکا عضوضا"

"تیس سال خلافتِ نبوت ہو گی اس کے بعد طاقت ور بادشاہی آئے گی"

جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کی گئی حکایت کا تقاضا یہ ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا قول سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو۔ سبحانک ہذا بہتان !

(۳)
المرتبۃ الثالثۃ

جب ایک مسئلے میں دو دلیلیں' مثلاً دو حدیثیں اور دو قیاس' متعارض ہوں اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ان میں سے راجح کون سی ہے؟ ان میں سے ایک پر اہلِ مدینہ کا عمل ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اہلِ مدینہ کے عمل والی دلیل راجح ہو گی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہلِ مدینہ کا عمل حجت نہیں ہو گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکاروں کے نزدیک دو صورتیں ہیں:

۱ ۔ ترجیح نہیں ہو گی۔ قاضی ابو یعلیٰ اور ابن عقیل کا یہی قول ہے۔

۲ ۔ عملِ مدینہ کو ایسی صورت میں ترجیح دی جائے گی۔ ابو الخطاب وغیرہ کا یہی قول ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے ان کا فرمان ہے کہ "جب اہلِ مدینہ کسی حدیث کو دیکھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں' تو یہی مقصود ہے" ـــــــــــــــ چنانچہ

وہ اہلِ مدینہ کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور اس کو اکثر اہلِ عراق کے مذہب پر ترجیح دیتے تھے ۔ فتویٰ پوچھنے والے کی رہنمائی اہلِ حدیث اور اہلِ مدینہ کے مذاہب کی طرف کرتے تھے، یا اسحٰق، ابوعبیدہ، ابوثور اور ان کے ہم مرتبہ فقہاء اہل حدیث کی طرف رہنمائی فرماتے تھے۔ نیز ابومصعب زُہری اور ان جیسے دوسرے علماء مدینہ کے حلقے کی طرف رہنمائی فرماتے تھے جو مدنیوں کا حلقہ تھا حضرت ابومصعب ، موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے راویوں میں سب سے آخر میں فوت ہوئے تھے وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سال بعد سن دوسو بیالیس ھ میں فوت ہوئے تھے ۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو ناپسند تھا کہ اہلِ مدینہ کی بات کو رد کریں جس طرح اہلِ رائے کی بات رد کی جاتی ہے اور فرماتے تھے "یہ لوگ احادیث کے پیروکار ہیں" جمہور ائمہ کا مذہب ہے کہ اقوالِ اہلِ مدینہ کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق ترجیح دی جائے !

المرتبۃ الرابعہ (۴)

کیا مدینہ میں بعد کے عمل کی اتباع واجب ہے یا نہیں ؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ شرعی حجت نہیں ہے۔ محققینِ مالکیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ فاضل عبدالوہاب نے اپنی کتاب "اصولِ فقہ" وغیرہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ اہلِ تحقیق مالکیہ کے نزدیک نہ تو یہ اجماع ہے اور نہ حجت ہے۔ ہاں بعض مغربی مالکی اس کو حجت سمجھتے ہیں مگر ان کے پاس نہ تو اس کی نص ہے نہ دلیل، بلکہ وہ اہلِ تقلید ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے کسی کلام سے ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس کو حجت بنایا ہو۔ آپ اپنے موطا میں اس اصل کا ذکر فرماتے ہیں جس پر ان کے نزدیک اجماع ہو چکا ہے۔ آپؒ ان کے مذہب کی حکایت کرتے ہیں۔ کبھی فرماتے ہیں "ہمارے شہر میں اہلِ علم اسی پر رہے ہیں، جو اجماع تک پہنچتا ہے" اور کبھی ذکر نہیں فرماتے۔ اگر عملِ تأخر کے حجت ہونے کا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اعتقاد رکھتے تو پھر ساری امت پر اس کی اتباع لازم ہونی چاہیے خواہ یہ نصوص کے خلاف ہوتا اور آپؒ پر واجب تھا کہ لوگوں پر حتی الامکان اس کو لازم کرتے جس طرح آپؒ پر واجب تھا کہ حدیث اور سنتِ ثابتہ جس میں تعارض نہ ہو نیز اجماع کی اتباع کو لوگوں پر لازم ٹھہرائیں۔

عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کش کی تھی کہ وہ چاہتا ہے، مؤطا شریف کو قانوناً لوگوں پر لاگو کر دیا جائے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کر دیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ:

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف شہروں میں بکھر گئے ہیں، میں نے تو اپنے شہر کا علم جمع کیا ہے" جب یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اہلِ مدینہ کے اجماع میں جمہور ائمہ کے نزدیک، اس کے مختلف درجات ہیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کا قول، روایت اور رائے میں اہلِ امصار کے اقوال سے زیادہ صحیح ہے کبھی وہ قطعی حجت ہوتا ہے، کبھی قوی حجت ہوتا ہے اور کبھی دلیل کو ترجیح دیتا ہے یہ خصوصیت مسلمانوں کے کسی اور شہر کو حاصل نہیں ہے یہ بھی معلوم ہے کہ مدینہ منورہ میں جو صحابہ تھے، وہ بہترین صحابہ رضی اللہ عنہم تھے کیونکہ فتنے سے قبل اگر ایک صحابیؓ وہاں سے نکل بھی گیا تو اس سے بھی افضل صحابہؓ وہاں موجود رہے۔ جب شام اور عراق فتح ہوئے، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شہروں میں ایسے لوگ بھیجے جو ان کو قرآن و سنّت کی تعلیم دیں عراق میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن الیمان، عمار بن یاسر عمران بن حصین اور سلیمان فارسی رضی اللہ عنہم وغیرہ تشریف لے گئے، شام میں حضرت بلال بن رباح، معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت اور ابو درداء رضی اللہ عنہم وغیرہ تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرات عثمان، علی، عبد الرحمٰن بن عوف، ابی بن کعب، محمد بن مسلمہ اور زید بن ثابت وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رہ گئے تھے۔ عراق میں صحابہؓ میں سے زیادہ عالم حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ تھے آپؓ فتوے دیا کرتے تھے، پھر آپؓ مدینہ منورہ تشریف لاتے اور علماء مدینہ سے پوچھتے وہ ان کے فتوے کو رد کر دیتے، تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فوراً رجوع فرما لیتے تھے۔ مثلاً بیویوں کی ماؤں کا مسئلہ تھا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سمجھا تھا کہ شرط ماں اور ربیبہ دونوں میں ہے کہ جب کوئی اپنی بیوی کو قبلِ دخول طلاق دے دے، تو جس طرح بیٹی سے نکاح درست ہوتا ہے، ماں سے بھی درست ہوتا ہے۔ جب آپؓ مدینہ میں تشریف لائے اور یہ مسئلہ پوچھا تو علماء صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو بتایا، ماؤں میں یہ شرط نہیں، بلکہ صرف ربیبہ میں ہے آپؓ نے فوراً رجوع فرما لیا۔ اور جس شخص کو آپؓ نے فتویٰ دیا تھا، اس کی عورت کو اس سے جدا کرا دیا۔

اہلِ مدینہ کے عمل کی بنیاد یا تو سنّتِ رسول ﷺ تھی یا وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کی طرف رجوع کرتے تھے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مؤطا کا غالب حصّہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ربیعہ سے لیا ربیعہ نے سعید بن میسب سے اور سعید بن مسیب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ محدّث ہیں ترمذی شریف میں رسولِ اکرم ﷺ سے روایت ہے:

" لو لم ابعث فیکم لبعث فیکم عمرؓ " " اگر تم میں مَیں مبعوث نہ ہوتا تو عمرؓ تم میں مبعوث ہوتے "

صحیحین میں رسولِ اکرم ﷺ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا:

" کان فی الامم قبلکم محدّثون فان یّکن فی امتی احد فعمرؓ " " پہلی اُمتوں میں محدّث ہو چکے ہیں اگر میری اُمت میں کوئی محدّث ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں "

اور سنن میں نبی ﷺ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا:

" اقتدوا بالّذین من بعدی ابی بکرؓ و عمرؓ " " میرے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ کی اقتدار کرنا "

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰنؓ جیسے اکابر صحابہ کرام رضؓ سے مشورہ کرتے تھے۔ وہ آپؓ کی شوریٰ کے ارکان تھے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کو دیکھو وہ مشورہ کیا کرتے تھے"۔ یہ معلوم ہے کہ آپؓ جو فیصلہ کرتے یا فتویٰ دیتے تھے، اس میں ان بزرگوں سے مشورہ لیتے۔ ان بزرگوں کے فیصلے یا فتوے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ قابلِ ترجیح ہیں۔ مسائلِ دین اور اس کے اصول و فروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ عموماً رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کی پیروی کرتے تھے، یا اپنے اہلِ شوریٰ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ مثلاً آپؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطلّقہ کی وراثت کے بارے میں مشورہ لیا، جس کو خاوند نے اپنی بیماری میں رجعی طلاق دے دی تھی ابھی وہ عدت میں ہی تھی کہ خاوند فوت ہو گیا، تو کیا وہ اس کی وارث ہو گی یا نہیں؟ اسی طرح اور کئی مسائل میں مشورہ لیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فتنہ اور فرقہ بازی پیدا ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی عراق میں چلے گئے اور مدینے میں ان جیسا کوئی نہ رہا لیکن پھر بھی وہاں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ابوایوب رضی اللہ عنہ، محمد بن مسلمہ اور اسی طرح کے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم موجود رہے جو ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ جلالت رکھتے تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ کوفے میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ علم والے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ میں تھے تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمانؓ کے نائب تھے۔ معلوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان بزرگوں میں سے علم و فضل میں عراقی ساتھیوں سے زیادہ عظمت رکھتے تھے اسی وجہ سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بعض اہلِ عراق سے فقہ میں مناظرے کرتے تھے، اور ان کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابنِ مسعودؓ کے اقوال کو بطورِ حجت پیش فرماتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کو بیان کیا ہے اور اس میں وضاحت فرمائی ہے کہ مناظر اور دوسرے اہلِ علم نے ان کے اقوال کو ترک کر دیا ہے۔ اس کے بعد محمد بن نصر مروزی آئے، انہوں نے اس سلسلہ میں حضرت امام شافعیؒ سے بڑی کتاب تصنیف فرمائی۔ حتیٰ کہ وہ فرماتے ہیں: "اس معاملے کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ کوفے کے سوا مسلمانوں کے سب شہر اہلِ مدینہ کے علم کے مطیع و منقاد تھے۔ وہ اپنے آپ کو علم میں ان کے ہم پلّہ نہیں سمجھتے تھے۔ مثلاً اہلِ شام اور اہلِ مصر میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے پہلے اور بعد کے شامی علماء، اسی طرح امام لیث رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پہلے اور بعد کے مصری علماء۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ عمل میں اہلِ مدینہ کی تعظیم کرتے تھے اور ان کے قدیم مذاہب کی اتباع کرتے تھے۔ اہلِ بصرہ کے لوگ مثلاً ایوب، حماد بن زید، عبدالرحمٰن بن مہدی اور ان کے ہم پایہ بزرگ بھی اہلِ مدینہ کی تعظیم و اتباع کے قائل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان شہروں میں اہلِ مدینہ کا مذہب غالب رہا۔ اہلِ مصر، اہلِ مدینہ کے اقوال کے مددگار رہے اور مصری، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر شاگردوں میں سے ہیں۔ مثلاً ابنِ وہب، ابنِ قاسم، اشہب، عبداللہ بن حکم۔ اور شامی بھی مثلاً ولید بن مسلم، مروان ابنِ محمد اور ان کے ہم مرتبہ لوگ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی روایات معروف ہیں۔ اہلِ عراق مثلاً عبدالرحمٰن بن مہدی، حماد بن زید، اسمٰعیل بن اسحٰق القاضی

اور اس درجے کے دوسرے بزرگ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر تھے یہ بزرگ بہت بڑے قاضی تھے۔ اسمٰعیل اور دوسرے بزرگ اسلام کے جلیل القدر علماء میں سے ہیں۔

فتنے اور تفریق کے زمانے میں کوئی اہلِ مدینہ کی برابری کے دعوے دار تھے۔ مگر فتنے اور تفریق کے زمانے سے قبل وہ بھی اہلِ مدینہ کے مطیع و منقاد تھے اور یہ ثابت نہیں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد کسی کوفی یا غیر کوفی نے دعویٰ کیا ہو کہ اس کے شہر کے لوگ اہلِ مدینہ سے بڑے عالم ہیں۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور اُمت تفریق کا شکار ہو گئی ـــ کئی گروہ بندیاں ظاہر ہو گئیں، تو اہلِ کوفہ میں بھی ایسے لوگ دیکھے گئے جو اپنے علما کو علماء مدینہ کے برابر سمجھتے تھے۔ ان کو شبہ اس لئے ہوا کہ مدینہ منورہ کی صورتِ حال ضُعف کا شکار ہو گئی تھی اور وہاں سے خلافتِ نبوّت چلی گئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عراق میں تشریف لے جانے سے اہلِ عراق کو تقویت ملی۔

لیکن اصول و فروع کے مسائل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں استقرار حاصل ہو گیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ فرقہ بندی سے قبل اہلِ کوفہ کی بات فرقہ بندی کے بعد والی بات سے اولیٰ اور تسلیم کے لائق ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاضی عبیداللہ سلمانی نے کہا تھا کہ "جماعت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپؓ کی رائے آپؓ کی اس رائے سے ہمیں زیادہ محبوب ہے جو تفریق میں تنہا آپؓ کی رائے ہے"۔ یہ معلوم ہے کہ کوفہ میں فتنہ اور تفریق کا پیدا ہونا نص اور دلیل سے ثابت ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

" الفتنۃ من ھٰھنا الفتنۃ من ھٰھنا، الفتنۃ من ھٰھنا ـــ من حیث یطلع قرن الشیطان "

" فتنہ یہاں سے ہو گا فتنہ یہاں سے اُٹھے گا۔ فتنہ یہاں سے پیدا ہو گا، جہاں سے شیطان کا (گروہ) سینگ نکلے گا"

یہ حدیث صحیح بخاری میں مختلف سندوں سے ثابت ہے۔

اس کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ علمِ روایت ہو، یا رائے سب علاقوں سے زیادہ صحیح روایت اور رائے اہلِ مدینہ کی ہے۔ ماہرینِ حدیث اس پر متفق ہیں کہ اہلِ مدینہ کی احادیث سب سے زیادہ صحیح ہوتی ہیں۔ اس کے بعد دوسرا درجہ اہلِ بصرہ کی حدیث کا ہے اور تیسرا درجہ

اہلِ شام کا اہلِ شام کو متصل اسناد اور ضبطِ الفاظ میں وہ درجہ حاصل نہیں ہے جو اہلِ مدینہ و مکہ اور اہلِ بصرہ کو ہے۔ ان میں اور اہلِ شام میں ایسے لوگ نہیں تھے جو کذب میں معروف ہوں۔ ہاں ضبط اور عدمِ ضبط میں فرق ضرور تھا۔

اہلِ کوفہ میں جتنا زیادہ کذب (جھوٹ) تھا اتنا کسی اور شہر میں نہیں تھا۔ تابعینؒ کے عہد میں کوفہ میں بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو کذب میں معروف تھے خصوصاً شیعہ جن کے متعلق اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ ان میں سب سے زیادہ جھوٹ تھا یہی وجہ ہے امام مالکؒ وغیرہ اہلِ مدینہ عام طور پر اہلِ عراق کی احادیث کو بطورِ حجت تسلیم نہیں کرتے تھے انہیں علم تھا کہ ان میں کذاب موجود ہیں اور اہلِ عراق صادق و کاذب میں امتیاز نہیں کرتے تھے۔ ہاں جب اہلِ مدینہ کو ان کی حدیث کی صحت کا علم ہو جاتا تو پھر وہ اس کو حجت مانتے تھے جس طرح کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایوب سختیانی جو عراقی ہیں سے روایت کی ہے آپؒ کی اس سند پر اعتراض کیا گیا تو آپؒ نے جواب دیا کہ "جتنے لوگوں سے میں تمہیں حدیث بیان کرتا ہوں ایوب ان سب سے افضل ہے۔" امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم قول بھی یہی ہے۔ روایت ہے کہ آپ سے کہا گیا "جب سفیان "عن منصور عن علقمہ عن عبد اللہ" حدیث بیان کریں تو کیا اس کو حجت نہ مانا جائے گا" فرمایا "اگر اس کی اصل اہلِ حجاز میں ہو تو اس کو حجت تسلیم کیا جائے گا ورنہ نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد اس سے رجوع فرما لیا اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا "تم ہم سے حدیث کا زیادہ علم رکھتے ہو، جب تمہیں صحیح حدیث ملے تو مجھے اطلاع دے دیا کرو میں اس کو اختیار کر لیا کروں گا وہ شامی ہو، بصری ہو یا کوفی ہو" مکی، مدنی کا نام نہیں لیا کیونکہ وہ پہلے ہی اس کو حجت تسلیم کرتے تھے۔

علماء حدیث شعبہ، یحییٰ بن سعید اور کتبِ صحاح و سنن کے مؤلفین کا ان ثقہ لوگوں میں شمار ہے جن کی ثقاہت میں کوئی شک نہیں اور وہ کوفہ و بصرہ کے ثقات و حفاظ وغیرہ میں امتیاز کرتے تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو بہت سے اہلِ حجاز سے افضل تھے۔ کسی عالم کو اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد علقمہ، اسود، عبیدہ سلمانی، حارث تیمی اور شریح قاضی وغیرہ پھر ابراہیم نخعی، حکم بن عتیبہ اور ان کے درجے کے لوگ بہت بڑے ثقہ اور بہت بڑے حافظ تھے۔ اسی لئے علماء اسلام متفق ہیں کہ جس حدیث کو اہلِ علم صحیح قرار دیں، وہ کسی شہر

کی بھی ہو حجت ہے۔ امام ابو داؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ نے مفرد کتب لکھی ہیں، جن میں ہر مسلمان شہر کے اہلِ سُنّت علماء کی وہ احادیث بیان کی ہیں جن میں وہ منفرد ہیں۔

فقہ اور رائے

اہلِ مدینہ میں اصولِ دین میں بدعت جاری کرنے والا ایک آدمی بھی نہیں تھا جب عباسی خلافت کے اوائل میں "رائے" میں بات چلی تو مدینہ منورہ میں ربیعہ بن ہرمز نے اس میں تفریع کی جس طرح عثمان لیثی اور ان جیسوں نے بصرہ میں، اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان جیسوں نے کوفہ میں تفریع کی تھی۔ لوگوں میں سے بعض نے اس کو قبول کیا اور بعض نے رد کر دیا۔ ہشام بن عروہ، ابوالزناد، زہری، ابنِ عیینہ اور ان جیسے دوسرے بزرگ اس کو رد کرنے والے تھے۔ جب انہوں نے مدینہ میں نئی رائے کو قبول نہیں کیا تھا، تو عراق میں تو انہوں نے محدث رائے کو زیادہ سختی سے رد کر دیا تھا۔ اہلِ مدینہ میں عراقیوں کی نسبت ناقابلِ تعریف باتیں کم تھیں۔ البتہ قابلِ تعریف باتیں ضرور زیادہ تھیں، اسی سے ترجیح ثابت ہوتی ہے۔

ہشام بن عروہ نے جو فرمایا ہے کہ "بنو اسرائیل کا معاملہ ہمیشہ معتدل رہا تھا، یہاں تک کہ مولدین (غیر عرب لونڈیوں سے عربوں کی اولاد) آئے، انہوں نے اپنی رائے سے کام لیا، خود بھی گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔" ابنِ عیینہ فرماتے ہیں: "ہم نے اس سلسلہ میں غور و فکر کیا، تو یہی بات سامنے آئی کہ رائے کا فتنہ مولدین سے ہی پیدا ہوا ہے۔" مدینہ، بصرہ، کوفہ کے بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ ان کے نزدیک مدینہ میں موجود لوگ، ان سے زیادہ قابلِ تعریف ہیں جو عراق میں تھے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب فرماتے ہیں کہ "ایک حکومت دوسری سے سنن کی زیادہ اتباع کرتی تھی" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے قریب زمانے میں ہی بدعات جاری ہوگئیں، اس لئے سنّت کے متبعین، خلافت کے نسب اور قرن کے لحاظ سے زیادہ اہل تھے۔

منصور، مہدی اور ہارون الرشید، جو خلفاء بنی عباس کے سادات ہیں، حجاز کے علماء اور ان کے قول کو علماء عراق پر ترجیح دیتے تھے۔ اسی طرح خلفاء بنی اُمیہ علماء شام پر اہلِ حجاز کو ترجیح دیتے

تھے جب وہ اس راہ کو ترک کر کے مشرقی آراء کی طرف مائل ہوئے تو ان میں بہت سی بدعات نے جنم لیا اور خلافت کمزور ہوگئی۔

پھر امام مالکؒ اور ان جیسے دوسرے علماء کی وفات کے بعد بغداد علم و ایمان کا مرکز بن گیا۔ ان حالات میں بغداد کو اہلِ حجاز پر برتری حاصل ہوگئی۔ اس میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عبیدہ اور ان جیسے دوسرے فقہاء اہلِ حدیث تشریف فرما تھے، جنہوں نے سنّت کی اشاعت کی اور اسلام کے حقائق کو ظاہر کیا۔ اسی زمانے میں وہاں اصول و فروع میں سنّت کا چرچا اور اشاعت ہوئی۔ وہیں سے سنّت دوسرے شہروں میں پہنچی۔ اسی زمانے میں مشرق و مغرب میں اس کی نشر و اشاعت ہوئی۔ مشرق میں اسحٰق بن راہویہؒ اور ان کے ساتھی اور عبداللہ بن مبارکؒ کے شاگرد تھے۔ اور مغرب میں اہلِ مدینہ کا وہ علم تھا، جو علماء حدیث نے پہنچایا تھا۔ اس زمانے میں بغداد، خراسان اور مغرب میں علمِ دین کی وہی شان تھی، جو کبھی حجاز اور بصرے میں رہ چکی تھی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کے بعد علماء حجاز میں کوئی ایسا عالم نہ تھا، جس کو علماء عراق اور علماء مشرق و مغرب پر فوقیت حاصل ہو۔ یہ باب طویل ہے، اگر ہم علماء اہلِ مدینہ کی فضیلت اور ان کے اصول کی صحت پر تحقیق کرنے لگیں، تو بات لمبی ہو جائے گی۔

اس وضاحت کے بعد کسی کو شک کی گنجائش نہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، اہلِ مدینہ کے مذہب کو روایت اور رائے کے لحاظ سے سب سے زیادہ سمجھنے اور قائم کرنے والے ہیں۔ نہ تو آپؒ کے زمانے میں اور نہ بعد میں، کوئی اس مذہب کو زیادہ صحیح طریقے پر جاری کر سکا۔ خاص اور عام مسلمانوں میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقام ہے، وہ معمولی علم رکھنے والے سے بھی مخفی نہیں ہے۔ حافظ ابوبکر خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے والوں کے حالات جمع کئے ہیں۔ وہ تقریباً ایک ہزار سات سو تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ وہ راوی ہیں، جن کی حدیث خطیب کے پاس تقریباً تین سو سال بعد پہنچی ہے۔ جن کی خبریں ان تک نہیں پہنچ سکیں، وہ اس پر مزید ہیں۔ خطیب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۴۷۳ھ میں ہوئی۔ ان کا زمانہ اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ، بیہقیؒ، قاضی ابو یعلیٰؒ اور ایسے دوسرے علماء کا زمانہ ایک ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۷۹ھ میں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ۱۵۰ھ میں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ۲۰۴ھ میں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ۲۴۱ھ

میں ہوئی - اس لیے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ:

"ماتحت ادیم السماء کتاب اکثر صوابا بعد کتاب اللہ من مؤطا مالک" یعنی "قرآنِ مجید کے بعد صحیح ترین کتاب مؤطا امام مالک رحمتہ اللہ علیہ ہے"

یہ بات ائمۂ اسلام کے اس فیصلے کے خلاف نہیں ہے کہ قرآنِ مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں ہے جبکہ ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ بخاری مسلم سے زیادہ صحیح ہے جس نے مسلم شریف کو ترجیح دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام مسلم نے الفاظِ حدیث کو ایک جگہ ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا ہے جو شخص الفاظِ حدیث جمع کرنے کا ارادہ کرے اس کو اس میں بڑی سہولت ہے۔

جو شخص یہ خیال کرے کہ وہ احادیث جن میں امام مسلمؒ منفرد ہیں ان احادیث سے اصح ہیں جن میں امام بخاریؒ منفرد ہیں اور مسلم کے رجال جن سے بخاریؒ نے روایت نہیں لی وہ بخاری کے رجال سے اصح ہیں، اس کا خیال سراسر غلط ہے۔ اس میں بھی کسی کو شک نہیں کہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ حدیث، علل اور تاریخ کا علم امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ سے زیادہ رکھتے تھے اور ان سے زیادہ فقیہ تھے۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور امام ابو داؤدؒ مشہور اہلِ صحیح اور اہلِ سنن میں سب سے زیادہ فقیہ ہیں اگر مسلم کی کسی حدیث کو بخاری کی کسی حدیث پر برتری حاصل ہو تو وہ محض اتفاقیہ اور نہ ہونے کے برابر ہے اکثر اس کے خلاف ہی ہے۔ اہلِ علم اس پر متفق ہیں کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے اصح کتاب کوئی نہیں ہے یہ دونوں کتابیں واقعی ایسی ہیں۔ انہوں نے ان میں وہ حدیثیں منتخب کی ہیں جو صحیح اور مسند ہیں ان کا ارادہ ان میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ کے آثار ذکر کرنے کا نہیں تھا اور نہ ہی باقی حسن اور مرسل احادیث اور اس طرح کی دوسری احادیث جمع کرنا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس کتاب میں صحیح اور مسند احادیث رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوں، وہ یقیناً اصح الکتب ہو گی کیونکہ اس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری کتابوں سے زیادہ صحیح ذریعے سے احادیث منقول ہیں۔

مؤطا اور اس طرز کی دوسری کتب اپنے زمانے کے علماء مصنفین کے طریقے پر تصنیف کی گئی ہیں۔ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں قرآنِ مجید لکھا کرتے تھے اور رسولِ اکرمؐ

نے منع فرما دیا تھا کہ آپؐ سے سوائے قرآنِ مجید کے کچھ اور لکھا جائے۔ آپؐ نے فرمایا:

"من کتب عنّی شیئا غیر القرآن فلیمحه" — "جس نے مجھ سے سوائے قرآنِ مجید کے کچھ اور لکھا ہے، وہ مٹا دے۔"

پھر یہ حکم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو لکھنے کی اجازت دے کر منسوخ فرما دیا۔ اور فرمایا:

"اکتبوا لابی شاہ" — "ابوشاہ کو لکھ کر دے دو۔"

اسی طرح آپؐ نے عمرو بن حزم کو ایک خط لکھا تھا۔ یہ ممانعت ابتداء میں اس لئے تھی تاکہ احادیث قرآنِ مجید کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائیں۔ پھر جب آپؐ کو اطمینان ہو گیا تو اجازت عطا فرما دی اور لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث لکھنا چاہتے، لکھ لیتے تھے۔ انہوں نے احادیث کے سوا بھی کئی باتیں لکھی ہوئی تھیں تبع تابعینؒ تک انہوں نے باقاعدہ کتابیں تصنیف نہیں کیں، پھر علم تصنیف میں آگیا۔ سب سے پہلے ابنِ جریج نے تفسیر لکھی اور میّت کے بارے میں کچھ باتیں لکھیں، پھر سعید بن ابی عروبہ نے، حماد بن سلمہ نے، معمر اور اس طرح کے دوسرے علماء نے تصنیفات کیں۔ وہ ہر باب میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہؓ و تابعینؒ کے آثار بیان کرتے تھے قرآنِ مجید کے بعد علمِ فقہ اور اصُول و فروع میں یہی کتب تھیں۔ امام مالکؒ نے موطا شریف اسی طرز پر لکھی۔ اس کے بعد عبداللہ بن مبارکؒ، عبداللہ بن وہبؒ، وکیع بن جراحؒ، عبدالرحمن بن مہدیؒ، عبدالرزاقؒ اور سعید بن منصورؒ وغیرہم نے تصنیفات کیں۔ اس زمانے میں یہی کتب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پیشِ نظر تھیں، جن کے مقابلے میں مؤطا کو "اصح" فرمایا یعنی:

"لیس کتاب بعد القرآن اکثر صوابا من مؤطا مالک فانّ حدیثه اصح من حدیث نظرائه" — "قرآنِ مجید کے بعد مؤطا سے اصح کتاب کوئی نہیں اس کی احادیث دوسروں سے اصح ہیں۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے بھی امام مالکؒ کی احادیث اور رائے کو ان لوگوں کی احادیث اور رائے پر ترجیح دی تھی۔ اس سے ترمذی وغیرہ کی اس حدیث کی پوری تصدیق ہوتی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

"یوشك ان یضرب الناس اکباد الابل" — "قریب ہے لوگ دور دراز سے علم کی طلب میں

فی طلب العلم فلا یجدون عالما اعلم من عالم المدینة" — سفر کریں، مگر وہ مدینہ منورہ کے عالم سے بڑا عالم نہیں پائیں گے"۔

ابن جریج اور ابن عینیہ وغیرہ بہت سے علماء سے روایت ہے کہ حدیث میں جس بڑے عالم کا ذکر ہے، وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

جن لوگوں کو اس میں نزاع ہے ان کے دو ماخذ ہیں:

(۱) طعن فی الحدیث : بعض کا خیال ہے کہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔

(۲) اس سے مراد امام مالکؒ کی بجائے عمری الزاہد اور ان جیسے دوسرے لوگ ہیں۔

اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ حدیث کا مصداق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو بنانا، ان کے لئے تو طے شدہ بات تھی، جو اس زمانے میں موجود تھے، اور جو غیر موجود تھے، ان کو تواتر کے ساتھ اس فیصلہ کا علم ہو گیا ہے۔ بلا ریب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں کوئی اور ایسا عالم نہیں تھا، جس کے پاس لوگ لمبے لمبے سفر طے کر کے پہنچے ہوں۔ اس کا ثبوت دو وجوہ سے ہے:

(۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو ثوریؒ و اوزاعیؒ و لیثؒ اور ابو حنیفہؒ پر تقدم حاصل ہے۔ اس میں اختلاف ہے، جس کی ہمیں یہاں ضرورت نہیں ہے۔

(۲) ——— کہا جاتا ہے کہ ان سب لوگوں کی وفات کے بعد ۱۷۹ھ میں امام مالکؒ فوت ہوئے ہیں، اور یہ لوگ سارے کے سارے اس سے قبل فوت ہو چکے تھے۔ یہ معلوم ہے کہ ان علماء کی موت کے بعد اس زمانے میں امام مالک رح سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا۔ اس سے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہے۔ جتنے لوگوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سفر کئے ہیں، اتنے لوگوں نے ان سے پہلے یا بعد کسی مدنی عالم کی طرف سفر نہیں کئے۔ ان کے پاس مشرق و مغرب سے لوگ پہنچے تھے اور ہر طبقے کے لوگ ان کے پاس آئے تھے۔ علماء و زہاد بھی، بادشاہ اور عوام بھی! ان کے مؤطا کی ایسی اشاعت ہوئی کہ اس زمانے میں قرآن مجید کے بعد کسی اور کتاب کو یہ درجہ نہ مل سکا۔ ان سے مؤطا اہل حجاز، اہل عراق اور اہل شام نے لیا۔ جن اصاغر نے آپؒ سے مؤطا روایت کیا، وہ امام شافعیؒ اور محمد بن حسنؒ وغیرہ ہیں۔ جب محمد بن حسنؒ عراق میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اہل حجاز سے حدیث بیان کرتے تو ان کا گھر سامعین کی کثرت سے بھر جاتا تھا۔ اور جب وہ اہل عراق سے

روایت کرتے تو سامعین تھوڑے ہوتے یہ اس لئے کہ لوگوں کو علم تھا کہ امام مالکؒ اور اہلِ مدینہ کا علم زیادہ صحیح اور زیادہ ثابت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جن جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا، وہ دو ہیں۔ امام مالکؒ اور ابن عینیہؒ یہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ ابنِ عینیہؒ سے امام مالکؒ زیادہ جلیل القدر ہیں۔ یہاں تک کہ ابنِ عینیہؒ خود فرماتے تھے "میری اور امام مالکؒ کی یہی نسبت ہے" جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

وابن اللبون اذا مالز فی قرن	"دودھ دینے والی اونٹنی کے بچے کو جب صحرا
لم یستطع صولة البزل القناعیس	میں دھکیل دیا جائے، تو وہ مضبوط جوان اونٹ
	کے حملے کو برداشت نہیں کرسکتا"

جو لوگ کہتے ہیں کہ دور دراز سے سفر کر کے طلبِ علم کے لئے لوگ عمری الزاہد کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، صحیح نہیں۔ یہ تو درست ہے کہ وہ ایک صالح اور زاہد انسان تھے، جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے پر عمل پیرا تھے لیکن اس کا کہیں سے پتہ نہیں چلتا کہ لوگ ان کے علم کے بھی محتاج تھے اور نہ ہی لوگوں نے علم کے حصول کے لئے ان کی طرف سفر کیا ہے۔ وہ خود اپنے پیش آمدہ مسائل میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ اور فتویٰ لیتے تھے، جب اہلِ عراق نے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ آئیں اور خلافت کی ذمہ داری سنبھالیں، انہوں نے فرمایا "امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کے بعد جواب دوں گا"۔ انہوں نے آپؒ سے مشورہ لیا تو آپؒ نے فرمایا کہ "وہ تشریف نہ لے جائیں۔ عباسی آسانی سے خلافت کو نہ چھوڑیں گے، چاہے خون کی ندیاں بہہ جائیں"۔ امام مالکؒ نے ان کے سامنے اسی بات کا ذکر فرمایا، جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمائی تھی۔ جب ان کو قاسم بن محمد کا ولی کہا گیا، تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ "بنو امیہ آسانی کے ساتھ خلافت سے دستبردار نہیں ہوں گے حتیٰ کہ کثرت سے خون بہہ جائے"۔

یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ علومِ تفسیر و حدیث اور فتویٰ وغیرہ لوگوں نے زاہد عمریؒ سے لئے تھے لہٰذا ان کو علم میں، اور لوگوں کے طلبِ علم کے لئے سفروں میں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہم پلہ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

صحیح کتابوں میں سب سے جلیل القدر کتاب "البخاری" ہے۔ اس کے پہلے باب کا آغاز امام مالکؒ

کی حدیث سے ہوا ہے۔ اگر کسی باب میں امام مالکؒ کی حدیث موجود ہو تو اس پر کسی دوسری حدیث کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ ہم بخوبی جانتے ہیں، طلب علم کے لئے لوگ دور دراز سے سفر کر کے آتے تو انہوں نے اپنے وقت میں امام مالکؒ سے بڑا عالم کسی کو نہیں پایا!

لوگ سب کے سب امام مالکؒ کے ساتھ ہیں ———— اور اہلِ مدینہ کے لوگ یا تو موافق ہیں یا مخالف، جو موافق ہیں وہ ان کے معادن اور قوتِ بازو ہیں۔ جو مخالف ہیں، وہ بھی ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ان کی قدر کو پہچانتے ہیں۔ آپ کو کوئی ایسا شخص نہ ملے گا جو ان کے اقوال و مذاہب کو ہلکا جان کر ان سے بے نیاز اور لاپرواہ ہو اگر کوئی ایسا کرتا ہے، تو وہ اہلِ علم میں سے نہیں ہے یہ اس وجہ سے کہ وہ جانتے ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہلِ مدینہ کے مذہب پر عمل پیرا ہیں۔ عوام و خواص کا باقی شہروں کی نسبت اہلِ مدینہ کے مذہب کی طرف رجحان بالکل واضح ہے مؤطا شریف اہلِ مدینہ کی احادیث سے، یا ان کے قدیم یا جدید اجماع سے بھرا ہوا ہے۔ اگر اس میں کوئی ایسا مسئلہ ہے جس میں اہلِ مدینہ کا دوسروں سے تنازعہ ہو، تو آپؒ ایک قول کو اختیار کر کے یہ کہہ دیتے ہیں: "جو کچھ میں نے سنا ہے اس میں سے بہترین بات یہ ہے" یا "اس میں علماء مدینہ کے نزدیک معروف آثار ہیں"۔

اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ پہلے زمانے میں ایسا شخص موجود تھا جو امام مالکؒ کی نسبت اہلِ مدینہ کے مذہب پر زیادہ عمل پیرا تھا تو یہ درست ہے ہمیں انکار نہیں کہ بعض لوگوں نے حضرت امام مالکؒ پر بعض مسائل میں ان کی احادیث کی مخالفت کی وجہ سے انکار کیا ہے۔

بعض مسائل میں امام مالکؒ پر انکار؟

پہلی وجہ ———— جیسا کہ عبد العزیز دراوردی سے منقول ہے کہ نصابِ سرقہ کے مطابق مہر کی تعیین و تقدیر کے مسئلے میں امام مالکؒ سے انہوں نے کہا تھا کہ "کیا آپ نے اہلِ عراق کے قول کو قبول کر لیا ہے، جو نصابِ سرقہ کے مطابق اقل مہر مقرر کرتے ہیں"، لیکن نصابِ سرقہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے نزدیک دس درہم ہے ———— امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین درہم یا

چوتھائی دینار ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ ابتداء میں آپؒ نے فرمایا کہ "اس قسم کی حکایت سے، اہلِ مدینہ کے نزدیک اہلِ عراق کے قول کا ضعف ثابت ہوتا ہے اہلِ مدینہ کسی آدمی کے لئے ناپسند سمجھتے تھے کہ وہ اہلِ عراق کے موافق ہو یہ ان کی مشہور بات ہے کہ وہ اس کو آدمی کے لئے عیب خیال کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے، جب ان سے مچھر کے خون کا مسئلہ دریافت کیا گیا یا جس طرح ابنِ مسیبؒ نے ربیعہ کو فرمایا تھا جب ان سے عورت کی انگلیوں کی دیت کے بارے میں سوال ہوا تھا۔"

دوسری وجہ

"رائے میں خطاء" امام مالکؒ کے قول میں بہت ہی قلیل ہے ہر عالم کی بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں، جو چھوڑ دی جاتی ہیں۔ ابنِ خویز منداد نے کتب رائے اور ان پر اجارہ کے مسئلہ میں کیا خوب فرمایا ہے: "امام مالکؒ کی رائے میں اور دوسروں کی رائے میں ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں، البتہ صرف ہمارے امام بہت کم خطاء کرتے ہیں۔"

حدیث

آپ اکثر دیکھیں گے کہ امام مالکؒ حدیث کے مطابق بات کرتے ہیں، مگر ان کے پیروکاروں کے ایک گروہ نے اس کو ترک کر دیا ہے مثلاً مسئلہ "رفع الیدین عند الرکوع" اور اس سے اٹھنے کے بعد اہلِ مدینہ نے حضرت امام مالکؒ سے ان کی روایت کہ وہ حدیث کے موافق رفع الیدین کو روایت کیا ہے۔

لیکن ابنِ قاسم اور اس جیسے دوسرے بصری پہلی روایت، یعنی "ترکِ رفع الیدین" کو لیتے ہیں۔ اور معلوم ہے کہ اسد بن فرات کے مسائل، ابن القاسم کی روایت کی اصل ہے، جن کی تفریع اہلِ عراق نے کی تھی۔ پھر ان کے بارے میں اسد نے ابن القاسم سے پوچھا تو ان کو امام مالکؒ سے نقل کے ساتھ جواب دیا اور کبھی آپؒ کے قول پر قیاس کے ساتھ جواب دیا۔ اس لئے ایک گروہ اہلِ عراق کے قول کی طرف ابن القاسم کے میلان کی وجہ سے ان کے کلام کو ناپسند کرتا ہے۔ اگرچہ یہ

اہلِ مدینہ کا اصول نہیں ہے۔

پھر جب اندلس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اشاعت پذیر ہوا، یحییٰ بن یحییٰ (اندلس کا گورنر) اور حاکم اس سے مشورہ لیتے تھے۔ انہوں نے قاضیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ جو فیصلہ کریں، وہ امام مالکؒ کی روایت کے مطابق کریں، وہ نہ ملے تو دوسری روایت لیں۔ پھر امام مالکؒ سے ابن القاسم کی روایت، اس پر عمل کرنے والوں کے ذریعے پھیل گئی۔ حالانکہ بعض صورتوں میں وہ آپؒ کے مذہب میں اور عملِ اہلِ مدینہ اور سنّت میں مرجوح ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ مؤطا امام مالکؒ کی متواتر روایت جس کو آپؒ زندگی بھر بیان کرتے رہے کو ابن القاسم کی روایت کی وجہ سے ترک کر دینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ اس صورت کو بعض مالکیہ نے پسند نہیں کیا۔ اس میں جو خرابی ہو گی، وہ راوی اور ناقل پر ہو گی، نہ کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر، جس کے مذہب کی لوگ اتباع کرتے ہیں۔ اس کو چاہیئے کہ امورِ عامہ میں سنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہو! کوئی ایسی سنّت نہیں ہے جس کے موافق آپؒ کا قول نہ ہو۔ اہلِ کوفہ کا طرزِ عمل اس کے خلاف ہے۔ وہ اکثر غیر شعوری طور پر سنّت کی مخالفت کرتے ہیں۔

جو شخص اسلام کے اصول اور شریعت کے قواعد کا بغور مطالعہ کرے گا، وہ اس نتیجے پر پہنچے گا، کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اہلِ مدینہ کے اصول اور قواعد صحیح ترین ہیں۔ اس کا ذکر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہ نے بھی کیا ہے جب امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کا مناظرہ ہوا تو امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے پوچھا، "کیا انصاف پر فیصلہ ہونا چاہیئے یا کثرت پر؟" انہوں نے فرمایا "انصاف پر" آپؒ نے فرمایا، "میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ ہمارے بزرگ (مالکؒ) کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں، یا آپ کے استاد صاحب؟" انہوں نے جواب دیا "آپ کے بزرگ (امام مالکؒ)" پھر انہوں نے پوچھا، "کیا سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امام مالکؒ زیادہ جانتے ہیں، یا امام ابو حنیفہؒ؟" انہوں نے کہا "امام مالکؒ" پھر پوچھا "اقوالِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دونوں میں سے کون زیادہ جانتا ہے؟" تو انہوں نے جواب دیا، "امام مالک رحمۃ اللہ علیہ" امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "اب ہمارے اور آپ کے درمیان فیصلہ طلب قیاس رہ گیا، ہم قیاس سے کہتے ہیں لیکن جو شخص اصول میں زیادہ علم رکھتا ہے، اس کا قیاس بھی اصح ہو گا۔"

امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ امام مالکؒ سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے عالم ہیں، یا ..

امام سفیان رحمۃ اللہ علیہ ہے انہوں نے جواب میں فرمایا، "امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پھر ان سے سوال کیا گیا "ان دونوں میں سے آثار اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ کون جانتا ہے"؟ جواب دیا، امام مالکؒ! پھر پوچھا گیا "ان دونوں میں سے بڑا زاہد کون ہے"؟ فرمایا "اس کا فیصلہ خود کرو" یہ معلوم ہے کہ اس زمانے میں امام سفیان ثوریؒ حدیث اور فقہ میں اہل عراق کے درمیان سب سے بڑے عالم تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثوری رحمۃ اللہ علیہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، حسن بن صالح بن حیؒ اور شریک ابن عبداللہ نخعی قاضیؒ قریب قریب زمانے میں ہوئے ہیں۔ وہ سب اس زمانے میں فقہاء کوفہ کے امام تھے۔ ابتداء میں امام ابو یوسفؒ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ قاضیؒ سے فقہ کی تعلیم پاتے تھے۔ پھر وہ امام ابو حنیفہ رحؒ کے پاس پہنچے انہوں نے دیکھا کہ آپؒ محمد بن عبدالرحمٰن سے زیادہ فقیہ ہیں، تو آپؒ کی خدمت میں رہ گئے۔ انہوں نے کتاب "اختلاف ابی حنیفہؒ اور ابی لیلیٰ" تصنیف فرمائی ہے۔ ان سے محمد بن حسنؒ نے اخذ کیا، اور محمد بن حسنؒ سے امام شافعی رحؒ نے نقل فرمایا۔ پھر اس میں اپنے اختیار کو ذکر کیا ہے، اس کا نام "اختلاف عراقیین" ہے۔ اس میں شک نہیں کہ امام سفیان ثوریؒ حدیث میں اس طبقے کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اس کے ساتھ وہ فقہ اور زہد میں بھی مقدم تھے۔ جن لوگوں نے کوفہ میں ایجاد شدہ اہل عراق وغیرہ کی رائے پر انکار کیا ہے، انہوں نے امام سفیان ثوریؒ پر انکار نہیں کیا، بلکہ ان کے نزدیک وہ عراق کے امام ہیں۔ امام احمدؒ نے امام مالکؒ کے مذہب کو امام سفیانؒ کے مذہب پر فضیلت دے کر دراصل ان کو اہل عراق کے مذہب پر فضیلت دی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا دونوں کے درمیان علم کتاب و سنت اور آثار میں محاکمہ ابھی گزر چکا ہے۔ حالانکہ امام احمدؒ اس طبقے پر امام سفیانؒ ثوری کو مقدم سمجھتے تھے اور امام سفیانؒ کی غایت درجہ تعظیم فرماتے تھے۔ لیکن وہ اس کے باوجود اہل مدینہ اور ان کے علماء کے مذہب کو اہل کوفہ اور ان کے علماء کے مذہب کے مقابلے میں اقرب الی الکتاب والسنۃ سمجھتے تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ معتدل اور معاملہ فہم تھے۔ حقدار کو اس کا حق دیتے تھے۔ اس بناء پر وہ امام شافعیؒ سے محبت کرتے تھے اور ان کی تعریف فرماتے تھے، ان کے لئے دعائیں کرتے تھے اور جو کوئی ان کے پاس امام شافعیؒ پر طعن زنی کرتا یا ان کو بدعت کی طرف منسوب کرتا، آپؒ مدافعت فرماتے تھے۔ ان کی سنت کی تعظیم اور اتباع کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کی اصول فقہ میں معرفت (مثلاً ناسخ و منسوخ،

مجمل و مفسر) کی تعریف کرتے تھے اور خبرِ واحد کے اثبات میں، نیز رائے وغیرہ سے اہلِ حدیث مذہب کی مخالفت کرنے والوں سے مناظرہ کرتے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے "مجھے بغداد میں کسی 'ناصر الحدیث' کا نام بتاؤ"۔ امام شافعیؒ کے مناقب، کتاب و سنّت کی اتباع میں ان کی کوشش ـــــ اور اس کی مخالفت کرنے والے کی تردید کے واقعات بہت زیادہ ہیں۔ آپؒ اہلِ حجاز کے مذہب پر تھے۔ آپؒ نے ابنِ جریج کے شاگردوں مسلم بن خالد، زنجی، سعید بن سالم قداح وغیرہ یعنی اہلِ مکہ کے طریقہ پر فقہ حاصل کی، پھر امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچ کر آپ سے موطا پڑھا اور اہلِ مدینہ کے اصول مکمل کئے۔ آپؒ عہدِ نبویؐ سے لے کر امام مالکؒ تک علم، فقہ اور عزت و وقار میں اہلِ مکہ میں سب سے بڑھ کر تھے۔

پھر آپؒ کو اتفاق سے ایک آزمائش کی وجہ سے عراق جانا پڑا۔ آپ محمد بن حسنؒ کے پاس پہنچے۔ ان کی کتب کو نقل کیا اور ان سے مناظرہ کیا۔ امام ابو حنیفہ رحؒ اور ان کے شاگردوں کے اصولوں کی معرفت حاصل کی۔ اہلِ عراق حدیث میں جو کوتاہی کر رہے تھے اس کو دیکھا اور سمجھا۔ پھر آپؒ حجاز واپس تشریف لے آئے۔ اور پھر دوبارہ عراق تشریف لے گئے۔ وہیں آپؒ نے اپنی کتاب "القدیم"، جو "حجہ" کے نام سے معروف ہے لکھی۔ یہیں آپؒ سے امام احمد بن حنبلؒ نے ملاقات کی۔ پھر مکہ میں آپ کی خدمت میں پہنچے۔ پھر آپ کو اسحاق بن راہویہ کے ساتھ اکٹھا کیا گیا ـــــ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں ان دونوں نے مناظرہ کیا۔ آپؒ کی امام ابو یوسفؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ جس نے کسی ایسے سفر کا ذکر کیا ہے، وہ کاذب ہے۔ اس سفر میں آپؒ پر امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ اہلِ علم پر وہ جھوٹ بنائے گئے ہیں، جو اہلِ علم سے مخفی نہیں ہیں۔ ان کو قصہ گو کے جھوٹ کی قسم سمجھنا چاہیئے، جو وہ زیبِ داستان کے لئے گھڑ لیتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے کبھی امام شافعی رحؒ کو ایذا دینے کی کوشش نہیں کی۔ امام مالکؒ کے بارے میں اس جھوٹے سفر کے دوران جو داستان سرائی کی گئی ہے، وہ بھی بے حقیقت ہے۔

پھر امام شافعیؒ مصر تشریف لے گئے اور اپنی کتاب "الجدید" تصنیف فرمائی۔ آپ اپنے خطاب و کتاب میں مذہب اہلِ حجاز کی طرف منسوب ہیں۔ وہ فرماتے تھے "ہمارے بعض اصحاب نے کہا"، اس سے آپؒ کی مراد اہلِ مدینہ یا اہلِ مدینہ کا کوئی عالم مثلاً امام مالکؒ ہوتے تھے۔ آپ دوران

گفتگو فرمایا کرتے تھے "بعض مشرقیوں نے ہماری مخالفت کی ہے" امام مالکؒ کے شاگردوں کے نزدیک امام شافعیؒ، انہی میں سے ایک تھے۔ آپؒ نے مصر میں رہائش اختیار فرمائی کیونکہ وہ لوگ اہلِ مدینہ اور انہی جیسے اہلِ مصر مثلاً لیث بن سعد وغیرہ کے مذہب پر تھے۔

اہلِ مغرب میں بعض لوگ ان بزرگوں کے مذہب پر تھے اور بعض امام اوزاعیؒ اور اہلِ شام کے مذہب پر۔ اہلِ شام، اہلِ مصر اور اہلِ مدینہ کا مذہب آپس میں بہت قرب رکھتا ہے لیکن اہلِ مدینہ سب کے نزدیک زیادہ قابلِ تعظیم ہیں۔

پھر امام شافعی رحمہ اللہ چونکہ علم میں بے حد کوشاں تھے، انہوں نے صحیح احادیث اور دوسرے دلائل کو دیکھا جن کی اتباع واجب تھی اگرچہ وہ آپؒ کے مدنی ساتھیوں کے قول کے خلاف تھے۔ آپؒ نے جو کچھ سمجھا اس کو ثابت قدمی کے ساتھ فرض سمجھ کر لوگوں تک پہنچاتے رہے! آپؒ نے کتاب "الاملاء علی مسائل ابن القاسم" تصنیف فرمائی آپ نے اس میں امام مالکؒ کے ساتھ اپنے اختلاف کو بیان فرمایا۔

امام شافعیؒ نے قابلِ تعریف کردار پیش کیا اور اپنا فرض ادا کیا اگرچہ بعض لوگوں نے اس کو ناپسند کیا اور آپؒ کے درپے آزار ہو گئے اور مصر کی مشہور سخت آزمائش میں ڈالے گئے۔ اللہ تعالیٰ مومن مردوں اور عورتوں کو وہ زندہ ہوں یا فوت شدہ سب کو اپنی مغفرت سے نوازے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ، امام ابو حنیفہ رح کے شاگردانِ رشید ہیں۔ ان کو اپنے استاد سے وہی خصوصی تعلق ہے جو امام شافعیؒ کو امام مالکؒ سے ہے۔ ان دونوں کا اپنے استاد سے تقریباً اتنا ہی اختلاف ہے جتنا امام شافعیؒ کو امام مالکؒ سے ہے۔ انہوں نے دلائل کی بناء پر اختلاف کر کے اپنا فرض ادا کیا ہے۔

امام شافعیؒ نے اپنے پیروکاروں کے لئے کتاب و سنّت کو اصول قرار دیا جو حدیث ان کے نزدیک صحیح ثابت ہو جاتی وہ اس پر فوراً پوری طرح عمل پیرا ہو جاتے۔ عبد اللہ بن حکم نے اپنے بیٹے

سے کہا تھا "اے بیٹے اس (شافعیؒ) کی خدمت میں حاضر رہا کر، وہ ثبوت اور دلیل کے آدمی ہیں۔ اگر تو ان کے سامنے یہ کہے، ابنِ قاسم نے کہا تو یہ ان کے نزدیک ہنسی کی بات ہوگی"۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں "جب میں عراق گیا ایک دن ایک حلقے میں بیٹھا تھا۔ اس میں ابنِ ابو دؤاد بھی تھے۔ میں نے کہا "ابنِ قاسم نے کہا ہے"۔ انھوں نے پوچھا "ابنِ قاسم کون ہے؟" میں نے جواب میں کہا "وہ ایک مفتی صاحب ہیں، جن کا حلقہ اثر مصر سے مغرب کے آخر تک ہے"۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے کہا ——— "اللہ تعالیٰ میرے باپ پر رحم فرمائے ——— اس کا مقصود تیرے اصحاب کے قول کے لئے دلیل کو طلب کرنا تھا۔ تقلید وہاں قبول کی جاتی ہے، جہاں دلیل کی بجائے مقلد کی تعظیم ہو۔ مگر دلیل ہر جگہ قبول کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مجتہد پر واجب کیا ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق بات کرے۔ اللہ تعالیٰ صاحبِ دلیل کو علم و فہم کی خصوصیت سے نوازتا ہے، جو مقلد کو نصیب نہیں لیکن اہلِ مدینہ نبویہ کے جملہ مذاہب اہلِ مغرب و مشرق پر ترجیح رکھتے ہیں۔ اور جامع قواعد سے یہ بات واضح ہوتی ہے"۔

اہلِ مدینہ کے مذہب کی ترجیح میں شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا کلام جس کو ہم نقل کرنا چاہتے تھے، یہاں ختم ہوتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ الاسلامؒ اعتقادِ صحیح، بڑی ذہانت اور فہم کثیر کے مالک تھے جس نے بھی مدینہ منورہ کی فضیلت پر کلام کیا ہے، مجمل طور پر کیا ہے اس کی فضیلت کی دلیل اور سبب بیان نہیں کیا۔ آپؒ کی یہ کتاب بڑے اونچے درجے کی ہے۔ ہم نے جو کچھ اس سے یہاں نقل کیا ہے، اس کا مقصد اس سے بکثرت استفادہ ہے اگر مزید اہلِ مدینہ کے مذہب کے رجحان کو ثابت کرنے والے جامع قواعد کی معرفت مقصود ہے، تو کتاب مذکور کا مطالعہ فرمائیے۔

اس ساری بحث سے ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ جاہل نبہانی ہر قسم کی فضیلت سے عاری ہے۔ وہ اپنی کتاب میں بے سوچے سمجھے ایسی باتیں کرتا جاتا ہے، جس سے کتاب کا حجم بڑھ جائے۔ اس نقل میں نہ تو سمجھ ہوتی ہے، نہ اس پر محاکمہ ہوتا ہے، بلکہ وہ اپنے غالی شیوخ کی اندھی تقلید کرتا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو متبعین میں شمار کرتا ہے اور شیخ الاسلامؒ اور ان کے ہم مسلک لوگوں کو گالی دیتا ہے کہ وہ بدعتی ہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا "اگر ہم سنتے اور سمجھتے تو دوزخیوں میں سے

كُنَّا فِيٓ أَصۡحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ ○ (الملك: ۱۰) نہ ہوتے "

" ابنِ حجر کا ذہنی انتشار "

نبہانی نے ایک فصل میں وہ باتیں اور کام بیان کیے ہیں جن کا کرنا زائر کے لیے نامناسب ہے۔ اس کے ذیل میں اس نے ابنِ حجر اور اس قماش کے دوسرے لوگوں کے متناقض کلام کے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ ذرا اندازہ کیجیے کہ ابنِ حجر نے "تحفہ" اور "الزواجر" میں جو کچھ کہا ہے "الجوہر المنظم" میں اس کی دھجیاں کس طرح بکھیری ہیں" "تحفہ" میں کہا ہے کہ "ایک جماعت نے مصر کی ان عمارتوں کو بدم کرنے کا فتویٰ دیا ہے، جہاں شرک و بدعت کے گناہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر فساد کا خدشہ نہ ہو تو ہمارے امام شافعیؒ کا قبہ جس کو بعض بادشاہوں نے تعمیر کرایا تھا گرا دیا جاتے۔ اور ہر مسلمان کو ان قبوں کو گرانے میں حصّہ لینا چاہیئے "

"الزواجر" میں کہا ہے: "شرک کا سب سے بڑا سبب قبروں کے پاس نماز پڑھنا اور ان کو مساجد بنا لینا ہے۔ جتنے منکرات مزاروں اور قبروں پر ہوتے ہیں، ان کو ہٹانا اور مٹانا واجب ہے۔ قبروں پر تعمیر شدہ قبوں اور مزاروں کو جلد از جلد گرا دینا چاہیئے — وہ مسجدِ ضرار سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں۔ کیونکہ ان کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی پر اٹھائی گئی ہے آپؐ نے تو اس سے روکا اور قبروں کو گرانے کا حکم دیا۔ لہٰذا قبروں پر دیئے، قندیل اور قمقمے سب ختم کر دیئے جائیں۔ ایسی جگہوں کے لیے کوئی چیز وقف کرنا، نذر ماننا اور اس کو پورا کرنا صحیح نہیں ہے۔

" الزواجر" میں یہ بھی ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک قبروں کو مساجد اور عبادت گاہ بنا لینا ہے۔ اسی طرح ان پر دیئے جلانا، ان کو بت بنانا، ان کا طواف کرنا اور ان کی طرف نماز پڑھنا سب کبیرہ گناہ ہیں۔"

مگر "الجوہر المنظم" میں اپنی ان ساری باتوں کو خود توڑ "تحفہ" اور "الزواجر" میں جن کاموں کو کبیرہ گناہ، اسبابِ شرک بتایا تھا، ان کو جائز کر دیا۔ یہاں تک کہ قبروں کو سجدہ کرنا اہلِ حال کے لیے جائز کر دیا، اور اتنا غلو کیا کہ غالیوں کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں اگر ہمیں طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم اس کے سارے کلام کو نقل کرتے۔ کتاب عام دستیاب ہے۔

پھر نبہانی نے ایک اور باب قائم کیا ہے جس میں چار فصلیں ہیں۔ ان میں اس نے رسولِ کریم ﷺ سے استغاثہ کی مشروعیت کو بیان کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

پہلی فصل میں وہ احادیث بیان کی ہیں جن میں ذکر ہے کہ لوگ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ سے استغاثہ کرتے تھے۔

دوسری فصل میں قیامت کے دن شفاعت کی احادیث ہیں۔

تیسری فصل میں بعض علماء کی تحریریں اور کلام ہے جس میں انہوں نے رسولِ کریم ﷺ سے استغاثہ کی مشروعیت ثابت کرنے کی بے سود کوشش کی ہے۔

چوتھی فصل میں مؤلف کی طرف سے اس مسئلے کی وضاحت ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں توفیق کا اختیار ہے کہ:

اس کی ساری گفتگو جھوٹ، افتراء اور بطلان پر مشتمل ہے جس کو اس نے خواہ مخواہ طول دیا ہے۔ اس کی عبارت غلط، تراکیب نادرست، طرزِ تعبیر لچر ہے پوری کتاب جہالت و جھوٹ کے اندھیروں سے اٹی ہوئی ہے۔ اگر ہم سب پر گفتگو کریں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی اور قلم تھک جائے گا۔

نبہانی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن غالیوں میں سے ایک بڑا غالی ہے۔ اس کی گفتگو ساری کی ساری باطل، جہلِ مرکب اور اہلِ حق پر تہمت ہے۔ اس میں ایک جملہ بھی حق کے مطابق نہیں ہے سب تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے اپنے دین کے دشمنوں کو ذلیل کر کے ان کو اپنے اولیاء اور نیک بندوں کے لئے عبرت کا سامان بنا دیا!

"استغاثہ کی مشروعیت"

یہ تفصیل طلب مسئلہ ہے بعض محققین کے بیان کے مطابق "استغاثہ بالشئی" کا معنی کسی چیز سے فریاد رسی چاہنا، اور اس سے مدد کے لئے چیخ و پکار کرنا ہے جس طرح "استعانت" کا معنی اس سے مدد چاہنا ہے جب کوئی فریاد کرنے والا فریاد رسی کرنے والے کو نداء کرے تو یہ اس کی طرف سے سوال

ہوتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ اس کو دوسرے کے پاس وسیلہ نہیں بناتا کیونکہ قاعدہ یہ ہے، جب کوئی کسی کو دوسرے کے پاس وسیلہ بناتا ہے تو فریاد کو پہنچنے والے کو یوں کہتا ہے کہ "میں فلاں کے وسیلے سے آپ سے فریاد رسی چاہتا ہوں"۔ سوال اس کے سامنے ہوگا۔ اور شکایت کا تعلق بھی اسی سے ہوگا جس سے مدد چاہی جاتی ہے۔ وہ مخاطب نہیں ہوگا۔ وہ اس سے یہ نہیں کہے گا "میں آپ سے اُمید رکھتا ہوں اور آپ سے مدد طلب کرتا ہوں، بس آپ سے ارادہ رکھتا ہوں"۔ بلکہ یوں کہے گا "وہ میرا میرے رب کے پاس وسیلہ ہے"۔ اگر ایسے ہی ہو جیسے کہ وہ کہتا ہے تو اس نے متوسل الیہ (جس کے حضور وسیلہ پیش کیا جائے) کی قدر نہیں پہچانی۔ اس نے اُمید غیر سے کی، بھروسہ غیر پر کیا، پناہ غیر کی حاصل کی۔ یہ عرب کے استعمال کے خلاف ہے جو شخص کہتا ہے "میں تنگ تھا، میں نے صاحب قبر کے وسیلے سے استغاثہ کیا تو میری تنگی دور ہو گئی" یہ کلام صاف بتاتا ہے کہ اس نے قبر سے مدد طلب کی تھی۔ اس کے کلام سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے اس کو وسیلہ بنایا تھا۔ یہ اس کلام سے مترشح ہوتا ہے، جس میں یوں کہا جائے کہ "میں نے فلاں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ بنایا" یا "فلاں کے ذریعے میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی" یا اپنے فریاد رس کو یوں کہنے "میں فلاں کے وسیلے سے آپ سے مدد طلب کرتا ہوں" اس صورت میں باء کا مدخول وسیلہ و ذریعہ ہوگا۔ یہ مطلب اس طرح ادا نہیں ہوتا، جب اس طرح کہا جائے: "استغثت بفلان یعنی میں نے فلاں سے مدد چاہی" اس سے وسیلے کا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ خصوصاً جب اس کو پکارا جائے، اور اس سے سوال کیا جائے بلکہ یہ تو نص ہے کہ باء کے مدخول سے مدد طلب کی گئی ہے، طلبِ وسیلہ نہیں ہے۔ دُعا۔ اور امید رکھنا اور التجاء کرنا ایسے قرائن ہیں، جو قوی اور عادل شاہد ہیں۔ ان کی شہادت سے بے نیازی اور اعراض نہیں کیا جا سکتا۔ یہ استغاثہ، یہ سوال کے ساتھ مسئول کی طرف قلبی توجہ اور یہ انابت مسلمانوں کے لئے ممنوع ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت میں سے کسی کے لئے بھی اس کو مشروع نہیں کیا۔

کیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس زمانے میں یا آپ کے بعد اس زمانے میں، جس کے رہنے والوں کی نجات اور سچائی کی گواہی دی گئی ہے۔ جو یقیناً ان مطالب کو ہم سے بہت زیادہ جانتے تھے، اس قسم کی پسندیدہ چیزوں کو حاصل کرنے میں بڑے حریص تھے۔ کیا تم نے سُنا کہ انہوں نے کسی ہستی سے اپنی پریشانی کو دور کرنے کے لئے استغاثہ کیا ہو، جس کو اللہ

کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا؟ یا وہ اپنے استغاثے کو مالک الامور تک ہی محدود رکھتے تھے۔ اور انہوں نے اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کی؛ ان پر آپ ﷺ کی زندگی مبارک میں بڑے بڑے مصائب آئے اور وہ سخت حادثات سے دوچار رہے تو کیا ان میں سے کسی نے رسولِ اکرم ﷺ سے استغاثہ کیا یا کہا کہ "اے رسول اللہ ﷺ! ہم آپؐ سے فریاد رسی چاہتے ہیں"۔ یا انہوں نے، جب ان کے دل پریشانیوں کی وجہ سے تنگ ہو گئے آپؐ کی قبر شریف سے جو سید القبور ہے۔ سے پناہ چاہی؟ اس کا ثبوت کبھی پیش نہیں کیا جا سکتا؛ وہاں صورتِ حال اس کے بالکل الٹ تھی۔ اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کی اور ان سے راضی ہوا ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

" اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ۔ الآیۃ![1]" "جب تم اپنے رب سے فریاد رسی کی درخواست کر رہے تھے اس نے تمہاری دُعا۔ قبول فرمائی"۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بیان فرما دیا کہ استغاثہ خصوصی دُعا، اور سب سے روشن التجا ہے وہ سائل کے لوازمات میں سے ہے؛ جو دوسرے سے مدد طلب کرنے کے لئے بے چین ہوتا ہے وہ استغاثے کے وقت ظاہری اور باطنی مزید احسان کے لئے ندا کرتا ہے۔ اپنی بے چینی میں غیر اللہ سے استغاثے کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے "توحید فی التصرف" کی دولت کو ضائع کر دیا۔

اگر کوئی کہے کہ جن کے وسیلے سے فریاد رسی چاہی جاتی ہے، ان کو کسبی اور سببی قدرت ہوتی ہے اس لحاظ سے اس کی طرف استغاثے کی نسبت کر دی جاتی ہے۔

تو ہم کہتے ہیں، ہماری گفتگو ایسی ہستی سے مددطلبی کے بارے میں ہے جس کے متعلق علم ہو کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں ہے؛ یا ایسی چیز کے سوال کے بارے میں ہے جس کو دینے یا رد کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے؛ اس کے سوا تعاون کی دوسری صورتوں میں، یا آپس میں ایک دوسرے سے مدد طلب کرنے کی ممانعت کے ہم قائل نہیں ہیں جس طرح کہ ہم پہلی صورت کے جواز کو شرک اور گمراہی تصور کرتے ہیں، اسی طرح دوسری صورت سے روکنا مجنونانہ حرکت ہے۔ اگر کسی کو قدرتِ کسبیہ حاصل بھی ہو تو وہ پھر بھی اپنے رب کی مشیت سے آزاد نہیں ہو سکتا جن امور میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں، ان میں کسی دوسرے سے کسی رنگ میں فریاد رسی کی درخواست جائز

---

[1] الانفال: ۹

نہیں ہے نہ اس سے استعانت جائز ہے، نہ اس پر توکل جائز ہے۔ ایسے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے التجاء درست نہیں ہے۔ اب کسی زندہ یا مردہ کو قریب یا بعید کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مجھے رزق دے، یا مجھے مار ڈال، یا میرے مُردے کو زندہ کر دے، یا میرے مریض کو شفاء بخش وغیرہ یا دوسرے افعال، جو صرف ایک بے نیاز اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں۔

ہاں : جس کو قدرتِ کسبیہ حاصل ہو گی، اس کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ اس سے وہی چیز حاصل کی جائے گی، جس کا اللہ تعالیٰ نے اس کو اہل بنایا ہے مثلاً سامان اٹھوانا وغیرہ قرآنِ حکیم صاف صاف بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی زندہ یا مُردہ سے، انبیاء ہوں یا اولیاء وغیرہ، دعا کرنا حرام ہے۔ اس دُعا میں استغاثہ کا لفظ استعمال ہو یا نہ، جو امور بندوں کی قدرت سے باہر ہیں، وہ صرف قادر و توانا، انسانوں کے خالق اللہ ہی سے مانگے جائیں۔

غیر اللہ سے کیسے دُعا کی جاسکتی ہے، جبکہ دعا عبادت ہے۔ اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے کسی بھی دوسرے کو یہ حق دینا بہت بڑا ظلم اور شرک ہوگا۔ اللہ سے دُعا ہے کہ وہ ہم پر اپنے فضل وکرم سے اپنے عفو و رضوان کی بارش برسائے۔ عبادت میں توحید کی پابندی خالص ایمان ہے۔ اور اس سے ادھر ادھر ہونا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور ذلت کا سامان ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ استغاثہ اور "استشفاع بغیر اللہ" کے شرک ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ یہ گناہ بخشش کے لائق نہیں ہے۔ اس کا مرتکب اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتا ہے۔ اگر وہ توبہ و استغفار نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق قتل کے لائق ہے۔

استغاثہ، استعانت اور توکل، توحید، جو بندوں سے مطلوب ہے، کے عظیم درخت کی ہی شاخیں ہیں۔

اعتراض

یہاں ایک سوال باقی رہ گیا ہے جو جواز کے قائل، مانعین پر وارد کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ جو کوئی غیر اللہ کی عبادت کرے، وہ مشرک "حلال الدم والمال" ہے۔ اور جو دُعا، اللہ سبحانہ کے ساتھ مخصوص ہے، وہ عبادت ہے۔ بلکہ وہ عبادت کا مغز ہے لیکن ہم یہ ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ ان سے مدد طلب کرنا، جن کے ذریعے فریاد کی جاتی ہے، مطلق شرک ہے۔ یہ شرک تب ہوتا جب مستغیث کا یہ اعتقاد ہوتا کہ وہ اس کی تخلیق و ایجاد کے فاعل ہیں پھر وہ قطعی اعتقادی شرک

ہوتا مگر جو ان کو کسب وسبب کے طور پر فاعل ہونے کا اعتقاد رکھے تو ہم اس کو شرک نہیں مانتے اگر مان لیں تو ان سے مدد طلب کرنے اور ان کی ندا سے مراد ان کا اور ان کی جاہ کا وسیلہ مقصود ہوتا ہے اگرچہ ظاہری الفاظ میں ان سے مدد طلب کی جاتی ہے اور ان کو پکارا جاتا ہے ، لیکن مستغیث کا مقصد رب کے حضور ان کی سفارش اور ان کا وسیلہ ہوتا ہے .آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ کے حضور میں سب سے بڑا وسیلہ ہیں اور ہمیں خود اللہ سبحانہ نے وسیلے کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے :

"وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ" "اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو" اب تم کیسے اس کو حرام بلکہ ملت سے خارج کرنے والا شرک قرار دیتے ہو مسلمانوں کے دلوں میں یہی مفہوم ہوتا ہے ۔اس طرح تو اکثر لوگ بغیر کسی شک وشبہ کے تکفیر کا شکار ہو جائیں گے ۔ اور جو لوگ کلمہ گو ہیں ، شعائر اسلام کے پابند ہیں نماز پڑھتے ہیں اور اذان دیتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں ۔ حج کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں اور جو امور دین اللہ و رسول سے حاصل ہوں ان کو پورا پورا قبول کرتے ہیں ۔ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علو مرتبت کو اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنے نبی کو راضی کرنے کا وعدہ کیا ہے اس کو مانتے ہیں :

"وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" "تیرا رب تجھے عطا کرے گا پس تو راضی ہو جائیگا"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے وسیلہ بن کر راضی ہوں گے تاکہ لوگ اپنے شوق کے کاموں کو آپ کے ذریعے حاصل کر سکیں ۔ تمہارے کلام اور اقوال میں یہ چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن سے محبت کرنا اپنی جانوں کی محبت سے زیادہ واجب ہے کے حق میں گستاخی و بے ادبی ہے ۔

جواب

تمہارے پہلے اعتراض سے کہ "مدد چاہنے والے کے ظاہری کلام میں اگرچہ غیر اللہ سے مدد چاہنا ظاہر ہو مگر اس سے مقصود توسل ہی ہوتا ہے" یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شرک صرف اعتقادی ہوتا ہے اور وہ اس وقت تک کفر نہیں ہوتا جب تک اعتقاد کے مطابق نہ ہو ۔ اس بات کا تقاضا یہ ہے کہ شریعت کے سب دروازے بند کر دیئے جائیں اور ان ابواب کو مٹا دیا جائے جن کو فقہاء نے بیان کیا ہے یہ کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ خود اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

"وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ ـــــ الآیۃ![1]" "اور انہوں نے یقیناً کلمہ کفر بولا ہے اور وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے ہیں!"

"أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ[2] - الآیۃ!" "کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسولؐ کے ساتھ ہنسی کرتے ہو؟ ـــــــ بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو!"

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات از راہِ مزاح کہی تھی۔ علماء نے بھی اسی طرح بہت آسان الفاظ اور ایسے افعال کی وجہ سے، جو اس سے کمتر ہیں تکفیر کی ہے اگر یہ دروازہ کھول دیا گیا تو پھر تو ہر شخص کے لئے ممکن ہو گا کہ وہ ایسی گفتگو اور کلام کرے، جس سے وہ مرتد ہو جائے پھر کہہ دے "تم میرے مرتد ہونے کا حکم کیوں لگاتے ہو؟" پھر وہ اپنی بات میں بعید سا احتمال پیدا کر کے کفر سے اور مرتد ہونے سے بچ جائے اور توبہ کی اس کو ضرورت نہ پڑے۔ اور اس پر ملامت نہ کی جا سکے پھر جس کے جی میں جو آئے گا، کہتا پھرے گا۔ اس کی وجہ سے حدِ قذف سے متعلق الفاظ بھی بے معنی ہو کر رہ جائیں گے۔

اسی طرح کفارۂ یمین، ظہار اور نکاح و طلاق وغیرہ معاملات کے متعلق سب الفاظ بے نتیجہ ٹھہریں گے اور کسی لفظ سے کوئی حکم نافذ نہیں ہو سکے گا، اگرچہ الفاظ اپنے اصلی معانی اور مفہوم ادا کر بھی رہے ہوں جب تک متکلم ان معانی کا ارادہ نہ کرے۔

تمہاری یہ بات کہ آپؐ سب وسائل سے افضل و اشرف وسیلہ ہیں، درست اور سچی بات ہے مگر اس کو غلط مقصد کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً تم کہتے ہو کہ آپؐ عظیم جاہ کے مالک ہیں اور اس مقام پر فائز ہیں جہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا تو ہم تم سے اس مقام کے زیادہ لائق ہیں۔ کیونکہ ہم آپؐ کے اقوال و افعال کے متبع ہیں اور ہر حال میں آپؐ کی اقتداء کرتے ہیں، آپؐ کے آثار کے پیروکار ہیں۔ اور آپؐ کی خبروں پر یقین کرتے ہیں آپؐ ہمارے نبیؐ اور اسلام کی راہوں کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں اور ان ظالم اور ذلیل لوگوں کی ہلاکت گاہوں سے ہمیں اپنی رسالت کے ذریعے بچانے والے ہیں ہم

---

[1] التوبۃ: ۷۴، [2] التوبۃ: ۶۵، ۶۶

صرف آپؐ کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ آرام اور تکلیف میں، نفع و نقصان میں یعنی ہر حالت میں آپؐ کے احکام کو بجا لاتے ہیں۔

آپؐ نے ہم پر واجب کیا ہے کہ مومنوں کے راستے کی اتباع کریں اور ہمیں "غلو فی الدین" سے منع فرمایا ہے اگر ہم غلو کریں گے تو سیدھی راہ سے ہٹ جائیں گے اور بڑا نقصان کر بیٹھیں گے۔

وہ راہ کیسے اچھی ہو سکتی ہے جو شرک تک پہنچائے ہو منوں کے لئے وہ سمت کیسے لائق ہے، جس کی راہ پیچیدہ ہو، یہ ہمارے نیک متقدمین کی راہ ہے اور یہی عقیدہ پسندیدہ اور صحیح ہے نبی اکرم ﷺ آپؐ پر ہماری جانیں قربان ہوں، اس بات یا کام کو کبھی پسند نہیں کرتے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ آپؐ کو تو اللہ تعالیٰ نے آپکے اقوال و افعال سے توحید کی حمایت کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کے اخلاق کے متعلق فرمایا ہے کہ آپؐ کے اخلاق قرآن ہی ہیں۔ یعنی آپؐ اللہ تعالیٰ کی رضا کو پسند فرماتے اور اس کی ناراضگی سے ناراض ہوتے ہیں۔ اب ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا ہی ایک وسیلہ ہے، جو ذلت و محتاجی اور حمد و ثناء کے اصولوں پر مشتمل ہو۔ یہی وہ وسیلہ ہے، جس کو اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس کو افضل الوسائل قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا، اس سے چونکہ ہماری عبدیت کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، اس لئے یہ عبادت کا مغز ہے یہی سلف صالحین کا عقیدہ تھا اور یہی صحیح اور راجح عقیدہ ہے۔

"وسیلہ کی بحث"

علماء اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء و صفات اور افعال کے ساتھ اور اپنے صالح اعمال، جو محض اس کے فضل و کرم سے ہم کر سکیں کے ساتھ سوال کرنا مستحب ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا بڑی ہستیوں اور جگہوں اور اوقاتِ شریفہ کو وسیلہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

عزبن عبد السلام اور اُن کے پیروکار نبی کریم ﷺ کی جہاں صحیح حدیث ہو وہاں آپؐ کے علو مرتبت کی وجہ سے آپؐ کے ساتھ توسل کو جائز سمجھتے ہیں اور کسی دوسرے کی ذات کا توسل جائز نہیں سمجھتے۔ باقی سب جگہ عدمِ جواز کے قائل ہیں۔

حنابلہ کے نزدیک صحیح ترین ہے کہ توسّل بالذّات مکروہ تحریمی ہے۔

فقہائے حنفیہ نے بشر بن ولید سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: "میں نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے سنا فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کسی کو لائق نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس کے سوا کسی اور کے ساتھ پکارے" ان کی اہم کتابوں میں ہے کہ دعا کرنیوالے کا انبیاء ورسلؑ، نیز بیت اللہ اور مشعر حرام کے حق کے ساتھ توسل، مکروہ تحریمی ہے۔ قدوری نے کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ سے مخلوق کے حق کے ساتھ سوال کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ" لَا حَقَّ لِلْمَخْلُوْقِ عَلَى الْخَالِقِ" یعنی مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے" جن احادیث میں سائلوں کے حق کا اور نبی کریمؐ اور پہلے انبیاء کے حق کا ذکر ہے' وہ کمزور ہیں۔ اگر ان کو مان بھی لیا جائے تو اس حق سے مراد وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر خود واجب کیا ہے۔ اور یہ اس کا اپنا فعل ہے کیونکہ سائلوں کا حق' ان کی دُعاء کا قبول ہونا" ہے۔ اطاعت کرنے والوں کا حق، "ثواب" ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام کا حق یہ ہے کہ اس مقدس جماعت کو قرب وفضیلت کی خصوصیات سے نواز اجائے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

"وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ[1]" "ہم پر مومنوں کی مدد لازم ہے"

"وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ[2]" "جو وعدہ تورات انجیل اور قرآن مجید میں ہے اس کو پورا کرنا اس پر لازم ہے)!"

"كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ[3]" "تمہارے رب نے اپنے آپ پر رحمت کو واجب کر لیا ہے"

اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ" "اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ وہ ان کو عذاب نہ کرے"

اعمال کے ساتھ سوال کرنا سب سے بڑا وسیلہ ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔ نیک کاموں کی طرف

---

[1] الروم: ۴۷ [2] التوبۃ: ۱۱۱ [3] الانعام: ۵۴

چل کر جانا، اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجا لانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ[1] الاٰیة" — "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف (نیک اعمال کا) وسیلہ تلاش کرو"

جو شخص ان دعاؤں کا مطالعہ کرے گا جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں، وہ ان کو ہمارے بیان سے باہر نہیں پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دعا کا ذکر فرمایا:

"رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا[2] الاٰیة" — "اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا جو ایمان کے لئے پکار رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے"

اِنَّهٗ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ[3] — "میرے بندوں میں سے ایک گروہ دعا کیا کرتا تھا، "اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے۔ تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے"

اللہ تعالیٰ نے حواریوں کی دعا ذکر کی:

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ[4] — "اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل کیا اور رسول کی اتباع کی پس تو ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ دعا کیا کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ اَمَرْتَنِیْ فَاَطَعْتُکَ وَ دَعَوْتَنِیْ فَاَجَبْتُکَ فَاغْفِرْلِیْ" — "اے اللہ! تو نے حکم دیا، میں نے مانا، تو نے پکارا، میں نے قبول کیا پس مجھے بخش دے"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں جو علماء نے جمع کی ہیں، اسی طرز کی ہیں جو کچھ اس کے خلاف ہے، وہ

---

[1] المائدۃ: ۳۵ [2] آل عمران: ۱۹۳ [3] المؤمنون: ۱۰۹ [4] آل عمران: ۵۳

جادۂ صواب سے ہٹا ہوا ہے۔ اسے مخاطب! اپنے نبی مصطفیٰ ﷺ کی اتباع کر! اغلاط سے محفوظ رہے گا۔ یہ وسیلہ بالذات کے مانعین کی تحریر و تقریر ہے"، پھر انہوں نے مجوزین کے استدلال کا جواب دیا ہے! اگر آپ کو اس کی تفصیل کی ضرورت ہو تو کتاب "العقد الثمین"، کا مطالعہ کیجیے۔

اس کلام کو نقل کرنے سے بات صاف ہو گئی ہے کہ جس کام کی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت حاصل نہیں، اس میں استغاثہ بالمخلوق بالکل ناجائز ہے۔ استغاثہ دُعا ہے اور دُعا عبادت ہے۔ بلکہ عبادت کا مغز ہے! غیر اللہ کی عبادت نہیں کی جا سکتی، بلکہ وہ اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ جب لوگ قحط اور خشک سالی میں مبتلا ہوں تو یہ کہنا جائز نہیں کہ "یا رسول اللہ ﷺ، قحط و خشک سالی کو دُور فرمائیے" جب لوگوں میں بلاء یا وبا پھیل جائے تو یہ کہنا ناجائز ہے کہ "یا رسول اللہ ﷺ یا جبریل یا میکائیل، ہم سے بلاء و وبا کو دور فرمائیے" جب کوئی بیمار ہو تو یوں کہنا جائز نہیں کہ "یا رسول اللہ ﷺ! مجھے شفا اور تندرستی عطاء فرمائیے"۔ اسی طرح کسی اور سے بھی اس قسم کی دعاء کرنی ناجائز ہے۔ کسی تنگدست کو جائز نہیں کہ وہ رسول اکرم ﷺ یا کسی اور سے کہے: "مجھے رزق دیجیے یا مجھے اولاد بخشئے"۔ جب کوئی سمندر یا خشکی میں کسی بلا میں پھنسا ہو تو یہ کہنا ناجائز ہے، "یا رسول اللہ ﷺ! مجھے لیجیے" یا "میں آپ کے حضور التجاء کرتا ہوں" یا "آپ کی خدمت میں فریاد کرتا ہوں" وغیرہ! یہ سب باتیں شرک ہیں اور دین سے نکال باہر کرنے والی ہیں، کیونکہ وہ غیر اللہ کی عبادت ہے ہم اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں کہ اس مسئلے میں قدم ڈگمگا جاتے ہیں! پہلے ہم عبادت کا معنیٰ بیان کرتے ہیں، پھر الوہیت کے خصائص کو بیان کریں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق کی بھیک مانگتے ہیں!

عبادت

لغت میں عبادت کا معنیٰ ذلت و انقیاد ہے اور اصطلاحِ شریعت میں ہر ظاہری اور باطنی قول و عمل عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب و پسند ہو۔ مثلاً توحید فی نفسہٖ عبادت ہے۔ نماز، زکوٰۃ، حج روزہ، وضو، صلہ رحمی، ماں باپ سے حسنِ سلوک، دعاء، ذکر، قرائت، اللہ تعالیٰ کی محبت اور خشیت اور اس کی طرف انابت، اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت، اس کے حکم پر صبر، اس کی نعمتوں کا شکر، اس کے فیصلہ

پر راضی ہونا، اس پر توکل، اس کی رحمت کی امید، اس کے عذاب کا خوف وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کو محبوب و پسند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا اور لوگ اس عبادت میں لگ گئے۔ علامہ عمر بن عبد الرحمٰن فارسی "فی کشفہ علی الکشاف" (للزمخشری) میں زیر آیت:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ۔ الآیۃ" (البقرۃ: ۲۱) — "اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا فرمایا۔"

فرماتے ہیں: "یہ مشرکین اہل مکہ کو خطاب ہے" حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے "جو خطاب "يَا أَيُّهَا النَّاسُ" سے ہو وہ مکی ہے اور جو "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" سے ہو وہ مدنی ہے"۔ فرماتے ہیں کہ "عبادت کا اطلاق جوارح کے اعمال پر ہوتا ہے جو ثواب کی نیت سے کئے جائیں۔ آپ کا یہ ارشاد بھی اس میں داخل ہے:

"لَفَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ" — "ایک فقیہ (دین کی سمجھ رکھنے والا) شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے"۔

اس معنی کے لحاظ سے عبادت "ایمان بمعنی تصدیق و نیت و اخلاص" کے علاوہ دوسری چیز ہے۔ ہاں البتہ وہ اس کے ساتھ مشروط ضرور ہے! کبھی اس کا اطلاق عبدیت کے تحقق پر بھی ہوتا ہے، ان حکموں کو بجالانے سے جن کا اللہ جل و علیٰ نے حکم دیا یا ان سے منع فرمایا! اس تعریف کے مطابق اعمال اور قلبی عقائد بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں اور ایمان بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ وہ بھی فی نفسہٖ عبادت ہے، اور سب عبادات میں شرط ہے۔ انتہیٰ"۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ "شرح منازل السائرین" میں یوں رقمطراز ہیں کہ "عبادت میں دو باتیں اصولی ہیں۔ انتہائی عاجزی اور ذلت! نیز انتہائی محبت۔ عرب کہتے ہیں "طریق معبّد" یعنی "روندا ہوا اور چالو راستہ" اور "تعبّد" بے حد ذلت اور عاجزی ہے۔ اگر کسی سے محبت تو ہو مگر اس کے سامنے عاجزی نہ ہو تو یہ اس کی عبادت نہ ہوگی۔ اور جس کے سامنے عاجزی تو ہو مگر محبت نہ ہو یہ بھی عبادت نہ ہوگی۔ عبادت میں محبت و خضوع دونوں باتوں کا ہونا لازم ہے"۔

اپنی اسی شرح میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ "دل، زبان اور جوارح میں سے ہر ایک کے لئے عبودیت کے مراتب اور احکام ہیں۔ دل کے واجبات میں سے بعض پر اتفاق ہے اور بعض میں اختلاف

ہے جن باتوں میں اتفاق ہے وہ یہ ہیں : اخلاص، توکل، محبت، صبر، انابت، خوف، رجاء، تصدیق اور عبادت کی نیت وغیرہ یہ اخلاص پر قدرِ زائد ہے۔ اخلاص یہ ہے کہ معبود کو اس کے غیر سے اکیلا اور الگ کرنا عبادت کی نیت کے دو مراتب ہیں ① عبادت کو عادت سے جدا کرنا ② عبادت کے مختلف مراتب میں فرق کرنا تینوں اقسام واجب ہیں۔ اسی طرح صدق ہے اس میں اور اخلاص میں فرق یہ ہے کہ ایک بندے کی مطلوب اور دوسری طلب ہے یعنی اخلاص اپنے مطلوب کی توحید ہے اور صدق توحیدِ طلب ہے۔ اخلاص میں مطلوب منقسم نہیں ہوتا اور صدق میں طلب منقسم نہیں ہوتی!۔ "صدق" کوشش کو صرف کرنا "اخلاص" مطلوب کو الگ کر لینا ہے۔

مجملاً دل پر ان اعمال کے وجوب سے پوری اُمت اتفاق رکھتی ہے۔ یہی حال عبودیت میں خیر خواہی کا ہے۔ اور اس پر دین کا دار و مدار ہے اس سے مراد عبودیت کو رب کے پسندیدہ اور محبوب طریقے کے مطابق پوری کوشش سے انجام دینا ہے۔ یہ بنیادی لحاظ سے واجب ہے۔ اور اس کا کمال مقربین کا مرتبہ ہے۔ ان واجباتِ قلبیہ میں سے ہر ایک کے دو کنارے ہیں۔ ایک واجب مستحق ہے جو اصحاب الیمین کا مرتبہ ہے۔ اور ایک کمال مستحب جو مقربین کا مرتبہ ہے" یہاں ان کی عبودیت قلب کے بارے میں گفتگو ختم ہوئی! اس کے بعد عبودیتِ زبان اور اس کے واجبات و مستحبات اور عبودیت جوارح اس کے واجبات و مستحبات بیان کئے ہیں۔ جو شخص عبادت کی اقسام پر غور و فکر کرے گا اُس پر ان کو پہچاننا آسان ہو جائے گا۔ سیدھی راہ کی طرف ہدایت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ملتی ہے!

دل اور جوارح کے جو کام عبادت کے ہیں وہ صرف ایک معبود (اللہ تعالیٰ) تک ہی محدود ہیں۔ اگر کوئی غیر اللہ کے لئے نماز پڑھے یا روزہ رکھے کہ وہ اس کا "تقرب" اور "رضا" حاصل کرے، تو وہ سب کے نزدیک کافر اور مشرک ہوگا۔ یہی حکم اس کا ہے جو مذکورہ اعمالِ قلبی توکل، انابت اور خوف و رجاء وغیرہ کے ذریعے کسی کا تقرب چاہے! — یہ قلبی امور عبادت ہیں۔ پہلے لوگ ان کے ساتھ عبادت کرتے تھے اور جس کی ان کے ساتھ عبادت کرتے تھے اس کو اِلٰہ (معبود) کہتے تھے۔ ان سب کا مرکز دل ہے اور اس کے اعمال توحید کا منبع اور اس دین کا مصدر ہیں۔ شک و یقین کا مرجع بھی یہی ہے۔

اس کے باوجود یہ معبودِ حق جو ان اعمال کے ساتھ ہمیشہ مخصوص ہے۔ غیر معبودِ باطل جس کے موحد قریب بھی نہیں پھٹکتا کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ یہی تخصیص کا داعی اور ناقابلِ تاویل ہونے

کا موجب ہے۔ یہاں گفتگو اس شخص کے بارے میں ہو رہی ہے۔ جو ان قلبی اعمال کے ذریعے جو مسلمانوں کے ساتھ مختص نہیں ہیں، عبادت کرتا ہے اور وہ اس کے دل اور عقل میں پختہ ہو چکے ہیں۔

یہ ظاہری شرعی اعمال جو مسلمانوں کے ساتھ ہی مخصوص ہیں، کوئی ان کو غیر اللہ کے لئے نہیں کرتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عمل صرف ایک اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں اور مسلمان ان کے ذریعے صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ بعض قلبی اور بدنی اعمال کو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص کرنے کا یہی موجب ہے۔ مثلاً سجدہ کرنا، سر منڈانا عبادت ہے۔ ورنہ سب قلبی اور قولی عبادات صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور کسی غیر کے لئے جائز نہیں ہیں۔

محقق علامہ تفتازانی اپنی "شرح المقاصد" میں لکھتے ہیں "یقین کیجئے کہ توحید کی حقیقت الوہیت میں کسی کو شریک نہ بنانا ہے۔ اہلِ اسلام میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اجسام کو پیدا کرنا کائنات کی تدبیر کرنا، اور عبادت کا استحقاق اس کی خصوصیات میں سے ہیں"۔ اس بحث کے آخر میں فرمایا "مختصر یہ کہ الوہیت میں توحید کا عقیدہ شرعاً اور عقلاً، جبکہ استحقاقِ عبادت میں شرعاً واجب ہے: وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا۟ إِلَٰهًا وَٰحِدًا ۖ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ ؕ کہ" ان کو صرف ایک معبود کی عبادت کا حکم تھا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک ہے مشرکوں کے شرک سے"۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ "العبودیت"، لکھا ہے جس میں عبادت کے معنٰی کی تحقیق فرمائی ہے۔ بہت مفید رسالہ ہے۔ اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

"الوہیت کے خصائص"

علامہ قرافی نے اپنی کتاب "الفروق" میں فرمایا ہے کہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ توحید بالتعظیم تین اقسام کی ہے: جو بالاجماع[1] واجب ہے اور جو بالاجماع[2] واجب نہیں ہے اور جس[3] میں اختلاف ہے کہ کیا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید واجب ہے یا نہیں؟

قسمِ اوّل

جس تعظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید بالاجماع واجب ہے وہ مثلاً مختلف قسم کی نمازیں،

فرض، نفل، اور نذر کے لحاظ سے مختلف روزے، ان میں سے کوئی چیز بھی غیر اللہ کے لئے کرنی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حج وغیرہ دوسرے اعمال ہیں۔ مثلاً استغاثہ، استعانت اور التجا۔ پیدا کرنا، رزق دینا، مارنا اور زندہ کرنا، اٹھانا، سعادت و شقاوت، ہدایت اور گمراہی، اطاعت و معصیت، فراخی و تنگی اس قسم کے تمام امور میں ہر کسی پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتقاد رکھے۔ اور فی الحقیقت ان امور میں اس کے ایک ہونے کا عقیدہ رکھے۔ اگر ان میں سے کسی کو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جائے، تو وہ عادتاً اور سبب کی بنا پر ہوگا ______ نہ یہ کہ جس کی طرف اشارہ ہو، اس نے فی الحقیقت اس کو بنایا ہے۔ مثلاً "اس کو زہر نے قتل کر دیا، آگ نے اس کو جلا دیا، پانی نے اس کو سیراب کر دیا۔" ان میں سے کوئی بھی حقیقی فاعل نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے مطابق اس کو ان اسباب سے مربوط کر دیا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو ان مسببات کو ان اسباب سے مربوط نہ کرتا۔ مسببات کو اسباب کے وجود پر پیدا کرنے والا وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ اسباب بذاتِ خود موجد نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کرتے تھے۔ اس کا بھی مفہوم یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارادہ فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ اور بیماروں کو تندرست کرتا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ فاعلِ حقیقی نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ اصل خالق تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ یہ ہے کہ ان کے ارادے سے مُردوں کو زندہ اور کوڑھی اور اندھے کو اللہ تعالیٰ تندرست کر دیتا تھا۔ دوسرے لوگ ارادہ کریں بھی تو ان کے ارادے سے یہ چیزیں وقوع پذیر نہیں ہوتیں۔ ان کے ارادے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا یقینی واقع ہو جانا ان کا معجزہ ہے۔ جتنے بھی انبیاء علیہم السلام و اولیاء کے معجزے اور کرامات ہیں، وہ سب اسی طرح ہیں یعنی ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ایسے ہی عبادت اور الوہیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا استحقاق اور اس کی صفات کا عام تعلق لازمی ہے۔ اس کے علم کا تعلق سب معلومات سے ہے۔ اور اس کے ارادے کا ساری کائنات سے اور اس کی نظر کا تعلق سب فانی اور باقی موجودات سے، اور اس کے کان کا سب آوازوں سے تعلق ہے اور اس کی خبر کا سب خبر کردہ چیزوں سے ہے یہ اور اس طرح کی باقی باتیں اہلِ حق کے اجماع کے ساتھ واجب ہیں۔ اس میں کسی کی شراکت نہیں۔

قسمِ ثانی : وجود، علم وغیرہ چیزوں میں اس کی توحید و انفرادیت کے نہ ہونے پر اتفاق ہے۔

قسمِ ثالث : یہ وہ امور ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے وجوب میں اختلاف ہے مثلاً تعظیم بالقسم، کیا غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کھانا جائز ہے، تو اللہ کی اس تعظیم میں توحید واجب نہیں ہے یا غیر اللہ کی قسم کھانا ناجائز ہے تو پھر اس تعظیم میں توحید واجب ہو گی۔ اس کے بعد اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ ہماری مراد قسمِ اوّل ہے۔ کیونکہ اس میں اس کا یہ قول ہے کہ "اسی طرح عبادت کے استحقاق میں اس کی توحید واجب ہے" الخ! یہاں نقل سے ہمارا مقصود یہی ہے کہ کلابیہ کے اقوال کے قائل ہونے کے سبب اس کے کلام میں نصوص کی مخالفت نمایاں ہے! —— یہاں اس مناقشے کو بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

اس مقام اور کلام کی مناسبت سے ہم فاضل ابن القیم کی کتاب " الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی " سے ان کا کلام نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

" الٰہیت کی خصوصیات میں سے ایک ہر لحاظ سے کمالِ مطلق ہے جس میں کسی بھی لحاظ سے کوئی نقص نہ ہو۔ اس سے اللہ وحدہٗ کے لئے ہر قسم کی عبادت تعظیم، احترام، خشیت، دعاء، امید، انابت، توبہ، توکل، استعانت، انتہائی محبت کے ساتھ انتہائی ذلت واجب ہو جاتی ہے۔ اور عقل و فطرت اور شریعت چاہتی ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ وحدہٗ کے لئے واجب ہو۔ اور غیر کے ساتھ اُس کو تشبیہ دینا، جس کا کوئی شبیہ اور مثل نہیں ہے اور نہ ہی اسکا کوئی شریک ہے بدترین اور باطل ترین تشبیہ ہو گی پھر یہ انتہائی ظلم ہو گا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک ذات پر رحمت لکھ لینے کے باوجود فرمایا کہ وہ اس شرک کو نہیں بخشے گا۔"

الٰہیت کی خصوصیات میں سے ایک عبودیت ہے جس کی بنیاد دو ستونوں پر ہے اس کے بغیر اس کے وجود کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا وہ ہیں: انتہائی محبت۔ انتہائی ذلّت! —— یہ مکمل عبودیت ہے۔ لوگ ان دو باتوں میں مختلف ہونے کی وجہ سے عبودیت کے درجات میں بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جس نے اپنی محبت و ذلت اور عاجزی کا حق غیر اللہ کو دے دیا، اس نے اس کو اللہ تعالیٰ کے خالص حق میں تشبیہ دے دی۔ اس کا کسی الٰہی شریعت میں پایا جانا امرِ محال ہے اس کی قباحت عقل و فطرت کے نزدیک مسلّم ہے لیکن شیاطین نے اکثر لوگوں کی فطرت کو مسخ اور عقل کو خراب کر دیا ہے۔ فطرتِ سلیمہ پر وہی رہا، جو خوش نصیب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے کتابیں اتاریں جو ان کی فطرت اور عقل کے عین موافق تھیں اس سے ان کی فطرت اور عقل کو چار چاند لگ گئے۔ ان کی عقل اور فطرت کا

نور تیز ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، اپنے نور کی طرف ہدایت بخشتا ہے۔

الٰہیت کی خصوصیات میں سے ایک سجدہ ہے جو کوئی غیر اللہ کو سجدہ کرتا ہے وہ مخلوق کو اللہ کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے۔ اسی طرح توکل بھی الٰہیت کی خصوصیت ہے جو غیر پر توکل کرتا ہے، وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے۔ توبہ بھی اس کی خصوصیت ہے غیر کی طرف توبہ کرنا اس کو اس کے ساتھ تشبیہ دینا ہے تعظیم و احترام کے لئے اس کے نام کی قسم کھانا بھی اسی کی خصوصیت ہے جو کوئی کسی غیر کے نام کی قسم کھاتا ہے، وہ اس کو اس سے تشبیہ دیتا ہے۔

اس سے مقصود انصاف، جو توحید کا دوسرا نام ہے، کا قیام ہے۔ اور توحید صرف ایک اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ[۱] ۔ الآیۃ"

"کہہ دو! میرے پروردگار نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر نماز کے وقت سیدھا (قبلے کی طرف) رُخ کیا کرو اور خالص اسی کی عبادت کرو، اسی کو پکارو"

وَاسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ[۲] ○

"اے نبی ﷺ! جو رسول ہم نے تم سے پہلے بھیجے ہیں، ان سے پوچھو کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا اور معبود بنائے تھے جن کی عبادت کی جائے؟"

توحید سب سے اعلیٰ اور عظیم عدل، دین کی بنیاد اور اس کو مضبوط کرنے والی ہے۔ اس کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس کلمہ طیبہ کے اقرار اور اس پر عمل اور اس کے لفظ و معنیٰ میں اخلاص کا عقیدہ سب دین ہے اور دین اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس کی گواہی دینا کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں" اس کلمے کی روح "رب کو جس کی ثنا جلیل القدر، جس کے اسماء مقدس ہیں، اور جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محبت میں احترام و تعظیم میں، خوف و امید میں اکیلا جانتا ہے"۔ توکل و انابت، رغبت و رھبت اسی کے تابع ہے۔ اس

---

[۱] الاعراف: ۲۹ [۲] الزخرف: ۴۵

کے بغیر سے محبت نہ کی جائے جب کسی سے محبت کرے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے کرے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافے کا وسیلہ خیال کرے۔ اس کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور نہ اُمید رکھے۔ نہ توکل کرے، نہ رغبت کرے، نہ اس سے ڈرے جس عمل کو لوگ عبادت سمجھ کر کرتے ہیں، وہ صرف اللہ کے لئے کرے۔ اس کے ساتھ کسی غیر کو شریک نہ بنائے۔ اس طرح کا آدمی قول، عمل اور اعتقاد، عبادت کی سب اقسام اکٹھی کرلیتا ہے۔ جو کہتا ہے اس کو متحقق کرلیتا ہے۔ یعنی کلمہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ" ہم عبادت کو خالص اسی کے لئے کرتے ہیں، چاہے مشرک اس کو ناپسند کریں!

یہ سب حقوق اللہ کے بندوں کے ذمہ ہیں اور اس کا حکم ہیں، جو اس نے اپنی سب مخلوق پر واجب ٹھہرائے ہیں۔ ان حقوق کی وجہ سے مسلمان دوسروں سے متمیز ہیں اور فرماں برداری کرتے ہیں! ۔۔ دُعاء اسی سے کی جاتی ہے جس کے حضور پوری پوری قلبی ذلت اور محتاجی ہوتی ہے۔ بالخصوص انکساری اور اضطراری حالت میں! حدیث کے مطابق یہ دُعاء عبادت کا مغز ہے۔ جس کو اس کی توفیق ملی، اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان نصیب ہوگیا یہ محققین کے اشارات کا خلاصہ ہے" انتہٰی!

ہم نے جو استغاثہ کا معنیٰ اور اس کی تخصیص اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیان کی ہے، اس سے نبہانی اور اس کے غالی پیشواؤں کا یہ دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے کہ اصفیاء کے ساتھ استغاثہ جائز ہے اگرچہ ان امور میں ہو جو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، تو یہ نرا شرک اور غیر اللہ کی عبادت ہے یہ ایک ایسی بات ہے جس کی دلیل تو رہی ایک طرف، اہلِ علم کو اس کے جواز کا شبہ تک بھی نہیں ہے۔

پھر اس نے ایک فصل میں شفاعت کی چالیس احادیث بیان کی ہیں۔ اگر شفاعت سے مراد شفاعتِ قیامت ہو تو ہمیں اس میں اختلاف نہیں لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست ——— کہ "جو اس کے حق میں سفارش کرے، وہ اس کی سفارش قبول فرمائے" اس پر کچھ بحث آئندہ آئے گی!

پھر اس نے **تیسری فصل** قائم کی ہے اس میں یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ جو کچھ اس نے ذکر کیا ہے، وہ ائمہ علماء کے ارشادات کے مطابق ہے اور انہوں نے استغاثہ بغیر اللہ کی مشروعیت کو ثابت کیا ہے۔ اس نے "الجوہر المنظم" لابن حجر سے عبارت نقل کی ہے جس میں استغاثہ بغیر اللہ کے انکار کی وجہ سے ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کیا گیا ہے۔ پھر زور اس پر صرف کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو وسیلہ

بنانا آپؐ کی پیدائش سے پہلے اور بعد دنیا اور آخرت میں ہر حال میں بہتر ہے۔ ابن حجرؒ نے کہا ہے:

"نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانے کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو حاکم نے نکالا اور صحیح کہا ہے!

——— چنانچہ پوری "حدیثِ اعمیٰ" بیان کی ہے جس میں آپؐ کے وسیلے سے حضرت آدمؑ کا استغاثہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے!۔ اعمال کو وسیلہ بنانے کی حدیث بیان کی ہے۔ اور ایک آدمی کے نبی اکرم ﷺ کی قبر کے وسیلے سے استسقاء کے لئے دعاء کرنے کو ذکر کیا ہے۔ پھر سبکی کا کلام نقل کیا ہے جس کو بعینہٖ ابن حجر نے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد کہا ہے کہ "اگرچہ ابن حجر کی سابقہ عبارت کافی و وافی ہے تاہم سبکی نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کے بعض حصّے کو بیان کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے" حالانکہ سبکی کا کلام ابن حجر کے کلام کے بعد تکرار ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس نے اس کی بہت سی عبارات کو اس کا نام لئے بغیر ذکر کیا ہے۔ پھر سبکی کا کلام بیان کیا ہے اور اس طرح کی دیگر عبارتیں دوسرے غالیوں سے ذکر کی ہیں پھر کہا ہے: "بعض دفعہ کسی معزز کو اس سے بڑے معزز و معظم کے حضور وسیلہ بنایا جاتا ہے ——— استغاثہ کا معنیٰ مدد چاہنا ہے مستغیث جس کے وسیلے سے مدد چاہتا ہے اس سے درخواست کرتا ہے کہ اس کو غیر سے مدد حاصل ہو اگرچہ غیر اس سے بلند درجہ ہو رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ استغاثہ کا مفہوم مسلمانوں کے دلوں میں یہی ہوتا ہے اور اس کے سوا کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔ جو شخص اس کو نہ سمجھ سکے، وہ اپنی عقل پر روئے۔ . .

. . . . درحقیقت فریاد اللہ تعالیٰ ہی سے کی جاتی ہے مستغیث اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نبی کریم ﷺ واسطہ ہوتے ہیں۔ ہر طرح کی مدد اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ اس لحاظ سے مستغاث ہیں کہ آپؐ مدد کا سبب ہیں!" ——— یہ ہے اس کی گفتگو کا خلاصہ!

میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ اس جاہل اور غبی کے کلام میں غلط تراکیب اور کمزور طرزِ تعبیر موجود ہے۔ لیکن ہم اس سے کوئی تعرض نہیں کریں گے اگرچہ اس پہ کافی طویل گفتگو ہو سکتی ہے۔ ہماری غرض اس کے دعوے کا ابطال، معارضہ اور کشفِ حال ہے نیز پہلی امتوں میں اس کے ائمہ کا حال بیان کرنا مقصود ہے جو اپنی آراء و اہواء سے اپنے رسولوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

شبہات کا ازالہ کئی وجوہ سے

علامہ شیخ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "منہاج التأسیس فی الرّد علی ابن جرجیس"

میں نبہانی جیسی عبارت عراقی سے نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس شبہے کا جواب کئی وجوہ سے ہے :

وجہِ اوّل

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے جس میں اس کی معرفت اور محبت، اس کے حضور عاجزی، اس کی تعظیم، اس کا خوف، اس سے امید، اس پر توکل اور اس کی طرف انابت، اس کے حضور گڑگڑانا موجود ہو یہ خدائی پیغام کا بہترین خلاصہ ہے اور دعوتِ نبویؐ کا حاصل ہے۔ یہی وہ حق ہے جس کے لئے زمین و آسمان بنائے گئے اور کتاب اتاری گئی۔ مخلوقات کو پیدا کرنے کی یہی حکمت ہے اور یہی اس کی منزلِ مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذّٰریٰت : ۵۶)

"میں نے جنّ و انس کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس مقصد کی طرف دعوت دی اور ان پر اپنی ہدایت کے مطابق عبادت کو اور شرک سے بے زاری و برأت کو فرض کیا۔ شرک دراصل اُس مقصد و مراد کے ہی منافی ہے جس کے لئے پوری کائنات کو بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ[1] الآیۃ"

"اللہ تعالیٰ یہ جرم نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔ اس کے سوا دوسرے گناہ جس کو چاہے بخش دے گا۔"

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○[2]

"جان لو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنائے گا، اس نے اس پر جنّت کو حرام کر دیا ہے۔ اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔"

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ

"اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرے

---

[1] النّسآء : ۱۱۶ [2] المآئدۃ : ۷۲

مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ [1]

وہ ایسا ہے گویا آسمان سے گرا پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا اڑا کر دور جگہ پھینک دے"۔

استغاثہ بغیر اللہ اور انبیاء و اولیاء کو پکارنے اور ان کو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان واسطے بنانے اور ان کے حضور نذریں ماننے اور جانور ذبح کرنے اور حلف وغیرہ کے ساتھ ان کی تعظیم کرنے کو جائز کہنا اس حکمت کے سراسر خلاف ہے جو زمین و آسمان کی پیدائش اور کتابوں کو اتارنے اور رسولوں کو بھیجنے سے مقصود ہے۔ اس سے محبت اور عاجزی اور تعظیم میں شرک کا دروازہ کھل جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کھلی محاذ آرائی ہے۔ انسانی جبلت ان عبادتوں کو اس ہستی کے سامنے پیش کرتی ہے جس کو وہ مصائب و شدائد کو رفع کرنے اور فاقہ دور کرنے اور حاجت پوری کرنے اور دوسرے امورِ عامہ کا اہل خیال کرنے اور یہ سب امور ایسے ہیں جن پر زمین و آسمان کے خالق کے سوا کسی کو قدرت حاصل نہیں ہے۔

وجہِ ثانی

حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی بعثت تک انبیاء علیہم السلام و اولیاء کو پوجنے والے بعینہٖ اس بات پر رہے ہیں۔ موجودہ غالی لوگوں نے جو شرکیہ مذہب اختیار کر رکھا ہے، وہ اس سے زیادہ نہیں تھے جو د اللہ کریم نے اپنی کتابِ حکیم میں ان کی بات کو نقل فرمایا ہے:

"وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ وَيَقُوۡلُوۡنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ [2] الاٰیۃ"

"اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلا کر سکتی ہیں کہتے ہیں کہ یہ ہمارے اللہ تعالیٰ کے حضور سفارشی ہیں"۔

"وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى [3] الاٰیۃ"

"جن لوگوں نے اس کے سوا دوست بنائے وہ کہتے ہیں "ہم تو ان کو اس لئے پوجتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں"۔

---

[1] الحج: ۳۱ [2] یونس: ۱۸ [3] الزمر: ۳

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝[1]

"جن لوگوں کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لئے معبود بنایا ہے، انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟ یہ ان کا جھوٹ تھا، اور یہی وہ افتراء کیا کرتے تھے۔"

یہ محکم نصوص صراحت سے بیان کر رہی ہیں کہ مشرکین کا مقصد صرف جاہ، شفاعت اور توسل کا تھا، یعنی انہوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لئے واسطے بنالیا تھا، اور ان کا عقیدہ تھا کہ حاجات اللہ ہی پوری کرتا ہے اس کے باوجود قرآن مجید نے ان کے اس عقیدے کی سخت مذمت کی اور بتایا کہ وہ لوگ دوزخی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جنت حرام کر دی ہے۔ جنت تو اس کے نیک بندوں اور دوستوں کا گھر ہے۔ ان مشرکوں کی اکثریت نے توحید ربوبیت میں استقلال کے باوجود اس میں شرکت کو نہیں چھوڑا۔ بلکہ وہ اقرار کرتے رہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراف کو اپنی کتاب عزیز میں کئی جگہوں میں بیان فرمایا ہے۔

غیراللہ کو مستقل مانے بغیر اس سے استغاثہ، دعاء، حلف، نذر مان کر اس کی تعظیم کے جواز کا قائل ہونا کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے یہ سب کچھ کرتا ہے، بالکل یہی دعویٰ مشرکین کا تھا۔ یہی سبب اور شبہے ان کے تھے۔ وہ اس پر ایک حرف کا اضافہ نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے بھی نذر اور سفارش کی بات کی، جبکہ غالیوں نے اس کا نام توسل رکھ لیا۔ مگر علت ایک ہے اور حقیقت ایک ہے!

وجہ ثالث

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی حاجات، فاقہ کشی اور ضروریات کے وقت اسی سے دعا کریں۔ اسی سے سوال کریں اور اسی کے حضور فریاد کریں۔ ارشاد ہے:

(۱) وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝[2]

"اے پیغمبرؐ! جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں، تو کہہ دو کہ میں تو تمہارے پاس ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں

---

[1] الاحقاف: ۲۸ [2] البقرۃ: ۱۸۶

اس کی دُعاء قبول کرتا ہوں' ان کو چاہیئے کہ میرے حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ تاکہ نیک رستہ پائیں۔"

(ب) وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۝[1] "تمہارے رب نے فرمایا تم مجھے پکارو میں تمہاری دعاء قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت (دعاء) سے تکبر کرتے ہیں، وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔"

(ج) "اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ۔ الآیۃ[2]" "بھلا بے قرار کی التجاء کون قبول کرتا ہے؟"

(د) "فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ۔ الآیۃ[3]" "اللہ تعالیٰ کے پاس سے رزق مانگو اور اس کی عبادت کرو۔"

(ر) يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝[4] "آسمان اور زمین کے سب لوگ اسی سے مانگتے ہیں۔ وہ ہر روز کام میں لگا رہتا ہے۔"

(س) فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝[5] "جب تم فارغ ہوا کرو تو عبادت میں محنت کیا کرو اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت کیا کرو۔"

حدیث شریف میں ہے:

(ل) "من لم يسأل الله يغضب عليه" "جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔"

(ب) "الدعاء سلاح المؤمن" "دُعا مومن کا ہتھیار ہے۔"

اور پہلے آسمان پر ہر رات اللہ تعالیٰ کی تشریف آوری والی حدیث میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" هل من سائل ؟ فاعطيه هل من مستغفر ؟ فاغفرله- هل من تائب؟ فاتوب عليه " "کیا کوئی مانگنے والا ہے؟ میں اس کو دوں کیا کوئی بخشش مانگنے والا ہے؟ میں اس کو بخشوں کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے؟ میں اس کی توبہ قبول کروں۔"

---

[1] المؤمن: ۶۰ [2] النمل: ۶۲ [3] العنکبوت: ۱۷ [4] الرحمٰن: ۲۹ [5] الانشراح: ۷، ۸

غالیوں کے مذہب میں استغاثہ بغیر اللہ کو مستحب سمجھنا بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے بنانا دین کی اس اصل کو بھی معدوم کر دیتا ہے اور اس کے دروازہ کو بند کر دیتا ہے وہ نبیوں و صالحین سے فریاد کرتا ہے اور حاجت روائی کے لئے ، بے چین مخلوق کی ضروریات کے لئے ان کی طرف رغبت کرتا ہے ۔

وجہِ رابع

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیا و آخرت میں ممکن کلیات و جزئیات پر مشتمل عام ربوبیت کے ذرائع ۔ اپنی تنہا ایجادات و تدابیر ، تاثیر و تقدیر ، عطاء و منع ، بلند و پست کرنے ، عزت و ذلت دینے ، زندہ کرنے اور مارنے کے ذریعے ۔ سعادت و شقاوت ، ہدایت و بخشش اور اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمانے وغیرہ ، ربوبیت کے اعمال اور اس کی قدرت کے شاہکاروں کے ذریعے جو مشاہدے میں آتے رہتے ہیں اپنی معرفت اور اس عبادت کی دعوت دی ہے جس میں محبت اور اس کے حضور عاجزی ، اس کی تعظیم اور دعا موجود ہو اور جس میں غیروں سے محبت و تعظیم اور استغاثے کے تعلق کو ترک کر دیا گیا ہو ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

" اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۔	" کون ہے جس نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعے شاداب باغ اُگائے ...... ؟
- اِلٰی قَوْلِهٖ : قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝[1]	یہاں تک کہ : ـــــ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو !"
قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ـ اِلٰی ـ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝[2]	" پوچھئے ! زمین اور جو کچھ اس میں ہے کس کا ہے ؟ (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو ! ـــــــــ پس تم کہاں جادو کئے جاتے ہو " ؟

---

[1] النمل : ۶۰ ـ ۶۴ [2] المؤمنون : ۸۴ ـ ۸۹

قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ۔ "ان سے پوچھئے تمہیں کون آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟"۔

۔اِلٰی قَوۡلِہٖ:۔ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ○ آگے یہاں تک: ــــ کیا پس تم نہیں ڈرتے"!

(یونس ، ۳۱)

ان آیات اور ان میں جو افعالِ ربوبیت ہیں، ان میں غور و فکر کے بعد آپ دیکھیں گے کہ کائنات کا کوئی فرد اس کی ربوبیت سے باہر نہیں ہے۔ پھر آپ پہچان لیجئے کہ کس مقصد کے لئے یہ آیات بیان کی گئی ہیں۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کا وجوب کس طرح ثابت ہوتا ہے اور غیر اللہ کی عبادت کو ترک کرنا کتنا ضروری ہے؟

آپ یہ بھی دیکھیں کہ کیا مخاطب قوم غیر اللہ کو ربوبیت کے کاموں میں مستقل جانتی تھی یا ان کو اللہ تعالیٰ کے مستقل ہونے، اس کی تدبیر و تاثیر کا اقرار تھا؟ آپ کو معلوم ہوگا، وہ غیر اللہ کو واسطہ و شفاعت اور توسّل بالدعا سمجھتے تھے۔ وہ اپنی حاجتوں میں اور اپنی چاہتوں میں غیر اللہ کا قصد کرتے تھے۔ ان آیاتِ محکمات سے یہ باتیں بالصراحت ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں ان کے "ربوبیت اور مستقل ہونے کے اقرار" سے غیروں کی عبادت و دعا، اور استغاثہ جس کو گمراہ اور جاہل لوگ کرتے ہیں کے ابطال پر دلیل و حجت قائم کی ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ انبیاءؑ و صالحین سے فریاد رسی چاہنا، ان کو پکارنا اور ان کے لئے نذریں ماننا جائز ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطے اور وسیلے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی خاطر لوگوں کے کام کرتا ہے تو اس سے ایمان کی بنیاد ہی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور توحید کے اصول ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں، اور بڑے شرک کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ رغبتیں اور ڈر، قصد اور توجہ کا مرکز اہلِ قبور اور مُردے ہو جاتے ہیں جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی مخلوق کو پکارا، اسی کا نام شرک اور بتوں کی عبادت ہے۔ ہم ضلالت و شقاوت، اور فلاح و ہدایت کے اسباب سے انحراف، سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں!

وجہِ خامس

بندے کی فلاح و صلاح، کامیابی اور نعمتیں اور لذت صرف اس لئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس

کا معبود و محبوب اور فریاد رس ہے جس کے پاس مصائب و شدائد کے وقت گھبراہٹوں کا سکون ہے۔ عام طلب و قصد کا مرکز وہی ہے۔ بندے کو حاجت، فاقہ اور ضرورت اسی لئے پیش آتی ہے۔ اسی کی طرف رجوع اور وہی گھبراہٹ کے وقت پناہ گاہ ہے۔ اگر بندے کو سب کائنات بھی مل جائے اور وہ سب مخلوقات کی طرف بھی متوجہ ہو تو اس کا فاقہ ختم نہیں ہوسکتا اور اس کی ضرورت پوری نہیں ہوسکتی نہ اس کو نعمتیں اور خوشی حاصل ہوسکتی ہے اور نہ اس کا غم و فکر اور شقاوت دور ہوسکتی ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے جو اس کا رب ہے جس نے اس نعمت کو پالیا اس نے سب کچھ پالیا وہ اس کو ہر چیز سے پیارا ہے جس کو یہ نہ ملا وہ سب چیزوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔! فاقے، حاجات و ضروریات میں سے کوئی چیز اس نعمت کے مشابہ نہیں ہے جس پر اس کو قیاس کیا جاسکے۔ صرف بعض لحاظ سے بندے کے کھانے، پینے اور اس کی قوت جس کے ساتھ بدن قائم ہے کی حاجت کے ساتھ اس کو مشابہت دی جاسکتی ہے، کہ جب یہ اشیاء نہ ہوں گی تو بدن قائم نہ رہے گا اور موت واقع ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی محبت و عبادت اور دعا سے محرومی شقاوت اور عذاب ہے۔ دنیا و آخرت میں جہنم ہے جس سے کسی حال میں بھی چھٹکارا نہیں پایا جاسکے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ ـــــ اِلٰى قَوْلِهٖ ـــــ:	"اور فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے نیچے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ گمراہ نہ ہوگا۔ اور نہ تکلیف میں پڑے گا ـــــ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد تک ـــــ:
۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى[1]	اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت دیر رہنے والا ہے!"

---

[1] طٰہٰ: ۱۲۳ - ۱۲۷

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ○

"جولوگ ایمان لائے اوران کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ اور سنو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل آرام پاتے ہیں۔ جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیئے ان کے لئے خوش حالی اور عمدہ ٹھکانہ ہے۔"[1]

اولیاء والی قدسی حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

" من عادى لى وليًا فقد بارزنى بالمحاربة وما تقرّب الىّ عبدى بمثل اداء ما افترضت عليه ولا يزال عبدى يتقرّب الىّ بالنّوافل حتّى احبّه فاذا احببته كنت سمعه الّذى يسمع به وبصره الّذى يبصر به ويده الّتى يبطش بها فبى يسمع وبى يبصر وبى يبطش " (الحديث)

"جس نے میرے دوست سے دشمنی کی اس نے مجھے لڑنے کے لئے دعوت دی۔ بندہ میرا قرب فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر کسی چیز سے حاصل نہیں کرسکتا۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان ہوجاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ وہ میرے ساتھ سنتا ہے اور میرے ساتھ دیکھتا ہے اور میرے ساتھ پکڑتا ہے الحدیث!"

بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے اور سفارشی تسلیم کرلینے سے یہ اصلِ عظیم ختم ہو کر رہ جاتی ہے، جو ایمان کا محور ہے اور اس سے وہ اساس ہی ختم ہوجاتی ہے جس پر ایمان کی عمارت قائم ہے۔ جب توجہ، دعا، استغاثہ اور ذبح و نذر، مہربان اللہ بادشاہ کے سوا کسی کے لئے ہو تو بھلا کونسی خوشی اور کونسی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں؟ اور کونسا فاقہ دور ہوتا ہے؟ اور کونسی ضرورت پوری ہوتی

---

[1] الرّعد: ۲۸، ۲۹

ہے؟ اور کونسی سعادت حاصل ہوتی ہے؟ سبحان اللہ یہ معترض اللہ و رسول اور اس کے دین اور اس کے نیک مومن بندوں پر کتنا دلیر ہے؟

اے اللہ! ہم تیرے حضور اس سے برأت ظاہر کرتے ہیں جو کچھ اس مفتری نے تیرے دین تیری کتاب تیرے بندوں تیرے اولیاء کے بارے میں غلط سلط باتیں کی ہیں ہم تیرے حضور اس سے اپنی برأت ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ" [1]

"اگر زمین و آسمان میں کئی معبود ہوتے تو زمین و آسمان کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ جو عرش عظیم کا رب ہے ان کی باتوں سے پاک ہے:"

آسمانوں اور زمین کی بہتری اسی میں ہے کہ ان کا معبود اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہ ہو۔ گھبرانے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے دربار کی طرف رجوع کریں اسی کے حضور فریاد کریں۔ اسی سے حاجت روائی اور مشکل کشائی چاہیں متکلمین نے دو مدبروں کا وجود ناممکن ثابت کیا ہے اور دنیا کی خیر و صلاح اسی سے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا مدبر اور منتظم ہو۔ محققین نے ثابت کیا ہے کہ دنیا کی اصلاح بہت سے معبودوں سے ممکن نہیں جن کی عبادت کی جائے جن کی طرف شوق و امید سے رجوع کیا جائے! متکلمین کے کلام کا مرجع ربوبیت ہے اور محققین کے کلام کا مرجع الوہیت ہے۔

وجہِ سادس

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جو شریعت لائے ہیں اور انبیاء و اولیاء اور عام مومنوں کی قبروں کے بارے میں جو آپ کی سنت ہے وہ اس قولِ قبیح کے منافی ہے جو اس جاہل نے گھڑ لیا ہے۔ وہ اس کو باطل کرتی ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے جو طریقہ قبروں کے بارے میں مقرر کیا ہے وہ احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے۔ علماء اُمت کا اس پر عمل چلا آ رہا ہے کہ وہ جب قبروں کی زیارت کے وقت اہلِ قبور کو سلام کہنا اور ان کے لئے دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے عافیت کا سوال کرنا یہ بات جنازے کے قبیل سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قبروں کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت

---

[1] الانبیاء: ۲۲

سے بھی منع فرمادیا اور قبروں کے اندر یا قبروں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے سے روک دیا۔ نیز انبیاء وصالحین کی قبروں کے پاس مساجد بنانے سے جن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، بالخصوص منع فرمادیا۔ اس موضوع پر صحیحین اور کتبِ سنن اور موطا امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) میں متواتر احادیث موجود ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب اللہ علیٰ قوم اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد"

"اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جائے۔ اللہ کا اس قوم پر سخت غضب ہوا، جنہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو مساجد بنالیا"۔

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث:

"انّ من شرار الناس من تدرکھم الساعۃ وھم احیاء والّذین یتّخذون القبور مساجد"

"سب سے بدترین لوگ وہ ہیں جن کی زندگی میں قیامت برپا ہوگی۔ اور جو قبروں کو مساجد (عبادت گاہیں) بناتے ہیں"۔

اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث:

"قاتل اللہ الیھود اتّخذوا قبور انبیائھم مساجد"

"یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی مار پڑے انہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو عبادت گاہیں (مساجد) بنالیا تھا"۔

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث:

"سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان یموت بخمس یقول: انّی ابرأ الی اللہ ان یکون لی منکم خلیل، فانّ اللہ قد اتّخذنی خلیلا کما اتّخذ ابراھیم خلیلا ولو کنت متّخذا من اھل الارض خلیلا لاتّخذت ابابکر خلیلا، الا انّ من کان قبلکم کانوا

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپؐ کی وفات سے صرف پانچ دن پہلے سنا آپؐ فرماتے تھے میں اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں کہ تم میں سے میرا کوئی خلیل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنا خلیل بنالیا ہے اگر میں اہلِ ارض سے کسی کو خلیل بناتا

يتخذون القبور مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانّى انهاكم عن ذالك "

تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتاتا، سنو! ـــــ تم سے پہلے لوگ قبروں کو مساجد (عبادت گاہیں) بنا لیتے تھے۔ سنو! تم قبروں کو مساجد مت بنانا، میں تمہیں اس سے روکتا ہوں"۔

اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث:

" لمّا نزل برسول الله صلّى الله عليه وسلّم طفق يطرح خميصة لّه على وجهه فاذا اغتمّ بها كشفها فقال ـ وهو كذالك ـ لعن الله اليهود والنّصارى اتّخذوا قبور انبيائهم مساجد' قالت عائشة : يحذر ما صنعوا' ولولا ذالك لا برز قبره' ولكن خشى ان يتّخذ مسجد ـ وفى رواية لمسلم "وصالحيهم"۔

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں تھے تو چادر کو اپنے چہرے پر ڈال لیتے جب گھٹن ہوتی تو چہرہ کھول دیتے آپؐ نے اسی حالت میں فرمایا! اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرتے انہوں نے اپنے نبیوں (مسلم کی ایک روایت میں "صالحین" کا لفظ بھی ہے) کی قبروں کو مساجد (عبادت گاہیں) بنا لیا" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "آپؐ کا اس ارشاد سے مقصد یہ تھا کہ آپؐ کی اُمت اس سے بچ جاتے اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو آپؐ کی قبر کو ظاہر کر دیا جاتا۔ لیکن آپؐ کو خدشہ تھا کہ کہیں اس کو مسجد نہ بنا لیا جائے"۔

قبروں کے پاس نماز پڑھنے اور مساجد بنانے سے ممانعت اس لئے تھی کہ پھر لوگ ان سے دعائیں کرنے لگتے اور ان سے فریاد رسی چاہنے لگتے اور حاجت روائی کے لئے اور اہم معاملات کے لئے اور نذر و نیاز اور قربانیوں وغیرہ کے ذریعے تقرب حاصل کرنے کے لئے وہاں کا قصد کرتے۔ غالیوں نے ظلم یہ کیا کہ شریعت کے اس پردے کو چاک کیا اور ممنوعات میں گھس گئے۔ اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت و دشمنی مول لی۔ اور کہا "ان کو پکارا جائے ان کے حضور فریادیں کی جائیں' اور ان سے اُمیدیں وابستہ کی جائیں' جس کے ہاں شمہ بھر علم ہو اور رسولؐ کی شریعت کا کچھ بھی پتہ ہو' وہ جان لے گا کہ جو کچھ غالی کہتے ہیں' یہ بتوں کی عبادت کی جنس سے ہے اور

قرآن وسنّت کی تعلیم کے صریح خلاف ہے کوئی عقل مند انسان اس میں ذرہ بھر شک نہیں کر سکتا۔

وجہِ سابع

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء واولیاء کے جو حقوق مقرر کر دیئے ہیں ان سے تجاوز اور غلو سے منع فرما دیا۔ ارشاد ہے:

"یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ[1] - الآیۃ!"

"اے اہل کتاب! اپنے دین کی حدود سے تجاوز مت کرو۔ اور اللہ تعالیٰ پر سوائے حق کے کچھ نہ کہو۔"

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ[2]

"(اے پیغمبر) کہہ دیجئے اے اہل کتاب! اپنے دین کی حدود سے ناحق تجاوز نہ کرو، اور ایسی قوم کی خواہشات کی پیروی مت کرو جو اس سے قبل خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور خود سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم انما انا عبد فقولوا عبد اللہ ورسولہ!"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری اس طرح حد سے بڑھ کر تعریف نہ کرنا، جس طرح نصاریٰ نے ابن مریم علیہ السلام کی کی ہے میں تو بندہ ہوں۔ تم بھی یہی کہو عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ!"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت "وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِھَتَکُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا[3]" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "یہ نوح علیہ السلام کی قوم

---

[1] النساء: ۱۷۱ [2] المائدۃ: ۷۷ [3] نوح: ۲۳

کے نیک لوگوں کے نام ہیں جب وہ مرگئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ ان کی شکلوں کے بُت گھڑ کر بطورِ علامت گاڑ لو جب یہ لوگ مرگئے اور علم ختم ہوگیا تو ان کی پوجا شروع کر دی گئی"۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "بہت سے سلف نے کہا وہ لوگ ان بزرگوں کی قبروں پر معتکف ہوگئے۔ اور ان کی شکلوں کے مجسمے گھڑ لیے۔ کچھ عرصہ گزرنے پر ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی گئی"۔

دیکھئے غلو نے تصاویر کے ذریعے اور قبروں پر بغیر دعا۔ وعبادت کے محض اعتکاف کے ذریعے کیا گل کھلائے۔ جب ان سے دعائیں کی جائیں اور ان سے فریاد رسی چاہی جائے اور ان کو وسیلہ بنا لیا جائے تو پھر صورتِ حال کس قدر بھیانک ہو گی؟ یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے دنیا کے کام کرتا ہے نرا شرک ہے۔ وہ وسیلہ ہی تھا جس کے سبب شرک معرضِ وجود میں آیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرک کے وسیلے کو کاٹ دیا اور ذریعے کو بند کر دیا اور توحید کی حفاظت کی یہاں تک کہ قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے اور سب قبروں سے افضل واشرف قبر کے پاس آنے کو عادت بنا لینے سے منع فرما دیا:

" لا تجعلوا قبری عیدا ولا بیوتکم قبورا وصلوا علی حیثما کنتم فان صلوتکم تبلغنی "

"میری قبر کو عید (عرس) اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا۔ جہاں تم ہو وہیں سے مجھ پر درود پڑھو۔ وہ مجھے پہنچ جاتا ہے"۔

اور آپ ﷺ نے قبروں کو اونچا کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ ہر قسم کے مجسموں کو ملیامیٹ کر دیں اور اونچی قبر کو برابر کر دیں۔ آپ ﷺ نے قبروں پر دیئے جلا کر اور روشنی کر کے ان کی تعظیم سے روک دیا۔ یہ سب کچھ آپ ﷺ نے توحید کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے کیا۔ اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو جنت و دوزخ پر ایمان لے آیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا امام و رہنما اور استاد بنایا۔ آپ ﷺ کی شریعت اور طریقوں کو چھوڑ کر کہیں اور جھانکنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اور اس کو کوئی پرواہ نہیں کہ کون اس کا مخالف اور دوسری راہ پر چلنے والا ہے۔ اس مسئلے میں اور دوسرے مسائل میں ائمۂ ہدایت اور سلف صالحین کی راہ پر گامزن رہا:

أُولٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ "یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی"

اقْتَدِهْ -الآیۃ!" پس ان کی ہدایت کی پیروی کرو"۔

" قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ "[2]

"(اے پیغمبر، لوگوں سے) کہہ دو: "اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، تم سے اللہ تعالیٰ محبت کریگا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے"۔ کہہ دو "اطاعت کرو اللہ و رسول ﷺ کی اگر وہ نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا"۔

وجہِ ثامن

جس نے اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر کر غیر اللہ کا قصد اس غرض سے کیا کہ اس کی حاجت اور فاقہ دور ہو، اس کے حضور فریاد رسی کی درخواست کرے، اس کے لئے نذر مانے، اس کی پناہ لے تو وہ اپنے رب سے بدگمانی کرنے کا مرتکب ہے۔ اور سب گناہوں سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ سے سوئے ظن رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے سوئے ظن رکھنے والا اس کے کمالِ مقدس اور اس کے اسماء و صفات کے خلاف گمان رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ مقدس سے سوئے ظن رکھنے والے کو ایسے عذابوں کے وعدے دیئے ہیں، جو دوسروں کو نہیں دیئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝[3]

"انہی پر بُرے حادثے واقع ہوں، اللہ تعالیٰ ان پر غصے ہوا اور ان پر لعنت کی اور ان کے لئے جہنم تیار کیا اور وہ بری جگہ ہے"۔

اور اللہ تعالیٰ کی ایک بھی صفت کے انکار کرنے والے کے بارے میں فرمایا:

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝[4]

"اسی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب کے بارے میں رکھی تمہیں ہلاک کر دیا اور تم خسارہ پانے والوں سے ہو گئے"۔

---

[1] الانعام: ۹۱ [2] آل عمران ۳۱، ۳۲ [3] الفتح: ۶ [4] فصلت: ۲۳

اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کی حکایت کی:

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ۝ أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۝ فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝[1]

"جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تم کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟ کیا تم اللہ کے سوا جھوٹے معبودوں کے طالب ہو؟ پھر

یعنی، جب تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو گے تو تمہیں کیسا بدلہ دیگا؟ تمہارا اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کی ربوبیت کے ناقص ہونے کا گمان، کیا یہی وجہ ہے کہ تم غیر اللہ کی عبادت کے محتاج ہو گئے ہو، اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اس سے گمان کیا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔ کہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے اور وہ اپنے سوا ہر ایک سے بے نیاز ہے اور اس کے سوا ہر کوئی اس کا محتاج ہے اور وہ اپنی مخلوق سے انصاف کرتا ہے! ــ وہ اپنی تدبیر خلق میں منفرد ہے اور اس میں کسی کو شریک نہیں بناتا! ــ چنانچہ جو سب امور کی تفاصیل کا عالم ہو، اس پر اس کی مخلوق میں سے کوئی چیز مخفی نہ ہو جو اکیلا ہی اپنی مخلوق کو کافی ہو، وہ کسی مددگار کا محتاج نہیں ہوتا! ــ جو بذاتہ رحمٰن ہو وہ اپنی رحمت میں رحم طلب کرنے والے کا محتاج نہیں ہوتا! ــــ جبکہ دنیا کے بادشاہ اور رئیس وغیرہ ایسے لوگوں کے محتاج ہوتے ہیں جو ان کو رعیت کے حالات و حاجات سے آگاہ کریں اور ایسے وسائل و سائط کے محتاج ہوتے ہیں جو رعیت کی حاجات کو پورا کرنے میں ان کے معین و مددگار ہوں پھر جو ان سے رعیت کے لئے رحم طلب کریں اور سفارش سے ان سے مہربانی چاہیں، وہ لوگ اپنی کمزوری اور عجز، اور کمی علم اور اپنی حاجت کی بنا پر وسیلوں کے محتاج ہوتے ہیں! ــــ لیکن جو ہر چیز پر قادر ہے اور بذاتہ ہر چیز سے بے نیاز ہے، ہر چیز کو جانتا ہے، رحمٰن و رحیم ہے جس کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے۔ اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطوں، وسیلوں کو ڈالنا اُس کی ربوبیت اور الوہیت اور اس کی توحید کے یکسر منافی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں بدگمانی ہے۔ جب یہ باتیں عقل سلیم اور فطرت کے نزدیک بُری ہیں، تو محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے بندوں کے لئے مشروع کرے۔

اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ عابد اپنے معبود کی تعظیم کرنے والا ہوتا ہے اس کو الہ مانتا ہے، اس کے سامنے ذلیل ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ اکیلا ہی انتہائی تعظیم و تکریم کا مستحق ہے۔ اسی کا حق

---

[1] الصّٰفّٰت: ۸۵-۸۷

سے ہے کہ بندے کی عاجزی اور ذلت کا اظہار اسی کے سامنے ہو۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اس کا حق غیر کو دے دیا جائے یا اس میں دوسروں کو شریک بنا دیا جائے، خاص طور پر جب کہ شریک بنایا جانے والا اس کا بندہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

" ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ ۖ هَل لَّكُم مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ الآیۃ![1]

" وہ تمہارے لئے تمہی کے حال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ بھلا جن لونڈی غلاموں کے تم مالک ہو، وہ اس مال میں، جو ہم نے تم کو دیا ہے، شریک ہیں ؟ اور کیا تم ان کو اس میں برابر کا مالک سمجھتے ہو، تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنوں سے ڈرتے ہو "

یعنی جب تمہیں اپنے غلام کو رزق میں شریک کرنے سے انکار ہے۔ تو ان کاموں میں جن میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے، اس کے بندوں کو کیسے شریک بناتے ہو ؟ یہی الٰہیت ہے، جو اس کے سوا کسی کے لائق اور مناسب نہیں جو کوئی ایسا خیال رکھتا ہے، اس نے اللہ تعالیٰ کی قدر اور عظمت کو صحیح طور پر نہیں پہچانا اور مخلوق سے اس کی انفرادیت کو نہیں سمجھا !

جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کی عبادت کی، اس نے اس کا حق نہ پہچانا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝[2]

" انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر کو جیسا کہ پہچاننا چاہیئے تھا نہیں پہچانا اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہو گی۔ اور آسمان داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور عالی شان ہے۔"

جس شخص کے پاس اس میں سے کچھ بھی نہ ہو، بلکہ وہ انتہائی عاجز اور کمزور ہو، اس کو اس شان اور عظمت والے اللہ تعالیٰ کا جس نے شریک بنایا اس نے اس کا حق نہ پہچانا اور جس نے

---

[1] الروم : ۲۸ [2] الزمر : ۶۷

کمزور اور ذلیل کو اس کا شریک بنایا اس نے اس قوی و عزیز کا حق نہ پہچانا۔

اور جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا اور نہ کوئی کتاب اتاری ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف مخلوق کو بے کار پیدا کرنے کو منسوب کرتا ہے اس نے بھی اس کی صحیح قدر نہیں پہچانی۔

اور جس نے اس کے اسماء حسنیٰ اور صفاتِ علیا کے حقائق کی نفی کی اور اس کے سننے دیکھنے، اس کے ارادہ و اختیار، اس کے کلام اور اپنی مخلوق میں سے جس سے چاہے گفتگو کرنے کا انکار کیا، یا اس کی قدرت کے عموم اور اس کے بندوں کے طاعت و معصیت کے افعال سے اس کی قدرت و مشیئت کو بے تعلق کیا اور یہ سمجھا کہ لوگ اپنے بارے میں جو چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے بغیر ہی کرتے اور بناتے ہیں اس طرح وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت میں اس کی مشیئت کے خلاف بھی ہوتا ہے اور جو اس کی مشیت ہوتی ہے وہ نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ ان مجوسی قسم کے لوگوں کی باتوں سے بہت بلند ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اس کی تعظیم نہیں کی۔

اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ ایسے کاموں پر بندے کو سزا دیتا ہے جو اس نے نہیں کئے اور وہ اس کی قدرت سے باہر ہیں ان میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ وہ صرف رب تعالیٰ کا فعل ہے یعنی فعل اس کا اپنا ہوتا ہے اور سزا بندے کو دیتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے کہ وہ کسی بندے کو کسی فعل پر مجبور کرے اس کا مجبور کرنا مخلوق کا مخلوق کو مجبور کرنے سے زیادہ بڑا ہے فطرت اور عقلِ سلیم کے خلاف ہے اگر آقا اپنے غلام کو ایک کام زبردستی کرائے پھر اس پہ سزا بھی دے یہ تو بڑی قبیح بات ہوگی۔ پھر جو سب سے بڑا عادل اور احکم الحاکمین ہے وہ بندے کو ایسے کام پہ کیسے مجبور کرتا ہے جس میں بندے کا کوئی حصّہ اور عمل دخل نہیں؟ نہ وہ اس کے ارادے سے ہوا، نہ وہ اس کا فعل ہے پھر اس کو ہمیشہ کی سزا دے؟ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے ان کی بات تو آتش پرستوں سے بھی زیادہ بُری ہے۔ ان لوگوں نے بھی اللہ کی شان کے مطابق تعظیم نہیں کی۔

اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کو مستوی عرش ماننے سے انکار کرتا ہے۔ وہ اس کو ہر کنوئیں میں، بول و براز کی جگہوں میں اور ایسی جگہوں میں جن کا ذکر کرنا بھی خود اس کو ناگوار ہوتا ہے موجود مانتا ہے۔

اس کو عرش پر نہیں مانتا کہ اس کی طرف پاک کلمات اور نیک عمل چڑھتے ہیں اور فرشتے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اس کی طرف چڑھتے اور اترتے ہیں۔ اور وہ آسمان سے زمین کی طرف کام کی تدبیر کرتا ہے، پھر وہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس کو بادشاہ کے تخت سے تو بچایا، مگر اس کو ہر ایسی جگہ تک موجود مانا جس سے انسان تو انسان، حیوان بھی نفرت کرتا ہے۔ اس نے بھی اس کی تعظیم نہیں کی!

پھر جس نے اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی رحمت، اس کی مہربانی، اس کی رضامندی اور اس کے غضب اور غصے کی حقیقت کی نفی کی، اور جس نے اس کی حکمت کی نفی کی، جو اس کے فعل کا محمود نتیجہ ہے اور جس نے اس کے فعل کی حقیقت اور اختیاری ہونے کی نفی کی، اس نے بھی اس کی تعظیم کا حق ادا نہ کیا! نیز جس نے اس کی محبت، تشریف آوری، استواء علی العرش، موسیٰ علیہ السلام سے طور کی جانب سے گفتگو، قیامت کے دن بندوں کے درمیان فیصلے کے لئے بنفسہٖ تشریف آوری کی حقیقت کی نفی کی، اور اپنے گمان میں یوں سمجھا کہ ان افعال و صفاتِ کمالیہ کی نفی کر کے اس نے اللہ کی بڑی تعظیم کی ہے، اس نے بھی اس کی تعظیم کا حق ادا نہ کیا! ———— اور نہ ہی اس شخص نے، جو اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی اور اولاد کا، اور اس کے مخلوقات میں حلول کا عقیدہ رکھے! اور اس شخص نے بھی اس کی تعظیم پوری طرح نہیں کی، جو یہ کہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلِ بیت وغیرہ کے دشمنوں کو بلندی و سرفرازی دی ہے، ان کو حکومت و خلافت دی ہے۔ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء کو ذلیل و رسوا کیا ہے، جہاں بھی ہوں ان کو خوار کیا ہے" یہ رافضیوں کی رب تعالیٰ کے بارے میں سخت جرح ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی اس بدگوئی سے بہت بلند ہے۔ یہ قول یہود و نصاریٰ کے قول سے مشتق ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ایک ظالم فرشتے کو بھیجا، اس نے خود نبوت کا دعویٰ کیا اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا، وہ ایک طویل عرصے تک ہر وقت اس پر جھوٹ بولتا اور کہتا رہا کہ اس نے یوں کہا ہے، اس نے یہ حکم دیا ہے، اور اس سے روکا ہے، وہ اس کے انبیاء و رسل کی شریعتوں کو منسوخ کرتا رہا اور ان کے اتباع اور پیروکاروں کے خون بہاتا رہا۔ اور کہتا رہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے یہ سب کچھ مباح کر دیا ہے۔ اس کی اس بدکرداری پر اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہا، اس کو قوت دے کر سرفراز کرتا رہا، اس کی دعائیں قبول کرتا رہا اور مخالفین پر اس کو غالب رکھا۔ اس کی سچائی پر دلائل قائم کرتا رہا، اور جو کوئی اس سے دشمنی کرتا ہے، وہ اس کو کامیاب کرتا ہے۔ اس

کی اپنے قول وفعل اور تقریر سے تصدیق کرتا ہے اور ایسے دلائل مہیا کرتا ہے جس سے اس کی تصدیق ہو صاف ظاہر ہے کہ یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی شان میں بڑا طعن اور شدید جرح ہے۔ ان منکرین کے قول سے اس کا علم وحکمت اور رحمت و ربوبیت بہت بلند ہے۔

اس شخص نے بھی اللہ تعالیٰ کی پوری تعظیم کا حق ادا نہیں کیا جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ برابر ہے کہ وہ اپنے اولیاء کو جنہوں نے اس کی ذرہ بھر نافرمانی نہیں کی جہنم میں داخل کرے اور ان کو جو ایک ذرہ بھر بھی ایمان نہیں رکھتے، ان کو جنت میں داخل کرے ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے سخت انکار فرمایا ہے اور اس فیصلے کو بدترین قرار دیا ہے۔

اور وہ شخص بھی تعظیم کا حق ادا نہ کرنے والوں میں شامل ہے جو کہتا ہے اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ نہیں کرے گا اور قبروں سے لوگوں کو اٹھا کھڑا نہیں کرے گا۔ اور اپنی مخلوق کو ایسے دن میں اکٹھا نہیں کرے گا جس میں بدوں کو ان کی بدی کا اور نیکوں کو ان کی نیکی کا بدلہ ملے ___ جس میں مظلوم کو ظالم سے بدلہ ملے ___ اور جو لوگ اس دنیا میں اس کی رضا کی خاطر مشقتیں برداشت کر رہے ہیں، ان کو بڑی عزت نصیب ہو ___ اور جس میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں، اس کا فیصلہ قیامت کے دن کرے ___ تاکہ کافروں کو اپنے جھوٹا ہونے کا پتہ چل جائے!

وہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے تقاضوں کو مکمل نہیں کرتا جو اس کے حکم کو معمولی سمجھے اور اس کی نافرمانی کرے اور اس کی ممانعت کو ہلکا جان کر اس کا ارتکاب کرے اس کے حق کو کوئی وقعت نہ دے اور ضائع کر دے۔ اس کے ذکر کو بے قدر سمجھے اور اس کو ترک کر دے اور اس کا دل اس سے غافل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کی بجائے اپنی خواہشِ نفس کی تکمیل کو ترجیح دے جس کے نزدیک مخلوق کی اطاعت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے زیادہ ضروری ہے اس کا دل اور قول وفعل اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جتنا دنیا سے بچ رہے چونکہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں دوسروں کی اس کے نزدیک اہمیت زیادہ ہے، اس لئے وہ ان کو مقدم رکھتا ہے۔ وہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی نظر اور اطلاع کو معمولی جانتا ہے اور مخلوق کی نظر اور اس پر اطلاع کی دل وجان سے تعظیم کرتا ہے، وہ لوگوں سے شرماتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں۔ وہ لوگوں سے تو ڈرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں! مخلوق کے ساتھ معاملات میں اپنی بہترین قوتوں اور صلاحیتوں کو کھپا دیتا ہے مگر جب اللہ تعالیٰ سے معاملہ ہوتا ہے تو بڑا ہی

سُست ہوتا ہے۔ جب وہ کسی انسان کو الٰہ بنا کر اس کی خدمت کرتا ہے تو پوری کوشش اور محنت اور خیرخواہی سے کرتا ہے ۔ اس کے لئے اپنا دل اور جوارح فارغ کرلیتا ہے، اور اس کو اپنے بہت سے مصالح سے مقدم سمجھتا ہے ــــ لیکن جب وہ اپنے رب کے حق کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس بھونڈے طریقے سے کہ جس کو وہ کسی مخلوق کے لئے بھی پسند نہیں کرتا۔ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا حق ادا کردیا، جس کی یہ حالت ہو؟ کیا اس نے اس کی تعظیم کو پورا کیا، جس نے اس کو اور اس کے دشمن کو تعظیم وطاعت میں، عاجزی وانکساری میں، خوف ورجا میں شریک کردیا؟

اگر اس کی مقرب مخلوق کو اس میں شریک بنایا جائے تو یہ اس کے خالص حق پر ظالمانہ قبضہ، اور اس کو بے قدر کرنا ہے۔ جو حقوق وصفات خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، ان میں غیر کو شریک بنانا ہے چہ جائیکہ ، اس کی بدترین اور ذلیل ترین مخلوق، جو درحقیقت اس کا پکا دشمن ہے کو اس کا شریک بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ صرف شیطان ہی کی پوجا ہوتی ہے !

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ‌ۚ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۙ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعۡبُدُوۡنِىۡ‌ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿۶۱﴾	"اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہیں کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے"۔[1]

جب مشرکوں نے اپنے گمان کے مطابق فرشتوں کی عبادت کی، تو وہ نفس الامر میں شیطان کی عبادت تھی!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ يَقُوۡلُ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَاۤءِ اِيَّاكُمۡ كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ اَنۡتَ وَلِيُّنَا مِنۡ دُوۡنِهِمۡ‌ۚ بَلۡ كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ‌ۚ اَكۡثَرُهُمۡ بِهِمۡ مُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۱﴾	"اور جس دن وہ ان سب کو اکٹھا کرے گا، پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے" تو پاک ہے اور تو ہی ہمارا دوست ہے ان سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں، بلکہ وہ جنوں کی پوجا کیا کرتے تھے اور ان میں سے اکثر ان پر[2]

---

[1] یٰسین : ۶۱ ، ۶۲ [2] سبا : ۴۰ ، ۴۱

ایمان لاتے تھے۔"

شیطان، مشرک کو، فرشتوں، سورج، چاند اور ستاروں کے نام سے، اپنی عبادت کی دعوت دیتا ہے اور مشرک سمجھتے ہیں کہ وہ ان ستاروں کی روحانیات کی پوجا کرتے ہیں اور وہی ان سے باتیں کرتی ہیں ـــ ان کی حاجات پوری کرتی ہیں یہی وجہ ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ملعون شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے. کفار سورج کو سجدہ کرتے ہیں، تو وہ شیطان کو ہوتا ہے یہی صورت غروب کے وقت ہوتی ہے۔

اور جو لوگ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کی پوجا کرتے ہیں، وہ درحقیقت ان کی پوجا نہیں کرتے، بلکہ شیطان کی پوجا کرتے ہیں۔ سمجھتے یہ ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کا حکم دیا ہے، اور یہ عبادت ان کو پسند ہے حالانکہ یہ ساری کارستانی شیطان مردود و ملعون کی ہوتی ہے، اور اسی کی پوجا ہوتی ہے۔ شرک کی سب باتیں اور کام اس آیت سے ممنوع ہیں:

اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ‌ۚ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۝	"کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے جس کی بھی عبادت ہوگی، وہ دراصل شیطان رجیم کی عبادت ہوگی۔ عابد معبود سے اپنی حاجت روائی چاہتا ہے اور معبود، عابد سے اپنی تعظیم، نیز اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے کا مفاد حاصل کرتا ہے، یہی بات شیطان کی سب سے بڑی غرض ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا‌ۚ يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ قَدِ اسۡتَكۡثَرۡتُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ‌ (مِنۡ اَغۡوَائِهِمۡ وَاِضۡلَالِهِمۡ) وَقَالَ اَوۡلِيٰٓـؤُهُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ رَبَّنَا اسۡتَمۡتَعَ بَعۡضُنَا بِبَعۡضٍ وَّبَلَغۡنَاۤ اَجَلَنَا الَّذِىۡۤ اَجَّلۡتَ لَنَا‌ ؕ قَالَ النَّارُ مَثۡوٰٮكُمۡ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ‌ ؕ اِنَّ	"اور جس دن وہ سب جنّ و انس کو جمع کرے گا، "اے جنّوں کے گروہ! تم نے انسانوں کو بہت اغواء اور گمراہ کیا" اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے" اے ہمارے پروردگار! ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے اور اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے

رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ [1]

مقرر کیا تھا" اللہ تعالیٰ فرمائے گا اَب تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ہمیشہ اس میں رہو مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے بے شک تمہارا پروردگار دانا اور خبردار ہے"

اس آیتِ شریفہ میں شرک کے اکبر الکبائر ہونے کے بھید کی طرف لطیف اشارہ ہے۔ وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوگا۔ اس کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا مسئلہ یہ نہیں کہ اس کی تحریم اور قباحت محض نہی کی وجہ سے ہے بلکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی غیر کی عبادت کی اجازت دے جس طرح یہ محال ہے کہ وہ اپنے جلال وکمال کے خلاف کوئی حکم دے وہ اپنی ربوبیت و الوہیت اور عظمت و جلال میں منفرد ہے اس کے بارے میں کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس میں مشارکت کی اجازت دے گا، یا اس پر خوش ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔" انتہیٰ ہم نے اس مبحثِ عظیم کو اس لئے بیان کیا ہے کہ اس میں بہت سے فائدے ہیں جو اپنی ذات کا خیر خواہ ہے، وہ کبھی اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ ہماری اصل غرض یہ بیان کرنا ہے کہ توسل اور مُردوں، غیر حاضر بزرگوں سے استغاثہ اللہ تعالیٰ سے بدظنی کا نتیجہ ہے۔

وجہ تاسع

اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں بغیر علم کے بات کرنا حرام کیا ہے اور اس کو شرک سے بھی بہت بُرا بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ [2]

"کہہ دو میرے رب نے ظاہر اور پوشیدہ بے حیائی کے کاموں کو اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی بات کرو جس کا تمہیں کچھ علم نہیں۔"

---

[1] الانعام: ۱۲۹ [2] الاعراف: ۳۳

اس آیتِ شریفہ میں ادنیٰ سے اعلیٰ حرام چیزوں کی فہرست مرتب فرمائی ہے۔ نیز فرمایا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○[1]

"اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا، جو اللہ تعالیٰ پر افتراء کرے؛ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا تھا سنو! کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے رستے سے روکتے اور اس میں کجی چاہتے ہیں اور وہ آخرت سے بھی انکار کرتے ہیں۔"

جو شخص شرک کی حقیقت کو واقعی سمجھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ استغاثہ وتوسل بالانبیاء والصالحین اور ان کے لیے نذریں ماننا اور ان کے نام کا حلف وغیرہ جتنے تعظیم کے کام ہیں یہ سب اللہ ورسول کے ذمے جھوٹ لگایا گیا ہے اس سے مقصد اللہ کی راہ سے روکنا اور اس میں کجی پیدا کرنا ہے (اللہ ہی مدد طلب کرنے کے لائق ہے!)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ○ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ○[2]

"کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا اس کی ذات اس سے پاک ہے وہ بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے تمہارے پاس اس باطل قول کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی بات کیوں کہتے ہو، جس کو جانتے نہیں؟"

"کہہ دو، جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں، وہ فلاح نہیں پائیں گے دنیا میں ان کے لئے کچھ فائدے ہیں پھر ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا

---

[1] ھود: ۱۸، ۱۹ [2] یونس: ۶۸۔ ۷۰

ہے اس وقت ہم ان کو عذابِ شدید چکھائیں گے،
اس وجہ سے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے۔"

معترض نے جو دلائل بزعمِ خود اپنے دعوے پر پیش کیے ہیں ان سے ہی غالیوں کا اللہ و رسولؐ پر جھوٹ و افتراء واضح ہو جاتا ہے۔

اس کا یہ کہنا "جو لوگ استغاثہ بالانبیاء و الصالحین کے قائل ہیں ان کی اس سے مراد ان کو محض سبب اور وسیلے کے طور پر پکارنا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے کرتا ہے یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا مستقل فاعل ہیں یہ تو بالاتفاق کفر ہے۔" اس کا جواب وجہ ثانی میں گزر چکا ہے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آخر الانبیاء ﷺ تک مشرکین کا مقصد بھی یہی تھا وہ بھی اپنے معبودوں کے بارے میں یہی کہتے تھے۔ نبہانی اور اس کے ٹولے پر انہوں نے ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں کیا وہ گمان کرتا ہے کہ نزاع مستقل فاعل ہونے میں ہے حالانکہ صورت یہ نہیں ہے نزاع رسولوںؑ اور ان کی قوموں کے درمیان توحیدِ عبادت میں تھا ہر رسولؑ نے اپنی قوم کے سامنے سب سے پہلے یہ اعلان فرمایا:

"یَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ - الآیۃ" "اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔"

جاہلیت میں مشرکین اپنے تلبیہ میں کہتے تھے:

"لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ" "اے اللہ! ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسا شریک جو خود اور جس کا وہ مالک ہے، تیری ملکیت ہیں۔"

انہوں نے عبادت میں شرک کو برقرار رکھا اس اعتقاد کے ساتھ کہ ان کے معبود مملوک ہیں، مستقل نہیں ہیں۔ یہ بات قرآن و سنت سے صاف ثابت ہے اس سے وہ شخص جاہل نہیں رہ سکتا جس کو پتہ ہو کہ لوگ اپنے دین میں کیسے ہیں؟ یہ بات اس جاہل اور کم فہم معترض پر مخفی رہی کیونکہ اس کی نشو و نما عبّاد القبور کے درمیان ہوئی جو قبروں کو اور اہلِ قبور کو وسیلہ بناتے تھے اس نے بھی

اپنی کوتاہ نظری اور کم فہمی سے سمجھا کہ یہی اسلام ہے اس بے چارے کو کچھ پتہ نہیں کہ اس کا حقیقی رب کون ہے؟ اس کے لوگوں پر کیا حقوق ہیں؟

شرائع اور احکام میں کسی قابلِ اعتماد امام سے اس کو تربیت نہیں ملی جب کہ قبروں کے پجاری اس زمانے میں تدبیر اور تصرّف کے اختیارات ان کے پلّے باندھتے ہیں، جن سے ان کو عقیدت ہوتی ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ کائنات میں ساتوں کا تصرف ہے دوسرا گروہ کہتا ہے، چار کا تصرف ہے تیسرا کہتا ہے تصرف کا اختیار ستّر بزرگوں کے پاس ہے مرکزی شخصیت میں ان کا اختلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ ان ظالموں اور مشرکوں کے اقوال سے بہت بلند ہے۔ اہلِ مصر مرکزی ہستی احمد بدوی کو، عراقی شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کو، رافضی ائمہ اہل بیت کو سمجھتے ہیں" ان کی مشہور بات ہے اس کا انکار حق کا منکر ہی کرے گا۔ جاہل معترض نے فیصلہ دیا ہے کہ "مستقل بالذات جان کر پکارنا بالاتفاق سب کے نزدیک کفر ہے" اور غالی قبر پرستوں کے قول کے مطابق "وہ تصرف میں مستقل ہیں۔ کیونکہ وکیل سپرد کردہ چیز کی تدبیر کرنے میں مستقل حق رکھتا ہے" جب عبادت اور نزاعی مسئلے کی اس کو پہچان ہی نہیں تو وہ اس قوم کی طرف سے کیسے جھگڑے گا جس کے کفر کو وہ حتمی سمجھتا ہے؛ یہ منتشر ذہن کا انسان ہے اس کو کچھ پتہ نہیں کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

اس کا یہ کہنا کہ "یہ بات تو کسی جاہل مسلمان سے بھی متوقع نہیں، چہ جائیکہ کسی عالم سے ہو الخ"؛ اس کا جواب یہ ہے کہ "عنقا" کہاں ہے؟ کہ اس کو حاصل کیا جائے اور "سمندل" کہاں ہے کہ اس کو لایا جائے؛ جب اسلام کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے تو مسلمانوں کو اوثان واصنام اور بندوں وغیرہ (غیر اللہ) کو پکارنے میں کوئی رغبت نہیں رہتی۔

اس کا یہ کہنا "یہ مسئلہ اموات کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ زندے بھی عادی اسباب پر یقین رکھتے ہیں۔ مثلاً چھری کے لئے کاٹنا کھانے کے لئے سیر ہونا اور گرم ہونا۔ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ یہ چیزیں بنفسہٖ فاعل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان سے کوئی تعلق نہیں تو اس کی بالاجماع تکفیر کی جائے گی"؛ اس کا جواب یوں دیا جائے گا کہ "جب عادی اسباب، جن میں اللہ تعالیٰ نے قوتِ فاعلہ رکھی ہے، کی طرف فعل کی مستقل نسبت اجماعی کفر ہے تو ایسے افعال، جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں،

ان کی غیر اللہ کی طرف نسبت کفر کیوں نہیں ؟ مثلاً شکستہ دلوں کی فریاد رسی، پریشانیوں اور گھبراہٹوں کو دور کرنا اللہ تعالیٰ کی بجائے اولیاء وانبیاء سے دعاؤں کی منظوری اور سمجھا یہ کہ یہ سب وسائل و اسباب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت کے لئے تدبیر ان کے سپرد کی ہے۔ یہ بات پہلی بات سے کفر کے زیادہ لائق ہے"۔

کج رو سے کہا جائے گا کہ تم اہل قبور کی تکفیر کو عذر اور شبہے کی وجہ سے تو پسند نہیں کرتے۔ کہ وہ شرک اصغر ہے جو اس میں خطاء کرے اس کو بھی ثواب ملے گا تو بتاؤ جو شخص چھری کی طرف کاٹنے کو اللہ کی طرف نسبت کے بغیر منسوب کرتا ہے اور جس کے عذر کو تم نے قبول کیا اور اس کے ثواب کے قائل ہو اس کے درمیان اور جس کی تکفیر اور عذاب کے قائل ہو اس کے درمیان کیا فرق ہے؟ جو تمہارا جواب ہو گا وہی ہمارا جواب ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو بات تمہاری خواہش کے مطابق ہو تو تم اس کو مذہب بنا لیتے ہو۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عادی اور غیر عادی اسباب میں جمہور عقلاء کے نزدیک فرق ہے۔ سیر ہونا، سیراب ہونا، گرمی دینا یہ عادی اور فاعل اسباب ہیں اس کی تکفیر کی جاتی ہے جو انکار کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا نہیں کیا اور اللہ مدبر علیم و حکیم کے بغیر ہی کام کرتے ہیں۔ اس بحث کا تعلق توحید ربوبیت سے ہے لیکن اموات کو اسباب قرار دینا اور واسطے بنا کر ان سے فریاد کرنا ان کو پکارنا اور ان کی تعظیم کرنا۔ یہ تو بت پرستوں کا دین ہے محض یہ عقیدہ اور فعل اختیار کرنے پر ہی اس کی تکفیر کی جائے گی چاہے اس کے مستقل بالذات ہونے کا عقیدہ نہ ہی ہو جیسا کہ قرآن مجید نے کئی مقامات پر اس کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ غالی لوگ قرآن کے مخالف اور اس کی نصوص سے متصادم ہیں۔ اور معترض کا یہ کہنا کہ "سبکی قسطلانی، سمہودی اور ابن حجر نے "الجوہر المنظم" میں نبی کریم ﷺ اور دوسروں سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں ان کی جاہ کے وسیلے کو دل میں رکھ کر استغاثہ کو جائز کہا ہے..... الخ!"

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کی جاہ سے استغاثہ نزاعی مسئلہ نہیں ہے۔ اہل علم کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے بندے اور رسول کی جاہ کے ساتھ سوال کیا جائے نہ یہ کہ رسول اکرم ﷺ سے ہی سوال کیا جائے۔ اس صورت پر توسل کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ وہ تو دعاء اور

"استغاثہ" ہے گویا توسّل کا لفظ مشترک بن گیا ہے۔ قبر پرست توسّل کو غیر اللہ کی طرف رغبت کرنے ان کے ڈر سے ان کو پکارنے اور استغاثہ کو توسل کہتے ہیں جبکہ اہلِ علم سنّت پر عمل کرنے کو توسل کہتے ہیں! ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور مشروع عبادتوں کو اور ان باتوں کو جو اس کے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ نے پیش فرمائی ہیں، وسیلہ بناتے ہیں۔ قرآن وسنّت کے عرف میں توسّل کا یہی معنیٰ ہے تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی بعض اللہ تعالیٰ سے اس کے نبیؐ کی جاہ کے ذریعے سے یا اس کے نیک بندے کے حق کے ساتھ یا اس کے نیک بندوں کے ساتھ سوال و دعاء کرنے پر اس کا اطلاق کرتے ہیں سبکی قسطلانی اور ابن حجر وغیرہ متاخرین اسی پر توسّل کا اطلاق کرتے ہیں۔

جو کچھ اس نے مذکور حضرات سے نقل کیا ہے وہ بالکل نزاعی مسئلہ نہیں ہے اگرچہ غالیوں نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ انبیاءؑ و اولیاء کی ذات سے ہی دُعاء و استغاثہ کرتے ہیں اور اس کا نام توسّل رکھتے ہیں یہ عین دعویٰ ہے دعویٰ دلیل سے ثابت ہوتا ہے نہ کہ محض دعوے سے ہر صورت میں اس کی بات باطل ہے۔

اس کا یہ کہنا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں، جیسا کہ اپنی زندگی میں کرتے تھے، یہ ممنوع نہیں ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کے سامنے بڑی جرأت ہے۔ اور ایسی چیز کو پیش کرنا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔

اس کا سب سے زیادہ علم آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ ﷺ کی اُمت کے ائمہ دین اور آپ ﷺ کے اہلِ بیت کو ہے ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کیا نہ کسی قابلِ اعتماد بزرگ نے اس کو نقل فرمایا ہے حالانکہ وہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے دین اور آپ ﷺ کی شریعت اور جائز و ناجائز کے متعلق سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ اب یا تو آپ لوگ ان کی سیادت کو تسلیم کریں اور یقین رکھیں کہ ان کی رہنمائی سے نکلنا بدترین جہالت عظیم ترین گمراہی ہے یا ایسے متاخرین جو کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں اور کرتے وہ ہیں جس کا ان کو حکم نہیں دیا گیا کو ان مسائل میں برسرِ حق تسلیم کریں۔ مگر اس سے پورے دین میں خرابی واقع ہو جائے گی اور ان زمانوں کو بُرا جاننا لازم آئے گا جن کی فضیلت سیّد المرسلین ﷺ کی نص سے ثابت ہے۔ اگر ان کو کچھ علم ہو تو جہالت و رُسوائی کے لیے یہی کافی ہے!

اس کا یہ کہنا کہ "مستغیث مستغاث بہ سے چاہتا ہے کہ اس کے غیر سے اس کو مدد حاصل ہو، مسلمانوں کے دلوں میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا ...... الخ"!

استغاثہ کے غلط معانی اور استعمال

اس کی یہ بات لغت اور شرع شریف سے جہالت کی دلیل ہے۔ غیر سے دعاء و سوال کرنے والے کو "مغیث" نہیں کہتے۔ "مغیث" تو وہ ہوتا ہے جو اغاثہ کا فعل کرے اور اس سے مدد حاصل ہو۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں، جو شخص خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے بندے کی جاہ سے سوال کرنا مقتضی ہے کہ یہ بندہ مغیث ہو، یا بندے کے ساتھ استغاثہ کہا جاتا ہے یہ اس کی جہالت ہے لغت کی طرف یا امتوں میں سے کسی اُمت کی طرف اس کی نسبت واضح جھوٹ ہے "مغیث" اغاثہ کا فاعل اور کرنے والا ہوتا ہے نہ کہ وہ جس کے حق یا جاہ کے ساتھ مانگا جائے۔ کسی نے یہ نہیں کہا کہ کسی کو وسیلہ بنانا اس سے مدد طلب کرنا ہے۔ عام لوگ اپنی دعاؤں میں کئی امور کو وسیلہ بناتے ہیں مثلاً کوئی کہتا ہے کہ "ہم تیرے حضور فلاں شیخ کے حق یا حُرمت کو یا اس کی تختی یا قلم کو وسیلہ بناتے ہیں" یا وہ کعبے کو وسیلہ بناتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم ان وسائل سے استغاثہ نہیں کرتے۔ جس سے مدد چاہی جائے، اس سے مانگا اور سوال کیا جاتا ہے۔ جس کو وسیلہ بنایا جائے، اس کو نہ تو پکارا جاتا ہے، نہ اس سے مانگا اور سوال کیا جاتا ہے بلکہ اس کے ذریعے مانگا جاتا ہے۔ یہ بات تو ہر ایک کی سمجھ میں آتی ہے کہ "مدعو" (جس کو پکارا جائے) "مدعو بہ" (جس کے وسیلے سے پکارا جائے) میں نمایاں فرق ہے۔

اس کج فہم کا یہ کہنا کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مستغاث ہیں۔ اور آپ سے مدد سبب اور کسب کے طور پر ہے۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں جو شخص انبیاء علیہم السلام و اولیاء رحمہم اللہ کی عبادت کرنے والا ہے، اس کا یہی اعتقاد ہے۔ وہ ان سے استغاثہ کرتا ہے اور کہتا ہے "وہ میرا سبب اور واسطہ ہیں۔ وہ میرے لیے اپنی کوشش سے حاصل کرتے ہیں۔ خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ میرا اس کے

سوا اور کوئی دعویٰ نہیں ہے" تخلیق اور ربوبیت میں مشرکین میں سے صرف فرعون اور نمرود نے ہی جھگڑا کیا تھا، عام مشرک پہلے طریقے پر ہیں، لہٰذا اس کی یہ توجیہ بھی باطل ہو گئی۔

اس کا یہ کہنا کہ "حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں ہے "آؤ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کریں" الخ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی کیونکہ اس میں ابن لہیعہ راوی ہے، اور اس کا ضعف مشہور ہے"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن لہیعہ کی روایت کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے قبول کیا ہے، لہٰذا اس نے پل عبور کر لیا ہے۔ ابن لہیعہ کی روایت کا انکار وہی شخص کرے گا جو فن اور اصطلاح سے ناآشنا ہے۔ وہ مصر کے قاضی اور عالم با اعتماد تھے۔ انہوں نے عطاء - ابن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہما اعرج رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے بزرگوں سے روایت کی ہے اور ان سے شعبہ ابن الحجاج جو امیر المومنین فی الحدیث تھے اور عمرو بن حارث، لیث بن سعد اور ابن وہب وغیرہ بہت سی مخلوق نے روایت کی ہے۔ جو شخص بعض لوگوں کے کہنے سے ابن لہیعہ میں طعن کرتا ہے اس پر لازم آتا ہے کہ وہ بہت سے اکابر محدثین پر طعن کرے۔ مثلاً سعید مقبری رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن ایاس الجریری، سعید بن ابی عروبہ، اسماعیل بن ابان، ازہر بن سعد السمان البصری، احمد بن صالح مصری، ابو الیمان اور دوسرے ائمہ جن کی روایت بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لی ہے ؎

وَدَعْ عَنْكَ الْكِتَابَةَ لَسْتَ مِنْهَا   وَلَوْ سَوَّدْتَ وَجْهَكَ بِالْمِدَادِ

"کتابت کو رہنے دو، تمہارے بس کا روگ نہیں۔ اس سے تمہارا چہرہ ہی سیاہ ہو گا"۔

معترض کا کہنا "اگر وہ روایت صحیح بھی ہو تو اس کا مفہوم اسی طرح کا ہو گا جو اس آیت اور حدیث کا ہے:

"وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۔ الآیۃ" (الانفال: ۱۷)

"جب آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں، تو وہ آپ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں"۔

وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم: ـــ "مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَمَلَكُمْ"

"میں نے تمہیں سوار نہیں کرایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سوار کرایا ہے"۔

یہ بھی ان گمراہوں اور جاہلوں کے نوادرات میں سے ہے۔ لفظ "استغاثہ" کا معنیٰ ہے مدد

طلب کرنا۔ اس سے، جس کے ہاتھ میں وہ ہے! اس کے لیے جس کو سختی پہنچی ہو یا وہ پریشان حال ہو کامیابی اور بہتری اس میں ہے کہ اس ہستی کو پکارا جائے جو مجبوروں اور پریشان حالوں کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ جب اس کو پکاریں تو اس طرح کہ وہ غیاث المستغیثین، مجیب المضطرین، ارحم الراحمین ہے۔

"استغاثہ" کا لفظ عبادت کے مغز کے طور پر مستعمل ہے اور ان امور میں جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں! وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا اطلاق ایسے کام پر کرنا پسند نہیں فرمایا جو آپ ﷺ کی استطاعت اور قدرت میں تھا تاکہ توحید کی مکمل حفاظت ہو اور شرک کی راہ بند ہو اگرچہ اس کا اطلاق ان امور پر جائز ہے جن پر مخلوق کو دسترس حاصل ہے۔ توحید کی حفاظت رسول کریم ﷺ کے مقاصد میں سے ہے اور اس شریعت مطہرہ کے قواعد میں سے ہے اس کا تعلق اس آیت سے کیسے ہوا؟

"وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ !"

اس میں جس "رمی" کی نفی ہے وہ ہے "سب مشرکین کی آنکھوں تک کنکریوں کو پہنچانا اور ان کی شکست" اور جس کا اثبات ہے یہ وہ فعل ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے کیا تھا کہ کنکریاں اپنی مٹھی میں لے کر دشمنوں کے موہنوں کی طرف پھینکی تھیں۔

معترض کا یہ کہنا کہ "سنت میں اکثر اس طرح کی باتیں ہیں جن میں علم کی حقیقت کا بیان ہے اور قرآن مجید میں بھی فعل کی اضافت کوشش کرنے والے کی طرف کی گئی ہے مثلاً رسول کریم ﷺ کا ارشاد،

"لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ أَحَدٌ بِعَمَلِهِ !" — "تم میں سے کوئی اپنے عمل کے بدلے جنت میں نہیں جائے گا۔"

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" — "جنت میں اپنے عمل کے باعث داخل ہو جاؤ۔"

حقیقت وہ نہیں جس کو کج فہم معترض نے سمجھا ہے حدیث میں "با" "معاوضہ و مبادلہ" کے

معنیٰ میں ہے اور آیت میں "بائے سببیہ" ہے نہ کہ "معاوضہ" جس کی نفی ہے، وہ اور ہے اور جس کا ثبوت ہے، وہ اور ہے۔ یہی بات اہلِ علم اور اہلِ تفسیر اور ہر فاضل ومحبِ معرفت وبصیرت نے کہی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ کوئی ایسی بات اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب پر نھوپیں جس کا علم اور دلیل نہیں!

اس کا یہ کہنا کہ "استغاثہ کے لفظ کا اطلاق لغت اور شریعت کے لحاظ سے اس پر علم ہے جس سے مدد ملے چاہے وہ سبب ہی ہو!"

قبل ازیں شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو نقل کی جا چکی ہے جس میں اس شخص سے استغاثہ کی نفی کی گئی ہے، جو اللہ تعالیٰ سے اس کی جاہ یا حق کے ساتھ سوال کرتا ہے اور اس شخص سے، جو غیر کے لیے دعا کرتا ہے اور پکارتا ہے اور نذر کرتا ہے جیسا کہ عبّاد القبور ان کے ساتھ کرتے ہیں، جن کو وہ پکارتے ہیں اور اس کا نام استغاثہ بالکل اسی طرح ہے، جس طرح اس کو "عبادت لغیر اللہ" اور "اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک" کہا جاتا ہے یہ نام رکھنا نزاعی نہیں ہے، بلکہ اس کے جواز وعدمِ جواز میں نزاع ہے۔

ہاں "حدیث الشفاعۃ" سے مراد دعا ہے، جس پر بشر قدرت رکھتا ہے جس طرح کہ زندہ حاضر سے درخواست کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کرے۔

رہا شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام جس کو اس نے اسماء الٰہی کے مصنفوں سے نقل کیا ہے، وہ عبّاد القبور کے خلاف ہماری دلیل ہے کیونکہ وہ غیر اللہ سے ان امور میں استغاثہ کرتے ہیں، جن پر ان کو قدرت نہیں۔

معترض

"اگر غیر اللہ سے حاصل ہو جائے، تو مجاز ہو گا۔"

جواب

وہ استغاثہ جو عادی اسباب کے قبیل سے ہے اور جس پر مخلوق کو قدرت حاصل ہے۔

اور وہ اس کی طاقت میں ہے۔ یہ اگر بندے سے حاصل ہو تو مجاز نہیں، بلکہ حقیقت ہے جس کو لغت سے کچھ بھی تعلق ہے، وہ اس میں نزاع نہیں کرے گا۔ بندہ حقیقتہً کام کرتا ہے، حقیقتہً کھاتا ہے، حقیقتہً پیتا ہے، حقیقتہً بخشتا ہے۔ وہ اپنے ظالم یا مظلوم بھائی کی حقیقتہً مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اور اس کے عمل کو پیدا کیا ہے۔ یہ اہلِ سنّت والجماعت کا مشہور عقیدہ ہے۔ فاعل اور کام کرنے والے سے حقیقی فعل کی نفی جبریہ، قدریہ فرقہ کرتا ہے، جس کا عقیدہ ہے کہ انسان مجبورِ محض ہے، اس کو کوئی اختیار نہیں اور اس کی کوئی مشیت نہیں۔ یہ اپنے مقام پر شرح و بسط سے بیان کر دیا گیا ہے۔ ان غالیوں کی ان اہم مباحث میں قابلیت صفر ہے۔

اعتراض

"استغاثہ کا یہ معنیٰ کہ اس سے وہ چیز طلب کی جائے، جو اس کے منصب کے لائق ہے۔"

جواب

اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں رسولِ کریم ﷺ کا منصب شریف یہ ہے کہ آپ ﷺ سے وہ چیز طلب کی جائے جس کی آپ ﷺ کو قدرت و استطاعت ہے۔ مثلاً دعا، اور عادی اسباب وغیرہ اور جن امور کی آپ ﷺ کو قدرت نہیں، بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، مثلاً دلوں کی ہدایت، گناہوں کی بخشش، دوزخ سے بچانا وغیرہ دوسرے مطالب؛ جو صرف اللہ تعالیٰ واحد و قہار کی قدرت میں ہیں۔ یہ مقامِ رسالت نہیں، بلکہ مقامِ ربوبیت ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ۔ الآیۃ [1]	"اے محمد ﷺ جس کو آپ پسند کریں، ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔"

---

[1] القصص: ۵۶

۲۔"وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهُ ۔الآیۃ"[1] "اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہ کون بخش سکتا ہے؟"

۳۔اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ[2] "کیا آپؐ اس کو بچا سکیں گے جو دوزخ میں ہے؟"

۴۔"لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ[3] ۔الآیۃ" "اے پیغمبرؐ! اس کام میں آپؐ کا کوئی اختیار نہیں۔"

ایک شخص نے کہا کہ "میں اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتا ہوں، حضرت محمد ﷺ کے حضور نہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "عَرَفَ الْحَقَّ لِاَهْلِهِ"۔ یعنی "اس نے حق دار کا حق پہچان لیا ہے"۔

اعتراض

"جواز کے قائلین نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو سبب بنانے میں عقل اور شریعت کی رُو سے کوئی ممانعت نہیں"۔

جواب

یہ عبارت ہی بڑی ناقص ترکیب والی ہے جو لوگ غیر اللہ سے اُن امُور میں استغاثہ کے جواز کے قائل ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں۔ یہی لوگ ہمارے مدِ مقابل ہیں ان کے کلام میں کوئی حجت و دلیل نہیں، بلکہ شرع اور عقل ان کے مذہب کو رد اور باطل کرتی ہے اس پر ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر گزر چکی ہے۔

عادی اسباب کبھی واجب ہوتے ہیں کبھی مستحب کبھی مباح کبھی مکروہ یہ بات ہمارے زیر بحث نہیں ہے جو شخص غیر اللہ سے ان امُور میں استغاثہ کرتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، اس کو محض اتنی بات نجات نہ دلا سکے گی کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے بلکہ دُعا و استغاثہ میں اخلاص لازم ہے اور مستغیث کی دُعا تو سب سے بڑی عبادت ہے جس

---

[1] اٰل عمران: ۱۳۵ [2] الزمر: ۱۹ [3] اٰل عمران: ۱۲۸

میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص واجب ہے۔

غالیوں کا قول

"جو کرامت کو مانتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے، اس کو اس کے جواز کو ماننے بغیر چارہ نہیں۔"

جواب

جو کام خالق کے ساتھ مخصوص ہیں، ان میں مخلوق سے استغاثہ قطعاً جائز نہیں۔ یہی بات ضروری اور آسان ہے۔ اگر مخلوق میں سے کسی کی کرامت ثابت ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، غیر کا نہیں فریاد بھی اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے، غیر سے نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صاحب کرامت سے، یا جن سے خوارقِ عادت امور صادر ہوتے تھے، کبھی استغاثہ یا سوال نہیں کرتے تھے۔ غالیوں کی یہ بات بھی جہلِ مرکب ہے، جو انہی کے لائق ہے۔

اعتراض

"اخبارِ نبویہ اور آثار اس کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔"

جواب

ہماری گزشتہ گفتگو سے بخوبی پتہ چل جاتا ہے کہ اخبارِ نبویہ اس کے سراسر خلاف ہیں، بلکہ اس کو باطل کرتے ہیں، اور سلف کے آثار ان کی تائید کی بجائے ان کا رد کرتے ہیں۔

اعتراض

"جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے فعل کی قدرتِ کاسبہ دی ہو اور اس کا عقیدہ ہو کہ خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس سے کسی چیز کو مانگنے پر کیسے پابندی لگائی جاسکتی ہے؟"

جواب

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ان امور میں جن میں اس سے مطلق استغاثہ کیا جاتا ہے قدرت نہیں دی۔ باقی رہا عادی اسباب سے مدد دینا جو انسان کی قدرت میں ہو وہ ہمارا موضوع نہیں۔ اموات کو عادی اسباب پر بھی قدرت نہیں اور زندہ حاضر سے طلب کیا جائے وہ بھی ہمارا مبحث نہیں! زندے اور مُردے برابر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض چیزوں پر انسان کو قدرت دیتا ہے اور ان کے سوال وطلب سے منع بھی فرماتا ہے۔ حدیث میں ہے:

"لا تزال المسألة باحدکم حتّٰى يلقى الله وليس على وجهه مزعة لحم" (وفیہ) "من سأل الناس وله ما يغنيه جاءت مسألته يوم القيامة خدوشا او خموشا في وجهه"

"تم میں سے بعض ہمیشہ سوال کرتے رہتے ہیں۔ وہ جب اللہ تعالیٰ کو ملیں گے ان کے چہرے پر گوشت کی بوٹی تک نہیں ہو گی!" نیز حدیث میں ہے "جس شخص نے لوگوں سے سوال کیا حالانکہ اس کو ضرورت نہ تھی، قیامت کے دن سوال کرنے کی وجہ سے اس کے چہرے پر خراشیں ہوں گی اور وہ چھیلا ہوا ہو گا۔"

سائل کو دینے کی اس کو قدرت ہے لیکن غنی سائل کو سوال سے منع کر دیا گیا ہے بلکہ جادوگروں کو انواع واقسام کے جادو اور شعبدوں پر قدرت ہوتی ہے مگر ان سے جادو کا سوال کرنا اکبر الکبائر ہے اس سے کج فہم کا قول باطل ہو گیا جس میں اس نے کہا ہے کہ "جس کو اللہ تعالیٰ نے قدرت دی ہے اس سے سوال کرنے سے کوئی مانع نہیں ہے" یہ بالکل درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسلؑ کو اپنا قرب عطا فرمایا اور بندوں پر ان کے ساتھ نیک سلوک اور ان کی تعظیم کو واجب کیا مگر اس سے یہ کہاں سے واجب ہو گیا، کہ ان سے استغاثہ کیا جائے اور وہ چیزیں مانگی جائیں جن پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو قدرت نہیں ہے؟

ان کے مناصب کے لائق تعظیم یہ نہیں بلکہ ان کی اصل تعظیم یہ ہے کہ ان سے محبت کی جائے ان کی فرمانبرداری کی جائے، ان کی تعظیم وتوقیر کی جائے ان کی ہدایت کو قبول کیا جائے،

ان کی شریعتوں پر عمل کیا جائے۔ عبّادِ قبور نے تعظیم کے یہ اصل کام جو واجب ہیں، ترک کر دیئے ہیں اور ان کی تعظیم، استغاثہ اور عبادت سے اور ذبح اور نذر سے کی ہے یہ اسی طرح کی تعظیم ہے، جو اہلِ کتاب اپنے انبیاؑ، رہبان اور احبار کی کرتے ہیں۔ یہ کج فہم اپنی جہالت کی وجہ سے لوگوں کو غالی اہلِ کتاب کے طریقے کی طرف دعوت دیتا ہے، رسُولوںؑ کی شریعت سے مُنہ موڑتا ہے اور کتاب و سنّت سے روکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ" "کچھ شک نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام جانداروں سے بدتر بہرے گونگے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے"

اعتراض

معترض کا یہ قول کہ "اللہ تعالےٰ نے اس میں قوت کا سبب پیدا فرمائی ہے۔"

جواب

اگر اس سے مراد قوتِ عادیہ، بشریہ، انسانیہ ہے، تو اس میں کوئی نزاع نہیں۔ اگر اس سے مراد وہ ہے، جو عبّادِ قبور نیک بندوں وغیرہ کو معبُود بناتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کو بے حِیِن کی دُعاء کی قبولیت، غمزدہ کی مدد، سائلوں کی حاجت روائی پر طاقت و قدرت حاصل ہے، تو یہ شرک فی الربوبیت ہے جس کو مشرکین اہلِ جاہلیت کا شرک بھی نہیں پہنچ سکا تھا بلکہ یہ غالی مشرکوں کا عقیدہ ہے، جو وہ اپنے معبودوں کے تصرف اور تدبیر کے بارے میں رکھتے ہیں۔ اگر ان کا ارادہ یہ ہو کہ ان کو پکارا جائے، ان سے سوال کیا جائے اور ان کے حضور استغاثہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ان کی خاطر ہی دیتا ہے، تو یہ قول جاہل ان پڑھوں اور اہلِ کتاب کا ہے۔ اس موضوع پر قرآنی آیات پہلے گزر چکی ہیں۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے جو نصاریٰ کے قول کی حکایت کی ہے کہ "اے

۱؎ الانفال: ۲۲

معبود کی والدہ! ہمارے لیے معبود کے حضور سفارش کر"۔ اس میں انہوں نے اس سے سفارش اور جاہ طلب کی ہے۔ یہ ہوا ان کا کفر و شرک۔ اس پر مزید یہ کہ وہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ(علیہما السلام) کے بارے میں بدترین عقیدہ رکھتے ہیں "قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ"! اگر اس کج فہم کی مراد یہ دوسری قسم ہے، تو یہ شرکِ غلیظ ہے۔ اس کی تصریح گزر چکی ہے۔ اس کی عبارت سے پہلا معنیٰ ہی سمجھ میں آتا ہے، اور اس زمانے میں عبّاد القبور پر بھی یہی شرک غالب ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی و عافیت چاہتے ہیں!

یہ بات کہ "اولیاء و صالحین اپنے مرنے کے بعد بھی دُعا کی درخواست کرنے والوں کے لیے دعا کرتے ہیں جس طرح وہ مرنے سے پہلے اپنی زندگی میں دعائیں کرتے تھے" بہت بڑی جہالت اور اللہ تعالیٰ کے خلاف بلا علم بات کرنا ہے۔ قرآن و سنّت اس سے خالی ہیں اور کسی قابلِ اعتماد صاحب علم و ایمان کا نہ یہ قول ہے، نہ عمل۔ قرونِ مفضّلہ میں، جب کہ ان کے پاس سب سے افضل قبر موجود تھی، کسی کا یہ قول و فعل نہیں ہے۔ ان میں سے کسی سے ثابت نہیں کہ انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے سوال کیا ہو، یا آپ ﷺ کو پکارا ہو، یا کسی اور بزرگ آدمی کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہو!

رہی عتبی کی خبر، اس پر گفتگو آئندہ ہوگی، ان شاء اللہ۔ اس کا فاعل ایک اعرابی ہے، جو نہ تو پیشوا ہے، نہ اس کی بات حجت ہے۔ بعض متاخرین نے اس کی بات کو دلیل بنایا ہے، ان کا یہ عمل ناقابلِ اعتبار ہے۔ ان کی مخالفت ان متقدمین نے کی ہے، جو بڑے جلیل القدر اکابر تھے۔

اس نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو "فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ"۔ (اس سے مدد چاہی اس نے، جو اس کی جماعت سے تھا، اس شخص کے خلاف، جو اس کے دشمنوں میں سے تھا) دلیل بنایا ہے اور خود ہی سوال کر کے جواب دیا ہے کہ "اگر کوئی کہے کہ یہ زندہ کے لیے ہے اور اس کو قدرت ہے، تو ہم کہیں گے: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف فعل کی بالاستقلال نسبت جائز نہیں کہ وہ مستقل فاعل ہے"۔ اس نے یہ بات اس طرح کی ہے، جیسا کہ جھگڑا مستقل قدرت رکھنے یا غیر مستقل قدرت رکھنے کے درمیان ہے، پس

نے اپنے خیالِ باطل میں سمجھا ہے کہ جب کسی کو مستقل فاعل نہ مانا جائے تو اسباب عادیہ اور غیر عادیہ ایک جیسے ہوتے ہیں پھر مُردوں اور غیر موجود لوگوں کو پکارنا جائز ہے۔ اس نے اپنا یہ دعویٰ کئی بار دُہرایا ہے بلکہ اس کو دلیل بھی بنایا ہے۔ دعوےٰ خود دلیل کا محتاج ہوتا ہے، دلیل نہیں بن سکتا بالخصوص ایسا غلط اور جھوٹا دعوےٰ! اللہ تعالیٰ نے ایسی مخلوق سے استغاثہ کی حکایت کی ہے جو زندہ اور حاضر ہے اور اس کو اس کے دشمن پر مدد کی قدرت بھی ہے۔ یہ بلا نزاع جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا بندے کا مستقل فاعل ہونا اور اپنے افعال خود پیدا کرنا، یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ یہ تقدیر کے منکروں کے گروہ کا قول ہے ان کے اس قول کی وجہ سے لوگ ان کی تکفیر میں مختلف ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ نزاع اس میں نہیں بلکہ مُردوں اور غائبوں کو پکارنے میں ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو مستقل فاعل نہ بھی مانا جائے۔

اس کا یہاں سے یہ دلیل لینا کہ "اللہ تعالیٰ نے غیر سے فریاد رسی کو جائز کیا ہے" بالکل رکیک اور غلط المعنیٰ بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غیر سے قطعاً فریاد رسی جائز نہیں بلکہ علی الاطلاق فریاد رس وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف ایسے کاموں میں، جن میں بندوں کو قدرت و استطاعت حاصل ہے کام کرنے اور نفع اٹھانے کی اجازت دی ہے۔ کج فہم نبہانی کی عبارت بڑی غلط اور خراب ہے۔

اس کا یہ کہنا کہ "نبی کریم ﷺ نے اِنَّہٗ لَا یُسْتَغَاثُ اِلَّا بِاللّٰہِ میں اسی بنیاد پر اغاثہ کی نفی کی ہے" نفی اس وجہ سے نہیں ہے جو کج فہم نے ذکر کی ہے۔ مخاطب خود سمجھتے تھے کہ افعالِ عباد کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے آپ ﷺ سے استغاثے کی نفی توحید کی حمایت و صیانت کے لیے کی ہے جیسا کہ جب ایک شخص نے آپ ﷺ سے کہا تھا:

"اَنْتَ سَیِّدُنَا وَابْنُ سَیِّدِنَا" آپ ﷺ نے فرمایا تھا "اَلسَّیِّدُ اللّٰہُ اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ"!

"سید (آقا) اللہ تعالیٰ ہے، میں تو محض بندہ ہوں تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو"! اگر بات وہی ہوتی جو کج فہم نے سمجھی ہے تو رسولِ اکرم ﷺ سے ہر قول و فعل کی نفی ہوتی کیونکہ آپ کا کوئی فعل بالاستقلال نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا "اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور جو تم عمل

تَعۡمَلُوۡنَ ○ کرتے ہو"۔

کج فہم نبہانی ایسے موضوع کو چھیڑتا ہے جس کا اسے کچھ علم نہیں۔ الفاظِ نبوی میں جو حد بندی کی گئی ہے اس کو اس نے بدل دیا ہے اور عقل و فہم کا منہ چڑایا ہے۔ حدیث میں نفی "استغاثہ" کی ہے نہ کہ "اغاثہ" کی مگر معترض اس فرق کو نہیں سمجھتا۔

"شبہات اور اُن کا ابطال"

شبہ اول

ابن حجر نے "الجوہر المنظم" میں اور سبکی نے اپنی کتاب میں نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب حضرت آدم علیہ السلام خطا کے مرتکب ہوئے تو عرض کی "اے میرے رب! میں تجھ سے حضرت محمد ﷺ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے"۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا "اے آدمؑ! تو نے حضرت محمد ﷺ کو کیسے پہچانا؟ حالانکہ میں نے اس کو پیدا ہی نہیں کیا"۔ عرض کی "اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور مجھ میں اپنی رُوح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا اور عرش کے پایوں پر لکھا دیکھا تھا: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ" مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم شریف کے ساتھ اپنی محبوب ترین مخلوق کا نام ہی جوڑا ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "آدم! تم نے سچ کہا وہ پوری مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ پیارا ہے۔ جب تُو نے مجھ سے اس کے حق کے ساتھ سوال کیا ہے، تو میں نے تجھے بخش دیا۔ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے نہ پیدا کرتا"۔ آپ ﷺ کے حق سے مراد اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کا رتبہ اور درجہ ہے یا آپ ﷺ کا وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر واجب کر دیا یا وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے اوپر مقرر کر لیا ہے۔ الخ!

جواب

یہ حدیث بے اصل ہے اور اہلِ علم اور مفسرین کے نزدیک ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ میں نازل ہوا ہے :

فَتَلَقّٰىٓ اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝[1]	"پھر آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے (اور ان کے ذریعے معافی مانگی) اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔"

پھر ان کلمات کو اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرما دیا ہے :

"رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝[2]	"اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور رحم نہ فرمایا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔"

یہ سعید بن جبیر، مجاہد، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، حسن، قتادہ، محمد بن کعب قرظی، خالد بن معدان، عطار خراسانی، عبدالرحمٰن بن یزید سے مروی ہے۔ عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ "آدم علیہ السلام نے عرض کی" اے میرے رب! جو خطا میں نے کی ہے کیا تو نے مجھ پہ میری تخلیق سے پہلے ہی لکھ دی تھی یا میں نے خود ہی اپنی طرف سے کی ہے"؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" بلکہ میں نے وہ تجھ پر تیری پیدائش سے قبل ہی لکھ دی تھی" تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی" جس طرح تو نے یہ خطا مجھ پر لکھی تھی اس کو معاف بھی فرما"۔ ان کلمات سے مراد جو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے لیے تھے یہی تھے!"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی" کیا تو نے مجھے اپنے دستِ پاک سے پیدا نہیں فرمایا"؟ جواب دیا گیا" کیوں نہیں!"۔ پوچھا

---

[1] البقرۃ: ۳۷ [2] الاعراف: ۲۳

"تُو نے مجھ پر لکھا ہُوا تھا کہ یہ عمل کروں"؟ جواب دیا گیا "کیوں نہیں"! عرض کی اگر میں توبہ کروں تو کیا تُو مجھے دوبارہ جنت میں داخل فرمائے گا؟ فرمایا "ہاں"! عوفی نے اور سعید بن جبیر اور سعید بن معبد نے اس کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اس کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے اس کے ساتھ ملتی جلتی ایک مرفوع حدیث بھی بیان کی ہے!

حضرت مجاہد نے فرمایا کلمات یہ تھے:

"اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّيْ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ اِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ اِنَّكَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ!"

"اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ، اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے تُو مجھے بخش دے تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔ اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تُو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ تو مجھے بخش، بے شک تُو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے اپنی تعریفوں کے ساتھ اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو میری توبہ قبول فرما یقیناً تُو بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے"!

مفسرین یہی بیان کرتے ہیں نہ وہ جو غالیوں نے کہا اگرچہ بعض بے بصیرت لوگوں نے اس کو بیان کیا ہے، حجت اور دلیل تو وہی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، سلفِ امت اور ائمہ دین سے ثابت ہے۔ ایسے شاذ اور من گھڑت اقوال سے اہلِ علم و الحدیث اور ائمہ تصحیح و ترجیح کے نزدیک تفسیر قرآن ثابت نہیں ہے۔

ابن حمید رازی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ابو جعفر منصور کی ایک حکایت

بیان کی ہے کہ "ابوجعفر منصور نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ میں دعا کرتے وقت اپنا رُخ قبلے کی طرف کروں، یا رسول اللہ کی طرف ـــــ ؟ تو حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رُخ نہ پھیرو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کے دن وسیلہ ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف رُخ کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سفارش طلب کرو"۔

حفاظ نے ابنِ حمید کی اس حکایت کو مردود قرار دیا ہے۔ اس کی سند کو تاریک اور منقطع بتایا ہے۔ اس میں متہم بالکذب راوی بھی ہے۔ انہوں نے ابنِ حمید کے بارے میں یہ رائے بھی دی ہے کہ "وہ کثیر المناکیر" ہے۔ اس نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ نہیں سُنا اس کی آپ رحمۃ اللہ علیہ سے سند منقطع ہے اور ابنِ حمید میں بہت سے ائمہ نے کلام کیا ہے۔ بعض نے اس کو کذب کی طرف منسوب کیا ہے۔

شبہ ثانیہ

ایک اندھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے تندرستی دے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تو چاہے تو دعا کر دیتا ہوں اور اگر چاہے تو صبر کر۔ صبر تیرے لیے بہتر ہے"۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہایت عمدہ طریقہ سے باوضو یہ دعا پڑھ:

"اللھم انی اسئلك واتوجہ الیك بنبیك محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بك الی ربی فی قضاء حاجتی لتقضی لی اللھم شفعہ فی فقام وقد ابصر۔ الخ"

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے متوجہ ہوتا ہوں، جو نبی رحمت ہیں اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے ذریعے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اپنی حاجت روائی کے لیے اے اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میرے حق میں سفارش قبول فرما جب وہ کھڑا ہوا، تو بینا تھا"۔

جواب

بعض اہل حدیث نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جو شخص اس کے معنی کو غور سے دیکھے گا وہ اس کا جواب خود ہی پالے گا۔ وہ کہتا ہے "میں تجھ سے طلب کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے نبی محمد ﷺ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں" حالانکہ آپ ﷺ نے اپنا نام یوں صراحت کے ساتھ لینے سے بطورِ تواضع کے منع فرمایا ہے۔ اور اس میں سوال کو جو دعا کی اصل ہے صرف اللہ بلند بادشاہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اس نے نبی ﷺ کے وسیلے سے یعنی آپ ﷺ کی دعا کو وسیلہ بنایا ہے اسی لیے تو کہا ہے "اے اللہ! آپ ﷺ کی سفارش (دعا) کو میرے حق میں قبول فرما" کیونکہ آپ ﷺ کی سفارش صرف خالص اللہ تعالیٰ سے دعا سے ہی ہوتی ہے۔ اگر آپ ﷺ کی ذات کا وسیلہ ہوتا، تو بعد کی عبارت کا کچھ معنیٰ نہ ہوتا کیونکہ ذاتی توسل کے لیے "بنبیک" کا لفظ ہی کافی تھا اس کے اس قول میں یا محمد انی توجہت بك الی ربی میں "با" بقول طیبی "استعانت" کے لیے ہے۔ "الیک" کے لفظ کے بعد "توجہت بك" میں اس آیت کا معنیٰ آجاتا ہے: "مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ" یعنی: "کون ہے جو اس کے پاس بلا اجازت سفارش کر سکے؟"

اس کا خطاب اس ذاتِ مقدس کو ہے جو اس کا دل دیکھ رہی ہے اور دل اس کے ساتھ مربوط ہے جس کے ذریعے وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے یعنی نبی کریم ﷺ کی دعا کے ساتھ یہ دعا ہی آپ ﷺ کی سفارش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مضارع کے صیغے کو ماضی کے بعد لایا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سائل نبی کریم ﷺ کی شفاعت کو اپنی دعا میں وسیلہ بنا رہا ہے۔ گویا کہ اس نے اپنی دعا میں آپ ﷺ کی دعا کو مستحضر رکھا۔ خطاب کے مقامات میں اور اعتباری قرائن میں اس طرح بکثرت ہوتا ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ "میری اس حاجت میں تاکہ وہ پوری ہو" یعنی "تاکہ میرا رب آپ ﷺ کی میرے حق میں سفارش (دعا) کی وجہ سے حاجت کو پورا فرمائے"۔ یہ شرعی لحاظ سے بالکل درست ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

آپ ﷺ سے دُعا کی درخواستیں کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ ان کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے یہ اب بھی جائز ہے کہ کسی صالح آدمی کے پاس جا کر دُعا کی درخواست کی جائے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ اعلیٰ اَدنیٰ سے دُعا کی درخواست کرے جس طرح نبی کریم ﷺ نے حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کو عمرے کے لیے جاتے ہوئے فرمایا تھا : لَا تَنْسَنَا یَا اُخَیَّ مِنْ دُعَائِكَ "بھائی مجھے اپنی دُعا میں نہ بھولنا"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، آپ ﷺ کے "یَا اُخَیَّ" فرمانے سے مجھے بیحد خوشی ہوئی"۔

مناوی نے کہا اُس نے پہلے اللّٰہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ اپنے نبی ﷺ کو اس کی سفارش کی اجازت دے پھر اس نے نبی کریم ﷺ سے اپنے حق میں سفارش کی درخواست کی پھر وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ اے اللّٰہ! آپ ﷺ کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔ "بِنَبِیِّكَ" میں "با" تعدیہ کے لیے اور "بِكَ" میں "استعانت" کے لیے ہے۔ اس کا کہنا کہ "فَشَفِّعْهُ فِیَّ"۔ یعنی آپ ﷺ کی میرے حق میں سفارش (دُعا) کو قبول فرما۔" اس کا عطف مقدر ہے یعنی آپ ﷺ کو میرے حق میں شفیع بنا اور آپ ﷺ کی سفارش قبول فرما" یہ سب مفاہیم و معانی بتاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کے لیے سفارش کی تھی یعنی اس کی مصیبت کے دُور کرنے کے لیے آپ ﷺ نے دعا کی تھی اور یہ حرام نہیں ہے!

اور زیادہ سے زیادہ اور آخری بات یہ ہے کہ یہ بغیر دُعا کے وسیلہ ہے بلکہ حاضر اور موجود کو ندا ہے۔ دُعا، ندا سے اخص ہے۔ جبکہ ندا عبادت ہو۔ اور ایسی چیز کے سوال پر مشتمل، جو اللّٰہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قدرت میں نہیں! — حرام و ناجائز ذات کے وسیلے سے سوال کرنا ہے، نہ کہ مطلقاً، بلکہ اس طرح کہ ان کی ذات اللّٰہ تعالیٰ کے لیے وسیلہ ہے! — ہاں ان کی دعا، کا وسیلہ بالکل جائز ہے۔ جب کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ ان کی ذاتیں اللّٰہ تعالیٰ کے لیے وسیلہ ہیں، پھر ان سے قریب ہونے کے لیے شفاعت کا سوال کیا، تو یہ ہو بہو شرک ہے جو مشرکین مکہ کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے ورود کے متعلق عرض یہ ہے کہ اس کی سند میں کلام ہے تو ایسی روایت سب کتابوں و سنّتِ رسول اللّٰہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے؟ کیا کبھی آپ حضرات

کے کان میں بھنک پڑی کہ کوئی صحابیؓ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی قبر شریف پر آیا ہو اور آپ ﷺ سے وہ چیز مانگی ہو جو صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے؟ وہ حضرات تو ایسے ثواب کے کاموں کے شوقین تھے اور اپنی حوائج برآری کے لیے ہر جائز اور ممکن صورت اختیار کرتے تھے۔ ان میں سے کسی کے نزدیک اگر بات کا کچھ حصہ ثابت ہوتا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی قبر شریف پر گروہ در گروہ آتے۔ پھر اس طرح کی بات کو نقل کرنے کے اسباب بکثرت تھے۔ جو کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ اور نیک علماء دین رحمہم اللہ نے پسند نہیں کیا، اللہ تعالیٰ اس کو وسعت نہ دے!

شبہ ثالثہ

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بارش کے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ لیا۔ اور اس پر انکار نہیں کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی قبر کی بجائے ان سے توسل میں اپنی انتہائی تواضع کا اظہار اور نبی کریم ﷺ کی قرابت کی رفعت کی حکمت تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل، نبی ﷺ کے ساتھ توسل تھا اور اس پر کچھ زیادتی بھی تھی۔"

جواب

توسّل سے مراد ان کے لیے دعا کرنا ہے۔ آپ (عباس رضی اللہ عنہ) کی بارش کے لیے دُعا سے اس کا پتہ چلتا ہے، جیسا کہ باقی روایات میں موجود ہے۔ فقہاء نے اپنی کتابوں میں یہی معنیٰ مراد لیا ہے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ زندہ صالحین سے دعا کرانا دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ اگر ذات کا توسل مطلوب ہوتا جس کے لیے وہ اس کو دلیل بناتے ہیں، تو صحابہؓ مدینہ منورہ میں ہو کر اس اہم معاملہ میں نبی کریم ﷺ کی ذاتِ شریف کے ساتھ توسل کرتے۔
پھر لطف یہ ہے کہ وہ اس کو دلیل کے مطابق زندوں کے ساتھ خاص نہیں کرتے اور مُردوں کے ساتھ توسل کو مستحب سمجھتے ہیں۔ ان کو پکارتے بھی ہیں اور ان سے دعا بھی کرتے ہیں، جیسا کہ ان کی دلیل گزر چکی ہے۔ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ سفارش کرنے والے ان کے لیے دُعا کرتے ہیں۔ وہ

کہتے ہیں کہ اس میں شرع اور عقل کی رُو سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کیا اور دعا کی:

"اللھم انا کنا اذا اجدبنا توسلنا الیک بنبیک فتسقینا و انا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقون"

"اے اللہ! خشک سالی میں ہم تیرے حضور، تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل اختیار کرتے تھے تو تُو ہم پر بارش برسا دیتا تھا اب ہم تیرے حضور، تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ساتھ توسل کرتے ہیں، تو ہم پر بارش برسا!" تو ان پر بارش برستی تھی۔

اس دعا سے ان کی دلیل عبث ٹھہرتی ہے، اور یہ دعا ان کے قول اور دعوے کے سراسر خلاف ہے بلکہ یہ ہمارے دعوے کی سب سے مضبوط، سب سے پسندیدہ، سب سے اعلیٰ، سب سے صحیح اور سب سے سچی دلیل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا "ہم خشک سالی میں تیرے نبیؐ سے توسل کرتے تھے" صاف دلالت کرتا ہے کہ اب وہ توسل منقطع ہو چکا ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا! چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ زندہ تھے، اس لیے ان سے دعا کرائی اور اس کو وسیلہ بنایا۔ جب وہ بھی فوت ہو گئے تو یہ بات بھی گئی۔ ان کا زندوں کے ساتھ خاص کرنا چاہے وہ کم درجہ ہوں، دلیلِ روشن ہے اور برہانِ قاطع ہے کہ اس سے یہی مراد ہے۔ اگر ذات کا وسیلہ ہوتا تو وہ وسیلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا باقی رہتا اور بڑوں، بالخصوص انبیاء و رسل سلام اللہ علیہم کو چھوڑ کر چھوٹوں کی طرف وہ متوجہ نہ ہوتے۔ خوب سمجھ لیجئے یہ بہترین بات ہے۔ اللہ آپ کا ہادی و ناصر ہو، وہ نہایت اچھا کارساز ہے!

باقی شبہات جن کو نبہانی نے اپنے غالی پیشواؤں کے کلام سے وارد کیا ہے، ان میں سے بعض تو غیر متعلق ہیں اور بعض وہ احادیث جو ضعف یا راوی کے جھوٹ وغیرہ کی وجہ سے لائقِ اعتبار نہیں جیسا کہ بعض حضرات نے ان کا ردّ بھی کیا ہے۔ اگر آپ ان کو بنظرِ ایمان دیکھیں، تو

ان کے من گھڑت ہونے کے آثار بالکل واضح ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال و اعمال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ان کو نہیں مانتے تھے۔ اگر ان کے نزدیک ان کی ذرہ بھر وقعت ہوتی تو وہ اپنے سب معاملات میں دُور دراز سے سوار ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر آتے اور اس موقعہ پر اپنے مشاغل کو ترک کر دیتے مگر ایسا نہیں ہوا۔

استغاثہ بغیر اللہ کے جواز میں دیگر شبہات کا بطلان

ہر زمانے میں اہلِ حق کے مخالفین اپنے باطل کی حمایت کے لیے پوری کوشش کرتے رہے اور ایسے شبہات پر تکیہ کرتے رہے جو تارِ عنکبوت سے بھی کمزور تر تھے۔ وہ اپنے باطل کی ترویج کے لیے چاند کو بھی دلیل بنانے لگے تھے۔

میں نے ایک مختصر سا رسالہ دیکھا جس کو علامہ ابو عبداللہ شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف الشبہات" کے نام سے تصنیف کیا۔ یہاں اس کا اقتباس دینا مناسب ہے۔ وہ مختصر ہونے کے باوجود طالبِ حق کے لیے بڑا مفید ہے۔ آپ نے فرمایا: "یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت ہے کہ جب اس نے مسئلہ توحید دے کر کوئی نبی بھیجا تو اس کے دشمن پیدا کر دیئے۔ ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا[1]

"اور اسی طرح ہم نے شیطان سیرت انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا وہ ایک دوسرے کے دل میں دھوکا دینے کے لیے ملمع کی ہوئی بات ڈالتے رہتے ہیں۔"

بسا اوقات توحید کے دشمنوں کے پاس بڑے علوم و کتابیں اور دلائل ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ جب ان کے پاس رسول کھلے دلائل کے

---

[1] الانعام: ۱۱۲

فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ[1] الآیۃ! ساتھ آئے تو وہ اپنے علم پر ہی اتراتے رہے"۔
جب آپ اس کو پہچان لیں گے، تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ طریق الی اللہ کے لیے، فصاحت و علم اور دلائل کے ساتھ مسلح دشمنوں کا وجود ضروری ہے۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد آپ پر واجب ہو جاتا ہے کہ آپ اللہ کے دین کا علم حاصل کریں جو آپ کو ان شیاطین کے مقابلے میں ہتھیار کا کام دے گا۔ ان کے امام و لیڈر نے ربّ عزوجل سے کہا تھا:

"لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ[2] الآیۃ!"

"شیطان نے کہا تھا میں ان کے لیے تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا، پھر میں ان کے آگے سے، پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے ادھر سے آؤں گا"۔

جب آپ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور اس کے کھلے کھلے دلائل و براہین پر غور کریں گے، تو شیطان کی تدبیر سے مت گھبرائیں وہ بڑی گھٹیا اور کمزور ہوتی ہے۔ ایک عام موحد اللہ کے حکم سے ہزار مخالفوں پر بھاری ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ[3]" "ہمارا لشکر ہی غالب ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا لشکر (موحدین) دلیل و برہان کے ساتھ اسی طرح غالب ہوتے ہیں، جس طرح وہ تیر و تفنگ اور تلوار کے ساتھ غالب ہوتے ہیں۔ خوف تو اس موحد کو ہوتا ہے جو راہ چلتا ہے، مگر اس کے پاس ہتھیار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنی کتاب نازل کر کے احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ اس میں ہر چیز کا کھلا بیان ہے وہ ہدایت اور رحمت ہے اور مسلمانوں کے لیے خوشخبری ہے۔ اہلِ باطل جو بھی دلیل پیش کریں، قرآنِ مجید اس کو توڑ دیتا ہے اور اس کے باطل ہونے کو واضح کر دیتا ہے۔ ارشاد ہے:

"وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا[4]"

"وہ لوگ تمہارے پاس جو اعتراض کرتے ہیں، ہم اس کا معقول اور مفصل جواب دیتے ہیں"۔

---

[1] غافر: ۸۳ [2] الاعراف: ۱۶-۱۷ [3] الصّٰفّٰت: ۱۷۳ [4] الفرقان: ۳۳

بعض مفسرین نے کہا ہے' یہ آیت عام ہے۔ اہلِ باطل قیامت تک جو بھی دلیل پیش کریں گے اس کا جواب قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ ہمارے زمانے میں اہلِ باطل ہمارے خلاف جو دلائل دیتے ہیں' میں ان کا جواب قرآنِ مجید سے دیتا ہوں۔ ہم کہتے ہیں اہلِ باطل کا جواب دو طرح پر ہے۔

مجمل جواب

جو شخص اس کو سمجھ لے اس کے لیے یہ بڑا اہم اور کثیر الفوائد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"هُوَ الَّذِيٓ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖ ؔ وَمَا يَعۡلَمُ تَاۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ يَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ [1] ۝"

"وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل فرمائی' جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے' وہ متشابہ آیات کی اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مرادِ اصلی کا پتہ لگائیں۔ حالانکہ مرادِ اصلی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جو لوگ علم میں ماہر ہیں' وہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا رَاَيۡتُمُ الَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ سَمَّى اللّٰهُ فَاحۡذَرُوۡهُمۡ!

"جب ان کو دیکھو جو متشابہات کی اتباع کرتے ہیں تو انہی کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے۔ ان سے بچو۔"

---

[1] اٰلِ عمران : ۷

اس کی مثال یہ ہے کہ جب تجھے کوئی جھگڑالو کہے :

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ[۱] "سنو! اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے نہ ان کو غم ہوگا۔"

"اور یہ کہ شفاعت حق ہے اور انبیاء علیہم السلام کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و منزلت ہے"۔ یا نبی کریم ﷺ کا ایسا کلام ذکر کرے جس سے اپنے باطل مسئلے کو ثابت کرے تو اس کو جواب دو کہ:

"اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ محکم کو چھوڑتے اور متشابہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود ذکر فرمایا ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکفیر اس لیے کی ہے کہ وہ فرشتوں، انبیاء و اولیاء کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی سمجھتے تھے۔ یہ امرِ محکم بالکل واضح ہے کوئی اس کے معنیٰ کو بدلنا بھی چاہے تو نہیں بدل سکتا۔

اور قرآنِ مجید کی جس آیت یا کلامِ نبوی کو اے جھگڑالو! تو نے بیان کیا ہے میں اس کے مفہوم کو نہیں پہچانتا لیکن یہ قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام متناقض نہیں ہے، اور نبی کریم ﷺ کا کلام، کلام اللہ کے خلاف نہیں ہو سکتا"۔

یہ جواب بالکل سیدھا سادھا ہے اس کو وہی سمجھے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے۔ اس سے حیران نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے فرمایا ہے:

وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ[۲] "اس کی توفیق ان کو ملتی ہے جنھوں نے صبر کیا اور وہ انہی کو ملتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں"۔

مفصل جواب

حق کے دشمنوں کو حق کے خلاف بہت سے اعتراضات ہیں جن کے ذریعے وہ لوگوں

---

[۱] یونس : ۶۲ [۲] فصلت : ۳۵

کو اس سے رد کتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں "ہم اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتے، بلکہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی پیدا کر سکتا ہے، نہ رزق دے سکتا ہے ۔ نہ کوئی نفع دیتا ہے، نہ نقصان ۔ اللہ تعالیٰ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور ہم گواہی دیتے ہیں حضرت محمد ﷺ اپنی ذات کے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، چہ جائیکہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچائیں لیکن ہم گناہگار ہیں، اور نیک اور صالح لوگوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و منزلت ہے ۔ ہم ان کے واسطے اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے ہیں۔"

ان کو جواب دو، جن لوگوں سے رسولِ اکرم ﷺ برسرِ پیکار رہے، وہ بھی بعینہٖ یہی باتیں کرتے تھے ۔ وہ اقرار کرتے تھے کہ ان کے بُت کچھ تدبیر نہیں کر سکتے ۔ ان سے مراد صرف قدر و منزلت کے ذریعے شفاعت ہے، پھر ان کے سامنے وہ پڑھو، جو اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں وضاحت سے ذکر کیا ہے ۔ اگر مدِمقابل یہ کہے کہ "یہ آیات بُتوں کے پجاریوں کے لیے ہیں، تم صالحین کو بُت کس طرح بناتے ہو؟ تو جواب دو : "یہ اقرار ہے کہ کفار مکمل ربوبیت اللہ تعالیٰ کے لیے سمجھتے تھے، تو جو لوگ بُتوں کا قصد کرتے تھے، وہ ان سے شفاعت کے ہی طالب تھے۔" اگر وہ اپنے اور کفار کے فعل میں فرق کرے، تو اس کو بتاؤ کہ "بعض کفار صالحین اور بتوں کو پکارتے تھے ۔ بعض ان میں سے اولیاء کو پکارتے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ -الآیۃ !"[1]	"وہ لوگ جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں، وہ خود اپنے رب کے قرب (وسیلہ) کی تلاش میں رہتے ہیں، کہ ان میں سے کون اللہ تعالیٰ کا زیادہ مقرب ہے ۔"
مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۖ كَانَا يَاْكُلٰنِ	مسیح ابنِ مریم علیہما السلام ایک رسول ہی تھے ۔ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ بات و عمل میں بہت سچی تھیں، وہ

---

[1] الاسراء : ۵۷

الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝[1]

دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم ان کے لیے آیات کس طرح کھول کر بیان کرتے ہیں۔ پھر ان کو دیکھو وہ کہاں اُلٹے جا رہے ہیں۔"

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝[2]

"جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کہ "یہ لوگ تمہاری پوجا کرتے تھے؟" وہ جواب دیں گے "تو پاک ہے تو ان کے سوا ہمارا دوست ہے۔ بلکہ وہ جنوں کی پوجا کرتے تھے ان میں سے اکثر ان پر ایمان لاتے تھے۔"

پھر ان سے پوچھو کہ کیا سمجھ گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی کافر کہا ہے، جو بتوں کا قصد کرتے تھے اور ان کو بھی جو صالحین کا قصد کرتے تھے اور ان سے رسول اکرم ﷺ برسرِ پیکار رہے۔" اگر کہے کفار کی تو مراد ہی وہ تھے مگر میں تو گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نافع و ضار اور مدبّر ہے۔ میری مراد تو وہی ہے۔ صالحین کے پاس کوئی اختیار نہیں، لیکن ان کی طرف قصد سے مجھے اللہ تعالیٰ سے ان کی شفاعت کی امید ہے۔"

تو اس کو بتاؤ کفار کا بھی ہو بہو یہی قول ہے، پھر اس پر پڑھو:

"مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى[3] ۔ الآیۃ!"

"ہم ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیں۔"

"هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ[4] ۔ الآیۃ!" "یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔"

ان کے پاس جتنے شبہات ہیں، ان میں سب سے بڑے یہ تین ہیں۔ جب آپ پہچان گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی وضاحت اپنی کتاب میں کر دی ہے اور اس کو خوب سمجھ لیا تو اس کے بعد دوسری سب باتیں آسان ہیں۔

اگر وہ کہے کہ "میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ صالحین کی خدمت میں

---

[1] المآئدۃ: ۷۵ [2] سبا: ۴۰۔۴۱ [3] الزمر: ۳ [4] یونس: ۱۸

التجا اور ان سے دُعا کرنا عبادت نہیں" تو اس کو جواب دو کہ تمہیں یہ تو اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خالص عبادت کو تجھ پر فرض کیا ہے اور یہ اس کا حق ہے"۔ جب وہ "ہاں" کہے تو پھر اس سے پوچھو، "اللہ وحدہٗ کی عبادت میں اخلاص جو اس کا حق ہے، سے کیا مراد ہے"؟ دیکھو گے، وہ عبادت کا صحیح مفہوم اور اس کی انواع کو بیان نہ کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس کو پڑھ کر سناؤ:

"اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً[1]" "اپنے رب کو پکارو گڑگڑا کر اور چپکے سے"۔

پوچھو، "کیا رب کو پکارنا عبادت ہے"؟ لازماً وہ "ہاں" کہے گا کہ "اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ"۔ "دعاء عبادت کا مغز ہے"۔ کہو جب تمہیں اقرار ہے کہ دُعاء عبادت ہے تم اللہ تعالیٰ کو رات دن ڈر کر اور امید کے ساتھ پکارتے ہو۔ پھر حاجت مندی کے وقت کسی نبی، ولی وغیرہ کو پکارا تو کیا یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غیر کو شامل نہ کر دیا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ[2]" "اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر"۔

"تو نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کے لیے قربانی کی"؟ وہ ضرور کہے گا "ہاں"۔ تو اس سے پوچھو "جب تم نے کسی مخلوق، نبی، ولی، یا جن و فرشتے وغیرہ کے لیے قربانی کی تو کیا اس عبادت میں غیر اللہ کو شریک نہیں کر دیا"؟ اس کو مانے بغیر چارہ نہیں ہوگا!

ان کو یہ بھی بتاؤ "جن مشرکین کی مذمت میں قرآن مجید اترا ہے کیا وہ فرشتوں، صالحین، لات و عزّیٰ وغیرہ کی عبادت کرتے تھے"؟ تو وہ لازماً مانے گا تو اس کو بتاؤ "ان کی عبادت یہی تھی کہ وہ ان سے دُعا کرتے، ان کے لیے جانور ذبح کرتے، ان کے حضور التجائیں وغیرہ کرتے تھے ورنہ وہ مانتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے حکم کے تابع ہیں۔ کائنات میں تدبیر اور حکم اللہ تعالیٰ کا ہی چلتا ہے۔ انہوں نے ان کو پکارا، التجا کی۔ ان کی مراد جاہ و شفاعت کا وسیلہ ہی تھا۔ یہ بالکل واضح ہے!"

اگر وہ کہے "کیا تم رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت کے منکر اور اس سے بیزار ہو"؟ تو اس کو بتاؤ کہ "ہم شفاعت کے منکر اور اس سے بے زار نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ شفاعت

---

[1] الاعراف: ۵۵ [2] الکوثر: ۲

فرمائیں گے۔ آپ ﷺ کی شفاعت قبول ہوگی۔ میں بھی آپ ﷺ کا امیدوار ہوں، لیکن شفاعت بھی ساری اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا [1] الآیۃ!" "کہہ دو کہ سفارش تو سب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔"

یہ اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ [2] الآیۃ!" "کون ہے جو بلا اجازت اس کے حضور سفارش کر سکے؟"

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد ہی کسی کی سفارش فرمائیں گے۔ ارشادِ جَلَّ جلالہُ ہے:

"وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى [3] الآیۃ!" "وہ اسی کی سفارش کریں گے جس کے لیے وہ سفارش پسند کرے گا۔"

وہ توحید ہی کو پسند فرماتا ہے۔ ارشاد ہے:

"وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ" ! [4] "جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز قبول نہیں ہوگا۔ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا!"

جب شفاعت کا سارا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، وہ بلا اجازت نہیں ہوسکے گی اور نبی، ولی کوئی بھی بغیر اجازت شفاعت نہیں کر سکیں گے اور اللہ تعالیٰ اہلِ توحید کے سوا کسی کے لیے اس کی اجازت دے گا۔ اب جب یہ مسئلہ صاف ہوگیا کہ شفاعت کا سارا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے تو میں اس سے شفاعت مانگتا ہوں اور کہتا ہوں "اے اللہ! مجھے آپ ﷺ کی شفاعت سے محروم نہ رکھنا۔ اے اللہ! آپ ﷺ کی میرے حق میں شفاعت کو قبول فرمانا!"

اگر اس کو یہ اعتراض سوجھے کہ "اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شفاعت عطا فرما دی ہے۔

---

[1] الزمر: ۴۴ [2] البقرۃ: ۲۵۵ [3] الانبیاء: ۲۸ [4] آلِ عمران: ۸۵

اور جس کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت دی ہے، میں اسی سے مانگتا ہوں" تو اس سے کہو "جب تمہیں اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کو زنا وغیرہ سے بھی زیادہ حرام کیا ہے۔ اور وہ معاف نہیں ہوگا، تو سوچنا چاہیئے کہ اتنا بڑا گناہ جس کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا وہ کیا ہے"؟ اس کو بالکل پتہ نہیں ہوگا، تو اس سے کہو "تم اپنے آپ کو شرک سے بری بھی کرتے ہو اور اس کو پہچانتے بھی نہیں ہو، اتنا بڑا گناہ جس کے نہ بخشنے کو خود اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا، تو کیا اس نے اس کو واضح نہیں فرمایا؟

اگر وہ کہے کہ "بتوں کی پوجا شرک ہے اور ہم ان کو نہیں پوجتے"۔

تو جواب دو "بتوں کی پوجا کا کیا معنیٰ ہے؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ لکڑیاں اور پتھر (بت) پیدا کرتے ہیں؟ اور جو کوئی ان کو پکارے، ان کے کام کی تدبیر کرتے ہیں؟۔ قرآنِ مجید اس کی تکذیب کرتا ہے!"

اگر کہے "وہ قصد تو لکڑیوں اور پتھروں اور قبروں اور مزاروں کا کرتے ہیں مگر لوگ ان کو پکارتے ہیں، ان کے لیے جانور ذبح کرتے ہیں اور کہتے ہیں "وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتے ہیں اور ہم سے تکالیف و مصائب دور کر دیتے ہیں" تو اس کو کہو "سچ ہے، تمہارا یہی طرزِ عمل ہے۔ پتھروں اور مزاروں وغیرہ میں تم پہلے مان چکے ہو کہ یہ غیر اللہ کی عبادت ہے"۔

اس کو یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ "تم کہتے ہو شرک بتوں کی عبادت ہے! اس سے تمہاری مراد یہ ہے کہ شرک صرف بتوں کے ساتھ خاص ہے؟ صالحین پر بھروسہ کرنا اور ان کو پکارنا اس میں داخل نہیں ہے؟ اس کی تردید خود قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور صالحین ہی سے چمٹنے والوں کی تکفیر کی ہے" تو اس کو ماننا ہی پڑے گا کہ جس نے صالحین کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کیا، اس کا شرک وہی ہوگا جس کی تردید قرآنِ مجید میں ہے۔

"مسئلے کا راز"

جب کہے "میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا" تو اس سے پوچھو "شرک کیا ہے؟ اس

کی تشریح کرو"۔

اگر وہ کہے "اس سے مراد بتوں کی پوجا ہے" تو کہو "اس کی وضاحت کرو"۔ اگر وہ اس کو بیان کرے جس کو قرآن نے بیان کیا ہے" تو یہی مطلوب ہے! اگر وہ نہ کر سکے تو وہ اس سے کیسے انکار کر سکتا ہے، جس کو وہ پہچانتا ہی نہیں؟ اگر کوئی اور تشریح کرے تو اس کے سامنے قرآنِ مجید کی واضح آیات سے تشریح کرو جس میں "شرک باللہ" اور "عبادۃ الاوثان" کی اس زمانے میں صورت بیان ہو۔ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت ہی وہ ہے جس کا وہ انکار کرتے ہیں اور اسی طرح چیختے ہیں جس طرح ان کے بھائی چیخا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا تھا:

"اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ"[1]

"کیا اس نے سب معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنالیا ہے؟ یہ تو بڑی انوکھی بات ہے"۔

یہ جان لینے کے بعد آپ کو یقین ہو چکا ہوگا کہ ہمارے زمانے میں حق کے دشمن جس کو اعتقاد یا عقیدت کہتے ہیں، یہ وہی شرک ہے جس کی تردید کے لیے قرآنِ مجید نازل ہوا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف جہاد کیا۔ یقین کیجئے پہلے زمانے کے شرک سے ہمارے زمانے کا شرک زیادہ سخت ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

وجہِ اوّل

پہلے مشرکین، فرشتوں، اولیاء اور اوثان کو عام اوقات میں پکارتے تھے جب کوئی سخت وقت آجاتا تو پھر وہ صرف اللہ وحدہٗ کو پکارتے تھے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا"[2]

"جب تمہیں دریا میں تکلیف پہنچتی ہے، تو جن کو تم پکارا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے سوا وہ سب گم ہو جاتے ہیں پھر جب وہ تمہیں نجات دیتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان ہے ہی ناشکرا"۔

---

[1] صٓ: ۵ [2] الاسراء: ۶۷

"قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ" [۱]

"کہہ دو (اے کافرو!) بھلا بتاؤ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے یا قیامت آموجود ہو، تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر سچے ہو؟ بلکہ اس وقت تم اسی کو پکارتے ہو تو جس دکھ کے لیے تم اس کو پکارتے ہو اگر چاہتا ہے تو وہ دور فرما دیتا ہے اور تم ان کو اس وقت بھول جاتے ہو جن کو شریک بناتے ہو۔"

"وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ (اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى) قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ" [۲]

"اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو اس کی طرف دل رجوع کر کے پکارتا ہے" یہاں تک کہ ـــــ: "اے کافر! اپنے کفر سے تھوڑا فائدہ اٹھا لے پھر تو تو دوزخیوں میں ہوگا"

"وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" [۳]

"اور جب ان کو سمندر کی لہریں سائبان کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے اور خالص اسی کی عبادت کرنے لگتے ہیں۔"

جس نے توحید کا یہ مسئلہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآنِ مجید میں وضاحت سے بیان فرمایا ہے سمجھ لیا۔ اس کو صاف نظر آئے گا کہ ہمارے زمانے کے لوگوں کے شرک کے درمیان اور پہلوں کے شرک کے درمیان بہت بڑا فرق ہے مگر کہاں ہیں ایسے لوگ جو فہم راسخ کے ساتھ یہ مسئلہ دل کی گہرائیوں سے سمجھیں؟ وہ مسئلہ یہ ہے کہ جن مشرکین سے رسولِ اکرم ﷺ جہاد کرتے رہے وہ آسودگی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو بھی پکارتے تھے مگر جب تکلیف بڑی اور سخت ہوتی تو پھر اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کسی کو نہیں پکارتے تھے اور اپنے سادات کو بھول جاتے تھے۔

---

[۱] الانعام: ۴۰، ۴۱ [۲] الزمر: ۸ [۳] لقمان: ۳۲

وجہِ ثانی

پہلے کافر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے لوگوں کو بھی پکارتے تھے، جو اس کے مقرب تھے یعنی انبیاء، اولیاء، فرشتوں، درختوں اور پتھروں کو پکارتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں نافرمان نہیں ہیں۔ ہمارے زمانے کے مشرک اللہ تعالیٰ کے ساتھ فساق و فجار کو بھی پکارتے ہیں اور جن کو وہ پکارتے ہیں، وہ ہیں کہ جن سے فسق و فجور، زنا، چوری، بے نماز ہونے وغیرہ کی حکایتیں بیان کی جاتی ہیں۔

جو صالحین سے عقیدت و محبت رکھتا ہے، اور ایسی چیزوں کو پوجتا ہے، جو نافرمان نہیں ہیں، مثلاً لکڑی، پتھر وہ ان سے کمتر ہے، جو فساق و فجار سے عقیدت رکھتا ہے ان کے فسق و فجور اور خرابیوں کا مشاہدہ بھی کرتا ہے پھر بھی ان کو پکارتا ہے!

اب یہ بات نکھر گئی ہے کہ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیا تھا، وہ موجودہ مشرکین سے زیادہ عقل مند اور ان سے کم درجہ کا شرک کرتے تھے لیکن اب یہ لوگ ہمارے بیان پر ایک اور شبہ وارد کرتے ہیں اور یہ ان کا سب سے بڑا شبہ ہے، پھر اس کے جواب کو غور سے سنیے۔

وہ کہتے ہیں: "جو مشرک قرآنِ مجید کے نزول کے وقت موجود تھے، وہ لا إله إلا الله کے قائل نہ تھے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے، قیامت کا انکار کرتے تھے، وہ قرآنِ مجید کی تکذیب کرتے تھے اور اس کو جادو کہتے تھے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ قرآنِ مجید کی تصدیق کرتے ہیں اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، پھر ہم کو ان کی مانند کس طرح بناتے ہو؟"

جوابِ اوّل

علماء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آدمی جب ایک بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرے اور دوسری میں تکذیب کرے، تو وہ کافر ہے اور اس کا اسلام سے کوئی

تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح وہ شخص ہے جو قرآن کے کچھ حصے کو مانے اور کچھ سے انکار کر دے۔ ایک شخص جو توحید کو مانے اور نماز کی فرضیت کا منکر ہو یا سب کچھ مانے مگر روزے کا، حج کا انکار کر دے، وہ کافر ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کے زمانے میں لوگ جب حج کے لیے تیار نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

"وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ"۔[1]

اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر حق ہے، جس کو بیت اللہ تک آنے جانے کی استطاعت ہو، وہ اس کا حج کرے اور جو کفر کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ سب دنیا سے بے نیاز ہے۔"

جو ان باتوں پر ایمان لائے اور قیامت کا انکار کرے، وہ بالاجماع کافر ہے۔ اس کا مال اور خون حلال ہے جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا"۔[2]

"جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں، ہم بعض پر ایمان لائے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ایمان اور کفر کے درمیان میں ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں، بلاشبہ وہ کافر ہیں۔"

جب اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب میں تصریح فرما دی ہے کہ جو شخص بعض پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کرے، وہ پکا کافر ہے، تو یہ شبہ بھی اس کے دل سے کافور ہو گیا۔

اس کو یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے، "جب تمہیں اقرار ہے کہ جو شخص ہر بات میں رسولِ کریم

---

[1] آلِ عمران: ۹۷ [2] النسآء: ۱۵۰

صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرے لیکن نماز کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور اس کا مال و خون بالاجماع حلال ہے۔ اسی طرح جو سوائے قیامت کے ہر بات کو مانے اسی طرح جو رمضان کے روزوں کی فرضیت کا منکر ہو اس کے کفر میں سب کا اتفاق ہے۔ اور قرآن مجید اس پر ناطق ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ توحید سب سے بڑا فرض ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے۔ وہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج سے بہت بڑا ہے۔ جب کوئی ساری شریعت اسلامیہ پر ایمان لائے اور عمل کرے مگر ان میں کسی ایک کا انکار کر دے وہ تو کافر ہو اور جب توحید جو سب انبیاء و رسل سلام اللہ علیہم کا دین ہے کا انکار کر دے تو کافر نہ ہو، سبحان اللہ کتنی بڑی جہالت ہے!"

جواب ثانی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قبیلہ بنی حنیفہ سے لڑے حالانکہ اس قبیلہ کے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے اور وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بھی پڑھتے تھے۔ وہ نمازیں پڑھتے اور اذانیں کہتے تھے۔ اگر کوئی کہے کہ "یہ قبیلہ تو مسیلمہ کذاب کو نبی مانتا تھا" ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی شخص کو اٹھا کر نبی کے رتبہ پر لے جائے "وہ تو کافر ہو، اس کا مال و جان حلال ہو، اس کو کلمۂ شہادت اور نماز کوئی نفع نہ دے" تو جو شخص کسی ولی یا صحابیؓ یا نبیؑ کو آسمانوں اور زمین کے زبردست رب کے مرتبہ پر پہنچا دے اس کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟ اللہ تعالیٰ پاک ہے اس کی شان عظیم ہے:

"كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ!" (الروم: ۵۹)

"اللہ تعالیٰ اسی طرح ان لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے جو بے علم ہیں۔"

جواب ثالث

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جلا دیا تھا وہ سب اسلام کے مدعی تھے۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے اور مسلمان ہونے کے دعویدار تھے۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم سیکھا تھا لیکن انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی

عقیدت میں غلو کیا، جس طرح کہ مشرک لوگ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی عقیدت میں غلو کرتے ہیں۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے قتل اور کفر پر کیسا اجماع کیا؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسلمانوں کی تکفیر کرتے تھے؟ یا تمہارا خیال یہ ہے کہ اپنے زمانے کے صالحین کی عقیدت میں غلو تو کوئی نقصان نہیں دیتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عقیدت میں غلو کفر ہے؟

جوابِ رابع

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بنی عبید القداح، جو عباسی خلفاء کے زمانے میں مغرب اور مصر کے حاکم بن گئے تھے، سب "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھتے تھے اور اسلام کے دعویدار تھے۔ جمعہ و جماعت کے پابند تھے۔ جب انہوں نے ہمارے مسئلہ توحید سے کم درجہ کی شرعی چیزوں کی مخالفت کی تو علماء نے ان کے کفر و قتال پر اجماع کیا تھا اور فتویٰ دیا تھا کہ ان کے زیرِ تصرف علاقہ دار الحرب ہے پھر مسلمان ان سے لڑے یہاں تک کہ ان سے مسلمانوں کے علاقے واپس لے لیے۔

جوابِ خامس

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب پہلے مسلمانوں نے صرف ان کی تکفیر کی ہے، جو شرک اور تکذیبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و قرآن اور انکارِ قیامت کے مرتکب تھے۔ تو ہر مذہب کی فقہ میں اس باب کا کیا مطلب ہے؟ یعنی "بَابُ حُكْمِ الْمُرْتَدِّ" کا! اس سے مراد وہ مسلمان ہے، جو اسلام لانے کے بعد کفر کا مرتکب ہو۔ اس باب میں فقہاء نے بہت سی انواع ذکر کی ہیں۔ ہر نوع سے کفر لازم آتا ہے اور اس کا مال و جان حلال ہو جاتا ہے یہاں تک کہ انہوں نے معمولی باتیں بھی ذکر کر دی ہیں مثلاً کوئی شخص صرف زبان سے کلمہ ادا کرتا ہے لیکن اس کا دل نہیں مانتا یا کوئی کلمہ بطور ہنسی مذاق کے کہہ دیتا ہے۔

جوابِ سادس

یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ [1] الآیۃ!"

"وہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے تو کچھ نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کلمۂ کفر کہا ہے اور وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے ہیں"

آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک کلمے کی وجہ سے کافر کہا باوجود اس کے کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کے ہمراہ جہاد کرتے تھے۔ آپؐ کے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے۔ زکوٰۃ دیتے تھے۔ حج کرتے تھے اور توحید کے قائل تھے۔ اسی طرح وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمایا:

"قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ [2] الآیۃ!"

"کہو کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسولؐ کے ساتھ ہنسی کرتے تھے؛ بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو"

یہ وہ لوگ ہیں، جو غزوۂ تبوک میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک تھے۔ انہوں نے کچھ باتیں کیں اور کہا کہ "ہم نے ہنسی مذاق میں یہ باتیں کی تھیں" مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تم ایمان کے بعد ان باتوں سے کفر کے مرتکب ہوئے ہو"

اب اس شبے پر غور کرو کہ "تم مسلمانوں پر جو کلمہ گو ہیں، نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں کفر کے فتوے لگاتے ہو"۔ پھر اس کے جواب پر غور کرو۔ یہ بڑی مفید بحث ہے!

جوابِ سابع

اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بنی اسرائیل کے اسلام اور ان کے علم اور صلاحیت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سے حکایت کی ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

"اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ"

"آپ ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیں جس طرح ان کے معبود ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا،

---

[1] التوبۃ: ۷۴ [2] التوبۃ: ۶۵-۶۶

تَجْهَلُوْنَ ؁ "تم جاہل لوگ ہو"

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے ایک "ذاتِ انواط" مقرر فرما دیجیے" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا تھا، "تمہاری یہ بات بنی اسرائیل کے اس قول کی مانند ہے کہ "اے موسیٰ علیہ السلام آپ ہمارے لیے ایک الٰہ مقرر فرما دیجیے"۔

شبہ

لیکن حق کے دشمن کو اس میں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ بنی اسرائیل اس سے کافر نہیں بنائے گئے۔ اور نہ ہی "ذاتِ انواط" کی درخواست کرنے والوں کو کافر کہا گیا۔

جواب

بنی اسرائیل نے اس پر عملدرآمد نہیں کیا تھا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے "ذاتِ انواط" کا سوال کرنے والوں نے بھی اس پر عمل نہیں کیا تھا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر بنی اسرائیل اس پر عمل کرتے تو کافر ہو جاتے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو روک دیا تھا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے "ذاتِ انواط" کا سوال کیا تھا۔ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانتے اور "ذاتِ انواط" بنا لیتے تو کافر ہو جاتے۔ یہی ہمارا مطلوب ہے!

اس سے کئی مسائل معلوم ہوئے:

(۱) مسلمان بلکہ عالم بھی کبھی اپنی لاعلمی میں کسی نوع کے شرک کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

(۲) علم سیکھنا چاہیے اور اس کے مطابق عمل کرنا اور بچنا چاہیے۔

(۳) جاہل کی یہ بات کہ "ہمیں توحید کی خوب سمجھ ہے" بہت بڑی جہالت ہے۔

(۴) اگر مسلمان مجتہد لاعلمی میں کفریہ کلام کر جائے پھر تنبیہ کے بعد فوراً توبہ کر لے تو وہ کافر نہیں ہوگا جس طرح کہ بنی اسرائیل اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے والوں نے کہا۔

؁ الاعراف: ۱۳۸

(۵) اگر اس پر کفر کا حکم نہ بھی لگایا جائے تو بات بہرحال سخت کی جائے گی جیسے حضور رسول کریم ﷺ نے تنبیہ کے لیے ان کو سخت بات کہی تھی۔

شبہ

دین اور حق کے دشمنوں کو ایک اور شبہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر کلمہ گو کو قتل کرنے کی وجہ سے ناراض ہوئے تھے اور فرمایا تھا:

(۱) اَقَتَلْتَهُ بَعْدَ اَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ؟ "کیا تم نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے بعد اس کو قتل کیا تھا؟"

(۲) اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "مجھے لوگوں سے لڑائی کا حکم ہے، یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھیں۔"

اسی طرح کی اور احادیث جن میں کلمہ گو سے ہاتھ روک لینے کا حکم ہے۔ ان جاہلوں کا مطلب یہ ہے، جو چاہے کوئی کرتا پھرے بس کلمہ پڑھ لے۔ نہ اس کو کافر کہا جائے نہ اس کو قتل کیا جائے۔

جواب

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہودیوں سے لڑائی کی وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنی حنیفہ سے لڑائی کی، وہ بھی لا الٰہ الا اللہ پڑھتے تھے۔ نمازیں ادا کرتے تھے اور اسلام کے دعوے دار تھے۔

اسی طرح وہ لوگ تھے، جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلا دیا تھا۔ یہ جاہل یہ تو کہتے ہیں "جو قیامت کا انکار کرے وہ کافر ہے اس کو قتل کیا جائے چاہے وہ کلمہ گو ہی ہو اور جو کلمہ گو ہو کر اسلام کے کسی رکن کا انکار کر دے، وہ بھی کافر ہے اس کو قتل کیا جائے۔ جب کوئی دین کی کسی فرع کا انکار کرے تو اس کو کلمہ پڑھنا مفید نہیں۔ لیکن جب رسولوں کے دین کی اساس اور اہم مسئلہ توحید کا انکار کر دے، تو پھر وہ کلمہ اس کو بچالے گا اور وہ کافر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے

دشمنوں نے احادیث کا معنیٰ ہی نہیں سمجھا!

احادیثِ اسامہ رضی اللہ عنہ

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اس گمان پر قتل کر دیا کہ وہ مال و جان کے خوف کی وجہ سے مسلمان ہوا ہے۔ جب کوئی آدمی اسلام ظاہر کرے تو اس سے رک جانا ضروری ہے یہاں تک کہ اس سے خلافِ اسلام باتیں ظاہر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا[1] الآیۃ!" "اے ایمان والو! جب زمین میں نکلا کرو تو تحقیق کر لیا کرو۔"

آیت بتاتی ہے کہ نئے مسلمان سے رک جایا کرو۔ جلد بازی نہ کیا کرو اور غور و فکر سے کام لیا کرو۔ جب تحقیق کے بعد ظاہر ہو کہ وہ دشمنِ اسلام ہے تو پھر قتل کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے: "فَتَبَیَّنُوْا"۔ اگر قتل نہ کرنے کا حکم ہوتا تو پھر تحقیق کی ضرورت ہی نہ تھی۔ دوسری احادیث کا بھی یہی معنیٰ ہے جو شخص توحید اور اسلام کو ظاہر کرے اس سے رکنا واجب ہے۔ الّا یہ کہ اس سے خلافِ اسلام امور ظاہر ہوں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کیا تو نے اس کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے کے بعد قتل کیا تھا؟ اور فرمایا: "مجھے حکم ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہیں۔" آپ ہی نے خوارج کے بارے میں فرمایا:

"اَیْنَمَا لَقِیْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ لَئِنْ اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ" "جہاں وہ ملیں ان کو قتل کر دو۔ اگر میں نے ان کو پالیا تو عاد کی طرح ان کو قتل کر کے نیست و نابود کر دوں گا۔"

باوجود اس کے کہ وہ سب سے زیادہ عبادت کرنے والے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے والے ہوں گے یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے سامنے اپنے آپ کو کمتر سمجھیں گے حالانکہ انہوں

---

[1] النسآء: ۹۴

نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم پڑھا۔ جب ان سے خلافِ اسلام امور ظاہر ہوئے تو ان کو "لاالٰہ الاّ اللہ" کچھ مفید نہ ہوا نہ ہی کثرتِ عبادت اور دعویٰ اسلام ان کو بچا سکا۔

یہی صورت یہودیوں اور بنی حنیفہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قتال کی ہے۔

جب بنی المصطلق کے بارے میں ایک آدمی نے خبر دی کہ وہ زکوٰۃ سے انکاری ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ ان سے جہاد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرما دی:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا الآیۃ"[1] "اے ایمان والو! جب کوئی فاسق تمہیں خبر پہنچائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔"

اس آدمی نے ان کے خلاف دروغ گوئی سے کام لیا تھا۔ ان سب سے پتہ چلتا ہے کہ جن احادیث سے وہ دلیل لیتے ہیں ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہی ہے کہ تحقیق کے بغیر قتل کے مرتکب نہ ہو۔

ایک اور شبہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگ قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام سے فریاد کریں گے پھر نوح علیہ السلام سے، پھر ابراہیم علیہ السلام سے، پھر موسیٰ علیہ السلام سے، پھر عیسیٰ علیہ السلام سے، سبھی عذر کریں گے یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں گے"۔ وہ کہتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ استغاثہ بغیر اللہ جائز ہے۔

جواب

پاک ہے وہ ذات، جس نے اپنے دشمنوں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ ہمیں انکار نہیں کہ مخلوق سے ان امور میں استغاثہ جائز ہے، جن کی ان کو قدرت ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بیان فرمایا:

---

[1] الحجرات: ۶

"فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّہٖ ۔ الآیۃ"[1]

"موسیٰ علیہ السلام کے گروہ کے ایک آدمی نے اس کے خلاف مدد طلب کی جو اس کے دشمن گروہ سے تھا۔"

جس طرح انسان جنگ وغیرہ میں اپنے ساتھیوں کو مختلف کاموں میں جن پر مخلوق کو قدرت حاصل ہے، مدد کے لیے پکارتا ہے یہ جائز ہے! ہمیں انکار ہے تو استغاثہ عبادت کا ہے جس کو قبور اولیاء رحمہم اللہ کے پاس یا ان کی عدم موجودگی میں ان کاموں کے لیے کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت حاصل نہیں۔ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام سے استغاثے سے مراد اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ جلد ہی لوگوں کا حساب شروع کر دے تاکہ اہلِ جنت میدانِ حشر کی تکالیف سے راحت پا سکیں۔ یہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ درست ہے۔ آپ کسی زندہ صالح انسان کی خدمت میں جائیں، اس کے پاس بیٹھیں، وہ آپ کی بات سنے گا۔ آپ اس سے کہیں، میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسی طرح کرتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہوں نے قطعاً آپ سے سوال نہیں کیا بلکہ سلف رحمہم اللہ نے تو اس شخص کو بھی برا جانا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس دعا کرے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرنا ان کو کیسے پسند ہو سکتا تھا؟

ایک اور شبہ

"حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے تو ہوا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سامنے ظاہر ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا "کیا آپ کو کوئی حاجت ہے"، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا "آپ سے مجھے کوئی حاجت نہیں" اگر استغاثہ بغیر اللہ شرک ہوتا تو وہ اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے پیش نہ کرتے۔"

---

[1] القصص : ۱۵

جواب

یہ پہلے شبہے کی جنس سے ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے ایسے کام کی پیشکش کی جس کی ان کو قدرت تھی۔ وہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہایت طاقتور اور زور آور ہیں۔ اگر ابراہیم علیہ السلام ان کو اجازت دیتے کہ وہ آگ کو اٹھا کر مشرق و مغرب میں پھینک دیں، تو ایسا کر سکتے تھے یا اللہ تعالیٰ ان کو حکم دیتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دور دراز جگہ میں لے جائیں تو وہ ایسا کر سکتے تھے۔ اگر حکم ہوتا کہ ان کو آسمان کی طرف اٹھا لاؤ، تو ایسا کرتے۔ اس کی مثال ایک مالدار کی ہے جس کے پاس بہت سی دولت ہو۔ وہ کسی محتاج آدمی کو دیکھے، وہ اس کو پیشکش کرے کہ وہ قرض لے لے، یا اس کو کچھ ہبہ کر دے جس سے وہ اپنی ضرورت پوری کرے۔ وہ محتاج انکار کر دے اور صبر کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے پاس رزق پہنچائے جس میں کسی کا احسان نہ ہو۔ اس کو "استغاثہ عبادت" و شرک سے کیا تعلق؟ کاش لوگ سمجھیں"!

"کشف الشبہات" کا اقتباس ختم ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تصورِ توحید پر دو شعر سنیے ؎

اصبحت ملة ابراهيم متبعا　　　لا ابتغي من سوى رب العلى بدلا

" میں ابراہیمی ملت کا متبع ہوں اور سب سے بلند رب کے سوا کوئی بدل نہیں چاہتا ہوں"۔

اور: لو قال لي الروح جبرائيل هل لك من　　　حاج لقلت له اما اليك فلا

" اگر مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی کہیں کیا کوئی حاجت ہے؟ تو کہوں گا "آپ کی طرف مجھے کوئی حاجت نہیں"۔

یہ توحید ہے جس کو ترک کر کے نبہانی اور اس جیسے دوسرے غالی طاغی ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ اس اقتباس میں اہل بصیرت حضرات کے لیے بہت سے فوائد ہیں۔ اس سے نبہانی نے جو استغاثہ کی توضیح کی ہے، بالکل ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اب اس کی گفتگو محض اعادہ اور کتاب کا حجم بڑھانے کے لیے ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے راستوں پر چلائے اور ہمارے حالات

کو محض اپنے فضل و کرم سے سنوارے۔

زیارتِ قبور الصّالحین

پھر غبی نبہانی نے چوتھی فصل کے آخر میں ایک تتمہ ذکر کیا ہے جس میں اس نے بزعم خود اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی قبروں کی زیارت کے بارے میں بعض ائمہ اہل علم کا کلام اور ان کی زیارت کے فوائد اور مرنے کے بعد ان کے ارواح کی صفائی کو بیان کیا ہے۔ پھر ابن دحلان سے اس کی کتاب "تقریب الاصول لتسہیل الوصول" سے نامعقول بات نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ "بہت سے عارفین نے تصریح کی ہے، وفات کے بعد ولی کی روح کا تعلق اس کے مریدین سے ہو جاتا ہے۔ اس کی برکت سے ان کو فیوض و انوار حاصل ہوتے ہیں"۔ پھر کہتا ہے "جنہوں نے اس کی تصریح کی ہے، ان میں قطب الارشاد سیدی عبد اللہ بن علوی حداد ہے۔ انہوں نے کہا، ولی کی توجہ زندگی سے زیادہ، مرنے کے بعد، اپنے قریبیوں اور پناہ لینے والوں کی طرف ہو جاتی ہے کیونکہ وہ زندگی میں خود مکلّف ہوتا ہے اور مرنے کے بعد وہ تکلیف سے آزاد ہو جاتا ہے۔ زندہ میں خصوصیت اور بشریت دونوں ہوتی ہیں۔ بسا اوقات ایک، دوسری پر غالب آجاتی ہے۔ خصوصاً موجودہ زمانے میں بشریت غالب آجاتی ہے۔ اور میّت میں صرف خصوصیت ہی ہوتی ہے"۔ پھر فضول اور بے ہودہ باتیں کرتے ہوئے کہتا ہے: "شیخ ابو المواھب کہتے تھے، بعض اولیاء رحمہم اللہ زندگی سے زیادہ مرنے کے بعد اپنے مریدِ صادق کو نفع پہنچاتے ہیں۔ بعض بندے ایسے ہوتے ہیں جن کی تربیت بغیر کسی واسطے کے اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں اور ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ اپنے کسی ولی کے واسطے سے دوست بناتا ہے چاہے وہ ولی قبر میں ہو وہ اپنے مرید کی تربیت کرتا ہے۔ مرید اس کی آواز کو قبر سے سنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کی رسول اللہ تربیت فرماتے ہیں۔ بغیر کسی واسطے کے، یہ کثرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پھر امام فخر الدین رازی کی عبارت نقل کی ہے جس کو انہوں نے اپنی کتاب "المطالب العالیہ فی بیانِ کیفیتِ الانتفاع

بزیارۃ القبور والموتٰی" کی تیرھویں فصل میں بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ "انسان جب کسی قوی النفس کامل الجواہر انسان کی قبر پر جاتا ہے اور وہاں تھوڑی دیر ٹھہرتا ہے تو اس تربت کی زیارت کی وجہ سے دل میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات مخفی نہ رہے کہ اس تربت کے ساتھ اس میت کا ذاتی تعلق بھی ہوتا ہے۔ اس طرح اس تربت کی زیارت کے واسطے سے صاحب قبر کا زائر سے تعلق قائم ہوجاتا ہے اور ملاقات ہوجاتی ہے۔ گویا وہ دو صاف وشفاف آئینے ہیں، جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔ ہر ایک کی شعاع دوسرے پر پڑتی ہے۔ زندہ زائر کو جو معارف وبراہین، علوم کسبیہ۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر رضا، اور اس کے حضور خشوع وغیرہ اخلاقِ فاضلہ حاصل ہوتے ہیں، ان کی نورانی شعاعیں زندہ زائر کی روح پر پڑتی ہیں۔ اس طرح یہ زیارت بڑی منفعت بخش ہوجاتی ہے اور زائر کی روحانی شادابی کا سبب بن جاتی ہے۔ زیارت کی مشروعیت کی اصل اور سبب یہی ہے۔ بعید نہیں کہ ان بہت سے مذکورہ فوائد سے زیادہ دقیق اور غیبی اسرار حاصل ہوں۔ اصل حقائق تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہیں۔"

پھر اس نے کہا: شیخ ابوالمواھب نے کہا ہے "بعض عارفوں کا قول ہے کہ اولیا جب اولیاء رحمہم اللہ کی زیارت کرتے ہیں، تو بہت سی باتیں ہوتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب قبر کو زائر کی طرف اس کی استعداد اور توجہ کے مطابق پوری توجہ اور مہربانی ہوتی ہے۔" نبہانی کہتا ہے کہ احمد دحلان کی "تقریب الاصول" سے اقتباس ختم ہوا۔

میں کہتا ہوں: میں نے ابنِ دحلان کی عبارت، جس سے نبہانی نے اپنے باطل کی دلیل لی ہے، اوّل سے آخر تک نقل کردی ہے۔ اگرچہ اس وقت سیاہی کاغذ ضائع ہوا ہے مگر ہم نے یہ بادلِ نخواستہ کیا ہے، تاکہ مومن اس سے واقف ہو اور اپنے ایمان واسلام کی دولت پر، نیز ان باطل اوہام کے اندھیروں سے نجات پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے۔

یہ باتیں اتنی ظاہر البطلان ہیں کہ صاحبِ عقلِ سلیم کے نزدیک ان کی برائی اور شناعت کسی دلیل وبرہان کی محتاج نہیں۔ یہ بیہودہ باتیں فقط غالی شافعیوں کی خود ساختہ ہیں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو اتباعِ سنّت میں بلند مقام پر ہوں، اور ان کی پیروی کے مدعی یہ غالی ان کو ان گندی باتوں سے بدنام کریں۔ اللہ تعالیٰ نے صحیح حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ

کو اس غلط عقیدے اور باطل قول سے محفوظ رکھا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ نبہانی نے ایک باب زیارت القبور پر بھی باندھا ہے اور ایک باب قبروں کی طرف سفر کے لیے مخصوص کیا ہے۔ دونوں ابواب میں وہ بڑبڑایا ہے اور یاوہ گوئی کی ہے۔ اس کو خیال نہ رہا کہ یہ کلام اس کی اصل جگہ پر نقل کرتا۔ اب اس کو یاد آیا تو یہیں گھسیڑ دیا۔

ہم زیارتِ قبور پر پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔ صاحبِ قلبِ سلیم کے لیے وہ کافی ہے ہم نے کہا ہے کہ:

زیارت کی دو قسمیں ہیں مسنون اور بدعت۔ مسنون تو وہ ہے جو رسولِ کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھائی اور بدعت وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ ہم اس پر کافی طویل کلام کر چکے ہیں وہیں ہم نے شیخ الاسلامؒ کی کتاب "الجواب الباہر" سے طویل اقتباس نقل کیا ہے۔ شیخ الاسلامؒ کی یہ کتاب معترض مالکی کے رد میں ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی نے پہلے اس کا رد لکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابنِ دحلان اور رازی کی عبارات بالکل بے کار ہیں۔ ان پر کتاب وسنّت اور سلف صالح کے کلام سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ رازی نے یہ سب باتیں یونانی اشراقی فلاسفروں سے لی ہیں۔ افسوس ہے کہ رازی جیسا صاحب علم بھی اس آلودگی سے اپنا دامن نہ بچا سکا۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے دینی علوم میں رازی کے مبلغ علم کی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

رہا ابنِ دحلان، تو وہ بیچارہ جاہل اور علم میں یتیم ہے۔ اس کی جہالت و غباوت پر ملامت کی ضرورت ہی نہیں! — اس کی جہالت کا تقاضا ہے کہ وہ کبر وغرور اور خود پسندی کا مریض بنا رہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہمارے پاس نبہانی کی نقل کردہ عبارت کے باطل ہونے کی اور دلیل نہ بھی ہو تو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ نقلِ صحیح اور عقلِ صریح کے خلاف ہے۔ حالانکہ اس کے باطل ہونے کے لئے اس کے علاوہ بھی بہت سے دلائل موجود ہیں۔

توسل بالنبیؐ وغیرہ

پھر نبہانی نے اپنی کتاب "خلاصۃ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام" میں ابن دحلان کا کلام نقل کیا ہے ۔ اس کے لیے ایک باب مختص کیا ہے اور اس کو تیسرا باب بنایا ہے ۔ یہ ایسا کلام ہے، جس میں علم نام کی کوئی چیز نہیں ۔ اس نے پوری کتاب نقل کر دی ہے اور اپنے زعم باطل میں وہابیہ کے شبہے کو بیان کیا ہے ۔ اس نے کہا ہے کہ "ہم پہلے ابن عبدالوہاب کے شبہات کو بیان کریں گے جن سے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے ۔ ہم پھر اس کا "رد" لکھیں گے اور بتائیں گے کہ جن باتوں کے ساتھ اس نے تمسک کیا ہے، وہ موحدین پر کذب و افترا ہے ۔"

پھر کہتا ہے "جن شبہات کے ذریعے وہ خیال کرتا ہے کہ لوگ توسل بالنبی ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام و اولیاء و صالحین رحمہم اللہ کو وسیلہ بنانے سے اور آپ ﷺ کی قبر کی زیارت سے اور لوگوں کے نبی کریم ﷺ کو پکارنے سے کہ "یَا رَسُولَ اللّٰہِ نَسْئَلُکَ الشَّفَاعَۃَ" یعنی "یا رسول اللہ ﷺ، ہم آپ ﷺ سے شفاعت کا سوال کرتے ہیں" مشرک ہو جاتے ہیں ۔ اس کا خیال ہے کہ یہ سب باتیں اشراک ہیں ۔ اس نے قرآنی آیات کو جو مشرکین کے لیے اتری تھیں، خواص و عوام مومنین پر چسپاں کیا ہے ۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا" (الجن: ۱۸) "تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو ۔"

"وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗٓ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَھُمْ عَنْ دُعَآئِہِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوْا لَھُمْ اَعْدَآءً وَّکَانُوْا بِعِبَادَتِہِمْ کٰفِرِیْنَ ۔" (الاحقاف ۵، ۶)

"اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو پکارے، جو قیامت تک اس کو جواب نہ دے سکے اور وہ ان کی پکار سے غافل و بے خبر ہو ؟ "جب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور اپنی عبادت سے انکار کریں گے ۔"

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ

" تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ پکار، ورنہ

فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۔ [1]
"تجھے عذاب دیا جائے گا"۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ [2]
"اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ پکارو جو تمہیں نہ نفع دے سکے نہ نقصان۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے"۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۔ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۔ [3]
"اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر کسی چیز کے مالک نہیں۔ اگر تم ان کو پکارو تو وہ پکار نہ سنیں، اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات قبول نہ کر سکیں اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے۔ کوئی تمہیں (رب) باخبر کی طرح خبر نہ دے گا"۔

"قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا "۔ [4]
"کہو! کہ تم پکارو ان کو جن کو تم اس کے سوا گمان کرتے ہو۔ وہ تم سے تکلیف دور کرنے یا بدل دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے! ——— یہ لوگ جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعۂ تقرب تلاش کرتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف کھاتے ہیں۔ اس کا عذاب ہے ہی ڈرنے کی چیز!"

اس قسم کی آیات کو موحدین پر چسپاں کیا ہے۔ الخ"۔

میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق کی بھیک مانگتا ہوں کہ نبہانی اپنی کتاب میں

---

[1] الشعراء: ۲۱۳ ۔ [2] یونس: ۱۰۶ ۔ [3] فاطر: ۱۳، ۱۴ ۔ [4] الاسراء: ۵۶ - ۵۷

مختلف مباحث کو بار بار لاتا ہے تاکہ اس کی کتاب کا حجم بڑھ جائے ۔ پتہ نہیں اس نے ابنِ دحلان کا کلام کیوں نقل کیا ہے ؟ اگر اپنے باطل مسئلے کے استدلال کے لیے ہے تو وہ اس کے لیے مفید نہیں ہے ۔ ابنِ دحلان کوئی ایسا آدمی تو ہے نہیں کہ اس کی بات کو دلیل بنایا جائے بلکہ ان کی بات بھی دلیل نہیں بن سکتی، جن پر وہ اعتماد کرتا ہے وہ بدعتی اور مشہور غالیوں میں سے ہے ۔ اگر اس نقل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ میرے جیسے کئی اور غالی بھی ہیں تو اس کی ویسے ہی ضرورت نہ تھی ۔ یہ شعر نبہانی کے مناسب حال ہے ؎

ومهما تكن عند امرئ من خليقة　　　وان خالها تخفى على الناس تعلم

یعنی ، انسان اپنی فطرت کو جتنا چاہے چھپائے ، وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے ۔

بہر حال نبہانی نے "خلاصۃ الکلام" اور "الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ" سے جو کچھ نقل کیا ہے ، اس کا جواب گذشتہ اوراق میں دیا جا چکا ہے ۔ مجھ سے پہلے محققین و فضلاء ان کا رد لکھ چکے ہیں ، اور ان کی کتابیں عام شائع ہیں ۔ ان میں ایک کتاب "ضیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان" علامہ محدث شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالرحمٰن بن شیخ عبدالرحیم سندی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے ۔ اس کتاب میں انہوں نے نہایت عمدہ طریقے پر اس کا رد فرمایا ہے ۔ اس کا ٹیڑھا پن ظاہر کر کے اس کو ننگا کر دیا ہے ۔ انہوں نے اپنی کتاب کے خطبے میں فرمایا ہے : حمد و صلوٰۃ کے بعد ، میں نے رسالہ دیکھا ہے ، جس کو شیخ احمد بن زینی دحلان نے جمع کیا ہے اور اس کا نام "الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ" رکھا ہے ۔ اس کا مؤلف اپنے باطل ، نکمے ، گھٹیا اور ردی رسالے کے دیباچے میں دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے اس میں نبی ﷺ کی زیارت اور آپ ﷺ سے توسل کے بارے میں اہلِ سنت کے دلائل و براہین آیات و احادیثِ نبویہ سے جمع کیے ہیں ۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی ، جب میں نے دیکھا کہ اس میں ایک بھی حدیثِ حسن نہیں ، چہ جائیکہ احادیثِ صحیحہ ہوں ۔ میں نے اس کو پوری بصیرت کے ساتھ پرکھا کہ اس کا دعوےٰ کہاں تک درست ہے ؟ میں نے اس کے دعوے کو سچائی اور حقانیت سے عاری پایا ۔ اس نے محض جھوٹ اور باطل کے زیور سے اس کو آراستہ کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اس میں وہی احادیث ہیں ، جو تقی سبکی "شفاء السقام" میں لایا ہے ۔ وہ تین امراض کے دائرے سے باہر نہیں ہیں : یا تو موضوع ہیں ، جن کو "وضاعین لئام" نے گھڑا ہے ۔ یا

انتہائی ضعیف ہیں، جن کو ایسے راویوں نے روایت کیا ہے جو کثیر الغلط، کثیر الخطا اور کثیر الوہم ہیں۔ یا اس کے زعم کے مطابق کچھ حسن اور صحیح ہیں جو اس کے دعوے کے مطابق نہیں ہیں۔ جیسا کہ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عبد الہادی نے اپنی کتاب "الصارم المنکی" میں پوری صراحت سے ان سب باتوں کو بیان کیا ہے۔

اس کے رسالے میں آیات، نیز صحیح یا حسن احادیث بھی نہیں، جو اس کے دعوے کو ثابت کریں۔ مؤلف کو لازم تھا کہ وہ ایک آیت، یا حسن یا صحیح ایک حدیث ہی پیش کرتا جس سے اس کا دعوے ثابت ہوتا تاکہ اس کے کلام کو متروک و بے کار اور قابلِ انکار نہ سمجھا جاتا یا "شفاء" کے علاوہ احادیثِ صحیحہ یا حسنہ کو لاتا، جن سے اس کا مطلوب ثابت ہوتا یا صاحبِ "الصارم" اور دوسرے ائمہ اذکیاء رحمہم اللہ کے اعتراضات اور تنقید کا جواب دیتا۔ اس نے اس میں سے کچھ بھی نہیں کیا، اب خود سوچیے اس رسالے کا فائدہ کیا ہوا؟ اس کی ساری محنت بے کار اور بے فائدہ رہی!

اس کی یہ عجیب مکاری ہے کہ ایک طرف تو مؤلف اپنے آپ کو مقلدین میں شمار کرتا ہے، پھر مجتہدین کا منصب سنبھال کر ادلہ شرعیہ سے استدلال بھی کرتا ہے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس کے غلط مفہوم اور ملمع کیے ہوئے اقوال اور اس کے سطحی استدلال کو واضح کر دوں، تاکہ سنت کے متون و رجال سے ناواقف لوگ واقف ہو جائیں اور اس کے دھوکے اور فریب سے بچ جائیں۔ اب میں اللہ تعالیٰ کی استعانت سے کہتا ہوں۔ الخ!

آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ابنِ دحلان کے ردّ لکھے جا چکے ہیں اب دوبارہ اس سے تعرّض کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں! ہم ان کے ردّ کی طرف مجمل اشارہ کرتے ہیں۔

اس کا یہ کہنا کہ "اس کے شبہات میں سے ایک توسّل بالنبی ﷺ ہے، جس کی وجہ سے لوگوں کو اس نے مشرک کہا ہے الخ" بے اصل ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے، کتاب و سنت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ عبادت محض اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے، اس میں وہ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" "ہم صرف اور صرف تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں"

نیز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جس کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیحین میں روایت فرمایا ہے :

"اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ - الخ !" "جب مدد کی ضرورت ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو !"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن امور پر صرف اللہ تعالیٰ قادر ہے، ان کا اس سے مانگنا عبادت ہے جو کوئی ان کو غیر اللہ سے مانگے گا وہ اس کی عبادت کرنے والا ہوگا اور جس نے غیر اللہ کی عبادت کی اس نے شرک کیا !

پھر یہ کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت یا انبیاء علیہم السلام و صلحاء رحمۃ اللہ علیہم کی قبروں کی زیارتِ شرعیہ شرک ہے بلکہ وہ اس کی دعوت دیتے ہیں اور اس کو مستحب سمجھتے ہیں - ہاں جو شرع شریف کے خلاف زیارت ہے وہ محققین علماء کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہے یہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں - اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے (کہ جن معنوں میں آپ وسیلہ ہیں) اور اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور دعا کرنے میں ہمارا کوئی نزاع نہیں ہے -

اس کا یہ کہنا کہ "ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرنا کہ "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ نَسْأَلُکَ الشَّفَاعَۃَ الخ" اس بارے میں ہم کتاب "کشف الشبہات" سے نقل کر آئے ہیں کہ شفاعت صرف اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کی جا سکتی ہے تفصیل گزر چکی ہے - پھر اس کا کہنا کہ "مشرکین کے بارے میں نازل شدہ آیات کو خواص و عوام مومنوں پر چسپاں کیا جاتا ہے الخ" اس کا بیان بھی مفصّل گزر چکا ہے اور "کشف الشبہات" میں اس کا تفصیل سے ذکر ہے - ہم جو کچھ بیان کر چکے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "جو کوئی غیر اللہ کی عبادت کرے گا اس پر مشرکین کی آیات لاگو ہوں گی چاہے وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں - ان اعتراضات پر شیخ عبداللہ سندی نے ابن دحلان کے ردّ میں شرح و بسط سے لکھا ہے - اگر مزید معلومات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں تو اس کا مطالعہ کیجئے -

پھر نبہانی نے ابنِ دحلان کا سارا کلام نقل کیا ہے اور یہ بالکل وہی ہے جو اس نے اپنی کتاب "الدرر السنیۃ" میں ہرزہ سرائی کی ہے اور اس میں کچھ "الجوہر المنظم" اور "شفاء السقام" سے بھی نقل کیا ہے - ان دونوں کتب کی حقیقت اور ان کا ردّ بھی آپ جان چکے ہیں - اب اس بحث کو یہاں دوبارہ

لانے کی ضرورت نہیں۔

اعتراض

پھر وہ طویل کلام کے بعد کہتا ہے کہ "ساری دنیا میں مذاہب اربعہ کے سب لوگوں نے محمدؒ بن عبدالوہاب کا مختصر اور مفصل کتابوں میں ردّ لکھا ہے" پھر اس نے احادیث زیارت بیان کی ہیں، جن کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ اس پر اس نے باب ختم کیا ہے!

جواب

اس کے اس کلام کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔

وجہِ اوّل

بہت سے علماءِ محققین نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی حمایت میں، اور ان لوگوں کے ردّ میں جنہوں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ردّ لکھا ہے مفصّل اور مفید کتابیں لکھی ہیں۔ یہاں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں۔

وجہِ ثانی

بہت سے علماء نے اگر شیخؒ کا ردّ لکھا ہے، تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شیخؒ کا مسلک وعقیدہ باطل ہے اور نہ اس سے مخالف کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔ معیارِ حق تو کتابِ عزیز وسنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔ جب ان کا عقیدہ وعمل ان دو سرچشموں سے پھوٹتا ہے، تو پھر کسی کی مخالفت کی، وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو کوئی حیثیت نہیں ہے ؎

"اِذَا رَضِيَتْ عَنِّيْ كِرَامُ عَشِيْرَتِيْ فَلَا زَالَ غَضْبَانًا عَلَيَّ لِئَامُهَا

"جب مجھ سے میرے خاندان کے معزز لوگ خوش ہیں، تو کمینے لوگ مجھ سے ہمیشہ ناراض رہتے ہیں۔"

وجہِ ثالث

اُمت میں ہمیشہ یہ صورت رہی ہے کہ لوگ ہمیشہ مختلف رہے ہیں کسی کا ردّ لکھا جاتا ہے، کوئی ردّ لکھنے والا ہے۔ اسی لیے ان کو پیدا کیا گیا ہے بہت سے علماء، صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور تبع تابعین رحمہم اللہ کی بہت سے علماء نے مخالفت کی ہے! ۔ مذاہب اربعہ کو

ہی دیکھ لیجئے کہ ہر ایک کے مخالف زیادہ ہیں اور موافق کم۔ ہر ایک نے دوسرے کا مفصل رد لکھا ہے۔ یہ تو مسلمات میں سے ہے جس میں کوئی نزاع نہیں ہے۔

ایسے لگتا ہے کہ شیخ دحلان نے ائمہ کرام اور ان کے پیروکاروں کے درمیان اختلاف کی صورت حال اور اس کے پیش نظر علاقوں کی جو تباہی ہوئی ہے، اس سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ ساون کے اندھے کی طرح اس کو تو ہر ایک محمد بن عبدالوہاب کا مخالف ہی نظر آتا ہے۔ کیونکہ شیخ نے ان کے کھوٹ اور کجی کو۔ ان کے باطل اور گمراہی کو واضح فرمایا ہے۔ پھر نبہانی کو حق شیخ دحلان کے ہاتھ میں ہی نظر آتا ہے۔ اس نے اپنی جہالت کے باوجود لوگوں کی ایسی بھیڑ پر سرداری کا دعویٰ کیا ہے، جو اپنے دائیں بائیں کو بھی نہیں پہچانتے اور انہوں نے اس کی پیروی اس لیے کی ہے کہ وہ ان کی مانوس گمراہی میں ان کی راہ پر ہے۔ جب اس شخص کے اقوال معلوم ہو جائیں گے اور صاحب بصیرت لوگوں کے سامنے حق واضح ہو جائے گا، تو ابن دحلان اور اس جیسے دوسرے شیطانی گروہ کے جال کی رسیاں کٹ جائیں گی۔ شیخ ابن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ پہلے وہ شخص نہیں ہیں جن کا رد لکھا گیا ہو اور جن سے حسد کیا گیا ہو۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کی خبر دی، تو حضرت ورقہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ "یہ وہی وحی لانے والا فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ اے کاش! میں جوان ہوتا، کاش میں زندہ رہوں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نکال دے گی"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ انہوں نے عرض کی ہاں جو دعوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، وہ جس نے بھی پیش کی اس سے دشمنی کی گئی۔ اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ دن پالوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مؤثر مدد کروں گا"۔ اگر ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیتنے والے واقعات ہم بیان کرنے لگیں تو بات طویل ہو جائے گی۔

شیخ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "منہاج التأسیس فی الرد علی ابن جرجیس" میں بڑے کام کی باتیں لکھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کس سبب سے لوگ ان کے دادا شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ کے دشمن بن گئے ہیں۔ اس کے ذکر سے مخالف کا جواب ہو جائے گا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اس کو

سب ادیان پر غالب فرما دے چاہے مشرک کتنا ہی برا کیوں نہ منائیں؟ لوگ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے مختلف دینوں کو مانتے تھے۔ الگ الگ مذاہب اور طریقے رکھتے تھے اور ظاہر گمراہی میں مبتلا تھے، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عیاض رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے حدیث ہے:

أن الله نظر الى اهل الارض فمقتهم عربهم و عجمهم الا بقايا من اهل الكتاب ۔	"اللہ تعالیٰ نے اہلِ زمین کی طرف دیکھا تو عرب وعجم سب پر ناراض ہوا سوائے اہلِ کتاب کے کچھ باقی رہنے والوں کے۔"

ان حالات میں رسولِ اکرم ﷺ نبوت و رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اہلِ جہالت وضلالت پر علی الاعلان انکار فرمایا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید کی طرف دعوت دی، اور بندگی و اطاعت کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کرنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے اور اس کی راہ کی طرف راہنمائی فرماتے رہے۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سب مشرک فرقوں پر غلبہ عطا فرمایا، چاہے وہ عرب کے ان پڑھ تھے یا اہلِ کتاب تھے، اور دین روشن اور ظاہر ہو گیا۔ اسلام نے ہر زبردست مشرک کو زیر کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے امت کے لیے دین کو مکمل کر دیا، اور وہ نعمت پوری فرما دی جس کو رسولِ امین ﷺ لے کر تشریف لائے تھے۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے دینِ اسلام میں جوق در جوق داخل ہوئے۔ زمین نورِ نبوت ﷺ سے چمک اٹھی اور خوشی و مسرت سے جھومنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے بتوں اور غیر اللہ کی عبادت کے نشانات مٹا دیئے۔ صلیب کی عبادت گاہیں اور آتش کدے ختم ہو کر رہ گئے۔ قرآن و سنت کے جھنڈے بلند ہوئے، یہاں تک کہ رسولِ اکرم ﷺ نے لوگوں کو ایسی ملت پر چھوڑا جس کی رات بھی دن کی طرح روشن تھی، کہ اس پر چلنے والا نہ بھٹکتا تھا۔ راہوں اور طریقوں کے شبہات سے وہ محفوظ ہو گئے۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد فضیلت والے زمانوں میں لوگ اس روشن راستے پر متفق ہو کر چلتے رہے اور نیک لوگ ان واضح راستوں اور مسالک پر رواں دواں رہے۔ پھر اسلام میں وہ لوگ گھس آئے، جو نہ جاہلیت کو جانتے تھے اور نہ ہی شرک کی شاخوں اور قسموں اور اسلامی اصولوں کے درمیان فرق کر سکتے تھے۔ پھر کیا تھا،

دین کی فصیل ٹوٹ گئی اس کا خالص رہنا مشکل ہو تا گیا۔ وہ جاہلوں کے نرغے میں آگیا اور قیادت جاہلوں اور غلط کار لوگوں کے ہاتھ میں آگئی۔ اس طرح دین کی غربت کا دور آگیا۔ اسلام سے سخت برگشتگی ہونے لگی۔ اسی دوران صالحین وغیرہ کے شرک کی ابتداء ہوئی۔ اس کے بعد اسلام کمزور اور شرک طاقت ور ہوتا گیا، یہاں تک کہ جوان ہوگیا اور معاملہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ یہ صورت حال اتنی مستحکم ہوگئی کہ جو شخص اس شرک کا انکار کرتا اس پر کفر کا فتوے لگا دیا جاتا اور یہ ہمارے نبی مصطفےٰ ﷺ کی دی ہوئی خبر ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے:

"لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر و ذراعا بذراع حتى لو سلكوا جحر ضب لسلكتموه قلنا يا رسول الله، اليهود والنصارى؟ قال فمن؟"

"تم ضرور پہلے لوگوں کے راستوں پر قدم بقدم چلوگے، یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں داخل ہوئے تھے تو تم بھی ضرور داخل ہوگے۔ ہم نے پوچھا "یارسول اللہ ﷺ! اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں"؟ آپ ﷺ نے فرمایا "تو اور کون"؟

اسی طرح کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ہے۔ اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں "ذِرَاعًا بِبَاعٍ" اور اس میں یہ بھی ہے:

"یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہو تو تم بھی ضرور داخل ہوگے اور ان میں سے کسی نے راستے میں اپنی ماں سے بدکاری کی تھی تو تم بھی ضرور کروگے"۔

اس مسئلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت شداد بن اوس اور حضرت عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ اب صورت حال وہی بن چکی ہے جس کی نبی کریم ﷺ نے امت کو خبر دی تھی۔ وجہ شبہ ان کے اور اس امت کے درمیان ظاہر ہوگئی ہے۔ اب حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ لوگ اتحاد و حلول کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ اس موضوع پر قوم کی آراء اور نقول بکثرت موجود ہیں۔ اب اکثر لوگ کہتے ہیں کہ وہ خواص کا مذہب ہے جو کوئی اس کا انکار کرے ان کے نزدیک اس کی علمی و دینی حیثیت کچھ نہیں۔ ستاروں کو پوجا گیا ہے۔ اس مسئلے میں ابو معشر

اور صاحبِ "سرِ مکتوم" جیسے لوگوں کی تصنیف موجود ہے۔ قبروں کی تعظیم کی خاطر ان پر قبّے اور عمارتیں اور مسجدیں بنا دی گئی ہیں، اور ان کو مزار بنا دیا گیا ہے اور ان کی پُوجا کی جاتی ہے۔ ان کے زمانی اور مکانی عرس منعقد ہوتے ہیں اور ان کے لیے مالی اور بدنی عبادات بجالائی جاتی ہیں۔ ان پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور قربانیاں پیش کی جاتی ہیں۔ زائرین اور سائلین کے گروہ در گروہ ان کا طواف کرتے ہیں اور وہاں آنے والوں کے سر مونڈے جاتے ہیں۔ ان کے معتقدین اور محبّین، حاضر ہوں یا غائب، ان کو پکارتے ہیں اور ان سے امیدیں رکھتے ہیں اور اہم امور میں اللہ ربّ العالمین کی بجائے ان پر اعتماد کرتے ہیں۔

ان کے عُرسوں اور میلادوں کی وجہ سے شریعت کی محرمات و ممنوعات کے پرخچے اڑا دیئے گئے ہیں۔ جن امور کی حُرمت پر سب شریعتیں اور نبوتیں متفق ہیں، ان کو حلال بنا لیا گیا ہے۔ پہاڑی راستوں اور میدانوں میں سیٹیوں اور تالیوں کی کثرت ہو گئی ہے اور عظیم اور قبیح گناہوں سے انہوں نے زمین و آسمانوں کے خالق کو دعوتِ مقابلہ دے دی ہے۔ ابنِ مفید جیسے ان کے بعض شیوخ نے ان باتوں کے استحباب میں کتاب بھی تصنیف کر دی ہے۔ اکثر لوگ اس کو دینِ اسلام اور توحید سمجھتے ہیں اور جو اس کا انکار کرے، اس پر کفرِ شدید کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کی ضمانت دی ہے کہ وہ کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی اور اس میں ہمیشہ ایسے بندگانِ خدا رہیں گے، جو ہر حالت میں اس کی عبادت کرتے رہیں گے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی میں اس کے لیے ایک مجدّد پیدا کرے گا، جو دین کی تجدید کرے گا اور حجت پوری وضاحت کے ساتھ قائم ہو جائے گی۔

ان میں سے بعض کی خبر ہمیں مل گئی ہے، بعض کی نہیں ملی۔

جو شخص تجربہ کار ہے اور اس نے معاملات کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کی ہے اور اہلِ علم نے جو نمایاں اوصاف مجدّد کے بیان کیے ہیں، ان سے واقف ہے، تو اس کے نزدیک بارھویں صدی ہجری کے منصبِ تجدید کے سب سے زیادہ اہل اور حقدار شیخ الاسلام والمسلمین، دین و ملت کے مِٹے ہوئے اصُولوں کی تجدید کرنے والے، زمانے میں متاخر ہونے کے باوجود اہلِ عقل و فہم کے نزدیک سلفیِ اوّل محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ثوابِ کثیر عطا فرمائے۔

۱۱۵۰ سن ہجری کے بعد وہ کمربستہ ہوگئے۔ اور اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے رسول ﷺ، اور اس کے بندوں کی خیر خواہی کا اعلان فرمایا۔ اس رتبے اور دعوت کے صلے میں جو تکالیف و مصائب آپؒ کو پہنچے، وہ آپؒ نے صبر کے ساتھ برداشت کیے۔ آپؒ نے فیصلہ دیا کہ قبروں اور صلحاء کے پجاریوں کے متعلق جو حکایتیں ہمیں پہنچی ہیں، اور جو فعل ہم نے دیکھے ہیں، وہ بعینہٖ بُت پرست اہلِ جاہلیت کے کام ہیں۔ ان ہی کے مٹانے کے لیے اور ان کے فاعل کی تکفیر اور ان کے باطل کے رد کے لیے رسول کریم ﷺ تشریف لائے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دینِ اسلام کی حقیقت اور رسولوںؑ کی شریعتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قصد و عبادت میں واحد اور منفرد مانا جائے اور عمل و ارادہ کے ساتھ چہرے کو اس کا فرمانبردار بنا دیا جائے۔ اس کے سوا اولیاء ـــــ اور شرکاء سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ ساری مخلوقات اور بندوں کی، اس کے سوا بندگی سے بیزاری کا اظہار کیا جائے۔ کلمۂ اخلاص و توحید کا یہی مفہوم ہے۔ ساری کائنات اور بندوں کو پیدا کرنے کی سب سے بڑی یہی حکمت ہے۔

انہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ محض زبان سے کلمۂ شہادت پڑھنے سے، اور اصولِ مقررہ جن کی تعلیم دیتے ہیں، ان کی مخالفت کر کے اور عبادت میں شرکِ اکبر کا ارتکاب کر کے کوئی شخص اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شہادتوں سے مقصود اعمال کی حقیقت ہے، جن کے بغیر ایمان کا وجود نہیں ہوتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ سے محبت، اس کے سامنے عاجز ہونا، اس کی طرف جھکنا، اس پر توکل کرنا، اس اکیلے سے مدد مانگنا اور ان کاموں میں مدد چاہنا جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں اور جن عبادتوں کا وہ حقدار ہے، ان میں شریک نہ بنانا مثلاً جانور ذبح کرنا، نذر ماننا، تقویٰ اور خشیت وغیرہ نیکی کے کام۔

انہوں نے مسئلہ توحید کو ثابت کرنے کے لیے قطعی نصوص اور روشن دلائل و براہین پیش فرمائے ہیں۔ انہوں نے اس پر ائمہ، فضلاء اور ماہرِ فن بزرگوں اور اہلِ فقہ و اہلِ فتویٰ کا اجماع ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس شخص کی عبارت ذکر کی ہے جس نے اہلِ مذاہبِ اربعہ وغیرہ کے اجماع کی حکایت کی ہے اور اس موضوع پر کتب تالیف و تصنیف کی ہیں! ـــ جبکہ آپؒ کی مخالفت ملت سے نکل جانے والے غالیوں نے، اور اولیاء و صلحاء رحمہم اللہ کی عبادت کے داعیوں، اور اُن کے ہم عصروں نے کی ہے۔ اس طرح وہ غضبِ الٰہی کا نشانہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر امتحان کے بعد اپنا غصہ ظاہر فرمایا۔ اہلِ کفر اور سرکش لوگوں پر ربّ کا کلمہ ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی پہلے سے یہی سنّت اور حکمت ہے،

وہی فضل و عدل کا معیار ہے۔ ان کے دشمنوں نے ان کی واضح باتوں میں بہت سے شبہات پیدا کیے تاکہ اس سے توحید کو رد اور فیصلہ کن امور کا انکار کر دیا جائے۔ اس پر عرب و عجم میں آپ رحمہ اللہ کے دشمنوں نے ایک دوسرے کو مدد کے لیے پکارا ہے اور ان کی طرف وہ وہ باتیں منسوب کی ہیں، جن کے ذکر سے ہی اہلِ علم اور بلند مرتبہ لوگ تو رہے ایک طرف، اہلِ عقل و دانش حضرات کو بھی شرم آنے لگتی ہے۔ انہوں نے اپنے زعمِ باطل میں ان کو اہلسنت و جماعت کا مخالف خارجی بنایا جس طرح ان کے بزرگوں نے رسولِ اکرم ﷺ کو (معاذ اللہ) صابی اور کاذب کہا انتہیٰ!

پھر نبہانی نے چوتھا باب لکھا ہے جس میں اپنے خیالِ باطل کے مطابق ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے رد میں مذاہبِ اربعہ کے علماء کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ان کی بعض کتب پر جرح کی ہے اور ان کی اہلِ سنت کی اہم مسائل میں مخالفت کو بیان کیا ہے۔ ان میں سے ایک مسئلہ اللہ تعالیٰ کی طرف جہت کا اعتقاد ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ان کے ہم عصر امام صدر الدین ابن الوکیل نے، جو ابن مرحل شافعی کے نام سے معروف ہیں، ان کے ساتھ مناظرہ بھی کیا ہے۔

میں اللہ کی مدد اور اعانت سے کہتا ہوں، نبہانی کی کتاب کے سب ابواب میں اس کا مقصود اور مراد یہ ایک باب ہے۔ اس کے ذکر کے لیے اس کو کتاب تالیف کرنے کی ضرورت پڑی۔ غالیوں کا حضرت امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بغض و عناد شک و شبہ سے بالا ہے۔ نبہانی ان میں ادنیٰ درجے کا ہے۔ لاریب وہ اس امام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ الاسلامؒ کی اکثر کتابیں بدعتیوں، گمراہوں اور ملحدوں کے رد میں ہیں! نبہانی نے امام کے اعداء میں سے پہلے ابن الوکیل کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہ کٹر بدعتی اور سنتِ نبویؐ کا سخت دشمن اور غالی شافعی تھا۔ اس کے اور شیخ الاسلامؒ کے مابین بہت سے مناظرے ہوئے۔ اور اس نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بڑے بڑے فتنے کھڑے کیے۔ میرا خیال ہے کہ میں شیخؒ اور ان کے مخالف کے درمیان ہونے والے ایک مناظرے کو بیان کر دوں تاکہ ناظرین کو آپؒ کے اعداء کا اندازہ ہو سکے۔ میں نے ایک نیا طبع شدہ رسالہ دیکھا ہے جس میں ایک مناظرے کی روداد لکھی ہوئی ہے اور اس میں بہت تحریف اور کمی بیشی سے کام لیا گیا ہے حالانکہ شیخؒ نے خود ایک کتاب تالیف کی تھی جس میں ان مجالس کی کارروائی موجود ہے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس کو بیان کر دوں تاکہ اہلِ انصاف شیخؒ کے بارے

میں خود ہی فیصلہ کر سکیں۔ صاحبِ واقعہ کا کلام دوسروں سے زیادہ معتبر ہوتا ہے۔ میں اس کو ذکر کر کے اہلِ علم کی خدمت میں ایک قیمتی تحفہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں بہت سے فوائد اور بہت سے مسائل ہیں۔

"شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "العقیدۃ الواسطیہ" پر مناظرے کی روداد"

انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد یہ خطبہ پڑھا: "سب تعریفیں اللہ ربّ العالمین کے لیے ہیں جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ وہ روزِ قیامت کا مالک ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں نہ کوئی اس کا معین و مددگار ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں جن کو اس نے ساری مخلوق کے لیے رسولؐ بنایا۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت بہت سلام بھیجے اور سب نیک بندوں پر" حمد و صلوٰۃ کے بعد بات یہ ہے کہ مجھ سے کئی بار درخواست کی گئی کہ ان تین مجالس کی روداد لکھوں جو اعتقاد کے موضوع پر مناظرے کے لیے منعقد کی گئی تھیں۔ یہ اس خط کی تعمیل تھی، جو دیارِ مصر کے سلطان نے اپنے نائب کو لکھا تھا۔ اس مکتوب کے محرکات یہ تھے کہ جہمیہ، اتحادیہ اور رافضیہ وغیرہ فرقوں نے، کینہ پرور اور حاسد لوگوں نے سلطان کے پاس میری چغلی کھائی تھی۔ ۸ رجب المرجب ۷۰۵ھ بروز پیر، امیر نے اپنے چاروں قاضیوں اور مذاہب اربعہ کے قاضیوں وغیرہ، ان کے نائبوں، مفتیوں اور مشائخ کو، جن کی کوئی عزت و حرمت اور وقعت تھی، جمع کرنے کا حکم دیا۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ وقتِ مقررہ پر جمع ہونے کا مقصد کیا ہے؟ نائب سلطان مجھ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا "یہ مجلس آپ کے لیے ہی قائم کی گئی ہے۔ سلطان کا ایک مکتوب آیا ہے، جس میں اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کا اعتقاد اور جو کچھ آپ نے دیارِ مصر میں لوگوں کو مکتوب لکھے ہیں جن میں اعتقاد کی دعوت ہے معلوم کروں۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں قاضیوں اور فقہا کو جمع کروں، وہ اس پر بحث کریں"

میں نے کہا "اعتقاد مجھ سے یا مجھ سے کسی بڑے سے نہیں لیا جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور امت کے پہلے بزرگوں کے اجماع سے حاصل کیا جاتا ہے۔ جو کچھ قرآنِ مجید میں ہے اور جو صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث سے یا دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہو، اس پر اعتقاد

واجب ہے۔ رہی بات خطوط کی تو میں نے اس سلسلہ میں کسی کو خود خط نہیں لکھا جس میں کسی کو دعوت دی ہو۔ ہاں! البتہ دیارِ مصر اور دوسرے علاقوں سے جو سوالات میرے پاس آتے ہیں میں نے ان کا جواب لکھا ہے۔ مجھے خبر ملی ہے کہ کسی نے میرے نام سے ایک جھوٹا خط عقیدے میں تحریف کر کے سلطان کے استاد امیر رکن الدین کے نام لکھا ہے۔ مجھے اس کے اصل مضمون اور واقعے کا تو علم نہیں لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ وہ جھوٹا خط ہے۔

میرے پاس مصر اور دوسرے علاقوں سے لوگ اعتقاد کے مسئلے پر سوال کرنے کے لیے آتے رہتے ہیں ان کو کتاب وسنّت اور اجماعِ سلفِ امت کے مطابق جواب دیتا ہوں پھر اس نے مجھ سے کہا کہ "اپنا عقیدہ لکھ دیجئے"۔ میں نے کہا "اچھا لکھو"۔

امیر نے شیخ کمال الدین کو حکم دیا کہ صفات اور تقدیر کے بارے میں ان کے اعتقاد پر تحریر لکھ دے۔ اسی طرح ایمان، وعید، امامت اور تفضیل کے اعتقادی مسائل پر تحریر کر دے! میں نے کہا: "اہلِ سنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اُن باتوں پر بغیر کسی تحریف وتعطیل کے اور بغیر کسی کیفیت وتمثیل کے ایمان لایا جائے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ مقدّس کے بارے میں خود یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں اور قرآن کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔ اسی سے شروع ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا اور ایمان رکھنا کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ بندوں کے افعال ہوں یا کچھ اور! جو کچھ اس نے چاہا وہ ہوا، جو اس نے نہ چاہا وہ نہ ہوا۔ اور اس نے اطاعت کا حکم دیا ہے اور وہ اس کو پسند اور محبوب ہے اور معصیت سے منع فرمایا ہے اور وہ اس کو ناپسند ہے۔ بندہ درحقیقت فاعل ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے فعل کا خالق ہے۔ ایمان اور دین، قول وعمل کا نام ہے جو گھٹتا بڑھتا ہے۔ یہ کہ ہم کسی اہلِ قبلہ کو گناہوں کی وجہ سے کافر نہ کہیں نہ کسی اہلِ ایمان کے "خلود فی النّار" کا عقیدہ رکھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب خلفاء سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی فضیلت اسی ترتیب سے ہے، جس ترتیب سے ان کی خلافت ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھا اس نے مہاجرینؓ وانصارؓ پر عیب دھرا اور ان کو حقیر جانا میں نے یہ یا اسی طرح ذکر کیا تھا عرصہ ہو چکا ہے، مجھے املاء کے ٹھیک الفاظ یاد نہیں ہیں مفہوم اسکا یہی تھا۔"

پھر میں نے امیر سے اور حاضرین سے کہا: "مجھے علم ہے کہ بہت سے لوگ میرے بارے میں غلط بیانی سے کام لیتے ہیں، جیسا کہ وہ پہلے کئی مرتبہ ایسا کر چکے ہیں۔ اگر میں اعتقاد زبانی لکھا دوں، تو بعض لوگ کہیں گے کہ میں نے اس میں سے کچھ چھپا لیا ہے، یا مداہنت کی ہے۔ تو میں آج سے سات سال پہلے، جب ابھی تاتاری شام میں نہیں آئے تھے، لکھا ہوا عقیدہ پیش کرتا ہوں۔ میں نے سلطان کے سامنے کچھ باتیں بیان کی تھیں۔ عرصہ گزر چکا ہے لیکن مجھے یاد ہے کہ میں نے کہا تھا، میں جانتا ہوں کہ لوگوں نے میرے بارے میں غلط باتیں کی ہیں اور سلطان کو بہت سی باتیں پہنچائی ہیں۔ پھر میں نے ضرورت کی باتیں کیں مثلاً میں نے کہا: میرے سوا ضرورت کے وقت اسلام کو کس نے قائم کیا؟ اور کس نے اس کے دلائل کو واضح کر کے بیان کیا ہے، اور اس کے دشمنوں سے جہاد کیا؟ جب سب اس کو چھوڑ گئے تھے اور وہ جھک چکا تھا۔ کوئی اس کی محبّت کی بات نہیں کرتا تھا اور نہ کوئی اس کا دفاع کرتا تھا، تو اس کو لے کر کون کھڑا ہو گیا تھا؟ محبّت کو ظاہر کرنے کے لیے میں کھڑا ہوا، اور اس کا دفاع کیا، اور اس کی رغبت دلائی۔ جب یہ لوگ مجھ میں عیب لگانے سے دریغ نہیں کرتے، تو دوسروں کے ساتھ کیا کچھ نہ کرتے ہوں گے؟ اگر یہودی بھی سلطان سے انصاف کا طالب ہو، تو سلطان پر لازم ہے کہ اس کو انصاف دے۔ میں کبھی اپنا حق چھوڑ دیتا ہوں اور کبھی نہیں چھوڑتا بلکہ میں سلطان سے انصاف چاہتا ہوں، اور یہ کہ ان لوگوں کو حاضر کیا جائے، جو کذب بیانی سے کام لیتے ہیں، پھر ان کو سزا دی جائے۔" میں نے اس سے بھی طویل بات کی تھی۔ اس واقعہ کو کافی عرصہ گزر چکا ہے۔

امیر نے کاتب کو حکم دیا کہ "تحریر میں یہ بھی شامل کر لو۔" میں نے یہ بھی کہا تھا: "جس جس نے بھی میری تحریروں کی مخالفت کی ہے، میں اس سے اس کا مذہب زیادہ بہتر جانتا ہوں (مجھے یہ یاد نہیں کہ یہ بات عقیدہ پیش کیے جانے سے پہلے کی تھی یا بعد میں، لیکن میں نے اس کو پڑھنے اور پیش کرنے کے بعد بھی یہ بات کی تھی) میں نے جب بھی کوئی فصل بیان کی ہے، اس کا قبلہ کی طرف منسوب کوئی نہ کوئی مخالف ضرور موجود تھا۔ ہر جملے میں کسی نہ کسی فرقے کو ضرور اعتراض ہے۔" پھر میں نے ایک آدمی کو بھیجا تاکہ وہ گھر سے میرے ہاتھ کے لکھے ہوئے رسالے لے آئے۔ تو وہ عقیدہ واسطیہ لے آیا۔ میں نے ان سے کہا: "اس کی تالیف اس وجہ سے عمل میں آئی کہ ایک شافعی شیخ رضی الدین واسطی جو واسط کے

ایک علاقے کا قاضی تھا اور بڑا دیندار اور اہلِ خیر میں سے تھا میرے پاس آیا۔ اس نے تاتاریوں کی حکومت میں جہالت، ظلم نیز دین وعلم کے مٹ جانے کی شکایت کی اور مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کو ایک عقیدہ لکھ دوں جس کو وہ خود اور اس کے اہلِ خانہ اختیار کر سکیں۔ میں نے عذر پیش کیا اور کہا "بہت سے لوگوں نے عقائد پر لکھا ہے ان میں سے ائمہ سنت کے عقائد لے لیجئے" مگر اس کا اصرار بڑھتا گیا کہ مجھے تو وہی عقیدہ پسند ہے جو آپ خود لکھ کر دیں گے۔ میں نے عصر کے بعد بیٹھ کر یہ عقیدہ لکھ دیا۔ اب اس کے نسخے مصر، عراق وغیرہ ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔" امیر نے رفع شک کے لیے کہا کہ "آپ خود نہ پڑھیں بلکہ اس کے کاتب شیخ کمال الدین پڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے حاضرین کے سامنے اس کا ایک ایک حرف پڑھا۔ حاضرین سنتے رہے۔ پھر اس پر سوال وجواب بھی ہوئے اور کچھ نے مخالفت بھی کی۔ خود امیر نے بھی چند سوال کیے۔ لوگ سمجھ گئے تھے کہ حاضرین کے ایک گروہ کے دل میں کتنی مخالفت اور اتباعِ اہوا موجود ہے۔ اس مناظرے کی پوری کارروائی کو منضبط کرنا تو مشکل ہے کیونکہ عرصہ گزر چکا ہے اور پھر وہاں شور وغل بھی کافی تھا اس لیے اس کا خلاصہ لکھنا کافی ہے۔"

معترض

"اللہ تعالیٰ پر بغیر کسی تحریف وتعطیل کے اور بغیر کسی کیفیت وتمثیل کے اسی طرح ایمان لانا، جس طرح خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے بغیر کسی تحریف وتمثیل اور تکییف وتمثیل کے ایمان لانا اس میں تحریف وتعطیل سے کیا مراد ہے؟"

اس سے اس کا مقصود اہلِ تاویل کی نفی تھا، جو لفظ کو اس کے ظاہری معنیٰ سے وجوباً یا جوازاً پھیر دیتے ہیں۔

مجیب

میں نے کہا "کلمات کو ان کی جگہوں سے بدلنا جس کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے، یہ ہے کہ لفظ کو اس کے ظاہری معنیٰ سے ہٹا دینا جس پر وہ دلالت کرتا ہے مثلاً "جہمیہ" اللہ تعالیٰ

کے ارشاد "وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا"[1] کی تاویل کرتے ہیں اور بزعم خود ناخن حکمت سے اس کو مجروح کرتے ہیں اور جس طرح قرامطہ و باطنیہ، جہمیہ، رافضیہ اور قدریہ وغیرہ کرتے ہیں"۔ اس پر وہ خاموش ہوگیا۔

میں نے کسی اور مجلس میں ذکر کیا تھا: "میں لفظِ تاویل" چھوڑ کر "تحریف" اس لیے لایا ہوں کہ تحریف کی مذمت قرآنِ مجید نے کی ہے اور میں نے اس عقیدے میں کتاب وسنّت کی اتباع کی کوشش کی ہے۔ جس تحریف کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے، میں نے اس کو بیان کیا ہے۔ میں نے اس میں تاویل کا لفظ نفی اور اثبات کے لیے کسی جگہ استعمال نہیں کیا۔ کیونکہ اس کے کئی معانی ہیں، جیسا کہ قواعد کی بحث میں بیان کرچکا ہوں۔

متاخرین اہلِ اصول و اہلِ فقہ کی اصطلاح میں تاویل کا اور معنیٰ ہے، اور کتاب اللہ میں اس کا دوسرا معنیٰ ہے۔ جو لفظ کتاب وسنّت میں نہیں، اس سے مجھے وہ لفظ زیادہ پسند ہے، جو کتاب وسنّت میں ہے۔ اگر" اس کی نفی" سے مراد وہ معنیٰ ہے، جس کو "تاویل" کہتے ہیں، اور جو بعض سلف سے صحیح منقول ہے، تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ جب اس کی صحت پر دلیل موجود ہو اور سلف سے بھی منقول ہو، تو وہ تحریف نہیں ہے"۔

میں نے یہ بھی کہا، "میں نے نفی میں "تمثیل" کا لفظ استعمال کیا ہے، "تشبیہ" کا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں "تمثیل" کی نفی کی ہے۔ چنانچہ فرمایا: "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ"[2] اور فرمایا: "هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا"[3]۔ یہ لفظ مجھے اس لیے زیادہ پسند ہے کہ وہ کتاب وسنّت میں ہے۔ اگرچہ اس کی نفی سے کبھی صحیح معنیٰ مراد ہوتا ہے، اور کبھی فاسد معنیٰ مراد ہوتا ہے اور جب میں نے ذکر کیا کہ: — وہ اس کی نفی نہیں کرتے، جس کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے بیان کیا ہے — وہ کلموں کو ان کی جگہوں سے بدلتے ہیں — اور اس کے اسماء وصفات میں الحاد کے مرتکب ہوتے ہیں، تو حاضرین میں سے بعض یہ سمجھ کر کہ یہ واضح طور پر اسی کا رد ہے، غصّے سے لال پیلے ہو رہے تھے، لیکن بولنے کی ہمّت نہ پڑتی تھی۔ اس کا ارادہ یہ بھی تھا کہ مجھے سوالات میں الجھائے رکھے، مگر وہ

---

[1] النساء: ۱۶۴ [2] الشوریٰ: ۱۱ [3] مریم: ۶۵

ایسا نہ کر سکا کیونکہ اس کو جوابات معلوم تھے۔

جب میں نے آیت الکرسی کا ذکر کیا تو میرا خیال ہے، امیر نے ہماری اس بات کہ ”صبح تک شیطان قریب نہیں بھٹکتا“ کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی، کہ ”شیطان انسانی شکل میں آکر صدقۃ الفطر کی چوری کرتا تھا“۔ میں نے ذکر کیا کہ ”امام بخاریؒ نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے“ وہ ”تشبیہ“ اور ”تجسیم“ کی نفی کی طویل باتیں کرتے رہے اور وہ باتیں پیش کرتے رہے، جو بعض لوگ غلط طور پر ہماری طرف منسوب کرتے ہیں۔

میں نے کہا کہ میری اس بات، یعنی ”بغیر کسی کیفیت اور تمثیل کے اسماء وصفات پر ایمان لانا“ کے الفاظ سے ہر باطل کی نفی ہو جاتی ہے۔ یہ دو اسم میں نے اسی لیے اختیار کیے ہیں کہ سلف سے ان کی نفی ماثور رہی ہے، جیسا کہ ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ، مالک ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرمایا اور علماً نے اس کو قبول کیا کہ ”استواء معلوم ہے، کیفیت غیر معلوم ہے، اس پر ایمان واجب ہے، اور اس کے بارے میں سوال بدعت ہے“۔ ان ائمہ سلفؒ نے اتفاق کیا ہے کہ کیفیت غیر معلوم ہے۔ میں نے بھی سلفِ امت کی اتباع میں اس کی نفی کی ہے۔ اس کی نفی نص سے بھی ثابت ہے۔ آیاتِ صفات کی تاویل میں حقیقتِ موصوف اور حقیقتِ صفات داخل ہے اور یہ وہ تاویل ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جیسا کہ میں نے اس کو ایک الگ قاعدے میں ثابت کیا ہے جس کا ذکر تاویل میں کر چکا ہوں۔ اسی طرح نص اور اجماعِ قدیم اور عقلی دلالت کے ساتھ تمثیل اور کیفیت کی نفی ہوتی ہے کیونکہ باری تعالیٰ کی کنہ انسان کو معلوم نہیں ہے اور میں نے اس ضمن میں وہ خطاء بھی ذکر کر دی ہے، جس کے بارے میں منقول ہے کہ وہ مذہبِ سلف ہے وہ ہے صفات اور احادیثِ صفات کو اس کے ظاہر پر جاری کرنا اور اس سے ”تشبیہ“ اور ”کیفیت“ کی نفی کرنا صفات پر گفتگو دراصل ذات پر گفتگو کا حصہ ہے، جس طرح ذات پر بات ہوگی اسی طرح صفات پر ہوگی۔ جس طرح وجود کا اثبات بغیر کسی کیفیت کے ہے اسی طرح صفات کا اثبات ایسے وجود کا اثبات ہے، جس کی کیفیت معلوم نہیں۔

معترض

ایک بڑا مخالف بولا "پھر تو جائز ہوا کہ کہا جا سکے وہ جسم ہے لیکن جسموں کی مانند نہیں"۔

میں نے اور بعض فاضل حاضرین نے کہا: "مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انہی اوصاف سے متصف کیا جائے جن سے خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اور اس کے رسول ﷺ نے متصف کیا ہے۔ کتاب و سُنّت میں کہیں نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے اس لیے یہ سوال غیر متعلق ہے"۔

ایک قاضی نے جو دینداری میں معروف ہے ارادہ کیا کہ بعض لوگ جو باتیں ہمارے متعلق کہتے ہیں اور ہماری طرف منسوب کرتے ہیں ہم سے اس کی نفی کا اظہار کر دے۔ اس غرض کے لیے اس نے تشبیہ اور تجسیم کی مبالغے کے ساتھ نفی کی۔ میں نے کہا میں نے اس میں کئی جگہ یہ الفاظ ذکر کیے ہیں، یعنی "بغیر تحریف و تعطیل اور بغیر کیفیت اور تمثیل کے"۔ میں نے اس کی ابتدا میں کہا ہے "ایمان باللہ میں ان اوصاف پر ایمان لانا شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے آپ کو اور اس کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے یعنی بغیر تحریف و تعطیل کے اور بغیر تکییف اور تمثیل کے"۔

پھر میں نے کہا: "صحیح احادیث میں جن کو اہلِ معرفت نے قبول کیا ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے ربّ کو جن اوصاف سے موصوف فرمایا ہے ان پر اسی طرح ایمان لانا واجب ہے"۔ آگے چل کر میں نے کہا "ان احادیث پر جن میں رسولِ اکرم ﷺ وہی خبر دیتے ہیں جو آپ ﷺ کو دی گئی۔ فرقہ ناجیہ اہلِ سنّت والجماعت اسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو قرآنِ مجید میں ہیں بغیر تحریف و تعطیل کے اور بغیر کسی کیفیت و تمثیل کے۔ درحقیقت ایسے لوگ امت کے بہترین لوگ ہیں جس طرح کہ یہ امت سب امتوں سے بہترین ہے یہ لوگ صفاتِ الٰہی کے مسئلہ میں اہلِ تعطیل "جہمیہ" اور اہل التمثیل "المشبّہہ" کے درمیان ہیں۔

جب اس حاکم عادل نے ان کی موافقت اور ان کا تعصّب دیکھا اور معرفت رکھنے والے مددگار کم دیکھے اور ان سے ڈرا تو کہا: "کیا آپ نے امام احمدؒ کا اعتقاد تصنیف کیا ہے۔ کیا آپ کہتے ہیں کہ یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اعتقاد ہے"؟ اس کا مقصد یہ تھا کہ جب آدمی اپنے مذہب میں کوئی تصنیف کرے تو وہ قابلِ اعتراض نہیں ہے کیونکہ وہ مذہب مانا ہوا ہے اس کی غرض یہ تھی کہ جھگڑا

ختم ہو۔ میں نے کہا: "میں نے تو سلف صالح سب کا عقیدہ جمع کیا ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اس میں تخصیص نہیں ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مبلغ ہیں اگر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی طرف سے ایسی بات کہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، تو ہم نہیں مانیں گے۔ یہ عقیدہ سیّدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے"۔

اور میں نے بار بار کہا: "میں نے اپنے ہر مخالف کو تین سال کی مہلت دی ہے اگر کوئی ان تینوں زمانوں سے، جن کے بارے میں ارشاد ہے:۔۔۔۔۔

"خَیْرُ الْقُرُوْنِ الْقَرْنُ الَّذِیْ بُعِثْتُ فِیْھِمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ" "بہترین زمانہ وہ ہے جس میں میں مبعوث کیا گیا ہوں پھر ان کا جو ان سے متصل ہوں گے پھر ان کا، جو ان سے متصل ہوں گے"۔

۔۔۔۔۔ ایک حرف بھی ہمارے بیان اور دعوے کے خلاف ثابت کر دے تو میں اس سے رجوع کر لوں گا۔ یہ میرا ذمہ ہے کہ ایسی نقول پیش کروں جن سے ثابت ہو کہ قرونِ ثلاثہ کے سب گروہ ہمارے بیان کے موافق تھے وہ حنفیہ ہوں مالکیہ یا شافعیہ ہوں، حنبلیہ یا اشعریہ ہوں یا اہلِ حدیث اور صوفیہ وغیرہ ہوں۔ میں نے کسی اور مجلس میں بھی کہا ہے کہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سنّت اور نصوصِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جتنی پہنچی ہیں کسی کے پاس نہیں پہنچیں۔ وہ بدعتوں کی تردید کے باعث سخت مصائب میں مبتلا بھی ہوئے۔ ان کا علم اور کلام اس موضوع پر دوسروں سے زیادہ ہے اس لیے وہ دوسروں کی نسبت سنّت کا بڑا امام ہے۔ یہ معاملہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ مغربی صالح علماء نے کہا ہے کہ "امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک وہی ہے جو سب ائمہ اسلام رحمہم اللہ کا مسلک ہے اگرچہ بعض ائمہ اظہارِ حق اور دفعِ باطل میں دوسروں سے آگے ہیں"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح احادیث میں جن کو اہلِ علم نے قبول کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات بیان فرمائی ہیں چنانچہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے صحیحین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے:

"یَقُوْلُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَا اٰدَمُ، فَیَقُوْلُ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ، فَیُنَادِیْ بِصَوْتٍ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکَ" "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا "اے آدم! وہ جواب دیں گے "لبیک حاضر ہوں"۔ تو اللہ تعالیٰ آواز سے پکاریں گے کہ "تم جہنم میں

اَنْ تَبْعَثَ بَعْثًا اِلَی النَّارِ - الحدیث!" جہنمیوں کو بھیجو (آخر تک)!

امیر نے ان سے پوچھا کیا "حدیث صحیح ہے"؟ میں نے کہا "ہاں، وہ صحیحین میں ہے"۔ کسی نے اس کی مخالفت نہ کی۔ مخالف کو بھی اقرار کرنا پڑا اور سب لوگ اس پر متفق ہو گئے۔

امیر نے حرف اور کلام پر گفتگو کرنے کو کہا چونکہ یہ اس کی طرف سے مطالبہ تھا اس لیے میں نے کہا "امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب سے جو بہت سے لوگ حکایت کرتے ہیں کہ "قارئین کی آواز اور قرآن کی سیاہی ازلی قدیم ہے" جیسا کہ مجدالدین خطیب وغیرہ نے نقل کیا ہے محض جھوٹ اور بہتان ہے۔ نہ تو امام احمد رحمہ اللہ نے اور نہ ہی مسلمانوں کے ائمہ علماء نے، نہ ہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب وغیرہ نے یہ بات کہی ہے" پھر میں نے ایک رسالہ "عقیدہ واسطیہ" کے ساتھ پیش کیا، جس میں ابوبکر خلال نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ "کتاب السنۃ" میں خود امام احمد رحمہ اللہ سے روایت کئے ہیں اور ان کے شاگرد ابوبکر مروزی نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا کلام اور ان کے زمانے کے ائمہ اور اصحاب کا کلام جمع کیا ہے کہ "جس شخص نے کہا کہ:

"لَفْظِی بِالْقُرْاٰنِ مَخْلُوْقٌ فَھُوَ "قرآن سے میرا لفظ ادا کرنا مخلوق" ہے، وہ جہمی ہے — جَھْمِیٌّ وَمَنْ قَالَ غَیْرُ مَخْلُوْقٍ فَھُوَ مُبْتَدِعٌ" اور جس نے "غیر مخلوق" کہا وہ بدعتی ہے"۔

میں نے کہا "اس کو اشعری نے "کتاب المقالات" میں اہلِ سنّت اور اصحابِ حدیث سے نقل کیا ہے"۔

معترض نے کہا: "امام احمدؒ یہ کہتے ہیں!" — میں نے کہا "اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہوگا "جو کہے "میرا لفظ قدیم ہے۔ میری آواز غیر مخلوق ہے میری آواز قدیم ہے" جب کہ امام احمد رحمہ اللہ کی صریح عبارتیں موجود ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کے آواز سے کلام کرنے اور بندے کی آواز کے درمیان فرق ہے" جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صاحب "الصحیح" نے اپنی کتاب "خلق افعال العباد" میں اور دوسرے ائمہ سنّت نے نقل فرمایا ہے۔

میں نے مسئلے کا جواب پیش کر دیا۔ بہت پہلے مجھ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا تھا، جس نے حرف و صوت کے مسئلے میں طلاق کے ساتھ قسم کھائی تھی۔ میں نے اس مسئلہ میں مفصّل جواب دے دیا تھا کہ "قرآن مجید حرف اور صوت ہیں" یا حرف اور صوت نہیں ہیں؟ دونوں بدعت

ہیں۔ یہ بحث تیسری صدی ہجری کے بعد پیدا ہوئی "یہی میرا جواب تھا یہی مسئلہ ان جہمی دشمنوں نے پوچھا تھا، جن میں سے بعض مجلس میں حاضر تھے۔ جب ان کے پاس جواب پہنچا وہ لاجواب ہو گئے۔ ان کا خیال تھا اگر میں نے ان کے سوال کا جواب نہ دیا جو اہلِ سنت کہتے ہیں، تو ان کا بُرا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اگر میں نے وہی جواب دیا جو وہ کہتے ہیں، تو پھر ان کو اس میں سبقت حاصل ہو جائے گی جب ان کو یہ اہلِ سنت کا جچا تلا جواب ملا جو نہ وہ تھا جو وہ کہتے ہیں اور نہ وہ جس کو وہ اہلِ سنت سے نقل کرتے ہیں، یا جو بعض جاہل کہتے ہیں تو وہ مبہوت ہو کر رہ گئے۔ جواب یہ تھا کہ "قرآنِ مجید حروف و معانی پر مشتمل کلام اللہ ہے۔ قرآنِ مجید محض حروف یا محض معانی کا نام نہیں۔"

میں نے صدر الدین ابن الوکیل کے کثرتِ تناقض کو بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ایک بات پر نہیں رہتا اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ فتنہ اٹھائے اور مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرے۔ میرے پاس شیخ ابو البیان کا عقیدہ موجود ہے اس میں ہے: "جو کہے کہ قرآنِ مجید کا ایک حرف بھی مخلوق ہے، وہ کافر ہے" میں نے اس پر لکھا تھا کہ "یہ امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے اور تونے بھی اللہ تعالیٰ کا دین اختیار کیا ہے۔" اس نے اقرار کیا، مگر شیخ کمال الدین بن زملکانی نے اس کو پسند نہ کیا۔ ابن الوکیل نے کہا کہ "یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی نص ہے" اور اس کو کئی بار دہرایا۔ جب ہم دوسری مجلس میں جمع ہوئے تو ابن الوکیل کے سامنے ذکر کیا گیا کہ "ابن درباس نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے وہی بات نقل کی ہے، جو تُو نے کی ہے۔" تیسری مجلس میں ابن الوکیل نے پھر اس کو دہرایا۔ شیخ کمال الدین نے صدر الدین ابن الوکیل سے کہا: "تم نے شیخ تقی الدین سے اس مجلس میں کہا تھا کہ جو شخص کہے کہ قرآنِ مجید کا ایک حرف بھی مخلوق ہے، وہ کافر ہے اور اس بات کو کئی بار دہرایا تھا۔" پھر وہ سخت ناراض ہوئے اور چیخ کر کہا "یہ ہمارے اصحابِ متکلمین اشعریہ کو کافر بناتا ہے، جن کا قول امام الحرمین کے مطابق ہے کہ قرآن کے حروف مخلوق ہیں۔ ہم اپنے لوگوں کی تکفیر کو برداشت نہیں کر سکتے۔"

ابن الوکیل نے فوراً پینترا بدلا اور کہا "میں نے تو یہ نہیں کہا۔" انہوں نے پوچھا "تو تم نے کیا کہا تھا؟" اس نے جواب دیا کہ "میں نے کہا تھا کہ جس نے قرآنِ مجید کے ایک حرف کا بھی انکار کیا، وہ کافر ہے"۔ حاضرین نے فوراً اس کو ٹوکا اور کہا "تم نے تو فلاں فلاں بات کہی تھی تمہارے لیے مناسب نہیں کہ ایک بات کہو، پھر اس سے مکر جاؤ۔" بعض نے کہا "اس نے یہ نہیں کہا۔" جب بات کا رُخ بدلا تو بعض نے کہا "ہم

نے اس سے یہ نہیں سُنا"۔ یہاں تک کہ نائب السلطان نے کہا "ان دونوں میں سے ضرور ایک جھوٹ بولتا ہے اور دوسرا اس کی تائید کرتا ہے"۔ شیخ کمال الدین اس وقت غصے میں تھے۔ انہوں نے قاضی القضاۃ نجم الدین شافعی کی طرف دیکھ کر اس کو ابن الوکیل کے خلاف مدد کے لیے پکارا کیونکہ اس نے اس کے اصحاب کو کافر کہا تھا۔ قاضی نجم الدین نے کہا "میں نے تو یہ نہیں سُنا"۔ اس پر شیخ کمال الدین اور غضب ناک ہو گئے اور ایسی بات کہی جس کے الفاظ تو مجھے ٹھیک ٹھیک یاد نہیں ہیں، مفہوم ان کا یہ تھا کہ اس میں ایک شافعی کی ذلت اور اس کے لیے عار ہے کہ ان کے ائمہ کی تکفیر کی جائے، اور اس کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیا جائے۔ قاضی نجم الدین کے حق میں شیخ کمال الدین نے جو کہا میں وہ نہیں سُن سکا۔ میں نے اپنے علاوہ حاضرین سے بھی تحقیق کی کہ کیا ان سے اس کے حق میں کوئی بات سنی ہے"؟ تو انہوں نے جواب دیا "نہیں" لیکن قاضی نے سمجھا چونکہ وہ قاضی المذہب ہے اور اس نے اپنے اصحاب کی مدد نہیں کی لہٰذا وہی شیخ کمال الدین کا ہدف اور نشانہ ہے چنانچہ قاضی القضاۃ نجم الدین نے ناراض ہو کر کہا کہ: ــــ "گواہ رہو، میں ان سب سے الگ ہوں"۔

جب قرآن اور اس پر ایمان لانے کا مسئلہ سامنے آیا کہ "اس پر ایمان سے مراد یہ ہے کہ ایمان لایا جائے، کلام اللہ غیر مخلوق ہے اسی سے شروع ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا"۔ بعض نے "اسی سے شروع ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا" کی وضاحت چاہی تو میں نے جواب دیا کہ "سلف سے ایسے ہی منقول ہے مثلاً حضرت عمرو بن دینارؒ نے نقل کیا ہے کہ "میں ستّر سال سے لوگوں کو یہ کہتے سن رہا ہوں کہ باقی سب مخلوق ہے سوائے قرآنِ مجید کے کہ وہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔ اسی سے شروع ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا"۔ بہت سے لوگوں نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کے آثار کو اکٹھا کر دیا ہے مثلاً حافظ ابو الفضل بن ناصر اور حافظ ابو عبد اللہ المقدسی "اسی سے شروع ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلام فرمایا اور اس کو اپنے پاس سے نازل فرمایا۔ ایسا نہیں جیسا کہ جہمیہ کہتے ہیں کہ "وہ ہوا یا اور کسی چیز میں پیدا ہوا اور غیر کی طرف سے شروع ہوا"۔ اب رہا کہ "اسی کی طرف لوٹے گا" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آخر زمانے میں اوراق اور سینوں سے محو ہو جائے گا۔ سینوں میں ایک کلمہ بھی نہ رہے گا اور نہ ہی قرآنِ مجید کے

اوراق میں کوئی حرف باقی رہے گا۔" اکثر حاضرین نے اس سے اتفاق کیا اور مخالف فریق کو خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

کسی اور مجلس میں میں نے ان میں سے بعض سے گفتگو کی اور امام قادری نے جو عقیدہ لکھا ہے، وہ ان کے سامنے پیش کیا۔ اسی میں تھا کہ "قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جو اس سے نکلا ہے"، کسی نے اس لفظ پر جھجک محسوس کی، تو میں نے کہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

"مَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ إِلَى اللهِ بِمِثْلِ مَا خَرَجَ مِنْهُ"، "اللہ تعالیٰ کے تقرب کا اس کے برابر جو اس سے نکلا کوئی اور ذریعہ نہیں یعنی قرآنِ مجید"۔

اور حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اے بندۂ خدا! اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی ہمت صرف کرو، ایسا ذریعہ جو اس کو زیادہ پسندیدہ ہو، اس کے سوا کوئی نہیں، جو اس سے نکلا ہے"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مسیلمہ کذّاب کا بنایا ہوا قرآن پڑھا تو فرمایا "اللہ تعالیٰ سے یہ کلام نہیں نکلا"۔

اور اس میں یہ بھی ہے "قرآنِ مجید پر ایمان سے مراد اس پر ایمان لانا ہے کہ قرآنِ مجید کلام اللہ غیر مخلوق ہے، اور اسی کا نازل کردہ ہے۔ اسی سے شروع ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا"۔ اور اللہ تعالیٰ نے سچ مچ کلام فرمایا ہے اور قرآنِ مجید جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام ہے، کسی غیر کا نہیں۔ یہ بھی جائز نہیں کہ یوں کہا جائے، "وہ کلام اللہ کی حکایت اور عبارت ہے"، بلکہ جب لوگ اس کو پڑھیں یا مصاحف میں لکھیں، تو بھی اس کے کلام اللہ ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کلام کی اضافت اسی کی طرف ہوتی ہے، جس نے ابتداء میں کلام کیا ہو، نہ اس کی طرف، جو اس کو ادا کرنے اور پہنچانے والا ہو"۔ بعض نے شرمندہ ہو کر تسلیم کیا کہ وہ حقیقتہً کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے حقیقتہً کلام فرمایا ہے۔ پھر جب اس کے سامنے واضح کیا گیا کہ مجاز کی نفی درست ہوتی ہے، مگر کلام اللہ کی نفی درست نہیں ہے، تو اس نے تسلیم کیا۔ جب اس کے سامنے واضح کیا گیا کہ "متقدمین کے ماثور اقوال اور شعراء کے شعر انہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور وہ انہی کا حقیقتہً کلام ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید کو اسی طرح سمجھو"۔ سب لوگ مسئلہ قرآن پر جو کچھ بیان کیا گیا، اس پر متفق ہو گئے کہ "اللہ تعالیٰ حقیقتہً متکلّم ہے اور قرآنِ مجید حقیقتہً اسی کا کلام

ہے غیر کا نہیں۔"

جب ان کے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ "کلام کی نسبت اسی کی طرف ہوتی ہے جس نے ابتدا میں گفتگو کی ہو نہ اس کی طرف جو ادا کرنے یا پہنچانے والا ہو" تو حاضرین نے اس کی تحسین کی۔ سب سے بڑا مخالف، مثلاً ابن الوکیل وغیرہ نے اس کو اونچے درجے کی بات سمجھا اور اس تلخیص پر اپنی مسرت کا اظہار کیا اور کہا "آپ نے ہمارا یہ شبہ دور کر دیا ہے اب ہمارے دل مطمئن ہیں" اور اسی طرح کی اور باتیں کیں۔

اور جب یوم آخرت پر ایمان، اس کی تفصیل اور نظم کا ذکر ہوا تو اس کو بھی انہوں نے خوب سراہا۔ اسی طرح ایمان بالقدر، اس کے دو درجوں اور دوسرے بڑے بڑے قواعد کا ذکر آیا تو اس پر بھی وہ خوش ہوئے اور جب منافق اور ایمان کا ذکر آیا تو عقیدے کو پڑھ چکنے کے بعد معاندوں اور مخالفوں نے چار اعتراضات اٹھائے۔ اب ان شاء اللہ ان کا ذکر ہوگا۔

پہلا سوال

ہمارا قول ہے، اور فرقہ ناجیہ کا بھی یہی اصول ہے کہ "ایمان قول و عمل کا نام ہے اور وہ گھٹتا بڑھتا ہے اور وہ دل اور زبان کا قول، دل اور زبان اور جوارح کا عمل ہے۔" جب یہ فرقہ ناجیہ کا اصول ہے، تو جو اس کو نہیں مانتا وہ فرقہ ناجیہ سے خارج ہو جاتا ہے، جیسے کہ متکلمین جن کا قول ہے: "ایمان تصدیق کا نام ہے"۔ بعض کہتے ہیں کہ "ایمان تصدیق اور اقرار کا نام ہے"۔ جب یہ لوگ ناجی نہ ہوئے تو ضرور ہلاک ہونے والوں میں ہوئے ؟ —— ان سوالوں پر ان کا تکیہ تھا۔ انہوں نے وہ ہمارے قول پر وارد کر دیئے۔ جب ہم نے ایمان باللہ کا ذکر کیا تو اس میں وہ بات بھی شامل ہو گئی جو کتاب اللہ میں ہے اور رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے، اور اس پر اجماع سلف ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے بلند ہے۔ وہ جہاں ہوں وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو جو عمل مخلوق نے کرنے ہیں، وہ سب اس کے علم میں ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں ان باتوں کو جمع فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ "وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں

وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ[1]

میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی ہو اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔"

"مَعَکُمْ" کا معنیٰ یہ نہیں کہ وہ مخلوق کے اندر مل جُل گیا ہے۔ لغت بھی اس کی تائید نہیں کرتی اور یہ سلفِ امت کے اجماع کے بھی خلاف ہے اور جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو بنایا ہے، اس کے بھی خلاف ہے بلکہ چاند ہی کو دیکھو وہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت ہے اور اس کی مخلوق میں سب سے چھوٹا ہے اور وہ آسمان میں رکھا ہوا ہے پھر بھی وہ مسافر اور غیر مسافر کے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ عرش کے اوپر اپنی مخلوق پر نگہبان اور محافظ اور اس کے حالات سے باخبر ہے نیز اپنی ربوبیت کے دوسرے معانی کے ساتھ عرش پر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش پر ہونے کے باوجود ہمارے ساتھ ہونے کا جو ذکر فرمایا ہے، وہ حق اور سچ ہے۔ اس میں کسی تحریف کی حاجت نہیں البتہ جھوٹے گمانوں سے حفاظت ضروری ہے۔

دوسرا سوال

ان میں سے بعض نے کہا "ہم الفاظ کا تو اقرار کرتے ہیں جیسا کہ "حدیثِ اوعال" میں ہے "اللہ عرش پر ہے" مگر ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ آسمانوں کے اوپر ہے نہ ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ عرش پر مستوی ہوا یا مستوی ہے"۔ انہوں نے یہ مفہوم کئی بار دہرایا کہ جو لفظ وارد ہے، وہ بعینہٖ کہیں گے اور اس کی جگہ مترادف لفظ نہیں بولیں گے نیز اس لفظ کے معنیٰ کو قطعاً نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی یہ کہا جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت پر دلالت کرتا ہے۔ دوسری مجلس میں جیسا کہ ہم بیان کریں گے، بڑی مفصّل گفتگو ہوئی۔

---

[1] الحدید: ۴

تیسرا سوال

چاند چونکہ آسمان میں ہے، اس لیے اس کے ساتھ تشبیہ میں اللہ تعالیٰ کے آسمان میں ہونے کی تشبیہ لازم آتی ہے۔

چوتھا سوال

انہوں نے کہا تمہارا یہ کہنا کہ "وہ اپنی حقیقت پر حق ہے" حقیقت ایک لغوی معنیٰ ہے، حقیقتِ لغوی سے مراد اجسام کا استوار اور فوقیت ہے عربوں نے یہ لفظ اجسام کے لیے وضع کیا ہے حقیقت کے اثبات کا نتیجہ تجسیم ہے اور اس کے باوجود تجسیم کی نفی تناقض اور بناوٹ ہے۔

جوابات: میں نے سوالات کا جواب اس طرح دیا کہ "میرے اس قول "اعتقادِ فرقہ ناجیہ" میں فرقہ ناجیہ سے مراد وہ فرقہ ہے، جس کی صفتِ نجات کو نبی کریم ﷺ نے بیان کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً اثْنَتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ، وَهِيَ مَنْ كَانَ عَلَى مِثْلِ مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي۔"

"میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ بہتّر فرقے دوزخ میں، اور ایک جنت میں جائے گا اور وہ وہ ہو گا جو ان عقائد و اعمال پہ ہو، جس پہ آج میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔"

یہ اعتقاد نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور ان کے پیروکار فرقہ ناجیہ ہیں۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، کہ انہوں نے کہا ہے کہ "ایمان کم یا زیادہ ہوتا ہے" جو کچھ میں نے اس مسئلہ کے سلسلے میں بیان کیا ہے اس کے الفاظ و معانی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اسانیدِ ثابتہ سے مروی ہیں۔ بعد کے لوگ اس کے خلاف بھی ہو جائیں، تو بھی اس میں کوئی نقص نہیں پیدا ہو جاتا۔"

پھر میں نے کہا: "یہ نہیں ہے کہ جس نے اس اعتقاد کے کچھ حصے سے بھی اختلاف کیا

وہ ضرور ہلاک ہو جائے گا ۔ بسا اوقات اختلاف کرنے والا مجتہد ہوتا ہے جس سے خطا ہو جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کی خطا کو بخش دے گا اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اختلاف کرنے والے کو علم ہی نہ ہو کہ اس پر حجت قائم ہو سکے اور کبھی اس کی نیکیوں سے اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو مٹا دیتا ہے لہٰذا ضروری نہیں کہ اس وعید کے الفاظ میں وہ متناول بھی ۔ جو فرماں بردار ہو، شبہات کو مٹانے والی حسنات رکھنے والا ہو اور جس کے گناہ بخش دیئے گئے ہوں —— داخل ہو بلکہ اس کلام کا مفاد یہ ہے کہ جس نے یہ اعتقاد رکھا وہ ناجی ہے اور جس نے اس کے خلاف عقیدہ رکھا، وہ کبھی ناجی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ۔ جس طرح کہا جاتا ہے "مَنْ صَمَتَ نَجَا" "جس نے خاموشی اختیار کی وہ نجات پا گیا ۔"

دوسرے سوال کا جواب

میں نے اوّل یہ جواب دیا کہ "میں نے جو لفظ بھی کہا ہے مثلاً "فوق السّموات"، "علی العرش"، "فوق العرش" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ہے ۔"

اور میں نے کہا "جواب لکھو" کاتب نے لکھنا شروع کیا پھر کچھ لوگوں نے کہا آج مجلس طویل ہو گئی ہے اس کو دوسری مجلس تک ملتوی کر دینا چاہیئے ۔ تم جواب لکھ رہے ہو اور اس مجلس میں آ کر جواب مکمل کر لینا ۔ بعض دوستوں نے مشورہ دیا "جواب لکھ کر بات مکمل ہو جانی چاہیئے تاکہ ان کے سوالات اور اعتراضات میں انتشار نہ ہو ۔ جواب کی کتابت میں تاخیر ہو جانے میں مخالف کو فائدہ تھا، تاکہ وہ مطالعہ کر سکیں اور تیاری کر لیں اور ان کے جو لوگ حاضر نہیں ہیں، ان کو مجلس میں لے آئیں اور عقیدے کے بارے میں آپس میں غور و فکر کر کے طعن اور اعتراضات تیار کر لیں ۔ اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ جمعہ کے دن بات مکمل ہو جائے ۔ اسی پر مجلس برخاست ہو گئی ۔ اس مجلس میں اللہ تعالیٰ نے دعوے کو مدلل کرنے کی توفیق دی اور دلیل اور مدلول کو فتح دی ۔ اہل بدعت و ضلالت کو رسوا کیا ۔

لوگوں کے دلوں میں بہت سی باتیں اس دوسری مجلس میں پیدا نہیں ہوئی تھیں اب لوگوں نے ان پر غور و فکر شروع کر دیا اور اعتقاد سے تعلق رکھنے والے سوالوں کے جو میں نے جواب

دیئیے تھے ، لوگ اس کو سوچنے لگے مثلاً "المسئلۃ الحمویۃ فی الاستوار والصفات الخبریۃ" وغیرہ۔

فرماتے ہیں "جب دوسری مجلس جمعہ کے دن ۱۲ ار رجب کو منعقد ہوئی اور وہ اس مجلس میں بہت سے شیوخ کو ساتھ لے آئے جو پہلی مجلس میں حاضر نہیں تھے بلکہ صفی الدین ہندی کا اضافہ بھی کیا۔ ان کے قول کے مطابق وہ جماعت میں افضل اور علمِ کلام میں ان کا شیخ ہے۔ وہ آپس میں بحث کرتے رہے۔ وہ متفق ہو کر مخاطب و مجیب اور مناظر کے لیے پوری قوت کے ساتھ تیار ہو کر آئے۔ جب ہم اکٹھے ہوئے اور میں نے ان کے پہلے سوالوں کا لکھا ہوا جواب پیش کیا جس کو آج تک ملتوی کرنے کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا۔ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والا خطبہ حاجت پڑھا۔ پھر میں۔ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتفاق و محبت کا حکم دیا ہے اور ہمیں فرقہ بازی اور اختلاف سے روکا ہے، ہمیں قرآن مجید میں فرمایا:

"وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا الآیۃ"[1]	"سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی (قرآنِ مجید) کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے فرقے نہ ہو جاؤ"۔
إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ الآیۃ[2]	"جن لوگوں نے اپنے دین میں فرقہ بندی کی اور مختلف گروہ بن گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے کوئی تعلق نہیں"۔
"وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ الآیۃ"[3]	"ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو فرقے فرقے ہو گئے اور بیّنات آجانے کے بعد انہوں نے اختلاف کیا"۔

ہمارا ربّ ایک، ہماری کتاب ایک، ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہے!۔ دین کے اصول کسی اختلاف و تفرق کے متحمل نہیں ہو سکتے لہٰذا میں وہی بات کہتا ہوں جو سلف میں متفق علیہ ہے اور جس سے مسلمانوں کے درمیان اتفاق و محبّت پیدا ہو۔ اگر جماعت کے ساتھ موافقت کی۔ تو الحمدللہ ورنہ جس نے میری اس کے بعد مخالفت کی میں اس کا پردہ چاک کروں گا اور ان فاسد مذاہب

---

[1] آل عمران: ۱۰۳ [2] الانعام: ۱۶۰ [3] آل عمران: ۱۰۵

کو واضح کروں گا جنہوں نے قوموں اور سلطنتوں تک میں فساد اور خرابی پیدا کر دی۔ میں وقت کے بادشاہ کے پاس خود جاؤں گا۔ میں اس کے علم میں وہ باتیں لاؤں گا جو میں اس مجلس میں نہیں کہتا۔" مصالحانہ گفتگو بھی ہوتی ہے اور جنگی گفتگو بھی ہوتی ہے۔ میں نے کہا "اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں میں تنازعہ موجود ہے۔ ایک کہتا ہے میں حنبلی ہوں، دوسرا کہتا ہے میں اشعری ہوں اور ان کے درمیان ایسے امور میں اختلاف و تشتت ہو جاتا ہے جن کی حقیقت سے وہ خود واقف نہیں ہیں۔ میں نے وہ دستاویز پیش کر دی ہے جس سے مذاہب میں اتفاق پیدا ہوگا اور میں نے کتاب تبیین کذب المفتری فیما ینسب الی الشیخ ابی الحسن الاشعری پیش کر دی! — جو حافظ ابوالقاسم ابن عساکر رحمۃ اللہ کی تالیف ہے۔ اشعری اخبار میں ایسی عمدہ اور کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی۔ اس میں اس لفظ کا ذکر ہے جس کو انہوں نے "الابانہ" میں ذکر کیا ہے۔"

جب میں معتزلہ کے ذکر پر پہنچا تو امیر نے معتزلہ کا معنیٰ پوچھا۔ میں نے کہا "پہلے زمانے میں بڑے فاسق کے بارے میں اختلاف ہوا۔ یہ پہلا اختلاف تھا جو ملت میں پیدا ہوا کہ کیا وہ کافر ہے یا مومن؟ خارجی کہتے ہیں وہ کافر ہے۔ جماعتِ سلف کہتی ہے وہ مومن ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے وہ فاسق ہے نہ مومن نہ کافر۔ ہم اس کو دو درجوں کے درمیان میں رکھتے ہیں اور وہ اس کے "خلود فی النار" کے قائل ہیں۔ یہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ اور اس کے ساتھیوں سے الگ ہو کر معتزلہ کہلائے۔" ایک شیخ نے جو اپنے جبے وغیرہ کے لحاظ سے بڑا معلوم ہوتا تھا کہا: "تم نے یہ صحیح نہیں کہا بلکہ پہلا مسئلہ جس میں لوگوں نے اختلاف کیا وہ مسئلہ کلام ہے۔ متکلمین کو اس لیے متکلمین کہتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں گفتگو کرتے ہیں۔ پہلی بات عمرو بن عبید نے کہی تھی پھر عطاء بن واصل اس کا جانشین ہوا۔" اس نے یہی یا اس سے ملتی جلتی بات کہی۔

مجھے اس پر غصہ آیا۔ میں نے کہا "تم نے غلط اور جھوٹ کہا ہے جو اجماع کے مخالف ہے۔" میں نے کہا "تمہیں ادب و فضیلت کا کوئی حصہ نہیں ملا اور نہ ہی تم نے میرے ساتھ گفتگو کا ادب ملحوظ رکھا ہے۔ تمہارا جواب بھی صحیح نہیں ہے!"

پھر میں نے کہا "مسئلہ کلام میں اختلاف مامون کی خلافت میں اور اس کے بعد دوسری صدی ہجری کے اواخر میں پیدا ہوا۔ معتزلہ اس سے بہت پہلے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کی وفات

کے بعد عمرو بن عبید کے زمانے میں دوسری صدی ہجری کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ نہ انہوں نے مسئلہ کلام کو چھیڑا نہ ان میں کوئی اس سلسلہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ پہلی بدعت "اسماء واحکام" اور "وعید" کے مسائل میں گفتگو تھی۔ علامہ شہرستانی نے "الملل والنحل" میں اس کا ذکر متکلمین کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں کیا ہے، معتزلہ کے نام میں اس کو ذکر نہیں کیا اور امیر نے معتزلہ کے نام کے بارے میں سوال کیا ہے" چنانچہ حاضرین نے اس کو غلط کہا اور ناپسند کیا۔ میں نے گفتگو کے دوران بتایا کہ "اسلام میں بدعت پیدا ہونے کا سبب کیا تھا؟ اس کو گھڑنے والا کون تھا؟ مجھے سب معلوم ہے اور شہرستانی نے متکلمین کے نام کے بارے میں جو بیان کیا ہے وہ درست نہیں متکلمین کو اس نام سے مسئلہ کلام میں تنازعہ سے پہلے ہی یاد کیا جاتا تھا۔ وہ واصل بن عطار کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ متکلم ہے اور اس کو کلام کی صفت سے یاد کرتے ہیں۔ انہوں نے مسئلہ کلام میں اس وقت تک اختلاف نہیں کیا تھا۔" میں نے اور دوسروں نے بھی کہا کہ وہ واصل بن عطار ہے۔ معترض نہ مانا۔ واصل عمرو بن عبید کی وفات کے بعد نہیں ہوا بلکہ یہ اس کا ساتھی تھا۔ روایت ہے کہ ایک بار واصل نے کچھ کلام کیا تو عمرو بن عبید نے کہا "اگر اس کو نبی بنایا جاتا تو اس سے اچھا کلام نہ کرتا۔" اس کی فصاحت مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ تھتھلاتا تھا۔ ایسے الفاظ سے پرہیز کرتا تھا جن میں "را" (ر) آتی ہو۔ ایک دفعہ اس کو کہا گیا "اَمَرَ الاَمِیْرُ اَنْ یُحْفَرَ بِئْرٌ" تو اس نے کہا "اوعز القائد ان یقلب قلیب" یعنی "را" کے بغیر دوسری عبارت سے اس کا مفہوم ادا کر دیا۔

جب بات اشعری تک پہنچی تو ان کے سربراہ نے کہا "لاریب امام احمد رحمۃ اللہ عظیم القدر اور اسلام کے بڑے ائمہ میں سے ہیں لیکن ان کی طرف منسوب لوگوں نے بہت سی بدعات جاری کر لی ہیں۔" میں نے کہا "یہ ٹھیک ہے مگر یہ صورت صرف امام احمد رحمہ اللہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر امام کی طرف ایسے لوگ منسوب ہو گئے ہیں جن کے ساتھ امام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ، امام شافعی رحمۃ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے نسبت رکھنے والے لوگ کتنے ہیں، جن سے ائمہ کرام رحمہم اللہ خود بیزار ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے والے لوگوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی تعلق نہیں۔ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نسبت رکھتے ہیں مگر وہ ان سے بری ہیں۔ قرامطہ اور باطنیہ وغیرہ ملحدین اور منافقین ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

منسوب ہیں مگر آپ ﷺ ان سے بیزار ہیں“۔

اس نے اپنے کلام میں ذکر کیا تھا کہ ”امام احمد رحمۃ اللہ کی طرف حشویہ اور مشبہہ وغیرہ منسوب ہیں“۔

میں نے کہا کہ ”مشبہہ اور مجسمہ جتنے امام احمد رحمۃ اللہ کی نسبت رکھنے والوں میں ہیں، ان سے زیادہ دوسرے ائمہ کی نسبت رکھنے والوں میں ہیں۔ ان کی کئی اقسام و اصناف ہیں۔

”کرد سب کے سب شافعی ہیں ان میں جتنی تشبیہ اور تجسیم ہے کسی اور میں نہیں۔ اور اہل جیلان میں شافعی اور حنبلی دونوں ہیں“۔ میں نے کہا ”خالص حنبلیت میں اس کا دوسروں کی نسبت بہت کم حصہ ہے“۔

جواب کی تکمیل اس پر ہوئی کہ کرامیہ مجسمہ سب کے سب حنفی ہیں۔

میں نے حشویہ کے لفظ پر بھی کلام کیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ امیر کے یا کسی اور کے سوال کا جواب تھا۔ میں نے کہا: ”سب سے پہلے یہ لفظ معتزلہ نے گھڑا۔ وہ ”جماعت“ اور ”سوادِ اعظم“ کو ”حشویہ“ کہتے تھے اور رافضی ان کو ”جمہور“ کہتے تھے۔ ”حشو الناس“ سے مراد عام لوگ اور جمہور ہیں یعنی عوام الناس۔

اس پر سب سے پہلے عمرو بن عبید نے کلام کیا تھا۔ اس نے کہا: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حشوی تھے“۔ معتزلہ، اہل السنت والجماعت کو ”حشویہ“ اور رافضی ”جمہور“ کا نام دیتے ہیں“۔ پہلی یا دوسری مجلس میں میں نے کہا ”سب سے پہلے جس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے، وہ ہشام بن حکم رافضی تھا“۔

میں نے اس شیخ سے کہا ”امام احمد رحمۃ اللہ کے اصحاب میں تمہارے معنی کے مطابق کون کون حشوی ہیں؟ کیا اثرم، ابوداؤد، مروزی، خلال، ابوبکر عبدالعزیز، ابوالحسن تمیمی، ابن حامد، قاضی ابویعلیٰ، ابوالخطاب، ابن عقیل حشوی ہیں“؟ میں نے زور دے کر کہا ”بتاؤ، نام لو وہ کون ہیں؟ کیا ابن الخطیب کے جھوٹ اور لوگوں پر مذاہب کے سلسلے میں اس کے افتراء سے شریعت باطل ہو جائے گی اور دین کے نشانات مٹ جائیں گے؟ اس نے اور دوسروں نے جو نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ”قرآنِ قدیم“ سے مراد قارئین کی آوازیں اور کاتبوں کی سیاہی ہے“۔ ”صوت اور سیاہی ازلی قدیم ہیں“ یہ کس نے کہا ہے۔ اور ان کی کس کتاب میں ہے؟ مجھے بتاؤ“؟ میں نے اس کو وہ باتیں کہنی شروع کیں جن کا وہ شیخ حقدار تھا۔ اس کو جماعت کا بڑا اور شیخ ہونے کے باوجود عقل و دین کا واجبی حصہ ہی ملا تھا۔

میں نے پورا عقیدہ اس کے سامنے پڑھنے کا حکم دیا وہ پہلی مجلس میں موجود نہیں تھا۔ وہ اس کو دوسری مجلس میں اپنی مدد کے لیے کھینچ لائے تھے۔ ایک قابلِ اعتماد آدمی نے مجھے بتایا کہ اس مجلس کے بعد جب مجھ سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا "مجلس کا کچھ حال سناؤ"۔ اُس نے کہا "نہ میرا گناہ ہے نہ کسی اور کا۔ امیر نے ایک چیز کے بارے میں پوچھا اُس نے اس کا جواب دیا۔ میں سوال کو سمجھ نہ سکا۔ میرا گمان تھا کہ اس نے کوئی اور سوال کیا ہے"۔ پھر اس نے بتایا کہ میں نے کہا: "تمہیں اس پر کیا اعتراض ہے؟ اشعری کے دو قول ہیں۔ تاویل کا قول اور ترکِ تاویل کا قول اُس نے ترکِ تاویل کو اور تم نے قولِ تاویل کو اختیار کیا ہے"۔ اس نے کہا کہ: "میں ترکِ تاویل کا قول اختیار کرتا ہوں"۔ پھر اس نے اس کی وصیت نکالی اس میں تھا "قَولِی تَرْكُ التَّاوِیلِ" "میرا قول ترکِ تاویل کا ہے"۔

حکایت کرنے والے نے مجھے کہا، میں نے اس سے کہا "مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے مجلس کے آخر میں — جب سب لوگوں نے موافقت کی شہادت دی تھی — کہا تھا: میرے متعلق نہ نفی لکھو نہ اثبات" اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا "اس کی دو وجہیں ہیں:

۱۔ جب پہلی مجلس میں مکمل عقیدہ پڑھا گیا تھا تو میں اس وقت موجود نہیں تھا۔

۲۔ میرے ساتھی اس لیے مجھے لے گئے تھے تاکہ میں ان کی مدد کروں۔ اسی لیے میں ان کی مخالفت نہ کرسکا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے فریقین سے خاموشی اختیار کی"۔

میں نے شیخ کے سامنے مکمل عقیدے کی قرأت کا حکم دیا۔ موجود لوگوں میں سے بعض نے کہا "یہ طوالت کا باعث ہوگا۔ اس کے سامنے صرف وہی مقام پڑھا جائے جس پر اعتراض ہے۔ انہوں نے "حقیقت" کے لفظ کو بڑا خیال کیا اور یہ اس کے سامنے پڑھا۔ اس نے دلالتِ لفظ پر اچھی بحث کی۔ میں نے اس کی مدح و تعریف کی۔ میں نے کہا "لاریب اللہ تعالیٰ حقیقتہً زندہ ہے۔ وہ حقیقتہً علیم ہے وہ حقیقتہً سمیع ہے وہ حقیقتہً بصیر ہے۔ یہ اہلِ سنّت اور اہلِ صفات کے تمام فرقوں میں متفق علیہ ہے۔ اگر بعض اہلِ بدعت کسی بات میں جھگڑا کریں تو اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور مخلوق بھی موجود ہے اور "وجود" کا لفظ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ یہ اشتراکِ لفظی ہے۔ یا موافقت کے طریقے سے جس میں لفظی اور معنوی اشتراک موجود ہے یا شک کے ساتھ وہ بھی موافقت

کی ایک قسم ہے۔ ہر صورت میں اللہ تعالیٰ حقیقتہً موجود ہے اور مخلوق بھی حقیقتہً موجود ہے۔ کسی کلمے کے خالق و مخلوق پر بطریقِ حقیقت اطلاق کرنے سے کوئی مشکل لازم نہیں آتی۔ اس جگہ تینوں اقوال میں سے کوئی دوسرے پر راجح نظر نہیں آتا کیونکہ میری غرض میرے ہر مقصود سے حاصل ہوتی ہے۔ میرا مقصود تمام گروہوں کے قول کے مطابق جو میں نے ذکر کیا تھا اس کا فیصلہ کرنا ہے اور یہ کہ میں سلف اور ان کے پیروؤں کے اتفاق کو واضح کروں اور یہ بھی کہ چاروں مذاہب کے ممتاز بزرگ اور اشعری اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا میری ذکر کردہ بات پر اتفاق ہے۔"

دوسری مجلس سے پہلے بھی میرے پاس حنفی، اشعری اور شافعی اکابر علماء جمع ہو گئے تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں ان میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے۔ اگر ان کے ائمہ مذہب میں سے کوئی اس کا قائل ہو اور اس سے حجت بھی قائم ہو اور یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ سلف کا مذہب ہے، تو پھر جو علماء دل سے اس کو حق سمجھتے ہیں، ان کے لیے اس کا اظہار آسان ہو جائے گا جیسا کہ مجھے ایک حنفی بزرگ نے کہا جو میرے پاس موجود تھا: "اگر آپ فرمائیں کہ یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، اور ثابت بھی کر دیں تو نزاع ختم ہو جائے گا۔" اس کا مقصد یہ تھا، تمہاری مخالفت اس طرح ختم ہو جائے گی کہ وہ ایک مذہب متبوع ہے، اور معاون و مخالف دونوں کو موافقت ظاہر کرنے میں راحت محسوس ہو گی۔ میں نے کہا: "اللہ کی قسم یہ صرف امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب نہیں ہے۔ یہ سلفِ امت اور ائمہ اہلِ حدیث کا اعتقاد ہے۔" اور میں نے یہ بھی کہا کہ "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتقاد تھا۔ میں جو لفظ بھی ذکر کرتا ہوں، اس کے ثبوت کے لیے میں قرآنِ مجید کی آیت یا حدیث یا اجماعِ سلف سے بیان کروں گا۔ اور یہ بھی ذکر کر دوں گا کہ مسلمانوں کے سب فرقوں اور فقہاءِ اربعہ، متکلمین، اہلِ حدیث اور صوفیاء میں سے کس نے اس اجماع کو نقل کیا ہے۔" میں نے اپنے مخاطب شافعی بزرگ کو کہا: "میں اس کو وضاحت سے ثابت کروں گا کہ وہ سلف اور شافعیوں کے ائمہ کا قول ہے۔ میں اشعری کا اور ان کے ائمہ کا قول بھی ذکر کروں گا جس سے مخالفین کا رد ہو جائے گا۔ ہر شافعی اور ہر وہ شخص جو سلف کے مذہب کے موافق اشعری کے قول کا قائل ہے، وہ اس سے مدد حاصل کر سکے گا اور میں یہ بھی بتاؤں گا کہ جو قول صفاتِ خبریہ کی تاویل میں اس سے حکایت کیا جاتا ہے، وہ بالکل بے اصل ہے، وہ اس کے بعض پیروکاروں کا قول ہے۔ اشعریہ کے دو قول تو

ہیں امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے نہیں۔"

جب میں نے مجلس میں بتایا کہ "سب اسماء اللہ جن کا اطلاق مخلوق پر بھی ہوتا ہے، اس میں تین اقوال ہیں مثلاً لفظ "وجود" کا حقیقت میں واجب اور ممکن دونوں پر اطلاق ہوتا ہے"۔ —— تو دو بڑوں کے مابین نزاع پیدا ہوا کہ "کیا وجود کا لفظ واجب اور ممکن کے درمیان مشترک ہے یا موافق ہے؟" ایک نے کہا "وہ موافق ہے"۔ دوسرے نے کہا کہ: "وہ ترکیب کے تلازم کی وجہ سے مشترک ہے"۔ اس نے مزید کہا: "فخرالدین نے کہا ہے کہ اس نزاع کی بنیاد اس پر ہے کہ کیا اس کا وجود اس کی عین ماہیت ہے یا نہیں؟ جس نے کہا وجود اس کی عین ماہیت ہے اس نے اس کو مشترک کہا اور جس نے کہا کہ اس کا وجود اس کی ماہیت سے قدرے زائد ہے، اس نے اس کو موافق کہا"۔ پہلے نے وجود کی ماہیت پر قدرے زائد ہونے کو ترجیح دی، تاکہ اس کے متواطئ ہونے کی تائید ہو سکے۔ دوسرے نے کہا "اشعری اور اہلِ سنّت کا مذہب ہے کہ اس کا وجود اس کی عین ماہیت ہے"۔ پہلے نے اس کا انکار کیا۔

میں نے کہا: "متکلمین اہلِ سنّت کے نزدیک ہر چیز کا وجود اس کی عین ماہیت ہے۔ دوسرا قول کہ چیز کا وجود اس کی ماہیت سے قدرے زائد ہے، معتزلہ کا قول ہے۔ اور من وجہ ہر قول درست ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان اسماء کا اطلاق بطور توافق کے ہے"۔ اور ترکیب کے شبہے کے میں نے دو جواب دیئے جو معروف ہیں۔ اس کی بنیاد اس کو بنانا کہ چیز کا وجود اس کی عین ماہیت ہے یا عین ماہیت نہیں ہے، ایک مبہم سی بات ہے جو ابن الخطیب کی طرف منسوب ہے۔ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ چیز کا وجود اس کی عین ماہیت ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسم اس پر اور اس کی نظیر پر اشتراکِ لفظی کے ساتھ بولا گیا ہے جیسا کہ تمام اجناس کے نام میں ہوتا ہے مثلاً "سواد" کا لفظ اس سواد اور دوسرے سواد پر بطورِ توافق بولا گیا ہے، مگر یہ سواد دوسرا عین سواد نہیں ہے۔ اسم ان دونوں کے درمیان قدرِ مشترک پر دلالت کرتا ہے اور وہ کلی مطلق ہے۔ لیکن وہ اطلاق کی شرط کے ساتھ ذہن ہی میں پائی جاتی ہے، اس سے خارج میں موجود جماعت کے درمیان قدرِ مشترک کی نفی لازم نہیں آتی۔ اس سے تو اسماءِ اجناسِ لغویہ جو عام اور متواطی اسماء ہیں کی نفی ہو جاتی ہے۔ وہ ایسا اسم ہے جس کا چیز پر اور اس کے مشابہ چیز پر اطلاق ہوتا ہے۔

چاہے وہ اسمِ ذات ہو یا اسمِ صفت، جامد ہو یا مشتق، وہ جنسِ منطقی ہو یا فقہی یا نہ ہو۔ بلکہ لغوی اسمِ جنس میں اجناس، اصناف و انواع وغیرہ سب داخل ہیں یہ سب اسمار متواطیہ ہیں، اوران کے مسمیات کے وجود الگ الگ ہیں۔

کچھ لوگوں نے عقیدے میں مذکور احادیث کو دوبارہ پڑھنے کا مطالبہ کیا تاکہ ان پر جرح کر سکیں۔ میں ان کا مقصد بھانپ گیا اور کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی حدیثِ اوعال پر طعن کرنا چاہتے ہو"۔ وہ تھک ہار چکے تھے لیکن ان کو زکی الدین عبد العظیم کی گفتگو کے ذریعے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا پتہ چلا، انہوں نے اپنی تاریخ میں فرمایا ہے کہ "عبد اللہ بن عمیرۃ کا احنف سے سماع معلوم نہیں"۔ میں نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس حدیث کو ابوداؤد، ابنِ ماجہ، ترمذی رحمہم اللہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور دو مشہور طریقوں سے مروی ہے۔ ان میں اگر ایک میں کوئی کمزوری ہو تو اس سے دوسرا طریق مجروح نہیں ہو جاتا۔ معترض نے کہا "کیا اس کا مدار ابنِ عمیرۃ پر نہیں ہے؟ جس کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "اس کا سماع احنف سے معروف نہیں ہے"۔

میں نے کہا: "اس کو امام الائمہ ابنِ خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب التوحید" میں روایت کیا ہے۔ اس میں انہوں نے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ ایسی روایت سے ہی دلیل لائیں گے جس میں عادل، عادل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک موصول روایت کرے اور اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ نے احنف سے اس کے سماع کی معرفت کی نفی کی ہے۔ دوسرے لوگوں کی اس سے معرفت کی نفی تو نہیں کی؟ جب اس کے غیر سے معروف ہو جس سے اسناد ثابت ہو جائے تو اس کی معرفت اور اثبات، دوسرے کی نفی اور عدمِ معرفت پر مقدم ہوگی"۔ حاضرین نے اس سے اتفاق کیا۔ بہت سے لوگ میری تعریف و توصیف کرنے لگے، جسے بیان کرنا مناسب نہیں۔ پھر وہ ان مسائل پر مناظرہ کرنے لگے جو عقیدہ میں نہیں تھے۔ صرف ان کا ضمنی سا تعلق ان جوابات سے تھا جو میں نے بعض مسائل میں دیئے اور "العقیدۃ" سے ان کا مفہومی تعلق تھا۔

ان کے ایک لیڈر نے بیہقی کی "کتاب الاسماء والصفات" پیش کر کے کہا "اس میں سلف سے "وجہ" کی تاویل موجود ہے"۔ میں نے کہا "شاید اس سے تمہاری مراد اللہ تعالیٰ کا یہ

ارشاد ہے:

"وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ[1]" "مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے تم جدھر پھرو ادھر اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے"۔

اس نے کہا، "ہاں مجاہدؒ اور شافعیؒ نے اس سے مراد قبلۃ اللہ لیا ہے"۔

میں نے جواب دیا: "یہ حق اور سچ ہے۔ مجاہدؒ اور امام شافعیؒ سے یہ مروی ہے لیکن یہ آیت آیاتِ صفات میں سے نہیں ہے۔ ایک گروہ نے اس کو آیاتِ صفات میں شمار کر کے غلطی کی ہے۔ سیاقِ کلام سے اس کی مراد خود متعین ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

"وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" مشرق و مغرب سمتیں ہیں لہٰذا وجہ سے مراد یہاں جہت ہی ہے۔ "وجہ" جہت کے معنی میں مستعمل ہے مثلاً کہا جاتا ہے: "اَیَّ وَجْهٍ تُرِيْدُ" یعنی اَیَّ جِهَةٍ "وَاَنَا اُرِيْدُ هٰذَا الْوَجْهَ" اَیْ هٰذِهِ الْجِهَةَ۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے:

"وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا[2] الاٰية" "ہر ایک کی ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رُخ کرتا ہے"۔

اسی لیے فرمایا: "فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" "جدھر پھرو گے ادھر اللہ تعالیٰ کی سمت ہے"۔

یعنی جس طرف رُخ کرو اور منہ پھیرو"۔

شیخ الاسلام تقی الدین قدس اللہ رُوحہ کے مخطوطے سے ہم نے اسی طرح منقول پایا ہے۔ اس کو نقل کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ ناظرین کے سامنے واضح ہو جائے کہ غبی نہانی جن غالی شوافع سے شیخ الاسلامؒ پر طعن کرتا ہے مثلاً صدر الدین ابن الوکیل، ابن الملکانی، صفی الدین ہندی، عز بن جماعہ اور سبکی وغیرہ وہ سب شیخؒ سے جھگڑتے اُلجھتے رہے ہیں۔ ان کی جرح و قدح قابلِ التفات نہیں۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بڑے مصائب اور تکالیف اٹھائی تھیں۔ اس قسم کے لوگوں نے بدعت کی بنیادوں کو مضبوط بنایا ہے اور اپنے متبعین کے مونہوں میں گمراہی کا

---

[1] البقرۃ: ۱۱۵ [2] البقرۃ: ۱۴۸

زہر پھونکا ہے۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَجْمَعِيْنَ !

——— مناظرے کی یہ روداد آئندہ کئی مباحث میں فائدہ دے گی اِن شاء اللّٰہ اور اس سے جھگڑا کرنے والے کا منہ بند کیا جا سکے گا۔

نبہانی نے کہا ہے کہ "شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو برا کہنے والوں میں سے ایک امام ابوحیان ہے، جو ان کا دوست تھا۔ جب اس کو اس کی بدعات کا پتہ چلا تو اس سے قطع تعلق کر لیا اور لوگوں کو اس سے بچنے کی تلقین کی"۔

میں کہتا ہوں، ہاں! شیخ ابوحیان ان لوگوں میں سے ہے، جو ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مدح خواں ہیں۔ اس نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں کچھ شعر بھی کہے ہیں۔ ہم ان اشعار کو شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں ذکر کریں گے، جو شیخ مرعی الحنبلی سے منقول ہیں مگر ہمیں کسی قابلِ اعتماد ذریعہ سے قطع تعلق کا پتہ نہیں چل سکا صرف امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ان دونوں کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی کہ سیبویہ کا ذکر چل نکلا۔ حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے سیبویہ پر سخت تنقید کی اور کہا کہ "سیبویہ کوئی نحو کا نبی معصوم تو نہیں تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں اسّی مقامات پر غلطی کی ہے، جس کو تم بھی نہیں سمجھتے"۔ بس یہی بات ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ناقابلِ معافی جرم بن گیا، اور ابوحیان آپؒ سے دور ہوتا گیا اور آپ کے حق میں سخت گفتگو کرنے لگا۔ یہی قطع تعلق کا سبب بنا۔ اس نے اپنی "تفسیر البحر" اور اسی طرح "مختصر تفسیر النہر" میں آپؒ کی ہجو میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

علماء کے درمیان اس طرح کے واقعات ہو سکتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے قطع تعلق کی وجہ ابوحیان کا سیبویہ کی اغلاط کو نہ سمجھنا اور سیبویہ پر شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تنقید ہے۔ نبہانی نے قطع تعلق کی جو وجہ بیان کی ہے کہ "ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی بدعات پر مطلع ہونے کے بعد اس نے قطع تعلق کر لیا تھا" وہ سراسر غلط ہے۔ آپس کی ناراضگی کا سبب اہلِ علم نے بیان کر دیا ہے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی وہ کون سی بدعت ہے، جس کی بنا پر ابوحیان نحوی نے ان سے قطع تعلق کر لیا تھا؟ شیخ تقی الدین ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "الاختیارات" میں اپنے اختیارات کو کتاب و سنّت کے دلائل سے مدلل کر کے بیان فرمایا ہے۔ غافل اور جاہل نبہانی دشمنی کا موقعہ غنیمت سمجھ کر ان پر جھپٹا۔

طرفہ یہ ہے کہ مدح کے بعد مذمت کرنے والا ڈبل جھوٹا ہے۔ پھر معاصرانہ چشمک مشہور چیز ہے اور ابو حیان جرح و تعدیل کا اہل بھی نہیں کہ اس پہ اعتماد کیا جائے۔

نبہانی نے کہا: "امام عزالدین بن جماعہ نے بھی اس کا رد کیا اور سخت تشنیع کی ہے۔"

عزالدین تو شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا مخالف اور بڑا حاسد تھا۔ شیخ کے خلاف اس کے اقوال اور بہتان، ابن حجر مکی کا سب سے تیز ہتھیار ہے جس سے وہ اہل توحید اور غالیوں کے دشمنوں پہ وار کرتا ہے۔ ابن سبکی نے اس کے ترجمہ کا اپنے طبقات میں ایک باب باندھا ہے اس کے ذکر سے ہم اپنے قلم کو ملوث نہیں کرنا چاہتے۔

نبہانی نے کہا، "امام کمال الدین زملکانی شافعی متوفی ۷۲۷ھ بھی ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی مذمت کرنے والوں میں سے ہے۔" پھر تاریخ ابن الوردی سے اس کا ترجمہ اور اس کی تعریف نقل کی ہے پھر کشف الظنون، کتاب الدرۃ المضیۃ فی الرد علی ابن تیمیہ" سے عبارت نقل کی ہے اور کہا ہے: "اس نے شیخ سے ان مسائل میں جو مذاہب اربعہ کے بغیر اس نے اختیار کیے ہیں مناظرہ کیا تھا۔ پھر کہا "ان مسائل میں سب سے برا مسئلہ زیارت قبور کے لیے عمداً سفر کرنا اور غیر اللہ سے استغاثہ کا منع کرنا ہے۔" پھر زملکانی کے اشعار کو بیان کیا ہے جن میں اس نے غیر اللہ سے التجا کی ہے۔ الخ!

اس کا جواب یہ ہے کہ اس "کمال الدین" کا ذکر مجلس مناظرہ کی روداد میں گزر چکا ہے وہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اعداء میں سے ہے۔ ایسے لوگوں سے تعریف کی توقع ممکن نہیں، لیکن پھر بھی اس نے شیخ کی بڑی تعریف کی ہے جس کا ذکر مناقب شیخ میں آئے گا۔ ابن تیمیہ کے بعض مسائل میں اختلاف، ان پر جرح ہرگز نہیں ہاں علماء و مجتہدین کی مخالفت اور ان کا رد اس کا محبوب مشغلہ ہے۔

ائمہ اربعہ کو دیکھ لیجیے کتنوں نے انکار لکھا؟ اور کتنوں نے ان کی مخالفت کی؟ یہاں تک کہ ائمہ کرام کے شاگرد بھی ان کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں۔ کون کہتا ہے جس سے اختلاف ہو، وہ بدعتی اور متبع غیر سبیل المؤمنین ہے؟ جیسا کہ یہ غبی اور اس کے غالی شافعی ساتھی کہتے ہیں۔

نبہانی نے کہا "شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی مذمت کرنے والوں میں ایک امام کبیر تقی الدین سبکی ہے" پھر "شفاء السقام" سے ایک عبارت نقل کی ہے جس میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پہ جرح و قدح کی

گئی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے: "اتنی ہی بات کافی ہے کہ ابن تیمیہ کے ساتھ استغاثہ اور توسل کے انکار میں اس سے پہلے کا کوئی عالم متفق نہیں"۔ اسی طرح کی اور باتیں بھی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس یادہ گوئی اور دلیل و برہان سے عاری کلام کا جواب یہ ہے کہ سبکی، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے دشمنوں کا استاد اور سردار ہے۔ چھوٹے بڑے جتنے لعن کرنے والے ہیں وہ سب اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ سبکی اور شیخ کے مناظروں سے دفاتر بھرے پڑے ہیں۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف سبکی نے یادہ گوئی کی ہے۔ شیخ نے اس کا رد کیا ہے اور اس کا وبال اسی پر ڈالا ہے۔ مسئلہ طلاق میں جو اعتراض اس نے اٹھائے تھے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا رد اور جواب کئی جلدوں میں لکھا تھا۔ ابن سبکی نے اس کی ایک جلد دیکھی تھی۔ اور "شفاء السقام" کا رد شیخ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عبد الہادی المقدسی نے لکھا ہے۔

سبکی نے دو مسئلوں میں شیخ کا رد لکھا اور اہل حق کے سامنے اس پر نظم و نثر میں فخر کا اظہار کرتا رہا۔ اس کی نظم کے مشہور شعر یہ ہیں ؎

لو كان حيا يرى قولي ويسمعه   رددت ما قال ردا غير مشتبه

"اگر وہ زندہ ہوتا تو میری بات کو سنتا اور دیکھتا کہ میں نے اس کا غیر مشتبہ رد لکھا ہے۔"

كما رددت عليه في الطلاق وفي   ترك الزيارة أقفوا اثر سببه

"جیسا کہ میں نے طلاق اور ترک زیارت کا رد لکھا، میں اس کے طرز عمل کی پیروی کرتا ہوں۔"

وبعده لا أرى للرد فائدة   هذا وجوهره مما اضن به

"اس کے بعد رد کا کوئی فائدہ نہیں، اس کا اور اس کے جوہر کا میں حریص ہوں۔"

والرد يحسن في حالين واحدة   لقطع خصم قوي في تغلبه

"رد دو حالتوں میں مفید ہے۔ ایک مضبوط مخالف کی بالادستی ختم کرنے کے لیے۔"

وحالة لانتفاع الناس حيث به   هدى وربح لديهم في تكسبه

"دوسرا جب کہ لوگ اس سے ہدایت کا فائدہ اٹھائیں اور کمائی (عمل) میں ان کو فائدہ ہو۔"

امام ابوالمظفر حنبلی نے ان اشعار کا کیا عمدہ جواب دیا ہے ؎

وقلت من بعد هذا القول ذی حسد اخطأ الهدی وتجاری فی تنکبه

"حاسد کے اس قول کے بعد تو نے کہا ہدایت میں وہ خطا کر گیا ہے۔"

لو کان حیا یری قولی ویسمعه رددت ما قال رداً غیر مشتبه

"اگر وہ زندہ ہوتا تو میری بات کو دیکھتا اور سنتا کہ میں نے واضح رد لکھا ہے۔"

کما رددت علیه فی الطلاق وفی ترك الزيارة أقفوا اثر سبسبه

"جیسا کہ اس کا رد طلاق اور ترکِ زیارت کے مسئلے میں لکھا ہے، اور میں اس کی گالی کا پورا جواب دوں گا۔"

فضحت نفسك فی هذا المقال ولم تشعر وعجت عن المرعی وأخصبه

"تو نے اپنے آپ کو اس بات کی وجہ سے ذلیل کر لیا ہے۔ تجھے شعور تک نہیں، اور صحیح راہ سے ہٹ گیا ہے۔"

عرفتنا انّ ما قلت لیس لوجه الله بل للمرأ أقبح بمنصبه

"تو نے ہمیں یہ باور کرا دیا ہے کہ تیری گفتگو لوجہ اللہ نہیں، بلکہ انسان کے لیے یہ بڑی قبیح بات ہے۔"

اذ لو اردت بیان الحق نهت به فی محضر الخصم او ما فی مغیبه

"جب تو نے حق بیان کرنے کا ارادہ کیا، تو مخالف کی موجودگی اور عدم موجودگی میں تو چپ رہا۔"

ما ذا اصدّك بل خوف الجواب کما اجبت قبل بهم من مصوبه

"تو جواب کے خوف سے رک گیا، جس طرح قبل ازیں تجھے درست اور صحیح جواب دیا گیا۔"

لکن اذا الاسد الضرغام غاب عن العرین تسمع فیه ضبح ثعلبه

"لیکن جب قوی شیر جنگل سے غائب ہو تو وہاں لومڑی کا شور سنائی دے گا۔"

کذا الجبان خلا فی البراح الا مبارز وتغالی فی توثبه

"بزدل میدان کو خالی پاکر پکارتا ہے کہ ہے کوئی مقابلے میں آنے والا؟ اور خوب چھلانگیں لگاتا ہے۔"

اس کے بعد کے اشعار میں طلاق اور شدِّ رحال کے مسائل پر نہایت عمدہ طریقے سے اس کی تردید ہے۔ اس کے شبہات اور تلبیس و تدلیس کو خوب آشکار کیا ہے ——— ——— اور شیخ الاسلام کی خوب خوب تائید کی ہے۔ نیز علماء سلف اور اہلِ حق کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سبکی کو کتنی شرمندگی، ذلّت، افسوس اور تباہی کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ یہ سزا ہے اس کی کہ وہ جہالت اور حسد میں حد کو پھاند گیا تھا۔ حافظ ابو عبداللہ ابنِ قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "شفاء السقام" اور اس کے مؤلف پر نہایت جچا تلا تبصرہ فرمایا ہے۔

"شفاء السقام" پر تبصرہ

حافظ صاحب فرماتے ہیں: "میرے علم میں ایک کتاب لائی گئی ہے جو ایک شافعی قاضی کی تصنیف ہے۔ اس میں شیخ الاسلام تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پر سخت تنقید کی گئی ہے۔ خاص طور پر قبروں اور مزاروں کی طرف شدِّ رحال اور سواری استعمال کرنے کے مسئلے کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ اس نے پہلے اس کتاب کا نام "شن الغارہ علی من انکر سفر الزیارۃ" رکھا پھر اس کو خیال آیا کہ اس کا نام "شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام" رکھے۔ میں نے اس کتاب میں دیکھا ہے کہ مؤلف نے نہایت مکّاری سے ضعیف اور موضوع احادیث کو صحیح کہا ہے، بے بنیاد اور جھوٹے آثار کو قوی بتلایا ہے اور صحیح و ثابت احادیث اور مقبول و قوی آثار کو ضعیف ظاہر کیا ہے۔ اور ان میں تحریف کی ہے۔ غلط سلط اور انوکھی تاویلات سے ان کے ظاہری معانی کو چھوڑ کر اپنے مطلب کے معانی کئے گئے ہیں۔"

پھر وہ مؤلف اور اس کے حالات پر تبصرہ کرتے ہیں کہ کتابِ مذکور کے مؤلف کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ:

"وہ ایک جھگڑالو اور خود پسند، خواہش کا بندہ، شاذ اقوال اور فاسد رائے کا متبع شخص ہے۔ اس کا اعتماد خیالی تشبیہات اور بودی دلیلوں پر ہے۔ بسا اوقات وہ اجماع کو توڑتا اور اس کی خلاف ورزی کرتا ہے جب کہ اس سے پہلے کسی نے اس اجماع کی خلاف ورزی نہیں کی ہوتی"

اور کوئی امام اس کا موافق نہیں ہوتا۔ یوں سمجھیے کہ وہ ایک نئے اور عجیب رنگ اور انوکھی طبیعت کا انسان ہے۔ کبھی تو وہ مجتہدین کے مسلک کی خوب تائید و تصویب کرتا ہوا اس پہ گامزن نظر آتا ہے مگر اس اجتہاد میں خود خطا کا مرتکب ہوتا ہے۔ کبھی وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ مقلد ہے اور جس کی تقلید کا مدعی ہوتا ہے' اس کی تقلید میں خطا کر جاتا ہے۔ ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں رشد و ہدایت کا الہام کرے! اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ موضوع حدیث یا موقوف اثر' جو غیر ثابت ہوتا ہے اور اس کی خواہش کے مطابق ہوتا ہے ، اس کو ذکر کرتا ہے۔ اگر وہ ثابت ہو لیکن اس کی خواہش کے خلاف ہو تو اس کی تاویل کر کے مسترد کر دیتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بڑے بڑے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم سے ایسی باتیں نقل کرتا ہے' جو اس کی رائے کے مطابق ہوں' چاہے وہ ان سے صحیح طریقے سے منقول نہ ہوں اور ان میں طعن موجود ہو۔ اور جو باتیں اس کی رائے کے خلاف ہوں' چاہے وہ صحیح طریقے سے منقول ہوں' ان کو رد کر دیتا ہے۔ اگر وہ حدیث کے متعلق یا راویوں کے حالات کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ' ابو حاتم رازیؒ' ابو حاتم بستیؒ اور ابو جعفر عقیلیؒ' ابو احمد بن عدیؒ' ابو عبداللہ حاکمؒ صاحب المستدرک' ابو بکر بیہقیؒ وغیرہ حفاظ و ائمہ جرح و تعدیل میں سے کسی ایک سے کوئی بات حکایت کرتا ہے اور وہ امام اپنی بات میں سچا ہوتا ہے اور دوسرے ائمہ اس سے متفق بھی ہوتے ہیں مگر وہ اس کے زیر بحث مسئلے سے اختلاف رکھتا ہو' تو اس کی بات کو تسلیم کرنے کی بجائے اس کو مسترد کر دیتا ہے۔ اگر وہ مسئلے میں اس سے متفق ہو تو پھر اس کو قبول ہی نہیں کرتا' بلکہ اس کو دلیل بھی بناتا ہے اور اس پہ اعتماد کا اظہار کرتا ہے۔ اگرچہ دوسرے ائمہ اس کے مخالف ہی ہوں اور کوئی بھی اس کے موافق نہ ہو۔ یہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتے ہیں اور بدسوائی اور اتباعِ اہوا سے اس کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی خود پسندی اور اتباعِ اہوا کا نتیجہ ہے کہ وہ بڑے بڑے علماء کی طرف غلط نقل کرنے اور سوءِ فہمی کا الزام دھرتا ہے۔ یہ وہ علماء ہیں ، کہ مذاہبِ فقہاء میں' ان کے اختلاف اور معرفتِ احکام کی تحقیق کے لیے ان کی حکایت پر اعتماد کیا جاتا ہے' یہاں تک کہ اس نے امام نوویؒ پہ الزام لگایا کہ انہوں نے شرحِ مسلم میں شیخ ابو محمد جوینی سے' تین مساجد کے علاوہ انبیاء علیہم السلام و صالحین رحمہم اللہ کی قبروں اور دوسرے

متبرک و مقدس مقامات کی طرف شدِّ رحال اور سواری استعمال کرنے کو غلط طور پر نقل کیا ہے۔ اور ان سے یہ بات سہو و غفلت میں نکل گئی ہوگی۔ وہ یا کوئی دوسرا اگر غلط بات کر دیتا تو ہم اس کے غلط ہونے کا فیصلہ دیتے اور کہتے کہ اس نے حدیث کا مقصد صحیح طور پر نہیں سمجھا۔"

دیکھا آپ نے کہ معترض کس طرح فاسد رائے کے مقابلے میں نقلِ صحیح کو رد کرتا ہے اور شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ پر افترا و بہتان اور صریح جھوٹ کو نقل کرتا ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبروں کی زیارت کو بالاجماع قطعی معصیت قرار دیا ہے۔ اس نے ایک دوسرے شافعی قاضی کے حوالے سے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اسی قسم کی روایت کی ہے۔ ہر صاحبِ عقل اس روایت کو بہتان ہی سمجھے گا۔ انہوں نے ایسی کبھی کوئی بات نہیں کی، نہ ہی ان کی کسی عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے بلکہ ان کی کتابیں اور فتوے اور ان کے اقوال و افعال اس قسم کی نقل کو باطل کر رہی ہیں جس کو علم و بصیرت کا کچھ حصّہ بھی ملا ہے، وہ یقینی طور پر جان لے گا کہ یہ شیخ پر افترا و بہتان ہے اور انہوں نے یہ بات کبھی نہیں کہی۔ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ؁	"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو جہالت میں نقصان پہنچاؤ پھر اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔"

لاریب یہ معترض جانتا ہے کہ اس مشہور قاضی نے شیخ الاسلامؒ سے اس مقام پر جو نقل کیا ہے، وہ محض افترا و بہتان ہے لیکن وہ مکاری و مداہنت سے کام لیتا ہے۔ زبان سے جو بات کرتا ہے، دل اس سے خالی ہوتا ہے۔ مجھے قابلِ اعتماد شخص نے بتایا ہے کہ اس نے مصر میں یہ کتاب تصنیف کی تھی اور اس کے کافی عرصہ بعد وہ شام میں قاضی بنا تھا۔ اس تالیف سے اس کا مقصد یہ تھا کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ، یہ جھوٹی حکایت منسوب کر کے عہدۂ قضا

؁ الحجرات : ۶

حاصل کرے مگر ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شُدہ!

اس کو عہدۂ قضا پھر بھی نہ مل سکا۔ سبکی اپنی اس کتاب کی وجہ سے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور اعدار میں سے تھا۔ اس نے سچ کی تکذیب کی اور جھوٹ کی تصدیق کی۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ علمارِ اہلِ بغداد نے جن مشہور فتووں میں شیخ کی موافقت کی ہے، وہ ان کو موضوع اور من گھڑت بناتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کو کسی شیطان نے لکھا ہے حالانکہ خاص و عام سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ فتاویٰ شائع اور مشہور ہیں اور جن علمار نے یہ فتوے جاری کیے ہیں، ان سے یہ بطریقِ تواتر ثابت اور صحیح ہیں۔ میرے علاوہ دوسروں نے بھی ان فتووں میں ان کی تحریریں دیکھی ہیں۔ اس معترض کو دیکھو کہ ایسی بات کی تکذیب کرتا ہے، جس کے بارے میں اس کو کوئی علم نہیں ہے۔ پھر اس کا ڈھیٹ پن دیکھیے کہ مشہور و متواتر بات کا انکار کرتا ہے۔ جو شخص دین کے ساتھ ذرا مَس بھی رکھتا ہے، اس کے لیے کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ قطعی جھوٹ کو اس کی طرف منسوب کرے، جس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں، قطعی صحیح بات، جو مشاہدے میں آچکی ہے، وہ اس میں طعن کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کسی شیطان کی گھڑت ہے۔ یہ اس کی ناقابلِ معافی لغزش ہے۔ اس کی یہ عادتِ مستمرہ ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نورِ ہدایت سے محروم کر دے، اس کو نور نہیں مل سکتا۔ حافظ ابنِ قدامہ فرماتے ہیں، "جب میں نے کتاب "شفار السقام" دیکھی، تو میں نے مناسب سمجھا کہ اس کی خامیوں اور ردّی باتوں، اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرنے پر لوگوں کو خبردار کر دوں، تاکہ عوام، جو دین کے حقائق سے ناآشنا ہیں، اس سے دھوکا نہ کھا جائیں۔ اس کتاب میں وہم و خطا کی کثرت ہے، جس کو مبتدی طالب علم تھوڑا غور کر کے بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ وللہ الحمد! اگر اس کتاب کا پورا جائزہ لیا جائے اور اس میں ظلم و زیادتی، غلطیوں اور بے وقوفیوں، اور بات کو خلط ملط کرنے، غلو، تشنیع و تلبیس کو بیان کیا جائے، تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ اس کے جواب کے لیے کئی جلدیں درکار ہوں گی۔ معمولی عقل و فہم رکھنے والے کو تھوڑی بات پر خبردار کر دیا جائے تو وہ اس سے بہت سی غلطیوں کو خود بخود سمجھ لے گا۔

واللہ المستعان۔ انتہیٰ!"

حافظ ابوعبداللہ ابنِ قدامہ اپنی کتاب "الصارم المنکی" میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی سے سُنا کہ وہ اس نص کو جس کو قاضی اسمٰعیل نے "مبسوط" میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کیا، سبکی کے لیے ایک حاکم کے سامنے ذکر کرتے تھے۔ سبکی اس کو سُن کر سخت غضب ناک ہوا اور صرف اتنا جواب دیا کہ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر جھوٹ ہے"!

معترض سبکی کو دیکھو کہ بغیر کسی دلیل و برہان کے محض اپنی خواہش کی بنا پر اٹکل پچو ایسی بات کی تکذیب کرتا ہے جس کا اس کو کچھ علم نہیں۔ یہ اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں۔ وہ بہت سے مقامات پر اسی طرح کرتا ہے۔ وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ان مقامات و مسائل میں شدید مخالف ہے حالانکہ کسی بڑے عالم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ان مسائل میں مخالفت نہیں کی۔ غلو اور پیروی خواہش کی بنا پر وہ بڑے بڑے ناقابلِ ذکر امور کو ان لوگوں کی طرف منسوب کرنے سے ذرا نہیں جھجکتا جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ان مسائل میں موافق ہیں اور جن میں کوئی امامِ متبوع انکا مخالف نہیں ہم ذلّت و رُسوائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ وہ ابوجعفر منصور کے ساتھ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی باطل اور جھوٹی حکایت کی تصحیح کرتا ہے کیونکہ اس سے اس کی خواہش کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور صحیح ثابت نقل کی تکذیب کرتا ہے جس کو قاضی اسمٰعیل نے "مبسوط" میں ذکر کیا ہے کیونکہ اس میں اس کی، اس کے مقصد و مسلک کی سخت مخالفت ہے۔ اور "مبسوط" میں مذکور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے بھی اعراض کیا ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر کھڑے ہونے اور دُعا کرنے کو میں ناجائز جانتا ہوں۔ بلکہ سلام کرنے کے بعد چلا جائے"۔ اس نے کتاب "الموازنہ" میں جو کچھ ہے اس سے تمسک کیا ہے کیونکہ اس کے خیال میں اس سے اس کی خواہش کو تقویت ملتی ہے۔ نصوصِ ثابتہ کی تکذیب یا ان سے اعراض اس کی عادت ہے۔ اور غیر ثابت، واہی اشیاء اور مجمل غیر واضح امور کو دونوں ہاتھوں سے خوب پکڑتا ہے۔ یہ طرزِ عمل اس شخص کے سراسر خلاف ہے جس کے پیشِ نظر حق ہو اور وہ لوگوں کے سامنے دین کو واضح کرنے کا کام کرتا ہو ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

حافظ صاحب نے اپنی کتاب میں سبکی کے ایسے حالات بکثرت بیان کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہیں۔

اب یہ بدعتی اور قبر پرست نبہانی اُٹھا ہے تاکہ سبکی اور دوسرے غالی شافعیوں کے ذریعے اپنے مقاصد کو مدلل کر کے رائج کرے۔ درحقیقت یہ ٹیڑھی راہ چلنے والا حلولی فرقہ حق اور اہلِ حق کا دین اور اہلِ دین کا دشمن ہے۔

نبہانی کہتا ہے کہ "قدس" کے مکتبہ خالدیہ میں امام سبکی کی خود نوشت تحریر موجود ہے میں نے بھی وہ دیکھی اور نقل کر لی تھی اور وہ یہ ہے کہ مرحوم نے کہا:

"مجھے ۷۵۱ھ میں ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "العقل والنقل" کا علم ہوا۔ میں نے اس میں کئی مقامات پر ناپسندیدہ باتیں پائیں۔ میں نے بعض پر حواشی بھی لکھے۔ مجھے خدشہ ہوا کہ اس شخص کے شاگرد پھیل رہے ہیں اور اس کی بدعات عام ہو رہی ہیں۔ کوئی شخص اس کے مقابلے میں نہیں آرہا تو میں نے دس شوال ۷۵۱ھ بروز ہفتہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو رقعہ لکھا، جس میں میں نے اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں پوچھا۔ اس کے آخر میں ہے "اگر میں اپنے اعتقاد میں صحیح ہوں، تو مجھے مضبوط کر دے اگر غلطی پر ہوں تو ہدایت دے"۔ شیخ نورالدین سخاوی حج کو جا رہے تھے۔ میں نے ظہر سے پہلے ان کو یہ رقعہ دے دیا۔ پھر ظہر کے وقت ایک شخص میرے پاس آیا اس نے ابنِ تیمیہؒ کی ایسی بات بتائی جس سے میرا غصہ بھڑک اُٹھا۔ ایک دوسرا شخص بھی تقریباً چالیس سال سے اس کا ایک مسئلہ بتا رہا تھا لیکن مجھے اس پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اب دوسرے شخص سے سُن کر مجھے یقین آگیا۔ پھر یکے بعد دیگرے کئی آدمی آئے۔ پھر میں نے ایک قصیدہ نظم کیا اور وہ بھی شیخ نورالدین کے ہاتھ بھیج دیا۔ جب میں نے بارہ شوال بروز پیر یہ قصیدہ مکمل کیا تو میرے دل میں آیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے ان خبروں کے ذریعے میری ہدایت کا سامان کر دیا ہے اور جو کچھ میں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی ہے یہ گویا اس کا جواب ہے۔ یہ واقعہ بڑا عجیب ہے اور رسول اللہ ﷺ کا مجھ پر فضل ہے۔

میں خط اور نظم دونوں نقل کروں گا۔ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ ان دونوں درخواستوں کو نبی کریم ﷺ تک پہنچا دے گا ان شاء اللہ!"

پھر کہا:

میں نے خط میں لکھا تھا:

رسول اللہ ﷺ کو خط!

" اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں —
جو بے حد مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے!

یہ خط سیدنا رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے۔

اے رسول اللہ! میں کمزور بندہ، عاجز اور مسکین ہوں۔ مجھے دُنیا و آخرت کا جو کچھ ملا ہے، آپ ﷺ کے سبب سے ملا ہے۔ آپ ﷺ ہی اللہ تعالیٰ کے حضور میرا وسیلہ ہیں۔ میں نے دینِ اسلام پر نشوونما پائی ہے اور تشبیہ، بدعات، خواہشات و اغراض میں سے کسی بھی جانب جھکنے سے محفوظ رہا ہوں۔ میں "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ" کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ پھر میں قرآن میں مشغول ہوا، پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ میں لگ گیا۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ میں نے اس کے سوا نہ عقائد میں سے کچھ سنا اور نہ ہی میرے دل میں کچھ داخل ہوا۔ پھر میں علمِ نحو، اصول و فرائض کی تحصیل میں مشغول ہو گیا، پھر علمِ حدیث حاصل کیا اور علومِ عقلیہ اور اشعری طریقے کے مطابق علمِ کلام میں لگ گیا کیونکہ ہمارے علاقے، میری قوم اور گھر میں اسی کا چرچا تھا۔ میں اس کو حشو و اعتزال کے درمیان راہِ اعتدال خیال کرتا ہوں۔ بیس سال کی عمر تک مصر میں رہا اور میری یہی کیفیت رہی۔ اسی دوران ابن تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) اور دمشق میں اس کے ساتھیوں کا شہرہ ہوا۔ اس وقت وہاں علماء اس کا مقابلہ کر رہے تھے اور قاہرہ مصر میں علماء اور اکابر موجود تھے۔ انہوں نے اس کو بلایا۔ اس کے بعد پھر عقائد کی بنا پر جو بیتی سو بیتی۔ پھر میں نے توسل اور استغاثہ کے مسائل میں اس کا کلام لکھا اور اس سے جس نے گفتگو کی وہ مجھ سے بڑے تھے۔ میں نے اس کو دیکھا اور کئی بار اس کی مجلس میں گیا۔ پھر وہ "شام" واپس چلا گیا۔ پھر ہمیں مسئلہ طلاق میں اس کا فتوےٰ پہنچا اور یہ خبر ملی کہ وہ کہتا ہے "جس شخص نے

قسم کی نیت سے طلاق کو معلق کیا' پھر اس نے قسم توڑ دی تو وہ طلاق واقع نہیں ہوگی"۔ میں نے اس مسئلہ میں اس کا رد لکھا۔ اس کے بعد ہمیں سفر زیارت کے متعلق اس کا نقطۂ نظر معلوم ہوا کہ وہ آپ ﷺ کی زیارت کے لیے سفر سے روکتا ہے۔ میں نے اس مسئلہ کا بھی رد لکھا۔ پھر وہ فوت ہوگیا۔ اب اس کے بہت سے ساتھی اس کے مسلک کو اختیار کر چکے ہیں اور اس کی تصانیف کی اشاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ اب میں دمشق میں آیا ہوں۔ آپ ﷺ کے اس پر راضی ہونے کو مجھے کون بتائے گا؟ میں آپ ﷺ کا چھوٹا سا غلام ہوں۔ جا بین کے عقائد پر خاموش ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری عقلیں حق جل جلالہٗ کے انوار و تجلیات کے ادراک سے قاصر ہیں۔ میں رائے سلیم پر ثابت رہنا چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان کو کافی سمجھتا ہوں۔ عوام کو کسی اور کی طرف نہ لے جایا جائے۔ عالم اپنی استعداد کے مطابق اس میں غور و فکر کرے۔ معصوم وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ معصوم رکھے لیکن مسئلہ طلاق اور مسئلہ زیارت میں ابن تیمیہ کے قول کا ظاہر و باطن میں سخت مخالف ہوں اور عقائد میں اس نے عوام کے دلوں کو جو تحریک دی ہے' وہ مجھے پسند نہیں"۔

نبہانی کہتا ہے" امام سبکی کی عبارت اور اس کے الفاظ ختم ہوئے اس کی تحریر نقطوں کے بغیر تھی نقطے میں نے اس پر لگائے ہیں"۔ جس قصیدے کا اس نے ذکر کیا ہے' وہ موجود نہیں ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے کہتا ہوں کہ اس مقام پر نبہانی کی ذکر کردہ عبارت کو بغیر کسی حک و اضافہ کے میں نے ذکر کر دیا ہے' اگرچہ اس کے ذکر کرنے میں سیاہی کاغذ وغیرہ کا ضیاع ہے تاکہ ناظرین اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں عقول و افہام کے نمونے ملاحظہ کر لیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس جہالت بد انجام اور ضلالتِ قدیم سے جو عافیت بخشی ہے' اس پر شکریہ ادا کریں۔ نبہانی ایک کذاب آدمی ہے اس کی نقل پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا نہ اس کی روایت کی تصدیق کی جا سکتی ہے کیونکہ وہ غالیوں اور جاہل گمراہوں میں سے ایک ہے۔ ہاں کبھی کذاب بھی سچ کہہ بیٹھتا ہے۔ اگر اس کی سبکی سے یہ روایت صحیح ہے تو اس کی رسوائی کے

لیے یہ کافی ہے اور یہ اس کی بدعات اور غلو کے عین مطابق ہے۔ سبکی کے اس مقالے نے اس کی عدالت کو مجروح کر دیا ہے، اس کو اہلِ علم کے درجے سے گرا دیا ہے اور گھٹیا درجے کے عوام کی سطح پر اس کو لا کھڑا کیا ہے۔ تعجب ہے کہ اس نے اپنے مقالے کی ابتدا میں کہا ہے کہ "اس شخص کے ساتھیوں کے پھیلاؤ اور اس کی بدعات سے میں متفکر تھا"۔ اس نے شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، جو حافظ الامت ہیں، کے سنّت میں ٹھوس ہونے کی شہرت کے باوجود ان کی طرف بدعت کی نسبت کر دی ہے، ان کو بدعتی اور خود کو متبع سنّت کہا ہے۔ مثل مشہور ہے "اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"! جب اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم باقی نہ رہے تو یہی حال ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے، نبوّتِ اولیٰ کی باتوں میں سے یہ ہے:

"اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ" جب تو بے شرم ہو جائے، تو پھر جو چاہیے کرتا پھرے"۔

کاش نبہانی کے پاس شمّہ بھر بصیرت ہوتی، تو وہ سبکی کا یہ قبیح مقالہ نقل کر کے اس کو کئی سو سال گزرنے کے بعد رسوا نہ کرتا، مگر اس کو سلف اور بزرگ علماء کی بے ادبی کی سزا ملی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی جہالت کی پردہ دری فرما کر اس کو ذلیل کیا ہے۔ سبکی کے اس بُرے مقالے میں بہت سے عیوب ہیں۔ اس کی ہر بات قابلِ گرفت ہے۔ اگر ہم اس پر مفصل بات کرنے لگیں تو اس کے لیے الگ ایک کتاب کی ضرورت ہے لیکن ہمارے پاس ایسے کاموں کے لیے بہت کم وقت ہے، اس لیے اب ہم اس پر مجمل گفتگو پر اکتفا کریں گے۔ اس کے خلاصے اور مقصد پر ہی اعتراضات بیان کریں گے۔ اگر سوء ادب مانع نہ ہوتا تو ہم اس کے مقالے کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے دیتے۔ اور اس نے مقامِ نبوت پر جو جسارت کی ہے اور بے اصل باتیں کی ہیں، ہم ان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ ہمیں سوء ادب سے محفوظ رکھے۔

سبکی کے مقالے پر اعتراضات

سبکی کے مقالے کے مقاصد پر کئی وجوہ سے اعتراضات ہوتے ہیں۔ مثلاً:

وجہ اوّل

کتاب "العقل والنقل" جس کا ایک نام "بیان موافقۃ صریح المعقول لصحیح المنقول" اور ایک نام "قسطاس الانصاف والعدل فی رد تعارض العقل والنقل" ہے ـــ شیخ الاسلام ابو العباس احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی گراں قدر تصنیف ہے ۔ انہوں نے یہ کتاب اس سوال کے جواب میں لکھی تھی کہ جب عقلی و نقلی دلائل اور ظواہرِ نقلیہ و قواطعِ عقلیہ متعارض ہوں تو کیا ان کے درمیان تطبیق ممکن ہے ؟

شیخ الاسلامؒ نے اس کتاب میں سوال کے مفصل طور پر انیس جوابات دیئے ہیں ۔ اور ثابت کیا ہے کہ صریح معقول صریح منقول کا مخالف نہیں ہوتا ۔ اس میں شریعتِ طاہرہ کا دفاع ہے اور یہ کہ شریعت میں سعادتِ دارین کے لیے سب ضروری باتیں موجود ہیں ۔ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن علماء کلام نے جو قواعد و اصول وضع کیے ہیں اس کی تکمیل کے لیے ان کی قطعاً ضرورت نہیں ۔ شریعتِ اسلامیہ کی پوری تعلیم عقلِ سلیم کے عین مطابق ہے اور دشمنانِ دین کی فاسد آراء اور غلط اقوال کے ساتھ اس کی نصوص کی تطبیق ضروری نہیں ! ـــــــ پھر یہ بحث ہر لحاظ سے مکمل کی ہے ۔ یہ ہے کتاب کا موضوع ۔ یہ ایک شاندار اور بے نظیر کتاب ہے ۔ اس زمانے میں اس کتاب کا ظہور اور اس کی لوگوں میں نشر و اشاعت ایک عظیم نعمت ہے ۔

شیخ حافظ ابن القیمؒ نے اپنی منظوم کتاب "الشافیہ الکافیہ" میں ایک فصل شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات کے لیے وقف کی ہے ۔ اس میں کیا خوب کہا ہے ؎

واقراء کتب العقل والنقل الذی ۔۔۔ ما فی الوجود لہ نظیر ثان

"کتاب عقل والنقل" کو پڑھو دنیا میں اس کی مثال نہیں ۔"

مسلمانوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ ان کو بہترین اجر سے نوازے جنہوں نے اس کی طباعت اور نشر و اشاعت میں حصہ لیا ۔ جس شخص میں شمہ بھر بصیرت ہو اور شریعت کی اس کو معمولی سمجھ ہو وہ اس کتاب کی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کیسے شکایت کر سکتا ہے ؛ ہاں اگر کسی کے دل پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہو وہ اس کو نہ سمجھ سکا ہو اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

اجازت لینے کا ڈھونگ رچایا ہوا اور اس کا جواب لکھنے کے درپے ہو گیا ہو تو دوسری بات ہے۔ وَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ ؟

وجہِ ثانی

اللہ عزوجل نے دینِ مبین کو نبی ﷺ کی وفات سے پہلے ہی مکمل فرمادیا تھا۔ اور شریعت کی کیفیت یہ تھی کہ اس کی رات بھی دن تھی۔ کوئی حکم اور حلال وحرام ایسا نہیں، جو بیان نہ ہو چکا ہو پھر ائمہ کرام رحمہم اللہ مجتہدینِ عظام نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ذات کی طرف مراجعت کی کوئی حاجت باقی ہی نہیں رہی بلکہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی بیماری کے دوران کسی تحریر کی ضرورت نہیں سمجھی حالانکہ آپ ﷺ نے قلم دوات اور کاغذ مانگا تھا۔ یہ مشہور حدیث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ الآیۃ[1]

"آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری فرمادی اور اسلام کو تمہارے لیے دین پسند کیا ہے۔"

جب کسی مسئلے میں کسی کو الجھاؤ پیش آجائے اور اس کو خود علم نہ ہو تو اہلِ ذکر کی طرف رجوع کرے یا پھر شریعت کی کتابیں اور نصوص کھنگالی جائیں۔ جو کچھ وہاں سے ملے اس پر عمل کرے۔ اب رسولِ اکرم ﷺ کی طرف یا آپ ﷺ کی قبر کے پاس کچھ لکھنے کی حاجت نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے حکم والوں کی۔ اگر کسی بات میں تمہارے

---

[1] المائدۃ: ۳

فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا[1]

درمیان نزاع پیدا ہو جائے تو اگر تمہارا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی طرف لوٹاؤ۔ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی احسن ہے۔"

مفسّرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ مومنوں کو خطاب عام ہے۔ "شَیْءٍ" سے مراد ما بعد کی دلیل سے "امرِ دین" ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ اے مومنو! اگر تم اور تمہارے امراء میں کسی دینی مسئلے میں اختلاف رونما ہو جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ (کی کتاب) کی طرف اور رسول ﷺ (کی سنّت) کی طرف لوٹاؤ۔ یقیناً اس مفہوم کے مطابق "اولی الامر" سے مراد امراء ہیں نہ کہ علماء۔ اس لیے لوگوں کا بعض امور میں امراء سے نزاع ہوتا ہے علماء سے نہیں۔ اگر ان سے مجتہدین مراد ہوں تو باقی لوگ احکام میں ان سے جھگڑا نہیں کرتے۔

بعض مفسّرین کے مطابق اس میں "اولی الامر" کو علی الالتفات خطاب فرمایا ہے تاکہ علماء کو مراد لیا جا سکے۔ کیونکہ مجتہدین جھگڑتے اور مناظرہ کرتے ہیں تو اس سے مراد مدلل مسئلے کے ساتھ تمسک کرنا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد خطاب عام ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ خطاب مومنوں کو ہو اور نزاع ان کے درمیان اور اولی الامر کے درمیان بعض افراد یعنی امراء کے لحاظ سے ہو۔

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے، جب کسی مسئلے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو کتاب و سنّت کی طرف رجوع کرو، نہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کو خط لکھو اور رجو دل میں وہم پیدا ہو اس کو آپ ﷺ کی طرف سے جواب تصور کر لو جیسا کہ سبکی نے کیا ہے۔

وجہِ ثالث

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خلافت کے مسئلے میں شدید اختلاف پیدا ہوا جس کی تفصیل اپنی جگہ مذکور ہے۔ انہوں نے رسولِ کریم ﷺ

---

[1] النساء: ۵۹

سے آپ ﷺ کی قبر میں فتوے نہیں لیا اور آپ ﷺ کو یہ نہ لکھا کہ "یا رسول اللہ ﷺ! انصار کہتے ہیں کہ ایک امیر ہم سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو۔ اور بعض کا ارادہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا ہے۔ بعض کا ارادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اسی طرح دوسروں کا ارادہ کوئی اور ہے۔"

اس کے علاوہ علمی مسائل میں بھی ان میں اختلاف ہوا۔ انہوں نے آپ ﷺ سے قبر میں فتویٰ نہیں پوچھا۔ کسی نے آکر یہ نہیں پوچھا کہ بھائیوں کے ساتھ دادے کی وراثت کا کیا حکم ہے؟

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنے باپ کی وراثت حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوئیں تو انہوں نے ایک حدیث سنا دی: "نحن معاشر الانبیاء لانورث نبیوں کی مالی وراثت نہیں ہوتی" حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس پر مطمئن نہ ہوئیں اور غصے میں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے نہ تو آپ ﷺ سے قبر میں یہ مسئلہ پوچھا اور نہ ہی آپ ﷺ کو یہ لکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ جواب دیا ہے۔ مصر وغیرہ کے لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں قبر میں رسول اکرم ﷺ سے نہ پوچھا اور کسی کی طرح نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہوا اور فریقین کے درمیان بہت سی لڑائیاں اور واقعات پیش آئے۔ کسی نے کسی کی طرح نہ تو آپ ﷺ سے اجازت مانگی اور نہ شکایت کی اور اسی قسم کے بے شمار مسائل و واقعات ہیں۔

وجہ رابع

جس شخص پر کوئی امر مشتبہ ہو جائے اس کی سمجھ میں نہ آئے کہ وہ امر نیک ہے یا بد تو اسے چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے۔ استخارہ ایک ایسا عمل ہے جس پر سلف و خلف عمل پیرا رہے اور انہوں نے اس پر کئی فصلوں میں گفتگو کی ہے۔

"جن امور میں استخارہ جائز ہے" ________ :

بیان کرتے ہیں، معاملات وامور تین اقسام کے ہیں :

(۱) جن کا خیر ہونا قطعی طور پر معلوم ہے، مثلاً واجب مضیّق۔

(۲) جن کا شر ہونا قطعی طور پر معلوم ہے، مثلاً ایسا حرام جس کی تحریم پر اجماع ہے۔

(۳) وہ جن کا خیر ہونا یا شر ہونا وقتِ مخصوص میں واضح نہ ہو، مثلاً واجب موسّع، مندوب اور مندوب مضیّق ——— جس کا معارض اسی وقت میں دوسرا مندوب بھی ہو، لیکن ان میں سے ایک کی دوسرے پر ترجیح واضح نہ ہو اور سب مباحات!

پہلی دو اقسام تو واضح ہونے کی وجہ سے محلِ استخارہ نہیں ہیں کیونکہ ایک قطعی خیر ہے، اس کے ترک کی اجازت نہیں اور دوسرا قطعی شر ہے، جس کے کرنے کی اجازت نہیں۔ اب صرف تیسری قسم رہ گئی ہے جس کے لیے استخارے کی ضرورت ہے اور بعض خبروں میں جو عموم کا اشتباہ ہوتا ہے، وہ عام مخصوص ہے، مثلاً وہ امور، جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خبر (جو آگے آرہی ہے) میں ہیں۔ یا اس میں "الف لام" عہد کا ہے۔

"استخارہ کی حدیث"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں "بَابُ مَاجَاءَ مِنَ التَّطَوُّعِ مَثْنٰی مَثْنٰی" میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے :

"كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِى الْاُمُوْرِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ: اِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْاَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْتَخِيْرُكَ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سب کاموں میں استخارہ سکھایا کرتے تھے، جس طرح قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: "جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے، تو وہ دو رکعت نفل نماز پڑھے، پھر پڑھے: "اے اللہ! میں تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں تیرے علم کے ساتھ، اور میں قدرت مانگتا ہوں تیری قدرت کے ساتھ، میں تجھ سے تیرے بڑے فضل کا سوال

بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ قَالَ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ قَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِيْ بِهٖ وَيُسَمِّيْ حَاجَتَهٗ

کرتا ہوں تُو قدرت رکھتا ہے، میں قدرت نہیں رکھتا۔ تُو جانتا ہے میں نہیں جانتا۔ تو علام الغیوب ہے اے اللہ! اگر یہ کام تیرے علم میں میرے لیے میرے دین، میری معاش، اور میرے انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے، تو اس کو میرے لیے مقدر کر دے اور اس کو میرے لیے آسان کر دے پھر میرے لیے اس میں برکت فرما۔ اگر یہ کام تیرے علم میں میرے لیے میرے دین اور میری معاش اور میرے انجام کار کے لحاظ سے بُرا ہے تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے میرے لیے بھلائی مقدر فرما وہ جہاں بھی ہو پھر مجھ سے راضی ہو جا۔" اور اپنی حاجت کا نام لے۔"

طبرانی نے معجم صغیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے:

"كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ: اِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَمْرًا فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ اَللّٰهُمَّ

"رسول اللہ ﷺ ہمیں استخارہ اسی اہتمام سے سکھاتے تھے گویا وہ قرآن کی ایک سورت ہے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو کہے: "اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعے طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ذریعے طلب کرتا ہوں اور میں تجھ سے تیرے بڑے فضل کا سائل ہوں۔ تُو قدرت رکھتا ہے میں قدرت نہیں رکھتا۔ تُو جانتا ہے میں نہیں جانتا۔

إِنْ كَانَ فِي هٰذَا الْأَمْرِ خَيْرٌ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاقْدِرْهُ لِي وَإِنْ كَانَ غَيْرُ ذٰلِكَ خَيْرًا لِي فَسَهِّلْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ وَاصْرِفْ عَنِّي الشَّرَّ حَيْثُ كَانَ وَرَضِّنِي بِقَضَائِكَ"

تُو علّام الغیوب ہے۔ اے اللہ! اگر یہ کام میرے دین و دنیا اور میرے انجامِ کار میں بہتر ہے تو اس کو میرے لیے مقدر کر۔ اگر اس کے سوا میرے لیے بھلائی ہے تو وہ میرے لیے آسان کر جہاں ہو اور مجھ سے شر کو پھیر دے جہاں بھی ہو اور مجھے اپنے فیصلے پر راضی فرما۔"

اور "کبیر" میں بھی انہی سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا:

"عَلَّمَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِسْتِخَارَةَ فَقَالَ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَمْرًا فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ - وَلَمْ يَقُلْ "الْعَظِيمِ" - وَقَالَ: فَإِنْ كَانَ هٰذَا الَّذِي أُرِيدُ خَيْرًا فِي دِينِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَيَسِّرْهُ لِي وَإِنْ كَانَ غَيْرُ ذٰلِكَ خَيْرًا فَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ" يَقُولُ: ثُمَّ يَعْزِمُ!"

"ہمیں رسول اللہ ﷺ نے استخارہ سکھایا۔ فرمایا "جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو کہے "اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کے ساتھ خیر طلب کرتا ہوں (اس میں عظیم کا لفظ نہیں ہے۔ اور کہا) اگر یہ کام جس کا میں ارادہ کرتا ہوں میرے دین اور میرے انجامِ کار کے لحاظ سے بہتر ہے تو وہ میرے لیے آسان فرما دے۔ اگر اس کے سوا بھلائی ہے تو وہ میرے لیے مقدر فرما دے جہاں بھی ہو" پھر وہ عزم کرلے۔"

حافظ نورالدین ابوالحسن علی بن ابی بکر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان" میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اُكْتُمِ الْخِطْبَةَ ثُمَّ تَوَضَّأْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ ثُمَّ صَلِّ مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكَ ثُمَّ احْمَدْ

"پیغامِ نکاح کو پوشیدہ رکھو، وضو کرو اور نہایت اچھے طریقے سے وضو کرو۔ پھر جتنی اللہ تعالیٰ توفیق دے نماز پڑھو۔ پھر اپنے رب

رَبَّكَ وَ مَجِّدْهُ ثُمَّ قُلْ:
اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ
وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ
فَاِنْ رَاَيْتَ لِيْ فُلَانَةَ تُسَمِّيْهَا
بِاسْمِهَا خَيْرًا لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَ
اٰخِرَتِيْ فَاقْدِرْهَا وَاِنْ كَانَتْ غَيْرُهَا خَيْرًا لِّيْ
مِنْهَا فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ
وَاٰخِرَتِيْ فَاقْضِ لِيْ ذَالِكَ!"

کی حمد اور تمجید بیان کرو پھر کہو "اے اللہ! تو قدرت والا ہے میں نہیں ہوں، تو جانتا ہے میں نہیں جانتا۔ تو علام الغیوب ہے اگر (نام لے کر کہے) فلاں عورت میرے دین و دنیا اور میری آخرت میں میرے لیے بہتر ہے تو اس کو میرے مقدر میں کر دے اور اگر اس کی غیر میرے دین و دنیا اور میری آخرت کے لیے بہتر ہے تو اس کا میرے لیے فیصلہ فرما۔"

اور اس میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

"اِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَمْرًا فَلْيَقُلْ
اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ
بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ
وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ
فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَ
تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ
اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ كَذَا وَكَذَا خَيْرًا
لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعِيْشَتِيْ وَعَاقِبَةِ
اَمْرِيْ فَاقْدُرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ
وَاَعِنِّيْ عَلَيْهِ وَاِنْ كَانَ كَذَا وَكَذَا الْاَمْرُ
الَّذِيْ تُرِيْدُ شَرًّا لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَ
مَعِيْشَتِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ
ثُمَّ اقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ اَيْنَمَا

"جب کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو یہ دعا کرے: "اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کے ساتھ خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ساتھ قدرت طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سائل ہوں تو قدرت رکھتا ہے، میں قدرت نہیں رکھتا۔ تو جانتا ہے میں نہیں جانتا۔ تو علام الغیوب ہے اے اللہ! اگر ایسا ایسا (جس کا ارادہ ہو) میرے دین، میری معیشت اور میرے انجام کار کے لحاظ سے میرے حق میں بہتر ہے تو اس کو میرے لیے مقدر کر اور آسان فرما اور میری اس پر مدد فرما اور ایسا ایسا کام جو تیرے ارادے میں میرے دین، میری معیشت، میرے انجام کار میں میرے لیے

كَانَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ"

بُرا ہے تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور میرے لیے خیر کو مقدر فرما جہاں کہیں وہ ہے برائیوں اور تکلیفوں سے بچاؤ اور نیکی اور بھلائی کی قوت صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے"۔

اور اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَمْرًا فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ۔ اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ كَذَا وَكَذَا خَيْرًا لِّي فِي دِينِي وَخَيْرًا لِّي فِي مَعِيشَتِي وَخَيْرًا لِّي فِي عَاقِبَةِ أَمْرِي فَاقْدُرْهُ لِي وَبَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كَانَ غَيْرُ ذَالِكَ خَيْرًا فَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ وَرَضِّنِي بِقَدَرِكَ"

"جب کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو یوں کہے: "اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم کے ساتھ خیر طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیری قدرت کے ساتھ قدرت چاہتا ہوں اور تجھ سے تیرے فضل کا سائل ہوں۔ تو قدرت والا ہے، میں نہیں جانتا تو علام الغیوب ہے۔ اے اللہ اگر فلاں کام میرے دین اور میری معیشت میں میرے لیے بہتر ہو اور انجام کار میں بھی میرے لیے بہتر ہو تو اس کو میرے لیے مقدر کر اور اس میں برکت فرما۔ اگر اس کے سوا میرے لیے بہتری ہے تو بھلائی اور خیر جہاں بھی ہے میرے لیے مقدر فرما اور مجھے اپنی تقدیر پر راضی کر"۔

حافظ سخاوی نے "کتاب الابتہاج باذکار المسافر الحاج" میں روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

"إِذَا هَمَمْتَ بِأَمْرٍ فَاسْتَخِرْ رَبَّكَ فِيهِ سَبْعَ مَرَّاتٍ ثُمَّ انْظُرْ إِلَى الَّذِي سَبَقَ إِلَى قَلْبِكَ فَإِنَّ الْخَيْرَ فِيهِ"

"جب تو کسی کام کا ارادہ کرے تو اس میں اپنے رب سے سات بار استخارہ کر پھر اپنے دل میں دیکھو جو کچھ اس میں آئے اس میں خیر ہے"۔

سیوطی نے اس کو مسندِ فردوس میں دیلمی کی طرف منسوب کیا ہے۔

نمازِ استخارہ کی کیفیت

بہت سی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص استخارہ کرنا چاہے‘ وہ فرضوں کے علاوہ دو رکعت نماز پڑھے‘ پھر دُعا کرے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں فرمایا کہ ”نوویؒ نے اذکار میں فرمایا ہے، اگر کوئی ظہر کی سنتوں یا دوسری نمازوں کی سنتوں‘ یا عام نفلوں کے بعد‘ وہ دو ہوں یا زیادہ‘ دعاء استخارہ کرنا چاہے تو درست ہے مگر اس میں شبہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ سنتوں اور نمازِ استخارہ‘ دونوں کی نیت کرے تو کافی ہے مگر بغیر نیّت کے درست نہیں۔ ”تحیۃ المسجد“ میں نیت نہ کرے کیونکہ اس سے مراد جگہ میں مشغولیتِ نماز ہے اور نمازِ استخارہ سے مراد یہ ہے کہ اس کے بعد دعا ہو۔ الخ!“

پھر فرمایا، حدیثِ ابو ایوب رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ”جتنی قسمت میں ہے نماز پڑھ“۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک رکعت سے بھی مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور کتبِ فقہ میں اس مسئلہ پر فقہاء کا مفصل کلام موجود ہے۔

جب استخارہ کرنے والا دُعا سے فارغ ہو تو جس پر اس کا دل مطمئن ہو‘ اس میں لگ جائے جیسا کہ امام نوویؒ نے فرمایا ہے۔ علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ”اگر اس کا دل کسی پر مطمئن نہ ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ نماز اور دُعا کے ساتھ استخارہ کرے۔ اگرچہ سات بار سے زیادہ کرنا پڑے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو سات بار کی قید ہے‘ وہ اس لیے کہ شاید عام طور پر سات بار میں ضرور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے پھر اس کی سند میں غرابت بھی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک کام کے لیے سال بھر استخارہ کیا تھا اس مسئلہ پر طویل گفتگو ہو سکتی ہے۔“

مقصد یہ ہے کہ سبکی نے ایک بدعت ایجاد کی ہے‘ جو پہلے کسی نے نہیں کی تھی اور اس نے مسنون طریقہ یعنی استخارہ ترک کر دیا ہے۔ یہ مقام تو استخارہ کا تھا۔

وجہِ خامس

سبکی نے بزعمِ خود اپنی صائب رائے اور روشن فکر سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس کو کتاب "العقل والنقل" کا رد لکھنے کی اجازت مل گئی ہے اور معنوی طور پر آپ ﷺ نے اس کا حکم دے دیا ہے، تو پھر اس نے آپ ﷺ کے حکم کی بجا آوری کیوں نہیں کی؟ اور کون سی کتاب اس کے جواب میں لکھی ہے؟ کاش اس نے کتاب لکھی ہوتی تو قلم کے تیروں سے اس کو چھلنی کر دیا جاتا اور دنیا میں اس کتاب کا سرپیر باقی نہ رہتا۔ جو کتاب اس کی عقل و فہم سے بالاتر ہے، اس کا جواب کیسے لکھ سکتا ہے؟ اس کے بیٹے تاج الدین نے طبقات میں اپنے باپ کا تذکرہ لکھا ہے جس میں اس کی طرف ہر فضیلت اور خوبی منسوب کی ہے اور اس کی مصنفات اور اس کے اختیارات، اس کے ملفوظات حتیٰ کہ اس کی ہر یاوہ گوئی کو بیان کیا ہے مگر اس نے بھی اس کی کتابوں میں کتاب "العقل والنقل" کے رد میں کسی کتاب کا ذکر نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ وہ صریح بہتان ہے۔ اس کو اس کے وہم کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے جو حکم دیا تھا اس نے اس کی تعمیل نہیں کی۔

وجہِ سادس

مخصوص ایام میں اعمال کے پیش کرنے کی حدیث، جس کا بیان شیخ الاسلام تقی الدینؒ کے کلام میں گذر چکا ہے، سے ثابت نہیں ہوتا کہ قبر میں نبی کریم ﷺ کی طرف کوئی بات لکھی جائے بلکہ اُمت کے اعمال آپ ﷺ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر ان میں آپ ﷺ خیر کو دیکھتے ہیں، تو خوش ہوتے ہیں۔ اگر کچھ اور دیکھتے ہیں تو ناخوش ہوتے ہیں۔ کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپ ﷺ کو قدرت ہوتی ہے کہ جس کو اللہ اور رسول ﷺ پسند نہیں کرتے، اس کو بدل دیں۔ آپ ﷺ کی زندگی برزخی ہے، یہ معروف دنیاوی زندگی نہیں ورنہ وہ اس کے لوازمات کو چاہے گی اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہ امور جو سبکی کی ناقابلِ معافی لغزش ہے حضور ﷺ کے سامنے کیسے پیش کیے جا سکتے ہیں؟ ایسی باتیں تو بے وقوف جاہل سے بھی تصور

نہیں کی جا سکتیں لہٰذا اس کا کلام اور مقصد سب باطل ہے۔

وجہِ سابع

نبہانی اور اس کے غالی اسلاف کے نزدیک نبی کریم ﷺ "ماکان وما یکون" کے عالم ہیں بلکہ آپ تو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کی پوشیدہ باتیں بھی جانتے ہیں تو سبکی کا آپ ﷺ کو یہ بتانا کہ وہ شافعی مذہب کا آدمی ہے، عقیدہ میں اشعری ہے، اور دیگر جو فضول باتیں اس نے کی ہیں، ان کا کیا فائدہ ہے؟ "ماکان وما یکون" میں سبکی کے احوال و افعال بھی آجاتے ہیں۔ تو اب کس غرض کے لیے آپ کو خبر دیتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ:۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ عمران کی بیوی نے بچی جننے کی خبر دی تھی جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان فرمایا:

"اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰىؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّاؕ الآیۃ"[1]

"یاد کرو جب عمران کی بیوی نے کہا "اے پروردگار! جو بچہ میرے پیٹ میں ہے، اس کو تیری نذر کرتی ہوں۔ اسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی تو اسے قبول فرما۔ تو سننے اور جاننے والا ہے" پس جب اس کو بچہ پیدا ہوا تو کہنے لگی، اے پروردگار! مجھے بچی پیدا ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو اس کو پیدا ہوا اور لڑکا لڑکی کی مانند نہیں ہے۔ اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ تو اس کے رب نے اس کو پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمایا اور اس کو اچھی طرح پرورش کیا اور

---

[1] آل عمران، ۳۵ تا ۳۷

ذکریا علیہ السلام کو اس کا کفیل بنایا"۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ عالم ما کان ہے تو عمران کی بیوی نے یہ باتیں کیوں کیں؟ علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ خبر سے کبھی تو مقصد ناواقف کو اطلاع دینا ہوتا ہے اور کبھی علم معانی میں مفصل لوازم میں سے کسی لازم کا فائدہ دینا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں عمران کی بیوی کی خبر کا لازم اپنی ناکامی پر حزن وملال اور حسرت ہے، اور معاملے کا اپنی امیدوں کے برعکس ہونا ہے۔ سبکی کا اپنے کلام کو اس پر محمول کرنا بے وجہ ہے۔

ہم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ غالی نبی کریم ﷺ کے بارے میں مذکورہ عقیدہ رکھتے ہیں ان کے لیے اس کا انکار ممکن نہیں جیسا کہ ہم نبہانی کی بات نقل کر چکے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہر جگہ، ہر وقت موجود ہیں۔ میں نے ایک دن زندیق رفاعی فرقے کے ایک غالی اور مشرک سے گفتگو کی۔ جب اس نے ان کے ذکر سے پہلے رفاعی سے مدد طلب کی، تو میں نے اس سے پوچھا "کیا اب رفاعی تیری ندا کو سنتا ہے، حالانکہ وہ ام عبیدہ میں اپنی قبر میں ہے؟ اور کیا وہ تیری مدد کرتا ہے؟" اس نے کہا: "ہاں"۔ میں نے کہا "جب تیری طرح بہت سے دور دراز علاقوں اور جگہوں میں ہزارہا لوگ ہوں، تو کیا احمد رفاعی ان کو سن کر ان کی مدد کرتا ہے؟ اور ان کی فریاد کو پہنچتا ہے؟" اس نے کہا "ہاں"۔ میں نے کہا "یہی وہ غلو ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں رد کیا ہے"۔ اس نے کہا "یہ غلو کب ہے یہ تو دین کے مطابق اور اس کا تقاضا ہے۔ کیا تم نے حدیث اولیاء نہیں سنی؟ وہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے جس کو بخاری نے روایت کیا:

"مَا زَالَ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا - الحدیث"

"میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ الخ!"

اس بے وقوف جاہل نے یہ سمجھا کہ اس کا معنیٰ وہی ہے جس کا عقیدہ اس کے ملحد اور حق سے منحرف بھائی رکھتے ہیں کہ بندہ جب ظاہری و باطنی عبادت کے ساتھ لازم ہو کر گدلے پن سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے معنی میں ہو جاتا ہے ——— — تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ ! — وہ اپنے نفس سے ہٹ کر مکمل طور پر فنا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ سمجھتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے نفس کا ذاکر اور اس کا محبّ ہے۔ اور یہ اسباب و رسوم اس کے شہود میں عدم کی حیثیت رکھتی ہیں، اگرچہ وہ ظاہر میں معدوم نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں، بہت سے لوگوں کے قدم اس حدیث کے معنیٰ میں پھسل گئے اور یہ مشکل ہو گیا کہ باری تعالیٰ کس طرح بندے کا کان اور آنکھ بن جاتا ہے؟

عسقلانی نے بخاری شریف کی شرح میں کئی طرح جواب دیا ہے:

۱۔ تمثیل کے طور پر معنیٰ یہ ہوا کہ جب وہ میرے حکم کو ترجیح دیتا ہے، تو گویا میں اس کا کان اور آنکھ ہوں، وہ میری طاعت کو پسند کرتا ہے۔ اور وہ ان جوارح کی مانند میری خدمت کو ترجیح دیتا ہے۔

۲۔ وہ مکمل طور پر مجھ میں مشغول ہو جاتا ہے۔ وہ وہی سنتا ہے، جو مجھے پسند ہے، اور وہی دیکھتا ہے جس کا میں نے اس کو حکم دیا۔

۳۔ اس کے مقاصد یوں ہو جاتے ہیں، گویا وہ انہیں اپنے کان اور آنکھ سے حاصل کرتا ہے۔

۴۔ میں اس کی مدد اسی طرح کرتا ہوں جس طرح اس کا کان، اس کی آنکھ، اس کا ہاتھ اور اس کا پاؤں اس کے دشمن کے مقابلے میں اس کی مدد کرتا ہے۔

۵۔ فاکہانی نے کہا کہ اس کے معنی کو ابن ہبیرہ نے سمجھنے میں سبقت کی ہے۔ مجھے یوں سمجھ میں آتا ہے، اس کا مضاف محذوف ہے۔ عبارت یوں ہوگی: "كُنْتُ حَافِظَ سَمْعِهِ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ فَلَا يَسْمَعُ اِلَّا مَا يَحِلُّ اِسْتِمَاعُهُ وَحَافِظَ بَصَرِهِ كَذٰلِكَ" یعنی میں اس کے کان کا نگہبان ہوتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے۔ وہ وہی سنتا ہے جس کا سننا حلال ہے۔ اسی طرح اس کی نگاہ کا محافظ ہوتا ہوں۔ الخ!"

۶۔ فاکہانی نے کہا: "اس کا ایک اور معنیٰ ہو سکتا ہے، جو پہلے سے زیادہ دقیق ہے وہ یہ ہے کہ:

"سمع" سے مراد "مسموع" ہو کیونکہ مصدر مفعول کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ "فلانٌ اَمَلِی یعنی: "مامُولِی" فلاں میری امید ہے" یعنی "وہ امید کیا گیا ہے"۔

معنی یہ ہوا کہ وہ میرے ذکر کے سوا کچھ نہیں سنتا وہ میرے کلام کی تلاوت کے سوا کسی سے لذت نہیں پاتا اور وہ میری مناجات کے سوا کسی سے مانوس نہیں ہوتا وہ میری ملکوت کے عجائب کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔ وہ اپنا ہاتھ نہیں اُٹھاتا مگر اسی کام کے لیے جس میں میری رضا ہو۔ اسی طرح پاؤں۔ انتہیٰ انہوں نے یہ مسئلہ دوسری جگہ ذکر کیا ہے۔

مقصد یہ ہے غالی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ولی علم رکھتا ہے جیسا کہ اللہ علم رکھتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرح دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرح ہی سنتا ہے تو نبی ﷺ، جو سب اولیاء و اصفیاء کے سردار ہیں ان کے نزدیک سب اولیاء سے بڑھ کر ہوئے۔ جب ان کا عقیدہ یہ ہے تو نبی کریم ﷺ کی طرف لکھنے کی کوئی وجہ نہ رہی۔ اگر سبکی صفات مذکورہ جو صرف خالق کے لیے ہیں، کا اولیاء کے لیے عقیدہ نہیں رکھتا تو یہ مقالے اور منظوم قصیدہ لکھنے اور ان کو نورالدین سخاوی کے ہاتھ ارسال کرنے کی کیا وجہ ہے؟ ہر دو صورتوں میں سبکی نے اپنے اس کام میں غلطی کی ہے اس سے اس کی جہالت اور گمراہی واضح ہو کر سامنے آگئی ہے۔

نبہانی بے چارے نے شیخ الاسلامؒ پر جرح و طعن کے میدان میں جس سبکی کو سب سے بڑا ہتھیار بنایا ہے اس کا یہ حال ہے۔ سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کی ہیں جس نے ہر زمانے میں اہلِ حق کے دشمن سب سے بڑے جاہلوں، سب سے بڑے گمراہوں کو بنایا۔

سبکی کے جو احوال آپ پڑھ چکے ہیں، ان کے باوجود ابنِ حجر مکّی نے اس کو مطلق مجتہدین میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا مخالف اس رتبے کا کوئی بھی نہیں ــــ وہ اہلِ تحقیق و تدقیق کا امام ہے، ہر فن میں اس کا ثانی نہیں، اور اس کے دیگر بہت سے اوصافِ جلیلہ بیان کیے ہیں لیکن جب تقی الدین ابنِ تیمیہؒ اور ان کے علم کے سمندر حفّاظ اہلِ حدیث ساتھیوں کا ذکر آئے تو جو گالی اس کے دل میں آتی ہے بکتا ہے اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ان کی مذمت کرتا ہے۔ اس تعصّب اور ناانصافی کو دیکھیے اسلام کے انحطاط کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ عقل سے کورے لوگ اہلِ علم پر دست درازی کرتے لگے ہیں اور ذمہ داری کا منصب نااہل لوگوں کے سپرد کر دیا گیا

ہے یہیں سے ساری خرابی پیدا ہوتی ہے۔

سبکی کے بیٹے نے، جو اپنے باپ کا قائم مقام تھا، پہلوں پچھلوں کی سب خوبیاں اپنے باپ کے لیے ثابت کی ہیں۔ وہ بھول گیا کہ حقائق کبھی چھپے نہیں رہ سکتے۔ یہ مسکین اس کو بھی نہ سمجھ سکا۔ یہ شعر اس کے مناسب حال ہے ؎

ومہما تکن عند امرئ من خلیقۃ وان خالہا تخفی علی الناس تعلم

"جب کسی آدمی میں بری عادت ہو، وہ اگرچہ خیال کرے کہ لوگوں سے مخفی رہے گی، وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے۔"

مقصد یہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جیسی شخصیت پر سبکی جیسے لوگوں کی جرح، بس یوں سمجھیں کہ وہ مکھی کی بھنبھناہٹ، دروازے کی چرچراہٹ ہے۔ اگر ہمیں رب کا ڈر نہ ہو تو یہ کہہ دیں کہ "بادلوں پر کتے بھونکیں تو ان کا کوئی نقصان نہیں ہے۔"

نبہانی نے کہا ان میں سے ایک حافظ ابن حجر عسقلانی ہے۔ پھر حافظ عسقلانی کے فضائل اور علم کی گہرائی کو بیان کیا ہے۔ ان کی ذات اس کے بیان سے مستغنی ہے۔ پھر فتح الباری سے حدیث "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ" پر بحث کے دوران بیان کی گئی ایک عبارت نقل کی ہے، جو تحریم شد الرحل اور زیارت قبور کے لیے سفر کرنے کے مسئلہ سے متعلق ہے:

"وہی من ابشع المسائل المنقولۃ عن ابن تیمیۃ۔"

کہ "ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول مسائل میں سے یہ بہت بے مزا مسئلہ ہے۔"

پھر انہوں نے کتاب "الرد الوافر" کی تقریظ میں جو فرمایا ہے، اس کو نقل کیا ہے۔

جواب: حافظ ابن حجر عسقلانی کے شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے دوستانہ تعلقات کا کوئی جاہل ہی انکار کرے گا۔ انہوں نے شیخ کے شاگردوں اور ساتھیوں سے علم حاصل کیا تھا، اور ان کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا تھا۔ ان میں سے بہت سی کتابوں کو انہوں نے درساً پڑھا تھا۔ ان کے اور ان جیسے دوسرے اہل علم و فضل بزرگوں کے یہی لائق ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے "صاحب فضل لوگوں کو صاحب فضل ہی پہچانتے ہیں۔" جو عبارت نبہانی نے ان سے نقل کی ہے، وہ سفر زیارت سے متعلق ہے یعنی: "وہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے منقول مسائل میں سے بے مزا مسئلہ ہے۔" اس میں

کون سا طعن ہے؟ اور ابن تیمیہؒ کی عدالت میں کون سی قدح ہے؟ ہر کوئی جانتا ہے کہ ہر امام کے مسائل کا رد کیا گیا اُس سے ان کی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

بہت سے اہلِ علم نے کہا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول مسائل میں سے "زنا کی بیٹی سے نکاح کرنا بڑا تکلیف دہ مسئلہ ہے" اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول مسائل میں سے یہ مسئلہ بڑا افسوس ناک ہے کہ "کسی مغربی کا مشرقی سے، یا مشرقی کا مغربی سے نکاح ہوا ہو، پھر عورت کو بچہ پیدا ہو تو وہ اس کے شوہر کا بچہ ہوگا، چاہے بیوی خاوند ایک بار بھی اکٹھے نہ ہوئے ہوں"۔ اور "برف پر تیمم" امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول مسائل میں سے بے مزا مسئلہ ہے۔ اس طرح بے شمار باتیں ہیں، جن کی یہاں گنجائش نہیں۔ کون سا امام ہے جس کی طرف شاذ اقوال منسوب نہیں ہیں؟ یہ اس صورت میں ہے، جب ہم زیارتِ قبور کے لیے سفر سے منع کے مسئلے کو مسائلِ شاذہ میں شمار کریں، مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ مسئلہ شاذ کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ اس کی پُشت پر قطعی دلائل موجود ہیں، اور قابلِ اقتدار ائمہؒ نے بھی یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ ہم اس کا مفصل بیان شیخ کی دو کتابوں سے نقل کر چکے ہیں۔ نبہانی نے کتاب "الرد الوافر" پر حافظ عسقلانی کا جو کلام ذکر کیا ہے، اسی میں اس کا جواب موجود ہے کیونکہ اس میں مدح و ثنا کے سوا کچھ نہیں، بلکہ اس میں جرح و قدح اور ملامت سے ان کی برارت ہے۔ اس نے اس کی بعینہ عبارت نقل نہیں کی کیونکہ اس سے اس کی غرضِ فاسد پوری نہیں ہوتی تھی جو تلبیس و تدلیس وہ کرنی چاہتا ہے، وہ عبارت اس کے خلاف تھی، ہم ان کی بعینہ عبارت نقل کرتے ہیں، تاکہ ہماری اس بات کی تصدیق ہو سکے کہ حافظ عسقلانیؒ شیخؒ کے ساتھ مخلصانہ محبت رکھتے تھے۔

علامہ محدث سید صفی الدین حنفی بخاری نزیل نابلس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "القول الجلی فی ترجمۃ الشیخ تقی الدین بن تیمیہ الحنبلی" میں فرمایا کہ امام حافظ العصر بلکہ حافظِ دنیا علامہ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ نے ابن ناصر الدین دمشقی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الرد الوافر" پر یوں تقریظ فرمائی:

"شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اس کے پسندیدہ بندوں پر سلام ہو۔ میں اس مفید تالیف سے آگاہ

ہوا ہوں اور یہ مجموعہ ان مقاصد کے مطابق ہے جن کے لیے جامع نے اس کو جمع کیا ہے۔ جس امام نے اس کو تصنیف کیا ان کی معلومات کی وسعت اور علومِ نافعہ میں ان کی پختگی کو میں حقیقت سمجھتا ہوں جس سے وہ علماء کے درمیان قابلِ تعظیم و تکریم ہو گئے ہیں۔

اور شیخ تقی الدین بن تیمیہؒ کی امامت کی شہرت اظہر من الشمس ہے اور ان کے لیے "شیخ الاسلام" کا لقب اب تک پاکیزہ زبانوں پر باقی ہے۔ اور ماضی کی طرح مستقبل میں بھی ان کا یہ لقب ہمیشہ رہے گا اس کا انکار وہی شخص کرے گا جو ان کی قدر و قیمت سے ناآشنا ہوگا اور ناانصافی برتے گا وہ کتنا غلط کار ہوگا؟ اور اس کی لغزش کتنی بڑی ہوگی، جب کہ وہ ان کے شیخ الاسلام ہونے کا منکر ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہمارے نفس کی شرارتوں اور ہماری زبانوں کی بدگفتاریوں سے محض اپنے فضل و احسان سے محفوظ رکھے۔

اس رجلِ عظیم کی اور خوبیوں سے قطع نظر یہی ایک خوبی کافی ہے جس سے حافظِ شہیر علم الدین برزالی نے اپنی تاریخ میں آگاہ کیا ہے کہ جب شیخ تقی الدین فوت ہوئے تو ان کے جنازے میں اتنا ہجوم تھا اور لوگ اس کثرت سے شامل ہوئے کہ اسلام میں اس کی مثال نہیں ملتی پھر انہوں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے کا ذکر کیا۔ اس میں لوگ اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ جنازگاہ میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ اس میں لاکھوں لوگ شریک تھے۔ اگر دمشق کی آبادی بغداد کے برابر ہوتی، بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ ہوتی تو بھی کوئی شخص ان کے جنازے میں شریک ہونے سے نہ رہتا۔ پھر بغداد کے رہنے والے معمولی اقلیت کو چھوڑ کر سب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت رکھتے تھے۔ خود خلیفہ وقت بھی اس وقت ان سے گہری عقیدت و محبت رکھتا تھا۔ لیکن ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے صورت حال یہ نہیں تھی۔ حاکم شہر اس وقت موجود نہیں تھا۔ شہر کے اکثر فقہا اُن سے تعصّب رکھتے تھے، یہاں تک کہ وہ قلعے میں محبوس فوت ہوئے۔ ان حالات میں بھی شیخؒ کے جنازے میں تین بدبختوں کے سوا شہر کا کوئی آدمی ایسا نہ تھا جو جنازے میں شرکت سے رہ گیا ہو اور جو اشکبار اور غمگین نہ ہو۔ وہ تین جو شرکت سے محروم رہے وہ عوام کے غیظ و غضب سے ڈر گئے تھے۔ اس عظیم اجتماع کا باعث ان کی امامت اور برکت کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ نہ بادشاہ نے نہ کسی اور نے لوگوں کو جمع کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ

فِی الْاَرْضِ" "تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو"۔ اس حدیث کی رُو سے لاکھوں لوگوں نے ان کی امامت کی گواہی دی تھی۔ علماء کی ایک جماعت بعض اصول و فروع کے مسائل میں اختلاف کی وجہ سے ان کے مقابلے میں آئی تھی اور اس سلسلہ میں قاہرہ اور دمشق میں کئی مجلسیں منعقد کی گئیں تاہم اختلاف رکھنے والے علماء میں سے کسی نے بھی ان کے زندیق ہونے یا قتل کا فتوےٰ نہیں دیا حالانکہ حکمران گروہ ان سے سخت تعصّب اور مخاصمت رکھتا تھا یہاں تک کہ ان کو پہلے قاہرہ میں، پھر اسکندریہ میں قید رکھا گیا پھر بھی ان کے علم کی وسعت، زہد، سخاوت و شجاعت اور اسلام کے قیام کے لیے ان کی کوششوں اور پوشیدہ و اعلانیہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کے وہ سب معترف تھے۔ اس کے بعد اس شخص کی بات کو کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے، جو آپ کو کافر کہے یا آپ کو شیخ الاسلام کہنے پر کفر کا فتوےٰ دے، حالانکہ ان کو شیخ الاسلام کہنے میں کفر کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ وہ تو اپنے زمانے میں اسلام کے شیخ المشائخ ہیں۔ جن مسائل میں ان سے اختلاف کیا گیا ہے، ان کی بنیاد خواہشِ نفس نہیں تھی۔ وہ دلیل مل جانے کے بعد اپنی بات پر ضد نہیں کرتے تھے۔ ان کی تصانیف ان لوگوں کے رد سے بھری ہوئی ہیں جو تجسیم کے قائل تھے اور خود اس سے بیزاری ظاہر کی ہے۔ پھر بھی وہ ایک انسان ہی ہیں جن سے خطا و صواب، دونوں سرزد ہو سکتے ہیں وہ زیادہ تر مسائل میں درست رائے رکھتے ہیں، ان سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ اور ان کے سبب ان کے لیے رحم کی دعا کرنی چاہیئے۔ جن مسائل میں ان سے خطا سرزد ہو گئی ہے، ان مسائل کو نہ مانا جائے۔ بلکہ ان کو معذور تصوّر کیا جائے۔ کیونکہ علماء شریعت نے گواہی دی ہے کہ ان میں اجتہاد کی سب صفات موجود تھیں یہاں تک کہ ان کے بدترین دشمن، جو ان کو ہر وقت زک پہنچانے کے لیے تاک میں رہتے تھے یعنی شیخ کمال الدین زملکانی نے بھی اس کی گواہی دی، اور شیخ صدر الدین ابن الوکیل کے سوا کوئی مناظرے میں ان کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ ان کو بھی اس کا اقرار ہے۔

سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اس بزرگ ہستی نے روافض، حلولیہ و اتحادیہ، بدعتی فرقوں کے خلاف سب سے زیادہ جہاد کیا۔ اس سلسلہ میں ان کی تصانیف مشہور و معروف ہیں۔ ان کے فتووں کا تو شمار ہی نہیں۔ جب دشمنوں نے شیخ کی تکفیر سنی ہو گی، ان کے سینوں میں

ٹھنڈک پڑ گئی ہوگی اور ان کے گھروں میں گھی کے چراغ جلے ہوں گے۔ جو شخص علم کے ساتھ کچھ بھی مس رکھتا ہے اور اس کے پاس عقل و فہم کا کچھ بھی حصہ ہے، تو اس پر لازم ہے کہ ان کی مشہور تصانیف کا غور سے مطالعہ کرے، یا قابلِ اعتماد اہلِ نقل کے ذریعے ان کے مسائل کو سمجھے پھر جن مسائل میں اختلاف ہو، ان سے خیر خواہی کی نیت سے درگزر کرے اور صحیح مسائل میں ان کے فضائل کے مطابق تعریف کرے جیسا کہ بہترین علماء کا ان کے ساتھ سلوک رہا ہے۔

اگر شیخ تقی الدین کی عظیم قدر و منزلت کی اور دلیل نہ بھی ہو تو ان کے ایک مشہور اور عظیم شاگرد شیخ شمس الدین بن قیم الجوزیہؒ ہی کافی ہیں جو بہت سی مفید اور مشہور کتابوں کے مصنف ہیں جن سے موافق و مخالف سب مستفید ہو رہے ہیں۔ حنابلہ کے علاوہ ان کے زمانے کے شافعی اور غیر شافعی ائمہ نے بھی ان کے علوم میں پیش رو ہونے اور منطوق و مفہوم میں فرق کو سمجھنے کی شہادت دی ہے۔ اس صورت میں جن لوگوں نے آپ پر یا جو آپ کو شیخ الاسلام کہے اس پر کفر کا اطلاق کیا ہے، وہ قابلِ التفات نہیں ہے اور لائقِ اعتبار نہیں ہے، بلکہ اس کو روکنا لازم ہے یہاں تک کہ وہ حق کی طرف مراجعت کرے اور صواب پر یقین رکھے۔ اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہ راہنمائی کرتا ہے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔"

پھر کہا کہ: "اس کو احمد بن علی بن محمد بن حجر شافعی عفا اللہ عنہ نے ۹ ربیع الاول ۸۳۵ھ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے اور جناب محمد ﷺ پر درود و سلام پڑھتے ہوئے لکھا ہے"۔ ھٰذا آخر کلامہ۔

انصاف پسند ناظرین! اس امام کی گفتگو آپ نے سنی کہ وہ شیخ الاسلامؒ کی طرف سے دفاع کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ آپ خود فیصلہ کیجیے، کیا وہ ان کی تائید میں ہیں یا ان کے مخالف؟ کیا ان کی تعریف کر رہے ہیں یا مذمت؟ اور پھر نبہانی کی تحریف کو نگاہ میں رکھیں، اس نے وہی عبارت نقل کی ہے، جو اس نے بزعمِ خویش اپنے لیے مفیدِ مطلب سمجھی، اور جو اس کے منہ میں پھنسی ہوئی تھی، اس کو ترک کر دیا۔ اپنی ضلالت و خواہش اور باطل کی ترویج کے لیے اس کو یہ سب پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔ جب آپ ان سب حالات سے واقف ہو گئے ہیں، تو خدا لگتی کہیے کہ ایسا جاہل اور بندۂ نفس شخص، جو ایسی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے، جو علماء و محققین تو درکنار، عام طالبِ علم سے بھی مخفی

نہیں ہے، اس لائق ہے کہ اس کو لوگوں کے مالوں، عزتوں اور جانوں کے متعلق فیصلے کرنے کا عہدہ دیا جائے۔ جس نے اس غبی اور جاہل کو عہدۂ قضا دیا وہ کتنا خسارے میں ہے!

اعتراض ـــــــــ نبہانی نے کہا ”ان کی مذمت کرنے والوں میں سے سید صفی الدین حنفی بخاری نزیل نابلس بھی ہیں۔ انہوں نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے اس کا نام ہے ”القول الجلی“ فی ترجمۃ الشیخ تقی الدین بن تیمیہ الحنبلی“۔ اس میں آپ کے مناقب اور علماء نے ان کی جو تعریفیں لکھی ہیں، بیان کی ہیں۔“ آگے چل کر کہا: ”صفی الدین نے اپنی اس کتاب میں واضح طور پر کہا ہے کہ ابن تیمیہؒ اجتہاد کے درجے پر فائز تھے اور وہ کبھی کسی منکر مسئلے میں منفرد نہیں رہے۔ انہوں نے کئی مسائل میں ائمہ اربعہؒ سے بھی اختلاف کیا ہے اور ان میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ ان کے موافق ہیں۔ بے مزا مسئلہ جو اُن سے سرزد ہوا وہ قبرستان کی زیارت سے ممانعت ہے اس سے پہلے ”ابانہ صغریٰ“ میں ابوعبداللہ بن بطہ حنبلی نے یہی بات کہی۔“ پھر صفی الدین نے اپنی کتاب کے ایک مقام میں کہا ہے ”اگر تم کہو اس جزء میں جو کچھ آپ نے نقل کیا ہے، اس سے شیخ کی ان کی طرف منسوب شدہ باتوں سے برأت ہوتی ہے تو جو کچھ علی قاری، تقی حصنی اور ابن حجر ہیتمی وغیرہ نے قابل نفرت امور ان کی طرف منسوب کئے ہیں، ان کا کیا ہوگا؟ تو میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے، دھیان سے سمجھو کہ ابن تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) علم و فضل اور حفظ سنت میں ایک مشہور ہستی تھے۔ وہ اثبات کے مذہب میں مبالغے کی حد تک پہنچے ہوئے تھے۔ وہ تاویل کو بہت برا جانتے تھے وہ اہل حدیث، فقہاء اور متکلمین کے طریقے پر وحدت الوجود اور اس طرح کے دوسرے مسائل میں صوفیہ کا خوب رد فرماتے تھے۔ انہوں نے شیخ محی الدین ابن العربی اور شیخ عمر بن فارض اور عبدالحق بن سبعین اور اسی طرح کے دوسرے لوگوں کا رد لکھا۔ انہوں نے بعض فروعی مسائل میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سے اختلاف کیا ہے۔ مثلاً مسئلہ زیارت اور مسئلہ طلاق۔ وہ ان مسائل میں مناظرہ کرتے تھے۔ کچھ لوگ ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور حسد و بغض کا مظاہرہ کرنے لگے۔ اور ان کی طرف سے ایسے مسائل کو شہرت دی، جو انہوں نے نہیں کہے تھے مثلاً تشبیہ و تجسیم وغیرہ۔ اس سے بعض حنفی اور شافعی اہل علم بھی متاثر ہوگئے۔ انہوں نے آپ کی مشہور کتابوں سے تحقیق کی ضرورت نہ سمجھی، صرف سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر لیا۔ اس کے بعد بہت سے واقعات پیش آئے۔

بہت سے اہلِ علم وفضل کو اس قسم کے واقعات کا سامنا کرنا پڑا ہے"۔

پھر اس نے کہا، "لوگوں نے شیخ کی بعض باتوں کو ناپسند کیا۔ ان کے جواب کے ذکر اور عذر پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں، اعتراض یہ ہے کہ وہ زیارتِ قبور کے سفر کی حُرمت کے قائل ہیں اور اس میں انہوں نے اجماع کے خلاف کیا ہے"۔ صفی الدین نے کہا، "وہ اس میں سخت خطا پر ہیں لیکن اتنی بات پر کافر کہنا تو کجا فاسق کہنا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ بات ایک شبہے کی بنا پر ان سے صادر ہوئی ہے۔ اگرچہ وہ ہمارے نزدیک خطا ہے"۔

——— "اسی طرح اور علماء نے بھی ان کی تعریف کی ہے اور مسائل میں ان کی فاش غلطی کا ذکر کیا ہے، جس میں انہوں نے اجماع کے خلاف کیا ہے"!

الجواب

نبہانی کی یہ بات بھی پہلے کی طرح ہے۔ سید صفی الدین حنفی علیہ الرحمۃ نے "القول الجلی فی ترجمۃ الشیخ تقی الدین ابن تیمیہ الحنبلی" کے نام سے ایک کتاب تالیف فرمائی ہے، جس میں بڑے اونچے درجے کے علماء کے اقوال ان کی تعریف و توصیف میں ذکر کئے ہیں، اور ان کی طرف سے دفاع کیا ہے اور اختیارات جو ان کی طرف منسُوب ہیں، ان کے شافی جواب دیئے ہیں، ان سے بہتر جوابات نہیں دیئے جا سکتے۔ انہوں نے اپنی کتاب کے خطبے میں کہا: "حمد و صلوٰۃ کے بعد، یہ ایک ہلکا پھلکا اور خوش کن رسالہ ہے، جس میں شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے لیے برکت، زاہدوں کا اونچا نشان بندوں میں سے ایک ممتاز ہستی، سید الحفاظ، معانی و الفاظ کے شہسوار تقی الدین ابوالعباس کا ترجمہ و تعارف مذکور ہے، اور ان کے نسب کا ذکر ہے"۔ یہاں تک کہ کہا "ابن تیمیہ حرانی نزیل دمشق رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق علماء و فقہا کا جو کلام جمع ہے، میں نے ان کو مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ ثواب کی امید سے اور احباب کے نفع کے لیے"۔

بانصاف ناظرین! دیکھیے بڑے درجے کے جاہل نبہانی نے سید صفی الدین کا ذکر ان لوگوں میں کیسے کیا، جنہوں نے شیخ ابن تیمیہ کا رد لکھا، حالانکہ ان سے وہ باتیں منقول ہیں، جن سے اس کی عمارت دھڑام سے نیچے آ گرتی ہے۔ یہ بھی اس کے منصب کے مطابق من جملہ ان احکام سے

ہے جن کا فیصلہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بغیر کرتا ہے خدا اس کو غارت کرے، وہ باطل اور بندگی نفس کے ساتھ کتنا زیادہ شغف رکھتا ہے۔ جو عبارت اس نے نقل کی ہے، وہ نامکمل اور تحریف شدہ ہے۔ سید صفی الدین کی کتاب موجود ہے۔ اس کے نقل کرنے کی تکلیف کی ضرورت نہیں، ہم نے اس سے قبل بار بار لکھا ہے کہ علماء کا ایک دوسرے کا رد لکھنا اس کا ثبوت نہیں کہ جس کا رد لکھا، اس سے مقصد جرح و قدح، یا بدعتی بنانا یا کسی لحاظ سے فاسق کہنا ہے! ــــ فخر الدین رازی کو دیکھو انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے رد سے اپنی تفسیر بھر دی ہے اور ان کے خلاف بے ہودہ باتوں کی بھرمار کر دی ہے۔ اس سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کون سا طعن ہوا ہے؟ بعض علماء مالکیہ نے امام شافعیؒ پر اتنے اعتراضات کئے ہیں کہ اس سے زائد کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا مگر اس سے ان کا کون سا نقصان ہوا؟ اس طرح اور بھی بہت سی باتیں ہیں، جن کی یہاں گنجائش نہیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ ہم تسلیم کر لیں کہ شیخ صفی الدین نے شیخ کا رد کیا ہے۔ جب انہوں نے رد کیا ہی نہیں، تو پھر؟

اعتراض

نبہانی نے کہا: شیخ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کرنے والوں میں سے حافظ عماد الدین بن کثیر شافعیؒ ہیں پھر سیّد صفی الدین کی کتاب سے ان کی ایک عبارت نقل کی ہے جس میں حافظ ابن القیمؒ کی تعریف کی گئی ہے۔ آگے چل کر کہا، ہاں ان کو مسئلہ طلاق میں شیخ ابنِ تیمیہؒ کے ساتھ موافقت اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے خلاف کی بنا پر مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ اس میں منفرد نہیں جیسا کہ وہ اپنے مقام پر بیان کیا گیا ہے وہ اگرچہ فاش خطا ہے لیکن تفسیق کا باعث نہیں بن سکتی۔ انتہیٰ۔

جواب

اس نے حسبِ معمول اپنے مطلب کی عبارت نقل کی ہے۔ سید صفی الدین نے علماء کے اقوال شیخؒ کی مدافعت کے لیے ذکر کیے ہیں۔ نبہانی ان کو نقل کر کے الٹا نتیجہ نکالتا ہے۔ وہ ان اقوال کو ان کے رد کا ذریعہ بناتا ہے۔ پھر اس نے بلقینی، امام سیوطی اور کنربری، شیخ علی القاری، خفاجی، ابنِ اسحق مالکی، زرقانی، صفدی اور مناوی کے کلام کو بزعمِ خود شیخ کے رد میں ذکر کیا ہے حالانکہ جن کا اس نے ذکر کیا ہے، ان میں سے اکثر ان کی تعریف و توصیف کرنے والے ہیں اور ان سے گہری محبت

رکھنے والے ہیں۔ ان کا نقل کردہ کلام اس پر شاہد ہے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بعض کے کلام میں شیخ کے مرتبے کو گھٹایا گیا ہے تو یہ اس کا تعصب اور اپنے بڑوں کی تقلید اور نا انصافی ہے ہم ان کی عبارتیں نقل کر کے اور اس پر گفتگو کر کے وقت، قوت اور صلاحیت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔

اعتراض

نبہانی نے کہا اُن میں سے ایک ہمارا ساتھی، عالمِ باعمل کامل شیخ مصطفےٰ بن احمد شطی حنبلی دمشقی ہے۔ اس نے ایک خاص رسالہ "النقول الشرعیہ فی الرد علی الوہابیہ" کے نام سے تالیف کیا اور اس کا اختتام ایک خاتمے پر کیا ہے جس میں ہمارے پیشوا صوفیوں کے مذہب کی تائید ہے اس نے طبع کرا کر اس کو شائع کر دیا ہے۔ اس نے مقالہ اولیٰ جس میں اجتہاد پہ بحث کی ہے، میں کہا ہے: "اس میں شک نہیں جو شخص اس زمانے میں اس کا مدعی ہے، اس میں بہتان کی علامت موجود ہے جیسا کہ ایک شاذ فرقے کا دعویٰ ہے جو اپنے آپ کو حنبلی کہتا ہے" آگے چل کر کہتا ہے "کبھی وہ اجتہاد کے دعوے کا انکار کرتے ہیں اور بس شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ (رحمہ اللہ) کی عبارت کو دلیل بناتے ہیں حالانکہ امامِ مذکور بہت سے مسائل میں منفرد ہونے کی وجہ سے حنبلی مذہب سے نکل گیا ہے اور اجتہادِ مطلق کے لیے تیار ہو گیا مگر اس کے مذہب کے طور پر مسائل مدون نہیں کیے گئے جیسا کہ مذاہب اربعہ کے مسائل کے فروع مدون ہو چکے ہیں"۔

پھر کچھ مسائل ذکر کیے ہیں ——— آگے چل کر کہتا ہے: "اس نے مقالہ رابعہ میں انبیاء علیہم السلام و اولیاء رحمہم اللہ اور صالحین کے ساتھ توسّل و استغاثہ اور استشفاع کا جواز، ان کی زندگی میں اور موت کے بعد ثابت کیا ہے اور اس پر کتاب و سنّت سے دلائل دیئے ہیں۔ الخ!"

جواب

"ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" مشہور کہاوت کے مطابق ہر اس بات سے دلیل لیتا ہے، جو اس نے سنی ہو اور وہ اس کی خواہش کے مطابق ہو چاہے وہ لڑکوں اور بچوں کی بات ہو۔ اس طرح وہ اپنی کتاب کا حجم بڑھا کر اپنے جیسے جاہلوں پر رُعب جمانا چاہتا ہے۔ یہ شیخ مصطفےٰ

کس باغ کی مولی ہے کہ اس کی بات کو جرح و تعدیل کے باب میں دلیل بنایا جاتے ؟ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے مذہب حنابلہ کی طرف نسبت رکھنے کی وجہ سے اس کی بات قبول کر لی جائے گی؟ اور اس کی نقل پر اعتماد کیا جائے گا ؟ کیا یہ ضروری ہے کہ جو کوئی امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہو، وہ سبکی اور ابن حجر مکی اور دوسرے غالیوں کی مانند ہو ؟ نہیں اللہ کی قسم ان میں ہادی و مہدی علماء اور منصف، فاضل علماء ہیں اسی طرح ہر مذہب میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ لوگ کانوں کی مانند ہیں ؎

وما کل مخضوب البنان بثینة ولا کل مصقول الحدید یمانی

"ہر رنگے پوروں والی "بثینة" نہیں، اور ہر چمک دار لوہا یمانی تلوار نہیں"۔

اس نے جو اپنے ایک ساتھی سے نقل کیا ہے، ہماری بحث میں اس کی کوئی حیثیت نہیں اس نے انقطاع اجتہاد کے مسئلے کا ذکر کیا ہے۔ اس کا جواب ہم کتاب کے شروع میں دے چکے ہیں، اس میں کسی اضافے کی ضرورت نہیں۔ اس نے شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے بارے میں جو نقل کیا ہے، وہ حق ہے۔ ان کے مجتہد مطلق کے منصب پر فائز ہونے کو کئی اکابر علماء نے بیان کیا ہے۔ رہی بات استغاثہ اور توسل کی، تو ہم اس کے بطلان کو بالتفصیل ثابت کر چکے ہیں۔ صوفیاء کی تعریف و توصیف کے بارے میں اس نے واضح نہیں کیا کہ وہ کس لحاظ سے کس قسم کے صوفیوں کی تعریف و توصیف تھی ؟ جو صوفی حضرت جنید رحمۃ اللہ اور ان جیسے دوسرے صوفیوں کے طریقے پر ہو، وہ تعریف و توصیف کا اہل ہے لیکن جو صوفی وحدت الوجود کا قائل ہو اور شریعت کے خلاف باتیں کرتا ہو، اس کی تعریف سے ربّانی علماء نے ہمیشہ انکار کیا ہے۔ اس نے اپنے ساتھی سے جو کچھ نقل کیا ہے، وہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ پر رد کرنے والوں کے ذکر سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ "کتاب النقول الشرعیہ" کا جواب علماء اہل سنت کی طرف سے آچکا ہے۔

اعتراض — ان میں سے شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی ہے وہ دین کی حمایت اور مسلمانوں پر شفقت کی وجہ سے ابن تیمیہؒ کا سب سے سخت رد کرنے والا ہے کہ کہیں اس کی فاش غلطیاں ان میں سرایت نہ کر جائیں۔ بالخصوص سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحبہ اجمعین

کے بارے میں جو شخص بنظرِ انصاف دیکھے گا' وہ گواہی دے گا کہ امام ابنِ حجر ولی اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو وہابی فرقے کے ان بڑے بڑے نقصانات سے مطلع فرما دیا تھا جو مستقبل میں ابنِ تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے اقوال پر مرتب ہونے والے ہیں کیونکہ اس فرقے کے عقائد کی بنیاد اور فساد کی اساس وہی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے لیے جو عظیم نقصانات اس کی وجہ سے سامنے آئے' بالخصوص حرمین شریفین اور جزیرہ عرب میں' وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ قوی احتمال ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے امام ابنِ حجر کو کرامت کے طور پر اس پر مطلع فرما دیا ہو۔ وہ اس کے اہل بھی تھے۔ وہ (رضی اللہ عنہ) باعمل اکابر علماء اور ہادی و مہدی ائمہ میں سے تھے ان کی مفید کتابوں سے دنیا بھری ہوئی ہے۔ انہوں نے امتِ محمدیہ کی وہ خدمت کی ہے کہ اب تک کوئی اس میں ان کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ سب اسلامی علاقوں اور خطوں میں عوام و خواص ان سے مستفید ہوئے ہیں ایسی شخصیت سے مستبعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو غیب کی باتوں پر مطلع فرما دے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ابنِ تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی اتباع میں فرقہ وہابیہ نے شریعتِ محمدیہ اور ملتِ اسلامیہ کو بڑے بڑے نقصان پہنچائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابنِ حجر نے ابنِ تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی بدعات کا سختی سے انکار کیا اور اس کا سخت عبارتوں میں رد کر کے مسلمانوں پر مہربانی کی' اور دینِ مبین کی حمایت فرمائی۔ اس سلسلہ میں اس کی کتابوں میں بہت سی عبارات ہیں' خاص طور پر فتاویٰ حدیثیہ میں۔ ان کو نقل کرنے کی یہاں ضرورت نہیں جو چاہے وہ اس کی کتابوں اور فتاویٰ کی طرف مراجعت کرے۔"

جواب ____ ہم قبل ازیں اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر افترا باندھنے والے نبہانی کے بارے میں ذکر کر چکے ہیں کہ وہ بری اور رُسوا کن صفات سے متصف ہے۔ وہ گستاخ و بے ادب ہے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے شرم نہیں آتی' وہ جھوٹ کہنے میں ذرا نہیں شرماتا' اس کو اپنی رسوائی کی بھی پرواہ نہیں' اس کی برائیوں کا حال یہ ہے' جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

مُسَاوٍ لَوْ قُسِمْنَ عَلَى الْغَوَانِيْ لَمَا اُمْهِرْنَ اِلَّا بِالطَّلَاقِ

"برائیاں اگر خوبصورت عورتوں پر تقسیم کر دی جائیں' تو وہ طلاق ہی کو اپنا مہر مقرر کریں۔"

لطف یہ ہے کہ اپنی بے خبری کا اس کو احساس تک نہیں۔ کوئی بات اور ملامت کا

کوئی تیر اس پر اثر انداز نہیں ہوتا وہ تو متنبی کے اس شعر کا مصداق ہے ؎

من یھن یسھل الھوان علیہ — مالجرح بمیت ایلام

"جب کوئی شخص ذلت کو اپنا لیتا ہے تو وہ اس کے لیے آرام دہ ہوتی ہے جس طرح مردے کو زخم سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔"

وہ اپنے باطل کا بار بار اعادہ کرتا ہے اور اپنی بات کو بار بار دہراتا ہے۔ ان مسائل کا جواب اونچے درجے کے علماء دے چکے ہیں اور ملامت کے تیروں سے اس کو چھلنی کر چکے ہیں مگر اس پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوا گویا اس نے کوئی جواب سنا ہی نہیں وہ تو اپنے غلط مسائل کو آسمانی وحی سمجھتا ہے وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ [1] الآیۃ!

"پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور پتھر تو بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے نہریں نکلتی ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی برائی کرنے اور ان کو گالی گلوچ کرنے پر اس سے عدل و انصاف کا معاملہ کرے۔ اس کے کلام کو نبہانی نے بیان کیا ہے کہ "وہ اس پر سب سے زیادہ اور سخت رد کرنے والا ہے" اس کی بجائے وہ یہ الفاظ کہتا تو مناسب تھا کہ "وہ ایمانداروں کا سب سے بڑا دشمن تھا" اس نے اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کو، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے والوں کو اور سنت مطہرہ اور روشن شریعت کے خادموں کو جی بھر کر گالیاں بکی ہیں۔ ہمارے زمانے میں اور اس سے پہلے بھی بعض اہل علم نے اس کی تردید کی ہے۔ اس کی ردی اور غلط باتوں کو طشت از بام

---

[1] البقرۃ: ۷۴

کیا ہے، اس کے کذب و افتراء اور نقل میں خیانت اور عبارتوں میں ہیر پھیر اور دوسرے غلط امور کو واضح کیا ہے اور اپنے قلموں کے تیروں سے اس کے اباطیل کے تانے بانے کو تار تار کیا ہے، اور اس کی ملمع سازی کو نمایاں کیا ہے کہ اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے اسکے غالی اسلاف کی تردید بھی اسی طرح کی ہے۔ ان کی کتابیں متداول و مشہور ہیں۔ وہ عقل و فہم اور غور و فکر رکھنے والوں اور ہدایت کے طالبوں کے لیے کافی ہیں۔

مردہ دل، بلید الطبع، جامد ذہن نہمانی اپنے پیشواؤں اور اسلاف کے کلام کو آسمانی شریعت اور قابلِ اتباع دین سمجھتا ہے۔ بے شک اہلِ جاہلیت کا یہی طریقہ تھا۔ "مسائل الجاہلیۃ التی أبطلہا الاسلام" کی شرح میں علامہ ابو عبد اللہ شیخ محمدؒ فرماتے ہیں:

مسائلِ جاہلیت، جن کو اسلام نے باطل کیا، کا ایک مسئلہ فاسق اہلِ علم اور جہال و عباد کی اقتدار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے خبردار کیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۔ الآیۃ!"[1]

"مومنو! بہت سے عالم اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔"

"قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔"[2]

"کہو اے اہلِ کتاب! اپنے دین کی بات میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے مت چلو جو خود بھی پہلے گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔"

اور دوسری آیات، جو بانگِ دہل اعلان کر رہی ہیں کہ فاسقوں اور گمراہوں کی اقتدا باطل ہے۔ یہ اہلِ جاہلیت کا ٹیڑھا اور ردی طریقہ ہے۔

اور اہلِ جاہلیت کا ایک غلط قاعدہ یہ ہے کہ وہ عقل اور دلیلِ صحیح کے ساتھ فیصلہ کرنے کی بجائے گزشتہ زمانوں کے طور طریقوں کو دلیل بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قاعدے کو باطل ٹھہرایا

---

[1] التوبۃ: ۳۴ ۔ [2] المائدۃ: ۷۷

اور فرمایا :

"قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوسٰى ۝	"اس نے کہا "اے موسیٰ! تمہارا رب کون ہے؟"
قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى	فرمایا "ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس
كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝	کی شکل و صورت دی - پھر ہدایت بخشی" اس
قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝	نے کہا "پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے"؟ فرمایا "ان
قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا	کا علم میرے پروردگار کو ہے - کتاب میں ؛ نہ
يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝ الَّذِيْ	وہ بھولتا ہے اور نہ چوکتا ہے - وہ کہ جس
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ	نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا اور اس میں
لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ	راستے چلائے اور آسمان سے پانی برسایا پھر
فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ	اس سے انواع واقسام کی نباتات پیدا کی -

شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ : ۴۹-۵۴ "خود بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ"

"فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى	"جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس کھلی نشانیاں
بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ	لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ "یہ تو جادو ہے،
اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا	جو اس نے خود بنا لیا ہے - ہم نے تو اپنے
بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَالَ	پہلے باپ دادا سے یہ نہیں سنا" موسیٰ علیہ السلام
مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ	نے فرمایا "میرا رب خوب جانتا ہے جو اس کی
جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ	طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور جس شخص
وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ	کے لیے عاقبت کا گھر (جنت) ہے - بیشک
اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝" (قصص ۳۶-۳۷)	ظالم نجات نہیں پائیں گے"
"وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى	"اور ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف
قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ	بھیجا تو انہوں نے کہا "اے قوم! اللہ تعالیٰ ہی
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَقَالَ	کی عبادت کرو - اس کے سوا تمہارا کوئی معبود
الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ	نہیں کیا تم ڈرتے نہیں"؟ تو ان کی قوم کے

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ[1] وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ"۔[2]

کافر سرداروں نے کہا "یہ تم جیسا ہی انسان ہے۔ تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرشتے نازل فرما دیتا۔ ہم نے تو یہ اپنے باپ دادا سے نہیں سُنا۔ اس آدمی کو دیوانگی کا عارضہ ہے۔ اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو۔"

"اور ان میں جو معزز تھے، وہ چل کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے "چلو اور اپنے معبودوں پر قائم رہو۔ یہ ایسی چیز ہے جس سے شرف و فضیلت مقصود ہے۔ یہ پچھلے مذہب میں ہم نے کبھی سنی نہیں۔ یہ بالکل من گھڑت بات ہے۔"

انہوں نے اپنی دلیل کی بنیاد اس کو بنایا کہ رسولوں کی شریعتوں کو ان کے بزرگوں نے قبول نہ کیا تھا۔ ان کے ذہنی جمود اور بدفہمی کا اندازہ کر لیجئے۔ اگر ان کی آنکھیں ہوتیں، جن سے وہ دیکھتے اور ان کے کان ہوتے، جن سے وہ سنتے، تو حق کو دلیل کے ذریعے قبول کر لیتے۔ بلا دلیل کو انہوں نے قبول کر لیا۔ یہی صورتِ حال ان کے جانشینوں اور ان کے نائبوں کی ہے۔ ان کے دل ایسے جیسے ہیں۔

"شرح مسائل الجاہلیت" میں جن لوگوں کا ذکر ہے، نبہانی انہی میں سے ہے۔ اس نے پورا پورا جاہل ہونے کے باوجود ایک کتاب تالیف کی۔ اس میں ایسے مباحث کو چھیڑا، گویا وہ ان کے جواب کو اور ان کے باطل ہونے کو جانتا ہی نہیں۔ اس نے جھوٹ اور بہتان اور ہذیان سے اس کو بھر دیا ہے۔ اور ان لوگوں میں شامل ہو گیا ہے، جو قیامت کے روز کہیں گے:
"کاش! ہم دنیا میں سنتے اور سمجھتے، تو آج دوزخیوں میں شامل نہ ہوتے۔"

---

[1] المؤمنون ۲۳ - ۲۵ [2] ص : ۶، ۷

پھر بھی ابن حجر سے جو کچھ اس نے نقل کیا ہے، ہم اس پر گفتگو کریں گے۔ مجمل و مفصّل دو جواب دیں گے۔

مجمل جواب

ابن حجر سے منقول باتوں سے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ کہ وہ ان کا سخت جھگڑالو اور بدنام دشمن ہے، جیسا کہ اس کی گالیوں اور لعنت وغیرہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی بعض عبارتیں ایسی گندی ہیں کہ وہ اعداء اللہ یہود اور دوسرے اعداء دین کے حق میں کہنی بھی مناسب نہیں ہیں اور یہ مناظرے کے اصول کے بھی خلاف ہے۔ مناظرے سے مقصود تو حق و صواب کا اظہار ہوتا ہے۔ سبکی نے تعصّب کی بناء پر ہی بدگوئی کی ہے۔ بعض شافعی لوگ شافعیوں کی اہل جاہلیت کی طرح اندھا دھند حمایت کرتے ہیں، اگرچہ ظلم پر ہو۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ تَعَزّٰی بِعَزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ فَاعضوه بهن ابيه ولا تكنوا"	"جو شخص جاہلیت کے کام کی طرف نسبت کو پسند کرے، اس سے کہو باپ کی شرمگاہ دانتوں سے کاٹے اور کنایہ نہ کرو۔"

"شرح المسائل التی أبطلها الاسلام" میں ہے کہ اہل جاہلیت کی خصلت یہ ہے کہ وہ حق کو قبول کرنے کی بجائے اپنے گروہ کی بات کو قبول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ	"جب ان سے کہا جاتا ہے" اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی" تو کہتے ہیں" جو کتاب ہم پر نازل ہو چکی ہے، ہم اسی پر ایمان لاتے ہیں" اور اس کے سوا سے وہ کفر کرتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے۔ اس کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے۔ کہہ دو اگر تم مومن ہو تو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو

مُؤْمِنِیْنَ ؕ" قتل کیوں کرتے تھے؟"

یہود کا حاسدانہ رویّہ

"نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ" کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم تورات پر اور جو تورات کے حکم میں اور اس کی تائید میں نازل ہوا اُسی پر ایمان رکھتے ہیں۔ "عَلَیْنَا" میں متکلّم کی ضمیر سے مراد انبیاءِ بنی اسرائیل ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن پر ان کا ایمان نہ لانا حسد اور ضد کی بنا پر تھا کہ جس پر قرآنِ مجید اترا ہے وہ ان میں سے نہیں ہے اور "انزال علیھم" کا معنیٰ ان کو منزّل احکام کا مکلّف اور پابند بنانا ہے۔ اس بات میں وہ تعریضاً قرآنِ حکیم کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہود کی خفیہ دشمنی اور سازشیں مشہور ہیں۔ یا انہوں نے امرِ مطلق عام کو خاص کر لیا اور اس سے اُس پر ایمان مراد لے لیا جو ان پر اتارا گیا ہے۔ تاویلِ کتاب میں ان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ اس سے ہمیشہ اپنا مطلب و مقصد ہی مراد لیتے ہیں۔

"یَکْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ" کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس کے ساتھ کفر کے مرتکب ہوتے ہیں، یعنی قرآن، وہ اس کے حق ہونے کو جانتے ہیں۔

"مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ" کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں ایک دوسرے کی لازماً تصدیق کرتی ہیں۔

"نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا" جس شخص نے تورات سے موافقت رکھنے والی کتاب کی تصدیق نہ کی، تو اس نے تورات کی تصدیق بھی نہ کی۔

"قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِیَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا اُن کو ڈھیٹ کرنے اور شرم دلانے کے لیے ان سے کہہ دیجیے کہ "تورات پر ایمان رکھنے کے بعد انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا جائز نہیں تھا جب تم

لہ البقرۃ: ۹۱

نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا تو ثابت ہوا تمہارا تورات پر بھی ایمان نہیں ہے۔

اور فرمایا اہل جاہلیت کے باطل امور میں سے ایک مذہبی تعصب، اور حق کی مزاحمت کے لیے اس کا وقتی اقرار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ [1]

"اہل کتاب ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ جو کتاب مومنوں پر اتری ہے اس پر دن کے شروع میں ایمان لاؤ اور اس کے آخر میں انکار کر دو تاکہ مسلمان برگشتہ ہو جائیں اور اپنے دین کے پیروؤں کے سوا کسی پر ایمان نہ لانا کہہ دو کہ ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت ہے اور یہ بھی نہ ماننا کہ جو شریعت تمہیں ملی ہے، ویسی کسی اور کو مل سکتی ہے، یا تم سے تمہارے رب کے سامنے جھگڑا کر سکیں گے۔ کہہ دو کہ فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کشائش والا فضل والا ہے۔"

حسن اور سدی دونوں مفسّرین فرماتے ہیں کہ "خیبر اور عرینہ کی بستیوں میں سے بارہ یہودی عالم جمع ہوئے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ دن کے شروع میں دلی اعتقاد کے بغیر، محض زبانی محمد ﷺ کے دین کا اقرار کر لو، اور دن کے اخیر میں انکار کر دو اور بتاؤ کہ ہم نے اپنی کتابوں میں غور کیا ہے اور اپنے علماء سے مشورہ کیا ہے۔ آخر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ محمد ﷺ نبی نہیں ہیں۔ ہمارے سامنے اس کا جھوٹ اور اس کے دین کا باطل ہونا کھل گیا ہے۔ تمہارے اس

---

[1] آلِ عمران: ۷۲-۷۳

طرزِ عمل سے مسلمان بھی اپنے دین میں شک میں پڑجائیں گے اور کہیں گے کہ اہلِ کتاب ہم سے زیادہ عالم ہیں۔ انہوں نے جو تحقیق کی ہے اور جو نتیجہ نکالا ہے، وہ درست ہے پھر وہ اپنا دین چھوڑ کر تمہارے دین میں داخل ہوجائیں گے۔" انتہیٰ۔

اس سے کسی کو مجالِ انکار نہیں کہ ابنِ حجر مکی قبروں میں بہت غلو کرتا ہے اور صوفیائے کے جھوٹے اقوال کا قائل ہے اور ان کی بدعات کی ترویج میں کوشاں ہے اس کی کتابیں اکاذیب سے بھری پڑی ہیں۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اس ٹیڑھی راہ چلنے والے فرقے کے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکام بیان فرمائے ہیں اور شریعت کا پیش کردہ قولِ حق کا ذکر کیا ہے۔ اس پر ہر وہ شخص یقین کرلے گا جو اس کو دھیان سے سُنے گا۔ یہ ہر شخص کے نزدیک مسلّم ہے۔ یہاں تک کہ آپ کے مدِمقابل کے نزدیک بھی!

حافظ ذہبی کو ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے شیخ تقی الدین کے حق میں "شیخ الاسلام" رحمہ اللہ کا لفظ استعمال کرنے پر گرفت کی ہے، ابوالحسن سبکی نے یوں لکھا: "جناب کا شیخ کے حق میں ارشاد، لیکن میرے نزدیک وہ ایک حقیقت ہے۔ ان کے مرتبے کی عظمت اور ان کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، شرعی اور عقلی علوم میں ان کی وسعت، ان کی زود فہمی اور محنت اس درجہ کی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ میں ہمیشہ سے اس کا قائل رہا ہوں۔ ان کی قدر و منزلت میرے دل میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ان خوبیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے زہد و ورع، دیانت، حق کی مدد اور اس کے لیے پُرخلوص کوشش کرنا اور سلف کے طریقوں کو اپنانا اور ان پر پوری طرح عمل پیرا ہونا، وہ اعلیٰ صفات ہیں جو ان میں جمع فرمادی ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس زمانے میں، بلکہ دوسرے زمانوں میں بھی ایسا شخص شاید ہی مل سکے۔" انتہیٰ۔

الغرض ابنِ حجر نے جو جو اعتراضات شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ پر کیے ہیں، وہ اسی پر وارد ہوتے ہیں۔ کچھ اعتراضات تو محض شیخ پر افترا ہیں۔ بعض ایسے مسائل پر ہیں، جو قطعی دلائل سے مدلل ہیں۔ اور بعض اعتراضات ایسے مسائل پر ہیں جن میں وہ منفرد نہیں، بلکہ ان کے ساتھ مجتہدین کی ایک جماعت ہے۔ ابنِ حجر کی بے سوچی سمجھی باتوں کی دین میں کوئی حیثیت نہیں۔ اس کی بنیاد خواہشِ نفس سے گہری محبت اور اس کی پیروی ہے۔ نبہانی وغیرہ نے جو اس کے اعتراضات نقل

کئے ہیں سب اسی پر پڑتے ہیں۔

مفصّل جواب

نبہانی نے ابن حجر کے بارے میں جو یہ کہا ہے کہ "وہ شیخ کی سب سے زیادہ تردید کرنے والا ہے اور اس کی وجہ دین کی حمایت اور مسلمانوں پر شفقت ہے"۔ ان دو جملوں میں سے ایک سچّا اور دوسرا جھوٹا ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ "وہ سب سے زیادہ شیخ کی تردید کرنے والا ہے" بالکل درست ہے۔ اس کا سبب ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ بدعات سے اس کی محبّت اور سننِ نبویہ ﷺ سے نفرت ہے۔ جو شخص ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتب کا مطالعہ کرے گا وہ ان میں دینِ خالص اور مسائل کو کھرے سونے کی طرح پائے گا اور سمجھ لے گا کہ شیخ رحمہ اللہ سنّت کے بڑے مشتاق اور شریعت کے بڑے محافظ تھے۔ وہ اعداءِ دین اور سنّت سے مخاصمت رکھنے والوں پر برقِ خاطف تھے اور رسولِ اکرم ﷺ سے گہری محبّت رکھتے تھے۔ جو شخص "الصارم المسلول" کی بعض فصلوں کا مطالعہ کرے گا وہ ہماری تائید پر مجبور ہوگا۔

ابنِ حجر کا عمل و کردار اس کے سراسر خلاف ہے۔ آپ اس کی کتابوں میں دیکھیں گے کہ وہ بدعات کو رواج دیتا اور بدعت اور بدعتیوں کی طرف سے مدافعت کرتا اور اتباعِ سنن کی مخالفت اور اہلِ حدیث کے ساتھ سخت دشمنی کرتا نظر آئے گا۔ اس کے جی میں جو آتا ہے شیخ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ اس کی زبانِ قلم جھوٹ و افتراء پر خوب چلتی ہے۔ اس کے فتاویٰ حدیثیہ جس کو "فتاویٰ بدعیہ" کہنا مناسب ہے، ابنِ تیمیہؒ پر ظلم و زیادتی سے بھرا ہوا ہے۔ شیخ الاسلام تقی الدینؒ کی کتابوں کی اشاعت سے پہلے کئی لوگ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں ابن حجر کی نقل کو درست اور سچا سمجھتے تھے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی کتابوں کی اشاعت کے بعد ہر صاحبِ نظر کے سامنے ابنِ حجر کا کذب و افتراء واضح ہو گیا ہے اور اس کا اعتبار اُٹھ گیا ہے۔ مگر جس سادہ لوح کی نگاہِ بصیرت ہی سلب ہو گئی ہو اس کی بات دُوسری ہے۔

اس سے دوسرے جملے میں نبہانی کا کذب ظاہر ہو گیا ہے کہ اس کا ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

کے افکار سے انکار دین پر شفقت کی وجہ سے تھا بلکہ اگر وہ انصاف کرتا تو یوں کہتا کہ اس کا انکار بغض دین کی وجہ سے تھا۔ اس نے لوگوں کو بدعات اور خواہش پرستی کا شوق دلایا اور سنّت کی کتابوں اور سنّت کی حمایت کرنے والے اہلِ سنّت کی محبّت سے لوگوں کو بچنے کی تاکید کی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے ردّی اقوال کی وجہ سے فریب زدہ شخص جہالت اور گمراہی کے اندھیروں میں پڑا رہے گا۔ کوئی کلام یا ملامت کا کوئی تیر اس پر کارگر نہیں ہوگا۔

لیکن جس شخص کو کتبِ سنّت خصوصاً شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی کتب کے مطالعے کی توفیق ملی ہے، آپ دیکھیں گے کہ اس سے تعصّب کے پردے چاک ہوگئے ہیں اور وہ دلیل کا قائل ہوگیا ہے۔ اہلِ سنّت اور بدعتی میں یہی بنیادی فرق ہے۔ بدعتی نصوص اور دلائل کو توڑ مروڑ کر اپنی ہوائے نفس کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اہلِ سنّت دلیل سے ثابت مسئلہ کو قبول کرتے ہیں۔ اپنی خواہش کو ترک کر دیتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ!

اب اس کا یہ قول کہ ''جو شخص بنظرِ انصاف دیکھے گا ابنِ حجر کی ولایت کی شہادت دے گا۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ ان کو آئندہ پیش آنے والے نقصانات سے آگاہ فرما دیتا تھا'' اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔

یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ ولایت و کرامت، صلحاءِ اُمت، اصحابِ تقویٰ و ورع کے لیے ہوتی ہے۔ ابنِ حجر جیسے کذّاب و مفتری، اصحابِ اقوالِ متناقضہ جو اپنے دین میں انتشار کا شکار ہوں، اس کے اہل نہیں ہوتے۔ کتاب ''انباء الابناء باحسن الانباء'' میں کیا ہی اچھا کہا ہے:

''یَا بُنَیَّ مَنْ رَأَیْتُمُوْهُ یَطِیْرُ فِی الْهَوَاءِ أَوْ یَمْشِیْ عَلٰی وَجْهِ الْمَاءِ۔ وَقَدْ خَالَفَ شَیْئًا مِّنَ الشَّرِیْعَةِ الْغَرَّاءِ۔ فَذَاكَ مِنْ أَوْلِیَاءِ الشَّیْطَانِ، لَا مِنْ أَوْلِیَاءِ الرَّحْمٰنِ فَإِیَّاكُمْ وَإِیَّاهُ وَاشْتَغِلُوْا عَنْهُ بِتَقْوَی اللّٰهِ''	''پیارے بیٹے! اگر کسی کو تم ہوا میں اُڑتا اور پانی کی سطح پر چلتا دیکھو حالانکہ وہ شرع شریف میں سے کسی چیز کا مخالف ہو'' تو وہ ''اولیاء الشیطان'' میں سے ہے ''اولیاء اللہ'' میں سے نہیں اس سے بچ جاؤ اس کو چھوڑ کر تقویٰ اختیار کرو''۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان'' میں فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اسی وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کو اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور دشمنوں میں فرق کرنے والا بنایا۔ اب کوئی ولی نہیں ہو سکتا جب تک وہ آپ ﷺ پر ایمان نہ لے آئے اور ظاہر و باطن میں آپ ﷺ کا متبع نہ بن جائے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی محبت اور ولایت کا دعویٰ کرے لیکن آپ ﷺ کا متبع نہ ہو، وہ اولیاء اللہ میں سے نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے، وہ اللہ کا دشمن اور شیطان کا ولی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ـ الآية"[1] "کہہ دو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو، تو میری اتباع کرو تم سے اللہ تعالیٰ محبت کرے گا"

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک قوم نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعوےٰ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں واضح فرما دیا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی، اس سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کیا مگر رسولِ کریم ﷺ کی اتباع نہ کی، وہ اولیاء اللہ میں سے نہیں ہے۔ اگرچہ کچھ لوگ بلا اتباعِ رسول ﷺ، اپنے آپ کو یا کسی اور کو بزعمِ خویش اولیاء اللہ میں سے سمجھتے رہیں، مگر وہ اولیاء اللہ میں سے نہیں ہیں۔ یہود و نصاریٰ کو دیکھو، وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اولیاء اللہ ہیں اور جنت میں بھی ان کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہونے کے بھی مدعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (اِلٰى قَوْلِهٖ) وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ"[2] "ان سے پوچھو تو پھر وہ تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم اس کی مخلوقات میں سے انسان ہو، وہ جسے چاہے بخشے، جسے چاہے عذاب کرے۔ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب پر اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"

---

[1] آلِ عمران: ۳۱ ۔ [2] المآئدۃ: ۱۸

وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ (اِلٰى قَوْلِهٖ) وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۱؎	"کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جائے گا۔ یہ ان کے باطل خیالات ہیں۔ اے پیغمبرؐ! ان سے کہہ دو، اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ ہاں جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے گردن جھکا دے (ایمان لے آئے) وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے ایسے لوگوں کو روزِ قیامت نہ خوف ہوگا نہ وہ غمناک ہوں گے۔"

عرب کے مشرک، مکہ مکرمہ میں رہائش اور بیت اللہ شریف کی مجاورت کی بنا پر اہل اللہ ہونے کے مدعی تھے وہ اس وجہ سے دوسروں سے اپنے آپ کو بڑا جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ (اِلٰى قَوْلِهٖ) سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۲؎"	"میری آیات تمہیں پڑھ پڑھ سنائی جاتی تھیں اور تم الٹے پاؤں پھر پھر جاتے تھے۔ ان سے سرکشی کرتے، کہانیاں کہتے اور بے ہودہ بکواس بکتے تھے۔"
وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ (اِلٰى قَوْلِهٖ) وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ	"اور جب کافر لوگ تمہارے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ آپ ﷺ کو قید کر دیں یا جان سے مار دیں یا نکال دیں۔ وہ سازش کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ تدبیر فرما رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر والا ہے (آگے تک) اور وہ مسجدِ حرام سے روکتے ہیں وہ اس کے اولیاء بھی

۱؎ البقرۃ: ۱۱۱-۱۱۲ ۲؎ المؤمنون: ۶۶-۶۸

اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ[1] — نہیں اس کے اولیاء تو صرف متقی لوگ ہیں، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۔"

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ مشرک اس کے یا اس کے گھر کے اولیا نہیں ہیں اس کے اولیاء تو صرف متقی لوگ ہیں ۔

صحیحین میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے روایت ہے ۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی اخفا کے علی الاعلان فرماتے سُنا ہے :

"اِنَّ اٰلَ اَبِیْ فُلَانٍ لَیْسُوْا لِیْ بِاَوْلِیَاءَ اِنَّمَا وَلِیِّیَ اللّٰهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ" — "آلِ ابو فلاں میرے اولیا نہیں، میرا ولی تو اللہ تعالیٰ اور نیک بندے ہیں ۔"

یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ" الیٰ قولہٖ "ظَهِیْرٌ" کے موافق ہے ! نیک، متقی اور مومن اولیاء اللہ یہی ان ہیں ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور باقی سب اہلِ بیعتِ رضوان جنہوں نے درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی اُن کی تعداد چودہ سو تھی سب داخل ہیں وہ سب جنتی ہیں ۔ یہ صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"لَا یَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ بَایَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ" — "جس نے درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی وہ دوزخ میں نہیں جلے گا ۔"

"اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا وَحَیْثُ كَانُوْا" — "میرے سب سے زیادہ قریب پرہیزگار لوگ ہیں جو ہوں جہاں ہوں ۔"

بعض کافر دعویٰ باندھتے ہیں کہ وہ اولیاء اللہ ہیں ۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں ۔ ولی کہاں ہوئے ؟ اسی طرح منافق لوگ اسلام کو ظاہر کرتے تھے اور ظاہر میں " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ " کی شہادت بھی دیتے تھے ۔ یہ بھی مانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب انسانوں بلکہ جنوں اور انسانوں کے لیے مبعوث کیے گئے ہیں لیکن دل میں عقیدہ اس کے اُلٹ تھا مثلاً وہ دل میں

---

[1] الانفال، ۳۰ - ۳۴

یقین نہیں رکھتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ ایک قابلِ اطاعت بادشاہ ہیں دوسرے بادشاہوں کی طرح آپ ﷺ لوگوں کے منتظم ہیں۔ یا وہ کہتے تھے آپ ﷺ اُمیوں کے رسول ہیں، اہلِ کتاب کے نہیں جیسا کہ بہت سے یہودی اور عیسائی کہتے ہیں یا یہ کہ آپ ﷺ عوام کے لیے مبعوث ہیں اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے خواص ہیں، آپ ﷺ ان کی طرف مبعوث نہیں کیے گئے اور نہ ہی ان کو آپ ﷺ کی حاجت ہے یا آپ ﷺ کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے اور طریقے بھی ہیں، جیسا کہ خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے یا وہ بغیر واسطہ کے حسبِ ضرورت اللہ تعالیٰ سے احکام وصول کرتے ہیں یا آپ ﷺ ظاہر شریعت کے رسول ہیں وہ آپ ﷺ کے اس میں موافق ہیں، لیکن آپ ﷺ باطنی حقائق کے رسول نہیں تھے نہ انہیں جانتے تھے یا اللہ تعالیٰ کے خاص بندے باطنی امور میں آپ ﷺ کے برابر، یا آپ ﷺ سے زیادہ جانتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں، اہلِ صفہ آپ ﷺ سے بے نیاز تھے اور آپ ﷺ ان کے رسول نہیں تھے۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے اس مسئلہ کو واضح فرمایا ہے۔ یہ وضاحت اور کہیں نہیں ملے گی۔

اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ابن حجر مکی کو اولیاء اللہ سے کوئی تعلق نہیں وہ تو غیر اللہ سے التجا و استغاثہ، استعانت اور توسّل بالصالحین والانبیاء سلام اللہ علیہم اور دوسری باتوں کو جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں، جائز سمجھتا تھا اور ہم اس کے ایمان و اسلام میں اہلِ علم کا اختلاف بیان کر چکے ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جو اس کی تصانیف، بالخصوص "الجوہر المنظم" کے سوا ہیں اور امت کے بہترین بزرگوں کو گالی بکنا، اُن پر لعنت کرنا، ان پر افترا باندھنا الگ رہا۔ یہ اوصاف جس شخص میں ہوں، اس کی حیثیت بالکل واضح ہے۔ وہ اولیاء اللہ میں کیسے داخل ہو سکتا ہے؟ اور کرامتیں اس کے لیے کیسے ثابت کی جا سکتی ہیں؟ ہاں! نبہانی کے نزدیک وہ واقعی اولیاء یعنی "شیطانی اولیاء" میں سے ہے کیونکہ شیاطین ایک دوسرے کے اولیاء ہوتے ہیں۔

(۲) ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مسلک بزرگوں سے جن نقصانات کا اس نے دعویٰ کیا ہے، ان کی تفصیل سے گریز کیا ہے۔ یہ نہیں بتایا وہ کون سے اور کس قسم کے نقصانات ہیں؟ ہمیں تو

اتنا پتہ ہے، ہر وہ شخص جو کتاب و سنّت کی مخالفت کرتا ہے اس کا وجود ضرر محض ہے۔
ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے موافقین تو ان برائیوں سے روکتے ہیں، جو عوام میں رائج ہیں اس قسم کی برائیاں تو زمانہ جاہلیت میں بھی نہیں تھیں۔ وہ معروف کا حکم دیتے ہیں اور معروف، اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے۔ یہ باتیں تو ہر صاحب عقل کو معلوم ہیں۔ بے چارے ابن حجر کو، جس کی ولایت اور کرامتوں کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے، یہ تک معلوم نہیں کہ اسلام میں کونسی گمراہیاں اور منکرات، اسلام کے خاص اور اشرف علاقے میں پیدا ہو چکی ہیں؟ دین مبین سے متصادم اصول و قواعد پر اللہ تعالیٰ نے اس کو مطلع نہیں کیا۔ نبہانی ان کو جانتا تو ہے، لیکن وہ ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ لوگوں کو ان سے خبردار کر دے، کیونکہ وہ اس کے گوشت پوست اور ہڈیوں میں رچ بس گئی ہیں اور اس کا ذریعہ معاش ہیں۔ یہ آیت اس کے مناسب حال ہے:

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ" (البقرۃ: ۱۶)

"یہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی، ان کی تجارت نفع مند نہ ہوئی اور نہ وہ ہدایت یافتہ تھے۔"

(۳) اس کا یہ کہنا کہ ابن تیمیہ کے اقوال کے باعث فرقہ وہابیہ سے بڑے بڑے نقصانات مرتب ہوئے ہیں، بالکل بے نتیجہ اور بے کار ہے۔ ہم اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال پر مرتب ہونے والے نقصانات کی فہرست دے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال تو کتاب و سنّت سے مرتب ہوتے ہیں، وہی ابن تیمیہ کے اقوال پر مرتب ہوں گے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مشرکین سے جہاد اور دنیا میں ان کے خاتمے کا حکم دیا ہے، کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نقصان ہے؟ کتاب و سنّت میں "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کی جو اہمیت ہے اس سے کسی ہوشمند اور صاحب بصیرت کو مجال انکار نہیں۔ کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے، اس کے جو نتائج ظاہر ہوں گے، وہ ضرر عظیم ہو گا۔ کتاب و سنّت نے بدعات و اہوار کے ازالے اور ان کے ابطال پر جو زور دیا ہے اس سے اہل بدعت کو تکلیف پہنچے، کیا یہ کہنا جائز ہے کہ اس سے جو نتائج مرتب ہوں گے وہ ضرر ہیں؟ کتاب و سنّت نے تمام کبائر اور تمام محرمات سے منع کیا ہے۔ کیا اس سے ان گناہوں اور محرمات کے مرتکب لوگوں پر اس کے نتائج کو ضرر شمار کیا جا سکے گا۔ نبہانی کی یہ بات

بھی اور باتوں کی طرح ساقط ہے۔

(۴) جن لوگوں پر اس نے غلط طور پر وہابیت کی پھبتی کسی ہے، وہ اہل نجد ہیں اور اہل سنت کا بہترین گروہ ہیں۔ وہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نہیں، بلکہ فروع میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین ہیں۔ عقائد و اصول میں وہ کسی کے مقلد نہیں ہیں۔ انہوں نے دین میں کوئی نئی بات جاری کر کے کسی فرقے کی بنیاد نہیں رکھی اور انہوں نے غالیوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہیں بنایا۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مسلک لوگوں پر کون سے نقصانات مرتب ہوئے ہیں؟ وہ وہی کرتے ہیں جس کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

(۵) اور وہ حاکم کی اطاعت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ حاکم کی مخالفت جاہلی خصلت ہے۔ "شرح مسائل" میں ہے کہ حاکم کی مخالفت اور اس کا حکم نہ ماننا اہل جاہلیت کے نزدیک خوبی تھی۔ وہ اس کو دین تصور کرتے تھے۔ اس مسئلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت فرمائی اور مسلمانوں کو حاکموں کے ظلم وجور پر صبر کی تلقین فرمائی اور حکم دیا کہ ان کا حکم سنو اور مانو اور ان کے خیر خواہ بن کر رہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بار بار تاکید فرمائی۔ صحیح حدیث میں ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ یَرْضٰی لَکُمْ ثَلَاثًا اَنْ تَعْبُدُوْہُ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّاَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّاَنْ تَنَاصَحُوْا مَنْ وَّلَاہُ اللّٰہُ اَمْرَکُمْ"

"اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تین باتوں کو پسند فرماتا ہے: (۱) اس کی عبادت کرو اور اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ (۲) اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو (۳) اور اپنے حاکم سے خیر خواہی کرو۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا:

"مَنْ کَرِہَ مِنْ اَمِیْرِہٖ شَیْئًا فَلْیَصْبِرْ فَاِنَّہٗ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً"

"جو کوئی اپنے امیر کی کسی بات کو ناپسند کرے، وہ صبر کرے کیونکہ جس نے سلطان کے حکم کی نافرمانی کی، وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

حضرت جنادہ رضی اللہ عنہ ابن ابی امیہ سے بھی روایت ہے، انہوں نے کہا حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت بیمار تھے، ہم ان کی مزاج پرسی کے لیے گئے۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے۔ آپؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث بیان فرمائی کہ اس سے اللہ تعالیٰ آپ کو فائدہ دے گا، انہوں نے فرمایا:

"دَعَانَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَایَعْنَا فَکَانَ فِیْمَا اَخَذَ عَلَیْنَا اَنْ بَایَعْنَا عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ فِیْ مَنْشَطِنَا وَمَکْرَھِنَا وَعُسْرِنَا وَیُسْرِنَا وَاَثَرَۃٍ عَلَیْنَا وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَکُمْ مِنَ اللّٰہِ فِیْہِ بُرْھَانٌ"۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دعوت دی۔ ہم نے بیعت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے جو عہد لیا اس میں یہ بھی تھا: ہم خوشی و ناخوشی میں، تنگی و آسانی میں، دوسروں کو ترجیح دینے کے باوجود سنیں گے اور مانیں گے اور ہم اہلِ امر لوگوں سے کوئی نزاع نہیں کریں گے۔ الا یہ کہ صریح کفر دیکھو کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر دلیل و برہان ہو"۔

اس مسئلہ میں بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں۔ لوگوں کے دین اور دنیا میں خرابی، اس وصیت پر عمل نہ کرنے سے ہوئی۔ نجد کے رؤسا کے درمیان جو جنگیں ہوئیں، اس میں ان کا کیا جرم تھا؟ انہوں نے حرب و ضرب میں پہل نہیں کی، بلکہ پہل دوسروں نے کی تھی۔ وہ تو اپنی طرف سے مدافعت کرتے رہے۔ حملہ آور کو روکنے کا حکم تو ہے ان سے شریعت کو کیا ضرر پہنچا؟ درحقیقت وہ شریعت کے سب مسلمانوں سے بڑھ کر پرجوش حامی ہیں۔

(۶) اہلِ نجد کے بارے میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حرمین شریفین میں فلاں خلافِ شریعت کام کیے، وہ محض پروپیگنڈا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ تاریخ کا طالب علم اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔ "منہاج التاسیس فی الرد علی ابن جرجیس" میں اور اس کے تتمہ میں اس سلسلہ کی معلومات موجود ہیں۔ حرمین شریفین بھی جزیرہ عرب میں شامل ہیں، بلکہ اصطلاحِ شریعت میں جزیرہ سے مراد وہی دونوں ہیں۔ جزیرہ کا عطف حرمین پر بلا وجہ ہے۔

اعتراض نبہانی کا یہ کہنا کہ "وہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی بدعات کا سب ائمہ سے زیادہ سختی سے انکار

کرتے تھے الخ"!

جواب

ہم قبل ازیں بتا چکے ہیں، وہ محض اتباعِ اہوائے کے لیے ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پر سختی اور ظلم کا مرتکب ہوا ہے۔ ابنِ تیمیہؒ سب سے زیادہ سنّت کی اتباع کرنے والے اور بدعات کی تردید کرنے والے ہیں۔ نبہانی کی بات اس کے مشرک بھائیوں سے ملتی جلتی ہے۔ "شرح المسائل التی الطلہا الاسلامؒ میں ہے:

کہ جاہلیت کی ایک خصلت اتباعِ اسلام کو شرک کہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ط أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ" (آل عمران: ۷۹-۸۰)

"کسی انسان کو یہ لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو کتاب، حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ "اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ" لیکن اس کو لائق ہے کہ کہے "تم اے اہلِ کتاب علماء ربانی ہو جاؤ۔ کیونکہ تم کتاب اللہ پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو" وہ تمہیں یہ بھی حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو کیا اس کو زیبا ہے کہ جب تم مسلمان ہو چکے ہو تو تمہیں کفر کا حکم دے؟"

ابنِ اسحٰق اپنی سند کے ساتھ یہ روایت لائے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس یہودی اور نجران کے عیسائی اکٹھے ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے کہا:

"أَتُرِيدُ يَا مُحَمَّدُ أَنْ نَعْبُدَكَ كَمَا تَعْبُدُ النَّصَارَى

"اے محمدؐ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اسی طرح عبادت کریں جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ

عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ ؟" بن مریم علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں؟"
نجران کے ایک عیسائی آدمی نے جس کا لقب "رئیس" تھا کہا "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کیا آپ ہم سے یہی چاہتے ہیں؟"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"مَعَاذَ اللّٰہِ اَنْ نَعْبُدَ غَیْرَ اللّٰہِ اَوْ نَامُرَ بِعِبَادَۃِ غَیْرِہٖ مَا بِذٰلِکَ بَعَثَنِیْ وَلَا بِذٰلِکَ اَمَرَنِیْ" "اللہ کی پناہ کہ غیر اللہ کی عبادت کروں یا اس کا حکم دوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ تو اس کے ساتھ بھیجا اور نہ اس کا حکم دیا ہے"
تو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت نازل فرمادی!

میرا خیال ہے کہ نبہانی کو بدعت اور سنّت کا فرق معلوم نہیں اور نہ ہی سنّت و بدعت کے کام ہی معلوم ہیں، بلکہ وہ ایمان کو بھی نہیں سمجھتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو بدعتی لکھتا ہے۔ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو مومن اور اہلِ سنّت کہتا ہے۔
یہاں بدعت پر گفتگو ضروری ہے تاکہ اس سے معلوم ہو جائے کہ بدعتی کون ہے؟

"بدعت کی تعریف"

بدعت کا لغوی معنیٰ "نو ایجاد چیز" ہے اور اصطلاحِ دین میں، جب کہ اس کو سُنّت کے مقابلے میں بولا جائے، تو اس سے مراد دین میں کمی یا زیادتی کر کے نیا کام کرنا ہے اور یہ وہ بُرائی ہے جس کی کتاب و سنّت میں واضح اصل نہیں یا سندِ صحیح بھی نہیں، جس کو علماءِ اُمت نے مستنبط کیا ہو۔ جس کو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے اس کی بنیاد بھی یہی اصول ہیں۔ وہ کبھی مباح ہوتی ہے، مثلاً ہمیشہ خالص گندم کی اشیاء کھانا۔ کبھی مستحب ہوتی ہے، مثلاً منارہ بنانا، کتابیں تصنیف کرنا اور کبھی واجب ہوتی ہے، مثلاً ملاحدہ اور "فرقِ ضالّہ" کی سازشوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے دلائل کو منظم و مرتب کرنا اس قسم کی بہت سی چیزیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی وقوع پذیر ہوئی

تھیں مثلاً قرآنِ مجید کو جمع کرنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کو اسی قسم کی صورت پیش آئی تھی۔ جب جنگِ یمامہ وغیرہ میں بہت سے حفّاظ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خوف سے کہ کہیں قرآنِ مجید مٹ نہ جائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرآنِ مجید کے جمع کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے توقف فرمایا کیونکہ وہ صورۃً بدعت کام تھا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے ان کو شرحِ صدر فرما دیا کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ مسئلہ دین ہی کی طرف لوٹتا ہے اور اس سے خارج نہیں ہے۔ انہوں نے جب حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کو بلا کر جمع قرآن کا حکم دیا تو انہوں نے کہا: کَیْفَ تَفْعَلُ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللّٰہِ اِنَّہٗ حَقٌّ "آپ ایسا کام کیسے کریں گے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا" تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "اللہ کی قسم، وہ حق ہے"۔ یہی صورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس وقت پیش آئی، جب انہوں نے لوگوں کو مسجد میں نمازِ تراویح کے لیے جمع کیا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چند راتیں پڑھنے کے بعد ترک فرما دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "نعمت البدعۃ ھی" اس کا نام بدعت، باعتبار لغوی معنیٰ کے ہے۔ یہ نہ تو دین میں اضافہ ہے اور نہ ہی اس میں ہماری پہلی تقریر کی تردید ہے۔ یہ دین کا حصّہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑنے کی وجہ بیان فرمائی تھی کہ "مجھے خوف ہے، کہیں یہ تم پر فرض نہ ہو جائے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ خوف نہ رہا۔ اس سے مذمت کا پہلو اس وقت نکلتا، جب اس سے سنّت کی مخالفت لازم آتی۔

فاضل سویدی فرماتے ہیں کہ اس میں قولِ فیصل، جس سے کہی گئی بات کی وضاحت ہوتی ہے، یہ ہے کہ بدعت کے دو معنیٰ ہیں:

اوّل

بدعتِ لغوی کوئی بھی نو پید کام ہے، وہ عادات سے ہو یا عبادات سے۔

ثانی

بدعتِ شرعی، شارع علیہ السلام کی اجازت ــ قولاً یا فعلاً، صراحتًا یا اشارتًا ــ کے بغیر دین میں اضافہ یا کمی کرنا ہے۔ حدیث میں جس بدعت کو ضلالت کہا گیا ہے، وہ شرعی بدعت ہے۔ اس طرح کی بدعت کا تعلق عادات کے ساتھ نہیں بلکہ عبادات سے ہوگا، جو شریعت کے اصولوں کتاب و سنّت اور شارع علیہ السلام کی اجازت کے خلاف ہوں گی۔ "منارہ" نماز کے اوقات کا اعلان کرنے میں معاون ہے۔ اور تصنیفِ کتب "تعلیم کے لیے مفید ہے۔ شبہات کی تردید کے لیے" دلائل کو منظم کرنا" دین کی حفاظت ہے۔ اور ان سب امور کی شریعت میں اجازت ہے۔ بدعتِ حسنہ وہ ہے، جس کی ضرورت پہلوں کو نہ ہو، بعد میں آنے والوں کو ہو۔ ــ استقراء اور جستجو سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعتِ حسنہ "خالص بدنی عبادات" مثلاً روزہ، نماز، ذکر اور قرأت میں قطعاً" موجود نہیں ہے۔ عبادات میں سب بدعات "سیئہ" ہی ہوں گی۔

"مجالس الابرار" کے مصنف نے فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صدرِ اوّل میں کسی فعل کے عدمِ وقوع کے اسباب یہ ہو سکتے ہیں "عدمِ ضرورت" یا مانع کا وجود" یا عدمِ تنبیہ" یا ناپسندیدگی و سُستی ــ یا اس کا مشروع نہ ہونا ہے۔ خالص بدنی عبادات میں پہلی دو وجوہ تو یقیناً معدوم ہیں اس لیے کہ تقرّب الی اللہ کی حاجت ہمیشہ سے رہی ہے۔ اسلام کے ظہور کے بعد مانع کا وجود بھی نہ رہا۔

نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں ہو سکتی کہ آپؐ غافل یا سُست ہو گئے ہوں۔ یہ بدگمانی تو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ لہٰذا اب اس کی وجہ صرف اس کا بدعتِ سیئہ اور غیر مشروع ہونا رہ گیا ہے۔ اس شخص کو یہی بات کہی جائے گی جو عباداتِ بدنیہ کو ایسے طریقے سے کرتا ہے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نہیں تھا۔ اگر عبادات میں بدعتی کے ہر فعل کو بدعتِ حسنہ کہا جائے، تو عبادات میں بدعتِ مکروہہ سیئہ کا وجود ناممکن ہو کر رہ جائے گا تو پھر صلوٰۃ رغائب اور اس کو باجماعت ادا کرنا، خطبات اور اذان میں مختلف قسم کے سُر نکالنا، رکوع میں قرأتِ قرآن اور جنازے کے آگے جہری ذکر کو فقہاء "بدعاتِ منکرہ میں شمار نہ فرماتے!

جو شخص ان کے بدعتِ حسنہ ہونے کا قائل ہو تو اس کو بتایا جائے گا کہ جس کا حسن ہونا ادلّہ شرعیہ سے ثابت ہے، وہ یا تو بدعت نہیں ہوگا، چنانچہ "کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" میں عام کا عموم اسی طرح رہے گا اور "کُلُّ عَمَلٍ لَیْسَ عَلَیْہِ اَمْرُنَا فَھُوَ رَدٌّ" اپنی حالت پر رہے گا۔ یا اس عام سے خاص ہوگا۔ عام مخصوص اس کے غیر کے لیے دلیل ہے جس میں سے اس کو خاص کیا گیا ہے۔ جو شخص اپنے ایجاد کردہ کام میں خصوصیت کا قائل ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ کتاب و سنّت یا اجماع، جو اہلِ اجتہاد کے ساتھ مخصوص ہے، سے دلیل مہیّا کرے۔ عوام یا اکثر علاقوں کے رسم و رواج کی دلیل قابلِ قبول نہیں۔ جو کوئی نیا عمل یا وظیفہ جاری کرے، جس کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی نیت کرے، چاہے وہ قول ہو یا فعل — اس نے دین میں ایسی چیز داخل کرنے کی کوشش کی جس کی اللہ تعالےٰ نے اجازت نہیں دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خالص بدنی عبادات میں ہر بدعت بدعتِ سیئہ ہی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ہر نو پید عمل کے سبب کو دیکھا جائے گا۔ اگر نئی ضرورت اور نیا سبب پیدا ہو تو وہ عمل شرعی ہوگا مثلاً جو شبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نہیں تھا اس کی تردید کے لیے دلائل کو منظم کرنا یا سبب تو موجود تھا مگر کسی عارضے کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا گیا تھا۔ مثلاً قرآنِ مجید کو جمع کرنا ایک نیک کام تھا، مگر نزولِ وحی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ جس حکم کو چاہتا بدل دیتا تھا۔ وحی کے بند ہونے پر یہ صورت نہ رہی، لہٰذا اب قرآنِ مجید کو جمع کرنا شرعی اعتبار سے احسن عمل ہے۔ اگر سبب بھی موجود تھا اور مانع بھی کوئی نہیں تھا، تاہم شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی، تو پھر قولی اور فعلی عبادات میں ایسے عمل کو جاری کرنا اللہ تعالیٰ کے دین کو تبدیل کرنا ہے۔ مثلاً جمعہ کی اذان سنّت ہے مگر عید کی نماز سے قبل بدعت حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے عموم میں شامل ہے:

"اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا"[1] یعنی "اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت کرو۔"

"وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ"[2] الآیۃ! یعنی "اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کی بات سے کس کی بات خوبصورت ہو سکتی ہے؟"

---

[1] الاحزاب: ۴۱ [2] فصلت: ۳۳

نمازِ عید سے قبل اذان ایک عملِ صالح کا اضافہ ہے اگر اس میں کوئی ہرج نہیں تو اس کو کہا جائے گا کہ اس طرح رسولوں کی شریعتیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اگر کسی عملِ صالح کا اضافہ جائز ہوتا، تو پھر نمازِ فجر کے چار اور ظہر کے چھ فرض پڑھنے جائز ہوتے کیونکہ یہ عملِ صالح ہیں اور اس میں اضافے سے کوئی نقصان نہیں لیکن اہلِ سنت اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امور کے فعل و ترک میں آپ ﷺ کی اتباع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شریعتوں کو ہمارے لیے کھول کر بیان فرما دیا ہے اور دین کو پورا کر دیا ہے۔ اب اس میں کسی کمی و بیشی کی گنجائش نہیں رہی اس میں کسی عمل کا اضافہ درحقیقت اس کا نقصان ہے۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا طریقہ وہی درست ہے جو مشروع ہے نہ کہ بدعی طریقوں سے۔ ایسی چیزوں کو سمجھنے سے ہماری عقلیں قاصر ہیں۔ وہاں تک ہماری آراء کی رسائی ممکن نہیں۔ یہ احکامِ دینیہ کی مشروعیت میں اسرارِ الٰہیہ کی معرفت کو پوری طرح حاصل نہیں کر سکتیں۔ دیکھیے نماز کے لیے ہمیشہ کس طرح بلایا جاتا ہے مگر پانچ اوقات ایسے ہیں کہ ان میں اس سے روک دیا گیا ہے۔ آپ لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال و اعمال کی ٹوہ میں لگا رہنا چاہیئے۔ وہ سوادِ اعظم ہیں۔ انہی سے حسن کو قبیح سے، راجح کو مرجوح سے پہچانا جاتا ہے۔ جب کوئی نیا امر درپیش ہو تو مجتہدین کے قواعد میں غور کرنا چاہیے مجتہدین سلف ہیں۔ اگر وہ امر مجتہدین کے اصولوں کے موافق ہو تو اس کو دل سے قبول کر لیا جائے، ورنہ اس کو پسِ پشت ڈال دیا جائے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے معاملے میں صاحبِ بصیرت ہو اور لوگوں کی رسوم و عادات سے فریب نہ کھائے۔ رسم و رواج تو زہرِ قاتل اور ہلاک کن مرض ہے جو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔

ہشام بن عروہ کیا خوب فرمایا کرتے تھے کہ آج لوگوں سے بدعات کے بارے میں سوال نہ کرو۔ انہوں نے اس کے جواب گھڑ رکھے ہیں۔ ان سے سُنّت کے بارے میں پوچھو وہ اس کو نہیں جانتے۔" ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے فرمایا:

"كُلُّ عِبَادَةٍ لَمْ تَفْعَلْهَا الصَّحَابَةُ فَلَا تَفْعَلُوهَا" "جس عبادت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کیا وہ تم بھی نہ کرو۔"

بیہقی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

أَبْغَضُ الْأُمُوْرِ إِلَى اللهِ تَعَالَى الْبِدَعُ۔ "سب سے زیادہ ناراضگی اللہ تعالیٰ کو بدعات سے ہوتی ہے۔"

بدعاتِ سیئہ

بدعاتِ سیئہ وہ ہیں جو سنّت میں سے کسی چیز کی صریحاً اَلتزاماً مخالفت کریں۔ کبھی کبھی وہ وجوب تحریم اور کبھی وجوبِ کراہت تک پہنچتی ہے اور کبھی خیال آتا ہے کہ وہ نیکی اور عبادت ہے۔

پہلی قسم، وجوبِ تحریم تک پہنچنے والی بدعات، صوفیوں کی ایک ایسی جماعت کی طرف منسُوب ہیں جو مشائخ طریق کے زہد و ورع اور باقی کمالاتِ مشہورہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے اکثر اباحت پسند ہوتے ہیں چونکہ وہ اپنے احوال کی قباحت و شناعت میں شیطانی تلبیس کا شکار ہیں، اس لیے وہ حرام کو حرام نہیں جانتے۔ ایسے لوگ تصوّف و فقر کی بجائے فسق یا کفر کے نام کے زیادہ حقدار ہیں۔ یہ وبا کتنی عام ہے کہ شیطان نے عوام کے سامنے کسی دیوار یا ستون کے بنانے، یا کسی چشمے یا پتھر یا درخت کی تعظیم کو یوں مزیّن کر کے پیش کیا ہے کہ وہ اس سے شفا کے حصول یا حاجت براری کی امید رکھتے ہیں۔ ایسے مقامات پر ان کی برائیاں اتنی ظاہر ہیں کہ بیان سے باہر ہیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ وہ حنین کو جاتے ہوئے ایک بیری کے درخت کے پاس سے گزرے مشرکین اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ان کے ذاتِ انواط (تعظیم اور ہتھیار لٹکانے کا درخت) کی طرح ہمارا بھی ایک ذاتِ انواط بنا دیجیے۔ اس وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ، هٰذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى لِمُوْسٰى اجْعَلْ لَّنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ، قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ، لَتَرْكَبُنَّ سَنَنَ

"اللہ سب سے بڑا ہے۔ یہ تو اسی طرح کی بات ہوئی جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کی تھی کہ "آپ ہمارے لیے اسی طرح کا معبود بنا دیں جس طرح ان کے معبُود ہیں"۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا "تم جاہل قوم ہو" تم پہلے

مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ " لوگوں کے قدم بقدم چلوگے "۔

دوسری قسم اور اس کا منشا یہ ہے کہ شارع علیہ السلام ایک عبادت کو کس زمانے، جگہ، شخص یا حال کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں۔ بدعتی اور جاہل اپنی جہالت اور کوتاہ نظری کی بنا پر اس کو عمومیت کا درجہ دیتے ہیں کہ وہ مطلق عبادت ہے، مثلاً شک کے دن کا روزہ، یا ایام تشریق کے روزے، یا روزوں میں وصال۔ لیکن ان لوگوں کا عرفات کے علاوہ کسی جگہ کو عرفات بنالینا ــــ اور اسی طرح رجب کے پہلے جمعے کی شب کو صلوٰۃ رغائب اور شعبان کی پندرھویں شب کو بھی نماز پڑھنا، مذموم بدعات ہیں۔

سویدی فرماتے ہیں "سب سے بڑی بدعت قبروں کی تعظیم میں غلو ہے۔ آج کل لوگوں نے ان کو عبادت گاہیں بنا رکھا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ قبروں کے پاس نماز سب مساجد سے افضل ہے۔ وہ اگرچہ زبان سے اس کا اقرار نہ کریں، مگر ان کے دلوں میں یہی بات ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دور دور جگہوں سے قصد کر کے وہاں پہنچتے ہیں۔ بسا اوقات ان کے سامنے مساجد غیر آباد ہوتی ہیں، وہ ان کو آباد نہیں کرتے۔ جب وہ مزاروں پر اوقاتِ مکروہہ میں بھی پہنچیں، تو وہاں اس وقت کی نماز ان کے نزدیک مساجد میں اوقاتِ فضیلت کی نمازوں سے افضل ہوتی ہے۔ یہ مساجد جو قبروں کے پاس ہیں، وہ خانہ خدا ہونے کی نسبت سے مقصود نہیں ہوتیں، بلکہ اس لیے کہ وہ فلاں مزار کے پاس ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان مساجد کا نام صاحبِ مزار کے نام پر رکھتے ہیں۔ اور جب ان میں سے کسی سے پوچھا جائے، "آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے" تو وہ مسجد کی بجائے کہتے ہیں، "فلاں بزرگ کے دربار میں"۔ اس سے ان کا مقصد صاحبِ مزار کا تقرب اور اس کے دربار میں حاضری ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص مزاروں اور مقبروں کی کثرت سے زیارتیں کرتا ہے، اگرچہ ان مزاروں اور مقبروں پر قیمتی اور ریشمی پردوں کو لٹکانے، چادریں چڑھانے اور سونے چاندی سے مرصع کرنے ایسے قسم قسم کے منکرات ہوتے ہیں، تو ایسا شخص بڑا دیندار اور نیک مشہور ہوتا ہے۔ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس کی سب لغزشیں معاف ہیں اور وہ صاحبِ مزار کا مقرب ہے۔ عوام کے دل اہلِ مزار کے خوف اور امید سے بھرے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی کو کوئی مصیبت اور مشکل پیش آتی ہے تو لوگ اس کو کسی مزار پر حاضری کا مشورہ دیتے ہیں اور لوگ اللہ تعالےٰ کی قسم

کھانے میں کسی قسم کا خوف اور بوجھ محسوس نہیں کرتے، ہاں جب ان سے کہا جائے "فلاں مزار کے پاس حلف اٹھاؤ" تو ڈر جاتے ہیں، بالخصوص جب اس کو اس قسم کی اہمیت کے پیش نظر غسل کا حکم دیا جائے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر اس کو مزار کے پاس لے جایا جائے تو اس پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ کئی دفعہ بعض لوگ شدتِ خوف اور کثرتِ اوہام کی وجہ سے بدحواس ہو جاتے ہیں۔ یہ اکثر مشاہدہ میں آتا ہے کہ لوگ اپنے مریضوں کو مزار کے ساتھ لگاتے ہیں۔ سخت مریض کو قبر کے پاس لے جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک سعادت مند وہ شخص ہے جس کو مزار کی جالی کے اندر داخل ہونے کی اجازت مل جائے۔

بڑی مصیبت یہ ہے کہ خوشی اور مصیبت، دونوں حالتوں میں شیطان اس کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ اگر مریض مر جائے تو کہتے ہیں "فلاں شیخ نے قبول نہیں فرمایا"! اگر تقدیرِ الٰہی سے ان کی خواہش کے مطابق اس کو شفا مل جائے، تو اپنے کفر و شرک پر خوب فرحاں و شاداں ہوتے ہیں اور مزار پر جانور ذبح کرتے ہیں اور اپنے گھروں سے شمعیں روشن کر کے لے جاتے ہیں اس سے صاحبِ قبر کی قدر و منزلت اور فضیلت و بزرگی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ عرب کے جاہل اعرابیوں کی طرح جھنڈے لہراتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ جو شخص یہ نہیں کرتا وہ اپنے گھر کی چھت پر تین دن تک سفید جھنڈا نصب کرتا ہے اور روزانہ بوقتِ مغرب بآوازِ بلند اعلان کرتا ہے کہ "یہ سفید جھنڈا فلاں کے لیے بنایا گیا ہے، اللہ اس کے چہرے کو روشن اور چمکدار بنائے"!

فرمایا "خلاصہ یہ ہے کہ بہت سی خبیث بدعات وہیں سے پیدا ہوئی ہیں۔ میں نے دمشق میں دیکھا کہ لوگ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کر کے قندیل منبر کے اوپر لٹکاتے ہیں اور رُخ بغداد کی طرف کرتے ہیں، اور صبح تک اس کو روشن رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ ان کے حضور قربت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے گویا وہ زبانِ حال سے پکارتے ہیں "جہاں شمعیں روشن کر دو ہیں عبدالقادر ہے"!

غضب خدا کا، یہ خرافات کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا دین جو معدوم ہو گیا وہ کہاں ہے؟ شیطان نے ان کی عقلوں میں پیشاب کر کے ان کو پلید اور گمراہ بنا دیا ہے۔ کوئی پوچھنے اور روکنے ٹوکنے والا ہی نہیں۔

وہاں کی عظیم ترین اور قبیح ترین برائیوں میں سے ایک یہ ہے کہ سب لوگ بچے کی پیدائش کے وقت خصوصاً جب دردِ زہ شدید ہو تو عورتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے نام کی دُہائی دیتی ہیں۔ جب بھی دردِ زہ شدید ہو جائے تو عورتیں باآوازِ بلند چیختی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکارتی اور ان کے حضور فریاد کرتی ہیں تاکہ آپ رضی اللہ عنہ ان کی تکلیف کو رفع فرمائیں۔ ان کی پکار کو جو کوئی سُن لے اس کو ان کے شرک کا یقین ہو جائے۔ اس مشکل حالت میں کم ہی عورتیں بچتی ہیں۔ اکثر عورتوں کا عقیدہ ہے کہ "رحم" آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیے گئے ہیں لہٰذا اس شدید تکلیف میں آپ رضی اللہ عنہ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

بُری بدعات میں سے ایک یہ ہے کہ اہلِ ہند اور دُور دراز کے ملکوں اور علاقوں سے لوگ بڑے بڑے ہدیے اور مال بکثرت بھیجتے ہیں، تاکہ مزاروں کے مجاوروں کو وظیفے دیئے جائیں جو ان کے نزدیک بہ جملہ افضل مخلوق ہیں۔ جس شخص نے ان کی مجاورت اختیار کی گویا اس نے ان سے جنت کا ایک ٹکڑا خرید لیا کیونکہ انہوں نے ان کے قبوں اور مزاروں کو خالص سونے کی پتریوں سے مرّصع بنا دیا ہے۔ بعض بڑے بڑے نذرانے اور ہدیے اس لیے بھیجتے ہیں تاکہ مزار کے مجاور اور خادم ان کو جھنڈے بھیجیں جن کو وہ اپنی مصیبتوں اور سختیوں کے زمانے میں لہرا سکیں۔ ان جھنڈوں میں ان کا نام لکھا ہوتا ہے جن سے ان کے مصائب دُور ہوں اور ان کے مقصود حاصل ہوں۔ بغداد کی اکثر عورتیں جب غسلِ نفاس سے بخیر و عافیت گزر جاتی ہیں تو حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہما بن ابی طالب کے نام کا کھانا پکاتی ہیں اور اس کا نام "طعام عباس" رکھتی ہیں ——— ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ان بڑے بڑے اُمور کے انچارج آپ ہی ہیں۔

یہ بدعت لوگوں میں کثرت سے رائج ہے یعنی وہ پتھروں، کنوؤں، چٹانوں اور درختوں سے امراض کی شفاء، قضاءِ حاجات، اور مصائب کو دُور کرنے کی التجائیں کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مردوں اور عورتوں یا صرف عورتوں کے مخصوص طرزِ عمل کو ہی بیان کیا جائے کہ وہ ان سے کس طرح محبت و عقیدت رکھتی ہیں اور ان کے خواص اور تاثیرات اپنے خاوندوں کے سامنے بیان کر کے ان کو قائل کرتی ہیں تو بہت سی جلدوں کی ضرورت ہے۔ اگر جاہلیت اولیٰ لوٹ آئے تو وہ ان جہالتوں اور بداعتقادیوں کا عشرِ عشیر بھی نہ ہو سکے۔ جو شخص ان بداعتقادیوں، بدعات اور

گمراہیوں کا انکار کرے، یا ان سے بچنے کے لیے معمولی گفتگو بھی کرے، تو اس کی شامت آجاتی ہے۔

کم عقلی کی کمزور ترین بدعت یہ ہے کہ چاند گرہن کے وقت تانبے اور پیتل کے برتنوں کو پیٹنے اور طبلے، باجے بجانے کی آوازیں تو آئیں گی، مگر شاید ہی کوئی آدمی سنّت کے مطابق نمازِ خسوف کے لیے مسجد میں جائے، یا کم از کم گھر ہی میں نماز میں مشغول ہو، توبہ و استغفار کرے، یا صدقہ و خیرات دے۔ اس زمانے کا جب کہ سنّتیں مٹ چکی ہیں، بدعات سے محبت و انس عام ہو چکا ہے، اللہ ہی حافظ ہے۔

"اَللّٰھُمَّ وَاِذَا اَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَۃً فَاقْبِضْنَا اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنِیْنَ" "اے اللہ! جب تو کسی قوم کو فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کرے، تو ہمیں بغیر فتنے کے اٹھا لینا۔" آمین!

اور بدعاتِ منکرہ میں سے صوفیوں کے اذکار و وظائف بھی ہیں جن میں ڈھول تاشے، طبلے، سارنگیاں، گانے اور رقص ہوتے ہیں۔ ان کا اصطلاحی نام 'حال' رکھا ہوا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کے نزدیک کوئی ناپسندیدہ شعر کہتا ہے تو ان کو حال پڑجاتا ہے۔ اس مجمعے میں عورتیں اور بے ریش لڑکے موجود ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ فسق و فجور کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ ایسے شیوخ اور صوفیوں کے سامنے جب ظالم اور فاسق لوگ آتے ہیں اور ان کو نذرانے اور روپے پیش کرتے ہیں، تو وہ اس کو اپنی پاکیزہ کمائی شمار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بلند مرتبہ سمجھنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو تباہ کرے!

اس زمانے میں دین و دنیا کی سب سے بڑی مصیبت بدعتی رفاعی فرقہ ہے۔ قریب قریب ہر بدعت کی ابتدا اور اس کا مورد و ماخذ یہی فرقہ ہے۔ ان کا ذکر اور ورد ناچنا، تھرکنا، گانا اور غیر اللہ کے حضور التجا کرنا اور اپنے مشائخ کی عبادت ہوتا ہے۔ ان کے کارنامے سانپوں اور بچھوؤں وغیرہ کو پکڑنا وغیرہ ہوتا ہے۔

ابنِ خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "العبر" میں فرمایا ہے کہ شیخ احمد کے اصحاب میں دھوکا دہی اور فریب کاری زیادہ ہو گئی ہے اور جب سے تاتاری عراق پر قابض ہوئے ہیں، ان کو نئے نئے شیطانی احوال میسر آگئے ہیں مثلاً آگ میں کود جانا، درندوں پر سوار ہونا، سانپوں کے ساتھ کھیلنا۔ ان غیر شرعی امور سے شیخ اور اس کے نیک ساتھیوں کو کوئی تعلق نہیں۔ ہم شیطان مردود سے

اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی ضلالتوں، جہالتوں اور حیلوں وغیرہ اعمال و فعال کو، اور جس جس طرح وہ جاہلوں کو فریب دیتے ہیں، خوب تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کی کئی مجالس و مناظرے ہو چکے تھے اور اس کے نتیجے میں آپ کو بہت سے حوادث و مصائب سے دوچار ہونا پڑا تھا جو کوئی اس سے آگاہی حاصل کرنا چاہے، وہ آپ کی کتاب "کشف حال المشائخ الاحمدیہ و بیان احوالہم الشیطانیہ" کا مطالعہ کرے۔ اگر ہمیں طوالت کا خوف نہ ہوتا، تو ہم اس میں سے کچھ ہدیۂ قارئین کرام کرتے۔

حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی انسان یہ چاہے کہ وہ قبروں پہ ہونے والے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ناپسندیدہ کام، صوفیوں کی زٹلیات اور دیواروں، باغوں، کنوؤں، چٹانوں، پتھروں اور مجسموں، مساجد، حماموں، راستوں، بازاروں، جنگلوں اور شہروں میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ناپسندیدہ باتوں کو تفصیل سے لکھے تو اس کے لیے ان کو ضبطِ تحریر میں لانا مشکل ہو جائے۔ چہ جائیکہ وہ مجالس، لباس اور خرید و فروخت کی منکرات اور وہ بدعات، جو زندگی کے ان شعبوں میں گھڑ لی گئی ہیں اور ان کو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ اللہ کرے اس امت میں ایسا مجدّد پیدا ہو جو تجدید و اقامتِ دین کا کام کرے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی راہ پر چلے۔

مقصدِ بحث یہ ہے کہ نبہانی بے چارے کو نہ تو بدعت کے معنی کا پتہ ہے نہ ہی اس کے محلِ اطلاق کی پہچان ہے۔ اس کی اسی جہالت کا نتیجہ ہے کہ وہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو بدعتی کہتا ہے۔ اور وحدت الوجود ماننے اور حاجتوں اور ضرورتوں میں غیر اللہ کو پکارنے اور اپنی عمرِ عدلیہ کے غیر اسلامی احکام اور اس کے قوانین میں کھپا دینے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی الوہیت کا عقیدہ رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو سنی کہتا ہے۔ اگر کوئی مندرجہ بالا امور میں سے کسی ایک امر کا بھی عقیدہ رکھتا ہو، تو یہ اس کے دین سے اخراج کے لیے اور مومنوں کی راہ کو چھوڑ کر ٹیڑھے راستے کی طرف بہک جانے کے لیے کافی ہے۔ یہ شعر اس پر خوب چسپاں ہوتا ہے ؎

مسا ولو قسمن علی الغوانی   لما امہرن الا بالطلاق

"حسین و جمیل اور نکاح کرنے والی عورتوں پر اگر برائیاں تقسیم کر دی جائیں، تو ان کا مہر طلاق ہی ہو۔"

لیکن شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ایسی بڑی ہی نمایاں ہستی کی خدمات، دین کی نصرت اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں پورا پورا جہاد کرنے کا کوئی صاحبِ عقل و ہوش انسان انکار نہیں کرسکتا۔ نبہانی کی یہ بات بھی اس کے جاہل بھائیوں کی مانند ہے۔ "شرح المسائل" میں ہے: "ان کی ایک خصلت جادو اور طاغوت کے ساتھ ایمان لانا ہے۔ اور مشرکوں کو مسلمانوں پر فضیلت دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا [1]"

"بھلا آپؐ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا۔ وہ بتوں اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کافر مومنوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔"

مفسرین نے بتایا کہ یہ آیت حیی بن اخطب، کعب بن اشرف اور یہودیوں کی ایک جماعت کے بارے میں اُتری ہے۔ جب وہ جنگِ اُحد کے بعد مکہ مکرمہ گئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش سے معاہدہ کریں اور اس عہد کو توڑ دیں جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان ہوا تھا۔ کعب، ابوسفیانؓ کے پاس مہمان ہوا تو انہوں نے اس کی خوب آؤ بھگت کی اور یہودی قریش کے گھروں میں ٹھہرے۔ اہلِ مکہ نے کہا تم بھی اہلِ کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی صاحبِ کتاب ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں تم ہمیں دھوکا نہ دو ــــ تم کہتے ہو کہ ہم تمہارے ساتھ جنگ کے لیے نکلیں گے۔ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو ان دو بتوں کو سجدہ کرو۔ اور ان پر ایمان لاؤ" اس نے ایسے ہی کیا۔ پھر کعب نے کہا "اے اہلِ مکہ! ہم میں سے اور تم میں سے تیس تیس آدمی آئیں۔ وہ اپنے سینے بیت اللہ شریف کے ساتھ لگا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑنے کا معاہدہ کریں۔ انہوں نے معاہدہ کرلیا۔ فارغ ہو کر ابوسفیانؓ نے کعب سے کہا "تم کتاب پڑھتے رہتے ہو اور تم جانتے ہو ہم ان پڑھ ہیں اور کچھ نہیں جانتے۔ بتاؤ کون ہدایت پر ہے اور کون حق کے قریب ہے ہم یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کعب نے کہا "تم اپنا دین میرے سامنے پیش کرو" ابوسفیان نے کہا "ہم بتوں کے لیے اونٹنی ذبح کرتے ہیں، ہم دودھ پلاتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور قیدی کو چھڑاتے ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں اور بیت اللہ شریف کو

---

[1] النساء: ۵۱

آباد کرتے ہیں، اس کا طواف کرتے ہیں۔ ہم اہلِ حرم ہیں اور محمد ﷺ نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے۔ اس نے قطع رحمی کی ہے۔ ہمارا دین قدیم ہے اور محمد ﷺ کا دین نیا ہے۔" کعب نے کہا "تمہارا دین محمد ﷺ کے دین سے زیادہ بہتر اور ہدایت والا ہے۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرما دی۔

"جبت" دراصل ایک بُت کا نام تھا جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

"طاغوت" کا ہر باطل پر اطلاق ہوتا ہے۔ وہ معبود ہو یا کچھ اور۔ ان دونوں پر ایمان سے مراد، ان کے معبود ہونے کی تصدیق اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں ان کو شریک کرنا ہے۔ یا باطل پر ان کی موافقت اور اطاعت ہے۔ یا مذکورہ بالا دونوں معنوں کے درمیان قدرِ مشترک ہے مثلاً تعظیم! پہلا معنیٰ متبادر اور راجح ہے یعنی وہ ان دونوں باطلوں کی الوہیت کی تصدیق کرتے تھے اور ان کو سچے معبود (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ شریک بناتے اور ان کو سجدہ کرتے تھے۔

اعتراض

نبہانی کہتا ہے کہ "یہ ثابت اور متحقق ہوا اور روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ مذاہبِ اربعہ کے علماء ابنِ تیمیہؒ کی بدعت کی تردید پر متفق ہیں۔ اس کی فاش غلطیوں سے صرفِ نظر کر بھی لیں جو ان مسائل میں ہیں جن کی وجہ سے وہ دین میں متفرد ہو کر رہ گیا ہے اور مسلمانوں کے اجماع کا خلاف کیا ہے، بالخصوص سیّد المرسلینؐ کے متعلق۔ تو بھی بعض نے اس کی صحتِ نقل کو اور بعض نے اس کے کمالِ عقل کو موردِ طعن بنایا ہے۔"

جواب

ہماری گزشتہ گفتگو سے ہر انصاف پسند کے نزدیک یہ بات ثابت اور متحقق ہو چکی ہے کہ مذاہبِ اربعہ کے علماء نے نہ صرف یہ کہ زبانی شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف و توصیف کی ہے اور ان کی خوبیوں اور فضائل کا اعتراف کیا ہے، بلکہ آپ کے مناقب میں مفصّل کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔ اگر کسی اکا دُکا نے آپؒ پر زبانِ طعن دراز کی ہو تو چاند کا تھوکا مُنہ پر آتا ہے۔ اس کی بات مردود اور ناقابلِ قبول ہے، بلکہ اس کا مصداق وہ خود ہے۔ اس کے اعتراضات کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔

مثلاً جہالت، خود غرضی، تعصب وغیرہ ہماری گفتگو سے یہ بھی اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی بدعت جاری نہیں کی۔ انہوں نے جو بات کی اس پر دلائلِ صحیحہ پیش کیے ہیں۔ جس نے آپ کی صحتِ نقل پر طعن کیا ہے، وہ آپ کا کھلا دشمن ہے۔ مخلوق کی زبانِ طعن سے کوئی نہیں بچا حتیٰ کہ سیّد الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم اور رب العالمین پر بھی لوگوں نے طعن کیے ہیں۔ آپ کی عقل کی وُسعت اور آپ کے علم و فضل کا کمال ایک حقیقت ہے اور وہ مسائل، جو آپ نے اختیار فرمائے، حق ہیں اور قبول کرنے کے لائق ہیں۔ ان کے خلاف اجماعِ صریح جھوٹ ہے۔ علمائے معقول و منقول اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں نے ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا جو متون اور حوالوں کو مستحضر رکھتا ہو۔ سنت، ان کی آنکھوں کے سامنے اور زبان پہ نہایت خوبصورت عبارت کے ساتھ موجود رہتی تھی۔"

حافظ الاسلام حبرِ نبیل، استادِ ائمہ جرح و تعدیل، شیخ المحدثین جمال الدین ابو الحجاج یوسف بن رکن عبد الرحمٰن مزی شافعیؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں فرماتے ہیں: "میں نے ان کی مثل کسی کو نہیں دیکھا نہ ہی انہوں نے اپنے جیسا کوئی دیکھا۔ میں نے کتاب اللہ اور سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے بڑا عالم اور عمل کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔" ابو الحجاج مزیؒ اور ابو عبداللہ ذہبیؒ دو عادل حافظوں کی بہترین رائے ان کے حق میں کافی ہے۔

شیخ، امام، بقیۃ المجتہدین تقی الدین بن دقیق العید شافعیؒ جب ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے اور ان کا کلام سُنا تو فرمایا: "میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اب آپ جیسی شخصیت پیدا فرمائے گا۔" اور فرمایا: "میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے کہ سب علوم اس کی نظروں کے سامنے موجود ہوں، وہ جس کو چاہے لے اور جس کو چاہے چھوڑ دے۔"

حافظ عماد الدین بن کثیر شافعیؒ نے فرمایا: "مختصر یہ کہ آپ (ابنِ تیمیہ) رحمۃ اللہ علیہ کبار علماء میں سے تھے جن سے خطاء و صواب دونوں ممکن تھے۔ لیکن صواب کی نسبت خطاء اتنی کم تھی جس طرح گہرے اور بڑے سمندر سے قطرے کو نسبت ہے۔ اور وہ خطاء بھی صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق بخش دی گئی ہے:

"اِذَا اجْتَهَدَ الْحَاكِمُ فَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا اجْتَهَدَ فَاَخْطَأَ فَلَهٗ اَجْرٌ" "جب فیصلہ کرنے والا اجتہاد کرے اور صواب کو پہنچ جائے، تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب اجتہاد میں خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔"

سید صفی الدین حنفیؒ نے ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں فرمایا "یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ اجتہاد کے مرتبے پر فائز تھے اور اجتہاد کا مقام علماء کی ایک جماعت کو حاصل ہوا۔ ان میں سے امام ابوعبداللہ ذہبی، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہیں"۔ حافظ سیوطیؒ نے "طبقات الحفاظ" میں فرمایا "کہ آپ کبھی کسی مسئلہ میں منفرد نہ تھے اگرچہ آپ نے ائمہ اربعہ کے ساتھ بہت سے مسائل میں اختلاف فرمایا، مگر بعض صحابہؓ و تابعینؒ کے ساتھ ان مسائل میں آپ متفق تھے الخ" انتہیٰ!

ہم ان شاء اللہ ایک مستقل فصل میں آپ کے فضائل و مناقب بیان کریں گے۔ اس سے نبہانی کا الحاد اور جھوٹ اور خواہش پرستی واضح ہو جاتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ نبہانی اہل جاہلیت کی طرح بغیر علم کے مجادلہ کر رہا ہے۔

"شرح مسائل" میں ہے کہ "بغیر علم کے مجادلہ اہل جاہلیت کی خصلت ہے اور یہ خصلت آج کل کے جاہلوں میں بکثرت موجود ہے۔ جب جاہلوں کو ان کی پسندیدہ بدعات اور ضلالتوں سے روکا جاتا ہے، تو وہ بغیر علم کے جھگڑا کرنے لگتے ہیں"۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس خصلت کو اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے:

"يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" [1]

"اے اہل کتاب! تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات و انجیل ان کے بعد اتری ہیں۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ دیکھو تم نے ایسی بات میں تو جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم تھا مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑا کرتے ہو جس کا تم کو کچھ علم نہیں۔ اللہ تعالےٰ

---

[1] آل عمران: ۶۵-۶۶

جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ابنِ اسحاق، ابنِ جریر نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نجران کے عیسائی اور یہودیوں کے احبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑنے لگے۔ احبار نے کہا ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ عیسائیوں نے کہا ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر ان کی جہالت و غباوت کی قلعی کھول دی۔

نبہانی اور اس کے بھائی یہودیوں اور عیسائیوں کی باتوں کا موازنہ کیا جائے تو پاسنگ بھر فرق نہیں ہوگا۔ اب رہا اس کا یہ قول کہ "خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق الخ!"

اس نے اپنی بات سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔ اس نے اس کا کئی بار اظہار کیا اور کہا کہ "ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لیے شدِ رحال کو جائز نہیں سمجھتے۔"

یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور تعظیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی اتباع، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب میں ہے۔ جس محبت و تعظیم کا مخالف نے ذکر کیا ہے وہ تو اسی طرح کی محبت اور تعظیم ہے جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کرتے ہیں اور جو غلو وہ انبیاء و رسل سلام اللہ علیہم کے ساتھ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَن

"اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ تعالیٰ پر سوائے حق کے کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ بن مریم سلام اللہ علیہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں ــــــــ جن کو مریم کی طرف ڈالا اور اس کی روح ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ باز آجاؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، صرف اللہ تعالیٰ ہی ایک معبود ہے۔ وہ اس

يَكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ الآية[1] سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔"

مخلوق میں غلو کرنا، بتوں اور صالحین کی عبادت کا سب سے بڑا سبب ہے جس طرح کہ نوح علیہ السلام کی قوم نسر، سواع، یغوث، یعوق وغیرہ کی عبادت کرتی تھی اور جس طرح کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ ناحق بات ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق کہی گئی۔

مقصد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی نگہداشت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی حفاظت اور اس پر عمل سے ہوتی ہے نہ کہ جس طرح نبہانی کہتا ہے۔ حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی اتباعِ سنّت اور روشن شریعت کی حفاظت کس پر مخفی ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مزید ادب کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے اپنی کتاب "الصارم المسلول" کی ایک فصل میں بیان فرمایا ہے کہ "رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں مال خرچ کیے جائیں اور جانیں قربان کی جائیں۔" ایک اور فصل میں بیان کیا ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و تعظیم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف پورے دین کے لیے مایۂ درستگی ہے۔" ایک اور فصل میں بیان کیا ہے کہ "شاتمِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معین سزا قتل ہے۔" ایک اور فصل میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارح زبان اور دل پر زائد حقوق واجب فرمائے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی بکنا درحقیقت سب مسلمانوں کو گالی بکنا ہے اور ان کے دین میں طعن کرنا ہے۔" ایک اور فصل میں ثابت کیا ہے کہ "رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور محبت ایمان کے لیے لازم ہے۔" ایک اور فصل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب، پیدائش اخلاق، امانت، وفا اور صداقت میں طعن کا شرعی حکم بیان فرمایا ہے اور بھی بہت سی اہم فصلیں ہیں جن میں بیان کردہ سب باتیں ثابت کرتی ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت و عقیدت رکھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا ادب کرتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر کے فرمایا ہے "جو کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب دھرے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن میں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی خصلت میں کوئی نقص پیدا کرے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی گالی کے انداز میں شبہ کرے، یا

---

[1] النسآء: ۱۷۱

آپ ﷺ کو حقیر جانے یا آپ ﷺ پر کوئی عیب دھرے۔ وہ آپ ﷺ کو گالی دیتا ہے۔ اس کی سزا بھی قتل ہے۔ انہوں نے ایک فصل کو بھی اس مقصد سے ہٹ کر بیان نہیں کیا آپ اس میں تصریح یا توضیح سے بھی شک نہ کریں۔

اسی طرح جس نے آپ ﷺ پر لعنت کی یا آپ ﷺ کو نقصان دینے کی تمنّا کی یا آپ ﷺ کو بد دعا دی یا آپ ﷺ کے منصب کے نامناسب باتیں بطریق ذم منسوب کیں یا آپ ﷺ پر یا آپ ﷺ کی طبیعت کی وجہ سے حقیر گفتگو سے عیب دھرا یا فضول اور جھوٹ بکواس بکی یا آپ ﷺ کو جو مصائب و مشکلات پیش آئیں ان سے آپؐ کو عار دلائی یا بعض جائز بشری عوارض جو آپ ﷺ کے ساتھ معمول کے مطابق تھے ان کو حقیر جانا تو فرمایا کہ "علماء اور ائمہ فتویٰ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اجماع چلا آرہا ہے کہ ایسے شخص کو قتل کردینا چاہیے"۔

ابن قاسم نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ "جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی بکی، وہ قتل کیا جائے اس سے توبہ کا مطالبہ بھی نہ کیا جائے"۔ ابن قاسم نے کہا "یا آپ ﷺ کو گالی دے یا آپ ﷺ پر عیب دھرے یا آپ ﷺ کی بے ادبی کرے، وہ اسی طرح قتل کیا جائے جس طرح زندیق کو قتل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کو فرض کردیا ہے"۔

اسی طرح مدنیوں کی روایت میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی گلوچ کیا یا آپ ﷺ میں عیب نکالا یا آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو اس کو قتل کردیا جائے۔ مسلمان ہو یا کافر اس سے توبہ کا مطالبہ بھی نہ کیا جائے"۔ ابن وھب نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے "جس نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی چادر میلی ہے اس کو آپ ﷺ کا عیب سمجھے تو اس کو قتل کیا جائے"۔

بعض مالکیہ نے علماء کا اجماع بیان کیا ہے اس شخص کے خلاف جس نے کسی نبی کو ویل یا مکروہ بات سے آواز دی وہ بلا توبہ قتل کیا جائے۔ مشہور فقہاء مالکیہ نے بہت سے مقدموں میں بلا توبہ قتل کے جو فیصلے دیئے ہیں قاضی عیاضؒ نے ان کے جوابات کو ذکر کیا ہے اور ان کو تفصیل سے

بیان کیا ہے۔" الصارم المسلول" کی عبارت ختم ہوگئی۔ اس عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے مؤلف کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت تھی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع تھی اس لیے نبہانی نے جو جھوٹ اور باطل بکا ہے، وہ ساقط ہوگیا ہے۔

اعتراض

نبہانی کہتا ہے" ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ نقل کرتا ہے اس کے غیر معتبر ہونے کی تائید حافظ عراقی کبیر نے اس کے حق میں جو کہا ہے، اس سے بھی ہوتی ہے۔ میں فائدے کی تکمیل اور دلیل کی تقویت کی خاطر اس کو نقل کرتا ہوں اگرچہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں، مجھے" جزء لطیف" کی اطلاع ملی جو حافظ عراقی کی تالیف ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام عینی کے استاد تھے انہوں نے اس میں مرغیوں اور غلوں کو کھانے اور عاشورہ کے دن گھر میں توسیع کرنے پر بحث کی ہے اور اس سے منع کرنے پر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تردید کی ہے"۔ پھر نبہانی نے پورا رسالہ نقل کیا ہے!

جواب

اہل علم اور اکابر محدثین کی طرف سے ان کی مدح و توصیف کو ——— اور اکابر حفاظ ہیں ان کے شمار کرنے کو ہم بیان کر چکے ہیں اور آئندہ بھی بیان کریں گے۔ اس سے نبہانی کے اس الزام کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی کہ" آپ کی نقل غیر معتبر ہے" وہ ثقہ اور صدوق ہیں اس کی گواہی دوست دشمن سبھی دیتے ہیں۔ اس کی کسی نے مخالفت نہیں کی یہاں تک کہ علماء حدیث کا قول ہے کہ" كُلُّ حَدِيْثٍ لَا يَعْرِفُهُ ابْنُ تَيْمِيَةَ فَهُوَ لَيْسَ بِحَدِيْثٍ" ہر وہ حدیث جس کو ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نہ پہچانیں، وہ حدیث ہی نہیں"۔ صداقت کے اس بلند مرتبے اور اونچے درجے کو دیکھیے۔ عراقی سے جو کچھ نبہانی نے نقل کیا ہے، اگر نقل صحیح ہے تو وہ احکام دین سے اس کی جہالت اور بے خبری کی دلیل ہے۔ عاشورہ کے دن کو امور دینیہ یا دنیویہ کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی اصل نہیں ہے، جیسا کہ ائمہ مذاہب اور فقہاء کا مذہب ہے۔ جو احادیث اس نے بیان کی ہیں، وہ یا تو موضوع ہیں، یا زیر بحث مسئلے سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اس پر تفصیلی گفتگو کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔

شیخ کے مخالفین اور آپ پر طعن زنی کرنے والوں کا نہایانی کثرت سے ذکر کرتا ہے اور اعتماد کثرت و سوادِ اعظم پر رکھتا ہے اور کسی مسئلے کے بطلان کی دلیل یہ بناتا ہے کہ اس کو ماننے والے کم ہیں یہ اس کی سراسر جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۞ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ“ [1]	”اگر تم زمین پر آباد اکثر (گمراہ) لوگوں کی اطاعت کروگے تو وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھلا دینگے۔ وہ محض خیال کے پیچھے چلتے ہیں اور اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔ تمہارا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں اور وہ ہدایت والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔“

صاحب بصیرت کے لیے ماننے اور اتباع کے لائق حق بات ہی ہوتی ہے اگرچہ اس کے مخالف کثرت میں ہوں اور حق کے متبعین اور انصار کم ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ“ الآية [2]	”اس نے تیری دُنبی کو اپنی دنبیوں سے ملانے کے لیے مانگ کر تجھ پر ظلم کیا ہے اور بہت سے حصے دار ایک دوسرے پر زیادتی کیا ہی کرتے ہیں مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ایسے لوگ بہت کم ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا ہے کہ اہلِ حق کم ہوتے ہیں اور اس کمی سے ان کو کوئی نقصان نہیں۔ صاحب بصیرت تو دلیل کو دیکھتا اور لیتا ہے۔ اگرچہ دلیل کی معرفت رکھنے والے اور اس کو ماننے والے کم ہوں جو کوئی دلیل سے صرفِ نظر کرکے عوام کی اکثریت کی بات کو قبول کرتا ہے وہ خطا پر ہے اور ٹیڑھی راہ چلنے والا ہے۔ وَهُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ!

اعتراض ”ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی بعض کتابوں پر ابن جوزی نے تبصرہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا:

---

[1] الانعام ۱۱۷-۱۱۸ [2] ص: ۲۴

"ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں سے ایک کتاب" الجواب الصحیح فی الرد علیٰ من بدل دین المسیح" ہے، وہ چار متوسط جلدوں میں نہایت عمدہ کتاب ہے۔ اگر وہ اپنی متفرد بدعات کے ساتھ تعرض نہ کرتا اور مسلمانوں سے بے گانہ نہ ہوجاتا تو وہ نہایت نفیس کتاب ہے مثلاً اس نے مسلمانوں کو منع کیا کہ عام انبیاء علیہم السلام و صالحین اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ کریں اور اس نے بدعت جاری کرنے سے بڑھ کر اکابر اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی تکفیر کی ہے مثلاً محی الدین ابن العربی اور عمر بن فارض وغیرھما اس نے بعض کا ذکر اپنی کتاب "فرقان" میں بھی کیا ہے ان پر طعن و تشنیع کی، ان کی تکفیر کی، اور ان کو "اولیاء الشیطان" بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرے۔ کتابوں میں یہ اس کی عادت ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی کتاب کو بہت کم مفید بنایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جو شخص اس کے اولیاء رحمہم اللہ کو تکلیف پہنچائے۔ حدیثِ قدسی میں آیا ہے:

"مَنْ اٰذٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ" — "جس نے میرے ولی کو ایذا پہنچائی اُس سے میرا اعلانِ جنگ ہے۔"

جواب

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی سب کتابیں اُمت پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہیں۔ وہ مختلف علوم و فنون پر مشتمل ہیں۔ اس کے باوجود ہر کتاب اپنے موضوع پر ثانی نہیں رکھتی۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الکافیۃ الشافیۃ" میں ذکر کر کے ان کے مطالعے کا شوق دلایا ہے ؎

فاقرء تصانیف الامام حقیقۃ — شیخ الوجود العالم الربانی

"امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا مطالعہ کرو، وہ درحقیقت عالمِ ربانی اور دنیا کے شیخ ہیں۔"

اعنی ابا العباس احمد ذالک الـ — بحر المحیط بسائر الخلجان

"میری مراد ابو العباس احمد ہیں، وہ ایسے سمندر ہیں جو سب خلیجوں کو محیط ہیں۔"

واقرا کتاب العقل والنقل الذی — ما فی الوجود لہ نظیر ثان

"آپ کی کتاب "العقل والنقل" پڑھو، وہ دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔"

وكذاك منهاج له في رده قول الروافض شيعة الشيطان

"اسی طرح "منهاج السنة" آپ کی بے نظیر کتاب ہے جس میں شیطانی گروہ رافضیوں کا رد ہے۔"

وكذاك اهل الاعتزال فانه اردا هم في حفرة الجبان

"اسی طرح آپ نے معتزلیوں کو بزدلوں کے گڑھے میں پھینک کر ختم کر دیا ہے۔"

وكذا التأسيس اصبح نقضه اعجوبة للعالم الرباني

"اسی طرح آپ کی کتاب "نقض اساس التأسیس" ہے اس کا نقض عالم ربانی کے لئے اعجوبہ روزگار ہے۔"

وكذاك اجوبة له مصرية في ست اسفار كتبن سمان

"اسی طرح آپ کا مصری فتاویٰ ہے جو موٹی موٹی چھ جلدوں میں مکتوب ہے۔"

وكذا جواب للنصارى فيه ما يشفي الصدور وانه سفران

"یہی حال کتاب "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" کا ہے اس کو پڑھ کر دل میں ٹھنڈ پڑ جاتی ہے اور وہ مصلح ہے۔"

وكذاك شرح عقيدة للاصبهاني شارح المحصول شرح بيان

"آپ کی ایک کتاب "شرح عقیدۃ الاصبهانی" ہے جس کو آپ نے خوب شرح وبسط سے بیان فرمایا ہے۔"

فيها النبوات التي اثباتها في غاية التقرير والتبيان

"اس میں نبوتوں کا اثبات نہایت عمدہ پیرائے میں کیا گیا ہے۔"

والله ما لاولي الكلام نظيره ابدا وكتبهم بكل مكان

"اللہ کی قسم ساری دنیا میں اہل کلام اور ان کی کتابوں میں اس کی مثال نہیں۔"

وكذا حدوث العالم العلوي والسفلي فيه فانه تم بيان

"اس میں عالم علوی وسفلی کا مفصل اور مکمل بیان ہے۔"

وكذا قواعد الاستقامة انها سفران فيما بيننا ضخمان

"آپ کی کتاب "قواعد الاستقامۃ" دو موٹی جلدوں میں موجود ہے۔"

وقرأت اكثرها عليه فزادني   والله في علم وفي ايمان

"میں نے اس کا اکثر حصہ آپ کے سامنے پڑھا خدا کی قسم اس سے میرا علم وایمان بڑھا ہے"۔

وكذاك توحيد الفلاسفة الأٰلى   توحيدهم هو غاية الكفران

"آپ کی کتاب "توحید الفلاسفۃ الآلی" ہے فلاسفروں کی توحید تو سب سے بڑا کفر ہے"۔

سفر لطيف فيه نقض أصولهم   بحقيقة المعقول والبرهان

"وہ ایک پاکیزہ کتاب ہے جس میں ان کے اصولوں کو دلائل وبراہین کے ساتھ توڑا گیا ہے"۔

وكذا كذا تسعينية فيها له   رد على من قال بالنفساني

"آپ کی کتاب "تسعینیہ" میں کلام نفسی کے قائلین کا رد ہے"۔

تسعون وجها بينت بطلانه   أعني كلام النفس ذا الوجدان

"اس میں باطنی قوتوں والے نفس سے کلام کا نوے وجوہ سے بطلان ثابت کیا گیا ہے"۔

وكذا قواعدها الكبار فانها   أوفى من المائتين في الحسبان

"اسی طرح کتاب "قواعدھا الکبار" ہے۔ ان قواعد کا شمار دو سو تک پہنچتا ہے"۔

لم يتسع نظمي لها فأسوقها   فأشرت بعض اشارة لبيان

"میری نظم میں گنجائش نہیں کہ ان کو بیان کرسکوں میں نے بعض اشارات کر دیئے ہیں"۔

وكذا رسائله الى البلدان والـ   أطراف والأصحاب والاخوان

"اسی طرح آپ کے مختلف خطوط ہیں جو آپ نے مختلف شہروں، علاقوں، بھائیوں اور دوستوں کو لکھے تھے"۔

هي في الورى مبثوثة معلومة   تبتاع بالغالي من الاثمان

"وہ دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں جو گراں قیمت پر خریدے جاتے ہیں"۔

وكذا فتاواه فاخبرني الذي   أضحى عليها دائم الطوفان

"ایک آپ کا فتاوٰی ہے مجھے ان کی خبر اس نے دی جو ہمیشہ ان کا نگران تھا"۔

هذا وليس يقصر التفسير عن   عشر كبار ليس ذا نقصان

"آپ کی تفسیر دس بڑی جلدوں میں ہے"۔

وكذا المفار بيد التي في كل مسئلة فسفر واضح التبيان

"اسی طرح آپ نے ہر مسئلے میں واضح بیان کے ساتھ مفرد کتابیں لکھی ہیں۔"

ما بين عشر أو تزيد بضعفها هي كالنجوم لسالك حيران

"ان کی تعداد تقریباً دس ہے یا اس سے کئی گنا زیادہ۔ وہ ستاروں کی مانند حیران مسافر کی راہنمائی کرتی ہیں۔"

وله المقامات الشهيرة في الورى قد قامها لله غير جبان

"دنیا میں آپ کو بڑے رتبے ملے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے لیے بڑی بہادری سے اٹھ کھڑے ہوئے۔"

نصر الاله و دينه و كتابه و رسوله بالسيف والبرهان

"آپ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے دین، اس کی کتاب، اس کے رسول ﷺ کی تلوار اور دلائل سے مدد کی۔"

أبدى فضائحهم وبين جهلهم وأرى تناقضهم بكل زمان

"آپ نے دشمنانِ دین کی فضیحتوں کو ظاہر کیا اور ان کی جہالت کو بیان فرمایا اور ہر زمانے میں ان کے تناقض کو آشکار کیا۔"

وأصارهم والله تحت نعال اهـل الحق بعد ملابس التيجان

"ان کو تاج پہننے کے بعد، واللہ، اہلِ حق کے جوتوں کے نیچے کر دیا۔"

وأصارهم تحت الحضيض وطالما كانوا هم الاعلام في البلدان

"ان کو تحت الثریٰ تک پہنچا دیا حالانکہ وہ علاقوں کے بڑوں میں شمار ہوتے تھے۔"

ومن العجائب أنه بسلاحهم أرداهم تحت الحضيض الداني

"عجیب بات یہ ہے کہ ان ہی کے ہتھیاروں سے ان کو قعرِ مذلت میں گرا کر ہلاک کر دیا۔"

كانت نواصينا بأيديهم فما منا لهم الا أسير عان

"ہماری پیشانیاں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ ان تک قیدی (ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ) ہی پہنچ سکتے ہیں۔"

فغدت نواصيهم بأيدينا فلا يلوننا الا بحبل أمان

"اب ان کی پیشانیاں ہمارے ہاتھوں میں ہیں اب وہ ہم سے پناہ مانگتے ہیں۔"

وغدت ملوکھم ممالیک الانصار الرسول بمنة الرحمن

"ان کے بادشاہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگاروں کے غلام بن گئے ہیں"

وأتت جنودھم التی صالوا بھا منقادة لعساکر الایمان

"جن لشکروں سے مخالفین حملہ آور ہوئے تھے اب وہ ایمان کے لشکروں کے مطیع و فرمانبردار ہیں"

میں ان اشعار کی شرح میں کہتا ہوں کہ شاعر نے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کو فن وار مرتب کرکے بیان نہیں کیا کیونکہ نظم اس کی متحمل نہ تھی۔ ہم مختصر سی وضاحت کرتے ہیں۔

"واقرأ کتاب العقل والنقل - الخ": اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ شریعت کو اپنی نصوص کافی ہیں۔ اس کو یونانی فلسفے کے ماخوذ قواعدِ کلامیہ کی قطعاً حاجت نہیں ہے اور دلیلِ نقلی یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ یہ کتاب پاکستان و ہندوستان، عرب ممالک اور ایران وغیرہ میں عام مل جاتی ہے۔ اس کا ایک مکمل نسخہ جس میں کوئی کمی نہیں ہے، راغب پاشا کے کتاب خانہ میں موجود ہے۔

"کذالک منہاج لہ فی ردہ - الخ":

یہ کتاب بھی شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی اہم کتابوں میں ہے۔ رافضیوں کے رد میں بہترین کتاب ہے۔ یہ بہت سے علوم و فنون پر مشتمل ہے۔ اس کے بہت سے نسخے مختلف علاقوں میں اور بہت سی اسلامی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

"کذالک التأسیس اصبح نقضہ - الخ":

اس سے کتاب "نقض اساس التأسیس" مراد ہے۔ یہ امام فخر الدین رازی کے رد میں ہے، جس میں علمِ کلام کے بہت سے اہم مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ اس کا نسخہ دمشق میں ملک عادل کی لائبریری میں موجود ہے۔ اور چھ جلدوں میں ہے۔

"وکذالک اجوبۃ مصریۃ - الخ":

یہ اہم مسائل پر مشتمل، چھ جلدوں میں فتاویٰ ہے۔

"وکذالک جواب للنصاریٰ - الخ":

اس سے مراد "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" ہے۔ نصاریٰ کے جواب میں آج تک

ایسی بہترین اور جامع کتاب نہیں لکھی گئی۔ ایک مصری مجلہ یوں تبصرہ کرتا ہے: "الجواب الصحیح والدین الصریح جب انسان تعصب اور فرقہ بندی کے دائروں سے باہر نکل کر اور ماحول کے دباؤ سے آزاد ہو کر محض فطرت کے مطابق سوچتا ہے اور ادیان کی اصلیت اور روح پر غور و فکر کرتا ہے اور انبیاءؑ کی دعوت میں جو انہوں نے اپنے رب کی طرف سے پیش کی ہے سوچ و بچار کرتا ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام ایک حقیقت اور ایک مقصد کی طرف دعوت دیتے تھے اور سب شریعتوں کا منبع اور بنیاد اور غرض ایک تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ:

"وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ"[1] "ہمارا حکم تو آنکھ جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے"

بہت سی آیاتِ کریمہ ان کے مقصد میں اتفاق و اتحاد پر دلالت کناں ہیں۔ توحید پر اور فرقہ بندی اور اختلاف سے ممانعت پر ان کی تعلیم یکساں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ الآیۃ[2]" "اس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر فرمایا جس کو اختیار کرنے کا نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جس کی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو حکم دیا تھا وہ یہ کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا ـــــ (تمہیں بھی یہی حکم ہے)"

لیکن ناقص الفطرت اور اپنے رب کی حکمتِ بالغہ سے قاصر الفہم شخص لٹھ لے کر اسی بات کے پیچھے پڑ گیا ہے کہ جو چیز اتفاق کی بنیاد ہے اس کو اختلاف کا سبب بنا دے اور جو سعادت کی اصل ہے اس کو شقاوت کا سبب بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو خوشخبری دینے اور

---

[1] القمر: ۵۰ [2] الشوریٰ: ۱۳

ڈرانے کے لیے مبعوث کیا تاکہ اُمت میں اتفاق پیدا ہو اور وہ ایک کلمہ توحید پر جمع ہو جائے۔ اس خیرِ محض اور کمالِ مطلق پر شر کی قوت اور ناقص طبیعت غالب آ گئی اور اس نے انسانیت کی شیرازہ بندی کرنے والی وحدت دینیہ کو پارہ پارہ کر دیا اور بہت سی آرا، مسالک اور مذاہب و ملتیں پیدا ہو گئیں۔ پھر ان کے درمیان قلمی اور نیزہ و تلوار کی جنگیں ہوئیں۔ ہر پارٹی دوسرے کی تردید اور اس پر حملہ آور ہونے میں مصروف ہو گئی۔ ہر ایک کی مدد کے لیے جماعتوں اور افراد نے پروگرام ترتیب دیئے اور ان کی تکمیل میں لگ گئے۔ اس طرح قیل و قال، شور و غل اور جھگڑے میں بکثرت لوگ ملوث ہو گئے۔ حقیقت، نزع و مخاصمت اور باطل کے دبیز پردوں میں مستور ہو کر رہ گئی۔ کسی فریق نے شبہات کو مکمل طور پر حل نہیں کیا۔ بلکہ حقیقت میں اور ان میں زمین و آسمان کا سا بُعد پیدا ہو گیا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور قرونِ وسطیٰ میں حق کی نصرت کے لیے شیخ الاسلام، قدوۃ الانام تقی الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ بن تیمیہ پیدا ہوئے۔ انہوں نے "الجواب الصحیح" کے نام سے کتاب لکھی جس میں انہوں نے عدل و انصاف کی راہ اختیار کی ہے۔ حق کی حمایت اور باطل کی تردید کی ہے۔ اور جھگڑے اور مجادلے سے دامن کو بچایا ہے۔ دھونس اور گالی گلوچ سے پہلو تہی کی ہے۔ آپ نئے انداز سے تحقیق کی راہ پر چلے۔ آپ سے پہلے کسی نے یہ راہ اختیار نہیں کی اور نہ آپ کے طریقے کو اپنایا۔ کتاب کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے انہوں نے اصحابِ عقل و فہم کے سامنے حقیقت کو واشگاف کیا ہے۔ قبرص شہر سے بولص راہب، جو صید انطاکی کا بشپ تھا، کی کتاب آئی جس میں دینِ نصاریٰ کے سارے کے سارے دلائل کو بیان کر دیا ہے، جس کو ان کے علماء و فضلاء پیش کیا کرتے ہیں۔ اس کے دلائل ہر زمانے اور ہر علاقے کے علماء نصاریٰ کے نزدیک قابلِ اعتماد اور مسلّم تھے۔ وہ چھ مطالب پر مشتمل ہے، جو مسیحیت کے ستون اور ان کے مسّی اصول ہیں۔ آپ نے ان کے ہر دعویٰ کا شافی جواب دیا ہے، جس پر اہلِ بصیرت نے مہرِ تصدیق ثبت کی ہے۔" پھر کتاب کے مشمولات کو ذکر کر کے کہا ہے: "امام جلیل آئے اور انہوں نے مذہبی آراء سے الگ ہو کر اور دینی تعصّب کو چھوڑ کر اصل حقیقت کو واضح فرمایا اور طالبین کے لیے ماہیات کی کنہ کو ظاہر فرمایا۔ ابتداء میں انہوں نے ان مطالب کو اہلِ جدل کے طریقے پر جھٹلایا، پھر ان کا خلافِ عقل ہونا ثابت کیا۔ آپ نے ان کے دلائلِ موہومہ کو انہی پر اُلٹ دیا اور ان سے ان کے مطلوب

کے برعکس نتیجہ نکالا۔ پھر خود استدلال کر کے اعتدال کی راہ اختیار فرمائی اور ان اختلافات کو اتفاق میں بدلا اور جھگڑوں کو موافقت میں تبدیل کیا اور یہ حقیقت واضح فرمائی کہ سب ادیان کی اصل ایک ہی ہے جو اختلافات نظر آ رہے ہیں ان کا منشا زمانے اور جگہ کے تقاضوں کے مطابق ریاست اور خواہشات کی محبت ہے۔ اس کتاب کا جب علمی اکادمی کے بعض پادریوں کو علم ہوا تو انہوں نے اس کی بہت قدر کی اور اس کے مؤلف کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر مؤلف موصوف اسلام کے محاسن کو ایک دوسری کتاب میں جمع فرما دیتے، تو لوگ اس میں فوج در فوج داخل ہو جاتے۔

مختصر یہ کہ یہ کتاب بڑی قابلِ قدر اور قابلِ مطالعہ ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے اسلام میں اور نصرانی کو اپنی نصرانیت کی وجہ سے اس کی ضرورت رہتی ہے۔ الخ!

"وکذالک شرح عقیدۃ لاصفہانی۔الخ" :

یعنی آپ کی کتابوں میں سے ایک "شرحِ عقیدہ لاصفہانی" ہے۔ یہ بڑی جلیل القدر کتاب ہے جس میں بڑے اہم مباحث ہیں بالخصوص نبوتوں اور حدوثِ عالمِ علوی و سفلی کے مباحث۔

"وکذا قواعد الاستقامۃ۔الخ" :

یہ دو جلدوں میں آپ کی بڑی ہی مفید کتاب ہے۔ اس کے نسخے بلادِ عرب، دمشق اور ہندوستان کے بعض علاقوں میں موجود ہیں۔

"وکذا توحید فلاسفۃ الآلی۔الخ" :

اس میں آپؒ نے فلاسفہ کا رد فرمایا ہے۔ یہ کئی جلدوں میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نسخہ دارالسلطنت کی بعض لائبریریوں میں موجود ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ وہ ایک پاکیزہ کتاب ہے۔ چونکہ وہ اس کو دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں اس لیے ان کا کہنا بالکل بجا ہے۔

"وکذالک تسعینیۃ الخ" یہ کتاب عام ہے اس میں کلامِ نفسی کے قائلین کی تردید نوّے وجوہ سے ہے۔

"وکذا قواعدہ الکبار۔الخ" :

یہ قواعدِ قرآنی وغیرہ کے نہج پر ہے لیکن بہت زیادہ مفید ہے۔ اس کے نسخے بلادِ عربیہ میں موجود ہیں۔

"کذا رسائلہ الی البلدان۔الخ"۔"وکذا فتاواہ۔الخ"! آپ کے مختصر رسالے اور کتابیں تو بہت ہیں جن کا احصار ممکن نہیں۔ آپ کے فتاویٰ کی تیس جلدیں ہیں جو اب سینتیس جلدوں میں چھپ چکا ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں ہیں جن کا ذکر باعث طوالت ہے یہ سب کتابیں ایک یا دو یا زیادہ جلدوں میں ہیں عبارت آسان، شگفتہ اور مسلسل اور مدلل ہے۔

الغرض، ہر کتاب اپنے موضوع پر لاجواب اور سچی تعریف کے لائق ہے۔ اگر ہر کتاب پر اس کے حق کے مطابق مدح و ثناء کریں تو الگ کتاب کی ضرورت ہے۔

اعتراض نبہانی کی یہ تنقید کہ :

"الجواب الصحیح" نہایت نفیس کتاب ہوتی، اگر وہ ان کی اپنی انفرادی بدعات سے پاک ہوتی الخ!

جواب ناقد نے جن باتوں پر تنقید کی ہے، درحقیقت وہی اس کتاب کے محاسن اور اس کی اہم فصول ہیں۔ مخلوق سے استغاثہ اور استعانت اور التجا ہی اہل کتاب کا غلو تھا۔ یہ عیسائیوں کا مذہب ہے۔ یہ مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کی عبادت اسی سے عبارت ہے اگر آپؒ ان کے اس قول کا ابطال نہ فرماتے، تو پھر لکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ یہی حال اتحاد و حلول کے قائلین کے رد کا ہے اگر آپ ان کی تردید نہ کرتے اور ان کے دعوے کا ابطال کر کے ان کو ملت سے خارج نہ کرتے تو ان کے لیے عیسائیوں کے اس دعوے کا ابطال ممکن نہ تھا کہ "اللہ نے مسیح علیہ السلام میں حلول کیا ہے یا اس سے متحد ہو گیا ہے وغیرہ کوئی معترض یہ اعتراض کر سکتا تھا کہ "بعض مسلمانوں کا عقیدہ اس سے بھی بدتر ہے" اور وہ یہ دعویٰ حلول و اتحاد ہے جس کا شیخؒ اور دوسرے ربانی علماء نے جو شریعت حقہ کے متبع ہیں، ابطال فرمایا ہے۔ ہم کسی مناسب مقام پر اس کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کریں گے۔ اور جن جن بزرگوں نے ان کا رد کیا ہے اور ان کے دعویٰ کو جھٹلایا ہے ان کا ذکر کریں گے۔ یہ ہے جو نبہانی گمراہ کے نزدیک شیخؒ کا ناقابل معافی جرم! شیخؒ پر اس کی تنقید ثابت کرتی ہے کہ وہ اپنی خواہش کا غلام ہے :

"وَ مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ"۔ (البروج : ۸)

"کفار کے نزدیک ان کا جرم یہی تھا کہ وہ اللہ زبردست تعریف کئے ہوئے پر ایمان لے آئے ہیں"

اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائیوں کی حکایت کی ہے :

"اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ

"یا ان کی مثال بارش کی سی ہے جو آسمان سے برس رہی ہو۔ اس میں اندھیرے پر اندھیرا ہو۔ اور بادل گرج رہا ہو، بجلی کوند رہی ہو تو کڑک سے

حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰہُ مُحِیْطٌۢ بِالْکٰفِرِیْنَ ○ یَکَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ؕ کُلَّمَآ اَضَآءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِیْہِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْھِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْشَآءَ اللّٰہُ لَذَھَبَ بِسَمْعِھِمْ وَاَبْصَارِھِمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ "[1]

ڈر کر موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کافروں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے. قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھوں کو جھپٹ لے جب بجلی ان پر روشنی ڈالتی ہے تو وہ اس میں چل پڑتے ہیں اور جب اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کے کان اور آنکھیں ضائع کر دیتا یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"؛

کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ومن یک ذافم مرّ مریض
یجد مرّاً بہ الماء الزّلالا

"جو کڑوے منہ والا مریض ہو وہ آبِ زلال کو بھی کڑوا ہی محسوس کرتا ہے"۔

؎ تعدّ ذنوبی عند قومی کثیرۃ
ولا ذنب لی الّا العلا والفواضل

"میری قوم کے نزدیک میرے گناہ بہت شمار کئے جاتے ہیں میرا گناہ تو صرف بلندیاں اور خوبیاں ہیں"؛

نبہانی اور اس جیسے دوسرے غالیوں نے شیخ الاسلامؒ کی کتابوں کی قدر نہیں کی بلکہ یہ خواہش ہے کہ کاش ان کا وجود مٹ جائے اور وہ دنیا سے مفقود ہو جائیں کیونکہ ان کتابوں سے "اقوالِ فاسدہ سے بنے بنائے مذہب" کا کھیل بگڑ جاتا ہے اور ان کی شیخوخت کی عمارت دھڑام سے نیچے آ رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ ؕ قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ

"یہود و نصاریٰ آپؐ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ آپؐ ان کی ملت کی اتباع کریں۔ اے پیغمبرؐ! کہہ دو کہ اصل ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اگر تم اپنے پاس علم یعنی وحی الٰہی کے آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشوں پر چلو گے، تو

---

[1] البقرۃ : ۱۹ - ۲۰

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۔ ؎ — کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے"

اہلِ حق اور اہلِ بصیرت اصحاب کو جب شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی کتاب ہاتھ لگ جاتی ہے تو وہ بے حد خوش ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کو علم کا خزانہ مل گیا ہے۔

میں نے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ ومناقب میں حافظ شیخ شمس الدین بن عبدالهادی المقدسی کی کتاب "درر بہیہ فی ترجمۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ" کے حاشیے پر ایک خط دیکھا ہے جو شیخ الاسلام کے معاصر، ایک عراقی فاضل علامہ شیخ عبداللہ بن حامد نے بھیجا تھا آپ اکابر شوافع میں سے تھے۔ وہ خط یہ ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ خط کمترین بندے عبداللہ بن حامد کی طرف سے شیخ، امام، عالمِ باعمل، قدوۃ الافاضل والمحافل، اللہ تعالیٰ کے دین کے حامی اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے والے، شیخ مکرم ومعظم ابوعبداللہ کی خدمت میں ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی پوری نعمتوں سے نوازے اور دل وزبان کے صواب سے آپ کی تائید فرمائے۔ دنیا وآخرت کی سعادت سے بہرہ مند کرے، اپنی مہربانی اور رحمت سے آپ کے درجات دونوں جہانوں میں بلند فرمائے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ "آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہوں"۔

امّا بعد میں آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اس کے سوا کوئی حمد اور عبادت کے لائق نہیں میرے پاس اچانک آپ کا خط آیا میں بڑے شوق سے منتظر تھا۔ ہر آنے جانے والے سے آپ کے بارے میں خوش کن اور مسرت انگیز خبریں معلوم کیا کرتا تھا اس دوران میں میرے خط میں دیر اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ محبت میں کمی یا اخوت کے حقوق میں سستی یا کسی قسم کا ملال سدّراہ ہوا ہے اللہ کی پناہ کہ للّٰہ فی اللہ محبت میں کسی قسم کی گرانی آئے۔

بس الشیخ الامام امام الدنیا رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد آپ کے تلامذہ، اخوان واقارب، آپ کے رشتہ داروں اور خاص لوگوں کی خبریں معلوم کر کے سکون حاصل کرتا رہا ہوں کیونکہ میں شیخ الاسلام

؎ سورۃ البقرہ : ۱۲۰

سے پرخلوص محبت رکھتا ہوں الحمد للہ آج تک اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ خاص طور پر جب سے کہ مجھے شیخ الاسلام کے مباحث اور استدلالات کا علم ہوا جن سے باطل پرستوں میں زلزلہ آگیا ہے اور ان کے سامنے فلسفیوں کا مغالطہ آمیز استدلال نہ ٹھہر سکا۔ اور بدعتی متکلمین کے قدم بھی نہ جم سکے۔

امام الدنیا رحمۃ اللہ علیہ کے مباحث پر واقفیت حاصل کرنے سے قبل میں متقدمین اور متاخرین کے مقالات اور تصنیفات کا مطالعہ کر چکا تھا۔ میں نے ان میں ملمع سازی، اباطیل اور ایسے شکوک پائے جن کو ایک معمولی درجے کا مسلمان بھی گوارا نہیں کر سکتا، چہ جائے کہ کسی مضبوط دیندار کے دل میں پیدا ہوں۔ جب میں بڑے لوگوں کے بے کار اور عقل وفہم سے خالی مقالات اور کمزور آراء جن کے جواز کا امت میں کوئی بھی قائل نہ تھا، کو دیکھتا تو میرا دل کڑھتا اور رنجیدہ ہوتا تھا۔ میں بالخصوص امام احمدؒ کے اصحاب میں خالص سنت پر مشتمل متکلمین کی تصنیفات کی تلاش میں رہتا تھا کیونکہ وہ اپنے امام کی منصوصات کی وجہ سے اصولِ عقائد میں شہرت رکھتے تھے۔ لیکن ان کے پاس بھی کافی مواد نہیں تھا۔ میں نے ان کے تناقض کو دیکھا ہے کہ وہ کس طرح بعض اصول بناتے ہیں، جن سے ان کے اپنے عقیدہ کا خلاف لازم آتا ہے اور وہ کس طرح اپنے ہی پیش کردہ دلائل کے تقاضوں کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں؟ جب میں معتزلہ، اشعریہ، حنابلہ بغداد، کرامیہ خراسان کے اقوال کو جمع کرتا تو صاف نظر آتا تھا کہ ان سب متکلمین کا ایک مسئلے میں اجماع عقلی ونقلی دلیل کے خلاف ہے۔ اس سے مجھے صدمہ ہوتا اور ایسا غم ہوتا جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے اسی وجہ سے بڑے بڑے مصائب، صدمے برداشت کئے، جن میں سے معمولی اور آسان ترین بات کی تشریح کی ہمت بھی میں اپنے اندر نہیں پاتا۔ میں اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتا اور التجا کرتا تھا اور نصوص کے ظاہر کو اختیار کرتا تھا۔ متضاد معقولات اور مصنوعی تاویلات کو قبول کرنے سے گریز کرتا تھا۔ پھر میری فطرت نے اہم اور بنیادی مسائل میں حقِ صریح کو پوری مضبوطی سے پکڑ لیا لیکن میں اس کا واضح اعلان کرنے کی جرأت نہ کر سکا کیونکہ مجھے ائمہ سلفؒ سے اس کا علم نہ ہو سکا تھا۔

پھر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ شیخ الاسلام امام الدنیا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف میرے ہاتھ لگ گئی میں یہ دیکھ کر پھولا نہ سمایا کہ وہ عین میری فطرت اور میرے مسلک کے موافق تھی۔ اس میں حق کو ائمہ سنت

اور سلفِ امت کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ پھر وہ عقل و نقل کے عین مطابق بھی تھا۔ میں اس حق کو پا کر بے حد خوش تھا گویا مجھے میری گمشدہ متاع واپس مل گئی ہے جس کا کوئی بدل نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس رجلِ عظیم کی محبت ضروری ہو گئی ہے جتنی تطویل و تفصیل ہو اس کا تھوڑا سا حق بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

میں نے شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا عزم کر لیا تھا کہ مجھے اچانک آپ کی گرفتاری کی خبر ملی۔ اس پر میں بے چین ہو کر رہ گیا جب میں ۷۲۸ھ میں حج کے لئے گیا تو میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ میں دمشق میں جا کر آپ سے ضرور ملاقات کروں گا، اور مال و جان کی قربانی دے کر آپ کی رہائی کی کوشش کروں گا۔ اسی دوران میں مجھے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر عراق کو واپسی اور کوفہ میں پہنچنے سے تھوڑی دیر پہلے ملی تھی۔ مجھے آپؒ کی وفات پر حقیقی بھائی کی موت سے بھی زیادہ صدمہ اور غم ہوا بلکہ اس باپ سے بھی زیادہ جس کا بچہ فوت ہو گیا ہو۔ جتنا صدمہ اور غم مجھے آپؒ کی وفات پر ہوا کسی بیٹے، بھائی یا عزیز و اقارب کی وفات پر بھی کبھی نہیں ہوا۔ جب آپؒ کا خیال یا تصور دل میں آتا ہے، تو آپؒ کی وفات کے صدمے کا زخم پھر ہرا ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدمہ ابھی پہنچا ہے۔ واللہ ان سطور کے لکھتے وقت میری آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ مجھے آپؒ کی عدمِ ملاقات کا سخت قلق اور صدمہ ہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ___ ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلیّ العظیم!

میں نے شیخؒ کی محبت کا تھوڑا سا اظہار اس لئے کر دیا ہے تا کہ اوہام سے میری دوری متحقق ہو جائے۔ آپ نے شیخؒ کی کتابوں کی فہرست بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا، لیکن وہ ابھی تک وفا نہیں ہوا۔ میں نے یہی سمجھا کہ غالباً اس طرف توجہ نہ دینا یا تو بچاؤ کی قسم ہے، یا کسی اور عذر کی وجہ سے ہو گا، جس کے متعلق سوال کرنا میرے لئے شاید مناسب نہ ہو، میں اس وجہ سے خاموش رہا، مبادا میری وجہ سے کسی کو ضرر نہ پہنچ جائے کیونکہ آجکل ایسا ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے بڑا کرم آپ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مجھے بھجوا دیں، یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا ہم پر احسان ہو گا۔ اس عظیم انسان کا کلام خالص سونے کی مانند ہے جب کہ عموماً دوسروں کے کلام میں ملاوٹ ہوتی ہے جو خالص حق کے طالب سے مخفی نہیں۔ میں ہمیشہ ایسے لوگوں پر متعجب ہوں جو بحث میں

انصاف کے مدعی ہیں اور اہلِ تقلید پر فائق ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ معقولات میں ان کا استناد عظیم اور صریح ہوتا ہے پھر وہ کس طرح اس کو ترک کر دیتے ہیں جس کو حق نے واضح کر دیا ہو؟

طالبِ علموں پر واجب تھا کہ وہ کونے کونے سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عجائباتِ ملکوتی کا نظارہ کرتے اور دیکھتے کہ آپؒ کے مخالفین کا حال علم کے ساتھ نسبت رکھنے اور حقِ صریح کے طالب ہونے کے باوصف ان لوگوں کے ساتھ کیسے مشابہت رکھتا ہے جن کو کسی جنگل میں پیاس اور تشنگی نے موت کے کنارے لا کھڑا کیا ہو اچانک ان کے سامنے دریائے دجلہ یا فرات یا دریائے نیل ظاہر ہو جائے اور وہ اس حقیقت کو سراب سمجھ کر وہاں سے چل کھڑے ہوں اور اس کوتاہ اندیشی کی وجہ سے پیاس اور تشنگی ان کو موت سے ہمکنار کر دے۔

شیخؒ کے ساتھ میں نے جو اپنی عقیدت و نسبت بیان کی ہے وہ سمندر کے مقابلے میں قطرہ سمجھیں اگر آپ میرا اسلام شیخؒ کے دوستوں اور شاگردوں ان کے چھوٹے بڑے رشتہ داروں تک پہنچا سکیں، تو یہ آپ کی ایک اور مہربانی ہوگی۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کو اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے سب تعریفیں ایک اللہ کی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپؐ کی آل پر آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر صلوٰۃ وسلام کی بارش برسائے۔ آمین!" (عبداللہ بن حامد)

اعتراض

نبہانی کا یہ کہنا "اپنی کتابوں میں اس کی یہی عادت ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی کتابوں کو قلیل النفع بنایا ہے اور اپنے اولیاء کے دشمنوں سے اللہ تعالیٰ کی یہی سنّت ہے۔ الخ"!

جواب

عالم پر اپنا علم ظاہر کرنا واجب ہے ورنہ اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" (العصر)

"عصر کی قسم، انسان خسارے میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور صالح عمل کرتے رہے۔ اور آپس میں حق کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگ اگر اس ایک سورت میں غور و فکر کر لیں تو یہ ان کی ہدایت کے لئے کافی ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ مراتب چار ہیں ان کی تکمیل سے انتہائی کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی:

۱۔ معرفتِ حق

۲۔ حق کے مطابق عمل

۳۔ بے خبروں کو حق کی تعلیم

۴۔ حق سیکھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تعلیم پر جو تکالیف اور مشکلات پیش آئیں، ان پر صبر۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں چار باتوں کی یہی ترتیب رکھی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس سورت میں "عصر" کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہر انسان خسارے اور نقصان میں ہے۔ "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" مگر جنہوں نے حق کو پہچانا اور اس کی تصدیق کی یہ پہلا مرتبہ ہے۔ "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" اور انہوں نے حق کو پہچان کر اس کے مطابق عمل بھی کئے۔ یہ دوسرا مرتبہ ہوا "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" ایک دوسرے کو حق کی تعلیم دی اور اس کی طرف راہنمائی کی یہ تیسرا مرتبہ ہوا "وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" اور خود حق پر ثابت قدم رہے، اور دوسروں کو بھی اس پر صبر اور ثابت قدم رہنے کی تاکید کرتے رہے۔ یہ چوتھا مرتبہ ہوا، اور یہ انتہائی کمال ہے۔ انتہائی کمال یہ ہے کہ انسان خود کامل ہو اور دوسروں کو مکمل کرے۔ اس کا کمال علمی و عملی، دونوں قوتوں کی اصلاح پر موقوف ہے۔ علمی قوت کی اصلاح ایمان سے اور عملی قوت کی اصلاح عملِ صالح سے ہوتی ہے۔ اور دوسروں کی تکمیل انہی باتوں کی تعلیم اور صبر اور اس علم و عمل پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کرنے سے ہوتی ہے۔ یہ سورت اپنے اختصار کے باوجود قرآنِ مجید کی نہایت جامع سورت ہے۔ اور یہ خیر کے سب پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے سب تعریفیں ہیں جس نے ہدایت کے لئے صرف قرآنِ مجید کو کافی اور ہر بیماری کے لئے شافی اور ہر چیز کے لئے ہادی بنایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عالم پر واجب ہے کہ وہ حق کو کھلے بندوں بیان کرے، اگرچہ اس کی کتنی ہی مخالفت کیوں نہ ہو۔ "اولیاء الرحمٰن" اور "اولیاء الشیطان" میں فرق کو واضح کرنا بھی حق ہے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر خوب تفصیل سے لکھا ہے۔ لکھتے ہیں: ایک گروہ بالکل غلط سمجھتا ہے کہ خاتم الاولیاء افضل الاولیاء ہوتا ہے جس طرح خاتم الانبیاءؐ افضل الانبیاءؑ ہیں متقدمین مشائخ میں سے کسی نے خاتم الاولیاء پر کلام نہیں کیا۔ ہاں محمد بن حکیم ترمذی نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی جس میں اس نے بہت سی جگہوں میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔

متاخرین میں صوفیوں کا ایک گروہ ایسا ہوا ہے جس کے ہر فرد نے خاتم الاولیاء ہونے کا دعویٰ کر دیا تھا۔ ان میں سے بعض تو یہاں تک غلو کر گئے کہ خاتم الاولیاءؒ علم باللہ میں خاتم الانبیاءؐ سے افضل بھی ہے اور انبیاءؑ ان کی معرفت علم باللہ حاصل کرتے ہیں جس طرح یہ بات "فتوحات" کے مصنف ابن عربی نے اپنی کتاب "فصوص" میں دے گھسیٹی ہے انہوں نے تمام انبیاءؑ و اولیاء اللہ کی مخالفت کے ساتھ ساتھ عقل اور شریعت کی بھی صریح مخالفت کی ہے۔ یہ اسی طرح کی بے وقوفی ہے، جیسے کہ کوئی جو قرآن مجید سے نابلد اور بے عقل ہو —— یوں کہے": فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ تَحْتِهِمْ" "ان پر نیچے سے چھت گر پڑی" کیونکہ انبیاء کرامؑ اس امت کے اولیاء اللہ سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام اولیاء اللہ سے یقیناً افضل ہیں۔ تو سب انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اس شخص سے کس طرح مستفید ہو سکتے ہیں، جو ان کے بعد آیا ہو اور دعویٰ خاتم الاولیاء کا کرتا ہو؟ آخر الانبیاء کی طرح آخر الاولیاء افضل نہیں ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب انبیاء پر فضیلت نصوص سے ثابت ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ آتِي بَابَ الْجَنَّةِ فَأَسْتَفْتِحُ فَيَقُولُ الْخَازِنُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَأَقُولُ: مُحَمَّدٌ فَيَقُولُ بِكَ أُمِرْتُ أَنْ لَا أَفْتَحَ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ"

"میں اولادِ آدم کا سردار ہوں لیکن فخر نہیں کرتا۔ میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آ کر دستک دوں گا دربان پوچھے گا کون"؟ میں کہوں گا محمدؐ وہ کہے گا، مجھے یہی حکم تھا کہ آپؐ سے پہلے کسی کے لئے دروازہ نہ کھولوں"۔

شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء علیہم السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند درجہ پر سرفراز فرمایا اور آپؐ واقعی اس کے اہل تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ - الآیۃ"[1]

"یہ پیغمبر ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی بعض ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے گفتگو فرمائی اور بعض کے درجات بلند فرمائے"۔

اسی طرح اور بھی بہت سے دلائل ہیں جن سے آپؐ کی سب پر افضلیت ثابت ہے سب انبیاء علیہم السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی تھی، بالخصوص جناب محمد رسول اللہ ﷺ اپنی نبوت میں کسی کے محتاج نہیں تھے۔ آپؐ کی شریعت کسی سابق نبی یا کسی لاحق کی محتاج نہیں بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی شریعت کے اکثر حصے میں تورات پر انحصار کیا ہے۔ تورات کی شریعت کو حضرت مسیح علیہ السلام نے مکمل کیا اس وجہ سے نصاریٰ، مسیح علیہ السلام سے پہلی نبوت، مثلاً تورات و زبور کے محتاج تھے۔ پہلی امتیں محدثین کی محتاج ہوتی تھیں۔ لیکن امتِ محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ہوتے ہوئے نہ کسی نبیؐ کا محتاج کیا اور نہ کسی محدث کا۔ اللہ تعالیٰ نے جو فضائل و معارف اور اعمالِ صالحہ مختلف انبیاء علیہم السلام میں تقسیم فرمائے تھے، وہ سبھی آپؐ میں جمع فرما دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنی طرف سے قرآنِ مجید اور شریعت کی صورت میں جو فضائل عطا فرمائے تھے، وہ کسی اور بشر کو عطا نہیں فرمائے۔ لیکن اولیاء اللہ میں سے جس کو بھی محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت پہنچ گئی ہو، وہ آپؐ کی اتباع کے ساتھ ہی ولی رہ سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ اس کو جو کچھ بھی ہدایت اور دینِ حق ملا، وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے سے ملا ہے۔

اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی رسالت پہنچ گئی ہو، وہ اس کی اتباع ہی سے ولی ہو سکتا ہے۔ جس شخص کا یہ دعویٰ ہو کہ بعض ولی ایسے بھی ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی رسالت پہنچ گئی ہے مگر وہ طریقِ الی اللہ میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا محتاج نہیں، وہ کافر ملحد ہے۔ وہ جب یوں کہے کہ میں علمِ ظاہر میں یا شریعت میں محمد ﷺ کا محتاج ہوں مگر علمِ باطن اور علمِ حقیقت میں نہیں، وہ ان یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ہے۔ جنہوں نے کہا تھا کہ محمد ﷺ امیوں کے رسول ہیں، اہلِ کتاب کے نہیں۔ وہ لوگ آپؐ کی شریعت کے بعض حصوں پر ایمان لائے تھے اور بعض سے کفر کیا تھا۔ وہ شریعتِ محمدی کے بعض حصوں پر ایمان کے باوجود کافر ہی رہے۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو یہ کہتا

---

[1] سورۃ البقرۃ : ۲۵۳

ہے کہ محمد ﷺ علمِ باطن کے ساتھ نہیں، علمِ ظاہر کے ساتھ بھیجے گئے ہیں۔ وہ آپ کے دین کے بعض پر ایمان لایا اور بعض کے ساتھ کفر کیا یہ یہود و نصاریٰ سے بڑا کافر ہے کیونکہ علمِ باطن جو قلوب کے ایمان و معارف اور اس کے احوال کا علم ہے وہی ایمان کے باطنی حقائق کا علم ہے یہ اسلام کے محض ظاہری اعمال کے علم سے اشرف و افضل ہے۔

جب کوئی یہ دعویٰ کرے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو ان امورِ ظاہری کا علم تھا اور ایمان کی حقیقتوں کا علم نہیں تھا اور یہ حقائقِ ایمان کتاب و سنّت سے ماخوذ نہیں ہیں، اس نے دوسرے لفظوں میں یہ دعویٰ کیا کہ جس پر اس کا ایمان ہے، اس میں سے کچھ شریعتِ محمدیہ کی باتیں ہیں اور کچھ دوسری ہیں۔ یہ ان سے بھی بدتر ہے، جو یہ کہے میں بعض پر ایمان لاتا ہوں اور بعض سے کفر کرتا ہوں۔ وہ یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ جس بعض پر وہ ایمان لایا ہے، وہ بہتر ہے۔ یہ ملحد کبھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ولایت، نبوت سے افضل ہے اور لوگوں کو فریب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی ولایت آپ کی نبوت سے افضل ہے۔ اور یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

مقام النبوۃ فی برزخ	"مقامِ نبوت برزخ میں، رسول سے بلند اور
فویق الرسول ودون الولی	ولی سے نیچے ہے"۔

پھر یہ بڑ ہانکتے ہیں کہ ہم آپ کی ولایت، جو آپ کی نبوت سے افضل ہے، میں شریک ہیں۔ یہ ان کی بہت بڑی ضلالت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی ولایت میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے، نہ ابراہیم علیہ السلام، نہ موسیٰ علیہ السلام۔ چہ جائیکہ یہ ملحد آپ کی ولایت میں آپ کے مثیل ہوں۔ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی ولی ہوتا ہے، یعنی رسول نبی اور ولی ہوتا ہے۔ رسول کی رسالت میں نبوت بھی ہوتی ہے اور نبوت میں ولایت بھی ہوتی ہے۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ جو ولایت آپ کی نبوت کے ضمن میں ہے، وہ اس نبوت سے افضل ہو جس میں ولایت داخل ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا ولایت کے بغیر آپ کو خبر دینا تقدیرِ ممتنع ہے، تو اللہ تعالیٰ کا آپ کو خبر دینا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں کوئی نبوت ولایت سے خالی نہ تھی۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کی ولایت میں کوئی آپ کا مماثل نہیں تھا۔

صاحبِ "الفصوص" ابنِ عربی جیسے لوگ کہتے ہیں کہ "وہ اسی منبع سے لیتے ہیں جس سے وہ فرشتہ لیتا

ہے جو آپؐ کی طرف وحی لاتا ہے۔" ان کا عقیدہ ملحد فلسفیوں کا ہے جس کے لیئے انہوں نے کشف کا ڈرامہ رچایا ہے وہ اس طرح ہے کہ فلسفی کہتے ہیں کہ افلاک ازلی قدیم ہیں۔

یہ ان کی ایک علت ہے جو ان سے ملتی جلتی ہے جیساکہ ارسطو اور اس کے پیروکار کہتے ہیں۔ یا ان کا بذاتہ ایک موجب ہے جیساکہ متاخرین فلاسفہ ابن سینا وغیرہ کہتے ہیں وہ یہ نہیں مانتے کہ رب تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا ہے اور اس نے اشیاء کو اپنی مشیئت اور قدرت کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ جزئیات کو نہیں جانتا بلکہ ارسطو وغیرہ اللہ تعالیٰ کے مطلق علم کے منکر ہیں یا ابن سینا وغیرہ کی طرح کہتے ہیں کہ وہ امورِ متغیرہ کی کلیات کا علم رکھتا ہے۔

یہ قول درحقیقت اللہ تعالیٰ کے علم کا انکار ہے کیونکہ جو کچھ دنیا میں موجود ہے معنوی طور پر جزئی ہے۔ افلاک سب کے سب معنوی طور پر جزئی ہیں۔ یہی حال تمام چیزوں اور ان کی صفات و اعمال کا ہے جو کلیات کے علاوہ کچھ نہیں جانتا گویا وہ موجودات میں سے کچھ نہیں جانتا کلیات کا وجود تو اذہان میں ہے نہ کہ اذہان سے باہر! ایسے لوگوں پر مفصل گفتگو دوسری جگہ ہونی چاہیئے جہاں عقل و نقل وغیرہ کے تعارض کی بحث ہو۔ ان لوگوں کا کفر یہود و نصاریٰ کے کفر سے بلکہ مشرکین عرب سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ وہ سب مانتے ہیں کہ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں اور وہ اشیاء کو اپنی مشیئت اور قدرت سے پیدا فرماتا ہے۔ ارسطو اور اس کے دوسرے فلسفی ساتھی ستاروں اور بتوں کے پجاری تھے ان کو انبیاء اور ملائکہ کی معرفت حاصل نہ تھی۔ ارسطو کی کتابوں میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ ان لوگوں کو اکثر طبیعی امور کا علم تھا۔ وہ امورِ الٰہیہ کے متعلق بہت کم گفتگو کرتے ہیں پھر وہ غلطیوں سے پر ہوتی ہے۔

یہود و نصاریٰ تبدیل و تنسیخ کے بعد بھی الٰہیات کا زیادہ علم رکھتے ہیں ابنِ سینا وغیرہ متاخرین فلاسفہ نے چاہا کہ فلسفیوں کے کلام اور رسولوں کی شریعت کو غلط ملط کر کے ان کے درمیان موافقت پیدا کریں، تو انہوں نے جہمیہ اور معتزلہ کے بعض اصول اور فلسفیوں کی باتوں کو لے کر ایک مذہب مرتب کیا۔ مختلف ملتوں کے ماننے والے فلسفی اس کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں فساد و تناقض بہت ہے ہم نے کسی اور جگہ اس کی طرف توجہ دلائی ہے!

ان لوگوں نے جب دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا دین دنیا میں اشاعت پذیر ہے تو ان کو یہ اعتراف کرتے بنی کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی وحی دنیا کے مذاہب میں سب سے بڑی وحی ہے انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام نے ملائکہ اور جنوں کا ذکر فرمایا ہے انہوں نے کوشش کی کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور اپنے یونانی اسلاف کے اقوال میں مطابقت پیدا کریں حالانکہ یہ سب دنیا سے زیادہ اللہ تعالیٰ، فرشتوں، کتابوں اور رسولوں کی معرفت سے دور ہیں فلسفیوں نے عقولِ عشرہ کو ثابت کیا اور ان کو "مجردات" اور "مفارقات" کا نام دیا۔ اس کی بنیاد نفس کی بدن سے مفارقت یہ ہے۔ چونکہ وہ مادے سے جدا ہو گیا اس لئے اس کو "مفارقہ" کہا اور اس کو مجرد اس لئے کہا کہ وہ مادے سے مجرد ہے انہوں نے ہر فلک کے لئے ایک نفس ثابت کیا۔ بعض ان کو "اعراض" اور بعض "جواہر" بناتے ہیں جب ہم اذہان میں امورِ موجودہ کی (نہ کہ اعیان میں) تحقیق کی طرف رجوع کریں گے تو ان کے ثابت کردہ ان مجردات پر بحث کریں گے۔ ارسطو اور افلاطون اور ان کے پیروکاروں نے "ہیولیٰ خالی عن الصورۃ" اور "خلاءِ مجرد" کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کے علماء نے اعتراف کیا ہے کہ یہ سب ذہنی امور ہیں، خارج میں ان کا کوئی وجود نہیں۔

جب ابن سینا اور دوسرے متاخرین نے اپنے فاسد اصولوں پر نبوت کو ثابت کیا تو یہ باطل دعویٰ کر دیا کہ نبوت کے تین خصائص ہیں جن میں وہ موجود ہوں، وہ نبی ہوتا ہے: (۱) اس کے پاس قوتِ علمیہ ہو جس کو وہ قوتِ قدسیہ کہتے ہیں۔ وہ اس کے ذریعے بغیر تعلّم کے علم پا لیتا ہے۔ (۲) اس کے پاس قوتِ تخیلیہ ہو تاکہ جس کو وہ سمجھے، اس کی شکلیں اپنے نفس میں دیکھے اور ان کی آوازیں سنے۔ جس طرح سویا ہوا انسان اپنی خیالی شکل کو دیکھتا اور اس کی آواز سنتا ہے لیکن خارج میں اس کا وجود نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں، یہ خیالی شکلیں فرشتے ہیں اور خیالی آوازیں کلام اللہ ہیں (۳) ان کے اندر قوتِ فعالہ ہو جس کے ذریعے وہ دنیا کے ہیولیٰ پر اثر انداز ہو سکیں۔ وہ اولیاء کی کرامات، انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور ساحروں کے خوارق کو نفس کی قوتیں شمار کرتے ہیں وہ ان ہی معجزات کا اقرار کرتے ہیں، جو ان کے اصولوں کے مطابق ہوں، دوسروں کا انکار کر دیتے ہیں مثلاً عصا کا سانپ بننا، انشقاقِ قمر وغیرہ وہ ان کے وجود کا ہی انکار کر دیتے ہیں ہم نے اس موضوع پر مختلف مقامات پہ تفصیلی کلام کیا

ہے اور ان کی باطل اور فاسد گفتگو کی قلعی کھول دی ہے۔

انہوں نے جو نبی کے خصائص مقرر کیے ہیں ان سے بڑے خصائص عام امتیوں، اور انبیاء علیہم السلام کے معمولی متبعین میں موجود ہیں اور ملائکہ جن کی خبر رسولوں نے دی ہے وہ زندہ اور ناطق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق ہیں وہ بے شمار ہیں "وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ" تیرے رب کے لشکروں کا علم اسی کو ہے۔ وہ دس نہیں ہیں اور نہ ہی وہ اعراض ہیں۔ یہ لوگ خاص طور پہ کہتے ہیں "عقلِ اول سے ہر چیز بنی ہے" ان کے نزدیک وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کی رب ہے۔

اور اسی طرح "ہر عقل اپنے علاوہ ہر چیز کی رب ہے عقلِ فعال عاشر فلکِ قمر کے نیچے سب کی رب ہے"۔ رسولوں کے دین میں اس بات کا فاسد ہونا صاف عیاں ہے کوئی فرشتہ ماسوی اللہ کو پیدا کرنے والا نہیں۔ ان لوگوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ حدیث میں جس عقل کا ذکر ہے، وہ عقلِ اول ہی ہے:

"إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ فَقَالَ لَهُ أَقْبِلْ فَأَقْبَلَ، فَقَالَ لَهُ أَدْبِرْ فَأَدْبَرَ، فَقَالَ وَعِزَّتِي مَا خَلَقْتُ خَلْقًا أَكْرَمَ عَلَيَّ مِنْكَ، فَبِكَ آخُذُ، وَبِكَ أُعْطِي، وَبِكَ الثَّوَابُ، وَعَلَيْكَ الْعِقَابُ"۔

"سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا۔ فرمایا، آ، وہ آ گئی پھر فرمایا، جا، تو وہ چلی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مجھے اپنی عزت کی قسم ہے میں نے تجھ سے زیادہ باعزت مخلوق پیدا نہیں کی۔ میں تیرے ساتھ پکڑوں گا اور تیرے سبب سے دوں گا۔ ثواب وعقاب تیرے ساتھ ہی ہے۔"

جب انہوں نے یہ روایت دیکھی "أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ" یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا، تو عقلِ اول کو قلم کہہ دیا۔ جو حدیث وہ عقل کے بارے میں ذکر کرتے ہیں، حدیث کی معرفت رکھنے والوں کے نزدیک وہ جھوٹی اور من گھڑت ہے جیسا کہ ابو حاتم، بیہقی، ابو الحسن دارقطنی، ابن الجوزی وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے قابلِ اعتماد احادیث کے مجموعوں میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے بالفرض اس کے الفاظ ثابت بھی ہو جائیں تو وہ ان کی مخالف دلیل بنتے ہیں۔ یہ لفظ: "أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ قَالَ لَهُ" ایک روایت یوں ہے "لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ قَالَ لَهُ" اس

کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کرتے ہی فرمایا الخ یہ نہیں کہ وہ سب سے پہلی مخلوق ہے۔ دوسری روایت میں "لَمَّا" سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی روایت میں "اوّل" ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے حدیث کے الفاظ "مَاخَلَقْتُ خَلْقاً اَکْرَمَ عَلَیَّ مِنْکَ" سے ثابت ہوتا ہے کہ عقل سے پہلے مخلوق موجود تھی اس کے بعد چار قسم کے اعراض بِکَ اٰخُذُ وَبِکَ اُعْطِی وَبِکَ الثَّوَابُ وَعَلَیْکَ الْعَذَابُ کو ذکر کیا ہے جبکہ وہ کہتے ہیں علوی و سفلی جواہر اس عقل سے صادر ہوئے ہیں بھلا ان دونوں باتوں میں مطابقت کیسے ہو سکتی ہے ؟

ان کی غلطی کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کی لغت میں لفظ عقل کا جو مفہوم ہے وہ ان یونانیوں کی لغت میں نہیں ہے مسلمانوں کی لغت میں عَقْلٌ "عَقَلَ یَعْقِلُ" کا مصدر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :

"وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ"[1] "اور کہیں گے اگر ہم سنتے اور سمجھتے ہوتے، تو دوزخیوں میں نہ ہوتے"

"إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ"[2] "سمجھنے والوں کے لئے اس میں بہت سی آیات ہیں"

"أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا"[3] "کیا وہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں، پس ان کے دل ہوتے جن کے ساتھ وہ سمجھتے"

عقل سے مراد وہ قوت اور عرض ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی سمجھ کا ذریعہ بنایا ہے۔ لیکن ان فلسفیوں کے نزدیک عقل، عاقل کی طرح قائم بنفسہٖ جوہر ہے یہ قرآن مجید اور رسول ﷺ کی لغت کے سراسر خلاف ہے جیسا کہ ابوحامد نے ذکر کیا ہے اس کے نزدیک عالمِ خلق سے مراد عالمِ اجسام ہے وہ عقول و نفوس کو عالمِ امر کا نام دیتا ہے۔ کبھی عقل کو عالمِ جبروت، اور نفوس کو عالمِ ملکوت اور اجسام کو عالمِ ملک کہتا ہے جو شخص رسولِ اکرم ﷺ کی لغت اور کتاب و سنّت کے معانی سے نابلد ہو وہ گمان کر بیٹھتا ہے کہ قرآن و سنّت میں ملک و ملکوت اور جبروت فلسفیوں کے معانی کے موافق ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

---

[1] الملک : ١٠ [2] النحل : ١٢ [3] الحج : ٤٦

یہ لوگ مسلمانوں کو بڑا فریب دیتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں فلک مُحدَث ہے یعنی معلول ہے۔ حالانکہ وہ ان کے نزدیک قدیم ہے اور محدث وہ ہوتا ہے جس کا پہلے وجود نہ ہو۔ عرب کی لغت میں یا کسی بھی لغت میں "قدیم ازلی" کو "محدث" نہیں کہا گیا۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر مخلوق محدث ہے اور محدث پہلے معدوم ہوتا ہے۔ جہمیہ اور معتزلہ کے اہلِ کلام نے ان سے نامکمل مناظرہ کیا کیونکہ ان کو رسولِ اکرم ﷺ کی احادیث سے آگاہی نہیں تھی اور نہ انہوں نے اس میں عقل کے قضیوں کو منصف بنایا۔ وہ نہ اسلام کی مدد کر پائے اور نہ ہی اس کے دشمنوں کو شکست دے سکے بلکہ ان کے بعض فاسد قضیوں میں ان کے ساتھ شریک بن گئے اور بعض معقولاتِ صحیح میں ان سے جھگڑا کھڑا کر لیا۔ علومِ سمعیہ و عقلیہ میں کمی کی وجہ سے سخت گمراہی میں گھر گئے جیسا کہ دوسرے مقام پر شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔

یہ متفلسفی کبھی نبی کے نفس میں متشکل خیال کو جبریل کہتے ہیں۔ اور خیال عقل کے تابع ہے۔ ملحد صوفیوں نے جو ان متفلسفیوں کے شریکِ حال و قال ہیں یہ دعویٰ کیا کہ وہ اولیاء اللہ ہیں اور ولی نبی سے افضل ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ لیتا ہے۔ اسی طرح کا دعویٰ صاحب "الفصوص" و "الفتوحات" ابنِ عربی نے بھی کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ وہ اس خزانے سے لیتا ہے جہاں سے فرشتہ لیتا تھا جو رسولِ کریم ﷺ کے لیے وحی لاتا تھا۔ اس کے نزدیک عقل خزانہ ہے اور خیال فرشتہ ہے اور خیال عقل کے تابع ہے۔ وہ اپنے زعم میں اس عقل سے اخذ کرتا ہے جو خیال کی اصل ہے اور رسول خیال سے اخذ کرتا ہے۔ اس طرح اس نے اپنے آپ کو نبی سے فوقیت دے دی۔ اگر وہ نبی کا خاصہ ہوتا تو وہ اس کا ذکر نہ کرتے۔ وہ آپؐ کی جنس سے نہیں تھا چہ جائیکہ وہ آپؐ سے اوپر ہوتا۔ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے، جبکہ یہ عام مسلمانوں کو حاصل ہو جاتا ہے؟ نبوت تو اس سے بہت بلند اور وراء ہے۔ ابنِ عربی اور اس جیسے دوسروں نے اگرچہ صوفی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ تاہم اگر وہ صوفی ہے تو ملحد فلسفی صوفی ہے۔ ملحد فلسفی، جو اہلِ کلام صوفیاء میں سے نہیں۔ چہ جائیکہ وہ فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادھم، ابو سلیمان دارانی، معروف کرخی، جنید بن محمد، سہل ابن عبداللہ تستری اور ان جیسے دوسرے مشائخ اہلِ کتاب و سنّت میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرشتوں کے ایسے اوصاف بیان فرمائے ہیں جو ان لوگوں کے بیان کے

یکسر خلاف ہیں۔ مثلاً ارشاد ہے:

"وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (اِلٰى قَوْلِهٖ) وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ"[۱]

"اور کہتے ہیں کہ رحمٰن بیٹا رکھتا ہے وہ پاک ہے (اس کا کوئی بیٹا بیٹی نہیں ہے) بلکہ (جن کو یہ لوگ اس کے بیٹے بیٹیاں سمجھتے ہیں) وہ اس کے باعزت بندے ہیں اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہو چکا اور جو پیچھے ہوگا۔ اور وہ اس کے پاس کسی کی سفارش نہیں کر سکتے مگر اس کی جس سے وہ خوش ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان میں سے یہ کہے میں اس کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔"

"وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا (اِلٰى قَوْلِهٖ) وَيَرْضٰى"[۲]

"اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کوئی فائدہ نہیں دیتی مگر اس وقت کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت بخشے اور پسند کرے۔"

"قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ الاٰية"[۳]

"کہہ دو جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا معبود خیال کرتے ہو ان کو بلاؤ وہ زمین اور آسمانوں میں ذرہ بھر چیز کے مالک نہیں ہیں نہ ان میں ان کی شرکت ہے نہ ان میں کوئی اس کا مددگار ہے۔ اس کے پاس کوئی سفارش نفع نہیں دیتی مگر جس کے لئے وہ اجازت دے۔"

---

[۱] الانبیاء: ۲۶-۲۹ [۲] النجم: ۲۶ [۳] سبا: ۲۲-۲۳

"وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۝ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ" [1]

"جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں، وہ سب اسی کے مملوک اور مال ہیں اور جو اس کے پاس ہیں، وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ اکتاتے ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں سست نہیں ہوتے۔"

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے انسانی شکل میں آئے تھے اور فرشتہ حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے پورے انسان کی صورت میں جلوہ گر ہوا تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حضرت دحیہ کلبی اور اعرابی کی شکل میں آئے تھے لوگوں نے بنظر سر ان کو اس حالت و شکل میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی صفات بیان کی ہیں کہ وہ بڑے طاقت ور، عرش والے (اللہ تعالیٰ) کے نزدیک صاحب مرتبہ ہیں وہ وہاں مطاع اور امین ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کو آسمان کے کھلے کنارے میں دیکھا تھا اور یہ صفات بیان فرمائیں:

"شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ ۖ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ (إلى قوله) لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ" [2]

"نہایت قوت والا طاقت ور، وہ پورا نظر آیا۔ اور وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا پھر وہ قریب ہوا اور آگے بڑھا دو کمان کے فاصلے پر تھا یا اس سے بھی کم پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو جو وحی کرنی تھی، وہ کی (یہاں تک کہ) آپ ﷺ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں صرف دو بار دیکھا ہے ایک بار آسمان کے کنارے پر اور دوسری بار سدرۃ المنتہیٰ پر حضرت جبریل علیہ السلام کی دوسری جگہ یوں تعریف کی ہے کہ "وہ روح امین

---

[1] الانبیاء: ۱۹، ۲۰ [2] النجم: ۵-۱۸

ہیں اور روح القدس ہیں: آپؒ نے اور صفات بھی بیان کی ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زندہ اور صاحبِ عقل مخلوقات میں سب سے بڑے ہیں اور وہ جوہر قائم بنفسہ ہیں، نبی کریم ﷺ کا خیال نہیں جس طرح کہ ان ملحد فلسفیوں کا دعویٰ ہے جو ولایت کے اور انبیاء علیہم السلام سے زیادہ علم رکھنے کے مدعی ہیں۔ ان لوگوں کی تحقیق کا نتیجہ ایمان کے اصولوں کا انکار ہے اصولِ ایمان یہ ہیں: اللہ تعالیٰ، فرشتوں، کتابوں اور رسولوں اور یومِ آخرت پر ایمان لانا۔ بلکہ ان کی گفتگو کی حقیقت خالق کا انکار ہے انہوں نے مخلوق کے وجود کو ہی خالق کا وجود سمجھ لیا۔ اور کہا کہ وجود ایک ہے انہوں نے "واحد بالعین" اور "واحد بالنوع" میں کوئی امتیاز روا نہ رکھا موجودات "وجود" کے مسمیٰ میں مشترک ہیں جس طرح لوگ "انسان" کے مسمیٰ ہیں، اور حیوانات "حیوان" کے مسمیٰ میں مشترک ہیں لیکن یہ مشترک کلی صرف ذہن میں ہے ورنہ جو حیوانیت انسان کے ساتھ قائم ہے وہ حیوانیت نہیں ہے جو نفوس کے ساتھ قائم ہے آسمانوں کا وجود انسان کا عین وجود نہیں پس اللہ جل جلالہ کے وجود کا مخلوقات کے وجود سے الگ ہونا واضح ہوا۔

پھر ان کے قول کی حقیقت فرعون سے مختلف نہیں ہے جس نے صانع کا انکار کر دیا تھا اس نے اس وجودِ مشہود کا انکار نہیں کیا تھا لیکن اس کا زعم یہ تھا کہ وہ بنفسہ موجود ہے اس کا کوئی صانع نہیں ہے یہ فلسفی اس میں اس کے موافق ہیں لیکن ان کا زعم ہے، وہ اللہ ہی ہے اس طرح یہ اس سے بڑے گمراہ ہوئے۔ اگرچہ اس کی بات ان سے زیادہ بری تھی اس لئے انہوں نے بتوں کی عبادت کو اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت قرار دے دیا۔ انہوں نے کہا "جب فرعون صاحبِ حکومت اور صاحبِ سیف تھا تو اس نے کہا" اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" اس نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ اس کے درباری کسی نہ کسی شکل میں، سب کے سب کسی نہ کسی لحاظ سے رب تھے تو اس نے کہا" چونکہ مجھے ظاہر میں تم پر حکومت دی گئی ہے، اس لئے میں تمہارا بڑا رب ہوں" انہوں نے یہ بھی کہا "جب جادوگروں نے فرعون کے قول کی صداقت کو جان لیا کہ وہ ہمیں جس سزا سے ڈرا رہا ہے، وہ اس کو کر گزرے گا۔ تو انہوں نے اس کا اقرار یہ کہہ کر کیا" فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ" جو چاہے تو کر لے" اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا" "تمہیں اس دنیا کی زندگی میں اس کا اختیار ہے" وہ کہتے ہیں، تو پھر فرعون کا قول درست ہوا۔"

پھران فلسفیوں نے یومِ آخرت کی حقیقت کا بھی انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اہلِ نار بھی اہلِ جنت کی طرح نعمتوں میں ہوں گے اس طرح وہ اللہ، یومِ آخرت، ملائکہ، کتابوں، رسولوں کے منکر و کافر بن گئے پھر بھی وہ دعویٰ کئے جاتے ہیں کہ وہ اہل اللہ میں خاص الخاص ہیں اور انبیا علیہم السلام سے افضل ہیں۔ انبیاء علیہم السلام ان کے چراغدان سے اللہ کی معرفت حاصل کرتے تھے۔ ان لوگوں کے الحاد کے شرح و بسط کا یہ موقعہ نہیں ہے لیکن جب "اولیاء اللہ" پر بحث کے دوران "اولیاء الرحمٰن" اور "اولیاء الشیطان" کے درمیان فرق کی بات ہوتی ہے تو یہ لوگ سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ولایت کے دعویدار ہوتے ہیں در حقیقت یہ شیطان کی ولایت میں سب سے آگے ہیں۔ اسی لئے ان کی عام گفتگو شیطانی خیالات پر مشتمل ہوتی ہے۔ وہ صاحب "الفتوحات" ہی کی بات کرتے ہیں کہ حقیقی زمین خیالی زمین ہی ہے اس طرح وہ اعتراف کرلیتا ہے کہ جس حقیقت پر ہم بات کرتے ہیں وہ خیال ہے اور خیال شیطان کا محلِ تصرف ہے۔ شیطان انسان کو امور کا حقیقت کے خلاف خیال دلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ (اِلٰى قَوْلِهٖ) فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ" [1]

"جو شخص رحمٰن کے ذکر سے اندھا ہو جائے ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ وہ ان کو روکتے ہیں (آگے تک) تو وہ برا ساتھی ہے۔"

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا (اِلٰى قَوْلِهٖ) يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا" [2]

"اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور جو اس کے سوا گناہ ہو وہ جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا اور جو کوئی اللہ کا شریک بنائے وہ راستے سے گمراہ ہو کر دور جا پڑا .... وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور ان میں خواہشات پیدا کرتا ہے، شیطان ان سے نرا دھوکے کا وعدہ کرتا ہے۔"

---

[1] الزخرف: ۳۶-۳۸ [2] النساء: ۱۱۶-۱۲۰

"وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ (الی قولہ) اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ الآیۃ"[1]

"جب حساب کتاب ہو چکے گا تو شیطان کہے گا تم سے اللہ تعالیٰ نے سچا وعدہ کیا تھا (آگے تک) میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم اس سے پہلے مجھے شریک بناتے تھے"۔

"وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ (الی قولہ) اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ"[2]

"جب شیطان نے ان کے سامنے ان کے اعمال کو مزین کیا تو کہا "آج تم پر لوگوں سے کوئی غالب نہیں ہے اور میں تمہارا ساتھی ہوں" (آگے تک) میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے"۔

نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث مروی ہے کہ آپؐ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ فرشتوں کو نکال رہے تھے شیاطین جب ان فرشتوں کو دیکھتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تائید فرماتے ہیں تو بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ساتھ اپنے مومن بندوں کی تائید فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الآیۃ"[3]

"جب تیرا رب فرشتوں کو فرماتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، مومنوں کو ثابت قدم رہنے کے لئے تسلی دو"۔

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ (الی قولہ) وَجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا الآیۃ"[4]

"اے مومنو! اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو، جو اس نے تم پر اس وقت کی جب تم پر حملے کے لئے لشکر آئے تو ہم نے ان پر ہوا کا طوفان اور ایسے لشکر بھیجے جن کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے"۔

"ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ

"پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر اور مومنوں پر تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکر اتارے جن

---

[1] ابراہیم: ۲۲ [2] الانفال: ۴۸ [3] الانفال: ۱۲ [4] الاحزاب: ۹

أَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا[1]	کو تم نے نہیں دیکھا"
"اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا" الآية[2]	جب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فرماتے تھے غم نہ کر اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین آپ پر اتاری اور ایسے لشکروں سے مدد کی جن کو تم دیکھ نہ سکے"
"اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ	"جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد فرمائے؟ کیوں نہیں، اگر صبر سے کام لو اور ڈرتے رہو اور وہ تم پر اسی جوش میں حملہ کر دیں، تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان دار فرشتے بھیج کر مدد فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے لئے بشارت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور تاکہ اس سے تمہارے دلوں میں اطمینان پیدا

وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" الآية[3] ہو اور مدد تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے"

ان لوگوں کے پاس جو ارواح مختلف شکلوں میں آکر باتیں کرتی ہیں، وہ جن اور شیاطین ہوتے ہیں۔ وہ ان کو ملائکہ سمجھ بیٹھتے ہیں ستارہ پرستوں اور بت پرستوں سے جن اور شیاطین "ارواح" کے نام سے آکر باتیں کرتے ہیں۔ اسلام میں ایسا پہلا شخص مختار بن عبید ثقفی ہے جس کے بارے میں صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق نبی کریم ﷺ نے خبر دی تھی آپ نے فرمایا:

"سَيَكُوْنُ فِىْ ثَقِيْفٍ كَذَّابٌ وَّ مُبِيْرٌ"	"بنو ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ہلاک کرنے والا ہوگا"

"کذّاب" سے مراد مختار بن عبید ثقفی ہے اور "مبیر" سے مراد حجاج بن یوسف ہے۔ حضرت

---

[1] التوبۃ: ۲۶ [2] التوبۃ: ۴۰ [3] آل عمران: ۱۲۴-۱۲۶

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، مختار بن عبید ثقفی کہتا ہے کہ مجھ پر نزول ہوتا ہے آپ رض نے فرمایا وہ سچ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ " "کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں۔"

کسی نے آپ رض سے کہا کہ مختار دعویٰ کرتا ہے، اس کے پاس وحی آتی ہے تو فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ ۝ الآیۃ " "شیاطین اپنے دوستوں کو وحی (خفیہ پیغام) بھیجتے ہیں۔"

انہی شیطانی ارواح میں سے وہ روح ہے جس کے متعلق صاحب "فتوحات" کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب اس نے مجھ سے لکھوائی ہے۔ اسی لئے وہ مختلف قسم کی خلوتوں کا ذکر خاص کھانوں اور خاص حال کے ساتھ کرتا ہے اس کا جنوں اور شیطانوں سے رابطہ ظاہر ہوتا ہے عوام بے چارے ان کو اولیاء کی کرامتیں سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ شیطانی احوال ہوتے ہیں۔ میں ایسے کتنے ہی لوگوں کو جانتا ہوں جن کو دور دراز لے جا کر واپس لایا جاتا ہے کئی ایسے ہیں جن کے پاس شیطان لوگوں کا مال چوری کر کے لاتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جن کو شیطان چوروں کی خبر دیتے ہیں وہ لوگوں سے عطیات اور نذریں بٹورنے کے لئے یہ ڈرامہ رچاتے ہیں۔

جب ان لوگوں کے حالات شیطانی ہوئے تو وہ رسولوں کے دشمن اور مخالف ٹھہرے جس طرح کہ صاحب "فتوحات مکیہ" اور صاحب "فصوص" وغیرہ قوم نوح، قوم ہود اور فرعون وغیرہ کفار کی مدح و توصیف کرتے ہیں اور نوح ع، ابراہیم ع، موسیٰ ع، ہارون ع وغیرہ انبیاء علیہم السلام کی تنقیص کرتے ہیں۔ اور حضرت جنید بن محمد، سہل بن عبداللہ تستری جو مسلمانوں کے شیوخ ہیں کی مذمت کرتے ہیں۔ اور حلاج جیسے مذموم لوگوں کی تعریف کرتے ہیں جیسا کہ اس نے خیالی اور شیطانی تجلیات میں اس کا ذکر کیا ہے۔

حضرت جنید قدس اللہ سرہٗ ائمہ ہدیٰ میں سے تھے ان سے توحید کے بارے میں سوال کیا گیا،

ؔ الشعراء ۲۲۱ ۔ ۲۲۲ ؔ الانعام : ۱۲۲

توفرمایا"توحید حدوث کو قدامت سے جدا کرنا ہے" یعنی قدیم و حادث دوسرے لفظوں میں خالق و مخلوق میں امتیاز کرنا توحید ہے۔

صاحب فصوص نے اس کا انکار کیا ہے وہ اپنے شیطانی خیال سے مخاطبت میں کہتا ہے، "کیا محدث اور قدیم میں فرق و امتیاز ہو سکتا ہے؟ جنید نے اپنے اس قول میں خطاء کی ہے کہ محدث کو قدیم سے جدا کرنا توحید ہے۔ محدث کا وجود عین قدیم کا وجود ہے" اس نے "فصوص" میں کہا ہے "اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں "العلی" ہے وہ کس شخص اور کس چیز پر بلند ہے؟ اس کے سوا تو کوئی موجود ہی نہیں وہ کس چیز سے بلند ہے؟ حالانکہ کوئی نہیں مگر وہی ہے" آگے کہتا ہے "وہ عین وہ ہے جو باطن ہے اور وہ عین وہ ہے جو ظاہر ہے وہاں کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آتا اور اس کے سوا کوئی بولتا نہیں، اسی کا نام ابوسعید الخراز ہے اور دوسرے نئے نام (یعنی اسی کے ہیں)"!

جواب اس ملحد کو یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ دو چیزوں کے درمیان علم و قول کے ساتھ تمیز کرنے والے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ان دونوں کے علاوہ تیسرا ہو ہر شخص اپنے اور غیر میں فرق کرتا ہے حالانکہ وہ تیسرا نہیں ہوتا بندہ پہچانتا ہے کہ وہ بندہ ہے وہ اپنے اور اپنے خالق کے درمیان امتیاز کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو خالق ہے وہ اپنے اور اپنی مخلوقات کے درمیان فرق کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ وہ ان کا رب ہے اور وہ اس کے بندے ہیں۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس کو بیان کیا گیا ہے ہم نے قرآن مجید سے ان مومنوں کے سامنے استشہاد کیا، جو ظاہراً باطناً قرآن مجید کو مانتے ہیں یہ ملاحدہ تلمسانی کا باطل دعویٰ رکھتے ہیں تلمسانی الحاد میں ان سب کا لیڈر رہتے جب اس کے سامنے "فصوص" کو پڑھا گیا اور اس سے کہا گیا "تمہاری بات قرآن مجید کے خلاف ہے" تو اس نے کہا "قرآن مجید تو سارا شرک ہے۔ توحید ہماری بات میں ہے"۔ جب اس سے سوال کیا گیا کہ "اگر وجود ایک ہی ہے تو بیوی حلال اور بہن حرام کیوں ہے؟" تو اس نے کہا "ہمارے نزدیک سب حلال ہے لیکن یہ محجوب لوگ حرام کہتے ہیں تو ہم نے بھی کہہ دیا کہ وہ تم پر حرام ہے"۔ یہ اس کا کفر عظیم ہے اور اس میں تناقض بھی صاف نظر آتا ہے۔ جب وجود ایک ہی ہو تو محجوب کون ہے؟ اور حاجب کون ہے؟ اسی لئے ان کے ایک شیخ نے اپنے مرید سے کہا: "جو کوئی تجھے یہ کہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا بھی کوئی اور ہے تو وہ جھوٹا ہے"۔ مرید نے پوچھا، تو پھر جھوٹا کہاں

سے آگیا"؟ اس نے دوسرے سے کہا: "یہ مظاہر ہیں" تو اس نے پوچھا "مظاہر ظاہر کا غیر ہے یا ایک ہی چیز ہے؟ اگر وہ غیر ہے" تو تم نے تثنیہ بولا اگر وہ ایک ہی ہے" تو "ظاہر" اور "مظاہر" میں کوئی فرق نہ رہا۔

ہم نے ان لوگوں کی مکاریوں اور دجل و فریب کا پردہ کسی دوسری جگہ چاک کیا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کی ہم نے قلعی کھول دی ہے۔ صاحب "فصوص" کہتا ہے کہ "معدوم ایک چیز ہے" اور حق کا وجود اس پہ حاوی و غالب ہو گیا ہے" یہ کہہ کر وہ خود وجود اور ثبوت کے درمیان فرق کرتا ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ معدوم بھی ظاہر میں ایک ثابت چیز ہے" وہ گمراہ ہونے کے باوجود اس سے بہتر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اس عدم میں ثابت اشیاء کا وجود پیدا کیا" لیکن اس سے مراد رب کا وجود نہیں" مگر صاحب "فصوص" کہتا ہے کہ "رب تعالیٰ کے عین وجود کا اس پر فیضان ہوا" اس کے نزدیک مخلوق کا خالق سے الگ کوئی وجود نہیں۔ اس کے شاگرد "قونوی" نے "مطلق" اور "معین" میں فرق کیا ہے" چونکہ وہ فلسفے کے زیادہ قریب تھا" اس لئے اس نے یہ اقرار نہیں کیا کہ معدوم ایک چیز ہے۔ ہاں، اس نے حق کو وجودِ مطلق کہا اور اس نے "مفتاح غیب الجمع والوجود" کو تصنیف کیا۔ یہ قول خالق کی تعطیل و عدمِ تعطیل میں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

مطلق اطلاق کی شرط کے ساتھ کلی عقلی ہے ـــــ جو صرف اذہان میں متصور ہے" نہ کہ موجودات میں مطلق بغیر کسی چیز کی شرط کے کلی طبعی ہے" اگر کوئی کہے کہ وہ خارج میں موجود ہے" تو وہ خارج میں معین چیز میں موجود ہو گا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ رب کا وجود یا متعین ہو یا عین مخلوقات کا وجود ہو تو پھر کیا جزء کل کو، یا چیز خود کو، یا عدم وجود کو پیدا کرتا ہے؟ یہ لوگ حلول سے بھاگے تھے۔ کیونکہ اس سے دو چیزیں ایک دوسری سے اتحاد کا تقاضا کرتی ہیں" اور ان کے نزدیک وجود ہی ایک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا کفر یہ ہے کہ انہوں نے صرف حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کہا۔ اگر وہ اس کو عام کہہ دیتے تو کافر نہ ہوتے۔ یہی بات وہ بت پرستوں کے متعلق کہتے ہیں کہ انہوں نے بعض مظاہر کو پوجا اور بعض کو چھوڑ دیا" اگر وہ سب مظاہر کو پوجتے" تو وہ خطا کار نہ ہوتے۔ ان کی اس بات میں کفرِ عظیم موجود ہے اور ہمیشہ کی طرح شدید تناقض بھی۔ کیونکہ ان سے پوچھا جا

سکتا ہے خطا کار کون ہے ؟ وہ کہتے ہیں کہ ان سب نقائص سے جن سے مخلوق موصوف ہو سکتی ہے، رب موصوف ہے اور جن جن کمالات سے خالق موصوف ہے ان سے مخلوق بھی موصوف ہے وہ وہی کہتے ہیں، جو صاحبِ "فصوص" نے کہا کہ "العلی" سے مراد وہ ہے جس کو ایسا کمال حاصل ہو جو تمام نعوتِ وجودیہ اور نسبِ عدمیہ پر حاوی ہو چاہے وہ عرف میں، عقل میں اور شرع میں محمود ہو یا مذموم وہ صرف خاص اللہ تعالیٰ کے مسمّٰی کے لئے ہے ان کے اس کفر کے باوجود تناقض دور نہیں ہوا یہ عقل اور حس سے صاف معلوم ہے کہ یہ وہ نہیں ہے یہ لوگ وہی بات کہتے ہیں، جو تلمسانی کہتا ہے کہ "جو چیز صریح عقل کے خلاف ہو، وہ ہمیں کشف سے معلوم ہو جاتی ہے"۔ وہ کہتے ہیں "جو حقیقت کو تلاش کرنا چاہے، وہ عقل اور شریعت کو ترک کر دے"۔

میں نے اپنے مخاطب سے کہا یہ بات پوری طرح معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا کشف مکمل اور عظیم تھا اور ان کی خبر دوسروں سے زیادہ سچی تھی انبیاء، صلوات اللہ علیہم ان باتوں کی خبر دیتے ہیں جن کے بارے میں عقل ہتھیار پھینک دیتی ہے نہ وہ جن کو اپنی عقلوں کے ذریعے پہچانتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی خبریں عقلِ صریح کے عین مطابق ہوتی ہیں خلاف نہیں یہ ناممکن ہے کہ دو قطعی دلیلیں آپس میں تناقض ہوں چاہے وہ عقلی ہوں یا نقلی دسمعی یا ایک عقلی ہو اور دوسری نقلی اب اس شخص کے کشف کو جو عقل اور شرع دونوں کے خلاف ہو، کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ ان لوگوں کے پیشِ نظر جھوٹ نہیں ہوتا لیکن بہت سی اشیاء ان کے نفوس میں متخیل ہوتی ہیں وہ ان کو خارج میں تصور کر لیتے ہیں۔ اور بہت سی اشیاء جو خارج میں موجود ہوں، وہ ان کو صالحین کی کرامات تصور کر لیتے ہیں یہ شیطانی تلبیس اور فریب ہوتا ہے اور جو لوگ اتحاد کے قائل ہیں، وہ اولیاء کو انبیاء علیہم السلام پر مقدم کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نبوت منقطع نہیں ہوئی، جیسا کہ ابنِ سبعین وغیرہ کہتے ہیں وہ تین مراتب قائم کرتے ہیں (۱) بندہ پہلے طاعت و معصیت کے لئے شہادت دیتا ہے (۲) پھر طاعت بلا معصیت کی (۳) پھر نہ طاعت کی نہ معصیت کی ! شہودِ اول تو درست ہے۔ اسی سے طاعات و معصیات میں فرق ہوتا ہے۔ دوسرے شہود سے ان کی مراد شہودِ قدر ہے جیسا کہ ان میں سے بعض کہتے ہیں "میں ایسے رب سے کفر کرتا ہوں

جس کی نافرمانی کی جاتی ہے۔ یہ لوگ بزعمِ خویش سمجھتے ہیں کہ معصیت ارادے و مشیئت کی مخالفت کا نام ہے مخلوق سب کی سب مشیئت کے حکم میں داخل ہے۔

ان کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

اصبحت منفعلا لما تختاره	"میں تیری پسند کے عین مطابق بن گیا ہوں اب
منّی ففعلی کلّہ طاعات	میرا ہر فعل نیکی ہے۔"

پوری طرح واضح ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے معصیت کا مرتکب مذمت اور عذاب کا حقدار ہے یہی بات اللہ اور رسول ؐ کے نزدیک مقبول و مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا الآیۃ[1]	"یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کی فرماں برداری کرے گا۔ تو وہ اس کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے نکل جائے گا اس کو وہ دوزخ میں ڈالے گا۔ جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔"

ہم عنقریب ارادہ کونی و ارادہ دینی اور امرِ کونی و امرِ دینی کا ذکر کریں گے۔ یہ مسئلہ صوفیوں کے ایک گروہ پر مشتبہ ہوگیا تھا حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے کو واضح فرمایا ہے جس نے حضرت جنیدؒ کی راہ اختیار کی وہ ہدایت پر ہے جس نے مخالفت کی وہ گمراہی پر ہے یہ کہتے ہیں "تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور قدرت کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس کے اس شہود میں توحید ہے" وہ اس کو جمع اول کہتے ہیں حضرت جنیدؒ نے ان کو سمجھایا کہ "فرقِ ثانی کا شہود بھی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ باوجودیکہ تمام اشیاء اس کی مشیئت اور قدرت اور تخلیق میں مشترک ہیں لازم و واجب ہے کہ جس کا وہ حکم دیتا ہے

---

[1] النساء: ۱۳، ۱۴

اور جس کو پسند کرتا ہے اور جس پر خوش ہوتا ہے اس کو اس سے الگ کیا جائے جس سے وہ روکتا ہے اور جس کو وہ ناپسند کرتا ہے اور ناراض ہوتا ہے اسی طرح اس کے اولیاء اور اعداء میں بھی فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ"[1]	"کیا ہم فرماں برداروں کو نافرمانوں کی طرح کر دیں گے تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسی تجویزیں کرتے ہو؟"
"اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ"[2]	"جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، کیا ان کو ان کی طرح کر دیں گے جو زمین میں فساد کرتے ہیں؟ یا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے؟"
"اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ"[3]	"جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا انہوں نے خیال کیا ہے کہ ان کو ان جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کی زندگی اور موت یکساں ہو گی؟ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں"
"وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ"[4]	"نابینا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے اور نہ وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے بروں کے برابر ہو سکتے ہیں تم بہت کم غور کرتے ہو"

ان آیات اور دلائل کی بناء پر ائمہ اور سلف امت کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق، رب اور بادشاہ ہے جو اس کی مشیئت تھی وہی ہوا۔ اور جو اس کی مشیئت نہ تھی وہ نہ ہوا اس کے سوا کوئی رب نہیں اس کے باوجود اس نے طاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا ہے اور نافرمانی سے روکا ہے وہ فساد کو پسند نہیں فرماتا اور نہ ہی اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند کرتا ہے بلکہ اس پر ناراض ہوتا ہے ان کی مذمت فرماتا ہے اور ان کو سزا دیتا ہے۔

تیسرا مرتبہ کہ نہ طاعت اور نہ معصیت کا شہود ہو کہ وہ وجود کو ایک ہی دیکھتا ہے۔ ان

---

[1] القلم: ۳۵، ۳۶ [2] ص: ۲۸ [3] الجاثیہ: ۲۱ [4] غافر: ۵۸

کے نزدیک یہ حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی ولایت کا آخری مرتبہ ہے۔ دراصل یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں الحاد کا اور اس کی دشمنی کا آخری درجہ ہے یہ عقیدہ رکھنے والا تو یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی اولیاء شمار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ۔ الآیۃ[1]" "جو شخص ان سے دوستی کرے، وہ انہی میں سے ہے۔"

وہ شرک اور اوثان سے بے زاری ظاہر نہیں کرتا اس طرح وہ ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ملت سے خارج ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ (اِلٰی قَوْلِهٖ) حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ۔ الآیۃ[2]" "تمہارے لیے ابراہیم علیہ السلام میں بہترین نمونہ ہے۔ (آگے تک:) یہاں تک کہ تم اللہ وحدہٗ پر ایمان لے آؤ۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی مشرک قوم کو فرمایا تھا:

"اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ[3]" "ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا" کیا تم نے دیکھا جن کو تم پوجتے ہو تم بھی اور تمہارے پہلے باپ دادا بھی، وہ میرے دشمن ہیں مگر اللہ رب العالمین!"

"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓىِٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ[4] الآیۃ" "جو لوگ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کرتے نہ پاؤ گے چاہے وہ ان کے باپ ہوں، بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا خاندان کے لوگ ہوں یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح کے ساتھ ان کی مدد کی ہے۔"

ان لوگوں میں سے بعض نے اپنے عقیدے کے مطابق کتابیں اور قصیدے لکھے ہیں جیسا کہ ابن الفارض کا "نظم السلوک" کے نام سے قصیدہ ہے جس میں یہی ہزلیات بھری ہوئی ہیں۔

---

[1] المائدۃ: ۵۱ [2] الممتحنۃ: ۴ [3] الشعراء: ۷۵-۷۷ [4] المجادلۃ: ۲۲

اسی لئے موت کے وقت کہنے والا کہتا ہے ؎

إِن کان منزلتی فی الحب عندکم — "اگر تمہارے نزدیک محبت میں میرا وہی مرتبہ
ما قد لقیت فقد ضیعت أیامی — ہے جس کا مجھے تجربہ ہوا تو میں نے اپنی زندگی
ضائع کر دی"

أمنیة ظفرت نفسی بھا زمنا — "ایک عرصے تک میرے نفس کو خواہش حاصل رہی،
والیوم أحسبھا أضغاث أحلامی — آج مجھے وہ پریشان خیالی نظر آتی ہے"

وہ غلط طور پر جس کو حق سمجھتا رہا جب جان قبض کرنے کے لئے فرشتے آئے تو ان کا باطل ہونا کھلا۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوٓءُ عَمَلِهِۦ فَرَءَاهُ حَسَنًا"[1] (اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) — "بھلا جس شخص کو اس کے اعمالِ بد آراستہ کر کے دکھائے جائیں، وہ ان کو عمدہ سمجھے"

"سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ"[2] — "جو چیز آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب دانا ہے"

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ پھر فرمایا:

"لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ۝ هُوَ ٱلْأَوَّلُ وَٱلْءَاخِرُ وَٱلظَّٰهِرُ وَٱلْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ"[3] — "آسمانوں اور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ سب سے پہلا، سب سے پچھلا، سب پر ظاہر اور پوشیدہ ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے"

صحیح مسلم میں نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ اپنی دعاء میں پڑھا کرتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی مُنَزِّلَ التَّوْرٰتِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ کُلِّ — "اے اللہ! ساتوں آسمانوں کے رب اور عرشِ عظیم کے رب اور ہر چیز کے رب، دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے، تورات و انجیل اور قرآن کو اتارنے والے، میں تیری پناہ چاہتا ہوں ہر جاندار

---

[1] فاطر: ۸ [2] الحدید: ۱ [3] الحدید: ۲۔۳

دابتہا انت اخذ بناصیتھا انت الاول فلیس قبلک شیئ وانت الظاھر فلیس فوقک شیئ وانت الباطن فلیس دونک شیئ اقض عنی الدین واغننی من الفقر۔"

کی برائی سے اُن کی پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں تو باطن ہے تیرے نیچے کوئی چیز نہیں۔ مجھ سے میرا قرض ادا کر دے، اور مجھے محتاجی سے بے نیاز کر دے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا وَھُوَ مَعَکُمْ" (الحدید:۴)

"وہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا پھر عرش پر مستوی ہوا وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے، اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے، اور جو اس میں چڑھتا ہے وہ تمہارے ہمراہ رہتا ہے۔"

لفظ "مع" لغتِ عرب میں دو چیزوں کے خلط ملط ہونے کے مفہوم میں قطعاً استعمال نہیں ہوتا۔ ارشاد ہے:

"اِتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ"[1]

"اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ہمراہ ہو جاؤ۔"

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ"[2] الآیۃ!

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔"

"وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا مَعَکُمْ فَاُولٰٓئِکَ مِنْکُمْ"[3] الآیۃ!

"وہ لوگ جو اس کے بعد ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا، وہ تم میں سے ہیں۔"

قرآنِ مجید میں لفظ "مع" عام اور خاص دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مندرجہ بالا آیت اور سورۂ مجادلہ میں عام معنی میں استعمال ہوا ہے:

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور

---

[1] التوبۃ: ۱۱۹ [2] الفتح: ۲۹ [3] الانفال: ۷۵

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ (اِلٰی قَوْلِهٖ) اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ "۔ [1]

زمین کی سب چیزوں کو جانتا ہے جب تین آدمیوں کی سرگوشی ہوتی ہے تو وہ چوتھا ان کے ساتھ ہوتا ہے (آگے تک) بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے علم سے ہی اپنا کلام شروع فرمایا اور علم پر ہی ختم فرمایا اسی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ضحاکؒ، سفیان ثوریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی "معیت" سے مراد یہاں "علم کے ساتھ معیت" ہے۔

معیتِ خاصہ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ"۔ [2]

"بے شک اللہ تعالیٰ ان کے ہمراہ ہے جو ڈرتے رہے اور جو نیکوکار ہیں"۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرمایا:

"اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی"۔ [3] "میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، دیکھتا اور سنتا ہوں"۔

نبی کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے حکایت فرمائی:

"اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"۔ [4]

جب نبی کریم ﷺ اپنے صحابیؓ کو فرماتے تھے: غم نہ کر اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ موسیٰؑ اور ہارونؑ کے ساتھ ہے، فرعون کے ساتھ نہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپؐ کے صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے، ابوجہل وغیرہ آپؐ کے دشمنوں کے ساتھ نہیں، وہ متقیوں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے، ظالموں اور زیادتی کرنے والوں کے ساتھ نہیں۔ اگر معیت سے مراد یہ ہوتا کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے، تو پھر خبرِ عام اور خبرِ خاص میں تناقض ہوگا، بلکہ معیتِ خاصہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نصرت اور تائید کے ساتھ ان لوگوں کے ساتھ ہے، دوسروں کے ساتھ نہیں۔ ارشاد ہے:

---

[1] المجادلۃ: ۷ [2] النحل: ۱۲۸ [3] طٰہٰ: ۴۶ [4] التوبۃ: ۴۰

"وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ - الآية![1]" یعنی "وہ آسمان میں بھی الٰہ ہے اور زمین میں بھی الٰہ ہے"

یعنی آسمان میں موجود لوگوں کا الٰہ ہے اور زمین کے لوگوں کا الٰہ ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ"[2] "آسمانوں اور زمین میں اس کی سب سے اونچی مثال ہے"

"وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ"[3] "وہ اللہ ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی"

جیسا کہ ائمہ علم نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین میں معبود ہے۔ ائمہ اور سلفِ امت نے فرمایا ہے کہ رب تعالیٰ مخلوقات سے الگ اور جدا ہے۔ اس کو اسی طریقے سے بیان کیا جائے جس طرح اس نے خود کو بیان فرمایا ہے اور اس کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے بغیر کسی تحریف و تعطیل کے اور کسی کیفیت اور تمثیل کے۔ اس کو صفاتِ نقص کے ساتھ نہیں بلکہ صفاتِ کمال کے ساتھ بیان کیا جائے اور یقینی طور پر جان لیا جائے کہ اس کی ذات اور صفاتِ کمالیہ میں کوئی اس کی مثل نہیں۔ ارشاد ہے:

"قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ"[4] "کہہ دو وہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور اس کا ہمسر کوئی نہیں"

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "صمد سے مراد علیم ہے جو اپنے علم میں کامل ہے عظیم ہے جو اپنی عظمت میں کامل ہے۔ قدیر ہے جو اپنی قدرت میں کامل ہے۔ حکیم ہے جو اپنی حکمت میں کامل ہے۔ سردار ہے جو اپنی سرداری میں کامل ہے"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ "صمد وہ ہے جو ٹھوس ہو اور اندر سے کھوکھلا نہ ہو۔ احد وہ ہے جو بے نظیر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا "صمد" نام اس بات کو متضمن ہے کہ وہ صفاتِ کمال سے متصف اور نقائص سے منزہ ہے اور "احد" سے مراد یہ ہے کہ وہ بے مثال ہے۔ ہم نے اس سورت کی تفسیر میں اس پر اور اس کے تہائی قرآن ہونے پر مفصل گفتگو کی ہے۔ شیخ الاسلام قدس اللہ روحہٗ کے کلام سے

---

[1] الزخرف: ۸۴ [2] الروم: ۲۷ [3] الانعام: ۳ [4] الاخلاص

اقتباس ختم ہوا۔

یہ اہلِ حلول اور اہلِ اتحاد سے متعلق مسائل کا ہلکا سا نمونہ ہے۔ شیخ علی القاری، سعد تفتازانی، شیخ محمد البخاری، شیخ عبد الباری، علامہ عضد الملۃ والدین نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور ان کا رد فرمایا ہے۔ ان شاء اللہ ہم بھی اس موضوع پر مستقل کتاب لکھیں گے جس میں علماء ربانی کے اقوال و آراء بیان کریں گے اور بدعتی فرقوں کی بدعات اور ان کی شریعت کی مخالفت کو بیان کریں گے۔

ہم نے جو کچھ نقل کیا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ نبہانی کا اہلِ حلول و اتحاد کے متعلق یہ کہنا کہ "وہ اولیاء اللہ ہیں" پرلے درجے کی جہالت و گمراہی اور خواہشِ نفس کی پیروی ہے۔

شیخ علی القاری نے "فصوص" پہ رد لکھا ہے اور اس کے منکرات و اوہام اور غلطیاں بیان کی ہیں جن کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب کے آخر میں فرمایا ہے:

"ابنِ عربی کے کلام کی جو منکرات گزر چکی ہیں ان کی کوئی قابلِ قبول تاویل نہیں کی جا سکتی اور اس کے مذکورہ کلمات کے بعد بھی یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اولیاء اللہ میں ہے درست نہیں ہوگا۔ ہاں حسنِ ظن کی ایک ہی صورت ہے کہ کہہ دیا جائے یہ ابنِ عربی کی باتیں ہی نہیں ہیں یا یہ سمجھا جائے کہ اس نے اہلِ اسلام کے عقیدے کی طرف رجوع کر لیا تھا مگر اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے نہ ہی کوئی اس کی طرف سے خبر یا اثر مروی ہے۔ بڑے بڑے علماء اور اکابر اولیاء اللہ نے اس کے اس منکر اور غلط کلام پہ رد فرمایا ہے۔"

اعتراض — "شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ کی کتابوں سے قلتِ نفع کا وہم"

نبہانی نے شیخ الاسلامؒ کی کتابوں کے اپنے وہم میں "قلیل النفع" اور باطل ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ "انہوں نے اہلِ حلول و اتحاد وغیرہ پہ تنقید کی ہے الخ!"

جواب شیخ الاسلامؒ کی کتابوں کو اللہ تعالیٰ نے قلیل النفع ہرگز نہیں بنایا بلکہ ہر دور میں لوگ آپ کے کلام کے موتیوں سے مالا مال ہوتے رہے ہیں اور اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کرتے رہے ہیں حافظ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے کہ ہر دور میں آپؒ کی کتابیں لوگ بڑی گراں قیمتوں پر حاصل کرتے رہے ہیں کونسا عالم ہے جس کی کتابوں سے لوگ اتنے مستفید ہوئے ہیں جتنے

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے ہوئے ہیں یہ بات عام و خاص، ہر شخص کو معلوم ہے۔ لیکن بقول سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم :. چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

متاخرین حنابلہ وغیرہ نے اپنی کتابوں کو آراستہ کرنے اور ان کی قدر و قیمت اور محاسن میں اضافہ کرنے کی غرض سے آپؒ کی کتابوں سے بکثرت اقتباس دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کی کتابوں کو قلوبِ سلیمہ کے لئے بڑا پُر تاثیر بنایا ہے جو کوئی بھی آپ کی کتابوں کا مطالعہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر علوم کے دروازے کھول دے گا اور ان کے منطوق و مفہوم کے آبِ زلال سے اس کو بہرہ ور کرے گا مگر جس سنگدل نے شرم و حیا کے پردے اٹھا دیے ہوں، وہ تو محروم ہی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ پاک کے متعلق فرمایا:

"يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ" [1]

"اللہ تعالیٰ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور گمراہ ان ہی کو کرتا ہے جو نافرمان ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس رشتے کو ملانے کا حکم دیا ہے، اس کو قطع کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں"۔

"منہاج السنۃ پر اعتراض اور اس کا جواب"

نبہانی کہتا ہے: "اس کی کتابوں میں سے ایک "منہاج السنۃ" ہے جو رافضیوں کے رد میں ہے۔ اور ایک "العقل والنقل" ہے، جو اشعری اور ماتریدی متکلمینِ اہلِ سنت کے رد میں ہے حالانکہ وہ امتِ محمدیہ کے قابلِ تعظیم بزرگ ہیں" اور "منہاج السنۃ اگرچہ رافضیوں کے رد میں ہے، مگر وہ اہلِ سنت اور سادات صوفیہ اور ان کے عقیدت مندوں کے رد سے پُر ہے مثلاً انہوں نے ایک رافضی کے اس قول کی کہ ہر زمانے میں امام معصوم کا وجود لازمی ہے" خرابی بیان کرنے کے بعد کہا ہے "یہ تو اس سے بھی خراب تر بات ہے جس کی عوام کالانعام کی اکثریت مدعی ہے کہ وہ قطب، غوث

---

[1] البقرۃ: ۲۶، ۲۷

اور اسی طرح کے دوسرے نام جن کے مسمیٰ کی تعظیم مرتبہ نبوت سے بھی بڑھا کر کرتے ہیں مگر کسی معین شخص کی تعیین نہیں کرتے جس سے ان اسماء کے مسمیٰ سے نفع اٹھایا جا سکے جیسا کہ بہت سے لوگ حضرت خضر کے زندہ ہونے کے قائل ہیں مگر وہ اس دعویٰ سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہیں حاصل کر سکتے وہ زیادہ سے زیادہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ہاتھوں پر اپنے بعض فیصلے اور تقدیریں جاری کرتا ہے ان کا یہ دعویٰ بھی باطل ہے اگر وہ حق بھی ہو تو اس سے کوئی نفع نہیں اٹھایا جا سکتا بعض اوقات ایسے لوگوں کے سامنے کوئی جن انسانی شکل میں آکر جھوٹ بولتا ہے کہ میں خضر ہوں۔

یہی حال ان کا ہے جو رجال غیب کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی زیارت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ جن کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ انسان ہیں۔ ہم نے یہ بات کئی جگہ تفصیل سے بیان کی ہے۔"

"جاہلی اوہام کے انکار پر نبہانی کی شیخ الاسلامؒ پر ناراضگی"

نبہانی شیخ الاسلامؒ پر اعتراض کرتا ہے کہ "شیخ کی عادت یہ ہے کہ جن باتوں سے وہ ناواقف ہوں، ان کا انکار کر دیتے ہیں اور اس کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اولیاء، عارفین، باعمل علماء، عباد و صلحاء وغیرہ جمہور مسلمانوں کے نزدیک ثابت ہوتی ہیں اور ان کی صحت میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں" پھر اس نے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے یافعی، ابن حجر مکی، نجم الدین اصفہانی اور ایسے ہی دوسرے غالیوں کے کلام کو استشہاد کے لئے پیش کیا ہے۔

اس کا جواب کئی وجوہ پر ہے۔

وجہ اول ہم قبل ازیں شیخ الاسلامؒ کی سب کتب پر تبصرہ کر آئے ہیں اور ان کی مدح و تقریظ بھی ذکر کی ہے ہم نے کہا ہے کہ منهاج السنۃ شیخ الاسلامؒ کی سب سے جلیل القدر کتاب ہے اس میں بہت سے دینی فوائد ہیں، جو ڈھونڈے سے بھی اور کہیں سے نہیں ملیں گے ادیب، فہامہ، شیخ طٰہٰ بن محمود، جو مکتبہ کبریٰ میں رئیس التصحیح ہیں، نے کیا ہی عمدہ نظم میں اس پر تقریظ لکھی ہے ؎

یا قوم منهاج أتی القوم أحمد   فما لی لا أثنی علیه و أحمد

"احمد بن تیمیہؒ نے قوم کو بالکل سیدھی منهاج (راہ) پیش کی ہے میں آپ کی تعریف و توصیف کیوں نہ کروں ؟"

امام حباه اللہ علما وحکمۃ — وقلبا تقیاً نورہ یتوقد

"وہ امام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت اور متقی دل کی خصوصیت دی ہے آپ کا نور شعلہ بار رہے ہے۔"

أتاھم ولیل الرفض والنصب حالك — وقاعدۃ الطغیان فیھم توصد

"وہ جب تشریف لائے تو رفض ونصب کی سخت اندھیری رات تھی اور سرکشی کی بنیاد ان میں مضبوط تھی۔"

أتی أمۃ بغض الصحابۃ دینھم — وسب أبی بکر بر قد تعبدوا

"آپ ایسی قوم میں آئے، جن کا دین بغض صحابہؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو گالی دینا تھا۔ وہ اسی کو عبادت سمجھتے تھے۔"

فانکر ما قد خالف الدین والتقی — ومن دیننا انکار ما لیس یحمد

"انہوں نے دین اور تقویٰ سے کے خلاف سب باتوں کا انکار کیا۔ اور ہمارے دین میں نامحمود چیزوں کی مخالفت کی۔"

وأفشی کتاب اللہ فیھم وانھم — أباۃ عن الاذعان للحق شرد

"آپ نے ان میں کتاب اللہ کو پھیلایا جو یقین کے منکر اور حق سے بدکنے والے تھے۔"

وناضل عن صحب النبی وحزبہ — ومن لھم رأی وقول مسدد

"آپ نے نبی کریم ﷺ کی جماعت، صحابہ کرامؓ اور ہر صحیح رائے وقول رکھنے والے کی طرف سے مدافعت کی۔"

فھل مثل ھذا الحبر أولی بشکرہ — علی ما أتاہ ام تراہ یفند

"آپ جیسا عظیم عالم اپنی خدمات کی بناء پر شکریے کے زیادہ لائق ہے، یا تمہارا خیال ہے کہ آپ کو ملامت کی جائے گی؟"

فلو کان تألیف الفتی مخلدا لہ — لکان من المنہاج واللہ مخلد

"اگر کسی نوجوان کی تالیف اس کو زندہ جاوید بنا سکتی ہے تو آپ منہاج السنۃ کی وجہ سے زندہ جاوید ہیں۔"

فأسئلك اللھم ھتان رحمۃ — علی قبرہ ما لاح فی الافق فرقد

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ رہتی دنیا تک آپ کی قبر پر رحمۃ کی لگاتار بارش برساتا رہ"۔

نبہانی کی اس کتاب پر تنقید ایسے ہی ہے، جیسے کہ کتا آسمان پر بھونکتا ہے!۔ اس سے لوگوں کے سامنے اس کی جہالت وغباوت، اس کی گمراہی اور عداوتِ دین، اور مسلمانوں اور مومنوں کی راہ سے انحراف عیاں اور واضح ہو جاتا ہے۔

وجہِ ثانی نبہانی کی "منہاج السنۃ" پر یہ تنقید اور اعتراض کہ "اس کے مصنف نے خضر، اقطاب، اوتاد اور رجالِ غیب وغیرہ، نیز خود ساختہ صوفیوں اور غالیوں نے اپنے مقاصد کی ترویج کے لئے جو بدعات جاری کی ہیں، ان کا انکار کیا ہے"۔ اس کی یہ تنقید او راعتراض بے جا ہے۔ کیونکہ رافضیوں نے جب اللہ تعالیٰ پر توفیق وعصمت، اصلح کی رعایت کو واجب کیا اور انہوں نے اپنے زعم میں ائمہ کو بارہ میں منحصر سمجھا اور وہ بارہ قیامت تک کے زمانے میں پھیل نہیں سکتے تھے، تو انہوں نے امامِ منتظر کا مسئلہ گھڑا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی حجتوں کو پوشیدہ ومستور شخص قائم نہیں کر سکتا، علم رکھنے والا اس سے کوئی خبر حاصل نہیں کر سکتا، اور کسی بھی مسئلے میں لوگ اس سے نفع نہیں اٹھا سکتے، نہ جاہل اس سے سیکھ سکتا ہے، نہ گمراہ اس کے ذریعے ہدایت پا سکتا ہے، نہ ڈرنے والا اس سے امن، اور نہ ذلیل اس کے ذریعے عزت حاصل کر سکتا ہے۔ بالخصوص ان کے اپنے اصول کے مطابق، جس شخص کا کسی جگہ وجود ہی نہیں اور نہ اس سے کوئی کلمہ سنا جا سکتا ہے، تو اس ذریعے کون سی اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہوئی؟ جو اس نظریے کے قائل ہیں، ان کو امامِ منتظر کے نظریے کی ضرورت اس لئے پڑی کہ انہوں نے پہلے یہ عقیدہ گھڑا کہ مکلفین کے ساتھ نرمی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی حجت کو توڑنے کے لئے امامِ منتظر کا عقیدہ لابدی وضروری ہے۔ تعجب ہے کہ اس معدوم امام سے کون سی توفیق وعصمت حاصل ہوئی؟ اور جس کی بنیاد ہی باطل ہے، اس کے ذریعے مخلوق کے لئے ان کے رب پر کونسی حجت ثابت ہوئی ہے؟ جب اس معدوم امام کی ملاقات اور ان سے ہدایت کے حصول کی کوئی راہ لوگوں کو نہ ملی تو کیا اس سے بڑھ کر کوئی تکلیف مالایطاق ہو سکتی ہے؟ اور لوگوں کا اس سے بڑا عذر اور حجت اور کیا ہو سکتی ہے؟ جس سے تم نے جان چھڑانے کی کوشش کی، اس سے بری بلا میں پھنس گئے۔ تم اس شعر کے پورے مصداق ہو ؎

المستجیر بعمرو وعند قربتہ کالمستجیر من الرمضاء بالنار

"جب عمرو خود مصیبت میں مبتلا ہو تو اس سے پناہ حاصل کرنے والا ایسے ہے جس طرح گرمی سے بچنے کے لئے آگ کی پناہ لے"۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے بہترین صحابہؓ جو اس امت کے سردار ہیں کی شان میں گستاخی کرنے والے کو ذلیل کر کے چھوڑا اور اس کو ننگا کر دیا۔ ہم اس ذلت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی حجتوں کو انکی حفاظت کے نام سے اور امام غائب کی آڑ میں ضائع اور باطل کر دیا۔

جب شیخ نے "ابن المطہر الحلی" کے امام منتظر کے نظریے کا بہترین جواب دیا تو ان کے اعتراضات و مناظروں اور معارضوں کی راہیں بند کرنے کے لئے آپ نے خضر اور اقطاب و اوتاد وغیرہ کے وجود کو باطل قرار دیا اور ثابت کیا کہ دین میں ان کا کوئی وجود نہیں اگر آپ ایسا نہ کرتے تو ممکن تھا کہ وہ کہتے کہ "تم خضر و قطب اور بدل و وتد وغیرہ کے قائل ہو بالخصوص حضرت خضر کی دراز اور لمبی زندگی کی طرح جس کو اکثر لوگ مانتے ہیں ہم بھی امام منتظر کے قائل ہیں جو تمہارا جواب ہوگا وہی ہمارا ہوگا" پس شیخؒ کے لئے ضروری تھا کہ ان کی حقیقت کو بیان فرماتے اور ان کے وجود کی نفی پر دلیل قائم فرماتے۔ حیات خضر، اقطاب وغیرہ کو اگر ثابت مانا جائے تو امام منتظر کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟

نبہانی کی تنقید یہاں انتہائی پوچ ہے۔

وجہ ثالث

نبہانی کو تکلیف اس لئے ہے کہ ماتریدی اور اشعری جن کو وہ بزعم خود اکابر اہل سنت اور اکابر صوفیہ میں شمار کرتا ہے ان پر شیخ نے گفتگو کیوں کی ہے؟

ہم کہتے ہیں شیخ نے ہر بدعتی اور "محدث فی الدین" پر گفتگو کی ہے آپؒ اونچے اونچے ناموں اور جبتوں سے مرعوب نہیں ہوئے۔ جس نے بھی کتاب و سنت اور اجماع امت کی مخالفت کی ہے اس نے مومنوں کی راہ ترک کر کے دوسری راہ اختیار کی لہٰذا آپ ان کا رد کیوں نہ فرماتے؟

ہر ایک کی بات مانی بھی جا سکتی ہے اور چھوڑی بھی جا سکتی ہے سوائے رسول اللہ ﷺ کے جیسا کہ امام دار الہجرت نے فرمایا ہے۔ ہم ان شاء اللہ سنت، اہل سنت پر گفتگو کریں گے تا کہ

نبہانی کی جہالت اور غلطیاں واضح ہوں۔

وجہ رابع اگر خضر کا وجود اور زندگی اور رجالِ غیب وغیرہ کا عقیدہ شریعت کے واجبات اور ارکان میں سے ہوتا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں، یوم آخرت اور اسی طرح کی دوسری چیزوں پر جن کے بارے میں کتاب و سنت کی نصوص موجود ہیں، ایمان لانا لازمی ہے تو پھر ان کے بارے میں قرآن میں نص کیوں موجود نہیں اور صحیح حدیث کیوں وارد نہیں؟ جب رب العالمین اپنے بندوں میں سے کسی بندے سے پوچھے گا تو خضر کی ابدی زندگی پر کیوں ایمان نہیں لایا اور اقطاب و ابدال اور اوتاد اور اسی طرح کی دوسری باتیں جو صوفیوں نے کہی تھیں تو ان پر ایمان کیوں نہیں لایا؟ پھر وہ اس کا یوں جواب دے گا: "اے رب العالمین! اے آسمانوں اور زمین کے خالق! تو نے لوگوں کو اس بات کا مکلف بنایا کہ وہ تجھ پر ایمان لائیں اگرچہ تجھے آنکھوں سے نہ دیکھا ہو لیکن تیرے انبیاء و رسل کے ذریعے نصوص وارد ہیں ان کے علاوہ بھی تو نے اپنے وجود پر زمین و آسمان میں بہت سے دلائل قائم فرمائے۔ اور ہر چیز میں ایسی علامت رکھی جو یہ بتاتی ہے کہ تو ایک ہے بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ تیری توحید کا شاہد عدل ہے پھر تو نے قرآنِ کریم کو ملائکہ و رسل اور جن وغیرہ جن کو ہم دیکھ نہیں سکتے، کے ذکر سے بھر دیا پھر تیرے نبی اکرم ﷺ نے اور دوسرے انبیاء کرامؑ نے ان کی خبر دی اس وجہ سے ہم نے ان کا اعتراف و اقرار کیا اور اس کی تصدیق کی لیکن ہمیں ایک آیت بھی نظر نہیں آئی جو خضر کے خلود یا اس کے اور دوسروں کے وجود کی خبر دیتی ہو اور تیرے نبی کریم ﷺ سے کذابوں نے اس سلسلہ میں جو روایت کی ہے محققین اہلِ علم نے کہا ہے کہ وہ جھوٹ ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں بلکہ اس کے خلاف وارد ہے۔ اے اللہ! ایسے اوہام اور نامعلوم اشخاص پر میں کیسے ایمان لاتا؟ تو نے مجھے عقل کی نعمت سے نوازا ہے میں امور کا اس کے ذریعے موازنہ کرتا اور اس کو منصف بناتا تھا۔

الٰہی! اگر میں تیری نعمتِ عقل کی ناقدری کرتا اور اس سے فائدہ نہ اٹھاتا تو میں نبہانی کی طرح ہو جاتا اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا پھرتا۔"

پھر میں کہتا ہوں "الٰہی! خضر و اقطاب و ابدال وغیرہ کے قائل ہونے کا فائدہ کیا ہے؟

جاہل ان سے اپنے دین کے علم کا استفادہ نہیں کر سکتا، مظلوم ان کو ظلم روکنے کے لئے پکار نہیں سکتا، سورج کو تُو طلوع اور غروب کرتا ہے، آسمان کی تدبیر تیرے ہاتھ میں ہے، چاند کو تُو روشن کرتا ہے، ستاروں کو آسمان کی زینت، اور ہر سرکش شیطان کو رجم کرنے کے لئے تُو نے بنایا ہے، بادل تُو بناتا ہے، بارش برسا کر تُو اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے، مریض کو تُو شفاء بخشتا ہے، بھوکے کو تُو کھلاتا ہے، پیاسے کو تُو پلاتا ہے اور تو نے اپنی کتاب کریم میں ہر علم اور ہر حکم بیان فرمادیا ہے۔

اور تو نے یہ آیت نازل فرمائی :

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الآية[1]!" "میں نے آج تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا"!

تو پھر خضر وغیرہ کا کیا وظیفہ وعمل ہے، وہ کیا کرتے ہیں ؟ واللہ المستعان !

وجہ خامس نبہانی اور اس جیسے دوسرے اس کے ساتھیوں نے مذکورہ پوشیدہ اور نامعلوم اشخاص کے وجود کا ثبوت ابن حجر مکی جیسوں کے قول سے لیا ہے، معلوم ہے، ایسے لوگوں کا کلام اس مسئلے میں کچھ مفید نہیں۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ دین کے اصول وفروع میں کتاب وسنت، اور اس امت کے اہل علم کے اجماع پر اہل علم اعتماد کرتے ہیں، وہ اہل علم کے اقوال کا ضمناً ذکر کرتے ہیں، نہ کہ اصالتاً اور مقصود بالذات کے طور پر۔

پھر وہ مسائل، جن میں اجتہاد کی گنجائش ہو، کتاب وسنت صحیح اور اجماع کے خلاف بھی نہ ہوں، تو مجتہدین انکو دوسروں پر لازم قرار نہیں دیتے، جو مسائل کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف ہوں، وہ مردود ہوتے ہیں، اہل علم اُن مسائل کو لازم قرار دیتے ہیں، جو بالصراحت کتاب وسنت اور اجماع امت کے مطابق ہیں۔

امام دار الہجرت مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

"مَا مِنَّا إِلَّا رَادٌّ وَمَرْدُودٌ عَلَيْهِ إِلَّا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ يَعْنِي رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" "ہم میں سے ہر ایک کی بات رد بھی کی جا سکتی ہے اور وہ دوسروں کی بات رد کر سکتا ہے، مگر اس قبر والے کی یعنی رسول اللہ ﷺ !"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس سے بھی واضح ہے، فرمایا :

---

[1] المائدۃ ۳ :

"فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا"[1]

"اگر کسی بات میں تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے تو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ؐ کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بہت بہتر ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَاْتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ فَیَقُوْلُ: بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ کِتَابُ اللّٰہِ اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ"

"میں تم میں سے کسی کو اس حالت پر نہ پاؤں کہ وہ اپنے پلنگ پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو، اس کے پاس میرا حکم پہنچے تو وہ کہے کہ ہمارے تمہارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے۔ خبردار! مجھے کتاب اور اس کے ساتھ اس کی مثل (سنّت) بھی دی گئی ہے۔"

سنّت کو اس گمان سے بھی رد کرنا حرام اور ناجائز ہے کہ قرآن اس پر دلالت نہیں کرتا چہ جائیکہ کسی انسان کے خلاف ہونے کی وجہ سے کتاب و سنّت اور ان کے لازم ہونے کو رد کر دیا جائے۔

مقصد یہ ہے کہ نبہانی اور اس قماش کے دوسرے لوگوں نے کوئی قابلِ قبول دلیل پیش نہیں کی رہی بات ابنِ حجر مکی اور اس قسم کے دوسرے غالیوں کی تو وہ بھی حق کے دشمن اور اس کا مقابلہ کرنے والے لہٰذا اہلِ حق کے مقابلے میں ان کے کلام سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟

وجہ سادس

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے جو بیان کیا ہے مخالف نے پورا اس کو نقل نہیں کیا، بلکہ اس میں تحریف کی ہے جس کا ذکر کرنا ضروری تھا اس کو حذف کر دیا ہے۔ ہم یہاں مختلف جگہوں سے آپ کا کلام نقل کرتے ہیں جب وہ ایک جگہ جمع ہو جائے گا اور دلیل واضح ہو جائے گی تو انصاف پسند قارئین آپ کے کلام کو یقیناً تسلیم کر لیں گے مومنوں کی شاہراہ کو چھوڑ کر پگڈنڈیوں پر چلنے والے غالیوں کا آپ پر انکار اور تنقید ختم ہو کر رہ جائے گی۔

ایک سائل نے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ کیا اہلِ قبور سے استغاثہ اور ان کی

---

[1] النساء: ۵۹

نذر ماننا وغیرہ جائز ہیں یا نہیں"؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا :

" سائل کا قطب وغوث کے بارے میں سوال، کہ وہ ایک جامع فرد ہے" یہ کئی گروہوں کا قول ہے وہ اس کی تفسیر دینِ اسلام میں امورِ باطلہ سے کرتے ہیں مثلاً بعض اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ "غوث وہ ہے جس کے واسطے سے مخلوق کی مدد ہوتی ہے اور ان کو رزق وغیرہ ملتا ہے" وہ یہاں تک چلے جاتے ہیں کہ سمندر میں مچھلیوں کی اور فرشتوں کی مدد اس کے واسطے سے ہوتی ہے یہ اسی طرح کی بات ہے جو عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں اور کئی غالی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں یہ صریح کفر ہے اس سے توبہ کرائی جائے اگر نہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے۔

مخلوقات میں کوئی فرشتہ یا انسان ایسا نہیں جس کے واسطے سے مخلوق کی امداد ہوتی ہو اسی وجہ سے فلاسفہ عقولِ عشرہ کو فرشتے کہتے ہیں اور نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو اسی قسم کا مرتبہ دیتے ہیں مسلمانوں کے نزدیک بالاتفاق یہ کھلا کفر ہے۔ ایسی ہی یہ بات ہے جو بعض غوث کے متعلق کہتے ہیں کہ زمین میں تین سو دس سے اوپر آدمی ہیں جن کو وہ کبھی "نجباء" کا نام بھی دیتے ہیں۔ ان میں ستر چنے جاتے ہیں جن کو وہ "نقباء" کہتے ہیں ان میں چالیس کو "ابدال" اور چالیس میں سے سات کو "اقطاب" اور سات میں سے چار کو "اوتاد" اور چار میں سے ایک کو "غوث" کہتے ہیں اور وہ مکہ مکرمہ میں مقیم ہوتا ہے جب لوگوں کو رزق کی یا مدد کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ تین سو تیرہ کے سامنے اپنی ضرورت اور گھبراہٹ پیش کرتے ہیں وہ اس درخواست کو ستر کے سامنے اور ستر چالیس کے سامنے اور چالیس سات کے سامنے اور سات چار کے سامنے اور چار ایک کے سامنے وہ درخواست پیش کرتے ہیں۔

بعض لوگ گنتی، ناموں اور مراتب میں کمی بیشی کرتے ہیں ان کی اس سلسلے میں کئی طرح کی باتیں ہیں بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ کعبہ مکرمہ پر آسمان سے خضر وقت اور غوثِ وقت کے نام کا ایک سبز ورق اترتا ہے" اس شخص کے قول کے مطابق جو کہتا ہے کہ "خضر ایک مرتبہ ہے" اور "ہر زمانے کا ایک خضر ہوتا ہے" ان کے اس میں دو قول ہیں۔

یہ سب کی سب باتیں باطل اور بے بنیاد ہیں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ائمہ امت اور سلف نے ایسی کسی بات کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا نہ ہی پہلے اکابر شیوخ سے جو اقتداء کے لائق ہیں کوئی بات معلوم ہے رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اپنے اپنے زمانے میں سب سے بہتر اور افضل تھے لیکن وہ مدینہ منورہ میں تھے، مکہ میں نہ تھے۔ بعض غالیوں نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا غلام ہلال ستر میں سے ایک تھا۔ ماہرین علم حدیث کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث صریح جھوٹ ہے۔ اگرچہ ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" میں اس کو روایت کیا ہے اور شیخ عبدالرحمن سلمی نے اپنی بعض تصنیفوں میں اس کا ذکر کیا ہے ہم اس فریب میں نہیں آسکتے کیونکہ وہ تو صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع اور جھوٹی روایات کو ذکر کر دیتے ہیں کبھی وہ اس کو ان اہل حدیثوں کی عادت کے مطابق روایت کرتے ہیں جو صحیح اور باطل کی تمیز کئے بغیر ہی روایت کر دیتے ہیں۔

اہل حدیث اس قسم کی احادیث کو روایت نہیں کرتے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے:

"مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِحَدِيثٍ وَهُوَ يَرَى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَذَّابِينَ" "جو شخص یہ سمجھ کر میری طرف سے حدیث بیان کرے کہ وہ جھوٹ ہے، وہ جھوٹا ہے"

مجمل طور پر سب مسلمانوں کو علم ہے کہ جب کبھی مسلمانوں پر کوئی آفت پڑی تو وہ اس وقت صرف اللہ وحدہٗ کو پکارتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے۔ یہ مسلمانوں کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ اپنی حوائج میں غیر اللہ کی طرف رجوع کریں بلکہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین اللہ تعالیٰ کو بلا واسطہ پکارتے تھے اور وہ قبول فرماتا تھا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ توحید اور اسلام کے بعد وہ ان کی دعا اس واسطے کے بغیر قبول نہیں فرمائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ۔ الآیۃ"[1] "جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں کھڑا بیٹھا اور لیٹا پکارتا ہے الآیۃ"

"وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ۔ الآیۃ"[2] "جب تمہیں سمندر میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ گم ہو جاتا ہے"

---

[1] یونس: ۱۲ [2] الاسراء: ۶۷

"قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰـكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ - اِلٰى قَوْلِهٖ - مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ"[1] "کہہ دو بتاؤ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے۔ (آگے تک :) جو وہ عمل کرتے تھے"۔

نبی کریم ﷺ نے نمازِ استسقاء کے ذریعے اور اس کے بغیر بھی بارش کی دعا کی اور صحابہ کرامؓ کو نمازِ استسقاء اور نمازِ کسوف پڑھائی آپؐ اپنی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے اور مشرکین کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگا کرتے تھے۔ آپؐ کے بعد خلفاء راشدینؓ اور ائمہ دین اور مشائخ مسلمین نے ایسا ہی کیا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ تین چیزوں کی کوئی اصل نہیں۔ باب النصیریہ منتظر الرافضہ اور غوثِ جہال۔ نصیریہ بھی "باب" کے متعلق اسی قسم کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ دنیا کو قائم رکھتا ہے۔

"نصیریہ کا یہ دعویٰ باطل ہے اور محمد بن حسن منتظر اور غوث مقیم مکہ اور اس طرح کی دوسری ہستیاں سرے سے باطل ہیں نہ ان کا وجود ہے اور نہ ان کے وجود کی کوئی اصل ہے۔ یہی صورت بعض کے اس خیالِ خام کی ہے کہ قطب غوثِ جامع اولیاء اللہ کی مدد کرتا ہے وہ ان سب کو پہچانتا ہے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری باتیں بالکل باطل ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سب اولیاء اللہ کو اور ان کی گنتی کو نہیں جانتے تھے تو یہ کذاب اور مفتری اور گمراہ لوگ کس طرح جان سکتے ہیں؟ اولادِ آدم کے سردار جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے جن لوگوں کو نہیں دیکھا تھا قیامت کے روز ان کو وضو کی وجہ سے اعضاء کی چمک سے پہچانیں گے۔ ان لوگوں میں سے کتنے ہی اولیاء اللہ ہوں گے ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور امام الانبیاءؑ اکثر انبیاءؑ کو نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے فرمایا:

"وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ"[2] الآیۃ! "اور ہم نے تجھ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے ہم نے ان میں سے بعض کے حالات تم سے بیان کر دیئے ہیں اور بعض کے حالات تم سے بیان نہیں کئے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضرؑ کو اور خضرؑ موسیٰؑ کو نہیں پہچانتے تھے۔ جب حضرت موسیٰؑ نے ان کو سلام کہا تو انہوں نے کہا کہ "اس علاقے میں سلام کہاں"؟ تو موسیٰؑ نے فرمایا "میں موسیٰ ہوں"۔

---

[1] الانعام: ۴۰، ۴۳ [2] غافر: ۷۸

تو انہوں نے پھر پوچھا "موسیٰ بنی اسرائیل"؟ فرمایا "ہاں" حضرت خضرؑ کو آپؑ کے نام اور نبوت وغیرہ کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی لیکن وہ آپؑ سے ذاتی طور پر متعارف نہیں تھے۔ اس سے معلوم ہوا یہ کہنا کہ حضرت خضرؑ نقیب الاولیاء ہیں اور وہ سب اولیاء کو پہچانتے ہیں، بالکل باطل ہے۔

درست بات وہی ہے جو محققین کی ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو نہیں پایا اگر وہ آپؐ کے زمانہ میں موجود ہوتے تو ان پر لازم تھا کہ آپؐ پر ایمان لاتے اور آپؐ کی معیت میں جہاد کرتے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر اور صحابہ کرامؓ پر اس کو واجب کیا تھا۔ پھر وہ مکہ مکرمہ میں یا مدینہ منورہ میں ہوتے۔ ان کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر جہاد کرنا اور دین کی اشاعت میں ان کی مدد کرنا ان کے کفار کے ساتھ رہنے سے تاکہ ان کی کشتیوں کی مرمت کریں، بہتر ہوتا اور وہ اس بہترین امت کی فضیلت سے محروم نہ ہوتے جو لوگوں کی خاطر پیدا کی گئی ہے حالانکہ وہ مشرکین کے درمیان رہتے تھے اور ان سے اوجھل بھی نہیں تھے۔

اس حالت میں خضرؑ کی یا اس طرح کے دوسرے لوگوں کی مسلمانوں کو دین و دنیا میں کیا حاجت رہ سکتی ہے؟ مسلمانوں نے دین سیکھا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ نے ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی جس میں یہ بھی ہے کہ:

"لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا ثُمَّ اتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْنِىْ لَضَلَلْتُمْ" "اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کرتے تو گمراہ ہو جاتے"

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے، تو قرآن و حدیث کے مطابق حکم دیں گے۔ اس کے بعد خضرؑ کی یا کسی اور کی کونسی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ نبی کریمؐ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے اور مسلمانوں کے ساتھ ملنے کی خبر دی ہے فرمایا:

"كَيْفَ تَهْلِكُ اُمَّةٌ اَنَا فِىْ اَوَّلِهَا وَعِيْسٰى فِىْ اٰخِرِهَا" "وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کی ابتداء میں میں ہوں اور جس کے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے"

جب یہ دو مکرم نبی جو ابراہیم، موسیٰ اور نوح علیہم السلام کے ساتھ افضل الرسل ہیں اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جو اولادِ آدمؑ کے سردار ہیں، اس امت کے عوام و خواص سے

کبھی پوشیدہ نہ رہے تو جو آپ سے کم درجہ ہو وہ کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے؟ اور اگر حضرت خضرؑ ہمیشہ زندہ ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے کیوں ان کا کبھی ذکر نہیں فرمایا؟ آپ نے اپنی امت کو اور نہ اپنے خلفاء راشدینؓ کو اس کی خبر دی۔

جو شخص یہ کہے کہ وہ نقیب الاولیاء ہیں، اس سے پوچھا جا سکتا ہے کہ ان کو کس نے "نقیب" کا منصب بخشا ہے؟ جبکہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ افضل الاولیاء ہیں اور ان میں حضرت خضرؑ نہیں ہیں۔ اس سلسلے کی جتنی حکایات ہیں، ان میں سے بعض تو جھوٹی ہیں اور بعض کی بنیاد لوگوں کے گمان پر ہے۔ مثلاً کسی نے ایک آدمی کو دیکھا اور سمجھ لیا کہ وہ خضرؑ ہیں۔ جس طرح کہ رافضی کسی شخص کو دیکھ کر کہہ دیتے ہیں اور دعویٰ کر دیتے ہیں کہ وہ امامِ منتظر معصوم ہے۔ جب امام احمدؒ بن حنبل کے سامنے حضرت خضرؑ کا ذکر ہوا تو آپؒ نے فرمایا: "جس نے تجھے غائب کے حوالہ کیا، اس نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا"۔ لوگوں کی زبانوں پر اس کا چرچا شیطانی عمل ہے۔ اس پر بالتفصیل گفتگو کسی دوسرے مقام پر ہو گی۔

اگر قائل کا مقصد قطب، غوث سے ایک جامع فرد ہو جو اپنے ہم عصروں میں سب سے افضل ہو تو یہ ممکن ہے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ایک زمانے میں دو یا تین، فضیلت میں برابر ہوں۔ یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ لازماً ہر زمانے میں ایک ہی انسان سب سے افضل ہوتا ہے۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک جماعت میں بعض کو بعض پر مختلف پہلوؤں سے فضیلت ہوتی ہے یہ پہلو برابر برابر ہوتے ہیں یا قریب قریب۔ اگر ایک زمانے میں ایک جامع فرد جو اپنے ہمعصروں پر فائق ہو موجود ہو تو پھر بھی اس کا قطب، غوث نام رکھنا بے دلیل اور بدعت ہے۔ ائمہ امت اور سلف سے ایسی کوئی بات ثابت نہیں۔ سلف بعض کے متعلق یہ تو گمان کرتے رہے ہیں کہ وہ زمانے بھر میں افضل ہے۔ . . .

. . . مگر وہ اس کو یہ من گھڑت نام نہ دیتے تھے۔ بالخصوص جن لوگوں نے یہ نام اختیار کیا، وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب پہلے قطب ہیں پھر یہ سلسلہ نیچے تک چلا جاتا ہے۔ یہ بات نہ تو اہلِ سنت کے نزدیک درست ہے، اور نہ اہلِ رفض کے نزدیک صحیح ہے۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے تو حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی

اور مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کہاں گئے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت پوری طرح بالغ بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس نام کی طرف منسوب بعض اکابر شیوخ سے بیان کیا جاتا ہے کہ قطب غوث جامع فرد ہوتا ہے۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے علم پر اور اس کی قدرت اللہ تعالیٰ کی قدرت پر منطبق ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے وہ اس کے علم میں بھی ہے اور جو اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے وہ بھی رکھتا ہے اس کے زعم کے مطابق نبی کریم ﷺ اس منصب پر سرفراز تھے۔ آپ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین ہوئے۔ پھر اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا ہے تا آنکہ اس کے استاد تک پہنچا۔ میں نے واضح کر دیا ہے کہ یہ صریح کفر اور پرلے درجے کی جہالت ہے۔ یہ دعویٰ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں کفر ہے تو دوسروں کی کیا حیثیت ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ" [1]

"کہہ دو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔"

"قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ" [2]

"کہہ دو میں اپنی جان کے لئے کسی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔"

"یَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ" [3]

"وہ کہتے ہیں اگر ہمیں کوئی اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے۔ کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی قسمت میں قتل ہونا لکھا ہوتا وہ اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل جاتے۔"

"قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ" [4]

"کہہ دو اختیار سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔"

"لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ" [5]

"آپ کو کوئی اختیار نہیں۔"

"اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ" [6]

"آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔"

---

[1] الانعام: ۵۰ [2] الاعراف: ۱۸۸ [3] آل عمران: ۱۵۴ [4] آل عمران: ۱۵۴ [5] آل عمران: ۱۲۸ [6] القصص: ۵۶

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں، فرمایا:

"مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ"[1] — "اور جو کوئی رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے، تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی"۔

اور حکم دیا کہ ہم آپؐ کی اتباع کریں، فرمایا:

"قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ"[2] — "کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا"۔

اور حکم دیا کہ ہم آپؐ کی عزت اور ادب کریں اور آپؐ کی مدد کریں اور آپؐ کے حقوق مقرر فرمائے، جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ میں بیان کر دیئے گئے ہیں یہاں تک کہ ہم پر واجب کر دیا گیا کہ آپؐ کو اپنی جانوں اور اہل سے زیادہ محبوب رکھیں، ارشاد ہے:

"اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ"[3] — "نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں"۔

"قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ (إِلٰى قَوْلِهِ) الْفَاسِقِينَ"[4] — "کہہ دو اگر تمہارے باپ، بیٹے (آگے تک) اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ" — "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو اس کی اولاد، اس کے ماں باپ اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! آپؐ مجھے میری جان کے سوا ہر چیز سے محبوب ہیں" آپؐ نے فرمایا:

"لَا يَا عُمَرُ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ" — "اے عمرؓ نہیں، یہاں تک کہ میں تجھے تیری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں"۔

---

[1] النساء: ۸۰ [2] آل عمران: ۳۱ [3] الاحزاب: ۶ [4] التوبۃ: ۲۴

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی آپ مجھے میری جان سے بھی محبوب ہیں۔ آپ نے فرمایا "اے عمرؓ اب ٹھیک ہے"۔ آپؐ نے فرمایا:

"ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ كَانَ يُحِبُّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ"

"جس شخص میں تین باتیں ہوں، وہ ایمان کی مٹھاس پا لیتا ہے: جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ دوسروں سے زیادہ محبوب ہو اور جو شخص کسی مرد سے محض اللہ تعالیٰ کے لئے محبت رکھتا ہو اور جو شخص کفر سے بچنے کے بعد دوبارہ اس میں جانے کو آگ میں پڑنے کی طرح برا سمجھے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے حقوقِ خاصہ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اور مومنوں کے ایک دوسرے پر حقوق بیان فرما دیئے ہیں ہم نے یہ مسئلہ کسی اور جگہ شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ"۔ ؎۱

"جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں، وہ کامیاب ہیں"۔

اطاعت اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور خشیت و تقویٰ صرف اللہ تعالیٰ کا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللّٰهِ

"اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے دیا ہے اور کہتے ہم کو اللہ کافی ہے جلد ہی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ ہمیں دیں گے۔ بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت

؎۱ النور: ۵۲

رَاغِبُوْنَ" (التوبۃ : ۵۹) کرنے والے ہیں"

حکم دینا اللہ و رسولؐ کا حق ہے۔ ارشاد ہے :

وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ "جو کچھ تمہیں رسولؐ دیں، وہ لے لو اور جس سے
وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا[1] روکیں، اس سے رک جاؤ"

کیونکہ حلال و حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال و حرام کیا ہے۔
کفایت اور بھروسے کے لائق صرف اللہ وحدہٗ کی ذاتِ مقدس ہے مسلمانوں کی صفت یہ ہے کہ وہ "حَسْبُنَا اللّٰہُ" (ہمیں اللہ کافی ہے) کہتے ہیں، یوں نہیں کہتے "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ" (ہمیں اللہ و رسولؐ کافی ہیں) ارشادِ باری ہے :

"یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ "اے نبیؐ! تجھے اور تیرے پیروکار مومنوں کو
وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ"[2] اللہ تعالیٰ کافی ہے"

اس آیت کا قطعی اور صحیح معنیٰ یہی ہے کہ "اے نبیؐ، تجھے اور تیرے پیروکار مومنوں کے لئے اللہ تعالیٰ بس ہے" یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمہ پڑھتے تھے "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ" "ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے"

"حضرت خضرؑ کی زندگی کے متعلق طرفین کے دلائل کا موازنہ"

جس طرح حضرت خضرؑ کی نبوت میں اختلاف ہے، اسی طرح آپ کی زندگی میں بھی اختلاف ہے۔ ایک بڑی جماعت کا عقیدہ ہے کہ وہ اب زندہ نہیں ہیں حضرت امام بخاریؒ سے حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ کے متعلق پوچھا گیا "کہ کیا وہ زندہ ہیں؟" انہوں نے فرمایا، "یہ کیسے درست ہو سکتا ہے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا :

"لَا یَبْقٰی عَلٰی رَأْسِ الْمِائَۃِ یعنی "روئے زمین پر جو لوگ آج موجود ہیں، وہ
مِمَّنْ ھُوَ الْیَوْمَ عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ" سو سال تک زندہ نہیں رہیں گے"

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے فرمایا :

---

[1] الحشر : ۷، [2] الانفال : ۶۴

"مَا مِنْ نَفْسٍ مَّنْفُوسَةٍ يَأْتِيْ عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِيَ يَوْمَئِذٍ حَيَّةٌ" یعنی آج دنیا میں جو لوگ زندہ ہیں سو سال تک ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا۔"

اس ارشادِ نبویؐ کی کوئی تاویل ممکن نہیں ہے۔

یہ مسئلہ ایک دوسرے امام صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے قرآن مجید کی آیت پڑھ دی:

"وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ - الآیۃ" (الانبیاء: ۳۴) "ہم نے آپؐ سے قبل کسی بشر کے لئے ہمیشگی نہیں رکھی"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ رہنے کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اگر حضرت خضرؑ زندہ ہوتے تو ان پر واجب تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے آپؐ سے علم حاصل کرتے اور آپؐ کی معیت میں جہاد کرتے۔ نبی کریمؐ نے غزوۂ بدر میں عرض کی تھی:

"اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَدُ فِي الْاَرْضِ" "اے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری عبادت نہیں ہوگی"

یہ جماعت تین سو تیرہ صحابہ کرامؓ پر مشتمل تھی ان کے ناموں کی مع باپ و قبیلہ فہرست موجود و معروف ہے اس وقت حضرت خضرؑ کہاں تھے؟

ابراہیم حربی سے حضرت خضرؑ کی زندگی کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا "جس نے کسی میت کا حوالہ دیا اس نے انصاف سے کام نہیں لیا یہ وسوسہ اندازی شیطان کی طرف سے ہے"

"بحر" میں شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی الفضل المرسی سے حضرت خضرؑ کی موت منقول ہے۔ ابن الجوزی نے علی بن موسیٰ الرضا سے اور ابراہیم بن اسحٰق حربی سے یہی قول نقل کیا ہے۔ حضرت خضرؑ کی زندگی کو کیسے صحیح مانا جا سکتا ہے، جبکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ و جماعت میں شامل نہیں ہوئے؟ اور آپؐ کے اس ارشاد کے باوجود آپؐ کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہوئے:

"وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَّا وَسِعَهٗ" "اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے تو ان کو میری

اِلَّآ اَنْ يَّتَّبِعَنِيْ“	اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ“[1]	”جب اللہ تعالیٰ نے نبیوںؑ سے عہد لیا کہ ”میں نے تم کو کتاب و حکمت دی ہے پھر تمہارے پاس کوئی رسولؐ آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی ضرور مدد کرنا“ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا ذمہ لیا“ انہوں نے کہا ”ہم نے اقرار کیا“ فرمایا ”تم گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں“

اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نازل ہوں گے تو اس امت کے امام کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے اور اس سے آگے نہیں بڑھیں گے حضرت خضرؑ کی زندگی کو ثابت کرنے والے کتنے نادان ہیں؟ وہ نہیں سمجھتے اُس سے حضرت خضرؑ پر زندہ مان لینے کے بعد شریعت سے اعراض کا کتنا بڑا الزام آتا ہے؟

حضرت خضرؑ کے زندہ نہ ہونے کے ثبوت

ثبوتِ اول جو شخص آپؑ کی زندگی کا قائل ہے، وہ آپ کو حضرت آدم علیہ السلام کا حقیقی اور صلبی بیٹا سمجھتا ہے۔ اس کے فاسد ہونے کی دو وجوہ ہیں:

۱۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ کی عمر چھ ہزار سال یا اس سے زیادہ ہو بشر کے لئے اتنی بڑی عمر عام حالات میں عقل سے بعید ہے۔

۲۔ اگر حضرت خضرؑ حضرت آدمؑ کے حقیقی اور صلبی بیٹے یا چوتھے بیٹے ہوتے (جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ذوالقرنین کا وزیر تھا) تو ان کی ڈیل ڈول بڑی ہیبت ناک ہوتی اور ان کا طول و عرض بہت زیادہ ہوتا۔

---

[1] آلِ عمران: ۸۱

صحیحین میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

"خُلِقَ آدَمُ طُولُہٗ سِتُّونَ ذِرَاعًا فَلَمْ یَزَلِ الْخَلْقُ یَنْقُصُ بَعْدَہٗ"	"آدم علیہ السلام جب پیدا ہوئے تھے تو ان کا طول ساٹھ ہاتھ تھا (ہاتھ قریباً ڈیڑھ فٹ ہوتا ہے) ان کے بعد اس میں کمی ہوتی رہی ہے۔"

جن لوگوں نے حضرت خضرؑ کی زیارت کا دعویٰ کیا انہوں نے آپ کی اتنی بڑی جسامت بیان نہیں کی حالانکہ سب سے پہلے لوگوں میں ہونے کے باعث ان کا قد حضرت آدم علیہ السلام کے لگ بھگ ہونا چاہیئے تھا۔

ثبوتِ ثانی اگر وہ حضرت نوحؑ سے پہلے ہوتے تو وہ ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوتے مگر یہ کسی نے نقل نہیں کیا۔

ثبوتِ ثالث علماء اس پر متفق ہیں کہ جب نوح علیہ السلام کشتی سے نکلے تو آپؑ کے ساتھ جتنے لوگ تھے وہ سب مر گئے تھے اور آپؑ کے سوا کسی کی نسل باقی نہیں رہی تھی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

"وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَہٗ ھُمُ الْبٰقِیْنَ (الصّٰفّٰت:) ہم نے صرف ان کی ہی اولاد کو باقی رکھا"

ثبوتِ رابع اگر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قربِ قیامت تک کسی بشر کا زندہ رہنا درست ہوتا، تو یہ ایک عظیم اور عجیب تر نشانی ہوتی اور اس کی خبر قرآنِ مجید میں کئی جگہ مذکور ہوتی کیونکہ وہ ربوبیت کی نشانی ہوتی اللہ تعالیٰ نے اس برگزیدہ ہستی کا ذکر فرمایا ہے جس کو ساڑھے نو سو سال زندہ رکھا اور اس کو نشانی بنایا تو پھر اس کا ذکر کیوں نہ ہوتا جس کو اس نے اس سے کئی گنا زیادہ زندگی عطا کی؟

ثبوتِ خامس حضرت خضرؑ کے زندہ رہنے کی خبر اللہ تعالیٰ پر قول بلا علم ہے اور وہ قرآنِ مجید کی نص سے حرام ہے۔ دوسرا مقدمہ تو ظاہر ہے اور پہلا مقدمہ بھی غلط ہے کیونکہ اگر حضرت خضرؑ کی زندگی ثابت ہوتی تو اس کی خبر قرآن یا سنت یا اجماعِ امت سے ملتی یہ کتاب اللہ موجود ہے اور اس میں حیاتِ خضرؑ کا کہاں ذکر ہے؟ اور یہ

سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے اس میں اس کا اشارہ تک نہیں اور علماءِ امت نے کب ان کی حیات پر اجماع کیا ہے؟

ثبوتِ سادس

زیادہ سے زیادہ حضرت خضرؑ کی زندگی کی جو دلیل پیش کی جاتی ہے، وہ کچھ حکایات اور کہانیاں ہیں کہ فلاں آدمی نے خبر دی ہے کہ اس نے حضرت خضرؑ کو دیکھا تھا۔ یہ بڑی حیران کن بات ہے کیا حضرت خضرؑ کی کوئی علامت ہے جس سے اس نے آپؑ کو پہچانا؟ بیان کرنے والوں نے اس بات سے دھوکا کھایا کہ جس کو انہوں نے دیکھا تھا وہ کہتا تھا کہ ''میں خضر ہوں'' یہ واضح بات ہے کہ قائل کی تصدیق خدائی دلیل کے بغیر نہیں کی جا سکتی۔ دیکھنے والوں کو کہاں سے پتہ چلا کہ یہ کہنے والا کہ ''میں خضر ہوں'' سچا ہے یا جھوٹا۔

ثبوتِ سابع

حضرت خضرؑ، حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ سے جدا ہوئے اور ان کے ساتھ نہ رہے اور کہا کہ ''هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ'' ہمارا نباہ نہیں ہو سکتا اس لئے ہم اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ موسیٰ کلیم اللہ سے تو مفارقت کریں اور ان کی شریعت کے نافرمان جاہل صوفیوں کے ساتھ رہیں، جو جمعہ و جماعت کے تارک ہیں اور مجلسِ علم سے ناآشنا ہیں؟ ان میں سے ہر ایک کہتا ہے ''مجھے حضرت خضرؑ نے فرمایا، میرے پاس حضرت خضرؑ تشریف لائے تھے، مجھے حضرت خضرؑ نے وصیت کی ہے''۔ تعجب ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو چھوڑا اور ان جاہلوں کی صحبت اختیار کی یہ حضرت خضر نہیں ہو سکتے۔ یہ حضرت خضر پر بہتانِ عظیم ہے یہ شیطان کی کارستانی ہے۔

ثبوتِ ثامن

امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص کہتا ہے کہ ''میں خضر ہوں'' وہ اگر کہے: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا ہے آپ ﷺ یہ فرماتے تھے'' اس کی بات کی کوئی حیثیت نہیں اور دین میں اس کا یہ کہنا حجت نہیں حضرت خضرؑ کی زندگی کے قائل کو بھی اس سے انکار نہیں، الا یہ کہ وہ کہے ''حضرت خضرؑ نہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے نہ آپ ﷺ سے بیعت کی'' یا وہ کہے کہ ''آپ ﷺ ان کی طرف نہیں بھیجے گئے'' یہ صریح کفر ہے۔

ثبوتِ تاسع

اگر حضرت خضرؑ زندہ ہوتے تو ان کا جنگلوں، بیابانوں اور جنگلی جانوروں میں رہنے کی بجائے کفار سے جہاد کرنا اور فی سبیل اللہ چوکیداری کرنا۔

اور صف میں ایک گھڑی کھڑے ہونا جمعہ و جماعت میں شریک ہونا اور جاہلوں کو راہِ ہدایت دکھانا کہیں افضل تھا۔ ان شاء اللہ اس پر آیندہ گفتگو ہوگی!

اس حدیث سے استدلال درست نہیں جو عموماً پیش کی جاتی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اگر حضرت خضرؑ زندہ ہوتے تو میری زیارت کرتے" کیونکہ یہ بے اصل حدیث ہے اگر یہ حدیث صحیح ہو تو بات ختم ہو جاتی ہے اور جھگڑا نہیں رہتا۔

حیاتِ خضرؑ کے قائلین

بعض کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام ہمارے درمیان زندہ ہیں۔ نوویؒ کے قول کے مطابق صوفیہ کے نزدیک یہ متفق علیہ ہے۔ مفسر ثعلبی سے منقول ہے کہ وہ دراز عمر کے نبی ہیں اور اکثر لوگوں کی نظر سے محجوب ہیں۔ ابن الصلاح نے کہا، بعض محدثین نے حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی کا انکار کیا ہے مگر وہ زندہ ہیں۔ اس کی دلیل کئی احادیث سے ملتی ہے۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خضر علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے ہیں۔ ان کی عمر کو دراز کر دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دجال کو جھٹلائیں گے۔ یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہی جا سکتی۔

(۲) ابن عساکر نے ابن اسحٰق سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا ہمارے اصحاب نے حدیث بیان کی ہے کہ آدم علیہ السلام جب وفات کے قریب ہوئے تو انہوں نے اپنے سب بیٹوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ زمین پر عذاب بھیجنے والا ہے۔ میرا جسم غار میں تمہارے پاس ہونا چاہیئے۔ جب تم غار سے نکل آؤ تو میرا جسم شام میں لے جانا اور وہیں دفن کرنا چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کا جسم ان کے پاس ہی رہا۔ جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھیجا تو انہوں نے یہ جسم اپنے پاس رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ زمین پر پانی کا طوفان بھیجا تو وہ ایک عرصے تک ڈوبا رہا۔ حضرت نوح علیہ السلام بابل میں اترے اور اپنے تینوں بیٹوں کو وصیت فرمائی کہ آپ کے جسم کو اس جگہ لے جائیں جہاں دفن کرنے کا آپؐ نے حکم دیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ زمین ویران ہے نہ اس میں کوئی انیس ہے اور نہ ہی ہمیں راستے کا علم ہے۔ زمین کے آباد ہونے تک آپ دفن کا پروگرام ملتوی فرما دیں۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ جو مجھے دفن کرے اس کی عمر قیامت تک لمبی ہو

جائے۔ آدم علیہ السلام کا جسم رکھا رہا تا آنکہ حضرت خضر علیہ السلام پیدا ہوئے۔ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دفن کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے وعدے کو اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا۔ اب حضرت خضر علیہ السلام 'جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا' زندہ رہیں گے۔ اس میں آپ کی لمبی زندگی کا سبب بیان کر دیا گیا ہے۔ گو کہ وہ سبب بعید ہے' ورنہ مشہور تو یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ذوالقرنین کے ساتھ آبِ حیات اس وقت پیا تھا جب ظالم آ گئے تھے۔ آپ ذوالقرنین کی فوج کے اگلے حصّے کے انچارج تھے۔

(۳) خطیب اور ابنِ عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تھے، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری شروع کی۔ لوگ نکل گئے اور جگہ خالی ہو گئی۔ جب میں نے آپ کو غسل کے لیے رکھا تو گھر کے ایک کونے سے ایک غیبی آواز بلند ہوئی کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل نہ دو' وہ طاہر مطہر ہیں"۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ میں نے پوچھا "تم کون ہو؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے"۔ اچانک گھر کے ایک دوسرے کونے سے ایک اور غیبی آواز بلند ہوئی کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دو"۔ پہلی غیبی آواز ابلیسِ لعین کی تھی۔ اس نے ازراہِ حسد کہا کہ کہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دے کر قبر میں داخل نہ کر دیا جائے"۔ میں نے کہا "جزاک اللہ خیرا۔ آپ نے بتا دیا کہ یہ ابلیسِ لعین تھا۔ آپ کون ہیں؟" اس نے کہا "میں خضر ہوں ——— اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے کے لیے آیا ہوں"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا "میں بیت اللہ شریف میں طواف کر رہا تھا۔ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ کعبہ مکرمہ کے غلاف کو پکڑ کر کہہ رہا ہے "اے وہ ذات' جس کو بہت سے آدمیوں کی باتیں بیک وقت سننے میں دشواری پیش نہیں آتی۔ اور اے وہ ذات' جس کو مسائل میں کوئی الجھن نہیں ہوتی۔ اے وہ ذات' جو الحاح کرنے والوں سے زچ نہیں ہوتا' مجھے اپنی معافی کی ٹھنڈک عطا فرما اور اپنی رحمت کی حلاوت چکھا"۔ میں نے کہا "اے اللہ کے بندے! اپنی دعا کو دوبارہ پڑھیے"۔ انہوں نے پوچھا کیا تم نے وہ دعا سنی ہے؟" میں نے کہا "ہاں"۔ انہوں نے کہا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خضر

کی جان ہے، جو شخص اس دُعا کو فرض نماز کے بعد پڑھے گا اس کے گناہ، چاہے ریت کے ذرّوں، درختوں کے پتوں اور بارش کے قطروں کے برابر بھی ہوں، تو معاف کر دیئے جائیں گے"۔

(۴) حاکم نے مستدرک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہوئے تو ایک آدمی آیا، جس کی سیاہ سفید داڑھی تھی، خوب صورت بھاری جسم تھا۔ وہ لوگوں پر سے پھلانگتا ہوا آگے آیا اور رو پڑا۔ پھر اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور کہا:

"ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر، ہر ہاتھ سے نکلنے والی چیز کا بدلہ اور ہر ہلاک ہونے والے کا جانشین ہوتا ہے۔ تم سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرو، اسی کی طرف رغبت رکھو۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ مصیبت اور آزمائش میں تمہاری طرف ہے۔ تم بھی غور کرو۔ مصیبت زدہ وہ ہے، جس کی تلافی نہ ہو سکے"۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے کہا، "یہ بات کرنے والے حضرت خضر علیہ السلام ہیں"۔ ایسے ہی اور دلائل ہیں، جن سے ان کی زندگی کا ثبوت ملتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں بھی زندہ تھے۔

احادیث کا جواب

جو لوگ حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے کے قائل نہیں، وہ ان احادیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جن احادیث میں حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی کا ذکر ہے، وہ سب جھوٹی ہیں۔ آپ کی زندگی سے متعلق ایک بھی صحیح حدیث نہیں ہے۔ جو شخص کسی صحیح حدیث کا دعوے کرے، اس کو ثابت کرنا اس کے ذمّے ہے۔

پھر مشائخ کا حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے پر اتفاق نہیں ہے۔ شیخ صدر الدین اسحٰق القونوی نے اپنی کتاب "تبصرۃ المبتدی و تذکرۃ المنتہی" میں نقل کیا ہے کہ خضر علیہ السلام کا وجود عالمِ مثال میں ہے۔ عبدالرزاق کاشی کا خیال ہے، خضر سے مراد "بسط" اور الیاس سے

مراد قبض" ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خضریت ایک منصب ہے جس پر بعض صالحین سرفراز ہوتے ہیں۔ "روح المعانی" میں بہت سے اقوال مذکور ہیں۔

اس میں حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی پر جو تبصرہ ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ اور مقابلۃً صحیح عقلی مقدمات' حضرت خضر علیہ السلام کی وفات کے قائلین کی پوری پوری تائید و تصدیق کرتے ہیں۔

ان صحیح احادیث کو نظر انداز کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان حکایات کے ظاہری مفہوم کی رعایت ہو سکتی ہے جو بعض نیک اور صالحین سے مروی ہیں' جن کی صحت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ "روح المعانی" کے تبصرے سے نبہانی کی ذلت کا سامان ہو گیا ہے۔ ہم سب کو ائمہ محدثین کے مسلک کو قبول کرنا چاہیئے۔ وہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔

وجہِ ثامن

نبہانی کے قول کی خرابی جن وجوہ سے ثابت ہے' ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے ابن حجر مکی سے جو نقل کیا ہے اور اس کو جو کچھ اپنے شیخ اور ابو یحیےٰ زکریا انصاری کے ساتھ واقعہ پیش آیا، کہ "ابو یحیےٰ نے ابن حجر کے شیخ سے جو اقطاب و ابدال کا منکر تھا کہا" اے شیخ محمد! اسی طرح ہے"۔ اس بات کو کئی بار دہرایا۔ یہاں تک کہ شیخ محمد نے کہا: "اے ہمارے آقا شیخ الاسلام! میں اس کو مانتا ہوں اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں نے اپنے پہلے قول سے توبہ کر لی ہے"۔ شیخ ابن حجر نے کہا "مجھے آپ کے بارے میں یہی حسن ظن تھا الخ"

اس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ استدلال کا دار و مدار کتاب و سنّت پر ہے' نہ کہ شیخ محمد کے انکار کے بعد تسلیم کر لینے پر' جب ان کو ابو یحیےٰ نے بار بار کہا "اے شیخ محمد! بات اسی طرح ہے"۔

ان خرافات کو تسلیم کرنا تو رہا ایک طرف' عقل سلیم ایسی باتوں کو نقل کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔ "روح المعانی" میں زیر آیت "وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا"

-اولیاء کی انواع میں سے "نقباء" کے متعلق "فتوحات" کی عبارت نقل کر کے لکھا ہے: "شیخ نے اولیاء کی بہت سی اقسام بیان کی ہیں، مگر سلفی بزرگ ان اکثر ناموں کا انکار کرتے ہیں۔ ابن تیمیہؒ کے بعض فتووں میں ہے:

"اکثر عباد اور عوام کی زبان پر ولیوں کے جن ناموں کا ذکر ہے، مثلاً "غوث" وہ ہے، جو مکہ مکرمہ میں ہو۔ "اوتاد" چار ہیں۔ "اقطاب" سات ہیں۔ "ابدال" چالیس ہیں۔ "نجباء" تین سو ہیں، ان کا ذکر اور ثبوت نہ تو کتاب اللہ میں ہے اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح یا ضعیف محتمل سند کے ساتھ مروی ہے نہ ہی اولیاء اللہ کی مختلف قسموں، درجات اور ناموں کا ذکر سلف میں ملتا ہے۔ صرف لفظ "ابدال" ایک شامی منقطع الاسناد حدیث میں ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابدال کے بارے میں فرمایا:

"اِنَّ فِیْہِمْ یعنی اہل الابدال - اَرْبَعِیْنَ رَجُلًا کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَکَانَہٗ رَجُلًا"

"ان اہلِ ابدال میں چالیس آدمی ہوتے ہیں۔ جب بھی کوئی آدمی مرجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا آدمی بدل دیتا ہے"۔"

ہاں "روح المعانی" میں زیر آیت "اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ[ا]" —— وہ مختلف عبارتوں سے اس کی تعریف کرتے ہیں، جن میں سے بعض پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ "فتوحات" میں ہے: "ولی وہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے چاروں دشمنوں خواہش، نفس، شیطان اور دنیا کے ساتھ "مجاہدہ" کے مقام پر فائز کیا ہے۔ اس میں اولیاء کو بہت سی اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے، مثلاً "اقطاب، اوتاد، ابدال، نقباء، نجباء۔ یہ مرفوع اور موقوف حدیثوں میں وارد ہے۔ جو حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت انس، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت عوف بن مالک، حضرت معاذ بن جبل، حضرت واثلہ بن اسقع، حضرت ابوسعید خدری،

[ا] یونس: ۶۲ تا ۶۴

حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوالدرداء اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور کچھ حضرت حسن، عطاء، بکر بن خنیس کی مرسل روایات ہیں۔ تابعین اور اُن کے بعد کے آثار تو اس قدر ہیں کہ گنے نہیں جا سکتے، جلال الدین سیوطی نے ایک مستقل رسالے میں ان کو ذکر کیا ہے اور اس کے ارکان کی تعریف بیان کی ہے اور اس کے وجود کا انکار کیا ہے جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔ جو لوگ اس کو ثابت کرتے ہیں حق ان کے ساتھ ہے۔ میں بھی الحمد للہ ان میں سے ہوں۔ اگرچہ میں نے قبل ازیں اس کے ارکان اور ائمہ، حواریوں، رجبیوں، ختم، ملامیت، فقراء اور سقیط الرفرف بن ساقط العرش، امناء اور محدثین وغیرہ کی تعریف کرکے ان کو شہرت نہیں دی تھی۔"

تفسیر "روح المعانی" میں ایک دوسرے مقام پر زیر آیت:

"اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا[1]	"اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی لے جائے، اے گھر والو! اور تم کو خوب پاک کر دے۔"

طویل گفتگو کے بعد ہے کہ "اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے خباثت و حقارت اور گناہ کی سب باتیں دُور کر دے گا اور ان کو اعلیٰ درجے کی صفات کا زیور پہنائے گا بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے پابند ہوں گے۔ اس میں ان کے اعمال کی قبولیت کی طرف بھی اشارہ ہے اور یہ کہ اس پر بہترین اور قطعی نتائج مرتب ہوں گے۔ یہ ان کی دوسروں کے مقابلے میں خصوصیت ہے کیونکہ اگر دوسرے لوگ امر و نہی کے پابند ہوں تو ان کے لیے اس کا حصول قطعی نہیں ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اہلِ بیت کے عبّاد دوسروں سے جو ان کے ساتھ ظاہری عبادت میں شریک ہوتے ہیں کہیں زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔ وہ بڑے اعلیٰ اخلاق والے اور بہت پاکیزہ نفس لوگ ہوتے ہیں۔ جن کے سلسلوں اور طریقوں کی بنیاد تخلیہ و تحلیہ ہے اور یہ دونوں چیزیں حظیرۃ القدس کی طرف اڑان کے لیے پروں کا کام

---

[1] الاحزاب: ۳۳

دیتی ہیں اور ان کی بنیاد محبت و انس کے ارکان سے واقفیت میں ہے یہاں تک کہ بہت سے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ ہر زمانے میں قطب ان ہی میں سے ہوتا ہے لیکن استاذ ابوالعباس مرسی جیساکہ ان کے شاگرد تاج بن عطاء اللہ نے نقل کیا ہے، کہتے ہیں کہ وہ کبھی دوسروں میں سے بھی ہوتا ہے۔"

فرمایا "میں نے امامِ فاروقی ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے "مکتوبات" میں پڑھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "قطبیت دراصل اہلِ بیت کے مشہور ائمہ کے لیے تھی۔ ان کے بعد دوسروں میں بطور نیابت کے منتقل ہوئی یہاں تک کہ پھر نوبت سید شیخ عبدالقادر گیلانی تک پہنچی وہ قطبیت کے مقام پر علی سبیلِ اصالت فائز ہوئے۔ جب ان کی پاکیزہ روح اعلیٰ علییّن میں جا بسی، تو پھر یہ مقام دوسروں کو بطورِ نیابت منتقل ہوا۔ جب امام مہدی تشریف لائیں گے تو وہ قطبیت کے مقام پر اسی طرح سرفراز ہوں گے، جس طرح دوسرے ائمہ سرفراز ہوتے رہے"۔

پھر اس کے بعد فرمایا:

"میں کہتا ہوں کہ سید شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کو قطبیت اپنے دادا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے مکمل اور پوری پوری حاصل ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اہلِ بیت کے جلیل القدر فرد تھے۔ آپ باپ کی جانب سے حسنی اور ماں کی جانب سے حسینی تھے۔ لہٰذا آپ میں اس سلسلہ کی ذرا سی کمی بھی نہیں تھی۔ اس کا انکار زندیق اور رافضی کے بغیر کوئی نہیں کرسکتا، جو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحبت تک کا منکر ہے"۔

ہماری پیش کردہ بحث سے آپ جان گئے ہوں گے کہ یہ کلام محققین، حفاظ اور ائمہ محدثین کے نزدیک ساقط الاعتبار ہے۔ ان کے پاس ایک آدھ دلیل بھی نہیں جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ نہ قرآن حکیم سے نہ صحیح سنتِ نبویہ سے۔ کہنے والے کو مت دیکھیئے۔ یہ دیکھیئے کہ اس نے کیا کہا ہے؟ ہماری گزشتہ بحث سے یہ بات اظہر من الشمس ہوچکی ہے کہ شیخ الاسلامؒ کا مسلک حق و صواب ہے اور قرآن و سنّت کے مطابق جو اس کے خلاف ہے، وہ ناقابلِ التفات ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

"منہاج السنّہ" کے مطالعہ سے پرہیز کی تلقین

نبہانی کہتا ہے "اب میں پھر "منہاج السنّہ" جو امام ابن تیمیہ کی تصنیف ہے" کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میں کہتا ہوں اس زمانے میں عوام تو رہے ایک طرف، طالب علم بھی علم کلام اور صحیح عقیدے کی موافق و مخالف دقیق بحثوں میں سرسری سا علم رکھتے ہیں۔ ان بحثوں میں تحقیق اور حق و باطل کے درمیان امتیاز صرف اکابر علماء اسلام ہی کر سکتے ہیں، جنہوں نے علم کلام کے مباحث میں عمریں کھپا دی ہیں۔ اس صورت میں اشعری اور ماتریدی علماء اہل سنّت والجماعت، جو تینوں مذاہب اور بعض حنابلہ پر مشتمل ہیں، پر واجب ہے کہ عوام کو اور کمزور طلبہ کو ان دونوں کتابوں کے مطالعہ سے بچنے کی تلقین کریں کیونکہ ان کتابوں میں حق و باطل کو رَلا مِلا دیا گیا ہے، اور مصنوعی دلائل سے اہل سنّت والجماعت کا رد کیا گیا ہے۔ عوام تو رہے درکنار، بسا اوقات کمزور طالب علم بھی ان کی مدافعت سے قاصر رہتے ہیں۔ امام سبکی کے کلام میں گزر چکا ہے کہ انہوں نے امام ابن تیمیہ کی کتاب "العقل والنقل" کا رد لکھا ہے۔ جن جن پہلوؤں سے انہوں نے امام اشعری وغیرہ اہل سنّت کی مخالفت کی تھی اور ان کا رد کیا تھا اس کا رد لکھا گیا ہے۔"

پھر اس نے زبیدی وغیرہ سے کچھ عبارتیں نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اشاعرہ ایسے لوگ اہل سنّت ہیں۔ اور سبکی اور اس کے والد سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ چند مسائل کے علاوہ اشاعرہ اور ماتریدیہ میں کوئی فرق نہیں۔ اس کے بعد اس نے زبیدی سے نقل کیا ہے کہ سبکی نے ابن زفیل حنبلی کے قصیدہ کی شرح لکھی ہے جس میں اس نے اشاعرہ وغیرہ کا رد کیا ہے ۔

ان کنت کاذبة الذی حدثتنی　　فعلیك اثم الکاذب الفتان

"اگر وہ جھوٹ ہے جس کو تو نے مجھ سے بیان کیا تو جھوٹے فتنہ باز کا گناہ تجھ پر ہے۔"

جهم بن صفوان و شیعته الالی　　جحدوا صفات الخالق الدیان

"جہم بن صفوان اور اس کی جماعت، جنہوں نے عدل و انصاف والے خالق کی صفات کا انکار کردیا ہے۔"

بل عطلوا منه السموات العلی والعرش اخلوه من الرحمن

"بلکہ اس طرح انہوں نے بلند آسمانوں کو معطل کردیا اور عرش کو رحمٰن (اللہ تعالیٰ) سے خالی قرار دیا ہے۔"

والعبد عندھم فلیس بفاعل بل فعله کنحرك الرجفان

"ان کے نزدیک بندہ فاعل مختار نہیں، بلکہ وہ فعل میں ایسے ہی مجبور ہے، جیسا کہ کانپنے والا کپکپاہٹ میں مجبور ہو رہا ہے۔"

جس قصیدے کو وہ ابن زفیل حنبلی کی طرف منسوب کرتا ہے، وہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدے نونیہ میں سے لیا گیا ہے، جس کا نام "الکافیۃ الشافیہ" ہے۔ ہم نے آج تک یہ نہیں سُنا کہ کسی نے اس کو ابن زفیل سے موسوم کیا ہو۔ نبہانی کے کلام سے وہم ہوتا ہے کہ وہ کوئی دوسرا شخص ہے۔ غالیوں کے ہتھکنڈے اور دین یہ ہے کہ کلام میں تحریف کی جائے۔

پھر سبکی کی اس شرح سے علمِ کلام کی مذمت نقل کی ہے اور ابنِ تیمیہؒ اور ان کے ساتھیوں کی مذمت کی ہے کیونکہ انہوں نے شیخ کے مسائلِ مختارہ میں بات کی تھی۔ سبکی کی عبارت، جو زبیدی نے نقل کی ہے، سے فارغ ہو کر نبہانی نے کہا ہے "اے شافعی مسلمان! اے حنفی مسلمان! اے مالکی مسلمان! اے نیک اور موافق حنبلی مسلمان، جب تیرے علم میں یہ بات آگئی تو اب لازم ہے کہ ابنِ تیمیہ اور اس کے ہم مسلک لوگوں کی متعلقہ عقائد کتابوں کے مطالعہ سے بچ جائے تاکہ قعرِ ضلالت میں کہیں نہ گر پڑے۔ اس کے بعد ندامت سے کسی حال میں کچھ حاصل نہ ہو سکے گا۔ کہیں سید نعمان آفندی آلوسی بغدادی کے کلام سے دھوکا نہ کھانا، جو اس نے اپنی کتاب "جلاء العینین" میں لکھا ہے۔ کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ حنفی اہلِ سنّت والجماعت سے ہے۔ وہ اس کتاب کی وجہ سے حنفیت اور اہلِ سنّت سے خارج ہو چکا ہے اور وہ ابنِ تیمیہ کی جماعت میں شامل ہو کر مذہبِ وہابیہ کا مددگار بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اور ان کو معاف کرے وہ بیشک مسلمان ہیں، اگرچہ بعض مسائل میں اہلِ سنّت کے خلاف کی وجہ سے بدعتی بن گئے ہیں۔ وہ

کمزور مسلمان طالب علموں کو یہ کہہ کر ورغلاتے ہیں کہ وہ مذہب سلف پر ہیں" پھر اس نے "منہاج" سے کچھ عبارتیں نقل کی ہیں جس سے اس نے "جہت" ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کے طویل، کمزور اور سقیم کلام کا مفاد یہ ہے کہ اس نے ابن تیمیہؒ کی کتابوں خاص طور پر "کتاب العقل والنقل" اور "منہاج" اور "جلاء العینین" کے مطالعے سے طالب علموں کو باز رکھنے کی کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ یہ کتابیں اہل سنت کے عقائد کے خلاف ہیں نیز "جلاء العینین" کا مؤلف ابن تیمیہؒ کا دفاع کرنے اور ابن حجر کے بہتان کا پول کھولنے کی بنا پر حنفیت اور سنیت سے خارج ہو چکا ہے۔ اس نے یہ مہربانی کی ہے کہ ان کو حنفیت سے خارج نہیں کیا اور کہا ہے کہ ابن تیمیہ جہت کا قائل ہے۔ اس مقام پر اس کی ہذیانی گفتگو کا یہی حاصل ہے (اللہ ہی مدد فرمائے) اس نے ابن تیمیہؒ کے موافقین کو پوری بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ بدعتی کہا ہے۔ اس نے یہ بات بار بار دہرائی ہے اور جگہ جگہ اس کو بیان کیا ہے۔

جواب

ہم قبل ازیں شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں پر مفصل تبصرہ کر چکے ہیں۔ وہیں ہم نے اہل علم کی تقاریظ ذکر کی ہیں اور جو تعریف انہوں نے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی کی ہے کسی اور کی نہیں کی۔ یہ وہ جلیل القدر کتابیں ہیں جنہوں نے اندھی آنکھوں کو بینائی اور بہرے کانوں کو سماعت اور سخت دلوں کو بصیرت عطا کی ہے۔ ان کتابوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا معجزہ ہی کہنا چاہیئے۔ اگرچہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا ایک فرد ہی ہیں، لیکن انہوں نے علم کی وسعت اور بلندی بحمد اللہ وتوفیقہ، جو حاصل کی ہے، وہ انہی کا حصہ ہے۔ نبہانی تو اس شعر کا مصداق ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

مناسب یہ ہے کہ اس کو کہا جائے کہ تجھے علم کلام سے، بلکہ کسی بھی علم سے کیا تعلق ہے؟ تیری کتاب جو ہمارے سامنے ہے تیری جہالت وغباوت کی واضح ترین دلیل ہے۔

اس کو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تجھے علم وفہم کا کوئی حصہ ملا ہے تو تو نے اپنے آپ کو نصیحت

کیوں نہیں کی؟ اور جس مسلک میں تُو نے پناہ لی ہے، اس سے نفس کو باز کیوں نہیں رکھا؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎ یاایہا الشیخ المعلم غیرہ
ھلّا لنفسک کان ذا التعلیم

"اے شیخ دُوسروں کو تعلیم دینے والے کیا تیرے نفس کو اس کی ضرورت نہیں؟"

اس کو یہ بھی کہا جا سکتا ہے، اگر تجھے فہم و ذوق سے کوئی تعلق ہے تو پھر تُو نے اپنے آپ کو ان کتابوں کے مطالعے سے کیوں نہیں بچایا، جو شریعت مطہرہ سے متصادم ہیں؟ مثلاً "شیخ محی الدین ابن العربی اور اس قماش کے صوفی لوگوں کی کتابیں جن کو سُن کر ایمانداروں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

شیخ محی الدین نے "اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابن زرعہ کی روایت کے مطابق "اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" (ستروا محبتہم) "اپنی محبت کو انہوں نے چھپایا۔"

"سَوَآءٌ عَلَیْہِمْ ءَاَنْذَرْتَہُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْہُمْ" (استوٰی عندھم انذارک وعدم انذارک لما جعلنا عندھم) یعنی "ان کے اپنے وسائل کی موجودگی میں تیرا ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔"

"لَا یُؤْمِنُوْنَ" (بک ولا یأخذون عنک انما یأخذون عنا) "خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَعَلٰی سَمْعِہِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِہِمْ غِشَاوَۃٌ" (فلا یعقلون الا عنہ فلا یسمعون الا منہ فلا یبصرون الا الیہ ولا یلتفتون الیک والٰی ما عندک بما جعلنٰہ عندھم و القینٰہ الیھم) "وَلَہُمْ عَذَابٌ" (من العذوبۃ) "عَظِیْمٌ" ــــ انتھٰی!

"وہ تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ تجھ سے کچھ حاصل کریں گے۔ وہ براہِ راست ہم سے لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کان سر مہر کر دیئے ہیں اب وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے سنتے سمجھتے ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، وہ اس کے سوا کہیں نہیں دیکھتے۔ وہ آپؐ کی طرف اور آپؐ کی شریعت کی طرف التفات نہیں کرتے کیونکہ ہم نے ان کو خود دیا ہے اور ان کو القا کیا ہے اور ان کے لیے بڑی خوشگوار مٹھاس ہے!"

نبہانی اور اس کے ساتھی ایسی بدعقیدہ کتابوں کے مطالعے سے پرہیز کیا کرتے' ان کے دفاع میں جُت گئے اور ان کے مطالعے کی سفارشیں کرنے اور ترغیبیں دینے لگے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینے والی سنّت کی کتابوں کی عیب چینی میں لگ گئے۔ اس طرح یہ لوگ اہلِ کتاب کے علماء واحبار کی راہ پر چل پڑے۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ "ہدایۃ الحیارٰی" میں ان لوگوں کا ردّ فرماتے ہیں' جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے علم میں طعن زنی کرتے ہیں' فرماتے ہیں: "اے تثلیثی گروہو! اے صلیب کے پجاریو! اے لعنت اور غضب کی امت! تمہارا علم و فقہ کے ساتھ کیا تعلق؟ تم اس کو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سلب کرتے ہو' حالانکہ وہ اور ان کے شاگرد' انبیاء بنی اسرائیل کی مانند ہیں۔ کیا علماء وجہال کے درمیان امتیاز ہو سکتا ہے؟ اور کیا علماء کی قدر و منزلت کو پہچانا جا سکتا ہے؟ ہاں وہ شخص جو خود ان میں سے ہو' اور ان کے زمرے میں شامل ہو۔ اور ایک ایسا گروہ' جس کے علماء کو اللہ تعالیٰ نے کتابیں لدے گدھوں سے تشبیہ دی ہے اور ایک ایسا گروہ' جس کے علماء' اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی نازیبا باتیں کرتے ہیں کہ کوئی بھی امت ان باتوں کو اپنے کسی صاحب عظمت و جلال کے لیے پسند نہیں کرتی۔ یہ لوگ ہر جھوٹے' نیز اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء علیہم السلام پر افترا کرنے والے سے دین سیکھتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ننگے جسم والا مسلح جنگجو سے لڑے۔ شیش محل میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر پھینکے۔ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس سے بڑھ کر کیا بات کی جا سکتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' جو سب مخلوق سے زیادہ عالم تھے' وہ عام لوگ ہیں؟

مغضوب امت' یعنی یہود کی ذلت و رسوائی کا باعث عیب چینی ہے۔ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کذب تراشی کی گئی ہے اور ان کے سامنے احبار اور علماء سوء جو کچھ ہر وقت بیان کرتے رہتے ہیں' ان کی رسوائی کا باعث ہے! —— وہ اُن کو بتاتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ بشر کو پیدا کر کے نادم ہوا' یہاں تک کہ اس پر بشر کی پیدائش شاق گزری۔ اور وہ طوفان پر آنا روپا کہ اس کو آشوب چشم کی تکلیف ہو گئی اور فرشتوں نے اس کی عیادت کی۔ ان کے ان علوم نے عیسائیوں کو ذلیل کر دیا ہے! —— یہ علوم' جن کی وجہ سے وہ انبیاء

علیہم السلام کی شریعتوں سے الگ تھلگ ہو گئے ہیں اور جن کی وجہ سے انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی ہر امر میں مخالفت کی ہے ، ان کے علماء کے نزدیک یہ یقینی امر ہیں۔ پھر ان کے وہ علوم ان کو ذلیل کرنے کا سبب ہیں جن میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، اگر خدائے حکیم و مصور (اللہ تعالیٰ) نہ روکے تو قریب ہے کہ اس کی وجہ سے آسمان گر پڑے اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ ڈھے جائیں ۔ اور وہ علوم ان کی ذلت کا باعث ہیں جن سے وہ تثلیث اور صلیب کی لکڑی اور تصویروں کی عبادت ثابت کرتے ہیں اور جن علوم میں تمہارے عالم کا یہ قول ہے کہ "جس ہاتھ نے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی تھی اُسی نے صلیب پر لٹکایا تھا اور جس بالشت نے آسمان کی پیمائش کی تھی اُسی نے کیلوں سے صلیب کی لکڑی کو مضبوط کیا تھا" اور تمہارے دوسرے عالم کا قول کہ "جو شخص حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ کی والدہ (معاذ اللہ) نہ کہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ولایت سے خارج ہے" انتہیٰ۔ جو کوئی پوری تفصیل چاہے، وہ اصل کتاب کا مطالعہ کرے!

نبہانی! سُن لیا تو نے تیرے بھائیوں نے کیا کہا اور ان کو کیا جواب دیا گیا، انہوں نے جو اہل حق اور ان کے علوم پر بحث اور طعن زنی کی ہے اس کے درمیان اور اپنے کلام اور کتب سنت اور دین خالص اپنی جرح کے درمیان موازنہ کر یقیناً تمہارے دل اور تمہارے مثالب وعیوب ایک جیسے ثابت ہوں گے ۔ اے نبہانی! تیری جہالت نے تجھے یہاں تک پہنچا دیا ہے ۔ اسی نے آزمائش کے دو پاٹوں میں تجھے لا گھسیٹا ہے اور تجھے خود ستائی اور تکبر میں مبتلا کر دیا ہے کہ تو افاضل اور اربابِ تقوےٰ کے منہ کو آرہا ہے ۔ اور تیرا حال اس شعر کے مطابق ہے ؎

نزلوا بمکۃ فی قبائل ھاشم   ونزلت فی البیداء ابعد منزل

"وہ مکہ مکرمہ میں ہاشمی قبائل میں ٹھہرے ہیں اور تو "بیدا" جیسی دور منزل میں ٹھہرا ہوا ہے"

ہم پھر کہتے ہیں کہ نبہانی نے اپنے اسلاف کی تقلید میں دعویٰ کیا ہے کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ اہلِ سنت ہیں اور جو سلف کے مسلک پر ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وہ بدعتی ہیں ۔ یہ بات کسی ذی ہوش اور صاحبِ فہم کی نہیں ہو سکتی ۔ اس مسئلہ کی تحقیق لازمی ہے کہ بتایا

جائے، سنّت کیا ہے؟ بدعت کیا ہے؟ تاکہ حق و باطل کے درمیان امتیاز ہو سکے۔ اور واضح ہو جائے کہ یہ جھگڑالو اور اس کے ہم مسلک غالی لوگ "بدعتی" کے نام کے زیادہ حق دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل و رُسوا کرے!

اہلِ سُنّت والجماعت

اہلِ سُنّت والجماعت ہی صحیح طور پر اسلام اور توحید کو ماننے والے ہیں اور وہ عقائد، مذہب اور باطنی و ظاہری عبادات میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ سنن کے ساتھ تمسک کرتے ہیں۔ وہ مختلف طریقوں اور عبادتوں میں، عمل و ارادہ میں، سننِ ثابتہ سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ اور علم و اعتقادات کو اہلِ کلام اور اہلِ ہوا کی باتوں سے ملوث نہیں کرتے۔

سنّت کا اطلاق اصل میں ان باتوں پر ہوتا ہے، جن پر رسُول اللہ ﷺ عمل پیرا تھے۔ اور دین کے جن اصول و فروع کو آپ ﷺ نے اختیار فرمایا، یہاں تک کہ سیرت میں اور زندگی کے عام حالات و معاملات میں جو آپ ﷺ نے حکم دیا!

پھر جہمیہ معطلہ، جو صفات کی نفی کرتے ہیں کے خلاف بھی بعض اوقات اسماء و صفات کے اثبات پر اہلِ سنّت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور تقدیر کے منکرین اور انسان کو مجبورِ محض سمجھنے والے غلط کاروں کے خلاف، جبر کی نفی اور تقدیر کے اثبات میں، اس اطلاق کو خاص کر دیا گیا ہے۔ امامت و تفضیل کے مسائل میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات کے بارے میں خاموشی کے، سلف صالح کے مسلک، پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ اسم کا اپنے بعض مسمیات پر اطلاق ہوتا ہے۔ اس اطلاق سے ان کی مراد اس بات پر تنبیہ ہوتی ہے کہ مسمّیٰ رکنِ اعظم اور شرطِ اکبر ہے۔ مثلاً آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "حج عرفہ ہے"، یا اس لیے کہ وہ ایسا وصف ہوتا ہے جس سے ان کے اور غیر کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ اس اصول کے مطابق علماء نے اپنی کتابوں کا نام کتاب السنۃ رکھا ہے مثلاً لالکائی کی "کتاب السنۃ"، اور ابوبکر اثرم کی "السنۃ"، اور خلال کی "السنۃ"، اور ابنِ خزیمہ کی "السنۃ"، اور عبداللہ بن احمد کی "السنۃ"، اور شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی "منہاج السنۃ" وغیرہ۔

نبہانی کا یہ کہنا کہ "ابن تیمیہؒ کی کتابوں میں اہلِ سنّت والجماعت پر کفر و شرک کا حکم لگایا گیا ہے" سفید جھوٹ اور واضح بہتان ہے ۔ یہ بات تو عام اہلِ سنّت سے بھی نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ کسی خاص سُنّی سے متوقع ہو یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم مسلک اکابر اہلِ سنّت والجماعت سے تھے ۔ وہ یہود و نصاریٰ، مشرکین ، لامذہبوں اور فلسفیوں، قبر پرستوں، مشائخ پرستوں کی تردید کے لیے کمربستہ رہے ۔ انہوں نے ان گمراہوں اور ایسے ہی ان جیسے غالی جہمیہ، قدریہ اور رافضہ جن کو عوام کی اکثریت جانتی ہے، کے سوا کسی کو کافر نہیں کہا ۔

نبہانی نے ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پر جو الزام دھرا ہے کہ انہوں نے "منہاج السنّۃ" اور "العقل و النقل" میں اہلِ سنّت کا ردّ کیا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ۔ ہاں انہوں نے غالی قبر پرستوں کا رد ضرور کیا ہے لیکن ان کو اہلِ سنّت والجماعت کہنا ان حدود سے پرے درجے کی جہالت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہیں اور شرعی مسمیات اور اسلام و ایمان اور شرک و کفر کے معانی میں تحریف ہے ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۔ الآیۃ "[1]

"دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں اور اس لائق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جو احکام نازل فرمائے ہیں، ان سے واقف ہی نہ ہوں ۔"

نبہانی اور اس قسم کے دوسرے غربتِ اسلام اور آثارِ نبوت سے بُعد کی وجہ سے جہالت اور بے علمی کے ان سے زیادہ لائق ہیں، جیسا کہ علامہ عبداللطیف نے اپنی منہاج میں تحریر فرمایا ہے ۔

نبہانی کو یہ وہم ہے کہ جب کلمہ طیبہ پڑھ لیا تو پھر غیر اللہ سے دُعا، شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل، اور حلول و اتحاد کا عقیدہ، جادۂ حق سے اس کو الگ نہیں کر سکتا، اس کے ساتھ وہ یہ شرط بھی نہیں رکھتا کہ مکلّف پوری شریعت کے ساتھ کفر کرے، حالانکہ العیاذ باللہ، اتنا ہی کافی ہے جس سے کفر و ارتداد واجب ہو جائے چاہے بعض اصول ہی میں ہو، اس کو ہر مذہب کے فقہائے

---

[1] التوبۃ : ۹۷

بیان کیا ہے۔ نبہانی اور اس جیسے دوسرے غالیوں کی جہالت پر تعجب ہے کیونکہ یہ معمولی باتیں تو مبتدی بھی جانتے ہیں۔ جو شخص کفر و ارتداد کی فروع اور جزئیات سے واقفیت حاصل کرنا چاہے وہ اس موضوع سے متعلق تصنیفات کا مطالعہ کرے مثلاً ابن حجر کی "اعلام" اور ہر مذہب کے فقہاء نے جو "حکم المرتد" کا باب باندھا ہے اس کو پڑھے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ رسالہ "سنیہ" میں خوارج اور ان کے دین سے خارج ہونے کا اور ان سے لڑنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے عہد میں مسلمان کہلانے والے اپنی بڑی بڑی عبادتوں کے باوجود دین سے خارج ہو گئے تھے یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لڑائی کا حکم دیا اس طرح آج بھی اسلام اور سنت کی طرف منسوب لوگ اسلام سے خارج ہو سکتے ہیں۔ اس خروج کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں:

اسلام سے خروج کے اسباب

ایک سبب غلو ہے جس کی مذمت اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کی ہے ارشاد ہے:

"يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ الآية"[1] "اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باب کندہ کے پاس کھائیاں کھدوا کر، ان میں آگ جلائی تھی اور ان میں ان کو ڈال کر جلا ڈالا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان لوگوں کے قتل پر متفق تھے صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ ان کو جلانے کی بجائے تلوار سے قتل کرنا چاہیئے تھا۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک تھا۔ یہ واقعہ مشہور ہے۔ یہی صورت بعض مشائخ بن حضرت علی رضی اللہ عنہ میں، بلکہ مسیح علیہ السلام میں غلو کی ہے۔

جس نے بھی کسی نبی اور ولی میں غلو کیا، اس نے اس میں ایک قسم کی الوہیت کا عقیدہ رکھا مثلاً "یا سیدی فلاں! میری مدد کر یا میری فریاد کو پہنچ یا مجھے رزق دے یا مجھے پناہ دے یا

---

[1] النساء: ۱۷۱

میں تیری کفالت میں ہوں۔ اسی طرح کے اور اقوال۔ یہ سب شرک و ضلالت ہے۔ اس کے مرتکب سے توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ رسول اور کتابیں اس لیے بھیجتے تھے تاکہ ایک خدا کی عبادت کی جائے، نہ کہ اس کے ساتھ اور الٰہ بنا لیے جائیں۔ جو لوگ حضرت مسیح علیہ السلام، فرشتوں اور بتوں وغیرہ کو اللہ تعالےٰ کے ساتھ پکارتے ہیں، وہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ وہ مخلوق کو پیدا کرتے ہیں، یا بارش برساتے ہیں، یا فصلیں اگاتے ہیں۔ وہ ان کی اور ان کی قبروں اور صورتوں کی عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے:

"مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۔ الآیۃ[1]!" "ہم تو ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔"

اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں یہ ہمارے سفارشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر منع کر دیا کہ اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت کی جائے، یا استغاثے کے لیے پکارا جائے۔ فرمایا:

"قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ ۔ الآیۃ[2]!" "کہہ دو! اے مشرکو! جن کے معبود ہونے کا تمہیں خیال ہے، ان کو پکار کر دیکھو۔ وہ تم سے تکلیف دور کرنے یا بدل دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ وہ لوگ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، اپنے رب کے ہاں ذریعۂ تقرب تلاش کرتے رہتے ہیں، کہ ان میں کون زیادہ اللہ تعالیٰ کا مقرب ہے۔"

سلف رحمۃ اللہ علیہم کی ایک جماعت نے کہا کہ بہت سے لوگ حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتوں کو پکارتے تھے، تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اتاری، پھر اس مفہوم کی آیات ذکر کی ہیں۔

---

[1] الزمر: ٣ [2] الاسراء: ٥٦، ٥٧

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الفرقان بین الحق والباطل" میں فرماتے ہیں:

"اہلِ ضلال وہ ہیں جنہوں نے دین میں فرقہ بازی پیدا کی اور کئی جماعتوں میں بٹ گئے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق تو وہ اہلِ بدعت اور اہلِ شبہات ہیں جو شرع میں بدعتوں اور مشتبہ عقلی باتوں کو اختیار کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

" وہ کتاب میں اختلاف رکھتے ہیں اور کتاب کے مخالف ہیں۔ اس کی مخالفت پہ متفق ہیں، متشابہ کلام سے دلیل لیتے ہیں، لوگوں کو شبہ میں ڈال کر گمراہ کرتے ہیں اور اہلِ ضلال کی موافقت کو دین کہتے ہیں۔ انہوں نے دین کے نئے اصول اپنی طرف سے گھڑ لیے ہیں پھر ان کو قرآن وحدیث پر پیش کرتے ہیں۔ اگر قرآن وحدیث ان کے اصول کے مطابق ہوں تو تائید کی خاطر اس سے استدلال کرتے ہیں، اعتماد کی خاطر نہیں۔ اگر وہ اس کے خلاف ہوں تو کبھی کلام میں تحریف کرتے ہیں ــــ اور کبھی اس کی غلط تاویل کرتے ہیں۔ یہ ان کے ائمہ کا فعل ہے۔ کبھی وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں، ہم اس کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ یہ ان کے عوام کا فعل ہے۔ دونوں گروہوں کا اعتماد اندرونی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر نہیں۔ وہ اپنے بدعتی اقوال کو محکم کا درجہ دے کر اسکی اتباع، اور اس کے مطابق اعتقاد کو واجب ٹھہراتے ہیں۔

مخالف کافر ہے یا جاہل جو اس باب کی معرفت سے کورا ہے اور اس کو معقول اور اصول کا کوئی علم نہیں ہے۔ کلام اللہ اور کلامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو ان کے اقوال کے خلاف ہو اس کو متشابہ کا درجہ دے کر کہتے ہیں "اس کا معنیٰ اللہ تعالیٰ یا "راسخین فی العلم" کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔ ان کے نزدیک "راسخین فی العلم" وہ ہیں جو ان کے قول کے موافق ہوں۔ یہ لوگ ان سے بھی بڑے گمراہ ہیں جو متشابہ آیات کو لیتے ہیں، محکم کو ترک کر دیتے ہیں، مثلاً "نصاریٰ اور خوارج وغیرہ" ان لوگوں نے کلام اللہ کی متشابہ آیات کو لے کر ان کو محکم کا درجہ دے دیا اور محکم کو متشابہ بنا دیا۔

مگر جہمیہ جو صفات کے منکر اور ان کے ساتھ موافقت رکھنے والے معتزلہ وغیرہ اور فلسفی اپنی طرف سے ایجاد کردہ بدعت کو محکم بناتے ہیں اور اس کی اتباع کو واجب

بتاتے ہیں۔ اگرچہ نبیؐ یا کتاب و سنت میں سے کوئی ان کا موافق نہ ہو اور انبیاء علیہم السلام کی صریح شریعت جس کا معنیٰ بالکل واضح ہو کو متشابہ بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ سب بدعتیوں سے بڑے بدعتی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے سب سے بڑے مخالف ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ یوسف بن اسباط، عبداللہ بن مبارک وغیرہ، اصحابِ احمدؒ کہتے ہیں کہ جہمیہ جو صفاتِ الٰہی کے منکر ہیں، بہتّر فرقوں سے خارج ہیں۔"

بیان کرتے ہیں کہ ان کے اصولی فرقے چار ہیں: شیعہ، خوارج، مرجیہ اور قدریہ۔ ہم نے دوسری جگہ ان کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ۔ الآیۃ[1]" "اس کی بعض آیات محکم ہیں جو کتاب کی بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات ہیں۔"

متشابہات میں دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ وہ آیات سب پر متشابہ ہوتی ہیں۔ دوسرا قول جو صحیح ہے، یہ ہے کہ تشابہ اضافی امر ہے۔ کسی کے نزدیک وہ متشابہ ہوتا ہے، اور کسی کے نزدیک نہیں۔ اور کچھ محکم آیات ہیں، جو کسی پر متشابہ نہیں ہوتیں۔ متشابہات کا جب معنیٰ معلوم ہو جائے، تو وہ غیر متشابہ ہو جاتی ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے سب ارشادات محکم ہی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ۔ الآیۃ!" "اس کی آیات محکم بنادی گئی ہیں۔"

(هود: ۱)

یہ آیت اس ارشادِ نبوی ﷺ کی طرح ہے:

"اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَبَیْنَ ذٰلِكَ اُمُوْرٌ لَا یَعْلَمُهُنَّ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ" "حلال و حرام واضح ہیں اور ان کے درمیان کچھ ایسے امور ہیں، جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

---

[1] آلِ عمران: ۶

اسی طرح بنی اسرائیل کا یہ قول ہے :

"اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا"[1] "گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے زنادقہ اور جہمیہ کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے کہ انہوں نے قرآن کی متشابہات میں شک کیا اور ان کی غلط تاویل کی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب آیات کی تفسیر کی ہے ان میں سے عام آیات معروف ہیں۔ علماء نے ان کی تفسیر کی ہے۔ مثال کے طور پر وہ آیات جن کے بارے میں نافع ابن ازرق نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جو آیت بھی نازل کی ہے، وہ چاہتا ہے کہ معلوم کیا جائے کہ کس سلسلے میں نازل ہوئی ہے اور اس سے کیا مراد ہے؟ سلف میں سے جنہوں نے یہ کہا کہ متشابہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، وہ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔ اس تاویل سے ان کی مراد وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ مثال کے طور پر قیامت کا وقت، اس کی نشانیوں کا آنا اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کی کیفیت اور جنت میں جو کچھ اس نے اپنے دوستوں کے لیے تیار کیا ہے۔ نزولِ آیت کے اسباب میں سے نصاریٰ کا جو ان پر متشابہ ہے سے دلیل لینا مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد "انا" اور "نحن"۔ علماء میں معروف ہے کہ اس سے مراد وہ قابلِ تعظیم واحد ذات ہے جس کے بہت سے اعوان ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ معبود تین ہیں۔ اس کی تاویل جو اس کی تفسیر بھی ہے کو "راسخین فی العلم" جانتے ہیں۔ وہ ان آیات میں جہاں "انا" اور جہاں "اِنّا" کہا گیا ہے، فرق کرتے ہیں۔ وہ "اِنّا" میں فرشتوں کو داخل کرتے ہیں۔ وہ اس کے پیغامبر ہیں لیکن معبود و الٰہ وہ اکیلا ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے نہیں کہا: "اِيَّانَا فَاعْبُدُوْا"۔ نیز نہیں کہا "اِيَّانَا فَارْهَبُوْا" بلکہ جہاں جہاں عبادت و تقویٰ اور خشیت و توکل کا حکم دیا ہے، وہاں اس نے اکیلا اپنے نفسِ خاص کا ذکر کیا ہے۔ جب ایسے افعال کا ذکر کیا ہے، جس میں فرشتوں کو بھیجتا ہے تو فرمایا:

"اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا"[2] "ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلی فتح عطا فرمائی"۔

---

[1] البقرۃ : ۷۰ [2] الفتح : ۱

"فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ"[1] "جب ہم پڑھیں، تو تم اس پڑھنے کے بعد پڑھو۔"

"نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ"[2] الآیۃ "ہم تجھ پر موسیٰ علیہ السلام و فرعون کی خبر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔"

اسی طرح کی دوسری آیات۔ ان آیات میں فرشتوں، ان کی صفات اور ان کو بھیجنے کی کیفیت، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تفصیل کسی اور جگہ ہے۔

یہاں مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو اصل و بنیاد بنانا واجب ہے۔ ان کے معنیٰ میں تدبر کیا جائے۔ ان کی برہان اور دلیل کو سمجھا اور پہچانا جائے۔ وہ یا تو عقلی ہوگی یا خبری و سمعی اور ان پر قرآنِ مجید سے دلالت کی معرفت حاصل کی جائے۔ اور لوگوں کے اقوال کو جو کبھی موافق اور کبھی مخالف ہوتے ہیں، متشابہ اور مجمل خیال کرنا چاہیئے۔

جو شخص کہے کہ یہ اور یہ احتمال ہے اور یہ اور یہ احتمال ہے اس کو کہا جائے گا، اگر اس کی اس سے مراد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہو تو اس کو قبول کر لیا جائے گا اور خلاف ہو تو اس کو رد کر دیا جائے گا۔ اس کی حیثیت لفظ مرکب، جسم، متحیز، جوہر، عرض، جہت وغیرہ کی سی ہے۔ کتاب و سنّت میں یہ الفاظ ان کے اصطلاحی معانی میں نہیں ہیں، بلکہ لغت میں بھی ان کے اصطلاحی معانی موجود نہیں ہیں۔ وہ ان الفاظ کی تعبیر ایسے معانی سے کر کے جھگڑتے ہیں جو ان کے علاوہ کسی نے نہیں کیے۔ وہ ان معانی کی دوسری عبارات کے ذریعے تفسیر کرتے ہیں اور قرآنِ مجید نے جو عقلی اور سمعی دلائل دیئے ہیں، وہ ان کو باطل کرتے ہیں۔ جب تفصیل سامنے آتی ہے، تو حق و باطل واضح ہو جاتا ہے اور ان کے دلائل سے ہی پہچان ہو جاتی ہے کہ وہ مشترکہ مقدمات سے غلط طور پر اپنی بات کو مزین کر رہے ہیں۔ وہ ایک مقدمے میں ایک مشترک لفظ کو ایک معنے میں، اور دوسرے مقدمے میں وہی مشترک لفظ دوسرے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں۔ وہ ظاہری طور پر تو دلیل نظر آتی ہے، مگر باطنی طور پر دلیل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ کوئی شخص کہے "سہیل بعید ہے ثریا سے"

---

[1] القیامۃ: ۱۸ [2] القصص: ۳

اب سہیل کو ثریا کا ساتھی بنانا اور اس سے نکاح کرنا عجیب ہو گا کہا گیا ہے ۔

ایھا المنکح الثریا سھیلا عمرک اللہ کیف یلتقیان

"اے ثریا کا سہیل سے نکاح کرنے والے، اللہ تجھے عمرِ دراز دے۔ وہ کیسے مل سکتے ہیں ؛

پہلے مصرعے میں اس کی مراد ثریا نامی عورت اور سہیل نامی مرد ہے اور دوسرے میں ان سے ستارے مراد لیے ہیں۔

وہ بنیاد اور اصل جس پر صفات کے منکرین عمارت کھڑی کرتے ہیں اور وہ فرعون کے ہم نوا ہو گئے جس نے خالق کا انکار کیا اور اس کے رسول موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے کلام کیا ہے، یہی حدوثِ عالم پر ان کا استدلال ہے کہ چونکہ اجسام محدث ہیں، لہٰذا وہ حوادث سے محفوظ نہیں ہیں اور جو حوادث سے نہ بچا ہو اور اس نے ان سے سبقت بھی نہ کی ہو، وہ محدث ہے۔ اس کی مذمت پر سلف اور ائمہ متفق ہیں۔ جہمیہ اور متکلمین کے قول کی اصل یہی ہے۔

لوگوں نے بہت سی تصنیفات کی ہیں جن میں جہمیہ اور ان متکلمین کی مذمت میں ائمہ اور سلف کے اقوال موجود ہیں۔ سلف نے جنسِ کلام کی مذمت نہیں کی، اس لیے کہ ہر شخص کلام کرتا ہے۔ انہوں نے استدلال، نظر و فکر اور جدل، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو دیا ہے، کی بھی مذمت نہیں کی، نہ اس استدلال کی مذمت کی ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے بلکہ انہوں نے حق کلام کی بھی مذمت نہیں کی، ہاں انہوں نے کلامِ باطل، جو کتاب و سنّت کے مخالف ہے اور عقل کے بھی مخالف ہے، کی مذمت کی ہے۔

جس کلام کی سلف نے مذمت کی ہے، وہ کلامِ باطل ہے، جو شرع اور عقل دونوں کے خلاف ہے لیکن اکثر لوگوں پر اس کا باطل ہونا مخفی رہتا ہے۔ بعض بیچارے اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ عقل اور شرع کے موافق ہے، یہاں تک کہ انہوں نے اعتقاد بنا لیا کہ حضرت ابراہیم خلیل نے اس سے استدلال کیا تھا اور بعض لوگ اس کو دین کی بنیاد جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر ایمان حاصل نہیں ہوتا یا پورا نہیں ہوتا۔

لیکن جس شخص کو شریعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلکِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علم اور پہچان ہے وہ یقیناً جان لیتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ مسلک ہرگز نہیں تھا۔ اور وہ اس کو بدعت جانتا ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جو نہیں جانتے کہ وہ مسلکِ فاسد ہے۔ بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ معرفت تک پہنچا دیتا ہے اور وہ فی نفسہٖ صحیح ہے لیکن سمجھ دار اور ماہرینِ شریعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو اس کی حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں' انہیں علم ہے کہ وہ عقل اور شرع کے لحاظ سے باطل ہے اور وہ معرفت کے لیے طریقِ موصل نہیں ہے بلکہ جو شخص اس کو صحیح سمجھے اس کو جہالت اور گمراہی تک پہنچا دیتا ہے۔ جس شخص کے سامنے اس کا تناقض ظاہر ہو جائے' اس کو وہ حیرت اور شک تک لے جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حذاق سالکین حیرت و شک کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں کیونکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ہر موجود حادث ہے' جس سے پہلے عدم تھا اور وجود میں کوئی قدیم نہیں ہے، یہ جہالت اور مکابرہ ہے کیونکہ وجود مشہود ہے وہ یا حادث ہے یا قدیم ہے۔ حادث کے لیے قدیم لازم ہے۔ قدیم کا وجود ہر دو صورتوں میں ثابت ہے۔ ابنِ سینا نے اس طریقے سے ممکن کے ساتھ واجب پر استدلال کی جو بدعت ایجاد کی ہے' وہ اس سے باطل ٹھہرتی ہے جیسا کہ کسی دوسرے مقام پر اس کی تفصیل کی گئی ہے۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ ہر موجود ممکن ہے' اور وجود میں کوئی بنفسہٖ موجود نہیں ہے حالانکہ انہوں نے اس طریقے کو "واجب بنفسہٖ" کے اثبات کے لیے بنایا ہے' جس طرح کہ وہ لوگ اس کو اثباتِ قدیم کے لیے طریقہ بناتے ہیں تو وہ دونوں ہی قدیم اور واجب کے مناقض ہیں' ان دونوں میں سے ایک سے بھی "قدیم" اور "واجب بنفسہٖ" کے اثبات کا مسئلہ حل نہیں ہوتا جب کہ "موجود قدیم" اور "واجب بنفسہٖ" کا ثبوت بدیہی طور پر معلوم ہے' اسی لیے ان میں سے حذاق لوگ اس طرف گئے ہیں کہ "موجود واجب" اور "قدیم بنفسہٖ" عالم ہے' اور وہ اللہ ہے۔ انہوں نے اس کا انکار کیا ہے کہ عالم کے لیے ایک رب ہو' جو دوسرے عالم سے جدا ہو کیونکہ "قدیم واجب بنفسہٖ" کا ثبوت ہر قول پر لابدی ہے۔ فرعون اور دوسروں نے جو صانع کا انکار کیا ہے' انہوں نے اس وجودِ مشہود کا انکار نہیں کیا۔

ان لوگوں کے قول کی حقیقت سے یہ لازم آتا ہے کہ کوئی "موجود قدیم" اور "واجب" نہیں لیکن انہیں اس کا علم نہیں بلکہ اپنے خیالِ خام میں سمجھ بیٹھے ہیں کہ انہوں نے "قدیم واجب بنفسہٖ" کے اثبات پر دلیل قائم کر دی ہے، مگر اس کو ممتنع صفات سے موصوف کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ وہ نہ عالم کے اندر ہے نہ باہر۔ نہ وہ صفت ہے نہ موصوف۔ اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور اسی طرح کی صفاتِ سلبیہ جن سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ یہ ان باتوں سے ہے جن سے عقل اور فطرت نفرت کرتی ہے۔ اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ "موجود" کی نہیں، بلکہ "معدوم" کی صفات ہیں۔ ان کی دلیل سے نفس الامر میں یہ لازم آتا ہے کہ وہاں نہ قدیم ہے نہ واجب ہے، مگر سمجھ یہ رہے ہیں کہ ہم نے "قدیم" اور "واجب" کو ثابت کر دیا ہے جس کو انہوں نے ثابت کیا ہے، وہ ممتنع الوجود ہے۔ قدیم اور واجب نہیں!

دوسروں نے جب دیکھا کہ یہ مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے۔ قدیم اور واجب کا اثبات لابدی ہے، تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ وہ یہی عالم ہے۔ قدماء جہمیہ کہتے تھے کہ "وہ بذاتہٖ ہر جگہ موجود ہے۔" اور انہوں نے کہا کہ وہ موجودات کے سوا اور ان کا غیر ہے۔ اور موجود قدیم واجب ہی وہ نفسِ وجود ہے، جو محدث اور ممکن ہے۔ حلول کو جہمیہ نے ہی لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور سلف رحمہم اللہ اور ائمہ رحمہم اللہ کے سامنے جب یہ عقیدہ آیا تو انہوں نے اس کا رد فرمایا۔

ان کے قول کی حقیقت نفی ہی ہے، کہ وہ نہ عالم کے اندر ہے نہ باہر لیکن ائمہ نے یہ بات جہمیہ سے نہیں سنی۔ ان کو پتہ نہ چل سکا کہ یہ بھی جہمیہ کا قول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ نقل کرتے آئے ہیں کہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔ اور ان سے صفاتِ سلبیہ کی حکایت کرتے ہیں۔ اور لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ جہمیہ اللہ تعالیٰ کی سلبی صفات کو بیان کرتے ہیں۔

اس سے ان کا مقصد قدیم اور واجب کی نفی نہیں تھا۔ یہ تو کسی صاحبِ عقل سے بھی، مسلمان ہو یا کافر، متوقع نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات بدیہی طور پر عقل سے معلوم باتوں کے خلاف پڑتی ہے جب کہ وہ یہ کہے کہ "سب موجودات، عدم سے وجود میں آئی ہیں" تو لازم آئے گا کہ وہ آپ سے آپ ہی وجود میں آگئی ہوں اور یہ بالبداہت معلوم ہے کہ کوئی حادث، بنفسہٖ پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ "یہ کسی کے پیدا کیے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا
اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ"۔ ؎ یہ خود اپنے آپ کو پیدا کرنے والے ہیں؟"

کہا گیا ہے کہ کیا وہ بغیر اس خدا کے پیدا ہو گئے ہیں جس نے ان کو پیدا کیا؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بغیر مادے کے پیدا کیے گئے ہیں؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے، بغیر مقصد اور نتیجے کے پیدا کیے گئے ہ، پہلی بات قطعی طور پر مراد ہے، کیونکہ جو بغیر مادے کے یا بغیر مقصد کے پیدا کیا گیا ہو، اس کے لیے خالق کا ہونا ضروری ہے۔" پھر شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فطرت کی معرفت کا ذکر فرمایا ہے اور اشعریہ، ہشامیہ، کرامیہ وغیرہ کا ذکر کر کے، دلائل و براہین کی روشنی میں اس کا باطل ہونا بیان فرمایا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے رد صرف ان کا فرمایا ہے، جنھوں نے شریعت کی خلاف ورزی کی اور اس سے، اپنے قواعد کے ساتھ تصادم کیا ورنہ انھوں نے اہلِ سنّت کا رد نہیں کیا۔ اہلِ سنّت تو صراطِ مستقیم پر ہیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل و عقیدہ کا خلاف کبھی نہیں کرتے، بلکہ انھوں نے ہر جگہ اہلِ سنّت کا دفاع کیا ہے اور ان کے اقوال کی تائید کی ہے۔ نبہانی کو مغالطہ یہ ہے کہ جس گمراہی اور الحاد کا وہ حامل ہے، وہ اہلِ سنّت کا مذہب ہے۔ ہم نے قبل ازیں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تین مجالس سے جو کچھ نقل کیا ہے، وہ اس کا ثبوت ہے، بلکہ ان کی سب کتابوں میں ہمارے اس دعوے کی تفصیل موجود ہے، جونسی کتاب چاہیں، اٹھا کر دیکھ لیں۔

ہماری اس بحث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سبکی کا کلام جو زبیدی نے ابن زفیل کے اشعار پر نقل کیا ہے، وہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے کیونکہ وہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا دشمن اور حاسد ہے۔ اور اس میں غلو، جہالت، اہلِ حق پر افترا، اس پر مستزاد ہے۔ قصیدہ ابن زفیل پر زبیدی کی نقل کے علاوہ یہ سبکی کا کلام نہیں ہے، بشرطیکہ زبیدی نے صحیح نقل کیا ہو۔ اگر اس کے علاوہ کہیں سبکی کا یہ کلام ہوتا تو اس کو اس کا بیٹا تاج "طبقات" میں ضرور بیان کرتا۔ اس نے اس کی مؤلفات

؎ الطور: ۳۵

بیان کرتے ہوئے کہیں اس کا ذکر نہیں کیا حالانکہ اس کی چھوٹی بڑی کوئی بات اس کے بیان سے نہیں رہ گئی۔

"شیخ الاسلامؒ پر قول بالجہت کا افتراء"

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ پر قول بالجہت کی افتراء پردازی ، ابن حجر مکی وغیرہ ان کے دشمنوں کی کارستانی ہے۔ نبہانی نے اپنی عادت کے مطابق اس قول کو بیان کرنے میں اندھی تقلید سے کام لیا ہے۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں اللہ تعالیٰ کی جہت و جسمیت کی تنزیہ سے بھری پڑی ہیں۔ ان کے کلام کا دار و مدار کتاب و سنت اور اقوالِ سلف پر ہے۔ "کتاب الفرقان" میں شعر لکھا ہے ؎

ایّھا المقتدی لتطلب علما کل علم عبد لعلم الرّسول ﷺ
تطلب الفرع کی تصحح حکما ثمّ أغفلت أصل أصل الأصول

" اے مقتدی ! تو علم حاصل کرتا ہے جب کہ ہر علم رسول ﷺ کے علم کا غلام ہے"۔ "تو حکم کی تصحیح کے لیے فرع کو طلب کرتا ہے پھر اصل الاصول کی اصل سے غافل ہو جاتا ہے"۔

پھر فرمایا "اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو صراطِ مستقیم جو نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا کی راہ ہے کی طرف ہدایت بخشے" اور فرمایا : "جو کچھ دلوں میں ہے اور ان پر متفرع ہے، ان کی بنیاد انہی اصولوں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ جو مسلمانوں کے دلوں میں ہے کی مثال بیان فرمائی ہے اور کافروں کے دلوں میں کلمہ خبیثہ کی بھی مثال بیان کی ہے"۔ پھر ان دو کلموں کی شرح و تفصیل بیان فرمائی ہے جس سے آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے جیسا کہ شیخ رحمہ اللہ کی عادت ہے۔ نبہانی نے استواء اور علو پر جہاں ہذیان گوئی کی ہے، وہیں اس پر گفتگو کریں گے ان شاء اللہ وہیں چھلکا مغز سے الگ ہو جائے گا۔

"جلاء العینین" پر اعتراض اور اس کا جواب

نبہانی نے "جلاء العینین" اور اس کے مصنف کی شان میں گستاخی کی ہے ۔ مسلمانوں کو اس کے مطالعے سے بچنے کی تاکید کی ہے اور اس کے مصنف کو حنفیت بلکہ سنّیت سے اس لئے خارج کیا ہے کہ انہوں نے ابن تیمیہؒ کا دفاع کیا ہے اور ان کی مدد کی ہے ۔ یہ ایسے شخص کی گفتگو ہے جس سے بات کرنا اور اس کی طرف دھیان دینا مناسب نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

"اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ ۔ الآیۃ" (الزمر : ۱۸)
"جو بات کو سنتے ہیں اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں"

"وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (آل عمران)
"چاہیئے کہ تم میں ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائے نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے وہی لوگ کامیاب ہیں"

"جلاء العینین" کے مصنف نے اس میں فریقین کے اقوال کو ذکر کر دیا ہے اور طرفین کے دلائل کی خوب تفصیل کر دی ہے انہوں نے اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی ہے اور اللہ وحدہٗ کی عبادات کے وجوب پر دلائل قائم کر دیئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خالص بندوں کا دفاع کیا ہے اور مخالفین نے بہتان و تزویر کے جو ہتھکنڈے استعمال کئے ہیں ان کا تار پود بکھیر دیا ہے "جلاء العینین" جیسی کتابوں کا مطالعہ ہر مسلمان کو کرنا چاہیئے اور اس سے اپنے دین کی حقیقت معلوم کرنی چاہیئے پھر اس کے مؤلف کے لئے رحمت و بخشش اور رضوانِ الٰہی کی دعا کرنی چاہیئے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے خالص و مخلص بندوں کی طرح ، بہترین جزاء سے نوازے ۔

پھر انہوں نے سنت و بدعت کی حقیقت اور ان سے متعلق اہلِ علم کا شافی و وافی بیان و کلام ذکر کیا ہے ۔

"جلاء العینین" میں کونسا مسئلہ مذکور ہے جو نبی کریم ﷺ کی احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے اور جس سے

وہ بدعت کے مرتکب ہوتے ہیں؟ ہاں انہوں نے ملحدین، جو حلول واتحاد کے قائل ہیں کی ضلالتوں کو ذکر کیا ہے اور وہ کسی آدمی پر مخفی نہیں علمی کتابیں ان کے ہذیان اور ان کے رد سے بھری پڑی ہیں۔ سعد تفتازانی نے "فصوص" کے رد میں ایک کتاب تالیف کی ہے اور ملا علی قاری اور شیخ فہامہ محمد بخاری حنفی وغیرہ نے ان کے رد میں کتب لکھی ہیں۔

صاحب "جلاء العینین" نے قبوریین کی بدعات اور ان کے شرکیہ اعمال کا ذکر کیا ہے۔ اور ابن حجر کے افتراء، نقل میں خیانت، خواہش نفس کی پیروی، حق کے ساتھ مقابلہ اور دشمنی کو طشت ازبام کیا ہے اور سبکی کی زیادتی اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے بات کو ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ مسلمانوں کے کسی مذہب میں بھی ابن حجر، سبکی جیسوں کا تجاوز اور علماء سنت نبویہ اور حفاظ حدیث کے متعلق ناحق بات کہنا جائز نہیں ہے۔

کیا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اکابر اصحاب اور ان کے باانصاف پیروکار ان غالیوں کی کرتوتوں پر خوش ہیں؟ کیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کسی کو اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ دین کو بازیچہ اطفال بنائے اور کتاب وسنت سے اعراض کرے اور ابن حجر اور اس قماش کے لوگوں نے جو احمقانہ باتیں کی ہیں ان کو تسلیم کر لے؟ کیا امام دار الہجرت اس کو گوارا کر سکتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے وارثوں اور حفاظ حدیث کی عزتوں کو تار تار کیا جائے؟ ابن حجر اپنے ناخنوں اور دانتوں سے ان کی تکہ بوٹی کرے؟

اسی طرح سب ائمہ دین اور اکابر مجتہدین نے حق کی اتباع، خواہش نفس سے اعراض اور تعصب سے بچنے کی تاکید ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو!

نبہانی سے پوچھا جائے کیا وہ جانتا ہے کہ دین سے خروج کب ہوتا ہے؟ اور تقلید کس میں ہوتی ہے؟ اصول وفروع دونوں میں تقلید ہوتی ہے؟ اصول میں نہیں بلکہ فروع میں ہوتی ہے؟ یا اس کے برعکس؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبہانی بے چارا ان سب باتوں سے کورا ہے وہ اصول وفروع میں بھی فرق نہیں کر سکتا۔

تقلید اہل علم نے تقلید کی تعریف یوں کی ہے "اَخْذُ قَوْلِ الْغَیْرِ مِنْ غَیْرِ مَعْرِفَۃِ دَلِیْلِہٖ" کہ غیر کا قول اس کی دلیل کو جانے بغیر قبول کر لینا تقلید ہے تاکہ اس سے حکم کا فائدہ حاصل ہو اگر اس کو ظنی حکم معلوم کرنے کیلئے اپنی وسعت وطاقت صرف کرنی ممکن نہ ہو اس کے سوا تقلید حرام ہے جس طرح کہ عقائد میں تقلید

حرام ہے۔ میں نے بعض اکابر شافعیہ کی ایک مفید بحث تقلید کے موضوع پر دیکھی ہے۔ استفادے کی غرض سے اس کو یہاں بیان کر دینا مناسب ہے۔ انہوں نے فرمایا:

"میں اپنے امام کے دامن سے وابستہ رہا اور اس عالی مرتبہ سردار کے اقوال پر جما رہا اور دن رات اس کے کلام کی دقیقہ سنجی میں لگا رہا اور میں ہر حالت میں لوگوں کو اس کی خالص علمی شراب کے لیے جگاتا رہا۔ میں نے اس کی چراگاہ کے سوا کہیں آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا اور اس کے بلند مقام سے اوپر جانے کی کوشش نہیں کی۔

میرا یہی تعلق اس کے اصحاب کرام اور قابل تعظیم پیروکاروں کے ساتھ تھا۔ میری توجہ انہی کی طرف تھی اور انہی کے اقوال سے رشد و ہدایت حاصل کرتا تھا۔

وما انا الا من غزیۃ ان غوت غویت وان ترشد غزیۃ ارشد

"میں تو غزیہ کا پورا پورا تابع ہوں۔ اگر وہ گمراہ ہو گی تو میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا۔ اگر وہ ہدایت پر ہو گی تو میں بھی ہدایت پر ہوں گا۔"

میں کسی دوسرے امام کی تقلید کی خواہش نہیں رکھتا تھا باوجود اس کے کہ مجھے علم تھا کہ فروع میں ان کا اختلاف رحمت ہے۔ میرا مقصد ان کی رفاقت تھا چاہے وہ پاک دامن ہوں یا متہم ہوں۔ اور ان کے ساتھ مطابقت میرا دین تھا وہ دائیں جائیں یا بائیں۔

ایک دن ایسا ہوا کہ ایک با انصاف شخص سے میرا جھگڑا ہو گیا جس میں وہ کامیاب رہا۔ اس نے مجھ سے گفت و شنید کی اور سچی بات یہ ہے کہ اس نے مجھے لاجواب کر دیا اس طرح لوگوں سے ملنے جلنے سے مجھے پتہ چلا کہ بہت سے معاملات میرے امام کے مذہب میں صحیح نہیں ہیں اور ان کی تصحیح امر محال ہے اور شافعی کے لیے اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ اس وقت امام ابو حنیفہ نعمان رحمۃ اللہ علیہ بن ثابت کی تقلید کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان تمام معاملات میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہو گیا ہوں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ میرا خاص تعلق نہ ہوتا، تو میں پورے مذہب میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتا۔

نقل فؤادك حيث شئت من الهوى ما الحب الا للحبيب الاول

"جہاں تو نے چاہا تیرا دل عشق کی وادیوں میں گھومتا رہا مگر پہلے محبوب سے محبت منقطع نہ ہو سکی۔"

کم منزل فی الارض یألفہ الفتیٰ   وحنینہ ابداً لاول منزل

"زمین میں بہت سی منزلوں سے نوجوان محبت کرتا ہے مگر اس کا شوق ہمیشہ پہلی منزل سے باقی رہتا ہے۔"

پھر کہا "اب میں عبادات میں شافعی ہوں اور معاملات میں حنفی ہوں۔ اور اسی طرح اس زمانے میں اکثر علماء معاملات میں امام نعمان رحمۃ اللہ علیہ بن ثابت کے مذہب پر ہیں۔ انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی سنن کو لپیٹ دیا ہے۔ امام نووی اور رافعی کے اذکار کو اٹھا دیا ہے۔ ہم کسی جاہل کو ان مسائل میں فتویٰ پوچھتے اور کسی عالم کو فتویٰ دیتے نہیں دیکھتے۔"

نبہانی سے پوچھنا چاہیے کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقلد نے بہت سے مسائل میں دوسرے امام کی تقلید کی ہے اور اس سے وہ اپنے امام کی تقلید سے خارج نہیں ہو گیا تو نبہانی نے اس شخص پر خروج تقلید کا فتویٰ کیسے صادر کر دیا جس نے کسی ایک مسئلے میں بھی اپنے امام کی مخالفت نہیں کی؟ بلکہ لطف یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے ہی اصحاب ائمہ نے اپنے اپنے امام کا بہت سے مسائل میں خلاف کیا ہے مگر کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ اپنے امام کی تقلید سے خارج ہو گیا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے مسائل میں اپنے امام سے اختلاف کیا ہے اسی طرح امام محمدؒ اور زفرؒ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا ہے۔ کیا اس سے وہ حنفیت سے نکل گئے ہیں؟ یہی حال ہر امام کے ماننے والوں کا ہے، تو نبہانی کو ایسا فاسد حکم لگانے کا جواز کہاں سے مل گیا ہے؟

شیخ احمد طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان مسائل کو منظوم کیا ہے جن میں ایک شافعی کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کی احتیاج ہے۔ ابتداء میں فرماتے ہیں ؎

الحمد للہ الذی ما جعلا   من حرج فی الدین لکن سھلا

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی اور ــــــ"

لھذہ الامۃ فضلا وکرم   سبیل رشدھا واسبغ النعم

"اس امت کے لیے اپنے فضل و کرم سے ہدایت کی راہ کو آسان بنایا اور بکثرت نعمتیں دیں۔"

ثم صلاۃ وسلام سرمدی   منہ علی خیر الانام احمد

"پھر خیر الانام جناب محمد مصطفےٰ ﷺ پر ہمیشہ صلوٰۃ و سلام ہو۔"

نبینا الذی بہ نلنا الھدیٰ ۔۔۔ و آلہ و کل من بہ اھتدیٰ

"جو ہمارے نبی ہیں اور جن کے ذریعے ہم نے ہدایت پائی اور آپ ﷺ کی آل پر اور ہر ہدایت یافتہ شخص پر بھی۔"

و بعد فاعلم ان من قد قلدا ۔۔۔ من الانام عالما مجتھدا

"اس کے بعد جان لو، جس نے کسی عالم مجتہد کی تقلید کی ـــــــ"

فجائز لہ بان یقلدا ۔۔۔ اخر الا ان یکون اعتقدا

"اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی دوسرے کی بھی تقلید کرے، سوائے اس کے کہ اس کو یقین ہو"۔

بان من قلدہ فی الاول ۔۔۔ اَعلم مِنْ ثانیۃ فالمنع جلی

"کہ پہلا دوسرے سے بڑا عالم ہے تو اس صورت میں البتہ ممانعت ظاہر ہی ہے۔"

فاذ عرفت الشرط واحتجت الی ۔۔۔ تقلید غیر الشافعی فافعلا

"جب تجھے شرط معلوم ہو چکی ہے اور تجھے ضرورت بھی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی کی تقلید کرے تو کر!"

اسی طرح کل چوّن اشعار ہیں، جن میں کئی ایسے مسائل ذکر کیے ہیں، جن میں ایک امام کا مقلد دوسرے امام کی تقلید کر سکتا ہے مگر اس سے، وہ پہلے امام کی تقلید سے خارج نہیں ہوگا۔ آخری شعر یہ ہے ؎

والحمد للہ الذی ما عسّرا ۔۔۔ علی عبادہ ولٰکن یسّرا

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے بندوں پر تنگی نہیں کی، بلکہ آسانی رکھی ہے۔"

اس پر بحث طویل ہے۔ اس پر مستقل کتابیں بھی ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں!

اب پھر ہم نبہانی سے مخاطب ہوتے ہیں کہ بہت سے معتزلہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کی ہے اور کسی نے ان کے اعتقادِ فاسد کے باوجود ان کو مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے خارج نہیں کیا۔ اسی طرح بعض لوگ معتزلہ ہونے کے باوجود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین میں شامل رہے۔ خود سبکی نے ایسے لوگوں کی ایک جماعت کو اپنے طبقات میں شمار کیا ہے اور ماوردی پر یہ تہمت دھری ہے۔ اسی طرح بہت سے کرامیہ اور مرجیہ عقیدے کے لوگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی

تقلید میں رہے اور بہت سے مجسمہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین میں شامل رہے۔ اس کا کچھ ذکر ان مجالس کے ذکر میں گزر چکا ہے جو شیخ الاسلام کے مناظرہ کے لیے منعقد کی گئی تھیں۔ ان سب لوگوں کو بدعقیدگی کے باوجود ائمہ کی تقلید سے خارج نہیں کیا گیا۔ تو اب نبہانی کیلئے "جلاء العینین" کے مصنف کو حنفیت اور سنّیت سے نکالنے کا جواز کہاں سے حاصل ہو گیا ہے؟ پھر نبہانی نے خود ہی اس کی علت بھی ذکر کر دی ہے کہ صاحبِ "جلاء العینین" نے ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی مدد کی ہے اور ان کا دفاع کیا ہے اور ابنِ تیمیہؒ کی طرف منسوب غلط باتوں سے ان کی برأت کی ہے۔ انصاف پسند قارئین اس شخص کی حالت، اس کے غلو، جہالت، ضلالت اور خواہشِ نفس کی پیروی اور اس کی خود پسندی پر غور فرما کر خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ کیا کسی کے مقلد ہونے یا نہ ہونے کی سند اس کے ہاتھ میں ہے؟ وہ کیسے کسی انسان کے خلاف فیصلہ صادر کر سکتا ہے؟

اے اللہ! آج عالمِ اسلام کو جس عظیم ابتلاء کا سامنا ہے ہم اس کی شکایت تیری بارگاہ میں کرتے ہیں۔ آج کل کس طرح نااہل لوگوں کو ذمہ داریاں سونپی جا رہی ہیں اور کس طرح گمراہ اور بے راہ لوگوں سے فتوے پوچھے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ "جلاء العینین" جیسی بلند پایہ کتاب اور اس کے مصنف پر اس باطل پرست نے پوری ایک فصل لکھ ماری ہے۔ ہم اس بحث کو مؤخر کر رہے ہیں۔

اعتراض نبہانی نے جہت اور اس کے قائل کی تکفیر پر کلام کے بعد کہا ہے:

"ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں اعتقاد کے مسائل اشعری اور ماتریدی اہلِ سنّت والجماعت کے خلاف ہیں۔ اس زمانے کے اکابر علماء پر لازم ہے، ان مسائل پر اپنی توجہ مرکوز کریں جن میں اہلِ سنّت کی مخالفت کی گئی ہے اور لوگوں کو خبردار کریں تاکہ وہ ان مسائل سے الگ رہیں اور ان مسائل میں پڑ کر بدعقیدہ ہونے سے بچ جائیں۔ جہت کا عقیدہ ان مسائل میں بہت اہم ہے اگرچہ بعض حنابلہ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس عقیدے کی نفی کرتے ہیں، مگر وہ اس کا واضح اعتقاد ہے۔ میں نے سوچا ایک مستقل رسالہ لکھ دوں جس میں جہت کے محال ہونے میں اکابر اہلِ سنّت والجماعت کے اقوال نقل ہوں۔ میں نے ایک رسالہ لکھا اور "رفع الاشتباہ فی استحالۃ الجہۃ علی اللہ" اس کا نام رکھا۔" پھر اس نے رکیک سی عبارت کے ساتھ پورا رسالہ نقل کر دیا ہے۔ اور اس میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ عقیدہ، امت کے جمہور علماء و اولیاء رحمہم اللہ اور

مذاہب اربعہ کے ماننے والوں اور سب صوفیوں کا ہے۔ صوفی' امت کے خاص الخاص لوگ ہیں اور کتاب و سنّت کے متبعین میں سے اعلیٰ درجے کے لوگ ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ "اختلافِ مذاہب و مسالک کے باوجود سب زمانوں اور علاقوں، سب شہروں اور جنگلوں اور آبادیوں میں سکونت رکھنے والے جمہور کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ جہات سے منزہ ہے" اور اس نے امام غزالی، سیّد مرتضےٰ زبیدی، فخر رازی، شمس الدین محمّد بن لبان شافعی، یافعی، ابن حجر مکی —— اور اس قماش کے دوسرے لوگوں کی عبارتوں کے اقتباسات دیئے ہیں' جن سے بزعم خویش اس کے دعوے کی تائید ہوتی ہے۔ پھر اس نے اپنے رسالے کو ایک قصیدے پر ختم کیا ہے اور سمجھ لیا ہے کہ اس نے سبکی کے ردّ پر دو قصائد کا بدلہ چکا دیا ہے۔ اس باب میں اس کی گفتگو کا ماحصل یہی تھا جس کو پیش کرنے میں اس نے اپنی صلاحیتوں کو پوری طرح صرف کر دیا ہے۔

جواب

نبہانی کے کلام کا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جواب یہ ہے کہ مسئلہ علو، استواء اور نزول بڑے دقیق اور گہرے مسائل میں سے ہے۔ قدیم و جدید زمانے کے علماء کے درمیان یہ نزاع بڑا مشہور رہا ہے۔ ہر انصاف پسند ہمارے ساتھ متفق ہے کہ نبہانی اس میدان کا شہسوار نہیں اور نہ ہی اس کا شمار اصحابِ معرفت میں ہے' نہ ہی اس کو کسی فن میں مہارت حاصل ہے۔ جرح و تعدیل کے باب میں وہ عدمِ التفات کے لائق ہے' وہ نظروں میں جچتا نہیں' وہ اس قول کا مصداق ہے ؎

اقول لمحرز لمّا التقینا تنکب لا یقطرك الزحام

"جب ہم دشمن سے برسرِپیکار ہوئے' تو میں نے پناہ کے طالب سے کہا ایک طرف ہو جاؤ۔ کہیں تمہیں بھیڑ لہولہان نہ کر دے۔"

نبہانی کی ہذیان گوئی سے ملتا جلتا طبقاتِ سبکی میں میں نے ایک اور رسالہ دیکھا ہے' جس کو ابن سبکی نے شیخ شہاب الدین احمد بن یحییٰ بن اسماعیل کلابی حلبی کی طرف منسوب کیا ہے' چونکہ وہ امام ابن تیمیہؒ کے ردّ میں تھا' اس لیے ابن سبکی نے اس کو مصنف کے ترجمے میں اول تا آخر نقل کر دیا تاکہ وہ اس سے ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے ناراضگی کی آگ کو ٹھنڈا کر سکے اور حسد و بغض سے بیمار دل کو تسکین

مہیا کرسکے۔ اس بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ جس کو پیاسا میٹھا شربت سمجھ رہا ہے' وہ سراب ہے۔ وہ بتیس صفحات کا رسالہ ہے' جو حماقتوں سے پُر ہے۔

جب ان غالیوں نے یہ مسئلہ چھیڑ ہی دیا ہے' تو ہمیں ان کے جھوٹ کے پول کو لازمی طور پر کھولنا پڑا ہے اور جہاں جہاں انہوں نے نصوص سے معارضہ اور بنار مرصوص سے مناقضہ کیا ہے' اس کو بیان کر کے ان کے شرک کی دھجیاں بکھیرنی پڑی ہیں۔ ہم کہتے ہیں' اس مسئلہ میں اصحابِ عقل وفہم کے نزدیک بے شمار قرآنی نصوص اور احادیثِ نبوی وارد ہیں مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ"[۱] "وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ دانا، خبر رکھنے والا ہے۔"

تفسیر "روح المعانی" میں مؤولین کے کلام کے بعد لکھا ہے کہ اس کے لزوم کا سبب یہ ہے کہ آیت کا ظاہر "قول بالجہت" کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کیونکہ جہت' عالم کے حدوث اور اس کو عدم سے وجود میں لانے کی وجہ سے نوپید ہے اور اللہ تعالیٰ کے جہت میں ہونے سے بہت سے مفاسد لازم آتے ہیں اور آپ کو یہ معلوم ہے' جیسا کہ امام طحاوی وغیرہ نے بیان کیا ہے' کہ مذہبِ سلف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے فوقیت کو ثابت کیا جائے۔ اس پر انہوں نے ایک ہزار دلیل پیش کی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے حدیثِ اوعال میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وَالْعَرْشُ فَوْقَ ذٰلِكَ وَاللّٰهُ تَعَالٰى فَوْقَ ذٰلِكَ كُلِّهِ" "اور عرش اس کے اُوپر ہے اور اللہ تعالیٰ ان سب کے اُوپر ہے۔"

اور ابوداؤدؒ نے حضرت "جبیر بن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیہ عن جدہ" سے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس شخص کے لیے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کو سفارشی بنایا تھا، ارشاد روایت کیا ہے:

"وَيْحَكَ أَتَدْرِي مَا اللّٰهُ؟ إِنَّ اللّٰهَ فَوْقَ عَرْشِهِ وَ" "تجھ پر افسوس ہے۔ کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر ہے اور اس کا عرش

---

[۱] الانعام: ۱۸

عَرْشُهٗ فَوْقَ سَمٰوٰتِهٖ وَقَالَ بِاَصَابِعِهٖ مِثْلَ الْقُبَّةِ وَاِنَّهٗ لَيَئِطُّ بِهٖ اَطِيْطَ الرَّحْلِ الْجَدِيْدِ بِالرَّاكِبِ"۔

آسمانوں سے اُوپر ہے اور آپ نے گنبد کی مانند اپنی انگلیوں سے اشارہ فرمایا اور وہ یوں چرچراتا ہے جیسا کہ سوار کی نئی زین چرچراتی ہے"۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فرمایا جبکہ انہوں نے بنو قریظہ کے متعلق اپنا فیصلہ سنایا :

"لَقَدْ حَكَمْتَ فِيْهِمْ بِحُكْمِ الْمَلِكِ مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوٰتٍ"۔

"تو نے وہی فیصلہ دیا ہے جو سات آسمانوں کے اوپر شہنشاہ کا فیصلہ ہے"۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا :

"بَيْنَمَا اَهْلُ الْجَنَّةِ فِيْ نَعِيْمِهِمْ اِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُوْرٌ فَرَفَعُوْا اِلَيْهِ رُءُوْسَهُمْ فَاِذَا الْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُهٗ قَدْ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَقَالَ: يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَهٗ تَعَالٰى: "سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ" فَيَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ فَلَا يَلْتَفِتُوْنَ اِلٰى شَيْءٍ مِّنَ النَّعِيْمِ مَا دَامُوْا يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ"۔

"جب اہلِ جنت نعمتوں میں مسرور ہوں گے، اچانک ایک نور ان کے سامنے چمکے گا، وہ اس کی طرف اپنے سر اُٹھائیں گے تو دیکھتے کیا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُوپر سے ان کی طرف جھانک رہا ہے اور فرمایا "اے اہلِ جنت السلام علیکم"۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی: (ترجمہ) "سلام کہنا ہے مہربان رب کی طرف سے" وہ ان کو دیکھے گا، وہ اس کو دیکھیں گے۔ جب تک ان کو دیدارِ الٰہی حاصل رہے گا وہ کسی بھی چیز کی طرف التفات نہیں کریں گے"۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو جب ان کی بیوی نے ان کی لونڈی سے متہم کیا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کے سامنے قراءتِ قرآن کی بجائے جو شعر تعریضاً پڑھے تھے، وہ انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے پیش کئے ۔

شهدت بانّ وعد الله حقّ وانّ النار مثوى الكافرينا

"میں نے گواہی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اور دوزخ کافروں کا ٹھکانہ ہے"۔

وانّ العرش فوق الماء طاف ‌ ‌ ‌ وفوق العرش ربّ العالمینا

"اور عرش پانی کے اُوپر تیر رہا ہے اور عرش کے اوپر ربّ العالمین ہے"۔

وتحملہٗ ملآئکۃ شداد ‌ ‌ ‌ ملآئکۃ الالٰہ مسوّمینا

"اس کو اللہ تعالیٰ کے طاقتور، نشاندار (خاص) فرشتوں نے اُٹھا رکھا ہے"۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن کر خاموشی کے ساتھ اظہارِ پسندیدگی فرمایا اور ہنس پڑے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

شھدت باذن اللہ انّ محمّدًا ‌ ‌ ‌ رسول الّذی فوق السّمٰوٰت من عل

وانّ ابا یحییٰ ویحییٰ کلاھما ‌ ‌ ‌ لہٗ عمل من ربّہٖ متقبّل

وانّ الّذی عادی الیھود بن مریم ‌ ‌ ‌ رسول اتیٰ من عند ذی العرش مرسل

وانّ اخا الاحقاف اذ قام فیھم ‌ ‌ ‌ یقوم بذات اللہ فیھم ویعدل

"میں نے گواہی دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر بلند ذات کے رسُول ہیں"۔

"اور حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام دونوں کے اللہ تعالیٰ کے ہاں عمل مقبول ہیں"۔

"اور یہودیوں نے جس ابنِ مریم علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کی، وہ عرش والے کی طرف سے رسُول ہو کر تشریف لائے تھے"۔

اور حضرت ہُود علیہ السلام جب احقاف والوں میں کھڑے ہوئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ان میں عدل کرتے ہوئے کھڑے رہے"۔

یہ اشعار سُن کر رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں بھی اسی بات کی شہادت دیتا ہوں"۔

قرآنِ مجید میں ابلیس کی بات کو اس طرح حکایت کیا گیا ہے:

"ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ۔ ‌ ‌ ‌ "میں ان کو ان کے آگے سے اور پیچھے سے ان کے دائیں سے بائیں سے داؤ لگاؤں گا"۔

-الآیۃ[1]

---

[1] الاعراف: ۱۷

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیطان کو جرأت نہ ہوئی کہ "مِنْ فَوْقِهِمْ" کہتا کیونکہ اس کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اُوپر ہے۔

آیات و احادیث جن میں فوقیّت کی تصریح ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ"[1] "کتاب کو اتارنا ہے اللہ زبردست، دانا کی طرف سے"

اور ارشاد ہے:

"اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔ الآية"[2] "اسی کی طرف چڑھتے ہیں پاکیزہ کلمے"

"بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ الآية"[3] "بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا"

"تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوحُ اِلَيْهِ۔ الآية"[4] "اس کی طرف فرشتے اور روح عروج کرتے ہیں"

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے:

"وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ" "اے اللہ تو ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں"

سلف کا مسلک بھی یہی ہے۔ مثال کے طور پر شیخ الاسلام ابو اسماعیل انصاری اپنی کتاب "الفاروق" میں ایک روایت لائے ہیں اس کی سند وہ ابو مطیع بلخی تک پہنچاتے ہیں کہ اس نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں فتوےٰ پوچھا جو کہتا ہے کہ "میں اللہ سبحانہٗ کو آسمان میں نہیں سمجھتا"۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "وہ کفر کا مرتکب ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

"الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" وَعَرْشُهُ فَوْقَ سَبْعِ سَمٰوٰتٍ! "رحمٰن (اللہ تعالیٰ) عرش پر مستوی ہوا" اور اس کا عرش سات آسمانوں سے اُوپر ہے"۔ اس نے کہا میں نے پوچھا اگر وہ یہ اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ ہے تو عرش پر لیکن معلوم نہیں اس کا عرش آسمان میں ہے یا زمین میں؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "وہ کافر ہے کیونکہ اس نے "فِي السَّمَاءِ" والی آیت کا انکار کر دیا ہے۔ جو اس آیت کا انکار کر دے وہ کافر ہے"۔ دُوسروں نے یہ اضافہ کیا کہ "اللہ تعالیٰ اعلیٰ علّیین میں ہے۔ وہ اُوپر سے

---

[1] الزمر: ۱ [2] فاطر: ۱۰ [3] النسآء: ۱۵۸ [4] المعارج: ۴

پکارا جائے گا نہ کہ نیچے سے۔ انتہیٰ!

اللہ تعالیٰ کی فوقیت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس نے اس کو اپنی ذاتِ مقدسہ میں پیدا نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بالکل منزّہ ہے۔ وہ ایک ہے، بے نیاز ہے، نہ اس کا کوئی بیٹا نہ باپ ہے لہٰذا بالیقین معلوم ہوا کہ اس نے ان کو اپنی ذات میں پیدا نہیں فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ فوقیتِ ذات سے متصف نہ ہوتا (جب کہ وہ قائم بنفسہٖ ہے اور دنیا کے ساتھ خلط ملط نہیں ہے) تو وہ متصف بالضد ہوتا کیونکہ جو چیز کسی چیز کو قبول کرے، تو وہ اس سے یا اس کی ضد سے خالی نہیں ہو سکتی۔ "فوقیت" کی ضد "سفول" ہے اور وہ یعنی سفول علی الاطلاق مذموم ہے۔

یہ کہنا کہ "ہم مانتے ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ فوقیت کو قبول کرنے والا ہے تو پھر اس سے ضد کی قبولیت بھی لازم نہیں آئے گی"۔ اس کا دفاع یہ ہے کہ اگر اللہ سبحانہٗ فوقیت اور علو کو قبول نہ کرنے والا ہو تو پھر اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی، جو بنفسہٖ قائم ہو۔ جب کہ یہ تسلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قائم بنفسہٖ ہے جو جہان میں مخلوط نہیں اور خارج میں موجود ہے۔ اس کا وجود ذہنی نہیں، بلکہ یقیناً خارج میں ہے۔ یہ سب عقلاء کے بالبداہت علم میں ہے کہ جس کا وجود ایسا ہو وہ عالم میں داخل ہوگا یا خارج؟ اس کا انکار سب سے زیادہ بدیہی بات کا انکار ہے۔ اس پر جو دلیل بھی پیش کی جائے، اس سے اللہ تعالیٰ کا مخلوق سے مباین ہونا زیادہ واضح اور ظاہر ہوگا۔ جب فوقیت صفتِ کمال ہے اور اس میں کتاب و سنّت اور اجماع کی مخالفت بھی نہیں، تو فوقیت کی نفی بالکل باطل ہوگی۔ بالخصوص انسان طبعی طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور تضرع و زاری کرتے وقت جہتِ علو کا قصد کرتا ہے۔

محمد بن طاہر مقدسی نے ذکر کیا ہے کہ "شیخ ابو جعفر ہمدانی امام الحرمین کی مجلس میں حاضر ہوئے، وہ اس وقت صفتِ علو کی نفی میں گفتگو کر رہے تھے کہ "اللہ تعالیٰ تھا عرش نہیں تھا۔ اب بھی اللہ تعالیٰ اسی طرح ہے، جیسا کہ پہلے تھا"۔ شیخ ابو جعفر نے فرمایا "جناب استاذ! براہ کرم ہمیں اس ضرورت کے بارے میں خبر دیجئے، جو ہمارے دلوں میں موجود ہے، وہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی عارف "یا اللہ!" کہتا ہے، تو اس وقت اس کا دل علو کی طرف متوجہ ہوتا ہے، دائیں بائیں کی نہیں۔ دلوں کو اس ضرورت سے کیسے خالی کیا جا سکتا ہے"؟ اس پر امام صاحب نے اس کے سر پہ تھپڑ مارا اور نیچے اتر آئے۔ میرا

خیال ہے کہ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ "وہ رو پڑے" اور کہا کہ "مجھے ہمدانی نے لاجواب کر دیا ہے۔"

بعض نے اس کا جواب دینے کا تکلف کیا ہے کہ آسمان اور فوق کی طرف توجہ اس لیے ہوتی ہے کہ وہ دُعا کا قبلہ ہے، جیسا کہ کعبہ مکرمہ نماز کا قبلہ ہے ___ پھر نمازی کا سجدے میں جانا بھی اس پر ایک "نقض" ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ارضی جہت میں نہیں ہے یعنی اوپر یا نیچے توجہ کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اس جہت میں ہے۔ یہ جواب صریح البطلان ہے۔ (اولاً) اس لیے کہ آسمان کو قبلہ دُعا بنانا من گھڑت مسئلہ ہے، نہ سلف میں سے کسی نے یہ کہا، نہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی دلیل نازل فرمائی۔ صحیح مسئلہ یہ ہے کہ جو نماز کا قبلہ ہے، وہی دُعا کا قبلہ ہے۔ سلف نے تصریح کر دی ہے کہ مستحب یہ ہے کہ دُعا کرنے والا قبلہ رُخ ہو۔ نبی کریم ﷺ بہت جگہوں میں دُعا کرتے وقت قبلہ رُخ ہو جاتے تھے۔ کہنے والا یہ کہہ کر کہ "نماز کے قبلے کے علاوہ دُعا کا کوئی اور قبلہ ہے" نئی بدعت، اور جماعت مسلمین کی مخالفت کا مرتکب ہوا ہے۔

(ثانیاً) قبلہ وہ ہوتا ہے، جس کی طرف دُعا کنندہ کا رُخ ہوتا ہے جس طرح کہ نماز میں کعبہ مکرمہ کی طرف متوجہ ہوا جاتا ہے اور جو سر یا ہاتھوں کے سامنے ہو، وہ قبلہ نہیں ہوتا، نہ اس کو قبلہ کہا جاتا ہے۔ اگر آسمان دُعا کا قبلہ ہوتا تو دُعا کنندہ کے لیے آسمان کی طرف رُخ کرنا مشروع ہوتا اور شرع میں یہ بالکل ثابت نہیں ہے۔

"لفظِ "جہت" سے مراد"

زمین پر سجدے میں پیشانی رکھنے کا جو نقض پیش کیا گیا ہے، وہ بالکل فاسد ہے، اس لیے کہ ساجد کا اس سے مقصد، اپنے اوپر بلند ذات کے لیے ذلت کے ذریعے خضوع کا اظہار ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ وہ اس لیے اس کی طرف جھکتا ہے کہ وہ اس کے نیچے ہے۔ ساجد کے دل میں اس خیال کا کبھی گزر نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ شنید ہے کہ بشر مریسی کہتا تھا: "سبحان ربّی الاسفل"۔ "میرا سب سے نیچے رب پاک ہے"۔ منکر اور ظالم جو کچھ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

بعض نے ان سب نصوص کی تاویل کی ہے، جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف فوقیت کی نسبت ہے۔ ___ کہ یہاں "فوق" سے مراد "خیر" اور "افضل" ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ "امیر وزیر سے اُوپر ہے" اور "دینار

درہم سے اُوپر ہے۔"

یہ بات بھی دل کو نہیں لگتی۔ عقولِ سلیمہ اور قلوبِ صحیحہ اس کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ کسی کا ابتداءً یوں کہنا کہ "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بہتر ہے" یا "وہ اپنے عرش سے افضل ہے"۔ اسی طرح کی بات ہے کہ کوئی کہے "برف ٹھنڈی اور آگ گرم ہے" اور "سورج چراغ سے زیادہ روشن ہے"۔ "آسمان گھر کی چھت سے بہت بلند ہے"۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تمجید و تعظیم نہیں، بلکہ یہ بڑا گھٹیا کلام ہے۔ اس پر کلامِ مجید کو محمول کرنا کیسے لائق ہو سکتا ہے؟ کلامِ مجید تو ایسا معجزہ ہے کہ جن و انس سب مل کر اور ایک دوسرے کے تعاون سے بھی ایسا کلام تیار نہیں کر سکتے بلکہ اس تاویل میں اللہ تعالیٰ کی تنقیص ہے مشہور کہاوت ہے ؎

الم تر انّ السّیف ینقص قدرہ اذا قیل انّ السّیف خیر من العصا

"یہ کہنا کہ "تلوار لاٹھی سے بہتر ہے" تلوار کی قدر کو گھٹا دیتا ہے۔"

ہاں جب موقعہ و محل کا تقاضا ہو کہ کسی باطل پرست پر دلیل قائم کرنی ہو تو اس صورت میں اعتراض اور طعن کی گنجائش نہیں جس طرح حضرت یوسف صدیق علیہ السلام نے فرمایا تھا:

"ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ"۔ (یوسف: ۳۹) "کیا بہت سے رب بہتر ہیں، یا ایک زبردست اللہ"۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ"۔ (النمل: ۵۹) "کیا اللہ بہتر ہے، یا وہ جس کو تم شریک بناتے ہو؟"

"وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى"۔ (طٰہٰ: ۷۳) "اور اللہ تعالیٰ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔"

——— ہاں اللہ تعالیٰ کے لیے فضیلت میں، فوقیت کا معنیٰ سلف سے ثابت ہے اور وہ فوقیتِ مطلقہ میں متحقق ہے اسی طرح وہ فوقیتِ قہر و غلبہ، فوقیتِ ذات کی طرح ثابت کرتے ہیں۔ اور ان سب باتوں پر ایسے طریقے سے ایمان رکھتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ذاتی جلال اور صفاتی کمال کے لائق ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اس سے منزہ یقین کرتے ہیں جس کا اس پر لازم آنا محال ہے۔ وہ ایسے نہیں ہیں کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض سے کفر کریں۔ وہ شرعی الفاظ سے بھی نفیاً اور اثباتاً روگردانی نہیں کرتے تاکہ اس سے فاسد معنیٰ کا اثبات اور صحیح معنیٰ کا انکار لازم نہ آئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے

"فوقیت" کو ثابت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لیے اس کو ثابت فرمایا ہے۔

لفظِ "جہت"

کبھی اس سے وہ مراد ہوتا ہے جو موجود ہو اور کبھی جو معدوم ہو۔ معلوم ہے کہ خالق اور مخلوق کے سوا کوئی موجود نہیں۔ جب جہت سے مراد اللہ تعالیٰ کے سوا امرِ موجود ہو تو وہ مخلوق ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی چیز حصر نہیں کر سکتی اور نہ ہی مخلوقات میں سے کوئی چیز اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔ وہ اس سے بہت بلند ہے۔ اگر جہت سے مراد امرِ عدمی ہو اور وہ وہ ہے جو عالم سے اوپر ہے تو وہاں صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ ہی مراد ہوگا۔ جب اس اعتبار سے کہا جائے کہ "اللہ تعالیٰ جہت میں ہے" تو وہ سلف کے نزدیک صحیح ہے۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جہاں مخلوقات ختم ہو جاتی ہے وہ اس عالم سے اُوپر ہے اور جو لوگ "جہت" کے لفظ کی نفی کرتے ہیں ان کی مراد "علو" کی نفی ہوتی ہے وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ جہات سب کی سب مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ جہات سے پہلے بھی موجود تھا اور جو شخص اس کا قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت میں ہے اس کو لازم آتا ہے کہ وہ دنیا کی ایک چیز کی قدامت کا بھی قائل ہو۔ اللہ جل شانہٗ جہت سے مستغنی تھا پھر وہ اس میں ہو گیا۔ ان الفاظ سے یا اس طرح کے دوسرے الفاظ سے مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی مخلوق چیز میں نہیں ہے چاہے اس کا نام جہت ہو یا کچھ اور۔ وہ کلام حق ہے۔ لیکن جہت امرِ وجودی نہیں بلکہ امرِ اعتباری ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مخلوق کی مشابہت سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ واجب ہے اور متشابہات کے علم کی تفویض اسی کی طرف ہے اور ان پر اسی طرح ایمان لانا چاہیے جیسی کہ وہ ہیں۔ ہاں میرے نزدیک ایسی تاویل میں کوئی حرج نہیں جس کی نظیر کلامِ عرب میں شائع ہو اور وہ ذہن کے قریب ہو۔ اسی بنیاد پر بعض آیات کی تاویل پر سلف و خلف کا اجماع ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی مراد کو خوب جانتا ہے۔ روح المعانی کی عبارت ختم ہوئی۔ اس سے نبہانی کی جان پر بن گئی ہے اور اس کی تاویل کا رد ہو گیا ہے جس کا تعلق شیخ احمد حلبی کلابی سے ہے۔

اس مسئلے کی تفصیل معلوم کرنی ہو تو شیخ الاسلام اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کی کتابوں کا

مطالعہ کیا جائے۔ انہوں نے ان مسائل میں بہترین کتب تصنیف کی ہیں۔ انہی میں سے متاعِ گم کردہ کی بازیابی ہوتی ہے۔ شیخ حافظ ابوبکر نے جو ابنِ قیم رحمہ اللہ کے نام سے معروف ہیں، ان مطالبِ عالیہ میں اپنی ایک کتاب "غزو الجیوش الاسلامیہ فی الرد علی الجھمیہ" اور دوسری کتاب "الصواعق المرسلہ علی الدھریۃ والمعطلہ"، تصنیف کی ہے۔ ان کتابوں میں انہوں نے علم کے خزانے لٹا کر جود وسخا کے سمندر بہا دیئے ہیں اور حسبِ شان، مسائل کو پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ طیّب اللہ تعالیٰ ثراھم!

حافظ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے "غزو الجیوش الاسلامیہ" میں مسئلہ علو پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ پہلے انہوں نے کتاب و سنّت کی نصوص ذکر کر کے ان کے معانی علی الوجہ الاتم بیان فرمائے ہیں، پھر ایک فصل میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ وغیرہ سے اس مسئلہ میں جو کچھ محفوظ تھا، بیان کیا ہے۔ اس پوری بحث کی تو یہاں گنجائش نہیں، ہم صرف ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے اقوال کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ارشادات

امام بیہقی نے فرمایا کہ ہمیں ابوبکر بن حارث فقیہ نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں ابوحیان نے حدیث بیان کی کہ احمد بن جعفر بن نصر نے کہا، ہمیں حدیث بیان کی یحییٰ بن یعلیٰ نے انہوں نے کہا، میں نے نعیم بن حماد سے سُنا۔ وہ کہتے تھے، میں نے ابوعصمہ نوح ابنِ ابی مریم سے سُنا۔ وہ کہتے ہیں، ہم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے اور اس وقت آپ کا ابھی نیا نیا شہرہ تھا۔ ان کے پاس ترمذ سے ایک عورت آئی، جس کی "جہم" کے ساتھ مجلسیں رہی تھیں جب وہ کوفے پہنچی، اس کو بتایا گیا، یہاں ایک شخص ہے جو معقول میں نظر و فکر رکھتا ہے، ان کو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، تم اس کے پاس جاؤ۔ وہ آپ رحمہ اللہ کے پاس آئی اور کہا، آپ لوگوں کو مسائل سکھاتے ہیں؟ اور اپنا دین ترک کر بیٹھے ہیں۔ تمہارا معبود کہاں ہے، جس کی عبادت کرتے ہو؟ آپ رحمہ اللہ خاموش رہے۔ سات دن تک آپ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر جب آپ ہمارے پاس تشریف لائے تو اس وقت آپ نے ایک کتاب تصنیف کر دی تھی۔ "اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے نہ کہ زمین میں"۔ ایک شخص نے اعتراض کیا کہ قرآن مجید میں ہے "هُوَ مَعَكُمْ"۔ فرمایا، اس کی معیت اسی طرح ہے جس

طرح تم کسی کو خط لکھتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں - حالانکہ تم اس کے پاس نہیں ہوتے"۔ امام بیہقیؒ نے فرمایا" امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے درست فرمایا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے زمین پر ہونے اور آیت کی جو تاویل کی جاتی ہے اس کی نفی کر دی اور "فی السماء" میں مطلق سمع کی راہ اختیار کی"۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "فقہ اکبر اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشہور کتاب ہے۔ اس میں ابو مطیع بلخی، حکم بن عبداللہ کی یہ روایت ہے۔ اس نے کہا میں نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ اکبر کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ کسی کی گناہ کی وجہ سے تکفیر مت کرو اور کسی کے ایمان کی نفی نہ کرو۔ نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور یقین کرو کہ جو تمہیں نقصان پہنچا ہے وہ خطا نہیں کر سکتا تھا اور جو تجھے نہیں پہنچا وہ تجھے پہنچ نہیں سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے کسی سے بیزاری ظاہر نہ کرو اور بعض کو چھوڑ کر بعض سے محبت نہ کرو۔ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو"۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "دین میں فقہ اکبر کو حاصل کرنا علم کی فقہ سے بہتر ہے۔ اگر ایک شخص یہ سیکھ لے کہ وہ کس طرح اپنے رب عزوجل کی عبادت کرے تو یہ بہت سا علم جمع کرنے سے بہتر ہے"۔

ابو مطیع نے کہا میں نے پوچھا" افضل فقہ کون سی ہے"؟ فرمایا" افضل فقہ یہ ہے کہ انسان ایمان، شرائع، سنن، حدود اور اختلاف ائمہ سیکھ لے"۔ آپؒ نے ایمان سے تعلق رکھنے والے مسائل، پھر "قدر" کے مسائل کا ذکر فرمایا۔ میں نے پوچھا "اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے، جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرے اور ایک جماعت اس کی ہمنوا ہو جائے اور اس کو ماننے لگے تو وہ جماعت سے خارج ہو جائے۔ کیا آپ اس کو درست سمجھتے ہیں"؟ فرمایا "نہیں"۔ میں نے کہا، "کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے تو "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا حکم دیا ہے وہ فریضہ واجبہ ہے"۔ فرمایا، "یہ ٹھیک ہے لیکن وہ اصلاح کی نسبت زیادہ خون بہا کر اور حرام کو حلال کر کے فساد زیادہ پھیلاتے ہیں"۔ پھر خوارج اور باغیوں کے قتال پر کلام فرمایا۔ آگے فرمایا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس شخص نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے یا زمین میں؟ اس نے کفر کیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى"۔ اور اس کا عرش سات آسمانوں سے اوپر ہے"۔ میں

نے پوچھا "اگر وہ یوں کہے کہ وہ عرش پر ہے لیکن مجھے معلوم نہیں کہ اس کا عرش آسمانوں پر ہے یا زمین پر ؟" فرمایا "وہ کافر ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے آسمان پر ہونے کا انکار کیا ہے — اللہ تعالیٰ تو اعلیٰ علیین میں ہے ۔ وہ اُوپر سے پکارا جاتا ہے ، نیچے سے نہیں ۔"

آپ کے بعد آپ کے شاگردوں امام ابو یوسف اور ہشام بن عبد اللہ رازی رحمہما اللہ کا یہی مسلک تھا جس طرح کہ ابنِ ابی حاتم اور شیخ الاسلام رحمہما اللہ دونوں نے اپنی اسانید کے ساتھ روایت کی ہے کہ امام محمد بن حسن کے شاگرد ہشام بن عبد اللہ رازی "رے" میں قاضی تھے ۔ انہوں نے ایک شخص کو جہمیت اختیار کرنے کے جرم میں قید کر دیا ۔ اس نے توبہ کر لی ۔ اس کو ہشام کی عدالت میں تحقیق کے لیے پیش کیا گیا ۔ اس نے کہا "الحمد للہ میں نے توبہ کر لی ہے"۔ ہشام نے اس کا امتحان لیا اور فرمایا کہو کہ :

"اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى عَرْشِهٖ بَائِنٌ مِّنْ خَلْقِهٖ" فَقَالَ :
"گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے"۔

"اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى عَرْشِهٖ وَلَا اَدْرِىْ مَا بَائِنٌ مِّنْ خَلْقِهٖ"
اس نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے لیکن مجھے مخلوق سے اس کی جدائی کا علم نہیں"۔

انہوں نے کہا "اس کو جیل میں واپس لے جاؤ ۔ اس نے صحیح توبہ نہیں کی"۔ امام طحاویؒ کا قول اہلِ حدیث کے اقوال کے ساتھ بیان ہوگا ۔

امام دار الہجرت امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

ابو عمر بن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "التمہید" میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا : "اللہ تعالیٰ آسمان سے اُوپر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے اس سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے"۔ انہوں نے کہا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا "الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" سے کیا مراد ہے ؟ وہ کیسے مستوی ہوا ؟" انہوں نے فرمایا "اس کا استوا سمجھ میں آتا ہے ۔ اس کی کیفیت مجہول ہے ۔ تیرا یہ سوال بدعت ہے ۔ میرا خیال ہے کہ تو بُرا آدمی ہے"۔

"اصحابِ امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک"

یحییٰ بن ابراہیم طلیطلی نے اپنی مایہ ناز کتاب "سیر الفقہاء" میں اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے، اصحابِ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات ناپسند تھی کہ کوئی کہے: "اے زمانے کی ناکامی! وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔ ان کے نزدیک یہ بات بھی ناپسندیدہ تھی کہ کوئی یوں کہے" میں ذلیل ہوں کیونکہ ذلیل تو کافر ہوتا ہے۔ یہ بات بھی ان کے نزدیک مکروہ تھی کہ یوں کہا جائے کہ "اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے" حضرت اصبغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، وہ تو اپنے عرش پر مستوی ہے۔ ہر جگہ اس کا علم اور اس کا احاطہ ہے۔ یہ حضرت اصبغ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں بڑے جلیل القدر اور بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں۔

"ابو عمر طلمنکی کا قول"

انہوں نے اپنی کتاب "الاصول" میں فرمایا ہے کہ "اہلِ سنّت مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ بذاتہٖ اپنے عرش پر مستوی ہے"۔ اسی کتاب میں ایک مقام پر فرمایا کہ "اہلِ سنّت مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً اپنے عرش پر مستوی ہے مجازاً نہیں"۔ پھر اپنی سند کے ساتھ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ پر ہے"۔ پھر اسی کتاب میں فرمایا کہ "اہلِ سنّت مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ" کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا علم تمہارے ساتھ ہر جگہ ہے اور اللہ تعالیٰ بذاتہٖ آسمانوں سے اُوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔ اس کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں، صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا علم ہے"۔

امام حافظ ابو عمر بن عبد البر کا مسلک

اپنے زمانے کے امام السنّت حافظ ابنِ عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "التمہید" میں ابنِ شہاب کی آٹھویں حدیث، جو انہوں نے ابوسلمہ سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے

نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"يَنْزِلُ رَبُّنَا كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ فَيَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ"

"ہمارا رب ہر رات میں، جب کہ ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے آسمانِ دُنیا پر نزول فرماتا ہے۔ اور فرماتا ہے "کون ہے ؟ جو مجھے پکارے، میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے ؟ جو مجھ سے سوال کرے میں اس کو دوں۔ کون ہے ؟ جو مجھ سے استغفار کرے میں اس کو بخش دُوں"۔

محدثین اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں، یہ حدیث نقل کے لحاظ سے ثابت اور صحیح الاسناد ہے۔ ماہرینِ علمِ حدیث کو اس کی صحت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر ہے جیسا کہ جماعت نے کہا۔ معتزلہ اور جہمیہ (جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے عرش پر نہیں) کے خلاف یہ ان کی دلیل ہے۔ اہلِ حق کے اس قول کی صحت کے قرآنِ مجید سے دلائل یہ ہیں :

"الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ"[1] — "رحمٰن نے عرش پر قرار پکڑا"۔

"ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ مَا لَكُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ ۚ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ"[2] — "پھر وہ عرش پر مستوی ہوا تمہارے لیے اس کے سوا کوئی دوست نہیں اور نہ کوئی سفارشی ہے۔ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے ؟"

"ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ" الآیۃ[3] — "پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں تھا"۔

"إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا"[4] — "تب وہ ضرور مالکِ عرش کی طرف (لڑنے بھڑنے کے لیے) راستہ تلاش کرتے"۔

"إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ — "اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک

---

۱ طٰہٰ : ۵ ۲ السجدۃ : ۴ ۳ فصلت : ۱۱ ۴ الاسراء : ۴۲

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۔ الآیۃ[۱] — عمل ان کو بلند کرتے ہیں۔"

"فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۔ الآیۃ[۲] — "جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی، تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔"

"ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ ۔ الآیۃ[۳] — "کیا تم اس ذات سے جو آسمان میں ہے، بے خوف ہو کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے۔"

"سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى"[۴] — "اپنے سب سے بلند رب کے نام کی تسبیح بیان کرو۔" (یہاں اعلیٰ عُلو سے ہے)

(وَهٰذَا مِنَ الْعُلُوِّ)

"اَلْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ"[۵] — "وہ بہت بلند اور عظمت والا ہے۔"

"اَلْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ"[۶] — "وہ سب سے بڑا اور سب سے بلند ہے۔"

"رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۔ الآیۃ[۷] — "وہ اونچے درجوں والا عرش کا مالک ہے۔"

"يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ۔ الآیۃ[۸] — "وہ اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے، ڈرتے ہیں۔"

جبکہ جہمی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیچے ہے۔

"يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ ۔ الآیۃ[۹] — "اے عیسیٰ علیہ السلام میں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔"

"بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۔ الآیۃ[۱۰] — "بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اُٹھا لیا۔"

"فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ ۔ الآیۃ[۱۱] — "جو تیرے رب کے پاس ہیں، وہ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔"

"يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى — "وہی آسمان سے زمین تک ہر کام کا انتظام کرتا

---

۱ فاطر:۱۰ ۲ الاعراف:۱۴۳ ۳ الملک:۱۶ ۴ الاعلیٰ:۱ ۵ البقرۃ:۲۵۵ ۶ الرعد:۹
۷ غافر:۱۵ ۸ النحل:۵۰ ۹ آل عمران:۵۵ ۱۰ النسآء:۱۵۸ ۱۱ فصلت:۳۸

الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ" (السجدة: ۵) ہے پھر وہ اس کی طرف چڑھتا ہے۔"

"لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ۔ الآیۃ"[1] "اللہ تعالیٰ جو بلندیوں والا ہے، سے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اس کی طرف فرشتے اور جبریل علیہ السلام چڑھتے ہیں۔"

اس آیت میں "عروج" سے مراد اوپر کو چڑھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ" میں "فِي السَّمَآءِ" کا معنیٰ "علی العرش" ہے۔ کبھی "فی" بمعنیٰ "علیٰ" بھی آتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ" یعنی "عَلَى الْاَرْضِ" اور فرمایا "وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ" یہاں بھی "فی" بمعنیٰ "علیٰ" ہے۔ ان سب سے "فی السماء" میں "فی" بمعنیٰ "علیٰ" کی تائید ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ" یہ اور اس طرح کی دوسری آیات، جو ہم نے پیش کی ہیں، سب کی سب معتزلہ کے مسلک کا ابطال کرتی ہیں۔

رہا ان کا یہ دعویٰ کہ "استواء" میں مجازی معنیٰ مراد ہے، اور "استولی" کی تاویل "استولیٰ" ہے، تو اس کا کوئی جواز نہیں ہے کیونکہ لغت میں یہ معنیٰ واضح نہیں ہے اور "استیلاء" کا لغت میں معنیٰ "مغالبہ" ہے۔ یعنی ایک دوسرے پر غلبہ پانے کی کوشش کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی مغالبہ نہیں کر سکتا۔ وہ واحد اور صمد ہے۔ کلام کا حق یہ ہے کہ اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے، یہاں تک کہ امت مجازی معنیٰ لینے پر متفق ہو جائے۔ ہمارے رب نے ہماری طرف جو کچھ نازل فرمایا ہے، اس کی اتباع کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام سے اظہر و اشعر صورت ہی مراد لینی چاہیئے، جب تک واجب التسلیم ذریعے سے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔

اگر ہر بدعتی کو مجاز کی اجازت دے دی جائے، تو وہ عبادات کا حلیہ بگاڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بالاتر ہے کہ اہلِ عرب سے خطاب کرے، مگر ایسے طریقے سے، جس کو وہ عام بولتے اور سمجھتے ہوں اور ان کے معانی سامعین کے نزدیک صحیح ہوں۔

"استواء" معلوم ہے اور لغت میں اس کا ایک مفہوم ہے اور وہ "علو" اور کسی چیز سے بلند ہونا،

---

[1] المعارج: ۲-۴

اور اس میں استقرار اور ٹھہرنا ہے۔ ابوعبیدہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" کا معنیٰ کیا ہے "علا" اور مثال دی ہے کہ عرب کہتے ہیں "اِسْتَوَيْتُ فَوْقَ الدَّابَّةِ وَاسْتَوَيْتُ فَوْقَ الْبَيْتِ" یعنی "میں سواری پر بیٹھا اور گھر کے اوپر چڑھا اور بلند ہوا"۔ ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا:

"اِسْتَوٰى یعنی اِسْتَقَرَّ" (قرار پکڑا) اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے:

"وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى"[1] "جب وہ جوانی کو پہنچ گئے اور ٹھہر گئے"۔

یعنی ان کی جوانی مکمل ہوگئی اور ٹھہر گئی۔ یعنی جوان ہونے میں کوئی کسر نہ رہی۔ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "الاستواء" سے مراد "استقرار فی العلو" یعنی بلندی میں ٹھہرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اسی معنیٰ میں اس لفظ کو استعمال فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

"لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ"[2] الآیۃ "تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر چڑھ بیٹھو پھر جب اس پر بیٹھ جاؤ، تو اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو"۔

"وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ"[3] الآیۃ "وہ جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی"۔

"فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ"[4] الآیۃ "جب تو اور جو تیرے ساتھ ہیں کشتی پر چڑھ کر بیٹھ جاؤ"۔

شاعر نے کہا ہے ؎

فاوردتهم ماء بفيفاء قفرة — وقد حلق النجم اليماني فاستوى

"میں نے ان کو بے آب و گیاہ بیابان میں پانی پیش کیا جب کہ یمانی ستارہ گھوم کر ٹھہر گیا تھا"۔

یہاں کوئی شخص "استوٰی" کا معنیٰ "استولیٰ" نہیں کرسکتا کیونکہ ستارہ کا "استیلاء" سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نضر بن شمیل، جو بڑے قابل اعتماد، امانت دار، دین اور لغت میں بہت بلند مرتبے پر فائز تھے، کہتے ہیں کہ "مجھے خلیل نے بتایا اور خلیل کا نام ہی سند ہے کہ میں ابوربیعہ اعرابی کے پاس گیا جس کو میں بہت بڑا عالم سمجھتا تھا۔ وہ اس وقت چھت پر تشریف فرما تھے۔ ہم نے سلام کہا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا "استووا"۔ ہم حیران ہوئے کہ کیا فرمایا ہے؟ ان کے پاس ایک اور اعرابی بیٹھا تھا۔

---

[1] القصص: ۱۴ [2] الزخرف: ۱۳ [3] ھود: ۴۴ [4] المؤمنون: ۲۸

اس نے کہا کہ فرماتے ہیں "استووا" یعنی "چھت پر چڑھ آؤ" خلیل نے کہا انہوں نے یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے لیا ہے: "ثُمَّ اسْتَوٰٓى إِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ" (حٰمٓ السجدۃ: ۱۱)
تو ہم چڑھ کر ان کے پاس پہنچ گئے۔

اعتراض

نضر بن شمیل فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اس کے مقابلے میں عبداللہ بن داؤد واسطی کی حدیث پیش کرے جو انہوں نے ابراہیم بن عبدالصمد سے، انہوں نے عبدالوہاب ابنِ مجاہد سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" میں "استویٰ" کا معنیٰ " استولٰی علی جمیع بریتہ فلا یخلو منہ مکان" یعنی "وہ اپنی سب مخلوق پر غالب و قادر ہے، اس سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے" ــــ تو؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اس حدیث کی نسبت منکر ہے۔ اس کے نقل کنندگان اور راوی مجہول اور ضعیف ہیں۔ عبداللہ بن داؤد واسطی اور عبدالوہاب ابنِ مجاہد دونوں ہی ضعیف ہیں، اور ابراہیم بن عبدالصمد مجہول ہے۔ جب صاحبِ عدل راویوں کی اخبار احاد کو قبول نہیں کیا جاتا تو پھر اس ضعیف روایت کی حیثیت ہی کیا ہے؟ عقل و انصاف کے ہوتے ہوئے اس سے استدلال کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ کیا انہوں نے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کو فرماتے نہیں سُنا:

"وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّيٓ أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۝ أَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَأَطَّلِعَ إِلٰىٓ إِلٰهِ مُوسٰى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا۔ الآیۃ[1]!

"اور فرعون نے کہا "اے ہامان! میرے لیے ایک محل بناؤ تاکہ میں اس پر چڑھ کر راستوں پر پہنچ جاؤں آسمانوں کے راستوں پر پھر میں موسےٰ علیہ السلام کے الٰہ کو دیکھ لوں، اور مجھے تو وہ جھوٹا لگتا ہے" جو کہتا ہے کہ وہ آسمانوں کے اوپر ہے)!

---

[1] غافر: ۳۶-۳۷

شاعر کہتا ہے ؎

فسبحان من لا یقدر الخلق قدرہ — ومن ھو فوق العرش فرد موحد

ملیک علی عرش السماء مھیمن — لعزتہ تعنو الوجوہ و تسجد

"وہ پاک ذات جس کی مخلوق قدر نہیں کرتی جیسی کہ چاہیے تھی اور جو عرش کے اوپر ہے وہ یکتا اور واحد ہے۔ وہ آسمان کے عرش پر بادشاہ اور نگہبان ہے۔ اس کی عزت اور غلبے کی وجہ سے لوگ مُنہ نیچے کرتے اور سجدے کرتے ہیں"

یہ شعر امیہ بن ابی الصلت کا ہے وہ اس میں فرشتوں کا وصف بیان کرتا ہے ؎

وساجدھم لا یرفع الدھر راسہ — یعظم ربا فوقہ و یمجد

"ان میں سے جو سجدہ میں ہے وہ قیامت تک سر نہیں اُٹھائے گا وہ اپنے رب کی جو اس کے اوپر ہے تعظیم کرتا ہے اور بزرگی بیان کرتا ہے"

اعتراض

پھر کہا اگر یہ دلیل پیش کریں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ[1] الآیۃ" "وہ ایسی ذات ہے جو آسمانوں میں بھی الٰہ ہے اور زمین میں بھی الٰہ ہے"

"وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ[2] الآیۃ" "وہ اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں"

"مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ[3] الآیۃ" "نہیں ہوتی تین کی سرگوشی مگر وہ چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کی مگر وہ چھٹا ہوتا ہے"

چنانچہ انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنفسہ وبذاتہ ہر جگہ موجود ہے۔

جواب

———— تو کہا جائے گا:

---

[1] الزخرف: ۸۴ [2] الانعام: ۳ [3] المجادلۃ: ۷

ہمارے اور باقی امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ وہ بذاتہٖ آسمان کے بغیر زمین میں نہیں ہے۔ لہٰذا ان آیات کو صحیح اور مجمع علیہ معنیٰ پر محمول کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ آسمان میں آسمان والوں کے لیے الٰہ (معبود) اور زمین میں اہلِ زمین کے لیے الٰہ (معبود) ہے۔ اہلِ علم نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ قرآنِ مجید صاف گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔ لہٰذا اختلاف کی کوئی حقیقت نہ رہی۔ سب سے زیادہ خوش قسمت اور سعادت مند وہ شخص ہے جس کو قرآن کا ظاہر قوت دیتا اور مضبوط کرتا ہے اور دوسری جگہ جو ہے کہ "وَفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ" اجماع اور اتفاق نے مسئلہ حل کر دیا ہے کہ وہ اہلِ ارض و سماء سب کا معبود ہے۔ اس قطعی بات کو خوب ذہن نشین کر لیجیے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتوں آسمانوں سے اُوپر عرش پر ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ عرب و عجم کے موحدین کو جب کوئی پریشانی اور گھبراہٹ یا مصیبت اور سختی آتی ہے تو وہ اپنے چہرے آسمان کی طرف اور اپنے ہاتھ اس کی طرف پھیلاتے ہیں۔ اس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب تبارک و تعالیٰ کے دربار میں فریاد پیش کر رہے ہیں۔ یہ صورت تو عام و خاص سب میں مشہور و معروف ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے کسی حکایت کی ضرورت نہیں کیونکہ انسان لاچار ہو کر آپ سے آپ ہی فطری طور پر ایسا کرتا ہے۔ کوئی اس کو تعلیم نہیں دیتا اور نہ کوئی مسلمان اس کا انکار ہی کرتا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے اس لونڈی سے جس کو اس کا مالک اگر وہ مومنہ ہو تو آزاد کرنا چاہتا تھا، پوچھا تھا کہ:

"أَيْنَ اللّٰهُ؟ فَأَشَارَتْ إِلَى السَّمَاءِ، ثُمَّ قَالَ لَهَا: مَنْ أَنَا؟ قَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ، قَالَ: أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ"

"اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟" اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، پھر آپ ﷺ نے پوچھا، "میں کون ہوں؟" اس نے جواب دیا: "آپ رسول اللہ ﷺ ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا "اس کو آزاد کر دو، یہ مومنہ ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے اس کے آسمان کی طرف اشارے کو کافی سمجھا اور باقی کی ضرورت

نہ سمجھی۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد "مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ" کے ظاہر میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے اس لیے کہ علماء صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ سے قرآن مجید کی تفسیر لی جاتی ہے۔ انہوں نے اس آیت "مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ۔ الآیۃ" کی تفسیر میں فرمایا ہے:

"هُوَ عَلَى الْعَرْشِ وَعِلْمُهُ فِي كُلِّ مَكَانٍ" "وہ خود عرش پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے"۔

کسی قابل شخص نے جس کی بات سے دلیل لی جاتی ہو ان کا خلاف نہیں کیا۔ سنید نے مقاتل بن حیان سے، انہوں نے ضحاک بن مزاحم سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ ۔ الآیۃ" کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ "وہ عرش پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ پر ہے" اور انہوں نے کہا مجھے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح بات پہنچی ہے۔ سنید نے اپنی سند حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما تک پہنچائی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا "اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔ تمہارے اعمال میں سے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے"۔ پھر زید بن ہارون عن ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے:

"مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ وَمَا بَيْنَ كُلِّ سَمَاءٍ إِلَى الْأُخْرَى مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ وَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ إِلَى الْكُرْسِيِّ مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ وَمَا بَيْنَ الْكُرْسِيِّ إِلَى الْمَاءِ مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ وَالْعَرْشُ عَلَى الْمَاءِ وَاللهُ عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ"

"آسمان سے زمین تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ساتویں آسمان سے پھر کرسی تک پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ کرسی اور پانی تک پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ عرش پانی پر ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر ہے وہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے"۔

یا اس کے قریب قریب روایت "استذکار" میں بھی مذکور ہے۔

امام مالک صغیرؒ کا مسلک

ابو محمد عبد اللہ بن ابی زید قیروانی نے اپنے مشہور رسالے کے خطبے میں فرمایا:

"باب ما تنطق به الالسنة و تعتقده الافئدة من واجب امور الديانات: من ذلك الايمان بالقلب والنطق باللسان: انّ الله اله واحد لا اله غيره، ولا شبيه له، ولا نظير له، ولا ولد له، ولا والد له، ولا صاحبة له، ولا شريك له، ليس لاوليته ابتداء، ولا لآخريته انقضاء، ولا يبلغ كنه صفته الواصفون، ولا يحيط بامره المتفكّرون، يعتبر المتفكّرون بآياته و لا يتفكّرون في ماهية ذاته: وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝ وهو العليم الخبير، المدبّر القدير السّميع البصير، العلي الكبير، وانّه فوق عرشه المجيد بذاته، وهو بكلّ مكان بعلمه"

"دین کے ان واجب امور کا باب، جن کو زبانیں ادا کرتی ہیں، اور دل اُن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے دل میں ایمان اور زبان سے ان کو ادا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تنہا معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ کوئی اس کا شبیہ ہے نہ نظیر اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے، نہ باپ۔ اور نہ اس کی بیوی ہے، نہ اس کا کوئی شریک۔ اس کی اولیت کی ابتدا نہیں اور اس کی آخریت کی انتہا نہیں۔ اس کی صفت کی حقیقت کو صفت بیان کرنے والے نہیں پہنچ سکتے، نہ اس کے حکم کا متفکرین احاطہ کر سکتے ہیں۔ مفکرین اس کی آیات سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور وہ اس کی ذات کی ماہیت میں تفکر نہیں کرتے وہ اس کے علم سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر وسیع ہے اور ان کی حفاظت اسے نہیں تھکا سکتی تو وہ بہت بلند اور عظمت والا ہے۔ وہ علیم و خبیر ہے۔ مدبّر و قدیر ہے۔ سمیع و بصیر ہے۔ علیّ و کبیر ہے۔ وہ بذاتہ اپنے عرش کے اُوپر ہے اور اپنے علم کے ساتھ وہ ہر جگہ ہے۔"

اسی طرح انہوں نے اپنی نوادر وغیرہ کتب میں ذکر کیا ہے۔

انہوں نے سُنّت کے بارے میں اپنی مستقل کتاب میں "علو" اور رب تعالےٰ کے عرش

پر بذاتہٖ استوار پر بہترین تقریر کی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"دینی امور کے سُنن میں سے جس پر اُمّت کا اجماع ہے اور اس کا خلاف بدعت و ضلالت ہے، یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسمارِ حسنےٰ اور اعلیٰ صفات میں وہ ہمیشہ سے اپنی صفات کے ساتھ رہا ہے۔ وہ سبحانہٗ علم و قدرت اور مشیئت کے ساتھ موصوف ہے کائنات اپنے وجود سے قبل ہی اس کے احاطۂ علم میں تھی۔ اس نے اشیار کو اپنے ارادے سے پیدا کیا۔ اس کا ارشاد ہے:

"اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَـيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ"[1] "اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو فرما دیتا ہے "ہوجا" تو وہ ہوجاتی ہے"۔

اس کا کلام اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ وہ مخلوق نہیں کہ فنا ہوجائے۔ وہ مخلوق کی صفت بھی نہیں جو فنا ہوجائے۔ اللہ عزوجل نے بذاتہٖ موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور ان کو اپنا کلام سنایا جو غیر میں قائم نہیں اور وہ سُنتا اور دیکھتا ہے۔ وہ تنگ اور فراخ کرتا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ زمین سب کی سب قیامت کے دن اس کے قبضے میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ پر لپیٹے ہوں گے۔ یہاں ہاتھ سے مراد نعمت نہیں، جیسا کہ ارشادِ ربانی "مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ" میں "ہاتھ" سے مراد "نعمت" نہیں اور اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تشریف لائے گا اور فرشتے قطار در قطار ہوں گے تاکہ امتیں پیش ہوں اور ان سے حساب لیا جائے اور ان کو ثواب و عقاب دیا جائے۔ وہ جس کو چاہے بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا۔ وہ راضی ہوتا ہے اور توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور کفر کرنے والوں پر ناراض ہوتا ہے۔ وہ غضب ناک ہوتا ہے۔ اس کے غضب کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ اور وہ آسمانوں سے اُوپر اپنے عرش پر ہے نہ کہ زمین پر، اور وہ علم کے ساتھ ہر جگہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی کرسی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: "وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ۔ الآیۃ"

---

[1] یٰسٓ : ۸۲

اور جیسا کہ احادیث میں ہے کہ:

"اِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ یَضَعُ کُرْسِیَّہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِفَصْلِ الْقَضَاءِ" "اللہ تعالیٰ فیصلے کرنے کے لیے قیامت کے دن کرسی رکھے گا۔"

مجاہد فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ کرسی کے مقابلے میں آسمان اور زمین کھلے جنگل میں پڑے ہوئے چھلے کی مانند ہیں۔ اور عالمِ آخرت میں اولیاء اللہ اللہ تعالیٰ کی بچشم زیارت کریں گے اور انہیں اس میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ حمید میں فرمایا "وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ"[1] (بہت سے چہرے اس دن بارونق ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھیں گے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ"[2] (ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نیکی کی بھلائی ہے اور اس پر زیادہ بھی) کی تفسیر میں فرمایا، زیادہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرۂ مبارک کی زیارت ہے۔ اور وہ قیامت کے دن اپنے بندوں سے بغیر کسی ترجمان اور واسطے کے گفتگو فرمائے گا۔ دوزخ اور جنت دو گھر ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں۔ جنت مومنوں اور متقیوں کے لیے بنائی گئی ہے۔ دوزخ کافروں اور منکروں کے لیے بنائی گئی ہے۔ دوزخ اور جنت ہمیشہ رہیں گی کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں اور کاموں کی تقدیریں پہلے سے بنا رکھی ہیں۔

ہر چیز اس کے علم اور شمار میں ہے۔ سب امور کی تقدیریں اس کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کے فیصلے سے وہ صادر ہوتی ہیں۔ جو شخص اطاعت کرے اس کو وہ توفیق دیتا ہے اور ایمان کی محبت اور خوبصورتی اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ وہ ایمان سے خوش ہوتا ہے اور مومن کو اللہ تعالیٰ شرح صدر عطا فرماتا ہے اور اس کے قلب کو منور کر کے ہدایت بخشتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جو اس کی نافرمانی کرے اس کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور جو اس کے ساتھ کفر کرے اس کو اس کی حالت پر چھوڑ کر محجوب و گمراہ بنا دیتا ہے اور

---

[1] القیامۃ: ۲۲، ۲۳ [2] یونس: ۲٦

جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ یاب کرنے والا نہیں ہے۔ ہر کوئی اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق کے مطابق اپنے خاتمے کو پہنچتا ہے، کسی کی اس میں تخصیص نہیں ہے اور ایمان نام ہے زبان سے اقرار، دل سے اخلاص اور جسم سے اس پر عمل کرنے کا۔ ایمان نیکیوں سے بڑھتا ہے۔ اور نافرمانیوں اور گناہوں کی وجہ سے حقائقِ کمال میں کمی آجاتی ہے۔ ایمان سرے سے ختم نہیں ہوجاتا۔ قول وہی درست اور صحیح ہے جس پر عمل ہو اور قول کا مدار نیت ہے۔ قول و عمل اور نیت وہی صحیح ہے جو سنت کے موافق ہو محض گناہ کی بنا پر کسی اہلِ قبلہ کی تکفیر جائز نہیں چاہے وہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایمان کو شرک کے سوا کوئی برباد کرنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ [1] الاٰیۃ!" — "اگر تو نے شرک کا ارتکاب کیا تو تیرے عمل برباد ہوجائیں گے۔"

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ" [2] الاٰیۃ! — "اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا کہ اس کا کسی کو شریک بنایا جائے اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا۔"

اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اقوال و اعمال کو محفوظ کرنے کے لیے کراماً کاتبین فرشتے مقرر فرمائے ہوئے ہیں۔ ارشاد ہے:

"وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ" [3] — "اور تم پر نگہبان مقرر ہیں باعزت (تمہاری باتوں کو) لکھنے والے۔"

"مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ" [4] — "کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار ہوتا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے روحوں کو قبض کرنے کے لیے موت کا فرشتہ مقرر فرمایا ہوا ہے۔ وہ جب اللہ تعالیٰ چاہے اس کی اجازت سے روح قبض کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

---

[1] الزمر: ۶۵ [2] النسآء: ۴۸ [3] الانفطار: ۱۰، ۱۱ [4] قٓ: ۱۸

"قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ۔۔۔ الآیۃ[1] "کہہ دو موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روحیں قبض کرتا ہے"۔

سب مخلوق اپنے مقررہ وقت پر مرتی ہے ۔ نیک اور سعادت مند لوگوں کی ارواح قیامت تک نعمتوں میں خوش رہیں گی اور گناہگاروں اور بدبختوں کی ارواح قیامت تک سجیّن میں عذاب میں مبتلا رہیں گی اور شہدا اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے۔ قبر کا عذاب حق ہے ۔ مومن اپنی قبروں میں آزمائش سے دوچار ہوتے ہیں ۔ ان سے سوال کیا جاتا ہے اور قبر ان پر تنگ ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ جس کو ثابت قدم رکھنا چاہے اس کو ثابت قدم رہنے کی توفیق دیتا ہے اور یقیناً صور میں پھونکا جائے گا جس سے آسمانوں اور زمین کی سب مخلوقات بے ہوش ہو جائیں گی مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچا لے ۔ پھر ایک بار اور صور میں پھونکا جائے گا تب سب لوگ زندہ اور کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے ۔ جس طرح ان کو پہلی بار پیدا فرمایا تھا وہ دوبارہ پیدا ہوں گے ننگے جسم ننگے پاؤں اور بلا ختنہ ۔ اور جو جسم دنیا میں اطاعت یا معصیت کے مرتکب ہوتے ہیں قیامت کے دن ان کو جزا و سزا کے لیے اٹھایا جائے گا ۔ دنیا میں انسان کے اپنے جسم کے اعضاء مثلاً زبان ہاتھ، پاؤں اور چمڑے قیامت کے روز خود اس کے خلاف گواہی دیں گے اور وزنِ اعمال کے لیے ترازو لگائے جائیں گے ۔ جس کی نیکیوں کے وزن بھاری ہوں گے وہ کامیاب و کامران ہوگا اور جس کی نیکیوں کے وزن ہلکے ہوں گے وہ نامراد و ناکام ہوگا ۔ لوگوں کو ان کے نامۂ اعمال دیئے جائیں گے ۔ جس شخص کو دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال ملا اس سے آسان سا حساب لیا جائے گا اور جس شخص کو بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال ملے گا وہ موت کو آوازیں دے گا اور بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا اور جہنم پر پل صراط برحق ہے ۔ اس پر سے سب کو گزرنا ہوگا اور جو لوگ جہنم کی آگ سے بچ کر پل صراط سے گزریں گے ان کے گزرنے کی رفتار اُن کے اعمال کے مطابق ہوگی ۔ کچھ لوگ وہ ہوں گے جن کے اعمالِ بد ان کو پل صراط سے جہنم میں گرا دیں گے اور جہنم سے اس شخص کو بھی نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا اور شفاعت کبائر کے مرتکب

---

[1] السجدۃ : ۱۱

مومنوں کے لیے ہوگی۔ آپ ﷺ کی امت میں سے ایک گروہ جہنم میں پڑ کر کوئلہ ہو جائے گا پھر اس کو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے نکال لیا جائے گا۔ نہرِ حیات میں ڈالا جائے گا تو وہ یوں اُگیں گے جس طرح سیلابی کوڑے میں دانہ اُگتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو قیامت کے دن حوض ملے گا۔ آپ ﷺ کی امت اس سے پیئے گی اور جس نے اس سے پیا اس کو پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ دین میں بدعات کے ذریعے تغیر و تبدل کرنے والوں کو اس حوض سے روک دیا جائے گا۔ صحیح روایات کے مطابق نبی کریم ﷺ کی آسمانوں کی معراج پر ایمان لانا بھی اُمورِ دین میں سے ہے۔ اور یہ کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کی بڑی آیات ملاحظہ فرمائی تھیں۔ صحیح روایات کے مطابق دجّال آئے گا اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام حاکم و عادل کی حیثیت میں تشریف لائیں گے اور دجّال کو قتل کریں گے۔ اور ان نشانیوں پر ایمان لانا جو قیامت سے پہلے ظہور پذیر ہوں گی مثلاً مغرب سے سورج کا طلوع ہونا، دابّۃ الارض کا خروج وغیرہ، جو روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآنِ مجید میں جو کچھ ہمارے پاس آیا ہے اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، اس پر ایمان لانا اور محکم پر عمل پیرا ہونا، مشکل اور متشابہ پر ایمان لانا۔ اور جو چیزیں پردۂ غیب میں ہیں، ان کی تفسیر کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کی متشابہات کی تفسیر کو جانتا ہے اور راسخین فی العلم یہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان اور جو اس کی تفسیری حقیقت ہم سے مخفی ہے، اس پر ہمارا ایمان ہے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں، کتاب کے مشکل مقامات کو راسخین فی العلم جانتے ہیں لیکن پہلا قول قرآنِ مجید کے مطابق اہلِ مدینہ کا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق افضل القرون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ ہے، پھر ان کا جو ان کے بعد آئے، پھر ان کا جو ان کے بعد آئے۔ نبی کریم ﷺ کے بعد سب امت سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ یہ بھی کہا گیا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہ دی جائے، بلکہ سکوت اختیار کیا جائے۔ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا، میں نے کسی قابلِ اقتدار بزرگ کو نہیں پایا جو دونوں میں سے ایک

کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہو۔ اس لیے انہوں نے اس سلسلہ میں توقف اختیار فرمایا ہے۔ ان سے قولِ اول بھی مروی ہے۔ وہی اہلِ حدیث کا قول ہے۔ اس کے بعد باقی عشرہ مبشرہ ہیں پھر مہاجرین وانصار میں سے اہلِ بدر ہیں۔ اس کے بعد سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی ہجرت، سبقت فی الاسلام اور فضیلت کے مطابق افضل ہیں۔ اور ہر وہ شخص جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہو چاہے ایک گھڑی سہی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار ہی دیکھا ہو۔ وہ اس بنا پر تابعین سے افضل ہے اور صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بہتر ذکر کیا جائے۔ وہ سب سے زیادہ لائق ہیں کہ ان کے محاسن کی نشر و اشاعت کی جائے۔ ان کے حق میں بہترین باتیں کریں اور ان کے ساتھ بہترین حسنِ ظن رکھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لَا تُؤْذُوْنِیْ فِیْ اَصْحَابِیْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ اَنْفَقَ اَحَدُكُمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ"

"مجھے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے ایذا نہ دو۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک یا آدھ مد کے ثواب کو نہ پا سکے گا"

"وَ اِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِكُوْا"

"جب میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ہو تو ان کے حق میں بُری بات نہ کرو"

اہلِ علم کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر نہایت اچھے اور تعریفی انداز میں کیا جائے اور ائمہ مسلمین رحمہم اللہ کا حکم سُنا اور مانا جائے۔ جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا سربراہ بن گیا ہو چاہے مسلمانوں کی رضا سے بنا ہو یا چاہے زبردستی اور سختی سے برسرِ اقتدار آیا ہو اس کی اطاعت واجب ہے۔ پھر وہ ظالم ہو یا عادل، اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔ اس کے ماتحت، دشمن سے جہاد کیا جائے اور اس کے ساتھ بیت اللہ شریف کا حج کیا جائے۔ اگر وہ زکوٰۃ وغیرہ صدقات کا مطالبہ کریں تو ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ان کی اقتدا میں جمعہ اور عیدین نماز پڑھی جائے۔ بہت سے علماء کا یہی مسلک ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ہم بدعتی حکام کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھیں گے۔ اگر خوف ہو تو ان کی اقتدا کر لی جائے لیکن ایسی

نماز کو دُہرانے میں اختلاف ہے۔ خارجیوں، مسلمان چوروں اور اہلِ ذمہ سے مقابلے کی صُورت پیش آجائے تو اپنے مال اور جان کی حفاظت کے لیے ان سے قتال جائز ہے۔ جس کی سلف صالح نے تاویل کی ہے، ہم بھی اس کی تاویل کریں گے۔ جس پر انہوں نے عمل کیا ہے، ہم بھی اس پر عمل کریں گے۔ اور جس کو انہوں نے ترک کر دیا ہے، ہم بھی اس کو ترک کر دیں گے اور جس سے وہ باز رہے تھے، اس سے ہم بھی باز رہیں اور جس کو انہوں نے بیان کر دیا ہے، اس میں ان کی اتباع کریں۔ ان کے استنباط و اجتہاد میں ان کی اقتدا کریں۔ کسی مسئلے میں یا اس کی تاویل میں اختلاف کی وجہ سے ہم ان کو جماعتوں سے خارج نہ کریں۔ ہم جو کچھ پہلے بیان کر چکے ہیں، یہ فقہ و حدیث کے ائمہ اور اہلِ سنّت کا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ بعض نصاً اور بعض مذہباً ان سے ثابت ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے کچھ طریقے مقرر کیے ہیں، ان کو ماننا در اصل کتاب اللہ کو ماننا اور اس کی طاعت میں کمال حاصل کرنا اور دین میں قوت پا لینا ہے۔ کسی کو ان میں تبدیلی کا اختیار نہیں اور جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفت کی ہے، اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی روا نہیں جو ان سنن کو اختیار کرلے، وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو ان سے مدد چاہے، اس کو مدد مل گئی۔ جس نے ان کو ترک کیا اور "غیر سبیل المؤمنین" پر چل نکلا، اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف دھکیل دیتے ہیں اس کا اصل مقام جہنم ہے، جو بہت بُری جگہ ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عزم نے مجھے حیران کر دیا ہے، وہ سنّت میں کس قدر پُختہ اور کتنے مضبُوط ہیں؟"

"فقہ و سنّت میں مشہور امام ابوبکر محمد بن وہب مالکی، شارح رسالہ ابن ابی زید کا مسلک"

انہوں نے رسالے کی شرح میں فرمایا ہے کہ "فوق" اور "علی" کا معنی سب عربوں کے نزدیک کتاب اللہ اور سنتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک ہی ہے۔ اس کی تصدیق اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد میں ہے:

"ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ[1] الآیۃ" "پھر عرش پر جا ٹھہرا"

---

[1] الفرقان: ۵۹

"اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى"[1] "رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔"

اور فرشتوں کے اوصاف میں ارشاد ہے:

"یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ"[2] "وہ اپنے اوپر اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جو حکم ہو بجالاتے ہیں۔"

"اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ"[3] الآیۃ! "پاکیزہ کلمے اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور عملِ صالح ان کو بلند کرتا ہے۔"

اس مضمون کی اور بہت سی آیات ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایک عجمی لونڈی سے پوچھا تھا:

"اَیْنَ اللّٰهُ؟ فَاَشَارَتْ اِلَى السَّمَاءِ" "اللہ کہاں ہے؟" اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔"

اور خود نبی کریم ﷺ نے اپنا زمین سے آسمان کی طرف اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف عروج کا واقعہ بیان کیا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے سدرۃ المنتہٰی اور اس سے اوپر تک کا حال بیان فرمایا کہ آپ ﷺ نے "صریف الاقلام" (قلم چلنے کی آواز) سنی۔ جب آپ ﷺ پر نماز فرض کی گئی اور آپؐ اترے اور ایک آسمان پر حضرت موسٰی علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ نمازوں میں تخفیف اور کمی کی درخواست اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیجیے۔ اس پر آپ ﷺ کئی بار اوپر تشریف لے جاتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو کر نمازوں میں تخفیف اور کمی کی درخواست کرتے رہے تا آنکہ تخفیف ہوتے ہوتے پانچ نمازیں رہ گئیں۔ ان شاء اللہ عنقریب ہم اس کا ذکر کریں گے۔

"امام ابو القاسم عبداللہ بن خلف مقری اندلسی رحؒ کا مسلک"

انہوں نے اپنی کتاب "الاھتداء لاھل الحق والاقتداء" کے پہلے جزء میں فرمایا کہ "مالک بن شہاب سے روایت ہے کہ انہوں نے ابو عبداللہ اغر اور ابو سلمہ ابن عبدالرحمٰن سے انہوں نے

---

[1] طٰہٰ: ۵ [2] النحل: ۵۰ [3] فاطر: ۱۰

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ینزل ربنا کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر فیقول: من یدعونی فاستجیب لہ ومن یسألنی فاعطیہ ومن یستغفرنی فاغفر لہ"

"جب رات کا آخری تہائی وقت باقی رہتا ہے تو ہمارا رب آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے، جو مجھے پکارے، میں اس کو قبول کروں، کون ہے، جو مجھ سے مانگے تو میں اس کو دوں، کون ہے، جو مجھ سے بخشش مانگے، میں اس کو بخشوں"

اس حدیث میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر ہے بغیر کسی مماست اور تکییف کے۔ جیسا کہ اہلِ علم نے فرمایا ہے۔ ان کے اس قول کی دلیل قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"الرحمٰن علی العرش استویٰ"(۲) "ثم استویٰ علی العرش ما لکم من دونہ من ولی ولا شفیع"(۳) "اذا لابتغوا الی ذی العرش سبیلا"(۴) "یدبر الامر من السماء الی الارض"(۵) "تعرج الملٰئکۃ والروح الیہ"(۶) "لیس لہ دافع من اللہ ذی المعارج تعرج الملٰئکۃ والروح الیہ" میں "عروج" سے مراد "صعود" (اوپر کو چڑھنا) ہے۔ عیسیٰ سے فرمایا: "انی متوفیک ورافعک الی"

امام مالکؒ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے۔ کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے"

وہ "فی السماء" سے مراد "علی السماء" لیتے تھے واللہ اعلم جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فرعون نے کہا تھا:

"ولاصلبنکم فی جذوع النخل" نیز فرمایا: "ءامنتم من فی السماء ان یخسف بکم الارض" یعنی من علی السماء (علی العرش)۔ ان دونوں مقامات پر "فی" بمعنی "علی" ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"فسیحوا فی الارض" ای علی الارض" یہاں "فی" بمعنی "علی" ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا "الرحمٰن علی العرش استویٰ" میں استواء کی کیفیت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: "استواؤہ معقول وکیفیتہ مجھولۃ وسؤالک عن ھذا بدعۃ واراک رجل سوء"

"اللہ تعالیٰ کا استوار معقول ہے۔ اس کی کیفیت مجہول ہے۔ نیز اس کے متعلق سوال بدعت ہے اور میں تجھے برا آدمی خیال کرتا ہوں۔"

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" میں "استوٰی" کا معنیٰ "علا (بلند ہوا)" کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا عرب کہتے ہیں "اِسْتَوَیْتُ فَوْقَ الدَّابَّۃِ اَوْفَوْقَ الْبَیْتِ" یعنی "میں سواری پر، یا چھت کے اوپر چڑھا۔"

ہم نے اب تک جو دلائل پیش کیے ہیں ان سے "استوار" کے مجازی معنیٰ "استوٰی بمعنیٰ استولےٰ" کے استعمال کی نفی ہوتی ہے کیونکہ "استیلا" کا لغت میں معنیٰ "مغالبہ" ہے اور اللہ تعالیٰ سے کون ہے جو مغالبہ کر سکے؟ حق یہ ہے کہ کلام کو مجاز پر امت کے متفق ہونے تک حقیقت پر محمول کیا جائے کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اتباع کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے۔

کلام اللہ کی مشہور اور ظاہر توجیہ کرنی چاہیئے جب تک کہ قابلِ قبول ممانعت ثابت نہ ہو اگر اسی طرح ہر مدح کو مجاز کا رنگ دے دیا جائے تو کوئی عبادت ثابت ہی نہ ہو سکے۔ اللہ تعالےٰ عربوں کو اس طرح مخاطب کرنے سے بلند ہے۔ ہاں وہ ایسے کلام سے خطاب فرماتا ہے جس کو عرب سمجھتے اور استعمال کرتے ہیں اور سامعین اس کے معنیٰ ومفہوم کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں۔ استوار لغت میں معلوم ہے کہ وہ ہے علو اور ارتفاع اور تمکن۔

اور اللہ تعالیٰ کے آسمانوں سے اوپر عرش پر ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ اہلِ توحید کو جب کوئی گھبراہٹ یا پریشانی پیش آتی ہے تو وہ اپنے چہرے آسمان کی طرف اٹھاتے اور اپنے رب، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کو پیش کرتے ہیں۔

اور ایک دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس لونڈی سے سوال اور اس کا جواب ہے جس کو اگر وہ مومنہ ہو تو اس کا مالک آزاد کرنا چاہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تھا: "اللہ تعالےٰ کہاں ہے؟" اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "میں کون ہوں؟" اس نے جواب دیا "آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ مومنہ ہے اس کو آزاد کر دو"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سر کو آسمان کی طرف اٹھانے کو کافی سمجھا۔ یہ بیّن دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور عرش ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے۔ ہمارے قول کی دلیل امیہ بن ابی

صلت کے فرشتوں کی تعریف میں اشعار بھی ہیں ؎

وساجدهم لا يرفع الدهر رأسه ... يعظم ربا فوقه ونمجيد

فسبحان من لا يقدر الخلق قدره ... ومن هو فوق العرش فرد موحد

مليك على العرش السماء مهيمن ... لعزته تعنو الوجوه وتسجد

"ان میں سے جو سجدہ میں ہے وہ قیامت تک اپنا سر سجدے سے نہیں اٹھائے گا وہ رب تعالیٰ جو اُوپر ہے کی تعظیم و تمجید کرتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کی مخلوق نے وہ قدر نہیں کی جو کرنی چاہیے تھی اور جو عرش کے اوپر فردِ واحد ہے اور آسمان کے عرش پر بادشاہ اور نگہبان ہے۔ اس کے غلبے کی وجہ سے چہرے جھکتے اور سجدہ ریز ہوتے ہیں" اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی دلیل ہے:

"وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى [1] الاٰیۃ!"

"اور فرعون نے کہا" اے ہامان میرے لیے ایک محل تیار کرو تاکہ میں اس پر چڑھ کر راستوں پر پہنچ جاؤں، آسمانوں کے راستوں پر، اور میں موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کو دیکھوں (وہ اس کو آسمانوں پر بتاتا ہے)۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے میرا معبود آسمانوں پر ہے اور فرعون آپؑ کو جھوٹا سمجھتا تھا۔

اگر کوئی اس پر اعتراض دھرے کہ اس سے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کے مشابہ ہو جاتا ہے، کیونکہ جس کو جگہیں حاوی و محیط ہوں، وہ مخلوق ہے۔ یہ بے معنی اعتراض ہے اس سے یہ قطعاً لازم نہیں آتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے کہ مخلوق میں سے اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور اس کی بنائی ہوئی کسی چیز پر اس کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ نہ قیاس سے اس کا ادراک ہو سکتا ہے اور نہ اس کو لوگوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ وہ جگہوں سے پہلے موجود تھا اور اس کے بعد بھی

---

[1] غافر: ۳۶، ۳۷

رہا اور رہے گا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ "اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ہر چیز کا خالق ہے' اس کا کوئی شریک نہیں۔" سب مسلمان اور عقل مند لوگ اس پر متفق ہیں کہ کائنات کی ہر موجود چیز کا بغیر مکان کے وجود ناممکن ہے۔ جو مکان میں نہیں' وہ محض عدم ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ذات دلائل کے ساتھ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ جب مکان نہیں تھا' تو اللہ تعالیٰ موجود تھا کہ وہ ازل میں تھا مگر مکان میں نہیں تھا اور معدوم بھی نہیں تھا۔ اس کو اس کی مخلوق پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے' یا مخلوق اور اس کے درمیان تمثیل و تشبیہ کیسے قائم ہو سکتی ہے؟ تَعَالٰی عَمَّا یَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا ۔

اعتراض

اگر یہ اعتراض ہو کہ جب ہم نے اپنے رب تعالیٰ کو ازل میں صفتِ لامکانی سے بیان کیا' پھر اس نے اماکن کو پیدا فرمایا تو وہ مکان میں ہو گیا۔ جب وہ اپنی ازلی صفت سے زائل ہوا' تو وہ ایک مکان کی بجائے دوسرے مکان میں ہو گیا۔ اس طرح ذاتِ الٰہی کے منافی تغیر و تبدل اور انتقالِ مکانی کا اقرار کرنا پڑا؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الزام و اقرار تو تم پر بھی آتا ہے۔ تم کہتے ہو' وہ لامکان تھا۔ پھر وہ ہر مکان میں ہو گیا۔ اس طرح وہ صفتِ ازلی لامکانی سے ہر جگہ ہونے کی صفت کی طرف منتقل ہوا' تمہارے نزدیک تمہارے معبود نے تغیر و تبدل کو قبول کیا' اور اس نے لامکان سے ہر مکان کی طرف انتقال کیا۔

اعتراض

اگر وہ یہ کہے کہ وہ ازل میں بھی' جیسا اب ہے' ہر جگہ تھا؟

جواب

تو اس سے تو مکان اور اس کے ساتھ باقی اشیاء کا ازل سے اس کے ساتھ ہونا واجب و لازم آتا ہے۔

اعتراض

اگر وہ یہ کہے کہ کیا آپ کے نزدیک یہ درست ہے کہ ازلی مکان سے دوسرے مکان کی طرف وہ منتقل ہوا؟

جواب

انتقال و تغیر کے اس پر اطلاق کی کوئی صُورت نہیں کیونکہ ازل میں ہونے سے مکان میں ہونا لازم نہیں آتا۔ اسی طرح اس کے منتقل ہونے سے مکانیت واجب نہیں ہوتی۔ مخلوق پر اس کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ مخلوق کا حال ہے کہ اس کا وجود مکان کو لازم ہو جبکہ اس کا منتقل ہونا بھی مکانیت کو واجب نہیں کرتا جس سے اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا لازم آئے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرح نہیں ہے ہاں، ہم یوں کہیں گے کہ وہ لامکان سے مکان پر مستوی ہوا۔ ہم انتقال کا لفظ نہیں کہیں گے۔ اگرچہ مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے جس طرح ہم کہتے ہیں کہ اس کا عرش ہے لیکن سریر (تخت) کا لفظ نہیں بولتے۔ ہم اس کو حکیم کہتے ہیں، عاقل نہیں۔ ہم خلیل ابراہیم تو کہتے ہیں، مگر صدیق ابراہیم (علیہ السلام) نہیں کہیں گے اگرچہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کے وہی نام لیں گے اور وہی صفات بیان کریں گے۔ وہی اطلاقات کریں گے جو اس نے خود اپنی ذات کے لیے بیان فرمائے ہیں ہم ان کو رد نہیں کر سکتے، کیونکہ اس سے قرآنِ مجید کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا"[1] "تیرا رب تشریف لائے گا اور فرشتے قطار در قطار کھڑے ہوں گے"۔ اس

---

[1] الفجر: ۲۲

کے آنے میں حرکت، زوال اور تبدیلی نہیں ہوگی کیونکہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب آنے والا جسم یا جوہر ہو اور یہ ثابت ہے کہ وہ جسم یا جوہر نہیں، اور نہ ہی عرض ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے آنے میں حرکت اور تبدیلی ہو مثلاً آپ یوں بھی کہتے ہیں کہ فلاں کی قیامت آگئی اور اس کو موت آگئی اور اس کو بیماری آگئی۔ اسی طرح کی اور تعبیریں ہیں کہ ان کا وجود اس میں موجود ہوتا ہے لیکن وہاں آنا وغیرہ نہیں ہوتا اس سے مسئلہ صاف ہوگیا۔

اعتراض

اگر معترض کہے کہ کسی مکان پر مستوی ہونا بغیر کیفیت کے نہیں ہوتا؟

جواب

تو اس کو یہ جواب دیا جائے گا کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ استواء واجب ہوتا ہے اور کیفیت مرتفع ہوتی ہے۔ کیفیت کی نفی سے استواء کی نفی نہیں ہوجاتی۔ اگر ان کے درمیان تلازم قائم کیا جائے، تو پھر کیفیت ازل میں بھی ہوگی اور یہ محال ہے۔

اعتراض

اگر معترض یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ تو تھا مگر مکان نہیں تھا لہٰذا مکان کا کیفیت سے کوئی تعلق نہیں؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم سمجھتے جانتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے بدنوں میں ارواح موجود ہیں، مگر ہم اس کی کیفیت سے متعارف نہیں ہیں۔ ارواح کی کیفیت کے عدم معرفت سے ان کا معدوم ہونا ثابت نہیں ہوجاتا۔ اسی طرح عرش پر اللہ تعالیٰ کی کیفیت سے اگر ہم ناواقف ہیں، تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ عرش پر ہی نہیں ہے۔ ابو رزین عقیلیؓ سے مروی ہے، انہوں نے

کہا کہ میں نے عرض کی یا "رسول اللہ ﷺ! اَيْنَ كَانَ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ؟" قَالَ كَانَ فِيْ عَمَاءٍ مَا فَوْقَهُ هَوَاءٌ وَمَا تَحْتَهُ هَوَاءٌ" یعنی "ہمارا رب عزوجل آسمان و زمین کو پیدا فرمانے سے پہلے کہاں تھا؟" آپ ﷺ نے فرمایا، "وہ بادل میں تھا نہ اس کے اوپر ہوا تھی، نہ نیچے ہوا تھی"۔ ابوالقاسم نے فرمایا "عماء" مد سے ہو تو اس کا معنیٰ بادل ہے اگر قصر سے ہو تو اس کا معنیٰ اندھیرا ہے اور حدیث مد اور قصر دونوں کے ساتھ مروی ہے جس نے "مد" کے ساتھ روایت کی ہے اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ بادل میں تھا نہ اس کے نیچے ہوا تھی، نہ اوپر۔ "تحتہ" اور "فوقہ" میں ضمیر کا مرجع "عماء" ہے جس نے اس کو بالقصر روایت کیا ہے تو اس کے نزدیک اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق سے پردے میں تھا اس لیے جو کسی چیز سے بے خبر ہو وہ اس سے اندھیرے میں ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

"مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ مَسِيْرَةُ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ وَمَا بَيْنَ السَّابِعَةِ اِلَى الْكُرْسِيِّ مَسِيْرَةُ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ وَالْعَرْشُ عَلَى الْمَاءِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى الْعَرْشِ وَيَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ"۔

"زمین و آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ساتویں آسمان سے کرسی تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اور عرش پانی پر، اور اللہ تعالیٰ عرش پر ہے وہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے:

"اِنَّهُ فَوْقَ الْعَرْشِ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ"۔

"اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے اس پر تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں ہے"۔

ابوالقاسم نے فرمایا ان کی مراد عرش کے اُوپر ہے کیونکہ عرش مخلوقات کی انتہا ہے اس کے اوپر کوئی مخلوق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ساری مخلوق سے بلند ہے بغیر کیفیت و مماست کے اس مسئلے میں صرف ایک حدیث مرفوع ہمارے علم میں ہے یعنی عبداللہ بن عمیرہ کی حدیث جو انہوں نے احنف سے انہوں نے عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بادل کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"مَا تُسَمُّوْنَ هٰذِهٖ؟ قَالُوا السَّحَابُ" "تم اس کا کیا نام رکھتے ہو؟" صحابہؓ نے عرض کی،

قال: والمزن؟ قالوا: والمزن، قال:
والعنان؟ قالوا: والعنان،
قال: كم ترون بينكم
وبين السماء؟ قالوا: لا ندري،
قال: بينكم وبينها اما واحد
او اثنان او ثلاث
وسبعون سنة،
والسماء فوقها كذالك
بينهما مثل ذالك،
حتى عد سبع سموات،
ثم فوق السماء
السابعة بحر، بين
اعلاه واسفله كما
بين سماء الى سماء، ثم فوق
ذالك ثمانية اوعال،
بين اظلافهم وركبهم مثل ما بين
سماء الى سماء، ثم الله فوق ذلك"

"سحاب (بادل)"، آپ ﷺ نے فرمایا "اور
مزن (بارش کا بادل)" انہوں نے کہا "اور مزن"
آپ ﷺ نے فرمایا "اور عنان (بارش کا
بادل)" عرض کی "ہاں اور عنان"۔ فرمایا "تم اپنے
اور آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ سمجھتے ہو" صحابہ رض
نے عرض کی "معلوم نہیں"۔ فرمایا "تمہارے اور
اس کے درمیان اکہتّر یا بہتّر یا تہتّر سال کا فاصلہ
ہے۔ پہلے اور دوسرے آسمان کے درمیان
اتنا ہی فاصلہ ہے، جتنا زمین آسمان کے درمیان۔
یہاں تک کہ آپ ﷺ نے سات آسمان
گنے۔ پھر ساتویں آسمان کے اوپر سمندر ہے، اس
کے اوپر اور نیچے کا اتنا فاصلہ ہے، جتنا ایک
آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے۔ پھر
اس کے اوپر آٹھ اوعال ہیں، جن کے کھروں
اور گھٹنوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے، جتنا
ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے۔
پھر اس کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے"

یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے۔

"امام ابوعبداللہ محمد بن ابی نعیس (مشہور مالکی) رحمہ اللہ کا مسلک"

اپنی کتاب میں، جو انہوں نے اصولِ سنت پر لکھی ہے، فرمایا: "باب الایمان بالعرش" اور فرمایا "اہلِ سنت کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا فرمایا اور اس کو سب مخلوقات سے اوپر بلندی ورفعت کے ساتھ مخصوص فرمایا، پھر جس طرح چاہا اس پر مستوی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خود اس کی خبر

دی ہے فرمایا:

"اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی"۔ ۲- "ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا" ——————— پھر ابورزین عقیلی کی حدیث درج کی ہے، جو ابھی گزری ہے۔ اس کے آخر میں اتنا زیادہ ہے "ثُمَّ خَلَقَ عَرْشَهٗ عَلَى الْمَآءِ" پھر اپنا عرش پانی پر پیدا فرمایا" پھر آثار بیان کر کے فرمایا ہے: "باب الایمان بالحجب"۔ اور فرمایا: "اہلِ سنّت کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے جُدا اور ان سے پردے میں ہے"۔ پھر آگے چل کر فرمایا: "باب الایمان بالنزول"۔ اور فرمایا کہ "اہلِ سنّت کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے" اور حدیثِ نزول بیان کی ہے پھر کہا "اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کی بجائے آسمان میں اپنے عرش پر ہے اور یہ بات قرآنِ مجید اور بہت سی احادیثِ رسول ﷺ سے واضح ہے" فرمایا: "یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ"۔ پھر علو کے مضمون پر مشتمل بہت سی آیات ذکر کی ہیں پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد بیان کیا ہے کہ "این اللہ"؟ پھر کہا "اس مضمون کی احادیث بہت ہیں"۔

اہلِ سُنّت کے بزرگ اور عراق میں مالکیہ کے امام قاضی عبدالوہاب کا مسلک

انہوں نے تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ بذاتہٖ اپنے عرش پر مستوی ہے۔ ان کا یہ قول شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں کئی جگہ نقل کیا ہے اور ان سے قرطبی نے "شرح الاسماء الحسنیٰ" میں نقل کیا ہے۔

امام محمّد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

امام بن امام عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم رازی فرماتے ہیں، ہمیں ابوشعیب اور ابوثور نے ابوعبداللہ محمّد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا "جس مسلک پر میں ہوں، اور جس پر میں نے اپنے اہلِ حدیث رفقاء واصحاب اور حضرت سفیانؒ اور امام مالکؒ جیسے اپنے اساتذہ کرام

کو دیکھا ہے، یہ ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ" اور "محمد رسول اللہ" کی شہادت کا اقرار کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے اور جس طرح وہ چاہتا ہے، اپنی مخلوق کے قریب ہوتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا ہمیں یونس بن عبدالاعلیٰ نے بیان کیا۔ اس نے کہا محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ تعالیٰ کی صفات اور ایمان لانے کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔ میں نے اس کے جواب میں آپؒ کو فرماتے سُنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات ہیں، جن کو قرآنِ مجید نے بیان فرمایا ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اپنی اُمت کو خبر دی ہے جو دلائل سے ثابت ہیں۔ ان کو رد کرنے کا کسی کے پاس کوئی جواز نہیں اور قرآن و حدیثِ صحیح سے ثابت ہو جانے کے بعد بھی جو کوئی ان کا انکار کرے، وہ کافر ہے۔ اگر کوئی بے علم ہو تو معذور ہے کیونکہ اس کا علم عقل یا فکر سے حاصل ہونا ممکن نہیں۔ یہ صفات ثابت ہیں، لیکن ان کی تشبیہ کی نفی کی جائے گی، جس طرح کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے تشبیہ کی نفی کی ہے۔ ارشاد ہے:

"لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ" (الشوریٰ: ۱۱) "اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے باصحت مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت حق ہے، اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر فرمایا تھا اور اپنے بندوں کے دلوں کو اس پر جمع کر دیا تھا۔ یہ بالکل واضح ہے کہ جس کا فیصلہ ہوا تھا، وہ زمین پر تھی اور فیصلہ کرنا اللہ سبحانہ کا فعل ہے، جس میں اس کی قدرت اور مشیئت شامل تھی۔"

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے کے خطبے میں فرمایا ہے: "سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس طرح کہ خود اس نے اپنے لیے بیان فرمائی ہیں، اس سے زیادہ، جتنی کہ مخلوق بیان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کو سمعی قرار دیا ہے۔ یونس بن عبدالاعلیٰ نے کہا کہ مجھے محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "اصل قرآن و سنّت ہے، اس کے بعد ان پر قیاس ہے۔ جب حدیثِ متصل، صحیح سند والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو تو وہ سُنّت ہے۔ اجماع خبرِ واحد سے زیادہ بڑا اور اہم ہے۔ جب حدیث کے کئی معانی محتمل ہوں، تو جو معنیٰ ظاہر کے قریب ہوگا، وہی زیادہ مناسب ہوگا۔"

اس کے بعد اپنے وقت کے امام الشافعیہ ابوابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ مزنی کے قول کو باسند بیان کیا ہے، پھر اپنے وقت کے امام الشافعیہ ابوالعباس بن شریح اور حجۃ الاسلام احمد بن حسین شافعی، جو ابن الحداد کے نام سے معروف ہیں، کے قول و کلام کو بیان کیا ہے۔

اور اپنے زمانے کے شافعیہ کے امام اسمٰعیل بن محمد بن فضل تیمی، جو "الترہیب والترغیب" و "کتاب الحجہ فی بیان المحجہ" اور "مذہبِ اہلِ سنّت" کے مصنف ہیں، کے قول کو بیان کیا ہے اور "استواء اللہ علی العرش" پر کتاب الحجہ سے ایک پوری فصل بیان کی ہے۔ اس کے بعد امام، فقیہ، محدث ابوعمرو عثمان بن ابی الحسن بن حسین سہروردی رحمہ اللہ، جو امام بیہقی اور ابوعثمان صابونی وغیرہ کے ہمعصر شافعی امام تھے، ان کی اصولِ دین میں ایک کتاب بھی ہے، اس میں ہے: "اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے اس کی فوقیت، اور بلا کیفیت عرش پر اس کا استوا ہے۔"

اس کے بعد امام الشافعیہ فی وقتہ، ابوبکر محمد بن محمود بن سورۃ تیمی فقیہ نیشاپور کا قول ذکر کیا ہے، اس میں ہے: "اگر تم دنیا و آخرت میں ائمہ کا درجہ چاہتے ہو تو سلف صالح کا مذہب اختیار کرو، بالخصوص تین مسائل میں پختہ رہو اور مداہنت اختیار نہ کرو: مسئلہ قرآن، مسئلہ نبوت، مسئلہ استواء الرحمن علی العرش جو قرآنِ مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول سنّت سے ثابت ہے۔ حافظ ابومنصور نے اپنی کتاب "العلو" میں اس کا ذکر کیا ہے اور بلادِ یمن کے فقیہ شافعیہ، صاحب "البیان" ابوالحسن عمرانی کا قول ذکر کیا ہے اور ائمہ اربعہ کے اتباع کی ایک جماعت، جن کو لائقِ اقتدا سمجھا جاتا ہے، کے اقوال کو ذکر کیا ہے۔ یہ اقوال ان کے علاوہ ہیں، جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ابوبکر محمد بن وہب مالکی، جو ابنِ ابی زید کے رسالے کے شارح ہیں۔

۲۔ شافعی ثانی ابوحامد اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ، جو صفات کو ثابت کرنے والے اکابر ائمہ اہلِ سنّت میں سے ہیں، نے فرمایا ہے کہ میرا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمیع علماء امصار کا مذہب یہ ہے کہ قرآنِ مجید کلام اللہ غیر مخلوق ہے، جو اس کو مخلوق کہے، وہ کافر ہے۔ اس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ علو کو ثابت کیا ہے۔

۳۔ اسی طرح شافعیہ کے امام سعد بن علی زنجانی نے فوقیت بالذات کو باصراحت بیان کیا ہے۔ فرمایا: "اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی وجود کے ساتھ اپنے عرش کے اُوپر ہے۔" آپ سنّت میں امام ہیں۔ ان کا

ایک مشہور قصیدہ بھی ہے۔

۴۔ فقہ، تفسیر، حدیث، تاریخ، لغت، نحو اور قرآن میں امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی کتاب "صریح السنہ" میں اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ علو کو ثابت کیا ہے۔ اپنی تفسیر میں فرمایا ہے: "الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" یعنی "عَلَا وَارْتَفَعَ" (بلند ہوا اور اونچا ہوا) اور ان کی اس مسئلے میں سب عبارات کو ذکر کیا ہے۔

۵۔ شافعیوں کے امام ابو القاسم طبری لالکائی نے اپنا کلام کتاب السنہ" میں ذکر کیا ہے۔

۶۔ امام محی السنہ حسین بن محمود بغوی نے بھی سورۂ اعراف کی آیت "ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" پر لکھا ہے پھر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت کے اقوال کو بیان کیا ہے، جن میں اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ علو اور فوقیت کا اثبات ہے۔

اس کے بعد مشہور ائمہ حدیث کے اقوال اور ائمہ تفسیر کے اقوال کا ذکر کیا ہے پھر لغت اور عربیت کے ائمہ جن کے اقوال کو درجہ سند حاصل ہے، مثلاً ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ، یحییٰ بن زیاد الفراء، امام اہلِ کوفہ اور ابو العباس ثعلب وغیرہ کے اقوال ذکر کیے ہیں، ان سب کے ناموں کی فہرست لمبی ہے۔

بعدہٗ زہاد جو لائق اتباع اور زہاد کے سلف ہیں، کے اقوال ذکر کیے ہیں مثلاً ثابت بنانی، سلیمان تیمی، شریح بن عبید، عبید بن عمیر، فضیل بن عیاض، عطار سلمی، ابو عبیدہ خواص، بشر حافی، ذوالنون مصری، حارث بن اسد محاسبی، اپنے وقت کے امام الصوفیہ، امامِ عارف، ابو عبد اللہ محمد بن عثمان مکی۔ ابو جعفر ہمدانی صوفی، امامِ عارف معمر بن احمد اصبہانی جو چوتھی صدی کے اواخر میں امام الصوفیہ تھے شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے امام الصوفیہ ابو عبد اللہ بن خفیف شیرازی، شیخ الاسلام ابو اسماعیل انصاری، صاحبِ کتاب "منازل السائرین" و "الفاروق" و "ذم الکلام" وغیرہ۔ شیخ الصوفیہ والمحدثین ابو نعیم صاحبِ "حلیۃ الاولیاء"، امام یحییٰ بن عمار سجزی، شیخ ابو اسماعیل انصاری امام الصوفیہ۔ ان سب نیک، پاکباز، زہاد و اولیاء نے اللہ تعالیٰ کے لیے فوقیت و علو کو ثابت کیا ہے۔ شیخ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "غزو جیوش الاسلامیہ" میں ان کی عبارات ذکر کی ہیں۔ اگر طوالت اور قارئین کی اکتاہٹ کا خیال نہ ہوتا تو ہم ان کو نقل کرتے، شائقین حضرات کے لیے کتاب متداول ہے۔

پھر "اسماء اللہ الحسنیٰ" کے شارحین کے اقوال بیان کیے ہیں مثلاً قرطبی نے اپنی شرح میں بیان

کیا ہے کہ صدرِ اوّل میں جہت کی نفی نہیں تھی بلکہ ان سب نے اس کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کیا ہے جیسا کہ اللہ، اور رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ سلف صالح میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ حقیقتہً اپنے عرش پر مستوی ہے۔ انہوں نے اس کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی مخلوق ہے لیکن استوار کی کیفیت نامعلوم ہے۔ اس کی حقیقت غیر معلوم ہے بقول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اَستوار معلوم ہے کیفیت مجہُول ہے اور اس کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

اور اہلِ اثبات متکلمین، جو جہمیہ، معتزلہ، معطلہ کے مخالف ہیں، کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ ان میں امام الطائفۃ الکلابیہ ابو محمدؒ عبداللہ بن سعید بن کلاب کا قول ذکر کیا اور کہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر علو و فوقیت اور صفات کو ثابت کرنے والوں میں سے بہت بڑے تھے اور اس مسئلے میں طویل کلام ذکر کیا ہے۔ جو کوئی اس سے دلچسپی رکھتا ہے، حافظ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "غزو الجیوش الاسلامیہ" کا مطالعہ کرے۔

اور امام الطائفۃ الاشعریہ، ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعری کا قول ذکر کیا ہے اور کہا ہے، ان کا قول جن کتابوں میں ملا ہے، وہ یہ ہیں: الموجز، الابانۃ، المقالات اور ان کے سب سے بڑے مؤید و مددگار حافظ ابوالقاسم ابنِ عساکر نے اپنی کتاب "تبیین کذب المفتری فیما نسب الی ابی الحسن الاشعری" میں جو نقل کیا ہے، وہ سلف کے کلام کے مطابق ہے پھر ابنِ عساکر کے قول، اور "ابانہ" میں اشعری نے جو کہا ہے، اس کو بیان کیا ہے۔

اور الجامع الکبیر والصغیر فی اصول الدین کے مصنف اور اہلِ حدیث متکلم حسین بن احمد اشعری کا قول ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ فوقیت، اور عرش پر حقیقتہً علو کو اپنی جامع صغیر میں بالصراحت بیان کیا ہے۔

اور امام فخر الدین رازی کی آخری کتاب "اقسام اللذات" میں بیان کردہ قول کو ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں لذات کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) حسّی لذت مثلاً کھانا، پینا، نکاح اور لباس۔

(۲) لذتِ خیالیہ وہمیہ مثلاً ریاست، امر و نہی اور ترفع وغیرہ۔

(۳) لذّتِ عقلیہ مثلاً علوم و معارف کی لذت۔

پھر انہوں نے ہر ایک پر بحث کر کے فرمایا ہے، "لذتِ عقلیہ کو حاصل کرنے اور اس سے تعلق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اسی سبب سے ہم کہتے ہیں، کاش ہم عدمِ اول میں ہی رہتے۔ کاش ہم اس جہان میں نہ آتے۔ کاش نفس اس جسم سے متعلق نہ ہوتا۔ اسی مفہوم کو میں نے ان اشعار میں بیان کیا ہے ؎

نهاية اقدام العقول عقال	واكثر سعي العالمين ضلال

"عقلوں کی ترقی کی انتہا ان کی بے بسی ہے اور اکثر علماء کی سعی کا انجام ضلالت ہے۔"

وارواحنا في وحشة من جسومنا	وحاصل دنيانا اذى ووبال

"ہمارے جسموں میں ہماری ارواح وحشت میں ہیں اور ہماری دنیا کا نتیجہ تکلیف اور وبال ہے۔"

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا	سوى ان جمعنا فيه قيل وقالوا

"ہم نے اپنی پوری عمر میں بحثوں سے قیل وقال جمع کرنے کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔"

وكم قد رأينا من رجال ودولة	فبادوا جميعا مسرعين وزالوا

"ہم نے کتنے ہی لوگ اور حکومتیں دیکھیں کہ وہ سب بڑی تیزی سے فنا اور ختم ہو گئے۔"

وكم من جبال قد علت شرفاتها	رجال فزالوا والجبال جبال

"کتنے ہی پہاڑوں کی چوٹیوں کو انسانوں نے سر کیا۔ انسان تو فنا ہو گئے اور پہاڑ باقی رہے۔"

دشوار گزار اور تنگ راستوں میں دور تک چلنے اور ان حقائق سے کشفِ اسرار میں گہرائی میں جانے کے بعد مجھے اس باب میں زیادہ باصواب اور اصلح قرآنِ عظیم اور فرقانِ کریم کا طریقہ نظر آیا ہے اور وہ تعمق کو ترک کر کے وجوبِ وجودِ رب العالمین پر آسمانوں اور زمینوں کے اجسام کی اقسام سے استدلال کرتا ہے۔ پھر تفاصیل میں جائے بغیر تعظیم میں مبالغہ کرتا ہے۔ تنزیہ (بے عیب ہونے) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پڑھئے: "وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ" یعنی اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو۔" اور "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" یعنی اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" یعنی کہہ دو وہ اللہ ایک ہے۔" "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى"[1] یعنی رحمٰن عرش پر مستوی

---

[1] طٰہٰ: ۵

ہوا" اور "یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ [1]" یعنی "وہ اپنے اوپر اپنے رب سے ڈرتے ہیں" اور "اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ [2]" یعنی "اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں" اور "قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ [3]" یعنی کہہ دو "سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے" اور اس کی ان سب باتوں سے جو اس کی شان کے لائق نہیں کی تنزیہ کے لیے ارشادِ باری تعالیٰ پڑھو: "مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ [4]" یعنی "اے انسان! تجھ کو جو فائدہ پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی (شامتِ اعمال کی) وجہ سے ہے۔"

باقی کو اس قانون پر قیاس کر لو۔ اس پر انہوں نے کتاب ختم کر دی ہے۔

پھر انہوں نے امام الصوفیہ متکلم السنۃ ابو العباس احمد بن محمد مظفری المختار رازی کے قول کو ذکر کیا ہے۔ "قرع الصفات فی تقریع نفاۃ الصفات" جو چھوٹے حجم کے باوجود ایک جلیل القدر کتاب ہے جس میں بحرِ علم موجزن ہے۔ انہوں نے اس میں لوگوں کے مذاہب کی حکایت کے بعد لکھا ہے کہ "حنابلہ، اصحاب الظواہر اور سلف اہلِ حدیث کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے" پھر لکھا ہے کہ "اہلِ ثبات کے دلائل قرآن وسنت، اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور عقل ہے" پھر قرآن وحدیث کے دلائل ذکر کیے ہیں۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی حکایت کر کے کہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں اپنے رب کا دیدار کیا تھا یا نہیں؟ ان کے اس رات میں رؤیت کے اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے کیونکہ مخالفین اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے زمین وآسمان میں فرق نہیں کرتے۔ سلف کے اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان میں فرق کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں، اس کی مراد یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج میں سات طبقوں سے اوپر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوئے تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیت کا شرف حاصل ہوا تھا یا نہیں؟ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر نہ ہونے کا عقیدہ رکھتے تو پھر اس رات میں رؤیت کی نفی اور اثبات کی کوئی حقیقت نہیں رہ جاتی۔

پھر فرمایا عقلی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا عرش پر ہونا چند وجوہ سے ہے:

---

[1] النحل: ۵۰ [2] فاطر: ۱۰ [3] النساء: ۷۸ [4] النساء: ۷۹

(۱) کہ سجدہ جو عاجزی کی متعارف صُورت ہے اور کعبہ مکرّمہ کی طرف رُخ کرنے کے سوا جو ایک غیر معقول تعبدی امر ہے۔ سب دنیا اور گزشتہ اور موجودہ لوگ سوال و دُعائے کے وقت اپنے ہاتھ اوپر کو اٹھاتے ہیں۔ مسئول کی طرف سوال کی غرض سے ہاتھ اٹھانا، معقول و متعارف طریقہ ہے جو کوئی انبیاءؑ کے قصص، اوائل قدماء اور امم ماضیہ کی خبریں اور گزشتہ زمانوں میں غور و فکر کرے گا اس کے سامنے یہ معانی و مفہوم کھل کر آجائے گا۔ اور اس کی بنیادیں محکم ہو جائیں گی۔ پھر انہوں نے "علو کو تحریری طور پر ثابت کیا ہے پھر نفاۃ الصفات کے شبہات کو ایک ایک کر کے صاف کیا ہے اور ان کا مکمل قلع قمع کر دیا ہے اور شعراء اسلام کے اقوال کو بیان کیا ہے مثلاً شاعرِ رسولؐ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ! ——— آپؓ کے ان اشعار کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔ یہ اشعار پہلے گزر چکے ہیں جن میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ساتوں آسمانوں سے اوپر بیان کیا تھا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "میں بھی اسی کی گواہی دیتا ہوں"۔ اپنے ایک دوسرے قصیدہ "دالیہ" میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ؎

الم تر ان اللّٰہ ارسل عبدہٗ ببرھانہ واللّٰہ اعلیٰ وامجد

"کیا (اے مخاطب) تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو دلائل کے ساتھ رسولؐ بنا کر بھیجا اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ اور بہت بزرگی والا ہے"۔

وضم الالٰہ اسم النبی الی اسمہ اذا قال فی الخمس المؤذن اشہد

"اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک کو اپنے نام کے ساتھ ملا دیا جب پانچوں وقت مؤذن "اشہد" کہتا ہے"۔

وشق لہ من اسمہ لیجلّہ فذو العرش محمود وھذا محمّد

"ان کے نام کو اپنے نام سے بنایا چنانچہ عرش والا محمود اور یہ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"۔

اغر علیہ للنبوۃ خاتم من اللّٰہ میمون یلوح ویشہد

"وہ روشن پیشانی والے ہیں۔ ان میں مُہرِ نبوت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک ہیں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم چمکتے ہیں اور گواہی دیئے جاتے ہیں"۔

ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے چند اشعار اپنی بیوی

کے ساتھ ایک قصے میں کہے ہیں۔ یہ اشعار پہلے گزر چکے ہیں، ان میں بھی اللہ تعالیٰ کے فوق العرش ہونے کا ذکر ہے۔

ان میں سے ایک عباس بن مرداس سلمی ہیں۔ عوانہ بن حکم کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہوئے تو شعراء کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ کئی دن تک آپؒ کے دروازے پر اجازت کے منتظر رہے۔ آپؒ نے ان کو اجازت نہ دی۔ اس دوران میں ان کے پاس سے علی بن ارطاۃ گزرے۔ وہ حضرت عمرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ "اے امیرالمومنین! آپ کے دروازے پر شعراء کھڑے ہیں"۔ آپ نے جواب میں فرمایا "تجھے افسوس ہو، میرا شعراء سے کیا تعلق؟" انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں عباس بن مرداس نے ایک قصیدہ کہا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک حلّہ عطا فرمایا تھا"۔ آپؒ نے پوچھا کہ تم اس کے کچھ شعر سنا دو گے؟" انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر علی بن ارطاۃ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یہ اشعار سنائے ؎

رأیتک یا خیر البریۃ کلّھا ۔۔۔ نشرت کتابا جاء بالحقّ معلّما

شرعت لنا دین الھدیٰ بعد جورنا ۔۔۔ عن الحقّ لمّا اصبح الحقّ مظلما

تعالیٰ علوّا فوق سبع الھُنا ۔۔۔ وکان مکان اللہ اعلیٰ واعظما

"اے ساری کائنات سے بہتر! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اس کتاب کو جو حق لے کر آئی ہے معلّم بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھیلایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین سے ہمارے ہٹ جانے کے بعد ہدایت کا دین شروع کیا جب کہ حق اندھیرے میں تھا۔ وہ سات آسمانوں کے اوپر بلند ہوا اور اللہ تعالیٰ کا مرتبہ بہت اونچا اور بہت عظیم ہے۔"

ان میں سے ایک لبید بن ربیعہ بن عامر بن مالک عامری ہیں، جو اسلام اور جاہلیت کے شاعر ہیں۔ وہ مسلمان ہو گئے تھے اور شرفِ صحابیت سے مشرف تھے۔ ان کے اشعار میں بھی اللہ تعالیٰ کے فوق العرش ہونے کا ذکر ہے۔

اس کے بعد امیہ بن ابی صلت کے اشعار بیان کیے ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھے گئے۔ ان میں بھی اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کا ذکر ہے۔

اور پھر وہ قصیدہ ذکر کیا ہے جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے جیل میں جانے کے بعد اسماعیل بن

ترمذی نے پڑھا تھا ابن العلی نے یہ قصیدہ جناب ابوبکر مروزی سے مستعار لیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اشعار اسماعیل بن خلان ترمذی نے کہے ہیں اور امام ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو جیل میں پڑھا تھا ؎

تبارك من لا يعلم الغيب غيره ۔۔۔ ومن لم يزل يثنی عليه ويذكر

علا فی السموات العلیٰ فوق عرشه ۔۔۔ الیٰ خلقه فی البر والبحر ينظر

سميع و بصير لا نشك مدبر ۔۔۔ ومن دونه عبد ذليل مدبر

يدا ربنا مبسوطتان كلاهما ۔۔۔ تسحان والايدی من الخلق تقتر

"وہ ذات بابرکت ہے جس کے بغیر کوئی کلی علمِ غیب کو نہیں جانتا اور وہ جس کی ثنا اور ذکر ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ وہ بلند آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر بلند ہو اوہ سمندروں اور جنگلوں میں اپنی مخلوق کو دیکھتا ہے۔ ہم کوئی شک نہیں کرتے کہ وہ سننے والا جاننے والا اور مدبر ہے۔ ہم اس کے ورے عبدِ ذلیل مدبر ہیں۔ ہمارے رب کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں جو بھرپور سخاوت کرتے ہیں اور مخلوق کے ہاتھ تنگ ہوتے ہیں"۔

پھر پورا قصیدہ بیان کیا در حقیقت یہ بہت اعلیٰ اور عمدہ قصیدہ ہے۔ کسی اہلِ حدیث نے اس پہ انکار نہیں کیا بلکہ تعریف کی ہے۔

یحییٰ بن یوسف بن یحییٰ بن یوسف صرصری انصاری لغوی فقیہ نے جو شعر کہے ہیں ان میں یہ اشعار بھی ہیں ؎

سميع بصير ما له فی صفاته ۔۔۔ شبيه يری من فوق سبع ويسمع

قضیٰ خلقه ثم استویٰ فوق عرشه ۔۔۔ ومن علمه لم يخل فی الارض موضع

"وہ سنتا دیکھتا ہے۔ اس کی صفات میں کوئی شبیہ نہیں وہ سات آسمانوں کے اوپر سے دیکھتا اور سنتا ہے۔ اس نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا پھر اپنے عرش پر مستوی ہوا۔ زمین میں اس کے علم سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے"۔

اس کے بعد صرصری رحمۃ اللہ علیہ کے طویل اور مختصر قصائد ذکر کیے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات اور اس کے عرش پر ہونے کے عقیدے کا ذکر ہے۔ دلچسپی رکھنے والے اصحاب اصل کتاب کی طرف رجوع فرمائیں۔ اصل دلائل و براہین تو کتاب و سنت اور انبیاء علیہم السلام اور ان

کے اصحاب اور ان کے مخلص شاگردوں کا کلام ہی ہے۔ شعراء اور اہلِ علم کا کلام دلیل کے لیے نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ پتہ چل جائے کہ سب اہلِ عقل و دانش کا مسلک یہی تھا تاکہ مخالف کو معلوم ہو جائے کہ جہمیہ اور معطلہ کی نسبت اہلِ اثبات اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ، صحابہؓ و تابعین اہلِ اسلام اور اہلِ علم و دین کے مختلف طبقات کے زیادہ قریب ہیں اور یہ بھی مقصد ہے کہ پتہ چل جائے کہ اسلام اور سنّت کا لشکر اور اس کے امراء کون ہیں؟ اور بدعت اور جہمیت کا گروہ کن لوگوں پر مشتمل ہے تاکہ دونوں گروہوں میں سے جس کے ساتھ بھی تعلق ہو علیٰ وجہ البصیرت ہو، پھر جو ہلاک ہو، بصیرت پر (یقین جان کر) ہلاک ہو اور جو جیتا رہے، وہ بصیرت پر (حق پہچان کر) جیتا رہے۔

یہی وجہ ہے، حافظ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے، اس کو بیان کر کے فرماتے ہیں:

"یہ میدان بہت وسیع ہے۔ ایک بڑی جلد بھی اس کو سما نہیں سکتی۔ جاہلی شعراء کے بارے میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ اپنی فطرتِ اولیٰ کی وجہ سے اس کا اقرار کرتے ہیں جیسا کہ عنترہ اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے ؎

یا عبل این من المنیۃ مھرب ان کان ربّی فی السماء قضاھا

"اے پہلوان! موت سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہو؟ جب کہ آسمان پر میرے رب نے اس کا فیصلہ صادر کر دیا ہے۔"

اس کے بعد متقدمین فلاسفہ اور پہلے حکماء کے مسلک اور قول کا ذکر کیا ہے، کہ وہ سب ارسطو اور اس کے گروہ کے برعکس صفاتِ علو اور فوقیت کو مانتے اور ثابت کرتے تھے۔ پھر یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ ایک شخص کی اگر ایک پہلو سے تعریف کی جاتی ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ من کل الوجوہ قابلِ مدح و ستائش ہے بلکہ اس کو مسلمان یا مومن کہنے سے یہ لازم نہیں آجاتا کہ اس کے بارے میں ایسی بات نہیں کہی جا سکتی جو اس کے ایمان میں نقص اور اسلام میں خلل ڈالتی ہو اور اس کے بعض گناہوں میں ملوث ہونے کی وجہ سے وہ عذاب و عتاب کا حق دار ٹھہرے۔

مقصد یہ ہے کہ نبہانی اور اس قسم کے دوسرے لوگوں اور شیخ شہاب الدین حلبی نے جو یاوہ گوئی کی ہے، وہ کتاب و سنّت، قولِ صحابہؓ و تابعین اور تبع تابعین، مجتہدین ائمۂ مسلمین اور ان کے مشہور پیروکاروں اور عقلاء کے سراسر خلاف ہے اور یہ بھی مقصد ہے کہ معلوم ہو کہ گزشتہ انبیاء

کے اتباع، شعراء، ائمہ لغت، فلسفہ اولیٰ اور جاہلیت عرب کے بھی یہ خلاف ہے۔ اہلِ عقل و دانش کے نزدیک ان کے بطلان کے لیے اتنا کافی ہے۔

اور ان کے کلام سے جو مفاسد پیدا ہوتے ہیں، اگر ہم ان پر گفتگو کرنے لگیں تو بات بہت طویل ہو جائے گی اور جو شخص غور و فکر کی عنان اس طرف پھیرے گا اس کے لیے ہمارا اتنا بیان ہی کافی ہے۔ سچی بات یہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی نور سے محروم کر دے اس کو نور کہاں سے مل سکتا ہے؛ ہم اللہ تعالیٰ جو فضلِ عمیم کا مالک ہے، سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہمارے امور میں بصیرت اور عظیم احسان سے نوازے۔ وہ احوال کا عالم ہے اور سوال سے قبل ہی سائل کو عطا فرما دینے والا ہے۔

تنقید

نبہانی کہتا ہے، "اب ہم پھر ابنِ تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی کتابوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ ان کی مذکور چار کتب ہیں جن کے نام یہ ہیں: "الجواب الصحیح فی الرد علی من بدل دین المسیح، منہاج السنۃ العقل والنقل۔ اس کتاب میں مصنف نے اشاعرہ، ماتریدیہ وغیرہ فرقوں کی جو اہلِ سنت وجماعت مسلمان ہیں کی تردید کی ہے۔ اور "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطٰن"۔ اس کتاب میں اولیائے وعارفین جو مسلمانوں کا خلاصہ ہیں کی تردید کی ہے۔

اسی سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ابنِ تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) ابنِ حزم کی قسم کے انسان ہیں، جن کے قلم سے کوئی بچا نہیں اور امام سبکی نے ابنِ تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی کتاب "منہاج" کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں ان میں ان کی بعض بدعات کی تردید بھی کی ہے اور ان کو قابلِ اعتراض ٹھہرایا ہے۔ اس پر ایک حنبلی نے اور ایک جو اپنے شافعی ہونے کا مدعی ہے نے سبکی پر الزامات دھر کر اس کو قابلِ نفرت بنانے کی کوشش کی ہے۔ درحقیقت یہ دونوں ہی ابنِ تیمیہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے عقیدے پر ہیں۔" آگے چل کر کہتا ہے "ان دونوں میں سے ہر ایک نے سو سے زائد اشعار پر مشتمل قصیدے کہے ہیں جن میں امام سبکی کے عیوب بیان کیے ہیں اور ان پر ایسے حملے کیے ہیں کہ عالم تو رہا ایک طرف کسی عامی سے بھی وہ ناقابلِ فہم ہیں۔ میں دونوں سے انصاف کرنا چاہتا ہوں اور ان

کے عمل کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ حق ثابت اور باطل باطل ہو جائے اور صحیح مذہب کو غلط مذہب سے پہچانا جا سکے۔ میں نے بحر و قافیہ کا ایک قصیدہ نظم کیا ہے جس میں دلائل ظاہرہ باہرہ سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت محال ہے اور رسول کریم ﷺ کے روضہ مبارک کی طرف شد رحال اور استغاثہ کے جواز کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس سے کسی عقل کو انکار نہیں اور نہ ہی کوئی نقل اس سے روکتی ہے۔ میں نے اس میں مخالف کا رد بھی کیا ہے۔" پھر اس نے ایک سو پینتیس اشعار کا قصیدہ بیان کیا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے۔

الحمد للہ حمدا استغد بہ لنصرۃ الحق کی احظی بمطلبہ

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اس کی حمد کے ساتھ مدد حاصل کرتا ہوں تاکہ نصرت حق کا مقصد پا سکوں۔"

بك استغثت الٰہی عاجزاً فاعن ابغی رضاك فاسعفنی باطیبہ

"اے الٰہی! میں عاجز ہو کر تجھ سے مدد چاہتا ہوں، میری مدد فرما۔ میں تیری رضا کا متلاشی ہوں، میری یہ پاکیزہ حاجت پوری فرما۔"

وانّنی عالم ضعفی ولا عمل عندی یفید ولا علم اصول بہ

"میں جانتا ہوں کہ میں کمزور ہوں اور میرے پاس عمل نہیں جو فائدہ دے نہ علم ہے کہ اس کے ساتھ حملہ آور ہوں۔"

اسی طرز کے سب پھسپھسے اور رکیک اشعار ہیں۔ اگر ہمیں ان کو نقل کرنے میں اپنی بہترین عمر کے ضائع ہونے کا خدشہ نہ ہو تو ان کو نقل کر دیتے۔ ہم نے اپنے قلم کو ان کی نقل اور کاغذ کو ان کے اوہام سے بچا لیا ہے!

جواب اول

ہم نے قبل ازیں شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے متعلقات پر تبصرہ و بحث کی ہے وہ ایک عقل مند اور ذہین ادیب کے لیے کافی ہے۔ اس کا کتاب "العقل والنقل" کے بارے میں کہنا کہ اس میں اہل سنت کا رد ہے، بے معنی بات ہے۔ انہوں نے اہل سنت پر نہیں بلکہ ان

کی طرف سے رد فرمایا ہے جیسا کہ ان کی اپنی کتابوں میں عادت ہے۔ انہوں نے حدوث اجسام کو حدوث عالم کی دلیل بنانے والے کا رد کیا ہے اور انہوں نے اعراض، حرکت اور سکون کی دلیل سے حدوث اجسام کو ثابت کیا ہے اور اجسام اس کو مستلزم ہیں، وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتے اور جو حوادث سے سبقت نہ کر سکے، وہ حادث ہے۔" اس کی بنیاد حوادث پر رکھی گئی ہے جس کی ابتداء کوئی نہیں"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ میں سے کسی نے یہ دلیل پیش نہیں کی۔ بلکہ ابتداء میں یہ بدعت، اسلام میں پہلی صدی کے بعد جعد بن درہم بن صفوان کی طرف سے پیش کی گئی اور پھر عمرو بن عبید نے اس کو لیا۔

عمرو بن عبید اور واصل بن عطاء، دونوں وعید کے نفاذ کے قائل تھے اور یہ کہ جو شخص جہنم میں داخل ہوگا، وہ دوزخ سے کبھی باہر نہیں نکلے گا۔ تقدیر کی تکذیب کرتے تھے۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی اور ان جیسے دوسروں کی تردید فرمائی ہے۔

رہا معاملہ اشعری کا، تو وہ بلاشبہ ابو علی جبائی کا تلمیذ تھا لیکن بعد میں اس نے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ کافی حد تک اس کے مذہب سے رجوع کر لیا تھا۔ اگرچہ اس کے اصول مذہب کا اس پر کچھ اثر باقی رہ گیا تھا، لیکن اس نے صفات کی نفی میں اس کی مخالفت کی تھی، اور ابن الکلاب نے اس کی راہ اختیار کر لی تھی۔ اس نے تقدیر اور مسائل ایمان اور اسماء و احکام میں ان کی مخالفت کی تھی۔ اس مسئلہ میں حسین نجار اور ضرار بن عمرو وغیرہ جیسے معتدل لوگوں سے بھی زیادہ ان کے ساتھ مناقضت کی تھی۔ یہاں تک کہ اس میں جہم کے مسلک کی طرف اس کا رجحان ہو گیا تھا۔ وہ وعید میں ان کا مخالف تھا اور جماعت کے مذہب کا قائل ہو گیا تھا۔ اس نے احمد بن حنبلؒ اور ان جیسے دوسرے اہل حدیثوں اور اہل سنت کے مذہب سے نسبت قائم کر لی تھی اور لوگوں میں وہ اسی طرح مشہور تھا۔ اس کے مذہب کا صرف وہی پہلو قابل تعریف ہے، جو اہل حدیث اور اہل سنت کے موافق ہے لیکن تقدیر کے معاملے میں سنت و حدیث کے مخالفین معتزلہ، مرجیہ، جہمیہ اور قدریہ وغیرہ کے ساتھ اس نے موافقت کی تھی، لہٰذا اس کے مذہب کا یہ پہلو قابل مذمت ہے۔

اس نے بصرہ میں یحییٰ بن زکریا سے، اور بغداد میں امام احمد بن حنبلؒ کے اصحاب سے مذہب اہل حدیث حاصل کیا تھا۔ اس نے "مقالات" میں خود ذکر کیا ہے کہ اس نے اہل سنت اور اہل حدیث

کے عقیدے کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے "ہم نے ان کے جو اقوال بیان کیے ہیں میرا بھی وہی عقیدہ و مذہب ہے اور یہ مذہب جبریہ و قدریہ کے مذاہب سے بہت دور ہے"۔ اس نے سب سے آخری کتاب جو تصنیف کی تھی وہ "الابانۃ" ہے۔ اس میں بیان کیا ہے کہ وہ اہلِ حدیث کے مذہب و عقیدہ پر ہے۔ بہت سے اشعریوں نے بہت سے مسائل میں اس کی مخالفت کی ہے۔

اس گفتگو سے ہمارا مقصد یہ باور کرانا ہے کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے "العقل والنقل" میں ہی نہیں بلکہ اپنی سب کتابوں میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جنہوں نے اہلِ سنّت کی مخالفت کی ہے اور اہلِ سنّت وہی ہیں جنہوں نے کلام اللہ اور کلامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے۔ "العقل والنقل" کا موضوع یہ ہے کہ اسلام کامل و مکمل اور روشن دین ہے اور دین سے ٹکرانے والے نئے بدعی قواعد کی اس کو کوئی ضرورت نہیں، نہ ہی اس میں ان کی کوئی گنجائش ہے۔ شریعت کی نصوص یقین کا فائدہ دیتی ہیں اور یہ بہرحال من گھڑت قواعد پر مقدم ہیں لہٰذا ان قواعد کی خاطر نصوص کی تاویل نہیں کی جا سکتی اس پر انہوں نے انیس دلائل پیش فرمائے ہیں۔

نبہانی بیچارہ شیخ الاسلامؒ کی عبارت کو بھی درست نہیں پڑھ سکتا بھلا ان کو سمجھ کہاں سکتا ہے؟ اس نے اپنی علمی بے بضاعتی کی وجہ سے اعتراضات داغ دیئے ہیں ان کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے۔

جوابِ ثانی

نبہانی نے "الفرقان" کے بارے میں کہا ہے کہ اس میں اولیاء و صالحین رحمہم اللہ، جو خلاصۃ المسلمین ہیں کا رد ہے۔ یہ بات ایسا شخص ہی کر سکتا ہے جس کو نہ ولایت کا پتہ ہو کہ وہ کیا ہے؟ اور نہ اسلام و ایمان کی معرفت حاصل ہو۔ شیخ الاسلام قدس اللہ روحہٗ نے اس کتاب میں "اولیاء الرحمٰن" اور "اولیاء الشیطٰن" کے درمیان واضح فرق کیا ہے جس کو ہر وہ شخص سمجھ لیتا ہے، جس کو علم سے کوئی بھی تعلق ہو۔ انہوں نے اتباع اور ابتداع کو معیار بنایا ہے۔ جو شخص اپنے اقوال و افعال میں شریعت کا پابند ہو وہ "اولیاء الرحمٰن" میں سے ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ "اولیاء الشیطٰن" سے ہے اگرچہ وہ ہوا میں اڑتا ہو اور پانی کے اوپر چلتا ہو۔

صاحبِ "فصوص الحکم" اور "فتوحاتِ مکیہ" ابن عربی نے قرامطہ اور باطنیہ جو شریعت سے بھٹک گئے تھے، کا مسلک اختیار کر لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس خزانے سے لیتا ہے جس سے وہ فرشتہ لیتا ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی لاتا تھا اور نبی اس فرشتے سے اخذ کرتا تھا، جو رسولوں کے پاس وحی لاتا تھا یعنی نبی ان خیالات سے اخذ کرتا تھا، جو اس کے نفس میں متصور ہوتے تھے کہ جب معانی عقلیہ اس کے نزدیک خیالی صورت میں آتے ہیں، تو اسی خیالی صورت کو فرشتے کہا جاتا ہے جبکہ وہ اپنے زعم باطل میں اپنی عقلِ مجرد سے خیال بننے سے پہلے اخذ کر لیتا ہے۔ اسی بنا پر وہ ولایت کو نبوت پر فضیلت دیتا ہے وہ کہتا ہے ؎

مقام النبوۃ فی برزخ   فویق الرسول ودون الولی

"عالمِ برزخ میں مقامِ نبوت رسول سے ذرا اوپر اور ولی سے کم ہے۔"

اس کی اس فاسد اصل کے مطابق ولی، اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ اخذ کرتا ہے کیونکہ وہ اپنی عقل سے اخذ کرتا ہے۔ عقلِ مجرد سے اخذ کرنے والا ان گمراہوں اور ملحدوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ اخذ کرنے والا ہے کیونکہ وہ وحی لانے والے فرشتوں کا الگ وجود نہیں مانتے، نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات سے الگ موجود مانتے ہیں کہ وہ وجودِ مطلق ہے، یا ایسا وجود جو اللہ تعالیٰ سے امورِ ثبوتیہ کی نفی کے ساتھ مشروط ہے یا وہ امورِ ثبوتیہ اور سلبیہ دونوں کی نفی سے مشروط ہے۔ کبھی کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ مخلوقات کا وجود ہے، یا ان میں حلول کر گیا ہے، یا دونوں ہی نہیں۔ اس کو رسول کی غایت سمجھتے ہیں۔

اور ان کے نزدیک نبوت کی بنا قوتِ متخیلہ سے اخذ کرنا ہے جو معانی عقلیہ کو مثلِ خیالیہ میں بدل دیتی ہے وہ اس کا نام قوتِ قدسیہ رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر انہوں نے ولایت کو نبوت پر فضیلت دی ہے۔ یہ لوگ ملحد، قرامطہ باطنیہ کی جنس سے ہیں، لیکن تصوف، عبادت اور دعویٰ تحقیق کے بھیس میں ظاہر ہوئے ہیں جبکہ وہ تشیع اور موالات کے بھیس میں سامنے آتے تھے۔ وہ اپنے شیوخ کی اتنی تعظیم کرتے ہیں کہ ان کو انبیاء علیہم السلام سے افضل بنا دیتے ہیں اور کبھی ولایت کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ نبوت سے افضل بنا دیتے ہیں اور شیعہ امامت کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ ائمہ کو انبیاء علیہم السلام سے بڑا بنا دیتے ہیں جیسا کہ اسماعیلیہ کہتے ہیں کہ امام نبی سے بڑا ہوتا ہے۔ یہ دونوں

گروہ در پردہ فلاسفہ سے ملے ہوئے ہیں اور نبی کو بھی فیلسوف سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں قوتِ قدسیہ کی خصوصیت ہوتی ہے پھر ان میں سے بعض نبی کو فیلسوف پر اور بعض فیلسوف کو نبی پر فضیلت دیتے ہیں۔ ان کے زعم میں نبوت کسبی چیز ہے جس میں تین صفات موجود ہوں وہ نبی ہوتا ہے:

(۱) اس کو تیز فہمی والی قوتِ قدسیہ حاصل ہو جس سے وہ بلا تعلم علم حاصل کر لیتا ہے۔

(۲) اس کا نفس قوی ہو جو ہیولیٰ عالم پر اثر ڈال سکے۔

(۳) اس کو قوت ہو کہ عقلی باتوں کو خیالی صورت میں تبدیل کر سکے اور اس کو اپنے نفس میں خوبصورت شکل میں دیکھے اور اس کی آواز کو دل سے سُنے۔ ابنِ سینا اور اس کے ہم مسلک نبوت کی یہی تشریح کرتے ہیں۔

غزالی نے اس مسئلے سے مخصوص اپنی کتابوں میں انہی سے یہ فلسفہ اخذ کر کے لکھا ہے۔ یہ درجہ جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے بہت سے عوام اور مسلمانوں کو حاصل ہو جاتا ہے اس سے وہ عام لوگوں سے افضل نہیں ہوتا چہ جائیکہ وہ انبیاءؑ سے افضل ہو جب ان لوگوں کو نبوت پر گفتگو کی ضرورت پڑی تو انہوں نے یہ باتیں اپنے دہریہ سلف کے اصول کے مطابق کہیں جن کا عقیدہ ہے کہ افلاک قدیم ازلی ہیں ان کو کسی بااختیار اور صاحبِ قدرت فاعل نے نہیں بنایا اور وہ اللہ تعالیٰ کے جزئیات کے بارے میں علم سے منکر ہیں۔ اسی طرح کے ان کے اور فاسد اصول بھی ہیں۔ انہی لوگوں کے اصول کے مطابق انہوں نے نبوت پر گفتگو کی ہے۔

ان کے قدماء ارسطو اور اس جیسے دوسرے لوگوں کا نبوت کے بارے میں کوئی نتیجہ خیز کلام نہیں ہے۔ ان میں سے ایک کی خواہش تھی کہ نبی بن جائے۔ اس غرض کے لیے اس نے باطنی مذہب اختیار کر لیا تھا اور یونانی اور ایرانی فلسفے کو اکٹھا کر دیا تھا اور "انوار" کی بات کو بہت اچھالا تھا۔ اس طرح وہ مجوسِ اوّل کے دین کے قریب ہو گیا تھا۔ وہ سب باطنی اسماعیلی فرقے کی نقل تھی۔ وہ جادُو اور شعبدہ بازی کا بڑا ماہر تھا۔ سلطان صلاح الدین کے زمانے میں حلب میں مسلمانوں نے اس کو زندیق ہونے کے جُرم میں قتل کر دیا تھا۔

ابنِ سبعین جو مغرب سے مکہ مکرمہ میں آیا وہ بھی اسی قسم کا تھا۔ وہ نبی بننے کی کوشش میں تھا۔

غارِ حرا جس میں نبی اکرم ﷺ پر پہلی وحی اُتری تھی کا اس نے دوبارہ اہتمام اور تجدید کی تھی۔ یہ بھی حکایت ہے کہ وہ کہتا تھا کہ "میں ابنِ آمنہ (ﷺ) کے حکم "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" (میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا) کو قبول نہیں کرتا"۔ وہ فلسفے میں اور فلسفۂ تصوّف اور اس کے متعلقات میں بڑا ماہر اور تجربہ کار تھا۔ یہ اور ابنِ عربی اور اس قماش کے دوسرے لوگوں کی حیثیت صدر قونوی، ابنِ فارض اور تلمسانی کی سی ہے جن کا انجامِ کار "وحدت الوجود" اور "واجب قدیم خالق" سے مراد "ممکن محدث مخلوق" ہے۔ وہاں نہ تو اس کا غیر ہے نہ اس کے سوا ہے۔ جب انہوں نے متعدد مخلوقات دیکھیں، تو کہنے لگے کہ وہ اس کے مختلف مظاہر اور جلوہ گاہیں ہیں۔

جب ان پر اعتراض ہوا کہ "اگر مظاہر امرِ وجودی ہیں، تو وجود بہت سے ہوگئے، ورنہ ان مظاہر کی کوئی حقیقت ہی نہ رہی اور وہ اس کلام کی مانند نہیں جس سے وضاحت ہو کہ وجود کی دو انواع ہیں خالق اور مخلوق"۔ تو یہ بے ڈھنگا جواب دیتے ہیں کہ "ہمارے نزدیک کشف سے وہ ثابت ہوتا ہے جو عقل کے صریح خلاف ہو۔ اور جو شخص ہماری طرح محقق بننا چاہے تو اس کے لیے لابدی ہے کہ "جمع بین النقیضین" کا التزام کرے اور یہ مانے کہ ایک جسم ایک وقت میں دو جگہ موجود ہوتا ہے"۔ ایسے ہی غلط عقیدہ لوگوں کا شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے رد فرمایا ہے۔ یہ لوگ اکثر زمانۂ جاہلیت کی طرف لوٹتے ہیں۔ ایسے لوگ عام طور پر تشیّع کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ابنِ عربی، ابنِ سبعین اور ایسے ہی دوسرے۔ اب لوگوں کو ضرورت ہے کہ ان کے حقائق کی قلعی کھولی جائے اور ان کے امور کو ایسے طریقے پر بیان کیا جائے کہ حق و باطل کے درمیان پہچان کی جا سکے۔ یہ لوگ اپنے آپ میں دعویٰ باندھتے ہیں کہ وہ زمین کے باسیوں میں افضل ہیں اور لوگ ان کے اشارات کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ میں ان کے حقائق کو ان کے سامنے وضاحت سے بیان کروں اور میں نے اس سلسلہ میں ان کی مصنفات کے حوالے سے لکھا تو انہیں معلوم ہوا کہ واقعی ان کے قول کی یہی تحقیق ہے اور ان کے سامنے عقلِ صریح اور نقلِ صحیح اور کشف کے مطابق اس کا بطلان ثابت ہوگیا، تو ان کے بہت سے علماء و فضلاء نے ان غلط عقائد سے رجوع کر لیا اور پھر یہی علماء و فضلاء لوگوں کے سامنے ان کا تناقض اور حق سے

انحراف ثابت کرنے لگے۔ ان کی ضلالت اس اصول پر تھی کہ وجودِ مطلق خارج میں موجود ہے حالانکہ خارج میں جو موجود ہے وہ مقید و معین ہے اور ذہن میں جو مطلق ہے وہ خارج میں مقید ہے۔ جو کوئی اس زعمِ باطل میں گرفتار ہو کہ ذہن میں مطلق شے خارج میں اپنے تحقق کی حالت میں مطلق ہی ہوتی ہے، وہ سخت غلطی کا شکار ہے۔ یہاں اکثر منطقیوں اور فلسفیوں نے ٹھوکر کھائی ہے اور گمراہ ہو گئے ہیں۔

مطلق بشرطِ اطلاق وہ ہے جو ثبوتیہ اور سلبیہ جمیع امور کے سلب کے ساتھ مقید ہو جیسا کہ انسان ہر قید سے مجرد پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر تم کہو ذہن میں یا خارج میں موجود ہے، یا معدوم ہے، یا ایک یا زیادہ ہیں، تو یہ "حقیقتِ مطلقہ بشرطِ اطلاق" پر ایک زائد قید ہو گی۔ اسی طرح وہ وجود جو ہر ثبوتی اور سلبی قید سے مجرد ہو تو تم اس کو سلبی یا ثبوتی کسی صفت سے منصف نہیں کر سکتے۔ ابو یعقوب سجستانی صاحب "الاقالید الملکوتیہ" وغیرہ ائمہ باطنیہ کے نزدیک واجب الوجود بھی ایسا ہی ہے۔

لیکن ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کو رفع نقیضین کا کوئی پتہ نہیں وہ کہہ دیتے ہیں کہ نہ موجود ہے نہ معدوم ہے۔ ان میں ابو یعقوب جیسے لوگ بھی ہیں، جو کہتے ہیں کہ میں نقیضین میں سے ایک کے اثبات میں توقف کرتا ہوں۔ میں نہیں کہتا کہ موجود ہے، اور معدوم نہیں ہے۔ قائلینِ وحدتِ وجود کی یہ انتہائی تجرید ہے۔

ابن سینا اور اس کے مقلد کہتے ہیں کہ وجودِ واجب، امورِ سلبیہ کے سوا امورِ ثبوتیہ کے سلب کے ساتھ وجودِ مقید کا دوسرا نام ہے۔ یہ خارج میں وجود، جو وجود و عدم کے سلب کے ساتھ مقید ہو سے بھی زیادہ محال ہے اگرچہ وہ بھی موجود و معدوم میں ممتنع ہے۔"

آپ نے فرمایا: "میں نے تحقیق کے ان مدعیوں سے کہا تم نے اپنی بات کی بنیاد منطقی قوانین پر رکھی ہے اور یہ وجودِ مطلق بشرطِ اطلاق، جو نقیضین کے سلب کے ساتھ مقید ہو، باتفاق عقلا خارج میں نہیں پایا جاتا۔ بس ذہن میں مقدر ہوتا ہے ورنہ جب ہم ایک مطلق انسان کو قیاس کریں اور اس میں شرط رکھیں کہ نہ وہ موجود ہے نہ معدوم، نہ ایک ہے اور نہ زیادہ، تو ایسا انسان خارج میں موجود نہیں، بلکہ ہم اس کو صرف ذہن میں فرض کر لیں گے۔ جس طرح کہ ہم جمع بین النقیضین کو فرض کر لیتے

ہیں ۔ اب "رفع النقیضین" و "جمع بین النقیضین" میں کیا فرق رہا؟ اسی مشکل کی بنا پر ان میں سے بعض کبھی اس کو "جمع بین النقیضین" کے ساتھ متصف کرتے ہیں اور کبھی توقف کرتے ہیں، جیسا کہ ابن عربی وغیرہ اکثر کرتے ہیں، اور کبھی اس کو اور اس کو جمع کرتے ہیں، جیسا کہ اصحاب البطاقہ وغیرہ کے کلام میں موجود ہے ۔ جب وہ کہتے ہیں کہ وہ اس کے باوجود عالم کا موجد ہے، اور شرط یہ رکھتے ہیں کہ وہ ثبوت ونفی کے ساتھ متصف نہیں کیا جا سکتا، تو یہ صریح تناقض ہوا ۔ اگر وہ موجد ومبدع ہے تو اس سے اور اس سے وہ خارج نہیں ۔ اسی طرح جب وہ کہتے ہیں واجب موجود ہے، اور اس میں نقیضین کی تجرید کی شرط سے مشروط کرتے ہیں، تو یہ بھی تناقض ہوا ۔ ان کے قول کو سادہ الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے "وہ موجود ہے، موجود نہیں ہے ۔ واجب ہے، واجب نہیں ہے"۔ ان کی بات کا نتیجہ یہی نکلا، وہ یا تو "جمع بین النقیضین" ہے یا "رفع نقیضین"۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے حیران وپریشان ہیں ۔ ان کے نزدیک انبیاء علیہم السلام واولیاء رحمہم اللہ اور ائمہ وفلاسفہ کی معرفت کی یہ آخری منزل ہے ۔

ان کی گمراہی کے اصولوں میں سے ایک ان کا یہ گمان ہے کہ ان کا یہ قول دراصل تشبیہ سے پاک ہے اور جب وہ اثبات یا نفی کی صفت بیان کرتے ہیں، تو یہ تشبیہ ہوتی ہے ان کو علم نہیں کہ جس تشبیہ کی اللہ تعالیٰ سے نفی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مخلوق کے خصائص میں سے کسی خصوصیت کو اس کے لیے بیان کیا جائے، یا اس کو مخلوق کی کسی صفت کے ساتھ اس طرح متصف کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس صفت کا وہی مفہوم لیا جائے، جو مخلوق کے لیے اس سے لیا جاتا ہے اس کے لیے جواز ووجوب اور امتناع کا مطلق وہی پیمانہ رکھا جائے، جو مخلوق کے لیے ہوتا ہے ۔ یہ وہ تمثیل ہے، جو عقلی اور شرعی لحاظ سے ممنوع ہے ۔ اس کو کسی نقص والی صفت سے متصف کرنا اور صفات کمال میں کسی غیر کو اس کا مماثل بنانا ممنوع ہے اس میں وہ سب باتیں آجاتی ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ضروری ہے ۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ" (الاخلاص)

"کہہ دو اللہ ایک ہے ۔ اللہ بے نیاز ہے ۔ نہ وہ کسی کا باپ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے"۔

نام میں موافقت سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں مثلاً زندہ اور زندہ میں ۔ موجود اور موجود ہیں ۔

علیم اور علیم میں۔ اس سے تعطیلِ محض لازم آتی ہے۔ ہر وجود موجود بنفسہٖ قائم ہوں' لازم آتا ہے کہ ان پر ایک عام اسم کا اطلاق ہو' لیکن اس صورت میں قائم معنیٰ خارج کی بجائے ذہن میں موجود ہوگا۔ جب یہ کہا جائے کہ "یہ موجود ہے اور یہ موجود ہے" تو دونوں "وجود" میں مشترک ہوں گے' اور یہ اشتراک صرف ذہن میں ہوگا' خارج میں نہیں ہوگا۔ ہر موجود جو اپنے نفس اور صفات کے ساتھ مختص ہو' خارج میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا اس کی کسی چیز میں شریک نہیں ہوگا۔ اشتراک تشابہ اور اتفاق کی ایک نوع ہے۔ اس میں مشترک کلی خارج میں موجود نہیں ہے۔ جب وہ خارج میں موجود ہوگی' تو اپنی نظیر سے متمیز ہوگی' بالکل وہی نہیں ہوگی اور نہ وہ دونوں' جو خارج میں موجود ہیں' خارج میں کسی چیز میں مشترک ہوں گے جس طرح کہ "موجود" اور "خالق" کا اسم' مخلوق کے اسم کے موافق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اسم عام کلی ہے' اور وہ متواطی اور مشکک اسماء میں سے ہے۔ تو اس سے یہ قطعاً لازم نہیں آتا کہ اس اسم کے مسمّٰی کے ساتھ رب تعالیٰ متصف ہو' اور اس میں اس کے ساتھ مخلوق بھی شریک ہو۔ بلکہ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ جس اسم کے مسمّٰی کے ساتھ مخلوق متصف ہو' اس میں کوئی دوسری مخلوق شریک نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کا وجود اس کو خاص کرتا ہے' پھر بھی کبھی جس صفت سے ایک مخلوق متصف ہو' دوسری مخلوق اس صفت سے متصف ہو کر اس کی مماثل ہو جاتی ہے اور ایک پر وہ جائز ہوتا ہے جو دوسری پر جائز ہوتا ہے۔

لیکن رب سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ' اس کی صفات میں قطعاً کوئی چیز کسی لحاظ سے مماثل نہیں ہوتی' بلکہ اس کے اور مخلوق کی صفات میں اس سے بھی زیادہ فرق ہے' جتنا کہ سب سے اعظم مخلوق اور احقر مخلوق میں ہوتا ہے۔

لیکن عام کلی' جو معنیٰ میں مشترک ہو' ذہن کے سوا کہیں موجود نہیں جب اس کے ساتھ دو متصف ہوں گے' تو ان کے درمیان میں ایک نوع کی موافقت و مشارکت ہوگی اس طرح ان کے درمیان مشابہت ہوگی اور اس میں کوئی ہرج نہیں۔ قدرِ مشترک جتنا وجوب و جواز اور امتناع لازم کرتی ہے' اللہ تعالیٰ اس سے متصف ہے۔ موجود من حیث "ھو موجود اَوِالحی اَوِالعلیم" جب بھی کہا جائے' تو اس کو وجوب و جواز اور امتناع لازم آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ موصوف ہے ــــ مخلوق کے وجود اور زندگی اور علم کی یہ حیثیت نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی وجوب و جواز اور استحالہ کی کسی خصوصیت

سے متصف نہیں کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی وجوب وجواز اور استحالہ کی کسی صفت سے مخلوق کو موصوف نہیں کیا جا سکتا جس نے یہ بات سمجھ لی اس کے بہت سے اشکالات آپ سے آپ ہی ختم ہو جاتے ہیں جن میں اکثر علومِ کلیہ اور معارفِ الٰہیہ کے ذہین مفکرین کے قدم لڑکھڑا گئے!"

پھر انہوں نے ان کے اقوال میں سے واجب الوجود میں دوسرا قول ذکر کیا ہے، ابنِ سینا اور اس کے مقلدین اسی قول کے قائل ہیں اور وہ یہ ہے کہ ماہیات کی کوئی چیز وجودِ مقید کی معارض نہیں پھر اس پر پوری طوالت اور تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے اور اس کا رد کیا ہے۔ اس کا ذکر ہمارے موضوع سے متعلق نہیں۔

مقصد یہ ہے کہ جس قولِ اول کو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وہ مطلق ہے نفی و اثبات سے اطلاق کی شرط کے ساتھ وہ تعطیل و الحاد میں سب سے کامل ہے۔ محی الدین اور اس کے ہم مسلک اسی کے قائل ہیں۔ اس نے فصوص میں دیگر اقوال کے ساتھ اس انتہائی بدمزہ اور معیوب قول کا ذکر کیا ہے۔ کیا کسی متشرع کے لیے ممکن ہے کہ جو شخص قرامطہ کے قول کا قائل ہو اس کو اولیاء میں شمار کرے اور جس پر اس نے اعتراض کیا ہے اس پر اعتراض کرے اور اس کو بدعتی کہے؟

قاضی الیمن علامہ شرف الدین شیخ اسماعیل بن ابی بکر معروف بابن المقری شافعی نے وحدت الوجود کے قائلین اور ان کی کتابوں پر ایک روشن اور طویل قصیدہ لکھا ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

"اس وقت اسلام پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے اور لوگ اس سے چیخ اٹھے ہیں۔ ابنِ عربی نے اسلام کی حرمتوں اور شعائر پر تابڑ توڑ حملے کیے ہیں اور ان کو اپنی تلبیس کا نشانہ بنایا ہے۔ اس وقت مسلمان حوادث کا شکار ہیں۔ ان کے نزدیک کبیرہ گناہ بھی صغیرہ ہیں۔ یہ حوادث و مفاسد ابنِ عربی کی کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں جس نے نہایت ڈھٹائی اور بے حیائی سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے ہیں۔ اس نے کہا ہے کہ "رب اور بندہ ایک چیز ہے"۔ "میرا رب بغیر کسی تبدیلی کے مربوب ہے"۔ آگے چل کر فرمایا:

"جن صفات و احکام کو شریعت ثابت کرتی ہے وہ ان کی نفی کرتا ہے۔ جس پر ایمان لا کر لوگ مسلمان ہوئے ہیں، اس نے اس کے مفہوم و معانی میں خرابی اور فساد پیدا کر دیا ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اس سے ربِ ذو العرش پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بڑی ہفوات سے محفوظ رکھے۔ اس

نے کہا ہے کہ عذابِ الٰہی شیریں ہے اور اس کی دوزخ میں ہر فاجر نعمتوں میں ہوگا۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ دنیا میں کسی نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی' اس لیے کوئی بھی اس کی معافی اور بخشش کا محتاج نہیں ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کا مطیع ہے' وہی کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر شخص مرتضیٰ اور سعادت مند ہے۔ کوئی گناہگار خسارے میں نہیں ہوگا وہ کہتا ہے' کافر جب مرتے ہیں' تو سب کے سب ایمان لے آتے ہیں۔ اس نے صرف فرعون کے بارے میں نہیں کہا کہ وہ مرتے وقت ایمان لے آیا تھا' بلکہ وہ کہتا ہے کہ سب کافر ایمان لے آتے ہیں' اے دوست! اگر تو بہتر مومن بننا چاہتا ہے تو اس کو جھٹلا۔ اگر تو نے اس کی تصدیق کی' تو بدتر کافر بن جائے گا! —— نوح علیہ السلام نے قوم کو وَدّ ، سواع اور نسر وغیرہ کو ترک کر دینے کی طرف دعوت دی تھی۔ جنہوں نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا' ابن عربی ان کی مدح و تعریف کرتا ہے' اور جنہوں نے آپؑ کی دعوت اور حکم کو قبول کر لیا' ان کو وہ بڑا جاہل بتاتا ہے' کیونکہ وہ جہری کفر کے قائل نہ تھے۔ کہتا ہے کہ طوفانِ نوح سے قوم غرق نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس کا شدید رد کرتا ہے۔ کہتا ہے' ان کے غرق ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ علوم و معارف میں غرق ہو گئے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کا بہترین مددگار ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ قوم عاد نے دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور ملاقات کی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی لعنت کی خبر دی ہے۔ اس دیدہ دلیری کا اندازہ کیجیے۔ اس نے فرعون اور اس کے قول کو کہ "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" (میں سب سے بڑا رب ہوں) سچا سمجھا اور ہر سامری کو پسند کیا۔ فرعون کی علم و ذکاوت کے ساتھ تعریف کی' اور موسیٰ علیہ السلام کو جلد باز کہا ہے' اور کہا کہ خلیل اللہؑ نے وہم میں بیٹے کو ذبح کر دیا تھا۔ اس کا بیٹے کے متعلق خواب' تعبیر کا محتاج تھا۔ وہ اہلِ کفر کی تعظیم کرتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رُتبے کو گھٹانے والا معاملہ کرتا ہے۔ وہ بتوں کی تعریف کرتا ہے' اور اس کے پُجاریوں کو گناہگار اور عاصی نہیں سمجھتا۔ اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑی دیدہ دلیریاں اور جسارتیں کی ہیں' اور آیات کی غلط تفسیر کر کے تحریف کی ہے۔ اس نے کفر کا کوئی حصہ نہیں چھوڑا' جس کو عمداً اس نے سمیٹا نہ ہو' اور بے دھڑک ہلاکت کے گڑھے میں گرا نہ ہو' اور کہا کہ چین سے ہمارے پاس کبار اولیاء کا خاتم الاولیاء آئے گا۔ اس کا مرتبہ نبی سے اُوپر اور نبی کا مرتبہ اس سے کم ہوگا۔ یہ نفرت انگیزی قابلِ تعجب ہے۔ کہتا ہے' اُس کا درجہ اس لیے بلند ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ اخذ کیا ہے۔

اور وہ ظاہری احکام پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور مصطفےٰ ﷺ کی اتباع سے اس کا درجہ کم نہیں ہوتا۔ اگر وہ اتباع کرے تو بہت سے پہلوؤں میں اس سے اعلیٰ ہوتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اس کی روح کو پاک نہ کرے جو اس سے محبت کرتا ہے حالانکہ اس میں ہفوات و ہذیان گوئی کو دیکھتا ہے! ——————— پھر ایک مدت کے بعد کہا کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ تو ہی وہ خاتم ہے" اور فرمایا "مجھ سے تجھے ولایت غافل نہ کر دے تو ہمیشہ میری زیارت کیا کر"۔ یہ شخص دنیا میں سب سے بڑا کذاب اور بڑا کافر ہے۔ جب کافر مطیع مومن کی طرح ہو جائے تو پھر نیک اور بد کے درمیان فرق کیا رہا؟ کیا کوئی عاقل اپنی گردن سے ربقہ دین اتار دے گا۔ ایک کفر و ضلالت میں غرق شخص کے کہنے سے؟ اور کیا وہ رسولوں کی ہدایت کو ایک بہانہ ساز فیلسوف کی وجہ سے ترک کر دے گا؟ اے وہ شخص جو اس کی کتاب "فصوص" اور "فتوحات" میں برائیوں کے متعلق حُسنِ ظن رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے دین کو لازم پکڑ۔ کل کو دوزخ کے شعلوں کے حوالے نہ ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب شیریں نہیں ہے جیسا کہ بعض ملحد شیوخ تمہیں بتاتے ہیں۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق چمڑوں کو جلائے گا اور چمڑے جلنے کے بعد بدلے جاتے رہیں گے۔ اگر تم نے توبہ نہ کی تو قیامت کے دن تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کی بات سچی ہے؟ اس وقت تمہارے سامنے صورتِ حال اس کے یکسر خلاف ہوگی، جو وہ کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کا عذاب تکلیف نہیں دے گا"! — اور اس دن رب العرش محمد ﷺ کے اور باطل کا جھنڈا اٹھانے والے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا جھوٹا دین پیش کیا، کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

وہ غیر نبی کو نبی پر ترجیح نہ دیں۔ صبح کا نور راتوں کے اندھیرے کی مانند نہیں ہے محمد ﷺ کے ارشاد کے مقابلے میں ہر صاحبِ قول کو ترک کر دو، وہ آپ ﷺ کے دین میں بخوشی ایمان نہیں لایا۔

"فصوص" پر ایمان رکھنے والے لوگ کفر کے ظاہر سمندر میں کھڑے ہیں۔ اے صوفی! "فصوص" سے بچ اور بُرے انجام سے ڈر۔ سہل، جنید ——————— صالح اور دوسرے اولیاء رحمہم اللہ کی راہ اختیار کر جو چمکتے ستاروں کی مانند ہیں۔ وہ سب شرع کے پابند تھے۔ ان میں وحدت و حلول کا ذکر تک نہیں ملتا۔ وہ ایسے بزرگ تھے جنہوں نے گھر کو دارِ اقامہ نہیں بلکہ مسافر خانہ سمجھا۔ انہوں

نے اپنی راتوں کو نمازوں سے زندہ رکھا اور ان میں رب العرش کے خوف کو ظاہر کیا۔ ان کو اس دن کا ڈر لگا ہوا تھا جس کی بُرائی پھیلی ہوگی۔۔۔۔ پیشانی شکن آلود اور چہرہ قمطریر ہوگا۔ ان کے جسموں کو راتوں کے قیام اور گرمیوں کے روزوں نے کمزور و نڈھال کر دیا تھا۔ یہ ہیں اہل اللہ۔ ان کا طریقہ اختیار کر اور بدعات سے دُور رہ۔"

بُہت سے اہلِ علم نے ابن عربی کا رد لکھا ہے۔ "فصوص" و "فتوحات" اور دوسری کتابوں میں اس نے جو غلطیاں کی ہیں، اور شریعت کے خلاف مسائل لکھے ہیں، ان کو واضح کیا ہے۔ نبہانی جب حسبِ عادت تکرارِ کلام کرے گا تو ہم اس کی وضاحت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس سے انتقام لے۔ ان مباحث میں اس نے بلاضرورت جھگڑے کھڑے کر دیئے ہیں حالانکہ ان کا پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اور سب مسلمانوں کو بخشے!

نبہانی نے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو ابنِ حزم کے ساتھ تشبیہ دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ابنِ حزم کو پسند نہیں کرتا۔ حالانکہ ابنِ حزم جلیل الشان شیخ ہیں، اور علم و زہد میں یگانہ روزگار تھے۔ انہوں نے بڑی مفید کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کا جُرم یہ ہے کہ انہوں نے اشاعرہ اور اس طرح کے لوگوں کے مفاسد کو آشکار کیا ہے، اور سنّت کے مخالفین پر جرح کی ہے۔ اگرچہ بعض اجتہادی فروگذاشتیں بھی ان سے ہوئی ہیں، نبہانی ایسے جاہل کو یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ ایسے شخص پر جسارت کرتا جو علم و زہد میں اس کے امام کے لگے کا ہے لیکن وہ ڈھیٹ اور بے شرم ہے، پرلے درجے کا احمق اور جاہل ہے۔

جوابِ ثالث

نبہانی دو قصائد کے پیچھے پڑ گیا جو یگانۂ جہاں تھے:

(۱) ایک قصیدہ شیخ، امام، عالم، علامہ، حافظ، صاحبِ فنونِ بدیعہ و مصنفاتِ نافعہ ابوالمظفر یوسف بن محمدؒ بن مسعود بن محمدؒ بن علی بن ابراہیم عبادی ثم عقیلی سرمری نزیل دمشق حنبلی کا ہے۔ انہوں نے ان اشعار میں سبکی کے اشعار کے لتے لیے ہیں، جو سبکی نے کتاب "منہاج السنۃ" کو دیکھ کر کہے تھے۔

اس کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھی تھی۔

دوسرا قصیدہ شیخ، امام، علامہ ابو عبداللہ محمد بن جمال الدین یوسف شافعی یمنی کا ہے۔ انہوں نے سبکی کے اشعار کا رد لکھا ہے جو اس نے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے رد میں لکھے تھے۔ دونوں قصیدے فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے چوٹی کے ہیں اور ان میں سبکی کا رد بھی ہے۔ اگر وہ ان دونوں کو زندگی میں دیکھ لیتا تو عمر بھر روتا رہتا۔ دونوں قصیدے کتاب "منہاج السنۃ" کے ساتھ مطبوع ہیں، اور بہت سے طالب علم ان کو بڑی حفاظت سے رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان قصیدوں کے ذکر کی یہاں کوئی حاجت نہیں۔

نبہانی! تو شہسواروں میں کیسے آ دخیل ہوا؟ تیرا حال تو یہ ہے کہ بڑا جاہل ہونے کی وجہ سے تو بچوں کے مقابلے سے بھی عاجز ہے۔ تو، جو اپنے زعم میں دونوں قصائد کے مقابلے میں نکلا ہے، تو نے تو دونوں کے نیچے سے بھی کمزور باتیں کی ہیں۔ کہاں سنگریزے اور کہاں پروئے ہوئے موتی؟ کہاں آگ کا شعلہ اور کہاں آسمان کا چاند؟ تیری مثال پانی میں ستاروں کے عکس کی ہے اور آسمان کے رنگ کی ہے جو جوہڑ میں منعکس ہوتا ہے۔ تو نے بڑی پھیکی اور بھدی باتیں کی ہیں۔

ناظرین کرام! علماء ادب نے شعراء کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے:

(۱) شاعرِ خنذیذ، وہ شاعر ہے جو خود بہترین شعر کہے اور دوسروں کے بہترین شعر حکایت کرے۔

(۲) شاعرِ مفلق، وہ شاعر ہے جو عمدہ شعر کہتا ہے۔

(۳) وہ شاعر، جو ردی شعر کہنے والے سے ایک درجہ اُوپر ہوتا ہے۔

(۴) شعرور، اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

بعض کہتے ہیں، شعر دو قسم کے ہیں: (۱) عمدہ اور رجسپت (۲) ردی اور مضحکہ خیز۔ کہتے ہیں کہ جاہل، شعر کو معمولی اور آسان سمجھتا ہے اور عالم اس کو ہولناک خیال کرتا ہے۔ جنہوں نے شعر کو پوری طرح پہچانا، انہوں نے بڑی قلبی محنت کی۔ فنِ شعر کے ماہرین نحو، غریب، مثل اور خبر کی علماء سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں، اگرچہ وہ درجے کے لحاظ سے ان سے کمتر ہی ہوں۔ جب وہ خود علماء ہوں یا علماء کے قریب ہوں، تو ان کی کیا حیثیت ہوگی؟

شعر عقلوں کے لیے پھسلن گاہ ہے۔ اگر کوئی شعر کہے مگر اس کو چھپالے کہ وہ ردی ہے تو

یہ اس لیے کہ وہ شعر پر خوش ہوتا ہے اور اس کو اُونچا سمجھتا ہے۔ یہ دلیل ہے کہ ہر دل میں شعر کی فضیلت، عزت و وقعت موجود ہے۔

اگر صاحبِ علم اور اہلِ ذوق "نہانی" کے شعر کو دیکھیں تو صاف محسوس کریں کہ وہ قطعاً شاعر نہیں ہے اور نہ "شعر" معتبر ہے اور وہ اس کا مسافر ہی نہیں کیونکہ وہ ہر فضیلت سے تہی دامن ہے۔ اس کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنی اس مفلسی کا بھی علم نہیں ہے۔ اس کا قدم ایسا پھسلا کہ وہ گہری پستی میں جا گرا۔ اس کے قصیدے کا پہلا شعر دیکھیے۔ پہلا شعر نہایت عمدہ اور خصوصی توجہ اور محنت کا متقاضی ہوتا ہے۔

فان تعن ثعلبا بسطو علی أسد　　　　او تخذل اللّیث لایقوی لثعلبه

دیکھیے اس کا یہاں اللہ تعالیٰ "ملک العلام" کو مخاطب کر کے "فان تعن ثعلبا" کہنا کتنا بھدا اور قبیح ہے۔ اس نے اپنے لیے "ثعلب" کا مقام پسند کیا ہے جو کتے ہی کی ایک قسم ہے۔ اسی سے اہلِ عقل و دانش کے درمیان اس کی ذلت اور بے وقوفی کا سامان ہو گیا ہے۔ اگر ہم ایسے کلمات کے استعمال اور اس کی غلطیوں کا تفصیل سے حساب کرنے لگیں تو بات طویل ہو جائے گی۔ شعر ایک مستقل فن اور ثقافت ہے۔ اہلِ علم اور اہلِ فن ہی اس کو جانتے ہیں۔ بعض اشعار سے کان متاثر ہوتے ہیں۔ بعض ہاتھ پر اثر کرتے ہیں۔ بعض سے زبان کو چٹخارہ ملتا ہے۔ ان موتیوں اور یاقوتوں کو الفاظ اور وزن سے اہلِ بصیرت بغیر دیکھے نہیں پہچان سکتے۔ درہم و دینار کو پرکھنے والے محض رنگ سے اور ہاتھ لگا کر نہیں پہچان لیتے۔ مثلاً ایک لونڈی کی تعریف یہ کی گئی ہو کہ اس کا رنگ سفید ہے۔ لمبا اور خوبصورت قد ہے۔ دانت سفید چمکدار ہیں۔ آنکھیں اور ناک خوبصورت ہے۔ سینے میں لطافت ہے۔ بڑی ظریف ہے۔ لمبے لمبے بالوں والی ہے۔ اس کی قیمت ایک سو یا دو سو دینار ہے اور دُوسری انہی صفات والی کی قیمت ایک ہزار یا دو ہزار دینار ہے۔ لیکن اس کو اس سے زیادہ بیان کرنا ممکن نہیں، مگر دیکھ کر پتہ چلے گا کہ فرق کیا ہے؟ یہ فرق الفاظ میں بیان نہیں ہو سکے گا۔ اسی طرح ایک مرد اور عورت کی قرائت اور غناء کی تعریف کی جائے گی کہ وہ کھلے اور تر حلق والا، لمبی آواز والا، لمبی سانس والا، درست لہجے والا ہے۔ دوسرے مرد یا عورت کی بھی انہی الفاظ میں تعریف کی جائے مگر دونوں میں بون بعید ہو گا جس کو اہلِ علم دیکھ کر

اور سن کر پہچانیں گے۔

بعض داناؤں نے کہا ہے کہ شعر کی جودت و عمدگی کو الفاظ سے نہیں' بلکہ چہرے کی خوبصورتی کی طرح دیکھ کر ہی اندازہ ہو سکتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ نبہانی کو جو غلط فہمی ہو گئی ہے کہ اس نے ان دونوں قصائد کا اشعار میں معارضہ کیا ہے' بالکل بے حقیقت ہے۔ اس کے شعر کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اس میں صرف لفاظی ہے۔ ہم نے اس کے قصیدے سے ایک شعر بطور نمونہ از خروارے پیش کر دیا ہے' اسی سے باقی نظم کا اندازہ کر لیجئے۔ اس میں نہ سلاست ہے' نہ فصاحت ہے نہ الفاظ اور ترکیب کی چست بندش ہے۔ نہ اس میں طلاوت ہے' نہ حلاوت وہ ایک بے معنی سی نظم ہے۔ اس نے اس نظم میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علو کا انکار کیا ہے' اور استغاثہ بغیر اللہ کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا جواب گزر چکا ہے، اس پر اضافے کی ضرورت نہیں۔ البتہ آئندہ' استغاثہ کا تتمہ مذکور ہو گا ان شاء اللہ!

تنقید

نبہانی نے کہا کہ "امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں سے ایک "کتاب العرش" بھی ہے۔ "کشف الظنون" میں ہے کہ انہوں نے اس میں لکھا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے اور اپنے ساتھ جگہ خالی رکھی ہے' جس میں رسول اللہ ﷺ بیٹھیں گے' جیسا کہ ابو حیان نے "نہر" میں "وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ۔ الآیۃ" کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے: میں نے احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "العرش" میں پڑھا ہے:

"امام غزالی نے "قواعد العقائد" کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ اصل ثامن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے"۔ نبہانی نے زبیدی کی "شرح الاحیاء" کے اس مقام سے نقل کیا ہے کہ "تقی الدین سبکی نے کہا کہ کتاب العرش' ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بُری کتاب ہے الخ"۔ پھر اس نے "جلاء العینین" سے حنابلہ کے قول بالجسمیہ سے انکار کو اور علامہ نورانی کے قول کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد نبہانی اپنی جہالت کی حقیقت کو واشگاف کرنے کے لیے اس پر اعتراض کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبہانی کو علم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں پھر اس باب میں ہفوات بکتا اور ہذیان گوئی کرتا ہے جس کو وہ پہلے بھی کئی بار دُہرا چکا ہے۔

جواب

یہ بہت اونچے درجے کا مسئلہ ہے۔ قبل ازیں جب اس کے ایک رسالے کا ذکر آیا تھا جس میں اس نے اپنے خیال کے مطابق صفتِ علو کے ماننے والوں کا رد کیا ہے تو ہم نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی تھی۔

نبہانی اس میدان کا مرد نہیں ہے وہ لنگڑا ہے اور لنگڑا ایک مضبوط آدمی کی غایت کو نہیں پاسکتا "جلاء العینین" میں اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے جو اہلِ عقل و دانش کے لیے کافی ہے۔ اس میں "کتاب العرش" سے اقتباس دیا ہے۔ "کتاب العرش" ایک بے مثل کتاب ہے۔ اس موضوع پر ایسی شاندار کوئی کتاب نہیں ہے۔ نبہانی نے زبیدی وغیرہ اور سبکی سے جو نقل کیا ہے، اس کا مضمون نبہانی کی تکذیب کرتا ہے۔ نبہانی کی نقل و روایت کا حال تو معلوم ہی ہے۔ شیخ الاسلامؒ کی ہر فن کی کتابیں لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں دکھاؤ، آپ نے کس کتاب میں لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ بیٹھتا اور اس نے اپنے پاس خالی جگہ رکھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ بیٹھیں گے"۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی کس کتاب میں ابو حیان نے لکھا دیکھا ہے؟

حاصل یہ ہے کہ قوانین مناظرہ کے تقاضے کے مطابق ناقل پر واجب ہے کہ اس نقل کی تصحیح کرے۔ تصحیح کے بعد اس پر گفتگو کریں گے۔ آپ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے پر یہ مخفی نہیں کہ آپ کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے لہٰذا وہ اس جھوٹ کی تصحیح نہیں کر سکیں گے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "جن باتوں کی رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے رب کی طرف سے ہمیں خبر دی ہے ان پر ایمان لانا واجب ہے چاہے ہم ان کا معنیٰ سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں کیونکہ آپ ﷺ صادق و مصدوق ہیں۔ کتاب و سنّت میں جو کچھ ہے اس پر ایمان لانا فرض ہے۔ چاہے اس کا معنیٰ سمجھ میں نہ بھی آئے۔ اسی طرح جن باتوں پر سلفِ اُمت اور اس کے ائمہ متفق

ہیں، ان پر ایمان لانا واجب ہے اور یہ مسئلہ عام طور پر کتاب وسنّت میں منصوص ہے اور سلفِ امت اس پر متفق ہیں۔ اور متاخرین کے درمیان اس مسئلہ میں نفیاً واثباتاً جو نزاع ہے کسی پر یہ لازم نہیں کہ اس کو مانے۔ اس کو چاہیئے کہ اس کو سمجھے۔ اگر وہ حق ہو تو قبول کرے، ورنہ مسترد کردے۔ اگر وہ حق وباطل پر مشتمل ہو تو نہ پوری بات کو قبول کرے نہ مسترد کرے بلکہ احتیاط کے ساتھ اس کے لفظ کو اسی طرح استعمال کرے اور معنیٰ کی تشریح کردے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ لوگوں نے لفظِ "جہت" میں نزاع کیا ہے۔ لفظِ "جہت" سے کبھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا موجود ہونا مراد ہوتا ہے تو اس صورت میں وہ مخلوق ہوگی جس طرح کہ عرش اور آسمان ہیں۔ اور کبھی اس سے مراد وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا موجود نہ ہو جس طرح کہ "جہت" سے مراد "ما فوق العالم" مراد ہوتا ہے۔ کسی نص میں لفظِ جہت کا اثبات نہیں اور نہ اس کی نفی ہے جس طرح کہ علو، استواء، فوقیت اور اس کی طرف "عروج" وغیرہ الفاظ نص میں ثابت ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ موجودات میں یا خالق ہے یا مخلوق۔ خالق سبحانہٗ وتعالیٰ مخلوق سے جدا ہے نہ مخلوق میں اس کی ذات کا کچھ حصہ ہے، نہ اس کی ذاتِ پاک میں مخلوق کا کچھ حصہ ہے۔ اس شخص سے یہ سوال کیا جائے، جو جہت کی نفی کرتا ہے کیا تمہاری مراد "جہت" سے یہ ہے کہ وہ موجود و مخلوق ہے؟" اگر یہ ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں داخل نہیں ہے۔ اگر "جہت" سے مراد "ما وراء العالم" ہے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کائنات کے اوپر ہے اور مخلوقات سے بائن ہے۔ اسی طرح اس شخص سے پوچھا جائے گا، جو کہے کہ "اللہ تعالیٰ جہت میں ہے" کہ کیا اس سے تمہاری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات سے اوپر ہے؟ تو یہ حق ہے۔ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ وہ مخلوقات میں سے کسی چیز میں داخل ہے، تو یہ باطل ہے! یہی حیثیت لفظ متحیز کی ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات نے گھیرا ہوا ہے، تو یہ غلط ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بڑا ہے۔ اس کی تو کرسی زمین اور آسمانوں پر وسیع ہے۔ ارشاد ہے:

"وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ الآیۃ" یعنی "انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر شناسی کرنی چاہیئے تھی نہیں کی۔ اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس

کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔"

صحاح میں نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ وَ يَطْوِي السَّمٰوٰتِ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوْكُ الْأَرْضِ؟" "اللہ تعالیٰ زمین کو مٹھی میں لے کر اور آسمانوں کو دائیں ہاتھ میں لپیٹ کر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، کہاں ہیں زمین کے بادشاہ؟"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے:

"مَا السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُوْنَ السَّبْعُ وَمَا فِيْهِنَّ فِيْ يَدِ الرَّحْمٰنِ إِلَّا كَخَرْدَلَةٍ فِيْ يَدِ أَحَدِكُمْ (وَفِيْ حَدِيْثٍ اٰخَرَ) وَإِنَّهٗ لَيُدَحْرِجُهَا كَمَا يُدَحْرِجُ الصِّبْيَانُ بِالْكُرَةِ" "ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے رحمٰن کے ہاتھ میں ایسے ہیں جیسے تمہارے ہاتھ میں رائی کا دانہ" (ایک دوسری حدیث میں ہے) "اور وہ ان کو ایسے لڑھکاتا ہے، جس طرح بچے گیند کو لڑھکاتے ہیں۔"

اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق سے الگ اور جدا ہے وہ مخلوقات میں حلول نہیں کر گیا، جیسا کہ ائمہ سنّت نے فرمایا: "وہ سبحانہٗ آسمانوں سے اوپر عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے الگ اور جدا ہے" جیسا کہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے "تدمریہ" میں ذکر کیا ہے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے "تدمریہ" میں فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ کا علو اور اس کا مخلوقات سے مبائن ہونا عقل سے معلوم ہوتا ہے اور اس کے "استواء علی العرش" کا علم سماعت کے ذریعے ہے۔ کتاب و سنّت میں اس کا وصف بیان نہیں کیا گیا۔ وہ عالم میں نہ داخل ہے، نہ خارج نہ اس سے جدا نہ اس کے اندر۔ وہم پرست گمان کرتا ہے کہ جب اس کا وصف "استواء علی العرش" ہے تو اس کا استواء انسان کے کشتی یا چوپایوں پر استواء کی مانند ہوگا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ[1] الاٰیۃ" "اور تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے۔ جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھ سکو۔"

---

[1] الزخرف: ۱۲، ۱۳

وہ خیال کرتا ہے کہ جب وہ عرش پر مستوی ہے تو عرش کا محتاج ہوا جس طرح انسان بیٹھنے کے لیے کشتیوں اور چوپایوں کا محتاج ہے۔ اللہ اس سے بلند اور پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے "استواء علی العرش" کا یہ مفہوم کہ وہ انسان کے استواء کی مانند ہے' سراسر غلط ہے' لفظ سے ایسا مفہوم مترشح نہیں ہوتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے استواء کی اضافت اپنے نفسِ کریم کی طرف اس طرح فرمائی ہے' جس طرح کہ اس نے باقی افعال وصفات کو اپنی طرف مضاف کیا ہے۔ اس نے ذکر کیا ہے کہ "اس نے پیدا کیا' پھر مستوی ہوا" جس طرح یہ ذکر کیا ہے کہ "اس نے اندازہ ٹھہرایا' پھر راہنمائی دی"۔ "استواء" کا مطلق ذکر نہیں فرمایا' جو مخلوق کے مناسب حال ہوتا ہے' اور نہ اس کو عام رکھا ہے کہ مخلوق بھی اس میں شامل ہو جائے۔

یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق سے بے نیاز ہے' اور وہ عرش وغیرہ کا خالق ہے' اور اس کے سوا ہر چیز اس کی محتاج ہے' اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد یہ خیال کیسے کیا جا سکتا ہے کہ جب وہ اپنے عرش پر مستوی ہے' تو اس کا محتاج بھی ہے؟ ظالموں کے اس قول سے اللہ تعالیٰ بہت بلند اور پاک ہے۔ جو یہ خیال کرے' وہ جاہل اور گمراہ ہے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے آیت الکرسی کی تفسیر میں' جو ایک بڑی جلد میں ہے' اسی طرح ذکر کیا ہے' اور آپ نے اپنی بہت سی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے۔ تہمت تراش اور کذاب نبہانی نے جو کچھ نقل کیا ہے' وہ آپ کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے کہ "اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے' اور اس نے ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خالی رکھی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں بیٹھیں گے"۔ اس کو نہ آپ نے' نہ آپ کے شاگردوں اور ساتھیوں میں سے کسی نے بیان کیا ہے' مثلاً حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں موجود ہیں' اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں بھی شہروں اور علاقوں میں پھیلی ہوئی ہیں' اور حافظ امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتب بھی متداول ہیں۔

ان لوگوں پر تعجب ہے جو آپ کے صریح کلام اور عبارت النص کی طرف تو دھیان نہیں دیتے' اور غالی ابن حجر مکی' سبکی اور زبیدی وغیرہ جیسے آپ کے دشمنوں سے سن کر یقین کر لیتے ہیں۔

ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ بعض صوفی ہونے کے دعوے داروں کے کفریہ کلمات سے مدافعت کرتے نظر آتے ہیں' اور ان کے کفریہ کلمات کی تاویل و تصویب میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ ان

کی تصحیح میں ان کی بے جا حمایت کرتے ہیں، اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ کبھی انہوں نے حق کے مطابق بھی کلام کیا ہے۔

میں نے ایک دن ایک غالی سے صاحب "الفصوص" و "الفتوحات" کے حلول و اتحاد کے مصرحہ کلمات پر گفتگو کی، اور میں نے اس کے سامنے علامہ سعد تفتازانی، شیخ علی قاری اور شیخ محمد بخاری وغیرہ کے ان کلمات پر تبصرہ و تنقید کو ذکر کیا۔ اس نے جواب میں کہا "ان لوگوں نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ صاحب "الفصوص" نے اپنی بہت سی کتابوں میں اسلام کے عقیدہ کی تصریح کی ہے۔ اب ہم پر لازم ہے کہ مخالفِ اسلام باتوں کی موافقِ اسلام باتوں کے مطابق توجیہ کریں اور ان کا بہتر محمل تلاش کریں۔ مثلاً انہوں نے اس کے اس قول کی تاویل کی ہے: "سبحان من اظهر الاشياء وهو عينها اى عين وجودها المماسك لها" (پاک ہے وہ ذات جس نے اشیاء کو ظاہر کیا حالانکہ وہ بعینہ وہ ہے یعنی وہ بعینہ ان کے ساتھ چمٹنے والا موجود ہے) یہ سب کچھ ان باکمال لوگوں کو تنقید سے بچانے کے لیے کیا ہے"۔ میں نے کہا "تمہاری اس مسلمان کے متعلق کیا رائے ہے جو نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، حج کرتا ہے اور اس نے کلمۂ کفر کہہ دیا ہے؛ کیا اس کی بات کی تاویل کی جائے گی اور اس سے کفر کے موجب و سبب سے اس کو بچا لیا جائے گا؟ تم اہلِ ردّہ کے بارے میں وہی کہتے ہو جو فقہاء نے کہا ہے، مگر جب ابن تیمیہؒ کی باری آتی ہے، تو اس کی اس طرح مدافعت نہیں کرتے اور اسی طرح کے عذر نہیں پیش کرتے، جو تم نے شیخ کے بارے میں پیش کیے ہیں حالانکہ ان کی کتابیں ایمان باللہ والرسول ﷺ سے بھری پڑی ہیں، اور اس بات پر جرح و قدح کرتے ہو جس کا ان کی یا ان کے اصحاب کی کتابوں میں وجود نہیں، اور جس کو تمہارے ائمہ نے جھوٹ گھڑ کر ان کے ذمے لگا دیا ہے۔ تم پر لازم تھا جب آپ کی کتابوں میں مذکورہ بات ثابت ہو بھی جائے تو اس کا بہتر محمل تلاش کرتے اور اپنے ائمہ و اسلاف کی ہمنوائی میں شیخ الاسلامؒ کو گالیاں نہ بکتے"۔ اس سے وہ لاجواب ہو گیا اور میں نے بھی اس کے ساتھ گفتگو سے اعراض کر لیا۔

اور ہم نے جو آپ سے کتاب العرش، تفسیر آیت الکرسی اور تدمریہ وغیرہ میں سے نقل کیا ہے، سلف کا بھی یہی قول ہے، اور بہت سے متاخرین نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔

صوفی محقق، عارف، امام ابوالعباس عماد الدین احمد واسطی نے جو شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے

شاگرد ہیں اور جن کے متعلق شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ وہ اپنے زمانے کے جنید ہیں اپنے رسالہ "نصیحۃ الاخوان" میں فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

"اللہ تعالیٰ تھا اور مکان، عرش، پانی، فضا، ہوا، خلاء، ملاء کچھ نہیں تھا۔ وہ اپنی قدامت و ازلیت میں منفرد اور اپنی فردانیت میں یکتا ہے۔ اس کو یوں بیان نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ اس کے اوپر ہے کیونکہ وہ عالم کے دو جہتوں فوق اور تحت سے پہلے تھا۔ اس کا کوئی زمانہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس فردانیت میں حدث کے لوازم اور اس کی صفات سے منزّہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا مقدس ارادہ ہوا کہ وہ محدث و مخلوق جہات سے محدود کائنات کو پیدا فرمائے تو اس نے چاہا کہ کائنات کا علو اور تحت بھی ہو لیکن اللہ تعالیٰ حدث کی صفات سے منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا فرمایا اور اس کی دو جہتیں بنائیں۔ حکمتِ الٰہی نے چاہا کہ کائنات نیچے کی طرف ہو کیونکہ وہ مخلوق اور مربوب ہے اور عظمتِ ربّانی کا تقاضا ہوا کہ وہ کائنات سے اُوپر ہو۔ یہ فوقیت باعتبار کائنات کے ہے نہ کہ اس کی فردانیت کے لحاظ سے کیونکہ وہاں نہ فوق ہے نہ تحت!

اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی قدامت وازلیت و فردانیت میں تھا، اب بھی اسی طرح ہے۔ اس میں یا اس کی صفات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ جب اس نے مربوب و مخلوق، حدود و جہات اور خلاء و ملاء اور فوقیت و تحتیت والی مخلوق کو پیدا کیا، تو اس کی عظمت و ربوبیّت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ اپنے ملک و حکومت کے اُوپر ہو۔ اور مملکت باعتبار کائنات کے اس کے تحت ہو نہ باعتبار کائنات کے خالق کی قدامت کے! جب اس کی طرف کسی چیز سے اشارہ کیا جائے تو یہ محال ہے کہ اشارہ تحت یا میمنہ یا میسرہ کی جہت سے ہو بلکہ لائق نہیں کہ اس کی طرف فوقیت و علو کے سوا اشارہ کیا جائے۔ پھر اشارہ کائنات، اس کے حدوث اور اس کے اسفل کے مطابق ہوگا۔ تب اشارہ کائنات کے اعلیٰ حصے کی طرف ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کی طرف ہوگا جیسا کہ اس کی شان کو لائق ہے۔ نہ کہ ہمارے نزدیک کائنات کی محسوس حقیقت کی طرف جو کائنات کا اعلیٰ حصہ ہے۔ وہ اشارہ جسم کی طرف ہوتا ہے اور یہ اشارہ اثبات کی طرف ہوتا ہے۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو سُنیئے استواء اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے لیکن اس کا اظہار عرش کی پیدائش کے بعد ہوا جیسا کہ حساب لینا اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدیمہ ہے مگر اس کا اظہار آخرت میں ہوگا۔ اسی طرح تجلی کا حکم بھی آخرت میں اپنے

مجمل پر ہوگا۔"

فرمایا "جب یہ معلوم ہوگیا تو جن متاولین نے "فوقیت" کی تاویل "مرتبہ کی فوقیت" سے اور "استوار" کی "تسلط و حکومت" سے کی ہے اور جس سے بھاگ کر انہوں نے یہ تاویل کی ہے، ہم ان سے بھی اس سے زیادہ بھاگتے ہیں اور اس سے باری تعالیٰ کی بے حد تنزیہ کرتے ہیں۔ وہ ایسی حد سے محدود نہیں جو اس کو محیط ہو بلکہ ایسی حد کے ساتھ جس سے اس کی ذات کی عظمت اس کی مخلوقات سے ممتاز ہو جائے۔ جہت کی طرف اشارہ محض کائنات اور اس کے نیچے ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ اس کے بغیر اس کی طرف اشارہ ہو نہیں سکتا۔ صفاتِ حدث سے اس کی ذاتِ قدسی پاک ہے۔ ازل اور قدامت میں فوقیت اور تحتیت تھی ہی نہیں۔ جو شخص تحت میں محصور ہے اس کو اپنے باری تعالیٰ کی معرفت صرف اس کی فوقیت سے ہو سکتی ہے۔ لہٰذا عقلی طور پر حقیقت میں اشارہ عرش کی طرف ہوگا اور عرش پر جہات ختم ہو جاتی ہیں۔ اس کے پیچھے وہ کچھ ہے جس کا عقل ادراک نہیں کر سکتی۔ پس اس کی طرف اشارہ واقع ہوگا لیکن بلا کیفیت و مثل، مجمل اور مثبت طور پر ہوگا۔ جس طرح اس کی ذاتِ پاک کو لائق ہے۔"

فرمایا "اس علم اور عقیدے سے ہم تاویل کے شبہئے تعطیل کے اندھے پن سے تشبیہ و تمثیل کی حماقت سے بھی چھوٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے لیے علو و فوقیت اور استوا علی العرش اسی طرح ہے جو اس کی جلالت کے عظمت کے لائق ہے۔ اس میں حق واضح نظر آتا ہے۔ اس سے انشراحِ صدر ہو جاتا ہے۔ استوار کی تعریف استیلاء (حکومت و قبضہ) کے ساتھ کرنے سے عقولِ صحیحہ انکار کر دیتی ہیں۔ لہٰذا اس پر وقوف، جہالت و گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ان صفات کے ذریعے سے اپنی ذاتِ پاک کو بیان فرمایا ہے تاکہ ہم اس کو ان صفات سے پہچان سکیں۔ ہمارے صفات کے نفی و اثبات میں متوقف ہونے سے اس سے ہٹنا لازم آتا ہے جو ہماری تعریف کا مقصد ہے جب اس نے خود ان کے ساتھ اپنے نفس کو متصف کیا تاکہ ہم بھی اس کے لیے وہی ثابت کریں جن سے اس نے اپنے نفس کو ہمارے لیے بیان کیا ہے لہٰذا اس صورت میں ہم توقف نہیں کریں گے۔"

اور کہا "اسی طرح تشبیہ و تمثیل حماقت و جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ اثبات کی توفیق دے تو اس میں تحریف نہیں نہ تکییف و وقوف ہے۔"

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب العرش میں عرش پر مفید گفتگو فرمائی ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مکمل فائدے کی غرض سے اس کو یہاں نقل کر دیں۔ آپ کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے :

"عرش کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ آسمانوں کی طرح گول ہے جو ان پر محیط ہے یا گول نہیں ہے اور افلاک کے اوپر ہے؟ اگر پہلی بات ہو تو باتفاق اہلِ علم افلاک مستدیر اور کرّی الشکل ہیں اور جہتِ علیا ہی جہتِ محیط ہے اور وہی محدد ہے۔ جہتِ سفلی مرکز ہے۔ افلاک کی صرف دو جہات ہیں علو، سفل۔ رہی جہاتِ ستہ تو وہ جانداروں کے لیے ہیں وہ فی نفسہ صفتِ لازمہ نہیں، بلکہ اضافی ہیں جو سمت ایک کی دائیں ہے، وہی دوسرے کی بائیں ہو سکتی ہے جو سمت ایک کے لیے امامیہ ہوگی، تو وہی دوسرے کے لیے خلفیہ ہو سکتی ہے اسی طرح ایک کے لیے جو جہتِ علو ہے، وہی دوسرے کے لیے جہتِ سفل ہو سکتی ہے جو ایک کے لیے فوقی سمت ہے، وہی دوسرے کے لیے تحتی سمت ہو سکتی ہے لیکن افلاک کی جہاتِ علو و سفل میں کبھی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ یعنی محیط علو ہے اور سفل مرکز ہے اور زمین کو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کیا ہے۔ اس پر انسان، چارپائے، درخت، نباتات، پہاڑ، بہتی نہریں موجود ہیں لیکن زمین کے دوسرے کنارے کو بحرِ محیط ہے وہاں آدمیوں اور اس کے تابع چارپاؤں، درختوں، نباتات، پہاڑوں، دریاؤں وغیرہ کا وجود نہیں۔ بالفرض وہاں کچھ ہوگا تو روئے زمین پر ہوگا۔ وہاں کوئی تحتی سمت نہیں ہوگی جیسا کہ افلاک مرکز کو محیط ہیں۔ اور آسمان کی دونوں جانبوں میں سے کوئی دوسرے کی تحتی جانب نہیں ہوگی۔ نہ ہی قطب شمالی قطب جنوبی کے تحت ہوگا اور نہ اس کے برعکس!

اگر ہمارے لیے قطبِ شمالی زمین کے اوپر ظاہر ہو تو اس کا ارتفاع خطِ استوار سے لوگوں کے بُعد کے مطابق ہوگا مثلاً اگر خطِ استوا سے بُعد تیس درجے ہوگا تو وہاں قطب کا ارتفاع تیس درجے ہوگا اسی کا نام عرض بلد ہے۔

اگر یوں سمجھا جائے کہ عرش مستدیر اور مخلوقات کو محیط ہے تو پھر عرش مخلوقات سے اونچا اور ان کے لیے بمنزلہ چھت ہے۔ وہ مطلقاً مخلوقات سے جہتِ فوق میں ہے۔ اگر انسان اس کی طرف اور اس کے اوپر کی طرف متوجہ ہوگا تو لامحالہ باقی جہات سے جہتِ علو کی طرف متوجہ ہوگا۔ اور جو کوئی نویں یا آٹھویں فلک وغیرہ کی طرف سوائے جہتِ علو کے متوجہ ہوگا تو وہ باتفاق العقلاء

جاہل ہوگا تو جب عرش، یا جو کچھ اس کے اُوپر ہے، اس کی طرف توجہ کرے گا تو کیسے ؟

آخری بات جو کہی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ عرش کروی شکل کا ہے اور اللہ تعالےٰ اپنی سب مخلوقات کو جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے، محیط ہے۔ ساتوں آسمان اور زمین اس کے ہاتھ میں اس سے بھی چھوٹے ہیں، جتنا کہ کسی کے ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

"مَا السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَمَا فِيْهِنَّ وَمَا بَيْنَهُنَّ فِيْ يَدِ الرَّحْمٰنِ إِلَّا كَخَرْدَلَةٍ فِيْ يَدِ أَحَدِكُمْ" "ساتوں آسمان اور جو کچھ ان میں اور ان کے درمیان ہے، رحمٰن (اللہ تعالیٰ) کے ہاتھ میں ایسے ہے، جیسا کہ تمہارے ہاتھ میں رائی کا دانہ"

یہ اور اس طرح کے دیگر آثار کتب حدیث میں معروف ہیں"

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : "اللہ تعالیٰ کے لیے تو بہت بلند مثال ہے۔ اگر ہمارے ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو، اور ہم چاہیں اس کو مٹھی میں لے لیں، تو مٹھی اس کو محیط ہو گی۔ اگر چاہیں تو اس کو ہاتھ کے نیچے کر دیں۔ دونوں حالتوں میں ہاتھ سے رائی کا دانہ جدا ہوگا۔ عرش سے مراد چاہے نواں فلک ہو، جو فلاسفہ کے نزدیک فلکِ اطلس ہے اور وہ اس کو فلکِ اعظم اور فلک الافلاک کا نام دیتے ہیں، یا وہ نویں فلک کو جسمِ محیط ہو، یا زمین کی سمت سے اس سے اوپر ہو اور اس کو محیط نہ ہو —

— ہر حال میں لازم ہے کہ عالمِ علوی اور عالمِ سفلی خالق کی نسبت انتہائی چھوٹے ہیں، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

"وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْأَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ - الآية" (الزمر : ۶۷) "انہوں نے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حق تھا اس کا حق نہیں پہچانا اور زمین ساری کی ساری قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوں گے"

اس سے متعلق احادیث آئندہ آئیں گی۔ عرش کو مخلوقات پر محیط مانا جائے جس طرح کہ گیند اپنے اندر کو محیط ہوتا ہے یا اس کو مخلوقات کے اُوپر مانا جائے کہ وہ مخلوقات کو محیط نہیں جس طرح کہ روئے

زمین جس پر ہم ہیں اپنے اندر کی نسبت سے اور جس طرح قبہ اپنے نیچے کی نسبت سے ہوتا ہے یا اس کے سوا۔ ہر صورت میں عرش مخلوقات کے اوپر ہوگا اور خالق سُبحانہٗ وتعالیٰ اس کے اوپر اور بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کے لیے علو کا قصد کرے گا نہ کہ تحت کا۔"

پھر شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العرش کے آخر میں فرمایا کہ "اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ اس سے بہت بڑا ہے کہ اس کے نزدیک مخلوقات اس طرح ہوں جس طرح فلک کا اندرون فلک میں ہوتا ہے۔ چنا، کالی مرچ وغیرہ ہمارے ہاتھ سے جس نسبت سے چھوٹے ہیں، اس کے نزدیک مخلوقات اس نسبت سے کہیں چھوٹی ہے۔ جب چنا اور کالی مرچ بلکہ درہم و دینار اور گیند وغیرہ جس کے ساتھ بچے کھیلتے ہیں انسان کے ہاتھ میں یا اس کے نیچے ہو اور کوئی عاقل انسان اس کے علو اور اس کے احاطہ کرنے کو معلوم کرنا چاہے تو کیا وہ تصور کر سکتا ہے کہ انسان فلک کی طرح ہے؟ اللہ تعالیٰ کے لیے تو اعلیٰ مثال ہے اللہ تعالیٰ اس گمان سے کہیں عظیم ترین ہے ایسا گمان وہی کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کما حقہٗ قدر نہیں جانتے۔ زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔"

ان نقول اور اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ یہ بحث بڑی دقیق ہے۔ نبہانی بیچارہ تو رہا ایک طرف بہت سے اہل علم اس کو نہیں سمجھ پاتے۔ اسی کے کلام کی وجہ سے بات کا اعادہ کیا گیا ہے لہٰذا اس کا الزام اس کے سر ہے ہم پر نہیں۔

یہاں کتاب "غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی" کا پہلا حصہ ختم ہوتا ہے ہم اللہ تعالیٰ ہی سے اس کی تکمیل کا سوال کرتے ہیں۔

مؤلف اس سے رمضان ۱۳۲۵ھ میں فارغ ہوا اور اس کا ترجمہ آج بتاریخ ۲۲ ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ بوقتِ مغرب مکمل ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک!